مَن يُرِدِ اللهُ بِهٖ خَيرًا يُفَقِّهْهُ فِی الدِّين. (الحديث)

أَنْوَارُ التَّجَلِّى

فِى مَا حَلَّ فِى

مُنْيَةُ الْمُصَلِّى

مصنّف: علامہ سدید الدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ

شارح: ابو الوفاء مفتی محمد سیف الرحمٰن ہزاروی

سعادتِ اہتمام: محمد قاسم جلالی

(بانی وچیئرمین، ویلکم ویلفیئر ٹرسٹ، پاکستان)

ناشر: مکتبہ غوثیہ ہول سیل

پرانی سبزی مارکیٹ، نزد دار العلوم غوثیہ وعسکری پارک، کراچی فون: 4910584-4926110

انوار التجلی

فی حل مافی

مُنیۃ المُصلّی

شارح

رئیس التحریر، استاذ العلماء، صدر المدرسین، فخر اہلسنّت

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سیف الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ غوثیہ

(ہول سیل)

پرانی سبزی منڈی، محلّہ فرقان آباد، نزد دار العلوم غوثیہ کراچی نمبر ۵

نام کتاب ______ انوار التجلی فی حل مافی مُنیۃ المُصلی
مصنف ______ مفتی محمد سیف الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی
باہتمام ______ محمد قاسم قادری
تعداد ______ 1100
ناشر ______ مکتبہ غوثیہ (ہول سیل) پرانی سبزی مارکیٹ نزد دارالعلوم غوثیہ و عسکری پارک
کراچی پاکستان-فون: 03002196801 -4910584 -4926110
کمپوزنگ ______ حافظ محمد محسن خان
پروف ریڈنگ ______ مولانا حاجی گل احمد، مولانا طارق بن آزاد.
کمپیوٹر ایڈیشن ______ اوّل - ۲۰۰۵ء

فہرست عنوانات

بسم الله الرحمن الرحیم

خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اجمعین

اللہ تعالیٰ کے (مقدس) نام سے شروع کرتا ہوں جو (بے حد) رحم کرنے والا، مہربان ہے۔

ہر (نوع کی) تعریف (وتوصیف) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا (تربیت کرنے والا) ہے۔ اور سب سے اچھا انجام ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ درود وسلام اسکے خاص رسول گرامی محمد اور ان کی آل اور سب ساتھیوں پر (ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوتا رہے)۔

تشریح چند الفاظ

۱: **اسم**...... نام، جمع اسماء۔

۲: **اللّٰہ**...... رب العزت، اصلی اور ذاتی نام جو سب ناموں کے لئے موصوف ہوا کرتا ہے جیسے: اللّٰہ، واحدٌ، ربٌّ، رحیمٌ، ودودٌ، وغیرہ۔ رحمٰن، رحیم دونوں اس کے صفاتی نام ہیں جو کثرت رحمت کا اظہار کرتے ہیں۔ رحمٰن کا اطلاق غیر خدا پر نہیں ہوسکتا جبکہ رحیم کا اطلاق مخلوق پر ہوسکتا ہے جیسے بالمؤمنین رؤف رحیم۔ دونوں صیغہ مبالغہ کے ہیں یا صفت مشبہ کے، دونوں کا مأخذ لفظ رحمت بمعنی رقۃ القلب ہے مگر یہاں جود واحسان اور تفضل وکرم مراد ہے۔

۳: **حمد**...... تعریف کرنا یا صرف تعریف۔

۴: **رب**...... صفت مشبہ، مصدر یا صیغہ اسم فاعل سے دراصل رابٌّ تھا۔ بطور کیفیت کثرت استعمال کے لئے الف حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے پالنے والا۔ اس کی تعریف صاحب روح المعانی یہ بیان فرماتے ہیں:

تبلیغ الشیء الیٰ کمالہ بحسب استعدادہ الاصلی شیئا فَشَیْئًا

یعنی کسی چیز کو اس کی اصلی اور فطری صلاحیت اور قابلیت کے مطابق آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہے جو بقید اضافت مخلوق پر اطلاق کیا جا سکتا ہے جیسے رب الدار اور رب البلد وغیرہ۔

۵: **العالمین**...... عَالَمٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں جہان، پس ماسوی اللہ کو عالم کہا جاتا ہے۔ چونکہ اسکے انواع واقسام بے شمار ہیں اس لئے اس کو باعتبارِ انواع کے جمع کہا گیا ہے۔

٦: العاقبة......انجام، یہاں عبارت میں مضاف محذوف یعنی حسن العاقبۃ، درجۃ العاقبۃ وغیرہ ہے۔

٧: المتقین......متقی کی جمع ہے جو تقوی سے بنا ہے پس اسکے دو معنی ہیں ڈرنا، بچنا۔ اسلام میں آئمہ کرام نے کئی انداز سے تقوی کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ مثلاً: بعض علماء نے فرمایا:

التقوی ان لا یراک اللّٰہ حیث نھاک و لا یفقدک حیث امرک

تقویٰ یہ ہے کہ اللہ نے جہاں سے تجھے منع کیا ہے وہاں تجھے نہ دیکھے اور جہاں تجھے حکم دیا ہے وہاں سے تجھے غیر حاضر نہ پائے۔

تقوی کے مراتب اربعہ ہیں: (۱) شرک وکفر سے بچنا (۲) حرام سے اجتناب کرنا (۳) شکوک وشبہات اور مشتبہ امور سے احتیاط کرنا (۴) ہر ایسے کام اور چیز سے احتراز کرنا جو یاد الٰہی سے غفلت کا سبب ہو۔ یہ اخص الخواص کا تقویٰ ہے جبکہ پہلی قسم کا تقوی عوام کے متعلق ہے۔

٨: صلوٰۃ......اسکے متعدد معانی ہیں یہاں بمعنی رحمت ہے۔

٩: سلام......نقائص وعیوب سے سلامتی مراد ہے۔

١٠: رسول......بمعنی مرسل ہے یعنی بھیجا ہوا۔ یہ رسالت سے نکلا ہے جس کے معنی پیغام ہیں۔ رسول اور نبی میں کچھ باریک سا فرق ہے:

الرسول ھو الذی ارسل الی الخلق معہ کتاب و دینٌ والنبی ما ینزل علیہ الوحی و لیس معہ کتاب و دین

پس دونوں میں عموم وخصوص کا فرق ہے کہ نبی عام اور رسول خاص ہے۔ بعض نے رسول کو ایک دوسری حیثیت سے عام قرار دیا ہے کہ رسول انسانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہوا کرتے ہیں جیسے قرآن مجید میں آیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ط — (سورۂ حج آیت: ۷۵)

جبکہ نبی انسانوں کیساتھ مختص ہے پس غیر انسان نبی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ کئی ہزار انبیاء ہوئے ہیں جبکہ رسول ۳۱۳ ہوئے ہیں اور کتابیں اور صحیفے ۱۰۴ ہوئے ہیں۔

خلاصہ......رسول صاحب کتاب اور مستقل دین رکھتا ہے جبکہ نبی صرف صاحب وحی ہوتا اسکے پاس کوئی مستقل دین اور کتاب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے سابق رسول کی پیروی اور اتباع کرتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول، صاحب کتاب اور صاحب دین تھے جبکہ ان کی اولاد اور پیروکار صرف نبی تھے جو انکے دین اور کتاب کی اتباع کیا کرتے تھے۔

١١: مُحَمَّد......یہ ماقبل سے بدل یا عطف کا بیان ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا علم ذاتی ہے جس کے معنی ہیں:

اَلَّذِی یُحْمَدُ حَمْدًا بعدَ حمدٍ — یعنی وہ جس کی بار بار تعریف کی جائے۔

محمد، حامد، احمد اور محمود آپکے مشہور اسمائے گرامی ہیں۔

١٢) آل......بعض کے نزدیک اصل میں اولٌ تھا پس واؤ کو صرفی قانون کے تحت الف کیساتھ تبدیل کیا گیا، جبکہ بعض کے نزدیک اصل میں اھلٌ تھا، صرف ھا کو ہمزہ کیساتھ تبدیل کر دیا گیا پس اس اصل کی وجہ یہ ہے کہ اسکی تصغیر اُھَیْلٌ آتی ہے۔ چونکہ تصغیر چیز کا اصل ظاہر کر دیتی ہے پس اسی وجہ سے معلوم ہوا کہ آلٌ دراصل اھلٌ تھا لہٰذا یہ اسکی تبدیل شدہ صورت ہے۔

آل اور اہل میں فرق

دونوں میں عموم وخصوص کا فرق ہے یعنی اھل عام اور آل خاص ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ: پہلا فرق......اھل کی نسبت جاندار اور غیر جاندار کی طرف ہوتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اھل الرجل و اھل البیت ۔جبکہ آل الرجل تو کہتے ہیں مگر آل البیت نہیں کہتے۔ کیونکہ آل کی نسبت اور اضافت صرف جاندار اور ذی عقل چیز کی طرف ہو سکتی ہے نہ کہ غیر جاندار کی طرف۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اھل شریف غیر شریف دونوں کی طرف منسوب اور مضاف ہوتا ہے جبکہ آل شریف کی طرف منسوب ہوتا ہے چنانچہ اھل النبی و اھل الحائک دونوں مستعمل ہیں اور آل النبی تو مستعمل ہے جبکہ آل الحائک قابل استعمال نہیں ہے۔ یہاں شرافت سے مراد شرافتِ عامہ ہے خواہ دینی ہو یا دنیاوی۔ کذا آل فرعون سے اشکال پیدا ہوگا کیونکہ اس میں شرافت دینی تھی تاہم دنیاوی شرافت بوجہ حکمران ہونے کے ضرور موجود تھی، فارتفع الاشکال یرد علیه بتوضیح ما سبق۔

س: آل سے کون لوگ مراد ہیں؟

ج: آل سے آنحضرت ﷺ کی اولاد اور ازواج مطہرات مراد ہیں جیسا کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

اختلف فی المراد بهم فی مثل هذا الموضع ...... ترون انهم قرابته ﷺ الذی حرمت علیهم الصدقة علی الاختلاف فیهم و قیل جمیع الامة (امة الاجابة لا الدعــــــــوة والیه مال ملک در مختار الازهری والنووی و ذکر القهستانی ان الثانی مختار المحققین-اھ (شامی جلد ۱ صفحه ۱۰)

۱۳: اصحابہ......یہ صاحب کی جمع ہے جیسے طاھر اطھار کی جمع ہے۔

قال فی شرح التحریر والسحابی عند المحدثین و بعض الاصولیین من لقی النبی ﷺ و آله و صحبه و سلم مسلما و مات علی الاسلام او قبل النبوة و مات قبلها علی الحنیفیة کزید بن عمرو بن نفیل (رضی الله تعالیٰ عنه) (کذا فی الشامی صفحه ۱۰)

س: مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب کا آغاز تسمیہ، حمد اور صلوٰۃ سے کیوں کیا؟

ج: چونکہ یہ تینوں کتاب اور سنت سے ثابت اور مأمور بہا ہیں اس لئے ان سے آغاز کیا گیا ہے۔ تسمیہ اور حمد سے تو خود قرآن مجید کا کتابۃً آغاز کیا گیا اور صلوٰۃ بر نبی کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت صلوٰۃ میں "یأیها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما" آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے کتابۃً صلوٰۃ وسلام دونوں کو یکجا کیا ہے۔

نیز اس میں آئمہ اسلاف اور اکابرین امت کا اتباع بھی پایا جاتا ہے کہ سب اپنی اپنی کتابوں کو تحریر کرتے وقت انہی امور ثلاثہ سے شروع کیا کرتے تھے چنانچہ ان کی تصانیف سے انکا طرز عمل بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ پس ان وجوہات کی بناء پر مصنف مرحوم نے بھی یہی اقدام کیا تاکہ کتاب وسنت اور اجماع اسلاف کی اتباع ہو جائے اور میری کتاب میں فیوض وبرکات پیدا ہو جائیں۔

واللّٰه تعالیٰ اعلم بالصواب الیه المرجع والمآب

مقدمۃ الکتاب

اعلموا وفقکم اللّٰه تعالیٰ و ایانا ان انواع العلوم کثیرة و اهم الانواع بالتحصیــــــل

مسائل الصلوٰۃ فلما رأیت رغبۃ المقتبسین فی تحصیلھا التقطتُ ما کثر وقوعہ و ما لا بُدَّ لھم منہ من مصنفات المتقدمین ومن مختارات المتأخرین نحو الھدایۃ والمحیط و شرح الاسبیجابی والغنیۃ و الملتقط و الذخیرۃ و فتاویٰ قاضیخان و جامعیہ و سمَّیتہ منیۃ المصلی و غنیۃ المبتدی و اسأل اللہ تعالیٰ ان یجعل ما اعتمدتہ خالصًا لوجہ تعالیٰ و مکفر الذنوبی بفضلہ و ان یغفر لی و لوالدی ولاستاذی و ھو الموفق للسداد و منہ الھدایۃ و الرشاد

تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں توفیق دے کہ بے شک علوم کی بے شمار قسمیں ہیں۔ اور سب سے اہم قسم کہ جس کو حاصل کیا جائے وہ مسائل نماز ہیں۔ جب میں نے مسائل نماز کو حاصل کرنے میں اقتباس کرنیوالوں کی رغبت اور خواہش دیکھی تو میں نے آئمہ متقدمین کی کتابوں اور متاخرین کے پسندیدہ اقوال میں سے ایسے مسائل کا انتخاب کیا جنکا وقوع زیادہ ہے اور ضرورت بھی زیادہ ہے۔ جیسے ہدایہ، محیط، شرح اسبیجابی، غنیۃ، ملتقط، ذخیرہ، فتاویٰ قاضیخان اور اسکے دو جامع۔ میں نے اس کا نام منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی رکھا (نمازی کی آرزو اور مبتدی کو بے نیاز کرنیوالی)۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے یہی سوال کرتا ہوں کہ جس پر میں نے اعتماد کیا ہے وہ اسے اپنی ذات کے لئے خالص بنادے۔ اور اپنے فضل و کرم سے میرے گناہوں کا کفارہ بنادے۔ اور مجھے، میرے والدین اور میرے اساتذہ کو بخش دے۔ کیونکہ وہی راہ راست کی توفیق دینے والا ہے۔ اور اسی سے ہدایۃ اور استقامت ہے۔

اللغات والمفردات

۱: وَفَّقَ...... یہ توفیق سے بنا ہے پس یہی اس کا مصدر ہے۔ التوفیق جعل الاسباب موافقۃ للمطلوب۔ مطلوب کے موافق اسباب تیار کرنا۔ اگر مطلوب خیر ہو تو اسے ''توفیق'' اور اگر شر ہو تو اسے ''خذلان'' کہتے ہیں۔

۲: مُقْتَبِسِیْن...... اس کا واحد مقتبس ہے جو باب افتعال کا اسم فاعل ہے، پس اس کا مجرد قبسٌ ہے جس کا معنی ہے آگ کا بڑا شعلہ۔ یہاں علم کا نور عظیم اور اس کے حاصل کرنیوالوں کو المقتبسین فرمایا گیا لہٰذا یہاں طالب علم مراد ہیں۔

۳: التقطتُ...... اس کا مصدر التقاطًا ہے، جس کے معنی ہیں چن لینا اور انتخاب کر لینا۔

۴: ما کثر و قوعہ و ما لا بد لھم منہ...... اس سے ایسے اسلامی مسائل مراد ہیں جو بکثرت پیش آتے رہتے ہیں اور ان کا جاننا ضروری ہے۔

۵: متقدمین و متاخرین...... پہلے اور پچھلے علماء۔

فائدہ

یہ تو ان الفاظ کے لغوی معانی ہیں رہا یہ کہ زمانے کے لحاظ سے ان میں حد فاصل کیا ہے۔ تو لیجئے مولانا عبدالحئی لکھنوی مقدمہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں:

المراد بالمتقدمین من فقهائنا هم الذین ادرکوا الآئمة الثلاثة و من لم یدرکهم فهو من المتأخرین و هذا هو الظاهر من الملاقاتهم فی کثیر من الموضع . و ذکر عبد النبی الاحمد نگری فی جامع العلوم نقلا عن صاحب الخیالات اللطیفة ان الخلف عند الفقهاء من محمد بن الحسن الی شمس الآئمة الحلوائی. و السلف من ابی حنیفة الی محمد. والمتأخرون من الحلوائی الی حافظ الدین البخاری.
(۵۱) و ذکر الذهبی فی مفتح کتابه میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال. ان الحد الفاصل بین المتقدمین و المتاخرین هو رأس ثلاث مائة (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۱۵)

یعنی متقدمین اور متأخرین میں فرق یہ ہے کہ جن حضرات نے ہمارے آئمہ ثلاثہ کا زمانہ پایا تو وہ متقدمین ہیں اور جن لوگوں نے ان کا دور نہیں پایا وہ متأخرین ہیں۔ قاضی عبدالنبی احمد نگری نے جامع العلوم میں ذکر کیا ہے کہ امام صاحب سے امام محمد تک سلف ہیں اور امام محمد سے شمس الآئمہ حلوائی تک خلف ہیں۔ اور حلوائی سے حافظ الدین بخاری تک متأخرین ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حلوائی سے اوپر والے متقدمین ہیں۔ ذھبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا کہ متقدمین اور متأخرین کے درمیان حد حاصل تیسری صدی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تیسری صدی تک متقدمین کا زمانہ ہے اور ازیں بعد متأخرین کا دور ہے۔

۶: چند کتابیں:

۱) **ھدایـــہ** ...... یہ شیخ الاسلام برھان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ کی تصنیف ہے۔ خود مصنف نے ایک متن بنام بدایۃ المبتدی تیار کیا تھا اور اسکی شرح کفایۃ المنتھی کے نام سے تحریر کی۔ پھر اختصار کا خیال آیا تو اسی کی شرح الھدایـــــہ کے نام سے شروع کر کے مکمل کی۔ یہ دراصل قدوری اور جامع صغیر کے دونوں متنوں کی شرح ہے۔ ۱۳ سال میں مکمل ہوئی۔ اور اس عرصہ میں مصنف روزہ رکھتے تھے چنانچہ اس کی برکت سے یہ شرح عموم وخواص میں مقبول ہوئی۔

۲) **محیط برھانی** ...... محیط سرخسی ان کے علاوہ بھی ہیں مگر دو زیادہ مشہور ہیں: اول الذکر برھان الدین محمود بن تاج الدین احمد متوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے۔

ثانی ...... شمس الآئمہ سرخسی محمد بن احمد حنفی متوفی ۴۳۸ھ کی تصنیف ہے جس کی دس جلدیں ہیں۔ (بحوالہ کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۱۹، ۲۰، ۱۶)

۳) **ملتقط** ...... اس نام کی دو کتابیں ہیں: ایک ملتقط فی الفتاویٰ الحنفیۃ، یہ امام ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی حنفی متوفی ۵۵۶ھ کی تصنیف ہے یہ تمام فتاووں کا مرجع اور مآل ہے۔

الملتقط دوم ...... یہ ابوالفضل محمد بن جعفر استاذ منذری ہروی کی تصنیف ہے جس کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی ہے۔

۴) **غنیـــہ** ...... اس نام کی متعدد کتابیں ہیں چنانچہ ان میں سے بعض یہ ہیں: (۱) غنیۃ الفتاویٰ ایک جلد میں ہے۔ یہ محمود بن احمد قونوی متوفی ۷۷۰ھ کی تصنیف ہے۔ (۲) غنیۃ الفقہاء یہ یوسف بن ابی سعید احمد بجستانی حنفی کی تصنیف ہے۔ (سن وفات معلوم نہیں ہوسکا) (۳) غنیۃ المفتی جو عبدالمؤمن بن رمضان کانی کی تصنیف ہے۔ جو اکثر وبیشتر مسائل فتاوی پر مشتمل ہے۔ سن وفات معلوم نہیں۔ (۴) غنیۃ القضاۃ (۵) غنیۃ المنیۃ، یہ صاحب قیفہ کی تصنیف ہے انکے علاوہ اور بھی متعدد غنیات ہیں۔

۵) **ذخیـرۃ الفتاویٰ** ...... یہ ذخیرہ برھانیہ کے نام سے لوگوں میں مشہور ومعروف ہے۔ یہ امام برھان الدین محمود بن احمد بن عبدالعزیز

بن مازہ بخاری کی تصنیف ہے جن کی وفات ۶۱۶ھ میں ہوئی ہے۔ محیط برھانی اور ذخیرہ کا مصنف ایک ہے۔ مؤخر الذکر محیط برھانی کا خلاصہ ہے۔ (کشف الظنون جلد ۱ ص ۸۲۳)

۶) فتاویٰ قاضیخان ...... یہ امام فخر الدین حسن ابن منصور اوز جندی الفرغانی التوفّی ۵۹۲ھ کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ قضاء و اِفتاء کے لئے ایک بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ دو بزرگوں نے اِسے ترتیب دی۔ ایک محمد بن مصطفیٰ بن حاج محمد آفندی صوفی رومی ہیں، دوسرے بزرگ یوسف بن جنید مشہور بہ اخی چلپی تو قانی ہیں۔

۷) شرح الاسبیجابی ...... اسبیجابی کون بزرگ ہوئے ہیں؟ اُن کا مکمل تعارف کیا ہے؟ کہاں پیدا ہوئے اور کہاں وفات پائی، علم و فضل میں کیا مقام رکھتے تھے اور انہوں نے کون سی کتاب کی شرح کی جس کا مصنف منیہ حوالہ دے رہے ہیں، یہ سوالات ہیں، اِن کا مختصر جواب ملاحظہ فرمائیں تاکہ یہ اِشکال اور ابہام رفع ہو جائے۔

علامہ اسبیجابی کا مختصر تعارف

علامہ اسبیجابی کا پورا نام ''علی بن محمد بن اسماعیل بن علی بن احمد بن محمد بن اسحٰق المعروف بشیخ الاسلام السمر قندی الاسبیجابی'' نسبة الی اسبیجاب بلدة بین تاشقند و سیرام کذا ضبطه الکاشفی الواعظ فی الرشحات ۔ یعنی ان کا نام علی بن محمد تا آخر شجرہ نسب ہے۔ یہ شیخ الاسلام کے لقب سے لوگوں میں مشہور تھے۔ علاقائی نسبت سمرقند سے ہے۔ اسبیجاب، تاشقند اور سیرام کے درمیان ایک شہر ہے جہاں کے یہ رہنے والے تھے، اسی لئے ''اسبیجابی'' کہلاتے ہیں۔ ولادت ۴۵۴ھ ماہ جمادی الاول میں ہوئی، آخر میں سمرقند آ کر مقیم ہو گئے، پھر وہیں ۵۳۵ھ میں وفات پائی۔ اپنے دور میں بے نظیر، ممتاز اور نامور عالم تھے کہ لوگ انہیں شیخ الاسلام کے لقب سے پکارتے تھے۔ ان کے دور میں حنفی مذہب کا حافظ اور عارف اِن کی طرح کوئی اور نہ تھا، پوری زندگی علم کی نشر و اشاعت میں گذاری، متعدد نامور دانشوروں نے اُن سے علم فقہ حاصل کیا۔ اُن میں ''صاحب ہدایہ'' سرِ فہرست ہیں۔ انہوں نے مختصر طحاوی اور مبسوط کی شرح لکھی، چنانچہ یہاں شرح اسبیجابی سے یہی مراد ہے۔

وجہ تصنیف کتاب

مصنف مرحوم اپنے اس قول میں علم فقہ خصوصاً مسائل نماز میں کتاب تصنیف کرنے کی ایک اہم اور خصوصی وجہ بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

بے شمار علوم ہیں، اُن سب میں شرف و بزرگی رکھنے والا علم ''علم الفقہ'' ہے۔ کیونکہ یہ کتاب و سنت اور اتفاقِ امت کا حاصل اور لب لباب ہے۔ اور اِس میں زیادہ اہمیت، افادیت اور ضرورتِ عامہ مسائل نماز میں ہے۔ لہٰذا ان کی تفصیل کتابی صورت میں چند معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کر کے پیش کی گئی ہے تاکہ عوام و خواص فائدہ اٹھائیں۔ اِس کی مقبولیت کی بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہے، اپنی اور سب اکابرین کی مغفرت کی التجا ہے، کیونکہ وہی سب کچھ کر سکتا ہے اور ہر چیز پر پوری پوری دسترس اور قوت رکھتا ہے۔

ادلۂ ثلاثہ سے نماز کی فرضیت کا ثبوت

اعلم بان الصلوٰة فریضة ثابتة بالکتاب و السنة و الاجماع الامة اما الکتاب فقوله تعالیٰ

«اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ» و قوله تعالٰى «وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ » اى صلوا للّٰه قائمين و قوله تعالٰى «حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى » و قوله تعالٰى «فَسُبْحَانَ اللّٰه حِيْنَ تمسُون و حينَ تُصبحُوْن وَ له الحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ عشيًا وَّحينَ تظهرونَ » و قوله تعالٰى «اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانت عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا » و اما السنة فما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال بنى الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدًا رسول اللّٰه و اقام الصلوٰة و ايتآء الزكوٰة و صوم شهر رمضان و حج البيت من استطاع اليه سبيلا و قوله عليه السلام لكل شئ علم و علم الايمان الصلوٰة و قوله عليه السلام الصلوٰة عماد الدين فمن اقامها فقد اقام الدين و من تركها فقد هدم الدين و قوله عليه السلام خمس صلوات افترضهن اللّٰه تعالٰى على العباد فمن احسن وضوء هن و صلاهن لوقتهن و اتم ركوعهن و خشوعهن كان له على اللّٰه عهد ان يغفرله و من لم يفعل ذلك فليس له على اللّٰه عهد ان شاء غفرله و ان شاء عذبه وقوله عليه الصلوٰة والسلام الفرق بين العبد والكفر ترك الصلوٰة و اما اجماع الامة فان الامة اجتمعت من لدن عهد رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم الى يومنا هذا على فريضة الصلوٰة من غير نكير منكر و لا منازعة منازع و لا ردّ رادٍّ فكان ذلك اجماعا و اجماع المسلمين حجة من اقوى الحجج بعد نص الأيات والخبر لقوله عليه الصلوٰة والسلام لا تجتمع امتى على الضلالة

جان لیجئے کہ نماز ایک ایسا فرض ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے اس کی فرضیت کے بارے میں چند ارشادات خداوندی پیش خدمت ہیں:

مثلا اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

۱)...... قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ یعنی اللہ تعالٰی کی خوشنودی کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

۲)...... دوسرا ارشاد ہے: اَقِيْمُو الصَّلٰوةَ یعنی ٹھیک وقت پر نماز صحیح ادا کرو۔

۳)...... تیسرا ارشاد ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عشيا حين تظهرون ۔یعنی اللہ تعالٰی کی پاکیزگی بیان کرو جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو اور آسمان وزمین میں اسی کیلئے حمد وثناء ہے اور پچھلے پہر اور جب تم ظہر کرتے ہو۔

۴)......چوتھا ارشاد ہے: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى سب نمازوں کی نگہبانی کرو خصوصاً درمیانی نماز کی۔

۵)......پانچواں ارشاد ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا یعنی بے شک نماز مسلمانوں پر اپنے اپنے مقررہ اوقات میں فرض ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے بے شمار ارشادات میں ادائیگی نماز کا ذکر آیا ہے پس ان میں چند ارشادات یہ ہیں:

پہلا ارشاد......حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ پہلی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے (سچے) رسول ہیں، دوسری چیز نماز (بروقت) ادا کرنا، تیسری چیز زکوۃ دینا، چوتھی چیز ماہ رمضان کے روزے رکھنا، پانچویں چیز بیت اللہ (شریف) کا حج کرنا۔ بشرطیکہ جو اس تک راستہ (طے کرنے) کی طاقت رکھتا ہو۔

دوسرا ارشاد......ہر چیز کی ایک نشانی ہے اور ایمان کی نشانی نماز ہے۔

تیسرا ارشاد......نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم کیا تو بلاشبہ اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے چھوڑ دیا یقیناً اس نے دین کو چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ بے شک اس نے دین کو گرا دیا۔

چوتھا ارشاد......پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا جس نے اچھی طرح وضو کر کے انہیں صحیح وقت پر ادا کیا اور ان کے رکوع، سجدہ اور خشوع کو پورا کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ اسے بخش دیگا۔ اور جس نے یہ کام نہ کیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کے لئے کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ اس کی مرضی ہے اگر چاہے تو اس کو بخش دے اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔

پانچواں ارشاد......بندہ مؤمن اور کافر میں جو حد امتیاز ہے وہ نماز چھوڑ دینا ہے اور جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی تو وہ بلاشبہ کفر تک پہنچے گا۔

اجماع امت......آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ہمارے اس دور تک پوری امت مسلمہ کا نماز کی فرضیت پر اتفاق ہے نہ کسی منکر نے اس کا انکار کیا اور نہ کسی ردّ کرنے والے نے اس کو ردّ کیا اور نہ کسی جھگڑنے والے نے اس میں جھگڑا ڈالا ہے تو پھر یہ متفقہ اجماع ہو گیا۔ اور قرآن وحدیث کی تصریحات کے بعد اجماع امت قوی دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی۔ اگر میری امت گمراہی پر متفق ہو جائے تو میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔

98125

ضروری نوٹ......کسی حکم کو ثابت کرنے کے لئے چار دلائل ہیں:- پہلا قرآن، دوسرا حدیث تیسرا اجماع امت چوتھا قیاس جو صریح نص سے مأخوذ ہے۔ اجماع امت سے نماز کی فرضیت پر استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ عہد رسول ﷺ سے لے کر آج تک اگر چہ مسلمانوں میں سینکڑوں فرقے پیدا ہو گئے ہیں تاہم کسی ایک نے بھی انفرادی یا اجتماعی طور پر نماز کی

فرضیت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ بلاتفریق پوری امت رسول ﷺ فرضیت نماز پر متفق ہے اگر چہ اس کے جزئیات میں کسی قدر اختلاف ہے لیکن نفس نماز میں کسی کو اختلاف نہیں۔ تو اس کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ امت کا اتفاق ایک اچھے کام یعنی فرضیت نماز پر ہوا ہے کیونکہ یہ کہا نہیں جاسکتا کہ پوری امت گمراہی پر متفق ہوگئی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے گمراہی پر متفق ہونے کی صریح الفاظ میں نفی فرمائی اور اتفاق نہ کرنے والوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فرضیت نماز پر امت کا اتفاق ایک کار ثواب پر اتفاق ہے۔ جو فرضیت نماز کی واضح دلیل ہے۔

تشریح

مصنف علیہ الرحمۃ اسی قول سے نماز کی فرضیت اور اسلام میں اس کی اہمیت اور ضرورت بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: نماز کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور یہ ارکان اسلام میں دوسرا اہم رکن ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیات وارشادات اسکی فضیلت وفرضیت پر موجود ہیں۔ لیکن مصنف نے صرف پانچ آیات پیش کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ پانچ پر اکتفاء کرنے میں کئی حکمتیں اور اسرار اور رموز ہوسکتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱: ارکان اسلام پانچ ہیں۔ یہاں انکے عدد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۲: اوقات نماز پانچ ہیں ہوسکتا ہے ان کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

۳: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسانی حالات کا لحاظ کیا گیا ہو۔

پہلی آیت...... قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ: قُومُوا یہ صیغہ امر ہے جو اہل اصول کے نزدیک وجوب شئی پر دلالت کرتا ہے بشرطیکہ قرائن سے خالی ہو لہٰذا اس سے وجوب صلوٰۃ معلوم ہوا۔

لِلّٰهِ ...... یہاں حرف لام سے دو امر ثابت ہوئے۔ ایک استحقاق اور اختصاص صلوٰۃ لذاتہ تعالیٰ۔ دوسرا نماز صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ادا جائے لہٰذا اس میں ریا نمائش اور نام ونمود کا قطعاً کوئی دخل نہ ہو ورنہ وہ عمل بلا فائدہ اور شجر بدون ثمرہ ہوگا۔ یاد رہے کہ آیۃ مبارکہ میں (قوموا) قیام سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ یہاں ذکر قیام سے مراد پوری نماز ہے کہ قیام اسکا ایک اہم جزء ہے گویا ذکر جزء مگر مراد کل ہے بطور مجاز۔ نماز کو قیام کہنا اسکی اہمیت اور رکنیت کی بنا پر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نماز میں قیام ضروری ہے بشرطیکہ کوئی خاص عذر اور مجبوری نہ ہو۔ اور صیغہ جمع سے نماز بحالت اجتماع یعنی نماز باجماعت پڑھنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مصنف نے آیۃ مبارکہ کی تفسیر میں صلوا لِلّٰہ قانتین فرمایا ہے۔ جسکا واضح مفہوم یہ ہے کہ قوموا سے صلوا مراد ہے یعنی تعبیر الکل باسم الجزء مجازاً مراد ہے۔ اور قانتین یہ صیغہ اسم فاعل ہے جس کا مادہ قنوت ہے۔ یہاں عند المصنف قنوت سے قیام مراد ہے۔ لوگو...... کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھو۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ کتب تفسیر اور روایات سے لفظ قنوت کے چند معانی معلوم ہوتے ہیں:

۱) طاعت ...... یعنی قوموا للہ مطعین مفہوم یہ ہے کہ اطاعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے رہو گویا یہاں قنوت بمعنی طاعت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کل قنوت فی القرآن فھو طاعۃ (رواہ احمد وغیرہ)۔ یعنی قرآن مجید میں جہاں

کہیں لفظ قنوت آیا ہے اس سے طاعت وانقیاد مراد ہے۔ علامہ روح المعانی فرماتے ہیں کہ قنوت کے اصل معنی طاعت ہیں۔

۲) سکوت...... چنانچہ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: حضرت زید کے الفاظ یہ ہیں، كنّانتكلّم فى الصلوٰة فيسلم الرجل فيردون عليه و يسألهم كم صلّيتم كفعل اهل الكتاب حتى نزلت (الآية المذكورة) فامرنا بالسكوت و نهينا عن الكلام. (رواه الشيخان بخارى و مسلم و تفسير كبير)۔ زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے۔ جب باہر سے کوئی شخص آتا اور نمازیوں کو دورانِ نماز سلام کرتا تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتے پھر وہ پوچھتا کہ کس قدر نماز ہوگئی جیسا کہ اہل کتاب کا رویہ تھا پھر «قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ» اُتری تو ہمیں خاموش رہنے اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا لہٰذا قنوت بمعنی سکوت ہے۔

۳) قنوت بمعنی ذکر۔

۴) قنوت بمعنی خشوع۔

۵) قنوت بمعنی تکمیل طاعت اور اتمام عبادت۔ كما روى عن مجاهد انه قال من القنوت طول الركوع وغض البصر والخشوع وان لا يلتفت و ان لا يقلب الحصىٰ ولا يعبث بشئى ولا يحدث نفسه بامرين امور الدنيا۔

۶) حضرت سعید بن میتب کی رائے ہے کہ اس سے قنوت فجر مراد ہے۔ بہر حال قنوت کا اطلاق متعدد معانی پر ہوتا ہے پس ان سب معانی کی گنجائش اس آیۂ مبارکہ میں ہے لیکن مصنف نے آیۂ مذکورہ نماز بحالت قیام پر استدلال کیا ہے اور نماز اور اس کے قیام کو صریح نص سے ثابت کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح نماز ضروری اور واجب ہے یونہی اس کا قیام بھی ضروری ہے جس کا ترک کرنا بلا عذر درست نہیں۔ (روح المعانی جلد اول)

دوسری آیت...... اقيموا الصلوٰة ۔ یعنی نماز صحیح ادا کرو۔ اس آیۂ کریمہ میں لفظ اقيموا صیغہ امر ہے جس کا مصدر الاقامة ہے جس کے حسب ذیل چند معانی ہیں:۔

۱) ایفائے عہد...... جیسے کہا جاتا ہے اقمت الشئى اقامة اذا وفيت حقه قال الله تعالىٰ فى هذا المعنى مخاطبا لاهل الكتاب: لستم على شئى حتى تقيموا التوراة والانجيل اى توفوا حقهما بالعلم و العمل۔

۲) تعدیل ارکان: كما يقال اقام العود اذا قومه یعنی کھڑی کو سیدھا کیا۔ مراد یہ ہے کہ نماز قائم کرتے ہیں یعنی اسکے ارکان میں تعدیل وتسویہ کرتے ہیں یعنی فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات وغیرہ مکمل رعایۃ کرتے ہوئے اسے ادا کرتے ہیں۔

۳) مواظبت ومداومت...... یہ قامت السوق اذا نفقت و اقمتها اذا جعلتها نافقة سے مأخوذ ہے یہ کلمات بازار کی ترویج اور نشرواشاعت کے موقع پر استعمال ہوئے تو اقامۃ کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں۔

۴) جد وجہد اور پوری سعی سے نماز ادا کرنا گویا اقامۃ صلوٰۃ قام بالامر و اقامه اذا جدّ فيه سے مأخوذ ہے پوری سعی وکوشش سے نماز ادا کرتے ہیں پس اس کی ادائیگی میں ذرہ بھر سستی، تکاسلی اور کوتاہی نہیں کرتے بعض اہل علم نے فرمایا کہ اقامت صلوۃ میں حسب ذیل معانی شامل ہیں:۔

(۱)صحت الفاظ (۲)دوام (۳)بروقت ادا کرنا (۴)کسی حالت میں نہ چھوڑنا (۵)ارکان وآداب کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھنا(۶)نظام صلوۃ کو قائم کرنا۔ پس اگر صفات مذکورہ کیساتھ نماز ادا کیجائے تو برائیوں اور بے حیائیوں سے رکاوٹ بنے گی ورنہ صرف پڑھنا چنداں مفید ومؤثر نہیں۔ (روح المعانی صفحہ ۱۹۵)

تیسری آیت……فَسُبْحَانَ اللّٰهِ……الخ (الروم)۔ تفسیر جلالین میں آیۃ مذکورہ کے ذیل میں ہے۔ «فسبحان الله »ای سبّحوا الله بمعنی صلُّوا۔ «حین تمسون »ای تدخلون فی المساء و فیه صلاتان المغرب و العشاء « و حین تصبحون » ای تدخلون فی الصباح و فیه صلوة الصبح. «وله الحمد فی السموٰت و الارض »۔

اعتراض

یعنی جملة معترضة وقعت بین المعطوف و المعطوف علیه کمالین: و المقصود من ایرادها اظهار استحقاق الحمد لله تعالیٰ و علیه بناء العبادة له فلذا قال الشیخ المفسر. ومعناه یحمده اهلهما (و عشیا) عطف علی حین و فیه صلوة العصر (و حین تظهرون) ای تدخلون فی الظهیرة (ای وسط النهار....) و فیه صلوة الظهر. وفی الآیة بیان الصلوة الخمسة کما اخرج الحاکم عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ان نافع بن الازرق سأله عن الصلوات الخمس فی القرآن قال نعم فقرأ فسبحان الله حین تمسون و حین تصبحون قال صلوة المغرب و العشاء والصبح و عشیا العصر و حین تظهرون الظهر (کمالین) وجه الاستدلال بالآیة تقیید التسبیح بالاوقات مع انه غیر مبتد بالزمان و المکان فظهر ان المراد به الشئی المقید بالاوقات و هو الصلوة. (۵۱)

خلاصہ مفہوم

آیت مذکورہ سے پانچ نمازیں ثابت ہوئیں۔"حین تمسون "سے نماز مغرب اور عشاء،"حین تصبحون" سے نماز صبح "عشیا" سے نماز عصر اور "حین تظهرون " سے نماز ظہر مراد ہے۔چنانچہ اسکی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ نافع بن ازرق نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ پانچ نمازوں کا قرآن مجید میں کہاں ذکر آتا ہے تو آپ نے اسی آیت سے اسے جواب دیا تھا۔آپکے استدلال کی بنیاد اس پر کہ آیت میں "سبحان الله "سے صرف ذکر مراد نہیں کیونکہ وہ کسی وقت سے مقید نہیں بلکہ ہمہ اوقات ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں تسبیح سے ادائیگی نماز مراد ہے کیونکہ وہ اوقات مقررہ میں فرض ہونیکی وجہ سے مقید بالوقت ہے پس مصنف سے اس آیت سے پانچ نمازیں اور انکے مقررہ اوقات بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون سے اوقات میں نماز فرض ہے۔

چوتھی آیت…… حافظوا الخ قال فی الجلالین (حافظوا علی الصلوات) ای الخمس بادائها فی اوقاتها (والصلوة الوسطی) معنی العصر کما فی الحدیث رواه الشیخان و به قال ابو حنیفة و احمد و صححه الاکثر (او الصبح) کما هو مذهب مالک و نص علیه الشافعی (او الظهر) (رواه مالک و الترمذی عن زید بن ثابت و عائشة رضی الله تعالیٰ عنهما و اختاره الشیخ المفسر وافردها بالذکر یفضلها (جلالین صفحہ ۳۷)

خلاصۂ عبارت

نماز پنجگانہ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ نمازیں ضائع نہ ہوں بلکہ پوری پابندی اور نگرانی کے ساتھ بروقت ادا کی جائیں۔اور صلوۃ

الوسطیٰ میں چند اقوال ہیں:

۱) نماز عصر...... احناف اور امام احمد کا یہی قول ہے اور اکثر اہل علم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۲) نماز فجر...... امام مالک اور امام شافعی کی یہی رائے ہے۔

۳) نماز ظہر...... بعض اکابر کی یہی رائے ہے اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔

پانچویں آیت...... ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا) ای مکتوبا ای مفروضا (موقوتا) مقدرا وقتها فلا تؤخر عنه قال المصنف ای فرضا موقتا. قال وقته الله تعالیٰ علیهم فلا بد من اقامتها فی حالة الخوف ایضا علی الوجه المشروع . و قیل مفروضا مقدرا فی اربع رکعات فی السفر رکعتین فلا بد ان تودی فی کل وقت جسما قدر (اھ)(ابو مسعود) یعنی ''موقوت'' بمعنی موقت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اوقات مقررہ میں اپنے بندوں پر نماز فرض کی ہے لہٰذا نماز خوف بھی وجہ مشروع کے مطابق ادا کی جائے۔

دوسرا مفہوم...... فرض مقدر گھر میں چار ہیں جبکہ سفر میں فرض مقدر دو ہیں لہٰذا جیسے قدرت ہو نماز ادا کی جائے اس میں سستی نہ کی جائے

حدیث سے فرضیت صلوٰۃ

اگر چہ اس سلسلہ میں بے شمار احادیث ہیں لیکن مصنف نے صرف پانچ احادیث ذکر کی ہیں۔

حدیث اول کا مفہوم

بخاری و مسلم شریف کی روایت ہے اس میں پانچ ارکان اسلام کا بیان ہے گویا اسلام کو اس خیمہ سے تشبیہ دی گئی کہ جس کے پانچ ستون ہوں ایک درمیان میں اور چار چار کونوں پر اگر درمیانی ستون نہ ہو تو خیمہ کھڑا ہی نہیں ہوگا اور دوسرے اگر کوئی ایک نہ ہو تو خیمہ بدنما اور ناقص نظر آئیگا یونہی اگر اقرار کلمہ شریف نہ ہو تو خیمہ اسلام قیام میں نہ ہوگا جبکہ باقی نہ ہوں تو اسلام ادھورا اور ناقص ہوگا۔

حدیث دوم کا مفہوم

ایمان کی ظاہری نشانی نماز ہے لہٰذا نماز سے ایمان پر استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایمان (تصدیق بالقلب) یہ تخم کی طرح نہاں ہے پس جس طرح درخت علامت تخم ہے اور اس کے وجود کی ایک قولی دلیل ہے یونہی نماز ثمرۂ تصدیق بالقلب ہے۔

حدیث سوم کا مفہوم

الصلوٰۃ عماد الدین...... الخ نماز کا قیام دین کا قیام ہے کیونکہ نماز دین اسلام کا ستون ہے مراد یہ ہے کہ دین کے قیام میں نماز کو بنیادی دخل ہے اور جزء الشئی کا قیام اسی شئی کا قیام ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

حدیث چہارم کا مفہوم

خمس صلوات...... الخ اس سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں:

۱) نماز فریضہ الٰہی ہے لہٰذا حقوق اللہ میں سے ہے۔
۲) طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔
۳) بروقت نماز ادا کرنی چاہیے۔
۴) رکوع اور سجدہ کا اتمام رکھے۔ حدیث کے مطابق پورے سکون واطمینان سے دونوں کو ادا کرے ورنہ نماز میں نقص آ جائیگا۔
۵) خشوع...... یہ ہے کہ دل کے جھکاؤ اور لگاؤ سے نماز پڑھی جائے یعنی باطنی آداب اور حضور قلب کا خیال رکھا جائے حدیث میں آیا ہے: ''لاصلوٰۃ الا بحضور القلب''۔
۶) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں اس سے اسکا عہد تفضل مراد ہے جو اپنے فضل وکرم سے اس نے خود اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

حدیث پنجم کا مفہوم

ترک نماز سے آدمی صرف گنہگار ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر انکار کرے تو کافر ہو جائیگا جیسا کہ آخری کلمات سے صراحتاً یہی ظاہر ہوتا ہے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا یہی ارشاد ہے۔

فرائض وضو

ثم اعلم بان للصلوٰة شرائط قبله و فرائض و اركانا و واجبات و سننًا و آدابا و كراهية و مناهي فيها و اما الشرائط فستّة الطهارة من الحدث و الطهارة من النجاسة وستر العورة و استقبال القبلة والوقت و النية اما الطهارة من الحدث فالاغتسال والوضوء عند وجود الماء والقدرة عليه وعند عدمها التيمم و لكل منهما فرائض و سنن و اداب و مناه اما فرائض الوضوء فاَرْبعة قال الله تعالٰى يآ يها الذين اٰمنوا اذا قُمتم اِلَى الصَّلٰوة فاغْسِلوا وُجُوهَكم وَ اَيْدِيَكم اِلَى الْمَرافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ والمرفقان والكعبان تدخلان في فرض الغسل و كذا ما بين العذارين والاذنين يجب غسله و المفروض في مسح الرأس مقدار الناصية و هو ربع الرأس لما روى المغيرة بن شعبة رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم اتى سباطة قوم فبال وتوضأ و مسح على ناصيته و خفيه و اما سننهٗ فغسل اليدين قبل ادخالهما الاناء الى الرسغ ثلثا لما انه عليه الصلوٰة والسلام قال اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده في الاناء حتى يغسلها ثلثا فانه لا يدرى اين باتت يده و تسمية الله تعالٰى في ابتداء الوضوء و الاصح انه يسمى

مرتین مرة قبل كشف العورة و مرة بعد سترها عند ابتداء غسل سائر الاعضاء

جان لیجئے کہ نماز سے پہلے اس کے لئے کچھ شرائط ہیں اور (نماز کے اندر) کچھ فرائض، ارکان، واجبات، سنت، مستحب اور کچھ کام مکروہ اور حرام ہیں۔ نماز کی چھ شرطیں ہیں:

۱: حدث اور جنابت سے پاک ہونا۔

۲: ظاہری نجاست سے (جسم اور لباس کا) پاک ہونا۔

۳: مقام ستر کو ڈھانپنا۔

۴: قبلہ کی طرف منہ کرنا۔

۵: نماز کا وقت ہونا۔

۶: نیت کرنا۔

حدث اور جنابت سے طہارت کا طریقہ...... یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہو تو حدث کی صورت میں وضو کرے اور جنابت کی حالت میں غسل کرے بشرطیکہ پانی استعمال کرنے پر قدرت رکھتا ہو جب یہ دونوں نہ ہوں (یعنی پانی موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن سے استعمال نہ کر سکتا ہو تو) پھر تیمم کرے۔ وضو اور غسل کے لئے کچھ فرائض، سنتیں، مستحبات اور کچھ ممنوعات ہیں۔ وضو کے فرائض کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں چار فرض ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو پہلے اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں سمیت دھو لیا کرو اور اپنے سروں پر مسح کیا کرو اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا کرو۔ دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونے کی فرضیت میں داخل ہیں۔ اسی طرح وہ حصہ جو دو رخساروں اور دو کانوں کے درمیان ہے اس کا دھونا ضروری ہے اور سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار فرض ہے اور اس سے چوتھائی سر مراد ہے اس لئے کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کچھ لوگوں کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس آئے، پیشاب کیا اور وضو فرمایا، اپنی پیشانی اور موزوں پر مسح کیا۔ (یہاں پیشانی پر مسح کرنے سے مراد چوتھائی سر کا مسح ہے) کیونکہ پیشانی مسح کا محل نہیں۔

سننِ وضو

چند کام وضو میں سنت ہیں جو یہ ہیں:

۱- تین مرتبہ ہاتھوں کو کلائیوں تک دھونا برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک انہیں تین مرتبہ دھو نہ ڈالے کیونکہ وہ اس بات کو نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھوں نے کہاں رات گزاری۔

۲- وضو کی ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھنا۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دو مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھے۔ ایک مرتبہ ستر کھولنے

سے پہلے اور دوسری مرتبہ ستر ڈھانپنے کے بعد۔

تشریح وتوضیح

ایمان لانے کے بعد اسلام کا پہلا بنیادی رکن نماز ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان حد فاصل اور وجہ امتیاز ہے۔ یہ ایک مرکب عبادت ہے جس میں کچھ افعال اور کچھ اقوال ہیں۔ لہٰذا اس سے پہلے کچھ شرائط ہیں جن پر وجود صلوٰۃ کا تحقق موقوف ہے اور باقی خود نماز کے اندر چند ارکان، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات اور ممنوعات ہیں۔ بس یہی وہ امور ہیں جن سے نماز عبارت ہے۔

۱: شرط...... جو کسی چیز کی حقیقت و ماہیت سے خارج ہو مگر اس چیز کا وجود اس پر موقوف ہو، جیسے وضو نماز کیلئے۔ اس کی جمع شرائط اور شروط آتی ہے۔ آئمہ لغت کے نزدیک اس کے معنی ''علامت'' کے ہیں۔

۲: رکن...... اس کی جمع ارکان ہے۔ کسی چیز کا جزء اُس کا ''رکن'' کہلاتا ہے۔ نماز کے ارکان قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ وغیرہ ہیں کیونکہ یہی نماز کے اجزاء ہیں۔

فرض...... فرائض، فریضۃ کی جمع ہے فریضہ بمعنی فرض ہے۔ فرض وہ کام جو کسی قطعی اور حتمی دلیل سے ثابت ہو کہ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اسے بلا عذر چھوڑنے والا ''فاسق'' اور منکر حدودِ اسلام سے خارج ہے، بشرطیکہ فرض متفق علیہ ہو، اجتہاد سے نہ ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض عین، جس کی ادائیگی سب پر ضروری ہو لہٰذا البعض کے ادا کرنے سے کُل سبکدوش نہ ہوں جیسے فرائض پنجگانہ وغیرہ۔ (۲) فرض کفایہ، اگر بعض ادا کریں تو سب بری الذمہ ہو جائیں اور اگر ایک بھی ادا نہ کرے تو سب گناہگار ہوں جیسے نماز جنازہ وغیرہ۔

واجبات...... یہ واجب کی جمع ہے۔ عربی لغت میں ''واجب'' کے دو معنی آئے ہیں: (۱) وجوب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ''سقوط'' یعنی ''سقط عنا علمه و علينا عمله'' یعنی اس کا علم ہم سے ساقط ہو گیا ہے ہاں البتہ اس پر عمل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ (۲) ''وجیب'' سے ماخوذ ہے کہ جس کا معنی ''تردّد اور اضطراب'' ہے چونکہ اس کا ثبوت بھی تردّد و اضطراب اور شبہ سے خالی نہیں ہوتا اس لئے اس کو ''واجب'' کہا گیا ہے۔ قرآن مجید سورۃ الحج میں آتا ہے ''فاذا وجبت جنوبها'' اى سقطت الى الارض بعد النحر (جلالین)۔ یعنی جب ذبح کرنے کے بعد بُدنہ کی کروٹیں (پہلو) زمین پر گر جائیں۔ یہاں ''وجوب'' بمعنی ''سقوط'' ہے وجب الحائط وجبة سے ماخوذ ہے۔ یعنی دیوار پوری طرح گر گئی۔ جب ایسا ہو تو پھر یہ کلام استعمال کیا جاتا ہے۔ (کبیر، روح) یہاں لغوی معنی کی مناسبت بالمعنی الشرعی ظاہر ہے و فى الشرع ما لزم بدليل فيه شبهة. و حكمه ان يفسق تاركه غير مؤول و لا يكفر جاحده۔

سنناً...... یہ سنت کی جمع ہے و هو فى اللغة الطريقة والسيرة و فى الشرع الطريقة المرضية المسلوكة فى الدين بين الزام على سبيل المواظبة و حكمها ان يطالب المكلف باقامتها من غير افتراض و لا وجوب (اھ) (حاشیہ صغیری شرح منیۃ ص ۵)

آداباً...... یہ ادب کی جمع ہے و هو دون رتبة السنة فلا كراهة فى تركه (اھ) (صغیری ص ۵) و فى الحاشية و هو

فی اللغة الظرف و حسن التناول والمراد به ههنا ما فیه زیادة احترام للصلوٰة۔

کراهیةً...... قال فی الصغیری هی بتخفیف الیاء والمراد بها ما یتضمن ترک سنة و هو کراهة التنزیهیة او ترک واجب و هو کراهة التحریم (۵۱) و فی الحاشیة التحریمة اِلی الحرام اقرب مع التنزیهة الی الحلال اقرب یعنی لا یعاقب فاعله لکن یثاب تارکه ادنی ثواب۔ (اخی چلپی)

مناهی......جمع منهی و هو محل النهی والمراد بها ما یفسد الصلوٰة (اھ)۔ (صغیری)

س: یہاں فرائض، واجبات، ارکان اور سنن وغیرہ سے کیا مراد ہے؟

ج: ائمہ لغت کے نزدیک شرط کے معنی علامت ہیں اور شریعت میں ما یتعلق به الوجود دون الوجوب ای ما یتوقف علیه وجود الشیئ و لا یثبت به۔(اھ)(کبیری) قال فی الصغیری المراد بہ ہنا ما لا تصح الصلوٰۃ الا بتقدیمہ۔

الشرط......علیها الصلوٰة المراد من الفرض هنا ما لا صحة للصلوٰة بدونه سوی الشرائط والارکان۔

الارکان......جمع رکن والرکن فی اللغة الجانب الاقوی والمراد به هنا ما یکون جزأً من الصلوٰة (صغیری) و فی حاشیتهٖ المراد به الجزء الذاتی تترکب الماهیة منه و من غیره و قد تقدم انها داخلة فی الفرائض۔

الواجب......المراد به هنا ما لا تفسد الصلوٰة بترکه بل ان ترکه سهوًا یجب سجود السهو و ان ترک عمدًا تصح الصلوٰة مع النقصان فیجب اعادتها و ان لم یعدها یکون فاسقًا و آثمًا۔(اھ)

السنۃ......المرادبها هنا ما یثاب بفعله علی الصلوٰة و ان تکره تکون الصلوٰة مکروهة کراهة تنزیهة و لا یجب سجود السهو بترکه۔

طہارت مِن الحدث...... سے وہ ناپاکیزگی مراد ہے جو غسل اور وضوء کے لئے موجب ہو اور اس کو ''نجاست حکمیہ'' کہا جاتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ ایسی ناپاکی جو حسی اور مرئی نہ ہو بلکہ شرعاً نجاست کا حکم رکھتی ہو لہٰذا اسلام نے اس کو حدث اور عدم طہارت قرار دیا ہے لہٰذا ایک مسلمان کے لئے اس کا ازالہ ضروری ہے۔

نماز سے پہلے چھ شرائط ہیں جن کا وجود اور تحقق صحتِ صلوٰۃ کے لئے ضروری ہے، اور وہ یہ ہیں:۔

ا: نجاست حقیقی اور حکمی دونوں نہ ہوں۔

۳: قبلہ کی طرف منہ ہو (بشرطیکہ قدرت رکھتا ہو ورنہ جہت قدرت یا جہت تحری کافی ہے)۔

۴: ستر عورت۔

۵: نماز کا وقت ہونا۔

۶: نماز پڑھنے کا ارادہ کرنا۔

طہارت عن الحدث و الجنابۃ کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ پانی ہو، دوم یہ کہ اسکے استعمال کرنے کی قدرت اور طاقت ہو تا کہ بحالت ''حدث'' وضو کرے اور بحالت جنابت غسل کرے۔ لیکن اگر دونوں پر قدرت نہ ہو تو پھر حصول طہارت کا ذریعہ

تیمم ہے جو شرعاً طہارت ہے۔

اب مصنف ہر ایک کی تفصیل ذکر کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ان تینوں (وضو، غسل اور تیمم) میں کچھ فرائض ہیں اور کچھ کام سنت، مستحب اور بعض عوارض درجۂ تنزیہہ یا تحریمی رکھتے ہیں۔ فرائض وضو چار ہیں، چنانچہ اس پر قرآنی آیت پیش کرتے ہیں **یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ** آیۂ مذکورہ سے چند فوائد اور مسائل معلوم ہوئے:

۱: فروعات اور اعمال کے مخاطب صرف اہل ایمان اور کفار اور مشرکین نہیں **کما تقرر فی الاصول**۔

۲: طہارت کے لئے مکان و زمان کی تخصیص نہیں جیسا کہ حرف ''اذا'' دلالت کر رہا ہے۔

۳: **قمتم** کے معنی **اذا اردتم القیام الی الصلوٰۃ** کیونکہ قیام فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری مسبوق بالارادہ ہوا کرتا ہے لہٰذا یہاں تقدیر ارادہ ضروری ہے اور اس پر قرینہ عدم ترتیب جزا علی الشرط ہے جیسا کہ ظاہر ہے لہٰذا ترتب جزا تقدیر ارادہ ضروری ہے نیز وجوب کے لئے تقدیر ''**وانتم محدثون**'' ضروری ہے ورنہ ہر نماز سے قبل وضو کرنا ضروری اور لازمی ٹھہر گیا اگرچہ محدث نہ ہو جیسا کہ آغاز اسلام میں بعض ائمہ کی رائے ہے۔ فرائض وضو یہ ہیں:

(۱) منہ دھونا۔ (۲) کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا۔ (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ (۴) ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔

۴: **فاغسلوا** اور **وجوھکم** اور **ایدیکم** یہ سب صیغہائے جمع ہیں، چونکہ یہاں **مقابلۃ الجمع بالجمع** ہے لہٰذا **توزیع علی الافراد** مراد ہے یعنی ہر شخص اپنا اپنا منہ دھوئے اور اپنے اپنے ہاتھ دھوئے اور اپنے اپنے سر کا مسح کرے اور اپنے اپنے پاؤں دھوئے کما تقرر فی الاصول۔ یاد رہے کہ اِس سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا دھونا ثابت ہوگا پس دوسرے ہاتھ اور پاؤں کا دھونا یا تو دلالت النص سے ثابت ہو لتساوی الیدین یا فعل رسول یا اجماع امت سے ثابت ہوا ہے، لہٰذا یہ اعتراض اور سوال نہ وارد ہوگا۔

۵: فرض غسل میں کہنیاں اور ٹخنے دونوں داخل ہیں کیونکہ یہاں غایۃ داخل فی المغیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے وجہ یہ کہ غایۃ جنس المغیا ہے۔ پس اگر ایسا ہو تو یہی حکم ہے ورنہ غایۃ **خارج عن المغیا** ہوگا جیسے ''**ثم اتموا الصیام الی اللیل**'' یہاں ''لیل'' خارج عن الصوم ہے وجہ یہ کہ اللیل من جنس الصیام نہیں کما ھو الظاہر۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس آیۃ میں **دخول الغایۃ فی المغیا** کی تصریح کر دی ہے۔

س: وضو اور غسل میں واجبات کو کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟

ج: ان دونوں میں کوئی واجب نہیں تا کہ اصل (نماز) اور فرع کی مساوات نہ لازم آئے۔ **قیل فیہ نظر لانہ لا یلزم بالنذر بخلاف الصلوٰۃ فارتفع المساواۃ بینھما بوجہ آخر** ۔ چونکہ حد الوجہ میں ''**مابین العذارین والاذنین**'' داخل ہے۔ لہٰذا ان دونوں مقامات کا دھونا ضروری ہے۔ وضو کی تین قسمیں ہیں:

۱: فرض...... جیسے محدث کا نماز کیلئے وضو کرنا۔

۲: واجب...... **الوضوء للطواف**۔

۳: مستحب...... **کالوضو للنوم والوضوء علی الوضوء**۔ (الخلاصہ قاضیخان)

الغسل...... مصدر فاغسلوا، وهو الاصالة و حدها عندهما ان يتقاطر الماء و لو قطرةً و عند ابی یوسف ان یسیل علی العضو و ان لم یتقاطر كذا قال ابن الهمام فی شرح الهداية۔

قولہ وامسحوا......من المسح و هو فی اللغة امراد الشئ علی الشئ و هو المراد فی التیمم و ارید به فی الوضوء اصابة الید المبتلة ما امر بمسح. (اھ)

قرآن مجید اگرچہ مطلقاً ''وامسحوا برؤسکم'' آیا ہے لیکن چونکہ آیۃ مجمل ہے اور مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں اس کا بیان اور اجمال کی تفصیل وتشریح حدیث غیر متواتر و مشہور سے ہو سکتی ہے، یہاں حدیث میں پیشانی پر مسح کرنے سے مراد چوتھائی سر کا مسح ہے۔

وضو کی سنتیں

۱: برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونا۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ ہاتھ نے رات کہاں گزاری، لہٰذا اس کی طہارت مشکوک ہوگئی۔

۲: وضو کی ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھنا۔ بہتر یہ ہے کہ دو مرتبہ پڑھے جیسا کہ مصنف نے محل بیان فرمادیا، اس کی وجہ کام کا آغاز اور انجام دونوں خدا تعالیٰ کے بابرکت نام سے ہوں۔ (نیز وضو کرتے وقت) ہر اندام دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھے تاکہ اعضائے وضو کل روز قیامت اس کے گواہ ہوجائیں اور فرشتوں کی باز پرس اور سوال و جواب سے بچ جائے، اسی موقع پر کلمہ شہادت پڑھنے کی غالباً یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔

سنن و مستحبات وضو اور مسح کرنے کا مسنون طریقہ

والمضمضة والاستنشاق بمائين جديدين والسواک و ايصال الماء الى ما تحت الشارب والحاجبين و مسح ما استرسل من اللحية و تخليلها و استيعاب جميع الرأس فی المسح بماء واحد و كيفية الاستيعاب ان يأخذ الماء و يبلّ كفيه و اصابعه ثم يلصق الاصابع و يضع علی مقدم رأسه من كل يد ثلث اصابع و يمسک ابهاميه و سبابتيه و يجافی بطن كفيه عن رأسه و يمدهما الى القفا ثم يضع كفيه على جانبی الرأس و يمسحهما بكفيه ثم يمسح ظاهر اذنيه بباطن ابهاميه و باطن اذنيه بباطن مسبحتيه كذا ذكره فی المحيط و يمسح الرقبة بظهر الاصابع الثلث بماء جديد و قال بعضهم هو ادب و تخليل الاصابع و تكرار الغسل الى الثلث و النية و الترتيب و الدلک و الموالاة

کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا یہ دونوں نئے پانی ہوں، مسواک کرنا، مونچھوں اور ابروؤں کے نیچے پانی پہنچانا، ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو لٹکے ہوئے ہیں اور ان کا خلال کرنا۔ اور ایک ہی پانی سے سارے سر کا بالاستیعاب مسح کرنا، اور

استیعاب کا طریقہ یہ ہے کہ پانی لے کہ دونوں ہتھیلیوں اور انگلیوں کو تر کرے، پھر انگلیاں جوڑ کر رکھے پھر ہر ہاتھ کی تین انگلیاں سر کے اگلے حصے پر رکھے اور دونوں انگوٹھے اور شہادت کی انگلیاں الگ کرے اور دونوں ہتھیلیوں کا پیٹ دور رکھے اور ان دونوں کو گدی تک کھینچ کر لے جائے پھر دونوں ہتھیلیاں سر کے دونوں جانب رکھے اور ان دونوں ہتھیلیوں سے مسح کرے (اور انہیں سر کی اگلی جانب کھینچتے ہوئے لے آئے) پھر دونوں کانوں کی ظاہری سطح کا مسح کرے لیکن دونوں انگوٹھے اور دونوں کانوں کے اندرونی حصے کا دونوں شہادت کی انگلی کے اندرونی حصہ سے مسح کرے۔ اسی طرح محیط میں ذکر کیا ہے اور نیا پانی لے کر تین انگلیوں کی ظاہری سطح سے گردن کا مسح کرے بعض نے کہا ہے کہ یہ مستحب ہے اور ساری انگلیوں کا خلال کرنا اور تین دفعہ اعضاء وضو کو تکرار سے دھونا، نیت کرنا اور ترتیب کے مطابق وضو کرنا، اعضاءِ وضو کو رگڑ کر (مَل مَل کر) دھونا اور لگاتار (تسلسل) سے دھونا۔

چند مفرادت

۱:	المضمضة	منہ میں پانی ڈالنا، کلی کرنا۔	۲:	الاستنشاق	ناک میں پانی چڑھانا۔
۳:	مـــائـيـن جديدين	دو نئے پانی۔ یہ ماءٌ جدیدٌ کا تثنیہ ہے۔	۴:	السواک	وہ لکڑی جس سے منہ کو صاف کیا جاتا ہے بحذف المضاف ای استعمال
۵:	ایصال	پہنچانا۔	۶:	الشاربين	تثنیہ شارب، دو
۷:	الحاجبين	تثنیہ حاجب دو ابرو۔	۸:	ما استرسل	من الاسترسال، چھوڑی اور لٹکی ہوئی چیز۔
۹:	اللحية	داڑھی۔	۱۰:	تخليل	خلال کرنا۔
۱۱:	استيعاب	احاطہ کرنا۔	۱۲:	ان يبلَّ	من البلل، تری۔
۱۳:	الصاق	جوڑنا، ملانا۔	۱۴:	اصابع	جمع ہے اصبع کی، انگلی۔
۱۵:	امساک	روکنا، جدا کرنا۔	۱۶:	ابهام	انگوٹھا۔

۱۷: سبابة انگوٹھا کے متصل انگلی۔ اس کو سبابہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سب بمعنی گالی ہے چونکہ لڑائی اور اس کے ساتھ اشارہ کر کے گالی دی جاتی ہے اسلئے اس کو سبابہ یعنی گالی والی انگلی کہتے ہیں، اسکو مسبحہ بھی یعنی تسبیح والی انگلی بھی کہتے ہیں چونکہ اس کے ساتھ توحید کی شہادت دی جاتی ہے اس لئے اس کو مسبحہ اور انگلی شہادت کہتے ہیں۔

۱۸:	يجافي	ای يباعد یعنی دور رہے۔	۱۹:	بطن	پیٹ۔
۲۰:	كف	ہتھیلی۔	۲۱:	يمد	من المد، دراز کرنا
۲۲:	القفا	گدی۔	۲۳:	وضع	رکھنا۔
۲۴:	الرقبة	گردن۔	۲۵:	ظهر	پشت۔

۲۶: الدلک رگڑ کر دھونا۔ ۲۷: الموالات پے در پے اور لگاتار دھونا کہ ایک عضو خشک ہو پہلے دوسرے کو دھو ڈالنا۔

تشریح

مضمضہ اور استنشاق کے سنت ہونیکی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو کرنے میں ان کو ہمیشہ کیا چنانچہ ارباب سنن نے عبد اللہ بن زید اور طبرانی نے باسند صحیح روایت کیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام وضو کرتے **توضأ فمضمض ثلاثا و استنشق ثلاثا یأخذ لکل واحدۃ ماء جدیدا**۔ یعنی تین تین مرتبہ نیا پانی لیکر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے۔

قولہ ایصال الماء تحت الشاربین الخ...... چونکہ منہ کا دھونا فرض ہے لہٰذا تکمیل فرض کے لئے کیا جاتا ہے۔

قولہ تخلیل اللحیۃ...... حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی داڑھی مبارک کا خلال کیا کرتے تھے۔ خلال لحیہ امام ابو یوسف کے نزدیک حدیث مذکور کی وجہ سے سنت ہے جبکہ امام صاحب اور ان کے شاگرد رشید امام محمد کے نزدیک مستحب ہے۔ ایک روایت میں جائز ہے۔ **و فی المبسوط رجح قول ابی یوسف الخ**۔ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ داڑھی کثیف (گھنی) ہو نچلی جلد نظر نہ آئے لیکن اگر داڑھی پتلی ہو کہ جلد اسفل نظر آئے تو پھر چہرہ کی جلد کو دھونا ضروری ہے۔ (ظہیریہ) کیونکہ غسل سقوط جلد بوجہ کثافت لحیہ تھا پس جب مانع زائل ہوگیا تو اصل جلد کا دھونا ضروری ٹھہرا جیسا کہ ظاہر ہے۔

قولہ استیعاب جمیع الرأس فی المسح...... اقول اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے مع ترک بعض الاوقات ہمیشہ اس طرح کیا جو دلیل سنیت مسح ہے۔ رہا یہ کہ ایک مرتبہ مسح کیا اس لئے کہ روایات میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام کے وضو کرنے کی یہی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

قولہ کیفیۃ استیعاب المسح...... یہاں استیعاب مسح کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر معلم کو چاہئے کہ وہ خود بالاستیعاب مسح کر کے طلبہ کو دکھائے تا کہ انہیں سمجھنے میں آسانی ہو اور کوئی دشواری پیش نہ آئے کیونکہ تعلیم دین میں پریکٹیکل طریقہ اختیار کرنا طریقۂ نبوی اور اس کے اتباع میں اصولِ اسلاف ہے۔

قولہ مسح الاذنین...... اقول یہی سنت ہے چنانچہ محیط وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ مسح سر میں یہ کیفیت کوئی ضروری نہیں بلکہ مقصود جس طرح بھی ہو استیعاب ہے۔ سر کے مسح کی تری لیکر کانوں کا مسح کرنا اس وقت ہے کہ جب سر پر پگڑی نہ ہو اگر ہو اور تر ہاتھ اس کے لگ جائیں تو پھر جدید پانی سے مسح کرے۔

قولہ یمسح الرقبۃ بظھور الاصابع الثلاث...... (الخنصر والبنصر والوسطی) بماء جدید قال فی الصغیری لا حاجۃ الیہ (یعنی الی الماء الجدید) لان البلۃ التی علی ظھور الاصابع باقیۃ فلا حاجۃ الی التجدید (اھ)

خلاصہ...... یعنی مسح گردن کیلئے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ انگلیوں کی پشت پر سابقہ تری موجود ہے اور مسح کیلئے وہی کافی ہے۔

قولہ مسح الرقبۃ ادب...... **اقول** - مسح گردن کی نوعیت میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سنت ہے جبکہ بعض کی رائے مستحب ہے۔ امام قاضیخان اس کو سنت اور مستحب دونوں نہیں کہتے گویا صرف جواز کے قائل ہیں۔ اکثر علماء نے مستحب کہا

ہے و هو الاصح لانه روى فعله عنه عليه السلام فى بعض الاحاديث۔

وضو کے مستحبات

و اما ادابه فهو ان يتأهب الوضوء للصلوٰة قبل دخول الوقت و ان يجلس للاستنجاء متوجها الى يمين القبلة او الى يسارها متفرجا الا ان يكون صائما و ان يغسل مخرج النجاسة اذا لم يجاوز النجاسة من مخرجها فغسله مستحب و اما اذا جاوزت من مخرجها و لم تكن قدر الدرهم فغسله سنة و ان كانت قدر الدرهم فغسله واجب و ان زادت على قدر الدرهم فغسله فرض و ان يغسله حتى ينقيه و ليس فيه عدد مسنون و كذا فى الاستنجاء بالاحجار و يمسحه حتى ينقيه و ان يمسح موضع الاستنجاء بالخرقة بعد الغسل قبل ان يقوم فان لم تكن معه خرقة يجففه بيده و ان يستر عورته حين فرغ و ان يتولى امر الوضوء بنفسه و لا يأمر غيره و ان يجلس مستقبل القبلة عند غسل سائر الاعضاء و ان يكون جلوسه على مكان مرتفع و ان لا يتكلم بكلام الدنيا و ان يتشهد عند غسل كل عضو و ان يدعو بما جاء فى الاثار و ان يمضمض و يستنشق بيده اليمنى و يمتخط و يستنثر بيده اليسرى و ينبغى ان يأخذ لكل واحد منهما ماء جديدا و ان يستاك بالسواك ان كان له سواك و الا فبالاصبع و ان يستاك عرضا لا طولا و ان يبالغ فى المضمضة والاستنشاق الا ان يكونْ صائما والمبالغة فى المضمضة قال بعضهم هى الغرغرة و قال الصدر الشهيد رحمه الله هى تكثير الماء حتى يملأ الفم و فى الاستنشاق جذب الماء حتى يصعد الى منخريه و ان يدخل اصبعيه فى صماخ اذنيه عند المسح و ان يخلل اصابعه بخنصر يده اليسرى و ان يحرك خاتمة ان كان واسعا و ان كان ضيقا ففى ظاهر الرواية عن اصحابنا لابد من تحريكه او نزعه هكذا ذكره فى المحيط و ان لا يسرف فى الماء و ان كان على شط نهر جار لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه سئل اَو فى الوضوء سرف قال نعم و لو كنت على صفة نهر جار و ان لا يقتر فى الماء و ان يملأ انا ئه مرة ثانية و ان يقول عند تمامه او فى خلله اللّٰهم اجعلنى من التوابين واجعلنى من المتطهرين واجعلنى من

عبادک الصالحین واجعلنی من الذین لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون و ان یقول بعد فراغہ سبحانک اللّٰھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت وحدک لاشریک لک استغفرک و اتوب الیک و اشھد ان محمدا عبدک و رسولک ناظرا الی السماء و ان یقرأ سورۃ انا انزلناہ مرۃ او مرتین او ثلثا و ان یشرب فضل وضوئہ قائما و یقول عقیب شربہ اللّٰھم اشفنی بشفائک و داونی بدوائک واعصمنی من الوھل والامراض والاوجاع و یکرہ الشرب قائما الا ھذا و شرب ماء زمزم و ان یصلہ بسبحۃ ای نافلۃ الا ان یکون فی وقت مکروہ و ان یتوضأ علی الوضوء

وضو میں چند کام مستحب ہیں:۔(۱) وقت داخل ہونے سے پہلے ہی نماز کے لئے تیاری کرنا۔(۲) قبلہ کی دائیں یا بائیں استنجاء کرنے کے لئے کشادہ ہوکر بیٹھنا مگر یہ کہ روزہ دار ہو(کیونکہ اس صورت میں ڈھیلا پن اختیار نہ کرے تا کہ روزے میں نقص نہ پیدا ہو۔(۳) اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہو تو اسے دھونا لیکن اگر مخرج سے متجاوز ہو جائے لیکن درہم سے کم مقدار ہو تو اسے دھونا سنت ہے اور اگر درہم کے برابر ہو تو دھونا واجب ہے اور اگر درہم سے بڑھ جائے تو دھونا فرض ہے اور یہ ایسے انداز سے دھوئے تا کہ جائے نجاست اچھی طرح پاک صاف ہو جائے لیکن اس میں کوئی عدد مسنون نہیں پتھروں کے ساتھ استنجا کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اچھی طرح جائے نجاست کو پونچھ کر صاف کرے۔(۴) پانی کے ساتھ استنجا کرنے کے بعد اٹھنے سے پہلے مقام استنجا کو کسی کپڑے کے ساتھ صاف کرے اور اگر کپڑا نہ ہو تو اسے (بائیں) ہاتھ سے خشک کرے۔(۵) جب استنجا کرنے سے فارغ ہو جائے تو اپنے ستر کو چھپائے۔(۶) اور خود بخود وضو کرے کسی دوسرے سے وضو کرنے میں مدد نہ لے اور نہ ہی کسی دوسرے کو حکم دے کیونکہ حضرت عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملہ میں کسی سے مدد نہیں لیں۔(۷) تمام اعضاء کو دھوتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور جہاں بیٹھے وہ جگہ اونچی ہو(۸) دوران وضو دنیاوی باتیں نہ کرے بلکہ ہر اندام کو دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھے اور وہ دعائیں پڑھے جو روایات میں آئی ہیں۔(۹) اور دائیں ہاتھ سے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے البتہ بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑے اور صاف کرے۔(۱۰) کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کیلئے الگ الگ نیا پانی استعمال کرے۔(۱۱) دوران وضو مسواک کرے اگر مسواک موجود ہو ورنہ انگلی سے دانتوں کو صاف کرے، مسواک عرض میں کرے طول میں نہ کرے۔(۱۲) کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرے مگر یہ کہ روزہ دار نہ ہو کلی کرنے میں مبالغہ یہ ہے (جیسا کہ) بعض اہل علم نے فرمایا کہ کہ غرغرہ کرے صدر الشہید نے فرمایا کہ منہ بھر کر پانی لینا کلی کرنے میں مبالغہ ہے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی کو دونوں نتھنوں تک چڑھائے۔(۱۳) دونوں کانوں کے سوراخوں میں مسح کرتے وقت دونوں انگلیاں ڈالے۔(۱۴) اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کا اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے خلال

کرے۔(۱۵) اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو اگر چہ کھلی ہو اسے حرکت دے اور اگر تنگ ہو تو ظاہر روایت کے مطابق اسے حرکت دینا یا اتار دینا ضروری ہے محیط میں یہی مروی ہے۔(۱۶) پانی استعمال کرنے میں اسراف نہ کرے اگر چہ بہتی نہر کے کنارے پر بیٹھا ہو اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہاں اگر چہ تو جاری نہر کے کنارے پر بیٹھا ہو اور پانی استعمال کرنے میں کمی بھی نہ کرے۔(۱۷) وضو سے فراغت کے بعد وضو کا برتن دوبارہ بھر کر رکھ دے۔(۱۸) فراغت کے بعد یا وضو کے دوران یوں کہے: اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والے لوگوں میں شامل کر دے اور ان لوگوں میں جو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہیں اور مجھے ان نیک بندوں میں شامل کر دے جنہیں کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور وضو کی فراغت کے بعد یہ بھی کہے **سبحانک اللّٰھم** ......الخ اے الہ تیری ذات پاک ہے اور تو ہی تعریف کے لائق ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور تیرا کوئی شریک نہیں میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں یہ کہتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھے ایک یا دو یا تین مرتبہ سورۂ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ پڑھے اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیئے اور پینے کے بعد یوں کہے **اللّٰھم اشفنی** ......الخ اے اللہ! مجھے اپنی شفا کے ساتھ شفا دے اور اپنی دوا کے ساتھ دوا دے اور مجھے کمزوری اور بیماریوں اور دردوں سے محفوظ رکھ۔ ضروری نوٹ......آئمہ کرام نے فرمایا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے سوائے دو پانیوں کے ایک بقیہ وضو اور دوسرا آب زمزم۔

(۱۹) وضو کرنے کے بعد دو نوافل تحیۃ الوضوء پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو (اگر وقت مکروہ ہو تو احناف کے نزدیک نوافل کی بجائے صرف تسبیحات پڑھنے پر اکتفاء کرے)(۲۰) اور وضو پر وضو کرے (یہ تمام کام وضو میں مستحب ہیں اور موجب ثواب ہیں لہٰذا وضو کرنے میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے ان سارے کاموں کو ادا کرے تا کہ وضو مکمل ہو جائے اور جو نماز پڑھے وہ صحیح طور پر ادا ہو سکے)۔

وضو کے دوران بعض ممنوع کام

واما المناهی فهو ان لا یستقبل القبلة وقت الاستنجاء و لا یکشف عورته عند احد والاستنجاء بالماء افضل ان امکنه من غیر کشف العورة فان لم یمکنه یکفی الاستنجاء بالاحجار و لا یکشف عورته اذا لم تکن النجاسة اکثر من قدر الدرهم و ان لا یستنجی بیده الیمنی و لا بطعام و لا بروث و لا بعظم و لا بعلف الدواب و لا بحق الغیر و لا بفحم و لا بخزف و لا باٰجر و ان لا یتنخم و لا یمتخط فی الماء و ان لا یتعدی فی الزیادة والنقصان فی المرات والمواضع و ان لا یمسح اعضاء بالخرقة التی مسح

بها مواضع الاستنجاء وان لا يضرب وجهه بالماء عند الغسل وان لا ينفخ بالماء وان لا يغمض فاه ولا عينيه تغميضا شديدا حتى لو بقيت على شفتيه او على جفنيه لمعة لا يجوز وضوءه وهذه هي الطهـــارة الصغرى

بعض کام ممنوع ہیں:-(۱) استنجا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔(۲) کسی کی موجودگی میں ستر نہ کھولے پانی سے استنجا بہتر ہے اگر بغیر ننگا ہونے کے ممکن ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر صرف پتھروں ہی سے (استنجا کرنے پر) اکتفا کرے اور اپنا ستر ننگا نہ کرے جب کہ نجاست قدر درہم سے زائد نہ ہو اور استنجا کی دو قسمیں ہیں ایک لغوی اور دوسرا شرعی۔لغوی کے معنی ہیں پاکیزگی حاصل کرنا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد نجاست کا دور کرنے ہے اور استنجا شرعی خاص مقامات سے پانی یا مٹی یا پتھروں یا ڈھیلوں کے ساتھ نجاست ازالہ کرنا ہے۔(۳) دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور نہ کسی کھانے کی چیز سے اور نہ گوبر سے نہ ہڈیوں سے اور نہ چوپایوں کے گھاس، چارہ سے اور نہ کسی دوسرے کی چیز سے اور نہ کوئلہ سے اور نہ ٹھیکری سے اور نہ پختہ اینٹ سے۔(۴) اور پانی میں بلغم نہ ڈالے اور نہ ناک جھاڑے۔(۵) وضو کرنے میں تعداد میں کمی یا زیادتی نہ کرے اور نہ مقامات میں کمی، زیادتی کرے۔(۶) اور جس کپڑے سے جائے استنجا کو صاف کیا اس سے اپنے اعضاء نہ پونچھے۔(۷) اور وضو کرتے وقت زور سے منہ پر پانی نہ مارے۔(۸) اور نہ پانی میں پھونکے نیز منہ اور آنکھیں دھوتے وقت انہیں سخت بند نہ رکھے کیوں کہ اگر اس کے ہونٹوں یا پلکوں پر کوئی حصہ خشک رہ گیا تو وضو جائز نہ ہوگا (فقہاء کرامؒ کی اصطلاح میں) یہ طہارت چھوٹی طہارت کہلاتی ہے۔

اسباب طہارت کبریٰ

واما الطهـــارة الكبرىٰ فهي الاغتسال وسببه خروج المني بشهوة بالاجماع واما انفصاله عن موضعه بشهوة فمختلف فيه حتى ان المحتلم اذا اخذ ذكره وخرج المني بعد سكون الشهوة يجب عليه الغسل عندهما خلافا لابي يوسف رحمه الله وكذا الايلاج في احد السبيلين من الرجل والمرأة اذا توارت الحشفة انزل اولم ينزل وجب الغسل على الفاعل والمفعول به واما لوا ولج في البهيمة او الميتة او الصغيرة التي لا تجامع مثلها فلا يجب الغسل مالم ينزل وذكر الاسبيجابي في الصغيرة يجب الغسل والمراهق اذا وطى امراةً بالغة لا يجب عليه الغسل ولكن يومر به تخلقًا واعتيادا ويجب على امراة ولموطوئة ولو وطى البالغ صغيرة فالجواب على العكس وكذا الحيض والنفاس ومن استيقظ فوجد على فراشه وثوبه او فخذه بللا وهو يتذكر

الاحتلام فان تیقن انه منی اَوْ مذی او شک فیه فعلیه الغسل اما اذا لم یتذکر الاحتلام ویتقن انه منی او شک فکذلک وان تیقن انه مذی فلا غسل علیه اذا لم یتذکر الاحتلام وان استیقظ فوجد فی احلیه بللا ولم یتذکر حلما ینظر انکان ذکره منتشرا قبل النوم فلا غسل علیه وانکان ساکنا فعلیه الغسل احتیاطا وبه یفتی بعض المشایخ هذا اذا نام قائما او قاعدا اما اذا نام مضطجعا او تیقن انه منی فعلیه الغسل هکذا مذکور فی المحیط والذخیرة و قال شمس الائمة الحلوانیؒ هذه المسئلة یکثر وقوعها والناس عنها غافلــــون و ان احتلم و لم یخرج منه شئ فلا غسل علیه و کذا المرأة و قــــال محمد رحمه الله یجب علیه الغسل احتیاطا و به یفتی بعض المشائخ

فقہی زبان میں بڑی طہارت کو غسل کو کہا جاتا ہے اور اس کا سبب شہوت اور چھلانگ سے منی کا خارج ہونا ہے (کیوں کہ اس انداز سے اس کا نکلنا بالاتفاق موجب غسل ہے) لیکن اگر وہ اپنے محل سے شہوت کے ساتھ جدا ہو (لیکن نکلتے وقت اس طرح کے جذبات نہ ہوں بلکہ کسی حد تک سکون ہو جائے) تو ایسی منی کے خروج میں اختلاف کیا گیا ہے (کہ کیا وہ موجب غسل ہے یا نہیں) حتی کہ اگر احتلام والے نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور سکون شہوت کے بعد منی خارج ہوئی تو امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یقیناً غسل واجب ہوگا لیکن امام ابو یوسفؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے یونہی مرد اور عورت کے دوراستوں میں آلہ تناسل کا داخل کرنا بشرطیکہ اس کا سر غائب ہو جائے چاہے انزال ہو یا نہ ہو فاعل اور مفعول بہ دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا لیکن کسی جانور میں یا مردہ کے ساتھ یہی حرکت کرنا یا اس چھوٹی بچی کے ساتھ جو جماع کے قابل نہ ہو تو ایسی صورت میں جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا امام اسبیجابی نے بیان فرمایا کہ اگر چھوٹی بچی کے (عضو خاص میں آلہ تناسل داخل کرنے سے) غسل واجب ہو جائے گا قریب البلوغ لڑکا جب کسی بالغ عورت سے ہم بستری کرے تو اگر چہ اس پر غسل واجب نہیں ہوتا لیکن اسے اخلاق اور عادت کے طور پر غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا لیکن اس صورت میں بالغہ عورت پر غسل واجب ہوگا اور اگر کسی بالغ مرد نے چھوٹی بچی سے ہم بستری کی تو جواب پہلی صورت کے برعکس ہوگا اسی طرح اور حیض ونفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ...... اگر کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا اپنے بچھونے یا کپڑے یا جسم کے کسی حصے پر تری پائے اور اسے احتلام بھی یاد ہو اگر اس کے منی یا مذی ہونے کا یقین ہو یا شک ہو تو دونوں صورتوں میں غسل واجب لیکن جب احتلام یاد نہ ہو لیکن اس تری کے منی ہونے پر یقین یا شک ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے اور اگر اس کے مذی ہونے کا یقین ہو تو پھر اس پر غسل واجب نہیں۔

مسئلہ...... ایک آدمی بیدار ہوا تو اس نے اپنے آلہ تناسل کے سوراخ میں تری پائی لیکن اسے احتلام یاد نہیں تو اس صورت

میں عذر کیا جائے گا اگر اس کا آلہ تناسل نیند سے پہلے منتشر تھا تو اس پر غسل نہیں اور اگر منتشر نہیں تھا تو پھر احتیاطاً اس پر غسل واجب ہے اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ کھڑا یا بیٹھا یا سویا لیکن جب چت سویا ہو یا کسی چیز پر سہارا کر کے سویا ہو یا پھر اسی ویسے ہی یقین ہوا کہ یہ منی ہے تو پھر اسے غسل کرنا ضروری ہے محیط اور ذخیرہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے یہ مسئلہ زیادہ تر پیش آتا ہے لیکن لوگ اس سے بے خبر ہیں۔

اگر کسی شخص کو احتلام ہوا لیکن کوئی مادہ خارج نہیں ہوا تو اس پر غسل واجب نہیں عورت کا بھی یہی حکم ہے امام محمدؒ نے فرمایا کہ عورت پر احتیاطاً غسل واجب ہے بعض مشائخ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

فرائض غسل

ولو جامع او احتلم و اغتسل قبل ان يبول او ينام او يمشي ثم خرج منه بقية المني وجب عليه الغسل ثانيا عند ابي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ خلافا لابي يوسف رحمه الله و لو اغتسلت ثم خرج منها بقية مني الزوج لا غسل عليها بالاجماع و لو افاق السكران فوجد منيا فعليه الغسل و ان وجد مذيا فلا غسل عليه بالاجماع و كذا المغمى عليه و ان استيقظ الرجل و المرأة فوجدا منيا على الفراش و كل واحد منهما ينكر الاحتلام وجب عليهما الغسل احتياطا و قال بعضهم ان كان المني طويلا فعلى الرجل و ان كان مدورا فعلى المرأة و قال بعضهم ان كان ابيض فمن الرجل و ان كان اصفر فمن المرأة و اما فرائض الغسل فالمضمضة و الاستنشاق و غسل سائر البدن و ايصال الماء الى منابت الشعر فرض و ان كثف بالاجماع و كذا ايصال الماء الى اثناء اللحية و الشعر و المرأة في الاغتسال كالرجل و لكن الشعر المسترسل من ذوائبها غسله موضوع في الغسل اذا بلغ الماء اصول شعرها بخلاف الرجل كذا ذكره في غنية الفقهاء و ذكر في المحيط ان الرجل اذا ضفر شعره كما يفعله العلويون و الاتراک هل يجب ايصال الماء الى اثناء الشعر ام لا عن ابي حنيفة روايتان و ذكر صدر الشهيد رحمه الله انه يجب ايصال الماء الى اثناء الشعر

مسئلہ...... اگر کسی نے جماع کیا یا اسے احتلام ہوا تو اس نے پیشاب کرنے یا سونے یا چلنے سے پہلے غسل کر لیا پھر مادہ منی کا اس سے خارج ہوا تو اس پر دوبارہ غسل واجب ہے لیکن امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک نماز نہ لوٹائے اور امام یوسف

کے نزدیک اس پر دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر پیشاب کرنے یا سونے کے بعد مادہ خارج ہوا تو اس پر دوبارہ غسل کرنا بالاتفاق واجب نہیں۔

مسئلہ......اگر نشے والے کو افاقہ ہوا تو اس نے اپنے بچھونے پر منی پائی تو اس پر غسل کرنا واجب ہے اور اگر مذی پائی تو غسل ضروری نہیں اور بیہوش آدمی کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ......اگر مرد اور عورت بیدار ہوئے اور دونوں نے اپنے بستر پر مادہ منویہ پایا لیکن ان میں سے ہر ایک احتلام کا انکار کرتا ہے تو دونوں پر احتیاطاً غسل واجب ہے بعض اہل علم نے فرمایا اس صورت میں اس خارج ہونے والے مادہ کو دیکھا جائے گا کہ اس کی شکل کیا ہے اگر مادہ طویل ہے تو مرد پر غسل واجب ہوگا اور اگر گول ہے تو عورت پر غسل واجب ہوگا بعض نے کہا کہ اس کی سختی اور نرمی دیکھی جائے گی اگر سخت ہے تو مرد کا مادہ اور اگر نرم ہے تو عورت کا مادہ ہے اور بعض نے کہا کہ رنگ دیکھا جائے گا اگر رنگ زرد ہے تو عورت کا مادہ ہے اور اگر سفید ہے تو مرد کا مادہ ہے۔

غسل کے احکام، غسل کے فرائض

یاد رکھئے کہ اگر غسل واجب ہو تو اس میں چند کام فرض ہیں:- (۱) پہلا منہ بھر کر کلی کرنا (۲) ناک میں پانی چڑھانا (۳) سارے جسم پر پانی بہانا اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا اگر اس کے بال گھنے ہوں اور اسی طرح ڈاڑھی اور بالوں کے درمیان تک پانی پہنچانا عورت غسل کرنے میں مرد کا حکم رکھتی ہے اس کی مینڈھیوں کے لٹکے ہوئے بال غسل کرنے میں اس کے دھونے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے بخلاف مرد کے اگر اس کے لمبے بال ہوں تو انہیں بھگونا ضروری ہے غنیۃ الفقہاء میں یہی مذکور ہے محیط میں بیان کیا گیا کہ اگر مرد اپنے بال گوندے جیسا کہ علوی اور ترک کرتے ہیں تو کیا بالوں کے درمیان تک پانی پہنچانا ضروری ہے یا نہیں امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں ضروری ہے اور دوسری میں ضروری نہیں لیکن صدر الشہید نے بیان کیا کہ بالوں کے درمیان تک پانی پہچانا ضروری ہے۔

مسائل غسل

امـــــرأة اغتسلت هل تتكلف فی ایصال الماء الی ثقب القرط ام لا قال تتكلف فيه كما تتكلف فی تحریک الخاتم ان كان ضيقا امرأة اغتسلت و قد كان بقی فی اظفارها عجين قد جف لم يجز غسلها و لو بقی الدرن فی الاظفار جاز الغسل والوضوء يستوی فيه المدنی والقروی و قال بعضهم يجوز الغسل للقروی لا للمدنی والاقلف اذا اغتسل و لم يدخل الماء داخل الجلد قال بعضهم يجوز غسله و قال

بعضهم لا يجوز و هو الاصح و ان خرج بوله حتىٰ صار في القلفة فعليه الوضوء بالاجماع وان لم يظهر رجل اغتسل و بقي بين اسنانه طعام جاز و قال بعضهم ان كان زائدا على قدر الحمصة لا يجوز وقال بعضهم ان كان صلبا ممضوغاً متاكداً لا يجوز غسله قلَّ او كثر في الذخيرة و ذكر في المحيط اذا كان على ظاهر البدن جلد سمك او خبز ممضوع قد جف و اغتسل او توضأ و لم يصل الماء الى ما تحته لم يجز و قال في الذخيرة في مسألة الحنّاء والطين والدرن يجزئ وضوءهم للضرورة و عليه الفتوى واذا كان برجله شقاق فجعل فيه الشحم ان كان لا يضره ايصال الماء الى ما تحته لا يجوز غسله ووضوئه وان كان يضره يجوز

ایک عورت نے غسل کیا اوراس کے کان میں بالی تھی تو کیا وہ اس کے سوراخ تک پانی پہنچانے میں تکلیف کرے یا نہیں؟ امام محمد نے فرمایا وہ بالی کے سوراخ تک پانی پہنچانے میں اسی طرح کوشش کرے گی کہ جس طرح تنگ انگوٹھی کو حرکت دینے میں تکلیف کرتی ہے۔

چند کلمات۔

۱-	ثقب	سوراخ
۲-	القُرطُ	کان کی بالی القرط بضم القاف و سكون الراء ما يعلق في سلخمة الاذن (صغیری)
۳-	تتکلف	تتکلف اس کا مقصد اور مادہ تکلف ہے کسی کام میں کوشش اور زور لگانا۔
۴-	تحریک	تحریک ہونا کسی چیز کو حرکت دینا۔
۵-	الخاتم	انگوٹھی۔

تشریح

اگر تنگ ہو تو پانی پہنچانے میں تکلیف کرے ورنہ نہیں یہاں غلبہ ظن کا اعتبار ہے اگر غالب گمان ہو کہ بغیر تکلیف کے پانی نہیں پہنچے گا تو کوشش سے وہاں تک پانی پہنچائے اگر یہ خیال ہو کہ بدون تکلیف وصول آب ہو جائے گا تو پھر تکلف کی ضرورت نہیں خواہ کان میں بالیاں ہوں یا نہ ہوں۔

اگر بالیاں اتارنے کے بعد سوراخ منظم اور مل جائے اور ایسی صورت ہو جائے کہ اگر پانی گزرا جائے تو بغیر مشقت کے داخل ہو جائے گا لیکن اگر غفلت برتی جائے تو پانی اندر نہیں جائیگا بلکہ وہاں تک پانی پہنچائے تاکہ اندرونِ سوراخ تک پانی پہنچے لیکن سوراخ میں کوئی تنکا وغیرہ نہ مارے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

ما جعل فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے دین میں کچھ حرج نہیں رکھی لہٰذا حرج مدفوع ہے۔

عورت کا ذکر باعتبار غلبہ ہے ورنہ مرد کا بھی یہی حکم ہے۔ (صغیری)

مسئلہ: ایک عورت نے ایسی حالت میں غسل کیا کہ اس کے ناخنوں میں آٹے کا خمیر لگ کر خشک ہو گیا تھا تو اس کا غسل نہ ہوگا۔

تشریح

وضو کا بھی یہی حکم ہے البتہ غسل کا ذکر اس کی اہمیت اور کسی قدر دشواری کیوجہ سے کیا گیا ہے نیز مرد اور عورت دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں البتہ عورت کا ذکر غالب حالات کی بنا پر کیا گیا ہے اس صورت میں وضو اور غسل نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ پانی کا ناخنوں کے نیچے تک پہنچنا ضروری ہے جبکہ خمیر لگ جانے کی وجہ سے پانی نیچے تک نہیں پہنچتا لان فی العجین صلابۃ تمنع نفوذ الماء (الی تحت انظر)

ضروری نوٹ

آج کل ترقی یافتہ دور میں فیشن ایبل پڑھی لکھی لڑکیاں زیب و زینت اور بناؤ سنگار کو عروج تک پہنچانے کیلئے ہاتھ پاؤں کے ناخنوں پر نیل پالش لگاتی ہیں اگر ناخنوں پر نیل پالش لگی ہو تو نیچے تک عدم وصول آب کیوجہ سے وضو اور غسل نہ ہوگا اور جنبی ہونے کی حالت میں اگر غسل کیا تو غسل نہ ہوگا اور جنابت بدستور باقی رہے گی جو انتہائی خطرناک اور گھناؤنی صورت ہے لہٰذا اس کا ضرور دھیان رکھا جائے اور ماتن کے اسی خمیر والے مسئلہ سے اس موجودہ صورت حال پر روشنی پڑتی ہے۔

اس نیل پالش کو مہندی لگانے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ مہندی محض ایک رنگ ہے پس اس کا کوئی جرم (جسم) نہیں جبکہ نیل پالش باقاعدہ جسم رکھتی ہے۔ پس اسکا جرم نفوذ الماء سے مانع ہے اور محض رنگ جرم نہ رکھے کی وجہ سے مانع نہیں۔ یہ ہے دونوں میں وجہ فرق اور مابہ الامتیاز **فلا قیاس احدھما علی الآخر (فتدبر)**۔

مسئلہ: اگر ناخنوں میں میل کچیل لگی ہوئی ہو تو وضو اور غسل ہو جائے گا اس باب میں شہری اور دیہاتی دونوں برابر ہیں (پس دونوں میں کوئی فرق ہیں) نہیں البتہ بعض اہل علم نے فرمایا دیہاتی کیلئے تو جائز ہے جبکہ شہری کیلئے جائز نہیں۔

مفردات

۱- **اظفار** یہ ظفر کی جمع بمعنی ناخن۔ ۲- **جفا** جف اور جفاف خشک ہونا۔

۳- **عجیف** خمیر گوندھا ہوا آٹا ۴- **الدرن** میل کچیل۔

۵- **فیہ** ای فی الحکم المذکور یعنی الضمیر المجرور یرجع الی الحکم الشرعی۔

۶- **المدنی** شہری ای منسوب الی المدینۃ بمعنی البلد ای ساکن المدینۃ۔

۷- **القروی** دیہاتی ای منسوب الی القریۃ یعنی ساکن القرینہ۔

تشریح

میل کچیل کی صورت میں وضو اور غسل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ میل کچیل جسم سے پیدا ہوتی ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ زیادہ سخت نہیں

ہوتی اس لئے اس کے ہوتے ہوئے پانی تہ تک پہنچ جاتا ہے بعض اہل علم نے دیہاتی اور شہری کا فرق کیا ہے کہ دیہاتی ناخنوں میں میل کچیل ہو تو وضو غسل ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کا میل مٹی اور گارے سے ہوگا جو وصول آب سے مانع نہیں۔ اور شہری کیلئے وضو غسل جائز نہ ہوگا کیونکہ میل چربی اور چکناہٹ کی وجہ سے ہوتا جو نفوذ حرب سے مانع ہے۔

فیصلہ

مصنف علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ تفریق بے سود ہے اور بصورت میل خواہ دیہاتی ہو یا شہری دونوں کا وضو اور غسل ہو جائے گا امام دبوسی نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔

قال الصفار یجب الایصال الی ما تحته ان طال الظفر وهو حسن (صغیری صفحہ ۲۵)

مسئلہ: اگر کسی بے ختنہ نے غسل کیا اور اس کے زائد چمڑا کے پانی اندر پانی نہیں پہنچا تو غسل کیا حکم ہے؟ غسل ہو گیا یا نہیں؟
بعض ائمہ نے فرمایا کہ اس کا غسل ہو گیا ہے جبکہ بعض کے نزدیک نہیں ہوا یہی زیادہ صحیح ہے اور اگر اس کا پیشاب نکل کر اس کے زائد چمڑا تک پہنچ گیا تو بالاتفاق وضو واجب ہے اگر چہ پیشاب ظاہر نہ ہو۔

تفصیل الکلمات الواردۃ

۱- **الاقلف** یعنی الذکر لم یختتن وہ شخص جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ ۲- **داخل الجلد** اندرونی چمڑا۔
۳- **القلفة** ذکر کا زائد پیدا شدہ چمڑا۔ ۴- **لم یظهر** نہ ظاہر ہو۔

تشریح

بے ختنہ شخص کا غسل کیوں نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آلۂ تناسل پر جو زائد چمڑا ہے اس کی بیرونی حیثیت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مثانہ سے پیشاب نکل کر وہاں تک آجائے یا منی نکل آئے تو بالاجماع وضو ٹوٹ جائے گا غسل واجب ہو جائے گا امام ذیلی نے شرح کنز میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

مسئلہ: ایک آدمی نے غسل کیا جب کہ اس کے دانتوں کے درمیان کچھ کھانا لگا ہوا رہ گیا تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے کیا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بعض اہل علم نے فرمایا کہ اگر وہ چنے کی مقدار سے زیادہ ہے تو غسل جائز نہ ہوگا محیط نے اسی کو ذکر کیا ہے اور اگر چنے کی مقدار یا اس سے کم ہو تو غسل جائز ہے اور بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ طعام زیادہ سخت چبایا ہوا ہو چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ تو غسل جائز نہیں ذخیرہ میں یہی مذکور ہے۔

چند کلمات

۱- **اسنان** سن کی جمع ہے بمعنی دانت۔ ۲- **الحمصة** چنے ۳- **صلب** سخت
۴- **ممضوغ** چبایا ہوا۔ ۵- **متنکد** زیادہ پختہ۔

تشریح

اس باب میں اگرچہ مختلف اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اگر چنے یا اس سے زیادہ مقدار ہو تو غسل جائز نہیں چنانچہ کتب فتاویٰ میں ہے کہ اگر دانتوں میں کچھ غذا اٹکی رہ گئی ہو اور پانی اس کے نیچے پہنچ جائے تو غسل جائز ہے اور پانی لطیف ہونے کی وجہ سے عموماً ایسے باریک مقامات تک بھی پہنچ جاتا ہے خلاصہ میں کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

مسئلہ: محیط میں ذکر کیا گیا کہ اگر کسی کے ظاہری جسم پر مچھلی کا چڑا یا چبائی ہوئی روٹی لگ کر خشک ہوگئی ہو اور ایسا شخص غسل کرے اور نیچے تک پانی نہ پہنچے تو غسل اور وضو جائز نہیں ذخیرہ میں فرمایا کہ مہندی اور میل کچیل اور گارا جسم کے کسی حصے پر لگ جائے تو مجبوری کی وجہ سے وضو جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

چند کلمات

۱- محیط کتاب کا نام ہے ۲- سمک مچھلی ۳- خبز ممضوغ چبائی ہوئی روٹی
۴- طین گارا ۵- درن میل

تشریح

اگر یہ چیزیں اتنی سخت ہوں کہ پانی پہنچنے سے مانع ہوں تو پھر یہی حکم ہے اور کیچڑ اور میل کے بارے میں ضرورت کی وجہ سے وضو جائز ہے اور ان چیزوں میں اتنی سختی بھی نہیں ہوتی کہ نیچے تک پانی کو پہنچنے دے لہٰذا اس صورت کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

فیصلہ: سختی نرمی پر حکم کا دارومدار نہیں بلکہ پانی پہنچنے نہ پہنچنے پر ہے اگر پانی نیچے تک پہنچ گیا تو خواہ چیز سخت ہو یا نرم ہو تو وضو غسل جائز ہے اور اگر نہیں پہنچا تو جائز نہیں یہی مختار ہے۔

و كذا ايصال الماء داخل السرة فرض و كذا الاستنجاء بالماء عند الغسل و ان لم يكن نجاسة و كذا تخليل الاصابع في الاغتسال و الوضوء فرض ان كانت الاصابع منضمة غير مفتوحة و ان كانت مفتوحة فهو سنة

اور اسی طرح پانی کا پہنچانا ناف کے اندر فرض ہے اور اسی طرح پانی سے استنجاء کرنا غسل کے وقت اگرچہ نجاست نہ ہو اور اسی طرح انگلیوں میں خلال کرنا وضو اور غسل میں فرض ہے اگر انگلیاں باہم پیوستہ غیر کشادہ ہوں اور اگر کشادہ ہوں تو سنت ہے۔

المفردات

۱- السرۃ ناف۔ ۲- تخلیل خلال کرنا یعنی ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا۔
۳- مضمومۃ ملی ہوئی چیز ضم کسی چیز کا باہم مل جانا۔ ۴- مفتوحۃ کھلی ہوئی چیز فتح سے بنا ہے کھلنا اور کشادہ ہونا ہے۔

تشریح

یہاں مصنف نے تین مسائل بیان فرمائے ہیں:-

☆ پہلا مسئلہ......زیر ناف پانی پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس کا حکم ظاہری جسم جیسا ہے اور ایصال الماء ضروری ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ......اگر غسل کی ضرورت ہو تو پھر استنجا پانی سے کرنا چاہیے کیونکہ یہ فرض ہے۔

اگر مقام استنجا پر نجاست لگی ہو تو ظاہر ہے اور اگر نہ ہو تو نجاست معنوی اور حکم کی وجہ ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ جنبی ہے اور جنبی کے اندر نجاست کلیہ (جنابت) ہوا کرتی ہے۔

اور عدم طہارت دونوں یکساں اور برابر ہیں بلکہ ثانی شرعاً اقوی من اول ہے۔یہی وجہ ہے کہ مصنف نے فرمایا:

و ان لم یکن علیه نجاسة (ای علیٰ موضع الاستنجاء نجاسة)

☆ تیسرا مسئلہ......اگر کسی شخص کی انگلیاں پیوستہ غیر کشادہ ہوں تو دریں صورت خلال کرنا ضروری ہے کیونکہ بغیر خلال کئے اندرون مفاصل پانی نہیں جائے گا پھر وہ جگہ خشک رہ جائے گی جس کی وجہ وضو اور غسل نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر انگلیاں بالکل کشادہ اور کھلی ہوں تو پھر ایصالی آب اگر چہ فرض نہیں تاہم سنت ضرور ہے لہذا دریں صورت بھی خلال کرے تا کہ سنت کا مرتکب ہو کر گنہگار نہ ہو۔

و کـذا انقاء البشـرة و بل الشعر فرض لقوله علیه السلام الا فبلوا الشعر و انقوا البشـرة و لقوله علیه الصلوٰة و السلام تحت کل شعرة جنابة و فی روایة نجاسة

ترجمہ......اسی طرح ظاہری جلد کو پاک کرنے کا حکم ہے بلکہ بالوں کو تر کرنے کا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سن لو! بالوں کو تر کرو اور ظاہری جلد کو صاف رکھو اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہر بال کے نیچے جنابت ہے اور ایک روایت میں نجاست (کے الفاظ آئے) ہیں۔

چند کلمات

۱- انقاء	کسی چیز کو پاک صاف کرنا۔	۲- البشرة	انسان کی ظاہری کھال۔
۳- بل	کسی چیز کو پانی سے تر کرنا۔	۴- شعرة	بال۔

تشریح

وضو اور غسل کرنے میں جسم کو صاف ستھرا رکھنا اور اگر لمبے اور گھنے بال ہوں انہیں تر کرنا جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا یہی صریح مطلب ہے اور آپ نے اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ ہر بال کے نیچے ناپاکی کا اثر ہوتا ہے لہٰذا وہاں تک پانی پہنچانا چاہیے۔

و لو بقی شیٔ من بدنه لم یصبه الماء لم یخرج من الجنابة و ان قلّ و شرب الماء یقوم مقام المضمضة اذا بلغ الماء الفم کله و الا فلا و لو ترکها ناسیًا فصلّی ثم تذکر فعلیه ان یتمضمض و یعید ما صلی

ترجمہ......اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے کہ جس تک پانی نہ پہنچا ہو تو یہ شخص غسل کرنے کے باوجود جنابت سے فارغ نہیں ہوگا خواہ وہ حصہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو اور پانی پینا کلی کرنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس کا پورا منہ بھر جائے اور اگر اس نے بھول کر کلی چھوڑ دی اور نماز پڑھ لی پھر اسے کلی رہ جانا یاد آیا تو یہ کلی کرے اور پڑھی ہوئی نماز کو لوٹائے۔

چند لغات

۱- وصول — پہنچنا باب مجرد کا مصدر ہے گردان وصل یصل وصولا ہے۔

۲- ایصال — پہنچانا باب افعال کا مصدر ہے جس کی ماضی ومضارع اوصل یوصل ہے۔

۳- قل — تھوڑا یہ صیغہ ماضی ہے۔

۴- فلوغ — پہنچنا یہ بلغ کا مصدر ہے اس کا مصدر لقت ہے بمعنی تھوڑی چیز۔

۵- الفم — منہ اسم جامد ہے اس کی جمع افواہ اصل حرف واؤ ہے کبھی وہ ہونے بدل جاتی ہے۔

۶- ناسی — بھولنے والا اسم فاعل سے اس کا مصدر نسیان (بھولنا) ہے۔

۷- تذکرہ — اس نے یاد کیا یہ تذکر مصدر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں یاد کرنا۔

۸- یمضمض — وہ کلی کرے اصل مضمضہ کلی کرنا۔

۹- یعید — لوٹائے یہ صیغہ مضارع ہے بمعنی وہ لوٹائے اس کا مصدر باب افعال سے اعادۃ ہے بمعنی لوٹانا۔

تشریح

غسل کرتے ہوئے جسم کا بالکل تھوڑا سا حصہ بھی اگر خشک رہ گیا تو فرض غسل نہیں ہوگا کیونکہ سارے جسم پر پانی بہانا غسل جنابت میں فرض ہے اور منہ بھر کر پانی پینا کلی کرنے کے قائم مقام ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ سنت کے مطابق پانی نہ پئے بلکہ ایک دم غٹ غٹ کر کے پانی پی جائے ورنہ پانی پینا قائم مقام کلی کے نہ ہوگا اگر غسل جنابت کرتے وقت اس نے کلی نہ کی اور ناک میں پانی نہ ڈالا اور یہ سب کچھ اس سے بھول کر ہوا پھر نماز پڑھنے کے بعد خیال آیا تو کلی کرے ناک میں پانی ڈالے اور جو نماز اس نے پڑھ لی اسے دہرائے اگر فرض نماز پڑھی تو اس لئے لوٹائے کہ وہ صحیح نہیں ہوئی اور اگر نوافل پڑھے تو انہیں نہ لوٹائے کیوں کہ اس کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا لہٰذا بدن کا اگر تھوڑا سا حصہ بھی رہ جائے تو یہی حکم ہے۔

سنن غسل

وسنة الغسل ان يقدم الوضوء عليه الا غسل الرجلين و ان يزيل النجاسة عن بدنه ان كانت ثم يصب الماء على رأسه و سائر بدنه ثلثا ثم يتنحّى عن ذلك المكان فيغسل رجليه الا ان يكون على حجر او خشب او غير ذلك و ان لا يسرف في الماء و ان لا يقتر و ان لا يستقبل القبلة وقت الغسل و ان يدلك كل اعضائه في المرة الاولٰى و ان يغتسل في موضع لا يراه احد و ان لا يتكلم بكلام قط و يستحب ان يمسح بدنه بمنديل بعد الغسل و ان يغسل رجليه بعد اللبس و ان يصلي سبحة

ترجمہ......(غسل کرنے میں بعض کام سنت ہیں اور وہ یہ ہیں:)

۱)......غسل کرنے سے پہلے وضو کرے مگر پاؤں دھونے چھوڑ دے بشرطیکہ نیچے جگہ صاف نہ ہو ورنہ پاؤں دھوڈالے لہٰذا تاخیر کی ضرورت نہیں۔

۲)......اگر جسم کے کسی حصہ پر نجاست لگی ہو تو اس کا ازالہ کرے۔

۳)......تین مرتبہ سر اور تمام جسم پر پانی بہائے۔

۴)......پھر اس جگہ سے کسی دوسری پاک صاف جگہ دونوں پاؤں دھوئے ہاں اگر کسی پاک صاف پتھر پر لکڑی یا کسی اور پاک چیز پر کھڑے ہو کر غسل کیا تو پاؤں دھونے میں تاخیر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وضو کرے پھر آخر میں بہ ترتیب پاؤں دھوئے جائیں۔

۵)......پانی استعمال کرنے میں کمی اور زیادتی نہ کرے۔

۶)......غسل کرتے وقت قبلہ شریف کی طرف منہ نہ کرے۔

۷)......پہلی مرتبہ اعضائے جسم کو خوب رگڑ کر دھوئے (تاکہ اچھی طرح صاف ہو جائیں)۔

۸)......کسی پردہ پوش جگہ غسل کرے تاکہ اسے کوئی نہ دیکھے۔

۹)......دوران غسل بالکل باتیں نہ کرے۔

مستحب کام

۱)......غسل کرنے کے بعد اپنے اعضاء کو تولیہ وغیرہ سے پونچھے۔

۲)......لباس پہننے کے بعد دونوں پاؤں دھوئے۔

۴)...... غسل سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت نفل پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو اگر وقت مکروہ ہو تو صرف تسبیح و تہلیل پر اکتفا کرے۔

تشریح المفردات

۱- ان یقدم	من التقدیم کرنا آگے کرنا۔	۲- ان یزیل	من الازالۃ دور کرنا۔
۳- یعرب	من العرب انڈیلنا بہانا۔	۴- یتنحیٰ	من التنحی ہٹ جانا کسی دوسری جگہ ہو جانا۔
۵- حجر	پتھر جمع احجار ہے۔	۶- خُشُب	لکڑی جمع خشب ہے۔
۷- ان لا یسرف	من الاسراف فضول اور بیجاء استعمال کرنا مراد مقرر پانی زیادہ استعمال کرنا۔	۸- ان لا یقتر	من الاقتاء پانی استعمال کرنے میں کمی کرنا جو حد شرع کے مطابق نہ ہو۔
۹- استقبال	کسی کی طرف منہ کرنا۔	۱۰- ان یدلک	من الدلک کسی چیز کو رگڑنا۔
۱۱- المرۃ الاولیٰ	پہلی مرتبہ۔	۱۲- لا یراہ رویۃ	دیکھنا۔
۱۳- قط	کبھی یہاں بمعنی بالکل۔	۱۴- مندیل	تولیہ اور رومال۔
۱۵- البس	پہننا	۱۶- سبحۃ	نفل۔

تشریح

ظاہر روایت میں ہے کہ غسل کرنے سے پہلے مکمل وضو کرے جس میں سر کا مسح بھی کرے یہی صحیح ہے البتہ حسن بن زیاد کی ایک روایت ہے کہ سر کا مسح نہ کرے پاؤں کو آخر میں دھونے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ جگہ پاک وصاف نہ ہو لیکن اگر یہ پتھر یا کسی چوکی پر کھڑا ہو کر غسل کرے تو باقی وضو کے ساتھ پاؤں بھی دھو ڈالے پھر تاخیر کی ضرورت نہیں یہاں ازالہ نجاست سے مراد حقیقی نجاست کا ازالہ ہے اور غسل میں یہ سنت ہے البتہ نجاست حکمی کا ازالہ فرض ہے سارے جسم پر پانی بہانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر پر پانی بہائے پھر دائیں کندھے پر پھر بائیں کندھے پر اور یہی زیادہ صحیح ہے اور اگر جاری نہر میں اس نے غوطہ لگایا وضو اور غسل کی مقدار وہیں ٹھہرا رہا تو سنت پوری ہوگئی پانی کی کمی وزیادتی سے مراد وہی ہے جس کا ذکر وضو میں گزر گیا۔ غسل کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے بشرطیکہ اس کا مقام ستر ننگا ہو لیکن اگر تہبند باندھا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں پہلی مرتبہ اعضاء کو خوب مل مل کر اور رگڑ کر دھوئے تاکہ پچھلی دو مرتبہ میں اچھی طرح صفائی ہو جائے رگڑ کر دھونا سنت ہے اور باپردہ جگہ میں غسل کرنا جہاں کوئی نہ دیکھے اس لئے سنت ہے کہ شرمگاہ کے ننگا ہونے کی صورت میں کسی کی نگاہ نہ پڑے اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہے کہ جہاں غسل کرنے کیلئے کوئی محفوظ جگہ نہ ہو اور عام لوگ موجود ہوں تو صحیح روایت کے مطابق ستر ننگا نہ کرے حالت غسل میں بالکل کسی طرح کی باتیں نہ کرے غسل کرنے کے بعد جسم کو کسی کپڑے سے صاف کرنا اگرچہ مستحب ہے تاہم سنت نہیں کیونکہ زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد اپنے جسم کے قطرات کو ہاتھوں سے جھاڑتے تھے۔ لباس پہننے کے بعد بھی پاؤں کو دھویا جائے تاکہ اچھی طرح صفائی ہو جائے وضو کی طرح غسل کے بعد بھی دوگانہ نفل پڑھے بشرطیکہ وقت میں اس کی گنجائش ہو یعنی وقت مکروہ نہ ہو ورنہ تسبیحات، تہلیلات پر اکتفا کرے۔

غسل کی نیت

و اما النية فليست بشرط في الوضوء والاغتسال حتى ان الجنب اذا انغمس في الماء الجاري او في الحوض الكبير للتبرد او قام في المطر الشديد و تمضمض و استنشق يخرج من الجنابة

ترجمہ......رہی نیت تو یہ وضو اور غسل میں شرط نہیں لہذا اگر جنبی شخص بہتے پانی میں غوطہ لگائے یا کسی بڑے تالاب میں ٹھنڈک کے لئے کود جائے یا بہت تیز بارش میں کھڑا ہو جائے (پس اسی دوران) اس نے کلی بھی کر لی اور ناک میں بھی پانی ڈالا تو وہ شخص جنابۃ سے پاک ہو جائے گا۔

المفردات

۱- انغمس من الغماس غوطہ لگانا۔ ۲- المطر الشديد زور کی بارش۔
۳- تمضمض اس نے کلی کی باب تفعل کی ماضی ہے۔ ۴- استنشق من الاستنشاق ناک میں پانی ڈالنا۔
۵- يخرج من الخروج نکلنا یہاں عہدہ براء ہونا مراد ہے۔

تشریح

ائمہ حنفیہ کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت کرنا شرط نہیں بلکہ سنت ہے جبکہ دوسرے آئمہ کے نزدیک شرط ہے پس اگر نیت نہ ہو تو ان کے نزدیک وضو اور غسل نہ ہوں گے۔لیکن ہمارے نزدیک ہو جائیں گے البتہ نیت کو بہتر اور موجب ثواب ہے۔ان کی دلیل انما الاعمال بالنیات ہے جو متفق علیہ حدیث ہے۔

منطقی دلیل یہ ہے:

الوضوء والغسل عمل من الاعمال اصغرى كل عمل من الاعمال فله النية (كبرىٰ) فالوضوء والغسل فلهما النتيجة-

خلاصۂ استدلال یہ کہ دونوں کیلئے نیت ضروری ہے ورنہ یہ دونوں غیر متحقق ہوں گے ائمہ کے نزدیک تقدیر عبارت یوں ہوگی انــمــا صحة الاعمال بالنية فيفر آن مالا نية فيه من الاعمال لا صحة لهٗ ائمہ احناف کی طرف سے جواب یہ ہے۔

حدیث مذکور کی تقدیر "انــمــا الاعــمــال بالنيات" ہے اور حکم کی دو قسمیں ہیں۔(۱) دنیاوی اور وہ صحۃ عمل ہے۔(۲) اخروی اور وہ ثواب ہے چونکہ اجماعاً ثواب مراد ہے لہذا صحت مراد نہ ہوگی لہذا حدیث کا مفہوم یہ ہے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے اگر نیت ہوئی تو عمل پر ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔پس معلوم ہوا کہ ثواب عملی نیت پر موقوف ہے نہ کہ وجود عملی لہذا اگر نیت نہ ہو تو تب بھی عمل پایا جائے گا اور ثواب ہو گا۔(وفيه مافيه)

اس اصول پر تفریع کرتے ہوئے مصنف نے ایک مسئلہ بیان فرمایا: وہ یہ ہے:

اگر کسی شخص نے جاری پانی یا بڑے تالاب میں غوطہ لگایا یا زوردار بارش میں جا کر کھڑا ہو گیا کلی کر لی اور ناک میں پانی چڑھایا تو یہ شخص جنابۃ سے پاک ہو جائے گا اگر چہ اس نے غسل کرنے کی نیت نہ کی تھی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں شرط اور فرض ہی نہیں بلکہ سنت ہیں لہذا ان کے نہ ہونے سے عدم وجود غسل نہیں لازم آئے گا سنة ولا ینتضی الوجود ینفی السنة (اھ)۔

اور یہ بھی وجہ ہے کہ فعل مامور بہ کا حصول مقصود ہے اور وہ یہاں حاصل ہو گیا ہے اگر اس کا حصول بلا قصد ہوا ہے اور کون الشئ عف قصد او لا عن قصد میں کوئی فرق نہیں ہاں البتہ اگر نیت نہ ہو تو حصول ثواب نہ ہوگا۔ لہٰذا دریں صورت اسے ثواب نہ ہوگا لیکن عدم تحقق ثواب لا یستلزم عدم تحقق الوجوذ کما ھو الظاھر۔ (اھ)

غسل کی اقسام

و الاغتسال علیٰ احد عشر وجها خمسة منها فریضة من الحیض و النفاس ومن التقاء الختانین مع غیبوبة الحشفة ومن خروج المنی علی وجه الدفق و الشهوة ومن الاحتلام اذا خرج معه المنی و المذی و اربعة منها سنة غسل یوم الجمعة و العیدین و یوم عرفة وعند الاحرام وواحد منها واجب وهو غسل المیت حتی لا تجوز الصلوة علیه قبل الغسل وقبل التیمم عند عدم الماء وواحد منها مستحب وهو غسل الکافر اذا اسلم هکذا ذکر شمس الائمه فی شرحه

ترجمہ...... غسل کی گیارہ قسمیں ہیں۔

پانچ فرض ہیں جو یہ ہیں: (۱) عورت کا ماہواری ختم ہونے پر غسل کرنا (۲) نفاس کی فراغت کے بعد غسل کرنا (۳) ہم بستری کے بعد غسل کرنا جس کی معمول حد یہ ہے کہ مرد عورت کی شرمگاہیں ٹکرائیں اور مرد کی شرمگاہ کا سرا عورت کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے (۴) شہوت اور کود کر منی خارج ہو تو دونوں پر غسل واجب ہوگا (۵) جب احتلام کی صورت میں منی یا مذی خارج ہو اور چار قسم کا غسل سنت ہیں۔ (۱) جمعے کے دن غسل کرنا (۲) دو عیدوں کو غسل کرنا (۳) ذی الحجہ کی نو تاریخ کو غسل کرنا (۴) حج اور عمرہ کے احرام باندھنے کے وقت غسل کرنا اور غسل کی ایک قسم واجب ہے وہ میت کو غسل دینا ہے جب تک اسے غسل نہ دیا جائے اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں اگر پانی نہ ہو تو پھر اسے تیمم کرایا جائے گا اور ایک قسم مستحب ہے جب کافر اسلام لائے تو اسی کا غسل کرنا مستحب ہے اس کو شمس الائمہ سرخی نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے۔

چند مفردات

۱- فریضة	بمعنی فرض ہے۔	۲- حیض	جوان تندرست کا ماہواری خون۔
۳- التقاء الختانین	دو شرمگاہوں کا ملنا۔	۴- الرفق	چھلانگ لگانا، کودنا۔

تشریح

فرض غسل کا ثبوت کتاب وسنت اور اجماع سے ہے جمعے کے دن غسل کرنا بعض کے نزدیک سنت ہے اور بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک واجب ہے آئمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ غسل یوم جمعہ کیلئے ہے یا نماز جمعہ کیلئے امام ابو یوسف کے نزدیک نماز کیلئے سنت ہے جبکہ امام حسن بن زیاد کے نزدیک دن کیلئے سنت ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ان پر بھی جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک سنت نہیں۔عیدین اور یوم عرفہ اور احرام کے وقت غسل کرنا بعض کے نزدیک سنت اور بعض کے نزدیک مستحب ہے بعض آئمہ نے فرمایا بعض دوسرے کاموں کیلئے بھی غسل کرنا مستحب ہے (۱) مکہ شریف جانے کیلئے (۲) مزدلفہ میں ٹھہرنے کیلئے (۳) مدینہ منورہ جانے کیلئے (۴) اور جس نے میت کو نہلایا ہو (۵) سنگی لگوانے کیلئے (۶) لیلۃ القدر میں (۷) پاگل جب ہوش میں آئے (۸) بچہ جب بالغ ہو جائے (۹) کافر جب اسلام لائے اور جنبی نہ ہو۔

مسئلہ: اگر عید اور جمعہ کا اجتماع ہو تو ایک ہی غسل کافی ہے میت کو غسل دینا واجب کفایہ ہے لیکن ظاہر روایت ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے (ابن ہمام اور سروجی نے شرح ہدایہ میں ذکر کیا)

مسائل جنبی

و ذکر فی المحیط ان الکافر اذا اجنب ثم اسلم الصحیح انه یجب علیه الغسل ولا یجوز للجنب والحائض والنفساء قرأة القراٰن یعنی اٰیة تامة وان قراما دون الأیة او قرا الفاتحة علی قصد الدعاء او الایات التی تشبه الدعاء علی نیة الدعاء یجوز و قیل یکره وقیل لا یکره واما قرائة دعاء القنوت فلا یکره فی ظاهر مذهب اصحابنا وعن محمدؒ انه یکره ولا یکره التهجی بالقراٰن والتعلیم للصبیان حرفا حرفا وکذا لا یجوز لهم کتابة القراٰن

ترجمہ......اور محیط میں بیان کیا گیا کہ کافر جب جنبی ہو جائے پھر اسلام لایا تو صحیح یہ ہے کہ اس پر غسل کرنا واجب ہے۔ حیض، نفاس اور جنبی آدمی کیلئے قرآن مجید کی پوری آیت پڑھنا جائز نہیں اور اگر آیت سے کم حصہ پڑھے یا دعا کی نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھے یا ایسی آیت پڑھے جو دعا سے مشابہت رکھتی ہے تو یہ جائز ہے (اس میں بھی اختلاف ہے) بعض کہتے ہیں یہ بھی مکروہ ہے جبکہ بعض کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن دعائے قنوت پڑھنا مکروہ نہیں ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب یہی ہے لیکن امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اسکا پڑھنا بھی مکروہ ہے اور تعلیم کیلئے قرآنی آیت کو ایک ایک حرف کر کے ہجوں کی صورت میں پڑھنا مکروہ نہیں اور اسی طرح مذکورہ بالا افراد کیلئے قرآن مجید لکھنا بھی جائز نہیں۔

مفردات

۱- اجنب وہ ناپاک ہوگیا۔ ۲- مادون الآیت آیت سے کم حصہ

۳- التھجی ہجے کرنا۔ ۴- کتابت لکھنا۔

تشریح

اگر کافر حالت جنابت میں اسلام لائے تو اس پر غسل کرنا اس لئے واجب ہے کہ اس کے اندر جنابت موجود ہے۔ لیکن حیض کے ختم ہونے کے بعد حیض والی عورت اسلام لائے تو اس پر غسل واجب نہیں کیوں کہ اب اس کے اندر حیض موجود نہیں لیکن امام قاضی خان نے فرمایا کہ احتیاط یہ ہے کہ یہ سب غسل کریں۔

چند مسائل

۱- اگر عورت جنبی ہو جائے پھر اسے ماہواری آجائے تو اسے اختیار ہے غسل کرے یا پاک ہونے تک اس میں تاخیر کرے۔

۲- یونہی اگر حائضہ عورت کو احتلام ہوگیا یا اس سے ہم بستری کی گئی تو اسے دونوں کاموں میں اختیار ہے۔

۳- جنبی آدمی اگر نماز کے وقت غسل میں تاخیر کرے تو گناہ گار نہ ہوگا۔

۴- اگر ایک مرتبہ اہلیہ کے پاس گیا پھر دوبارہ جانا چاہے تو وضو کر لینا مستحب ہے۔

۵- ایک برتن سے مرد عورت دونوں غسل کر سکتے ہیں جب جنبی کھانا پینا چاہے تو اپنا منہ اور ہاتھ دھو لے اگر نہ دھو سکے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن کراہت تنزیہی ہوگی حیض، نفاس والی عورت اور جنبی آدمی نہ تو قرآن مجید کو ہاتھ لگا سکتے ہیں اور نہ یاد سے پڑھ سکتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور خود قرآن مجید میں آیا ہے لا یمسہ الا المطھرون - مادون الآیت اور سورۃ فاتحہ یا کوئی دعائیہ آیت دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ قرآن کی نیت سے نہ ہو اور اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ جب ہیئت بدل جائے تو حکم بدل جاتا ہے امام طحاویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور زاہدی کہتے ہیں یہی اکثر علماء کا مذہب ہے لیکن امام کرخی کے نزدیک مادون الآیت کا بھی پڑھنا جائز نہیں قیل یکرہ قیل لا یکرہ اسی اختلاف کی طرف اشارہ ہے دعائے قنوت کا پڑھنا عام مذہب میں مکروہ نہیں البتہ امام محمد سے ایک روایت میں مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابی بن کعب نے دعائے قنوت کو اپنے مصحف میں لکھا تھا لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ قرآنی آیت نہیں اور اسی طرح مذکورہ بالا افراد کا قرآن کی تہجی کرنا اور بچوں کو ایک ایک حرف کر کے پڑھانا مکروہ نہیں کیوں کہ اس طرح پڑھنے والا قاری شمار نہیں ہوتا اور کتابت قرآن کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں بھی مس قرآن لازم آتا ہے۔

ذکر فی الجامع الصغیر المنسوب الی قاضیؒ خان لا باس للجنب ان یکتب القرآن والصحیفۃ او اللوح علی الارض او الوسادۃ عند ابی یوسفؒ ولا یجوز لھم مس المصحف الا بغلافہ ولا اخذ درھم فیہ سورۃ من القرآن الا بصرتہ و کذلک المس للمحدث ھذا اذا کان الغلاف غیر مشرز وان کان مشرزا لا یجوز والخریطۃ احق من

الغلاف فی انه لا یکره فان اخذ المصحف بکمه فلا باس به عند محمد رحمه الله و کرهه بعض مشائخنا لان الثوب تبع له

جامع صغیر جو امام قاضی خان کی طرف منسوب ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنبی آدمی کیلئے قرآن مجید لکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح صحیفہ یا تختی زمین پر یا تکیہ پر رکھ کر اس سے لکھنا اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے لیکن مصحف کو ہاتھ لگانا بغیر غلاف کے جائز نہیں اور یونہی ہمیانی کے بغیر کسی ایسے درہم کو ہاتھ میں لینا کہ جس میں قرآن مجید کی کوئی سورت ہو یونہی بے وضو کیلئے مصحف کو ہاتھ لگانا جائز ہے جبکہ غلاف سلا ہوا نہ ہو اور اگر سلا ہوا ہو تو جائز نہیں اور جزدان یعنی تھلا غلاف سے زیادہ بہتر ہے کہ اس کو ہاتھ لگانے میں کراہت نہیں اگر کسی نے اپنے دامن سے قرآن مجید کو پکڑا تو امام محمد کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک اس طرح کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ کپڑا جسم کے تابع ہوتا ہے۔

چندلغات

۱-	لا باس	کوئی حرج نہیں۔	۲-	الجنب	ناپاک آدمی یہ واحد تثنیہ جمع کیلئے استعمال ہوتا ہے۔
۳-	مس المصحف	مصحف کو ہاتھ لگانا۔	۴-	صرة	رقم رکھنے کی تھیلی۔
۵-	مشرز	سلا ہوا۔	۶-	الخریطة	جزدان تھیلی۔
۷-	کم	دامن۔	۸-	المصحف	وہ چیز جس میں قرآن مجید جمع کیا گیا ہو۔
۹-	ثوب	کپڑا اس کی جمع اثواب ہے۔			

تشریح

اگر زمین پر قرآن مجید یا صحیفہ رکھا ہوا ہو اور ہاتھ سے اسے مس نہ کریں تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام محمد کا اس میں اختلاف ہے بعض ائمہ نے اس میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔ کہ اگر اس صورت میں کتاب اور مکتوب دونوں کا مس لازم نہ آئے تو امام ابو یوسف کا قول معتبر ہے لیکن اگر کسی ایک کا مس لازم آئے تو امام محمد کا قول معتبر ہے صرف مصحف کو بغیر غلاف کے ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ کتاب و سنت میں اس کی ممانعت آئی ہے زمانہ قدیم میں درہم و دینار پر سورہ اخلاص نقش ہوا کرتی تھی ایسے درہم و دینار کو ہاتھ لگانا بغیر کسی کپڑے کے ٹھیک نہیں اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پوری سورت لکھی ہوئی ہو بلکہ پوری آیت کا بھی یہی حکم ہے بے وضو آدمی بھی مصحف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہاں اگر اس پر الگ غلاف چڑھا ہوا تو پھر گنجائش ہے ورنہ نہیں مصحف کو دامن سے پکڑنے میں امام محمد اور بعض مشائخ کا اختلاف ہے امام محمد کے نزدیک دامن کے ساتھ پکڑنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ دوسرے مشائخ کا خیال یہ ہے کہ دامن کپڑا ہے اور کپڑا جسم کے تابع ہوتا ہے صاحب ہدایہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔

لا باس بدفع المصحف و اللوح الی الصبیان و الاحوط ان یاخذه بکمه و یدفعه و یکره للمحدث و نحوه مس تفسیر القرآن و کتب الفقه و ان اخذه بکمه لا باس به لتکرر

الحاجة الى اخذه ولا تكره قرائة القرآن للمحدث ظاهرا اما الجنب اذا غسل يديه وفمه فلا يجوزله المس والقرائة لبقاء الجنابة ويكره قرائة التورة والانجيل للجنب

جامع صغیر میں یہ بیان کیا گیا کہ قرآن مجید اور تختی بچوں کو سپرد کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن زیادہ احتیاط یہ ہے کہ وہ دامن سے پکڑ کر اس کے حوالے کرے۔

مسئلہ......قرآن مجید کی تفاسیر اور کتب فقہ کو بھی ہاتھ لگانا مکروہ ہے لہٰذا اگر ایسی ضرورت پڑے تو انہیں دامن سے پکڑے اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ پڑھنے پڑھانے والوں کو بار بار اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

مسئلہ......بے وضو آدمی قرآن مجید اپنی یاد سے پڑھ سکتا ہے اس میں کوئی کراہت نہیں لیکن جنبی آدمی جب اپنا منہ ہاتھ دھو ڈالے تو پھر بھی اس کیلئے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا یا اپنی یادداشت سے پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس میں جنابت موجود ہے یونہی باقی آسمانی کتابیں تورات، انجیل اور زبور جنبی آدمی نہیں پڑھ سکتا۔

کلمات

۱- اللوح تختی ۲- صبیان صبی کی جمع بمعنی بچے۔ ۳- ظاہر مرادی معنی زبانی یاد سے پڑھنا۔

تشریح

بچوں کو قرآن مجید یا تختی دینے میں اس لئے حرج نہیں کہ وہ نابالغ ہونے کی وجہ سے طہارت کے پابند نہیں مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ اگر انہیں پڑھنے کیلئے قرآن مجید اور لکھنے کیلئے تختی نہ دی جائے تو اس میں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے میں بہت بڑا حرج ہے اور انہیں طہارت کا پابند کرنا یہ دوسرا حرج ہے لہٰذا ان کیلئے بغیر طہارت بھی گنجائش ہے۔" **والاحوط ان ياخذ بكمه ويدفعه** "اس عبارت کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں۔

کیونکہ جامع صغیر کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بے وضو بچوں کو پڑھنے کیلئے مصحف اور لکھنے کیلئے تختی دی جاسکتی ہے لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ بالغ آدمی تختی یا قرآن مجید اپنے دامن سے پکڑ کر انہیں بے وضو ہونے کی حالت میں دیدے کتب تفسیر اور فقہ وغیرہ کے بارے میں امام صاحب کا زیادہ صحیح مذہب یہ ہے انہی ہاتھ لگانا مکروہ نہیں جنبی کے بارے میں بھی ایک قول یہ ہے کہ وہ بغیر طہارت قرآن مجید کو ہاتھ لگا سکتا ہے دوسری آسمانی کتابیں اگرچہ تبدیل ہوگئی ہیں لیکن ان کے تبدیل شدہ حصے کا کوئی خاص تعین نہیں لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ ان کا بھی احترام کیا جائے۔

اذا اراد الجنب الاكل والشرب ينبغي له ان يغسل يده وفمه ثم ياكل ويشرب ويكره كتابة القرآن واسماء الله تعالىٰ على المصلّى ويكره دخول المخرج لمن في اصبعه خاتم فيه شي من القرآن لما فيه من ترك التعظيم وكذا لا يجوز لهم دخول المسجد

سواء دخلوا للجلوس او العبور وقال الشافعي رحمه الله يجوز لهم للعبور وان احتلم في المسجد تيمم للخروج اذا لم يخف وان خاف يجلس مع التيمم ولكن لا يصلي ولا يقرأ القرآن

جب کوئی جنبی شخص کھانا پینا چاہے تو اس کیلئے مناسب ہے کہ اپنے ہاتھ اور منہ دھو کر کھائے پیئے۔

جائے نماز پر قرآن مجید یا اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی لکھنا مکروہ ہے اور بیت الخلا میں کسی ایسے شخص کا جانا مکروہ ہے جس کے ہاتھ میں ایسی انگوٹھی لگی ہو کہ جس میں قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہو کیونکہ اسمیں بے ادبی اور ترک تعظیم ہے اور اسی طرح افراد مذکورہ کا کسی مسجد میں جانا جائز نہیں خواہ بیٹھنے کیلئے جائیں یا گذرنے کیلئے (یعنی دونوں صورتوں کا شرعا ایک ہی حکم ہے) لیکن امام شافعی کے قول کے مطابق گزرنے کیلئے (مساجد میں) جانا جائز ہے۔

مسئلہ...... اگر کسی شخص کو مسجد میں احتلام ہو جائے تو تیمم کر کے باہر نکلے۔ اور اگر باہر جانے کا (جانی خطرہ ہو) تو تیمم کر کے وہیں بیٹھا رہے، ہاں البتہ (اس تیمم کے ساتھ) نہ نماز پڑھے اور نہ ہی قرآن مجید کی تلاوت کرے۔

تشریح الکلمات

۱- الا کل — کھانا ماکولات وہ اشیاء جو کھائی جاتی ہیں۔

۲- الشرب — پینا مشروبات پینے کے قابل چیزیں۔

۳- ینبغی — مناسب ہے ائمہ فقہ کی اصطلاح میں یہ کلمہ وجوب اباحت اور اولویۃ کیلئے موقع اور محل کے مطابق استعمال ہوتا ہے۔

۴- المصلیٰ — وہ شے جس پر نماز پڑھتے ہیں صیغہ ظرف مکان ہے۔

۵- المخرج — نکلنے کی جگہ صیغہ ظرف ہے خروج مصدر سے بنا ہے یہاں بیت الخلاء مراد ہے۔

٦- اصبع — انگشت اس کی جمع اصابع ہے۔ ۷- خاتم — زبر اور زیر کیساتھ انگوٹھی۔

۸- الجلوس — بیٹھنا۔ ۹- العبور — گزرنا۔

۱۰- احتلم — اسے احتلام ہوا اس کا مصدر احتلام یعنی خواب میں ہم بستری کرنا اور مادہ تولید خارج ہو اور اس کا اثر بستر پر پانا۔

۱۱- خاف — اسے ڈر ہوا۔ ۱۲- یجلس — وہ بیٹھے جلوس سے بنا ہے۔

۱۳- لایصلی — صلوٰۃ سے ماخوذ ہے یعنی وہ نماز نہ پڑھے۔ ۱۴- لا یقرأ — پڑھنا نہ پڑھے قرأۃ۔

تشریح الکلام

جنبی آدمی ہاتھ اور منہ دھو کر کھائے پیئے کیوں؟ اس لئے کہ اس کا جھوٹا اور یونہی ہاتھوں سے لگا ہوا کھانا ہاتھ وغیرہ دھوئے بغیر مکروہ ہے بعض نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ بغیر غسل الفم والید فقر وفاقہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تحفظ کیلئے ایسا کرے لیکن حائضہ عورت کا جھوٹا مستعمل نہیں ہوتا کیونکہ دوران حیض وہ مامور بالغسل نہیں مگر یہ کہ وہ ختم ہو جائے مصلیٰ (جائے نماز) کی طرح مسجد کی محراب دیواریں

بچھونے ور دستر خوانوں پر بھی آیات قرآنی اور اسماء الٰہی لکھنا ٹھیک نہیں اور کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اس میں ان کی توہین ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف ہو تو پھر کراہت نہیں اور اگر کسی کو جیب میں قرآنی آیت یا اسماء الٰہی لکھے ہوئے موجود ہوں اور اسی طرح اگر کسی کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہوں تو کراہت نہیں اس لئے کہ وہ پردہ پوش ہیں لیکن اس احتیاط کے باوجود پھر بھی بچنا بہتر ہے مذکورہ افراد کا کسی مسجد میں داخل ہونا خواہ بیٹھنے کیلئے ہو یا صرف گزرنے کیلئے ہو دونوں صورتوں میں جائز نہیں کیونکہ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں مسجد میں حائضہ اور جنبی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایسے افراد اگر مسجد سے گزرنا چاہیں تو گزر سکتے ہیں فریقین کے دلائل اپنے اپنے مقام پر تفصیل سے موجود ہیں یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں اگر کوئی شخص مسجد احتلام کی وجہ سے جنبی ہو جائے تو وہ تیمم کر کے باہر نکلے بشرطیکہ اسے ڈاکوؤں اور لٹیروں کا خطرہ نہ ہو ورنہ ضرورت کی وجہ سے وہیں بیٹھا رہے لیکن اس تیمم کے ساتھ وہ نہ تو نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ تلاوت قرآن کر سکتا ہے کیونکہ یہ تیمم مجبوری کی بنا پر ہے جس کے جواز کی اجازت ضرورت کی بنا پر دی گئی لہٰذا یہ دوسری عبادات میں کام نہیں آسکتا۔

نوٹ

بعض مقامات ایسے ہیں جہاں تلاوت قرآن ذکر اور دعا وغیرہ عام طور پر جائز نہیں مثلاً بیت الخلا، غسل خانہ اور حمام امام محمد کے نزدیک حمام میں اجازت ہے بعض نے کہا ہے کہ وہاں بلند آواز سے قرأت نہ کرے البتہ دل میں پڑھ سکتا ہے فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر حمام میں کوئی ننگا نہ ہو اور وہ پاک صاف بھی ہو تو پھر وہاں بلند آواز سے قرأت کرنے میں کوئی حرج نہیں ورا گر دل میں پڑھے اور تسبیح وتہلیل کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

تیمّم کا بیان

فصلٌ فی التیمم و للتیمم رکن و شرط لا بد من معرفتھما اما رکنہ فضربتان ضربۃ للوجہ و ضربۃ للذراعین یعنی الیدین الیٰ المرفقین و صورتہ ان یضرب یدیہ علی الارض او علی ما ھو من جنس الارض ضربۃ مفرجا اصابعہ فینفضھما فیمسح وجھہ ثم یضرب ضربۃ اخریٰ فینفضھما ثم یمسح الیمنی بالیسری و الیسری بالیمنی من رؤس الاصابع الیٰ المرفقین

تیمم کے لئے ایک رکن اور ایک شرط ہے کہ جن میں دونوں کی معرفت ضروری ہے پس اس کا رکن تو دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت دو ہاتھوں کے لئے ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ (سب سے پہلے) دونوں ہاتھ ایک مرتبہ زمین یا جنس زمین پر مارے بشرطیکہ انگلیاں کشادہ ہوں پھر انہیں ایک مرتبہ جھاڑے پھر ان سے اپنے چہرے پر مسح کرے پھر دوبارہ ہاتھ مٹی پر مار کر ہاتھوں کو جھاڑے اور دائیں ہاتھ کا بائیں کے ساتھ اور بائیں کا دائیں کے ساتھ انگلیوں کے سروں سے لے کر دونوں کہنیوں تک مسح کرے۔

کلمات

۱- تیمم اس کے لغوی معنی ہیں ارادہ کرنا اور شریعت میں پاک مٹی کا حصول طہارت کیلئے ایک مخصوص طریقہ سے ارادہ کرنا۔
۲- ضربۃ مارنا۔ ۳- الذراعین دوبازو۔
۴- مفرجًا کشادہ کرنے والا۔ ۵- الیمنیٰ دایاں ہاتھ۔
۶- الیُسریٰ بایاں ہاتھ۔ ۷- رؤس الاصابع انگلیوں کے پورے۔

تشریح

تیمم میں دوضربات ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تیمم دوضربوں کا نام ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے ہے۔ مصنف نے تیمم کا جوطریقہ بیان فرمایا سنت نبوی کے مطابق یہی طریقہ ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ دو ہاتھوں کو ملا کرانگلیوں کو کشادہ رکھ کر، مٹی یا اس کی جنس پر مارے یعنی رکھے اور اگر گردوغبار خواہ ہو یا نہ ہو سنت کی پیروی کرتے ہوئے انہیں جھاڑے اور منہ دھونے کیطرح چہرے پر مسح کرے اور اسی طرح ہاتھوں کا بھی مسح کرے۔ اگر پوری ہتھیلی سے مسح کرے تو بھی جائز ہے اگر ایک یا دو انگلیوں سے مسح کرے تو جائز نہیں۔

تیمّم میں استیعاب مسح کے مسائل

و استیعاب العضوین بالمسح واجب عند الکرخی فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا رحمھم اللہ حتی لو ترک شیأ قلیلا من مواضع التیمم لا یجزیہ و روی الحسن ابن زیاد عن اصحابنا ان الاستیعاب لیس بواجب حتی لو ترک اقلّ من الربع یجزیہ و علی ھذہ الروایۃ نزع الخاتم و السوار و تخلیل الاصابع لا یجب و علی تلک الروایۃ یجب و ینبغی ان یحتاط و روی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لو ترک ظھر کفیہ بلا مسح انہ لو ترک لا یجزیہ و من ھو مقطوع الیدین من المرفقین اذا تیمم یمسح موضع القطع

ترجمہ عبارت...... دونوں اندا موں کا احاطہ کرنا امام کرخیؒ کے نزدیک واجب ہے ہمارے اصحاب سے ظاہر روایت میں یہی آیا ہے لہٰذا اگر محل تیمم میں سے تھوڑا سا حصہ رہ گیا تو تیمم کافی نہ ہوگا امام حسن بن زیاد نے ہمارے اصحاب سے یہ بھی روایت کیا کہ احاطہ اعضاء واجب نہیں لہذا اگر چوتھائی سے کم حصہ رہ جائے تو تیمم جائز ہے پس اس روایت کے مطابق انگوٹھی اور کنگن کو اتارنا اور انگلیوں کا خلال کرنا واجب نہیں البتہ پہلی روایت کے مطابق واجب ہے اور مناسب یہ ہے کہ احتیاط کی جائے امام محمد سے یہ بھی روایت کی گئی کہ اگر ہتھیلیوں کی پشت رہ جائے تو تیمم جائز نہیں۔

مسئلہ.....اگر کسی شخص کے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں تو اس کے تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محل قطع کا مسح کرے۔

توضیح کلمات

۱-	استیعاب	کسی چیز کو گھیر لینا اور اس کا احاطہ کرنا	۲-	العضوین	دو اندام یہاں مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں
۳-	امام کرخی	حنفی مذہب کے ایک مستند امام ہیں	۴-	لا یجزیہ	تیمم کافی نہیں
۵-	حسن بن زیاد	امام ابوحنیفہ کے براہ راست شاگرد ہیں	۶-	الرُّبعُ	چوتھائی حصہ
۷-	نزعٌ	اتارنا	۸-	الخاتم	انگوٹھی
۹-	السوار	کنگن	۱۰-	تخلیل الاصابع	انگلیوں کا خلال کرنا
۱۱-	ظهرٌ	پشت	۱۲-	مقطوعٌ	کٹا ہوا

تشریح

کتب احناف کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ کتابیں جن میں جو مسائل آئے ہیں وہ ظاہر روایت کہلاتے ہیں وہ امام محمد کی چھ کتابیں ہیں جن کے نام یہ ہیں: ۱۔جامع صغیر ۲۔جامع کبیر ۳۔السیر الصغیر ۴۔السیر الکبیر ۵۔مبسوط ۶۔زیادات۔

امام حسن بن زیاد کی جو روایت ہے وہ نادر کہلاتی ہے دوسری قسم کی کتب نادرہ کی ہے اس نادر روایت میں استیعاب شرط نہیں۔ بعض نے کہا ہے مقدار درہم معاف ہے اس سے زائد معاف نہیں۔ یہاں ینبغی سے مراد وجوب ہے یعنی پہلی روایت کو لینا واجب ہے تا کہ استیعاب برقرار رہے اور یہی صحیح ہے۔ کفایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ تیمم میں رخساروں کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ خلاصہ میں آیا ہے کہ ابروؤں کے نیچے آنکھوں کے اوپر جو جگہ ہے اس کا مسح نہ کیا تو تیمم نہ ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ چونکہ تیمم عقل کے خلاف شرعی طور پر طہارت ہے کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مٹی سے حصول طہارت نہ ہو اس لئے کہ یہ موجب تطہیر نہیں بلکہ باعث تلویث ہے لیکن چونکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کا پانی نہ ہونے کی صورت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے تیمم کی اجازت دی ہے لہٰذا تیمم کرتے وقت بے حد احتیاط کی جائے تا کہ اصول اکابر کر مطابق صحیح طور پر تیمم ہو جائے اور اس کے عدم جواز کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

تیمم کی شرائط

و اما شرطه فالنية فلا يجوز بدونها و كذا طلب الماء اذا غلب ظنه ان هناک ماء او كان فى العمرانات او أُخبرَ به وجب الطلب بالاجماع و انما الخلاف فيما اذا لم يغلب على ظنه و لم يجز به او كان فى الفلوات عندنا لا يجب خلافا للشافعى رحمه الله و لو اخبره انسان بعدم الماء جاز بلاخلاف

ترجمہ...... تیمم کرے کے لئے فقہی قوائد وضوابط کے مطابق چند شرائط ہیں کہ اگر وہ پائی جائیں تو تیمم پایا جائیگا ورنہ نہیں۔
اذا وجد الشرط وجد المشروط و اذا فات الشرط فات المشروط۔
۱-پہلی شرط نیت ہے۔اس کے بغیر تیمم جائز نہیں۔
۲-دوسری شرط، پانی تلاش کرنا ہے جب اسے پانی موجود ہونیکا غالب گمان ہو، یا یہ آبادیوں میں ہو یا اسے پانی ہونیکی اطلاع دی گئی ہو (تو ان ساری صورتوں میں بالاتفاق) پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔لیکن اگر اسے پانی موجود ہونیکا غالب گمان نہ ہو یا اسے کسی نے اطلاع نہ دی ہو یا وہ جنگل اور ویرانے میں ہو تو (ان ساری صورتوں میں پانی تلاش کرنے میں) اختلاف ہے پس ہمارے نزدیک (ان حالات میں پانی تلاش کرنا) واجب نہیں البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے (یعنی ان کے نزدیک ان حالات میں بھی تلاش آب ضروری ہے) اور اگر کسی آدمی نے پانی نہ ہونیکی اطلاع دی تو پھر بغیر کسی کے اختلاف کے تیمم کرنا جائز ہے۔

تشریح المفردات

۱- شرط علامت، و تعریفہ ما یخرج من الشئ بل یتوقف علیہ وجود الشئ کالوضوء للصلوۃ۔
۲- نیت ارادہ کرنا، اور یہ فعل قلب ہے البتہ زبان سے ذکر کرنا بہتر ہے۔ ۳- طلب تلاش کرنا، کسی چیز کو ڈھونڈنا
۴- ظن گمان ۵- غلبۃ ظن گمان کا کسی طرف رجحان ہونا
۶- ھناک اس جگہ۔ ۷- العمرانات آبادیاں
۸- الفلاوات جنگل بیاباں۔ ۹- عدم الماء پانی نہ ہونا۔

تشریح

تیمم کی پہلی شرط نیت کرنا ہے۔وضو میں اگر چہ نیت ضروری نہیں تاہم تیمم میں نیت شرط ہے کیونکہ یہ خلاف عقل طہارت ہے لہذا اگر نیت نہ ہو تو تیمم نہ ہوگا۔البتہ امام زفر تیمم میں نیت کو ضروری قرار نہیں دیتے۔اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی ہی ارادہ کرنا ہے۔لہٰذا مزید قصد کی ضرورت نہیں لیکن باقی آئمہ کے نزدیک چونکہ نیت ضروری ہے۔لہٰذا اگر کسی کے منہ اور ہاتھوں کو مٹی لگ جائے یا اس نے تعلیمی طور پر ایسا کرلیا تو تیمم نہ ہوگا اور نیت میں یہ ضروری ہے کہ مطلق طہارت کی نیت کرے یا قربت مقصود کی لہذا حدث یا جنابت کی نیت کرنا شرط نہیں۔پانی تلاش کرنا بعض صورتوں میں شرط ہے پہلی صورت پانی ہونے کا غالب گمان ہو دوسری صورت یہ آبادیوں میں موجود ہو کیونکہ اکثر و بیشتر آبادیوں میں پانی پایا جاتا ہے یا کسی آدمی نے اسے پانی ہونے کی اطلاع دی پس ان ساری صورتوں میں طلب آب ضروری ہے۔اور اس کی تحدید دائیں اور بائیں جانب چار سو قدم ہیں بعض نے تیر پھینکنے کو حد قرار دیا ہے۔اطلاع دینے والے میں ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، عادل ہو یا اس کی صداقت پر غالب گمان ہو۔اور تین صورتوں میں پانی تلاش کرنا واجب نہیں۔پہلی یہ کہ اسے پانی ہونے کا غالب گمان نہ ہو دوسری یہ کہ اسے کسی نے بتایا بھی نہ ہو تیسری یہ ہے کہ یہ بیابانوں میں ہو، امام شافعی ان صورتوں میں بھی طلب آب ضروری قرار دیتے ہیں اور اس کے بغیر تیمم کرنا جائز نہیں قرار دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فلم تجدوا ماء، تم پانی نہ پاؤ

اور پانا نہ پانا طلب کے بعد ہوتا ہے۔ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اس طرح کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی استعمال ہوئے ہیں حالانکہ اس کے حق میں طلب محال ہے۔اور ایک صورت ایسی ہے کہ جس میں بالا تفاق بغیر طلب کے تیمم جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پانی نہ ہونے کی اطلاع دی تو پھر بغیر تلاش پانی کے تیمم جائز ہے کیونکہ ایک عادل شخص کی خبر دینا دینی معاملات میں حجت ہے۔

کذا من شرطه عجزه عن استعمال الماء حتى ان المريض اذا خاف زيادة او ابطاء البرء من المرض جاز له التيمم و ذكر الاسبيجابي في شرحه جنب على جميع جسده جراحة او على اكثره او به جدريّ فانه يتيمم و لا يجب عليه غسل الموضع الذي لا جراحة به و كذلك ان كان على اعضاء الوضوء كلها او على اكثر ها جراحة يتيمم و ان كان الجراحة على اقله و اكثره صحيح فانه يغسل الصحيح و يمسح على المجروح و ان لم يضره المسح

ترجمہ......اس کی تیسری شرط پانی استعمال کرنے سے عاجز ہونا ہے۔لہٰذا اگر مریض مرض کے بڑھ جانے یا سردی کی وجہ سے ہلاک ہونے سے خطرہ محسوس کرے تو اسے تیمم کرنا جائز ہے۔امام اسبیجابی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی جنبی آدمی کے پورے جسم پر یا جسم کے اکثر حصے پر زخم ہوں یا اسے چیچک نکلی ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے لیکن اس حصے کو دھونا ضروری نہیں جہاں زخم نہ ہوں اور اسی طرح جب پورے اعضاءِ وضو یا ان کا زیادہ تر حصہ زخمی ہو تو تیمم کرنے کی گنجائش ہے لیکن اگر کم حصہ زخمی ہو اور زیادہ حصہ ٹھیک ہو تو ٹھیک حصے کو دھوئے اور زخمی حصے پر مسح کرے بشرطیکہ مسح کرنا نقصان نہ دے اور اگر ننگے حصے پر مسح کرنا نقصان دے تو اس پر پٹی باندھے اور اس پٹی پر مسح کرے اور اگر نقصان نہ دے تو پھر زخم پر مسح کرے۔

چند کلمات

۱- البرد ٹھنڈک ۲- الاسبیجابی حنفیوں کا ایک معتبر اور مستند امام ہے جس نے مختصر طحاوی کی شرح لکھی، شروع کتاب میں اسکے تفصیلی حالات ذکر کیے گئے ہیں۔

۳- جراحۃ زخم ۴- جدرِیّ چیچک

۵- الصحیح تندرست حصہ ۶- مجروح زخمی حصہ

تشریح

تیمم کے جواز کی پانچ شرطیں ہیں:

۱- نیت کرنا۔ ۲- مسح کرنا۔ ۳- مٹی کا ہونا۔

۴- مٹی کا پاک ہونا۔ ۵- پانی استعمال کرنے سے عاجز ہونا۔

اگر یہ پانچوں پائی گئیں تو تیمم جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہیں آئمہ فقہ لکھتے ہیں ایک یہ کہ کسی مریض کو پانی استعمال کرنے یا اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے اضافہ مرض کا خوف ہونا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ دیر سے صحت یاب ہونے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ کیسے معلوم ہوگا تو اس کے جواب میں گذارش ہے کہ یا تو اسے غالب گمان ہو یا اس کا تجربہ ہو یا کوئی ماہر ڈاکٹر بشرطیکہ وہ مسلمان اور دیندار ہو، وہ کہے اس معاملے میں صرف وہم کافی نہیں۔ تیمم کرنے کی صورت میں مسح ہوگا اور دھونے کی صورت میں غسل ہوگا اور یہ دونوں یک جا نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر مسح ہوا تو غسل نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر تیمم کیا تو کسی صحیح حصے کو نہ دھوڈالے اور یہ کہنا کہ اگر کم حصہ زخمی ہو اور زیادہ ٹھیک ہو تو اس کا شمار یعنی قلت و کثرت کا شمار اعضاء وضو میں تعداد کے لحاظ سے ہے۔ مثلاً اگر سر ہاتھ اور منہ زخمی ہوں اور پاؤں ٹھیک ہوں تو تیمم جائز ہے اور اگر اس کا عکس ہو تو تیمم ٹھیک نہیں اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ خود اعضاء کی کثرت دیکھی جائے گی۔ یعنی جب تک ہر عضو کا اکثر حصہ زخمی نہ ہو تو تیمم نہ ہوگا اور اگر تندرست اور زخمی اعضاء برابر ہوں تو احتیاط یہ ہے کہ ٹھیک حصے کو دھوئے اور زخمی پر مسح کرے۔ آئمہ فقہ کی تحقیقی رائے اور صوابدید یہی ہے۔

میل کی مقدار

والجنب الصحيح في المصر اذا خاف ان اغتسل ان يقتله البرد او يمرضه يتيمم عند ابي حنيفة و ان كان خارج المصر يتيمم بالاتفاق و ان خرج مسافرا او محتطبا او خرج من قرية الىٰ قرية يجوز له التيمم ان كان بينه و بين الماء نحو ميل او اكثر والميل اربعة آلاف خطـــــــوة و هو ثلث الفرسخ سواء خرج جنبا او اجنب بعد الخروج

کسی تندرست آدمی کو شہر میں ہوتے ہوئے یہ خطرہ لاحق ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو سردی سے مر جائیگا یا بیمار ہو جائیگا تو دونوں صورتوں میں امام اعظم کے نزدیک تیمم کرے (اور سردی سے اپنی جان کو بچائے) اور اگر وہ بیرون شہر ہو تو بالاتفاق تیمم کر سکتا ہے اور اگر شہر سے بحالت سفر باہر جائے یا لکڑیوں کے لئے باہر جائے یا ایک بستی سے دوسری بستی کو جائے تو ان صورتوں میں تیمم کرے بشرطیکہ پانی تقریباً ایک میل یا اس سے کچھ زیادہ دور ہو۔ (ورنہ نہیں) ایک میل چار ہزار قدم ہے۔ (اور ہر قدم ڈیڑھ گز ہے اور ہر گز چوبیس انگلیوں کا ہوتا ہے اور یہی زیادہ راجح ہے)۔ پس اس لحاظ سے میل تہائی ۳/۱ حصہ کوس کا ہے۔ خواہ یہ شخص جنابت کی حالت میں باہر جائے یا باہر جانے کے بعد جنبی ہو جائے۔ (دونوں صورتوں برابر ہیں)۔

چند کلمات

۱- یمرّضه اسے ٹھنڈک بیمار کردے یہ تمریض سے بنا ہے یعنی بیمار کرنا۔

۲- مسافر — سفر کرنے والا۔ آئمہ لغت کے نزدیک جو بھی گھر سے چند قدم باہر جائے لغتاً وہ مسافر کہلاتا ہے لیکن آئمہ فقہ حنفی کے نزدیک شرعی مسافر کے لئے تین دن رات کی مسافت طے کرنا ضروری ہے۔

۳- محتطبٌ — لکڑیاں جمع کرنے والا
۴- قریة — بستی، گاؤں اسکی جمع قُریٰ ہے
۵- اربعة آلاف — چار ہزار، یہ اَلف کی جمع ہے بمعنی ہزار
۶- خطوةٌ — قدم
۷- ذراع — گز یا ہاتھ
۸- ثُلثٌ — کسی چیز کا تہائی حصہ
۹- الفرسخ — کوس
۱۰- اجنَبَ — وہ جنبی ہو گیا۔

تشریح

اگر تندرست آدمی شہر میں ہوتے ہوئے ٹھنڈک سے مرنے یا بیمار ہونے کا اندیشہ کرے یعنی تجربے کے مطابق اسے غالب گمان ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم کر سکتا ہو لیکن ان کے دو شاگردوں کا اس میں اختلاف ہے لہذا فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کے پاس گرم پانی کا انتظام نہ ہو یا حمام میں جانے کی طاقت نہ ہو لیکن اگر یہی شخص شہر سے باہر ہو تو سب کے نزدیک تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ اس جگہ گرم پانی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص سفر کی نیت سے اپنے شہر سے باہر جائے یا لکڑیاں بیچنے یا جمع کرنے کے خیال سے باہر نکلے یا ایک بستی سے دوسری بستی کو جائے تو ان صورتوں میں تیمم جائز ہے بشرطیکہ تقریباً ایک میل یا کچھ زیادہ دور ہو۔ امام کرخی سے روایت ہے کہ اگر پانی بھرنے والوں کا شور سنائی دے تو تیمم نہ کرے کیوں کہ پانی قریب ہے۔ حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ اگر پانی اس کے آگے ہو تو دو میل کی مسافت معتبر ہے ورنہ ایک میل ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر یہ پانی پر جائے اور وضو کرے اور اسکے واپس لوٹنے تک اس کے ساتھی اس کی نگاہوں سے غائب ہو جائیں تو ایسی صورت میں تیمم جائز ہے کیونکہ پانی دور ہے۔ فیصلہ یہ ہے کہ ان کو بھیڑ میں پڑنے کی ضرورت نہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اگر اس کے غالب خیال میں پانی دور ہے تو تیمم کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ چار ہزار قدم میں ابن شجاع کے نزدیک ساڑھے تین ہزار سے لے کر چار ہزار تک مراد ہے اور ایک انگلی چھ جو کی مقدار ہے اور ناپاک ہونے میں تقدیم، تاخیر کا کوئی اعتبار نہیں۔

تیمم کے مسائل

و ان كان معه ماء في رحله فنسيه و تيمم و صلى ثم تذكر في الوقت لم يعد عند ابي حنيفة و محمد خلافا لابي يوسف رحمهم الله و ان تذكر بعد الوقت لم يعد في قولهم جميعا و اذا تيمم و صلى و الماء قريب منه و هو لا يعلم و لا يظن اجزأه و ان كان مع رفيقه ماء لا يجوز له التيمم قبل ان يسأل اذا كان على غالب ظنه انه يعطيه و اما اذا كان على غالب ظنه انه لم يعطيه لم يسأل و ان تيمم قبل ان يسأل و صلى ثم سأل فاعطى له يلزمه الاعادة و ان كان لا يعطيه الا بالثمن فان لم يكن له ثمن يتيمم

بالاجماع و ان کان معه مال زائد علی ما یحتاج فی الزاد ان باعه بمثل القیمة او بغبن یسیر لا یجوز التیمم و ان باعه بغبن فاحش تیمم و صلی و الغبن الفاحش ما لا یدخل تحت تقویم المقومین و قال بعضهم تضعیف الثمن

اگر کسی کے اسباب میں پانی رکھا ہو لیکن اس نے بھول کر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اسے وقت میں پانی یاد آ گیا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز نہ لوٹائے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اسے لوٹائے اور اگر وقت نکلنے کے بعد پانی یاد آیا تو بالاتفاق سب کے قول میں نماز نہ لوٹائے۔

ایک آدمی نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی جبکہ پانی اس کے بالکل قریب تھا لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا اور نہ اسے خیال تھا تو اس کی یہ نماز ٹھیک ہو گئی اور اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو اور اسے غالب خیال بھی ہو کہ اس سے مانگا جائے تو وہ دے دے گا تو اس صورت میں مانگنے سے پہلے تیمم جائز نہیں لیکن اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ مانگنے کے باوجود نہیں دے گا اس لئے اس نے پانی نہ مانگا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو جائز ہے لیکن اگر مانگنے سے پہلے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر بعد میں اس سے پانی مانگا اور اس نے دے دیا تو پھر اس نماز کو لوٹائے اور اگر اس کا غالب گمان تھا کہ میں نے اگر ساتھی سے پانی مانگا تو وہ نہ دے گا اس لئے اس نے ساتھی سے پانی نہ مانگا اور تیمم کر کے نماز پڑھی اور پھر اس نے دے دیا تو اس صورت میں اعادہ نماز لازم ہے۔ اور اگر یہ صورت ہے کہ بغیر قیمت پانی نہیں دیتا تو اگر اس کے پاس رقم نہ ہو تو بالاتفاق تیمم جائز ہے۔ اور اگر اس کے پاس مال موجود ہے جو اس کے ضروری اخراجات سے زیادہ ہے اور وہ شخص مثل قیمت یا تھوڑی سی زیادتی سے پانی بیچتا ہے تو اس کے لئے تیمم جائز نہیں بلکہ پانی خرید کر وضو کرے۔ اور اگر وہ بازاری قیمت سے بہت زیادہ رقم لیتا ہے تو اس صورت میں تیمم جائز ہے۔ (آئمہ فقہ کے نزدیک) اس کو غبن فاحش کہتے ہیں اور اسکی تعریف یہ ہے کہ جو قیمت مقرر کرنے والوں کی قیمت میں شامل ہو بعض نے کہا ہے کہ دگنا رقم لینا غبن فاحش ہے۔

چند کلمات

۱- رحلٌ اسباب ۲- تذکّر اس نے یاد

۳- یُعِیْدُ لوٹائے، اعادہ سے بنا ہے وہ لوٹائے گا ۴- رفیق ساتھی

۵- انْ یَسْئَلَ مانگے، یہ سوال سے بنا ہے۔ ۶- انّه یعطیه کہ وہ اسے دے دے گا

۷- الثمنُ قیمت، ثمن اور قیمت میں بعض اہل فقہ نے یہ فرق کیا ہے کہ قیمت بازاری نرخ ہے جبکہ ثمن بائع اور مشتری کے درمیان طے شدہ رقم

۸- ما یحتاج الیه وہ چیز جس کی حاجت ہو ۹- الزّاد خرچہ

۱۰- ان باعه اگر اسے بیچے، یہ بیع سے نکلا ہے جس کے معنی کسی چیز کو بیچنا اور خریدنا

۱۱- غبن یسیر تھوڑا نقصان	۱۲- غبن فاحش زیادہ نقصان
۱۳- تقویم قیمت کرنا	۱۴- المقومین قیمت کرنے والے
۱۵- تضعیف دگنا	

نوٹ: بازار میں عام مروجہ اور تاجرانہ بھاؤ کو مثلی "قیمت" اور متعاقدین کے درمیان طے شدہ رقم خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ "ثمن" یا اصطلاحی قیمت کہا جاتا ہے اور عام مروجہ قیمت سے دگنا اضافہ "غبن فاحش" کہلاتا ہے جو شرعاً ناقابل برداشت ہے۔

تشریح

اگر اسباب میں پانی ہو اور یہ بھول گیا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو دو اماموں کے نزدیک نماز ہوگئی۔ پانی یاد آنے پر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ جبکہ تیسرے امام کے نزدیک اعادہ ضروری ہے۔ شارحین نے اس میں ایک ضروری تفصیل ذکر فرمائی ہے اور اس اختلاف کو کچھ کم کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ تینوں اماموں کا باہم اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس شخص نے خود اسباب میں پانی رکھا ہو یا کسی دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا ہو لیکن اگر کسی دوسرے نے اس کے علم کے بغیر خود رکھ دیا تو پھر اس صورت میں سب کے نزدیک تیمم جائز ہے۔ اور بعض دوسری صورتیں بھی اختلاف کی ہیں۔ مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ وقت میں یاد آئے یا بعد میں پانی یاد آئے خواہ بعد وقت کے اس میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی شخص نہر یا کنوئیں کے بالکل قریب ہو لیکن اسے معلوم نہ ہو تو وہ بھی اجنبی ہونے کی صورت میں تیمم کر سکتا ہے۔ یہ صورت کہ ساتھی کے پاس پانی ہو اور اس کا غالب خیال ہو کہ وہ نہیں دیگا اس بنا پر اس نے بغیر مانگے تیمم سے نماز پڑھ لی پھر مانگا تو اس نے دے دیا تو پھر اس صورت میں اعادہ نماز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بغیر مانگے تیمم سے نماز پڑھ لی اور پھر پڑھنے کے بعد پانی مانگا اس نے دے دیا تو اس پر نماز ہے چاہے پہلے اس کا گمان دینے کا ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اعادہ ہے۔ اگر نہ دے تو دونوں صورتوں میں اعادہ نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے کیونکہ کسی دوسرے سے چیز مانگنا ضروری نہیں۔ صاحبین کا مؤقف یہ ہے کہ پانی اتنی قیمتی چیز نہیں عموماً لوگ دے دیا کرتے ہیں لہذا مانگنا چاہیے۔

فیصلہ...... جہاں پانی کم یاب ہو (مراد یہ کہ قلت ہو) وہاں امام صاحب کے قول کو لیا جائے گا اور جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا چاہئے۔ اگر پانی قیمتاً فروخت ہوتا ہو اور اس کے پاس قیمت نہ ہو تو طاقت نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھے اور اگر زائد رقم رکھتا ہے جو اس کی ضروریات سے فالتو ہے اور پانی مثل قیمت پر فروخت ہوتا ہے۔ مثل قیمت سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ پانی کی یہی قیمت ہو یا تھوڑے سے خسارے سے بڑھا ہو تو خرید کر نماز پڑھے۔ تیمم جائز نہیں۔ اور اگر زیادہ خسارے سے پانی بکتا ہو تو تیمم کرے کیونکہ مال خواہ مخواہ ضائع کرنا تلف نفس کی طرح ہے۔

زیادہ خسارے کا اندازہ تقریباً نصف درہم امام قاضی خان نے غبن فاحش کی تفصیل امام ابوحنیفہ کے حوالہ سے یہ بیان فرمائی ہے اور اس کو تضعیف ثمن قرار دیا ہے کہ ایک درہم کی چیز دو درہموں پر پہنچ جائے۔

و عن ابی نصر الصفار ان المسافر اذا کان فی موضع عز الماء فیه فالفضل له ان یسأل عن رفیقه الماء و ان لم یسأل اجزاه و ان کان فی موضع لا یعز الماء فیه لا یجزیه قبل

الطلب كما في العمرانات رجل معه ماء زمزم في قمقمة و قد رصّص رأس الاناء و هو يحمله للعطية او للاستشفاء لا يجوز له التيمم و لو وهبه لأخر و سلمه اليه لا يجوز له التيمم ايضاً عندنا لثبوت القدرة بواسطة الرجوع من الهبة كذا ذكره في المحيط۔

ابونصر صفار سے روایت ہے کہ اگر مسافر کسی ایسی جگہ میں ہو کہ جہاں پانی کی قلت ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے پانی مانگے اور اگر اس نے پانی نہ مانگا (اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی) تو نماز ٹھیک ہوگئی اور اگر کسی ایسی جگہ میں ہو کہ جہاں پانی کی کمی نہیں تو مانگنے سے پہلے نماز ٹھیک نہ ہوگی جیسا کہ عام آبادیوں میں پانی دستیاب ہوتا ہے۔

مسئلہ...... ایک آدمی کے پاس لوٹے میں آب زمزم ہے کہ جس کا منہ قلعی سے بند کر دیا گیا اور وہ اس کو عطیہ یا طلب شفا کے لئے لے جا رہا ہے تو ایسے شخص کے لئے تیمم کرنا جائز نہیں اور اگر اس نے کسی دوسرے کو ہبہ کر دیا اور اس نے پھر اس کے حوالے کر دیا تو پھر بھی تیمم جائز نہیں کیونکہ رجوع کے واسطے سے اس کو پانی پر قدرت پائی جاتی ہے۔ اس مسئلہ کو اسی طرح محیط میں ذکر کیا ہے۔

چند کلمات

۱- عزّ الماء — پانی کم ہو، یہاں عزت کے معنی کمی کے ہیں
۲- عمرانات — آبادیاں
۳- قمقمة — لوٹا، کوزہ
۴- رصّص — قلعی کر دیا گیا
۵- رأس الاناء — برتن کا منہ
۶- الاِستشفاء — شفا طلب کرنا
۷- وهب — اس نے بخشا
۸- سلّم — اسے حوالے کر دیا

تشریح

ساتھی سے پانی مانگنے کی وجہ یہ ہے تا کہ دینے نہ دینے کا تردد دور ہو جائے۔ اور نہ مانگنے کی صورت میں تیمم سے پڑھی ہوئی نماز اس لئے ٹھیک ہوگئی کہ غالباً پانی کی قلت میں لوگ پانی نہیں دیتے۔ اور قلت آب نہ ہو تو پھر مطالبے سے پہلے نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر پانی کی کثرت ہو تو عموماً عادۃً پانی مل جاتا ہے۔ آب زمزم کا شفایابی کے لئے لے جانا آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے اور اس صورت میں تیمم جائز نہ ہونا اس لئے ہے کہ پانی پر قادر ہے۔ دوسرے کو ہبہ کرنا اور پھر اس کا پانی اسی کے حوالے کر دینا اس صورت میں بھی ہمارے نزدیک تیمم جائز نہیں کیونکہ یہ پانی پر حسب سابق قادر ہو گیا ہے اس لئے کہ ہبہ سے رجوع ثابت ہو گیا ہے۔ امام شافعی اس صورت میں تیمم کو جائز قرار دیتے ہیں یہاں ایک فقہی تدبیر یہ ہے کہ اگر عطیہ یا شفا کے لئے پانی لے جا رہا ہے تو اس میں عرق گلاب ڈال دے تا کہ وہ پانی کی نوعیت سے نکل جائے یا ایسے طور پر ہبہ کرے کہ رجوع نہ ہو سکے پس ان دونوں صورتوں میں پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے یہ تیمم کر سکتا ہے۔ (صغیری)

و ان كان الماء في البير و لم يكن معه دلو او رشاء هل يجب عليه ان يسأل رفيقه

ذلک ام لا قالوا لا یجب و لو سأل فقال له انتظر حتی استقی فعند ابی حنیفة ینتظر الیٰ آخر الوقت فان خاف فوت الوقت تیمم و صلی و عندهما ینتظر و ان خاف فوت الوقت و کذا فی العاری و مع رفیقه ثوب و اجمعوا علی انه فی الماء ینتظر و ان فات الوقت و من لم یجد الماء الا سؤر الحمار او البغل یتوضأ به و یتیمم و بایهما بدأ جاز خلافاً لزفر رحمه اللّٰه و لکن الافضل ان یبتدأ بالوضوء و من لم یجد الاسور الفرس فعن ابی حنیفة رحمه اللّٰه روایتان فی روایة مشکوک و فی روایة مکروه و من لم یجد الانبیذ التمر فعند ابی حنیفة یتوضأ به و عند ابی یوسف رحمه اللّٰه یتیمم و لا یتوضأ و عند محمد رحمه اللّٰه یجمع بینهما و من لم یجد الاعصیر العنب لا یتوضأ بالاجماع

ترجمہ......اگر پانی کنوئیں میں ہو اور اگر اس کے پاس ڈول یا رسی نہ ہو تو کیا اس صورت میں پانے ساتھی سے پانی مانگنا ضروری ہے یا نہیں؟ (فقہاء کرام) فرماتے ہیں ضروری نہیں۔ اور اگر اس نے پانی مانگا اور ساتھی نے اس سے کہا کہ پانی ملنے کا انتظار کیجئے (تو یہ کب تک انتظار کرے)۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز کے آخری وقت تک انتظار کرے لیکن اگر وقت چلے جانے کا اندیشہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کرے لیکن امام کے دو شاگردوں کے نزدیک اگر وقت فوت بھی ہو جائے تو یہ انتظار کرتا رہے۔ اسی طرح ایک ننگے آدمی کا (مسئلہ) ہے کہ اس کے ساتھی کے پاس کپڑے ہوں اور اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ (کپڑے کے معاملے میں) انتظار نہ کرے جبکہ پانی کے معاملے میں وقت جانے تک انتظار کرے اور کسی کے پاس گدھے یا خچر کا جھوٹا ہو اور اس کے علاوہ (خالص پانی نہ ہو تو اس بارے میں حکم یہ ہے) کہ وہ اس جھوٹے پانی سے وضو کرے اور احتیاطاً تیمم بھی کرے اور جس میں پہل کرے جائز ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ پہلے وضو کرے (پھر تیمم) اور اگر گھوڑے کے جھوٹے کے بغیر پانی نہ ہو تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ سے دو روایات ہیں۔ ایک روایت میں مشکوک ہے دوسری میں مکروہ ہے تیسری میں پاک ہے اور چوتھی میں نجس ہے فتویٰ اس پر ہے کہ وہ پاک ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس صرف کھجور کا نچوڑ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ وضو کرے (اور تیمم نہ کرے) اور امام ابو یوسف کے نزدیک تیمم کرے (اور وضو نہ کرے) اور امام محمد کے نزدیک دونوں کو جمع کرے اور جس شخص کے پاس صرف انگور کا نچوڑ ہو تو وہ بالاتفاق اس کے ساتھ وضو نہ کرے (بلکہ تیمم کر کے نماز ادا کرے)۔

چند مفردات

١- البیر کنواں اس کی جمع آبار ہے ٢- دلوٌ ڈول، اس کی جمع دلاء اور دُلیٌّ ہے

۳- رشاءٌ	رسی، صرف اول پر زیر ہے	۴- اِنتظر	انتظار کیجئے
۵- فوت الوقت	وقت کا نکل جانا	۶- العاری	ننگا شخص، اس کی جمع عُراۃ ہے
۷- سور الحمار و البغل	گدھے اور خچر کا جھوٹا	۸- بدأ	ابتدا کرے
۹- الفرس	گھوڑا	۱۰- نبیذ التمر	کھجور کا نچوڑ
۱۱- عصیر العنب	انگور کا نچوڑ		

تشریح

پانی کے بارے میں فقہاء کرام کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ساتھی نے پانی دینے کا وعدہ کیا تو یہ اس وعدے کے مطابق انتظار کرے لیکن کپڑ وغیرہ دینے کا وعدہ کیا تو اس میں انتظار نہ کرے۔ اگر گدھے اور خچر کا جھوٹا ہو تو وضو اور تیمم دونوں کرے کیونکہ اس کے پاک کرنے میں شک ہے لہذا وضو کرنے سے یقینی حدث زائل نہیں ہوتا البتہ انضمام تیمم سے یہ قصد ہے کہ وہ یقیناً زائل ہو جائے۔ وضو اور تیمم میں جس کو پہلے کرے جائز ہے لیکن امام زفر کے نزدیک تقدیم وضو ضروری ہے۔ اگر اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر مشکوک پانی سے وضو کیا اور اس نماز کا اعادہ کیا تو صحیح ہے یونہی اگر اس نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر تیمم کیا اور اس نماز کو دہرایا اختلاف سے بچنے کے لئے یہ بھی ٹھیک ہے گھوڑے کے متعلق امام صاحب سے چار روایات مختلف حوالوں سے منقول ہیں پہلی روایت مشکوک ہونے کی ہے اسی لئے وضو کے ساتھ تیمم کرنے کا حکم ہے اور دوسری روایت حسن بن زیاد کے حوالے سے مکروہ ہے یعنی جس طرح اس کا گوشت مکروہ ہے اسی طرح جھوٹا بھی مکروہ ہے اور ثلجی کی ایک روایت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ گھوڑے کے جھوٹے کے بغیر پانی ہو تو میں اس سے وضو کروں اور کتاب الصلوۃ کی ایک روایت یہ ہے اس پر صاحبین کا اتفاق ہے کہ گھوڑے کا جھوٹا پاک ہے اور دوسری چیزوں کو بغیر کسی کراہت کے پاک کرنے والا ہے کیونکہ اس کے گوشت کا حرام ہونا اس کی کرامت و بزرگی کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کے جھوٹے میں حرمت مؤثر نہیں نبیذ تمر سے مراد یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں بھگوئی جائیں اور مٹھاس اور رنگ ظاہر ہو جائیں اور وہ پانی کی طرح نرم ہو سخت نہ ہو تو اس کا استعمال کرنا عہد قدیم سے عرب میں چلا آتا ہے۔

امام صاحب کے نزدیک اگر یہ پانی پایا جائے تو صرف وضو کرے اور تیمم نہ کرے اور اس سے عبادت ادا کرے اور اس کی دلیل عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک رات حضور ﷺ جنوں کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور میں آپ کے ساتھ تھا تو حاجت وضو کے وقت آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تیری چھاگل میں کیا ہے میں عرض کی نبیذ تمر ہے تو ارشاد فرمایا: تمرۃٌ طیبۃ وماءٌ طهورٌ۔ یعنی کھجور پاک ہے اور اس کا پانی پاک کرنے والا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ اس نبیذ تمر کیساتھ وضو کرنے کا بلاشبہ جواز معلوم ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف اس بارے میں فرماتے ہیں کہ صرف تیمم کرے وضو نہ کرے کیونکہ امام صاحب نے اس روایت سے رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتوی ہے کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں مقید پانی ہے جس سے وضو جائز نہیں۔ امام محمد احتیاط کی بنا پر دونوں کاموں کو جمع کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ نبیذ تمر کے علاوہ باقی جتنے بھی اور نچوڑ ہیں ان کے ساتھ بالاتفاق وضو کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اگر وہ پائے جائیں اور آب خالص نہ ہو تو آدمی تیمم کر کے نماز پڑھے کیونکہ اس کے حق میں "فلم تجدوا ماءً" صادق آتا ہے۔ جب پانی نہ ہو یا اسے استعمال نہ کر سکے تو بحکم نصِ قرآن تیمم سے حصول طہارت کی اجازت ہے لہٰذا ایسے موقع پر نمازی

تیمم کرکے عبادت کرے۔

جنب وجد الماء فی المسجد و لیس معه احد یتیمم و یدخل فان لم یصل الماء یتیمم للصلوة لان نیة الصلوة شرط لصحة التیمم للصلوة و کذا لو تیمم لمس المصحف او لقراءة القرآن عند عدم الماء لا تجوز الصلوة بخلاف سجدة التلاوة و صلوة النافلة فانه یصلی بذلک التیمم المکتوبات

کسی جنبی شخص نے مسجد میں پانی پایا لیکن اس کے ساتھ کوئی آدمی نہ تھا (جو اسے پانی لا دیتا) تو وہ اس صورت میں تیمم کرے۔ اور اگر (بصورت تیمم) مسجد میں داخل ہو جائے لیکن وہاں پانی تک نہ پہنچ سکے تو ادائیگی نماز کے لئے دوبارہ تیمم کرے کیونکہ نماز کے لئے تیمم تب صحیح ہوگا جب وہ نماز کی نیت سے کیا جائے گویا نیت تیمم للصلوٰۃ صحت تیمم للصلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔ اور اسی طرح پانی نہ ہونیکی صورت میں اگر مصحف کو ہاتھ لگانے یا قرآن مجید پڑھنے کے لئے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں۔ (کیونکہ یہ کم درجہ کا تیمم ہے لہذا اس سے ایک متعدد عبادت نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کا جواز ہے لیکن ادنیٰ میں اعلیٰ کا جواز نہیں) ہاں اگر اس نے سجدہ تلاوت اور نوافل کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے فرائض پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

تشریح مفردات

۱- جُنُبٌ — ناپاک آدمی جو ہمبستری یا احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہو یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے و ان کنتم جنبًا یہاں یہ جمع کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور اس کتاب میں ہے جُنبٌ ای رجُلٌ جُنبٌ۔ یہاں واحد کے لئے یہی صیغہ استعمال ہوا ہے چنانچہ ''المنجد'' میں یہی مذکور ہے۔

۲- یدخل — وہ داخل ہو جائے یعنی اگر وہ جنبی بصورت تیمم مسجد کے اندر چلا جائے حصول آب کیلئے۔

۳- لم یصل — پانی تک نہ پہنچے، وصول، پہنچنا۔

۴- مس المصحف — مصحف کو چھونا، المصحف و الصحیفة ما وُجد و جُمع فیه القرآن۔

۵- سجدة التلاوة — مرکب اضافی مشتمل بر مضاف و مضاف الیہ ہے اور اس میں اضافة المسبب الی السبب ہے۔ کیونکہ تلاوت سبب اور سجدہ مسبب ہے یعنی السجدة التی و جبت سبب التلاوة ای تلاوة القرآن۔

۶- صلوٰة الجنازة — و فیه ما مرّ فی الجملة الناقصة السابقة فقد بژهنا.

۷- جنازہ — ج کے زبر یا زیر سے میت یا اس کی چارپائی کو کہتے ہیں۔

۸- المکتوبات مکتوبۃ کی جمع ہے۔جس کے معنی فرائض ہیں۔ یہ لفظ ''کتابۃ'' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ثابت ہونا اور لکھنا، کتاب وسنت میں یہ لفظ فرض کے لئے استعمال کیا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کُتِبَ علیکم الصیام ایُ فُرِض علیکم الصیام کما ذُکر فی التفاسیر الخ۔

تشریح

ایک شخص جنبی ہوگیا پس اس کے وضو یا غسل کے لئے مسجد کے اندر جانے کے بغیر پانی دستیاب نہیں اور کوئی ایسا شخص بھی نہیں جو ا سے پانی لا کر اسے دے تو اس صورت میں مسجد میں جانے کے لئے تیمم کرے تا کہ اندر جا سکے پھر یہ اگر اندر چلا گیا لیکن پانی لینے می کامیاب نہ ہوا جس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں تو اگر یہ شخص نماز پڑھنا چاہے تو پھر نماز کے لئے دوبارہ تیمم کرے کیونکہ پہلے تیمم کے سات نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو وہ ہے جو اس سے پہلے ترجمہ کے ضمن میں گزر چکی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے تیمم کے وقت نما پڑھنے کے معاملے میں یہ پانی سے عاجز نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ جب تک پانی پر قدرت ہو تیمم جائز نہیں ہوتا اور یہ مسئلہ کہ مصحف کو ہا لگانے یا قرآن مجید پڑھنے کے لئے بے وضو یا جنبی نے تیمم کیا تو اس کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مس مصحف، دخول مسجد یا خروج مس یا زیارت قبور یا اذان اور اقامت یہ سارے کام قربت غیر مقصودہ ہیں اور نماز قربت مقصودہ ہے لہذا جو تیمم قربت غیر مقصودہ کے لئے کیا گ اس سے قربت مقصودہ ادا نہیں ہوسکتی لہذا نماز کے لئے الگ مستقل تیمم کرنا پڑے گا لیکن سجدہ تلاوت یا نماز جنازہ یا نوافل کے لئے تیمم ک گیا تو اس کے ساتھ فرائض ادا کئے جاسکتے ہیں کیونکہ مقصود کے اعتبار سے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ (بلکہ دونوں قربۃ مقصودہ ہونیکی وج سے باہم یکساں اور برابر ہیں لہذا ایک کے لئے تیمم دوسرے کے لئے کام آسکتا ہے)۔

رجل فی رحلہ ماء و هو لا یعلم به فتیمم و صلی ان کان وضع الماء بنفسه او وضع غیره بامره فنسیه ثم تذکر الماء بعد فراغه من الصلوة فهو علی الخلاف الذی ذکرناه و ان کان وضع الماء غیره بغیر امره لا یعید بالاتفاق و ما مسألة العاری اذا نسی ثوباً فی المتاع فمن المشائخ من قال هو الخلاف المذکور و منهم من قال لا تجوز بالاتفاق و هو الصحیح و عن محمد انه قال یجوز و لو تیمم و هو علی شط نهر و هو لا یعلم بالماء فهو علی الخلاف الذی ذکرناه و لو کفر عن الیمین بالصوم و فی ملکه رقبة او ثیاب او طعام فنسیه فالصحیح انه لا یجوز و یستحب ان یؤخر الصلوة الیٰ اٰخر الوقت اذا کان یرجو وجود الماء ثم لا یفرط فی التاخیر حتی لا یقع الصلوة فی وقت مکروه و لو تیمم قبل دخول الوقت جاز عندنا و لو کان معه ماء و لکن یخاف علی نفسه او دابته العطش یجوز له التیمم

ترجمہ......ایک شخص کے اسباب میں پانی ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں اس لئے اس نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی۔ اگر اس

نے خود پانی رکھا یا کسی شخص نے اس کے حکم سے رکھا اور وہ بھول گیا (پھر فراغت نماز کے بعد اسے پانی یاد آیا) تو اس میں وہی اختلاف ہے جس کو ہم نے سابقا بیان کر دیا ہے۔ اور اگر کسی دوسرے نے اس کے حکم کے بغیر رکھ دیا تو اس صورت میں بالاتفاق نماز نہ لوٹائے۔ (اس صورت کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی ہے لہذا وہاں ملاحظہ فرمائیں) رہا ننگے کا مسئلہ اگر وہ سامان میں کپڑا بھول گیا تو بعض مشائخ کا قول یہ ہے کہ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے لیکن ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کے لئے نماز جائز نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ نماز جائز ہے اور اگر یہ جاری نہر کے کنارے پر بیٹھا ہوا انجان ہونے کی وجہ سے اس کو نہر معلوم نہ ہو اور تیمم کر لیا تو اس میں بھی مذکورہ اختلاف ہے اور اسی کی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ ایک شخص نے روزہ رکھ کر قسم کا کفارہ ادا کیا ہے جبکہ اس کی ملکیت میں غلام یا کپڑے یا کھانا تھا لیکن وہ بھول گیا۔ تو امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ کفارہ جائز نہ ہوگا لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ اور مستحب ہے کہ وہ نماز کو آخری وقت تک مؤخر کرے بشرطیکہ اس کو پانی ملنے کی امید ہو لیکن اتنی زیادہ دیر نہ کرے تاکہ نماز مکروہ وقت میں ادا نہ ہو۔ ہمارے نزدیک وقت سے پہلے تیمم کرنا بھی جائز ہے اور اگر اس کے پاس پانی ہو لیکن اسے اپنی جان یا اپنے چوپایہ کے پیاسے ہونے کا خطرہ ہو تو (ان حالات میں) اس کے لئے تیمم جائز ہے۔

چند کلمات

۱- رَجُلٌ	اس کی جمع رِجالٌ ہے	۲- وضعَ بنفسه	خود اس نے رکھا۔
۳- شطٌّ	کنارا	۴- نهر جارٍ	بہنے والی نہر۔
۵- كفَّرَ	یہ لفظ تکفیر سے بنا ہے یعنی اس نے کفارہ ادا کیا۔ کفارہ کا مطلب کسی چیز کا اتارنا ہے۔		
۶- رقبةٌ	گردن، مراد غلام ہے۔	۷- ثیابٌ	کپڑے اس کا واحد ثوب ہے۔
۸- طعامٌ	کھانا اس کی جمع اَطعِمۃٌ ہے۔	۹- ان يؤخر	یہ کہ پیچھے کر دے
۱۰- يرجو	امید رکھتا ہے یہ لفظ رجاء سے بنا ہے بمعنی امید۔	۱۱- و لا يفرطُ	اور زیادتی نہ کرے
۱۲- دابّةٌ	چوپایہ۔	۱۳- العطش	پیاس

تشریح

برہنہ شخص کے بارے میں جو آئمہ اور مشائخ کے درمیان اختلاف ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز صحیح نہیں جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ برہنہ شخص کا کپڑے کو بھول جانا اور پھر اپنے سامان میں تلاش نہ کرنا بہت کم ایسا اتفاق پیش آتا ہے۔ چونکہ یہ عقل صالح کے خلاف ہے کہ ننگا ہو اور اسے کپڑے رکھنے کی جگہ بھول جائے۔ جاری نہر کے مسئلہ میں بھی سابقہ اختلاف کی طرح اہل علم کے درمیان نزاع ہے۔ دو اماموں کے نزدیک تیمم جائز ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں۔ اور ایک روایت میں ان کے نزدیک بھی جواز مروی ہے کیونکہ اس سے پہلے اسے نہر کا علم نہ تھا۔ قسم کا کفارہ میں تین چیزیں ہیں:

(۱)......غلام آزاد کرنا (۲)......دس محتاجوں کو کپڑے دینا یا اتنے ہی محتاجوں کو کھانا کھلانا اور (۳)......آخری یہ ہے کہ اگر یہ دونو کام نہیں کر سکتا تو پھر تین روزے رکھے۔ اگر یہ طعام اور غلام بھول گیا اور روزے رکھے تو جائز نہیں۔ کیونکہ روزوں کا جواز ان چیزوں غیر موجودگی اور عدم استطاعت میں ہے۔

پانی مل جانے کی صورت میں آخری وقت تک نماز مؤخر کرنے کی گنجائش ہے تاکہ یہ مکمل طہارت سے نماز ادا کرے اور اگر تاخیر کرے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ نماز کا وقت مکروہ ہو جائے۔ ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان اگرچہ تیمم طہارت ضروریہ ہے۔ مصنف اسی اصول پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے بھی ہمارے نزدیک تیمم جائز ہے۔ پس ہمارے اور امام شافعی کے درمیان تیمم میں چند وجوہ فرق ہیں:۔

۱۔ احناف کے نزدیک وقت سے پہلے تیمم جائز ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں۔

۲۔ ایک تیمم سے بہت سے فرائض ادا کئے جا سکتے ہیں جبکہ امام شافعی کے نزدیک ایک تیمم سے ایک ہی فرض ادا ہو سکتا ہے۔

۳۔ جب تک نماز کا وقت نہ نکلے تیمم باقی رہتا ہے اور ان کے نزدیک نماز پڑھنے کے بعد باقی نہیں رہتا۔ اگر پانی وضو اور غسل کے لئے موجود ہو لیکن اپنی پیاس یا جانور کے پیاسا ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں عاجز ہونے کی وجہ سے تیمم جائز ہے کیونکہ اپنی ضرورت کو پورا کرنا دوسرے معاملات پر مقدم ہے۔ (اور جان کا تحفظ سب کاموں سے زیادہ ضروری ہے۔ اسلام میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اگر دیکھنا چاہیں تو اس موضوع کی مبسوط کتابیں ملاحظہ فرمائیں)۔

و المحبوس فی السجن یصلی بالتیمم ویعید عندابی حنیفة و محمد رحمهما الله و قال ابو یوسف رحمه الله لا یعید و الاسیر فی دار الحرب اذا منع من الوضوء و الصلوة یتیمم و یصلی بالایماء ثم یعید اذا قدر و اجمعوا علی ان الماشی لا یصلی بالایماء و هو یمشی و کذا السابح لا یصلی و هو یسبّح بخلاف المنهزم و هو یصلی راکباً بالایماء واقفاً او تسیر دابته او تعد و و لو صلی بالایماء لخوف عدو او سبع او مرض او طین لا یعید بالاجماع و المقید اذا صلی قاعداً یعید عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله و عند ابی یوسف رحمه الله لا یعید

ترجمہ......جو شخص جیل خانے میں قید ہو تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن طرفین کے نزدیک پانی ملنے پر پڑھی ہوئی نماز کو لوٹائے گا جبکہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ (اگر اسے وضو کرنے سے روکا جائے) تو پھر تیمم سے پڑھی نماز کو نہ لوٹائے۔ جو شخص دارِ کفر میں قید ہو اگر اسے نماز اور وضو سے روکا جائے تو وہ تیمم کر کے اشارے سے نماز پڑھے پھر طاقت پانے کی صورت میں پڑھی ہوئی نماز کو لوٹائے۔ جب مسافر کو چوروں اور رہزنوں کا خطرہ ہو اور اس کے ساتھی اس کی انتظار کے لئے نہ ٹھہریں تو ایسی صورت میں اس کے لئے نماز میں تاخیر کرنا جائز ہے اور اگر اس نے اس عذر کی بنا پر اشارہ

کے ساتھ نماز پڑھی تو یہ جائز ہے۔ آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ چلنے والا آدمی دورانِ رفتار اشارے کے ساتھ نماز نہ پڑھے اور اسی طرح تیرنے والا تیرنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے ہاں البتہ بھاگنے والا فوجی سوار ہو کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کھڑی کرے یا وہ جارہی ہو یا دوڑ رہی ہو۔

اگر کسی شخص نے اشارے کے ساتھ نماز پڑھی اس لئے کہ اسے دشمن یا درندے یا بیمار ہونے یا نیچے کیچڑ ہونے کی وجہ سے مجبوری تھی تو اس نماز کو بالاتفاق نہ لوٹائے۔ باندھا ہوا آدمی جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو طاقت پانے کی صورت میں طرفین کے نزدیک اسے لوٹائے۔ جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک اسے نہ لوٹائے۔

چند مفردات

۱- المحبوس	قیدی، حبس قید کرنا	۲- السَّجنُ	قید خانہ
۳- مُنِعَ	روکا گیا	۴- الاسیر	قیدی
۵- دارالحرب	دار کفر	۶- الایماءُ	اشارہ کرنا
۷- اللصوص	لص کی جمع بمعنی چور	۸- قُطاع الطریق	رہزن
۹- الماشی	چلنے والا	۱۰- السابح	تیرنے والا
۱۱- المنهزم	بھاگنے والا	۱۲- راکب	سوار ہونے والا
۱۳- واقف	ٹھہرنے والا	۱۴- تسیرُ	چلتا ہے
۱۵- تعدو	دوڑتا ہے	۱۶- عدوّ	دشمن اس کی جمع اعداء ہے
۱۷- سبعٌ	درندہ	۱۸- طین	کیچڑ
۱۹- المقیّد	قید کیا ہوا	۲۰- قاعد	بیٹھنے والا اس کا مصدر "قعود" ہے جسکے معنی ہیں بیٹھنا

تشریح

قیدی کے لئے تیمم کرنے کا جواز اس صورت میں ہے جب اسے وضو کی اجازت نہ ہو ورنہ نہیں۔ اور جب موقع ملے تو اس نماز کا اعادہ کرے۔ نماز کا اعادہ کرنے نہ کرنے میں ہمارے تین اماموں کے درمیان اختلاف ہے شارح منیہ لکھتے ہیں اس اختلاف کی بنیاد شہر ہے۔ اگر وہ کسی صحرا میں قید ہو تو بالاتفاق نماز نہ لوٹائے۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر قیدی کسی پاک صاف جیل خانے میں ہو اور شہر سے باہر ہو اور پانی نہ پائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیمم سے نماز پڑھے اور اگر شہر میں ہو تو تیمم سے نماز نہ پڑھے۔ پھر امام نے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا نماز پڑھ کر لوٹائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تینوں اماموں کا نماز کے لوٹانے پر اتفاق ہے۔ اور اگر قیدی کو تیمم کرنے سے بھی روکا جائے تو امام اعظم کے نزدیک بغیر طہارت نماز نہ پڑھے بلکہ نماز میں تاخیر کرے لیکن صاحبین کے نزدیک نماز پڑ لے پھر اس کا اعادہ کرے۔ چلتے ہوئے یا تیرتے ہوئے یا لڑتے ہوئے نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ عمل کثیر سے نماز نہیں ہوتی۔ البتہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد اور ہمارے امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر شدید خطرہ ہو تو چلتے ہوئے اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے، بھاگنے والے کے

لئے نماز پڑھنے کی اشارے سے اجازت ہے بعض نے اس میں فرق کیا ہے کہ اگر مطلوب ہو تو پڑھ سکتا ہے لیکن طالب کے لئے جائز نہیں۔ تحفہ میں یہی ذکر کیا گیا ہے۔ خطرے کی حالت میں اشارہ کرتے ہوئے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور اس نماز کا اعادہ نہ کرے کیونکہ مذکورہ خطرات مساوی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مجبوری ہو تو اس کے پیش نظر ممکن ہو تو نماز ادا کرے اور اگر اس کے باوجود نہ پڑھ سکے تو نماز میں تاخیر کر دے لیکن بعد طہارت نماز نہ پڑھے ممکن ہے اللہ تعالیٰ آسانی اور قدرت کے اسباب پیدا کر دے تو پھر ان سے استفادہ کرتے ہوئے عبادت بجالائے۔

کن چیزوں سے تیمّم جائز اور نا جائز ہے؟

و يجوز التيمم عند ابی حنيفة و محمد رحمهما اللّٰه بكل ما كان من جنس الارض كالتراب و الرمل و الحجر و المدر و الزرنيخ و الكحل و المردارسنج و النورة و المغرة و ما اشبهها و لا يجوز عندنا بما ليس من جنس الارض كالذهب و الفضة و الحديد و الرصاص و الحنطة و سائر الحبوبات و الطعمة و لو كان على هذه الاشياء غبار يجوز بغبارها عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه و فی احدی الروايتين عن محمد ثم عندهما الشرط مجرد المس على الارض او على جنس الارض حتى انه لو وضع يده على صخرة لا غبار عليها او على ارض ندية و لم يتعلق بيده شئ جاز عند ابی حنيفة رحمه اللّٰه و فی احدی الروايتين عن محمد رحمه اللّٰه اما الفرق بين الصخرة و بين الذهب و الفضة و هما خلقا فی الارض ان الذهب و الفضة يذوبان فی النار بخلاف الصخرة فانها لا تذوب فيها كالتراب

ترجمہ...... جو چیز زمین کی جنس میں سے ہو اس کے ساتھ تیمم جائز ہے، جیسے مٹی، ریت، پتھر، ڈھیلہ، ہڑتال، سرمہ، مردار سینگ، چونا، سرخ مٹی، اور ان کے مشابہ جو چیزیں ہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان پر تیمم جائز ہے لیکن جو چیزیں مٹی کی قسم سے نہیں ان سے تیمم جائز نہیں، جیسے سونا چاندی، لوہا، قلعی، گندم، جَو، اور تمام دانے کھانے کی چیزیں (ان سب کے ساتھ تیمم جائز نہیں) لیکن اگر ان چیزوں پر گرد و غبار ہو تو اس غبار سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم جائز ہے اور امام محمد کی ایک روایت میں جائز ہے جبکہ دوسری روایت میں جائز نہیں اور ان دونوں کے نزدیک تیمم کرنے کی شرط یہ ہے کہ زمین یا جنس زمین پر ہاتھ لگائے حتیٰ کہ اگر کسی ایسی چٹان پر ہاتھ رکھے کہ جس پر گرد و غبار نہ ہو یا تر زمین پر ہاتھ رکھے جبکہ اس کے ہاتھ کے ساتھ کوئی چیز نہ لگے تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم جائز ہے اور امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور اسکی کیا وجہ ہے کہ چٹان سے تیمم جائز ہے جبکہ سونے چاندی سے جائز نہیں پس ان دونوں میں کیا

فرق ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ چٹان اور سونے چاندی میں فرق یہ ہے کہ سونا چاندی زمین میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ زمین کی جنس میں سے نہیں کیونکہ دونوں آگ میں پگھل جاتے ہیں بخلاف پتھر کے کہ آگ میں نہیں پگھلتا پس گویا وہ مٹی کی طرح ہے۔

چند مفردات

۱- جنس الارض	زمین کی قسم۔	۲- التراب	مٹی۔
۳- الرمل		۴- الحجر	پتھر
۵- المدر	ڈھیلہ۔	۶- الزرنیخ	ہڑتال۔
۷- الکحل		۸- مُرداسج	مردار
۹- النَورة	چونا۔	۱۰- صخرة	سرخ مٹی۔
۱۱- الذهب	سونا۔	۱۲- الفضَة	چاندی۔
۱۳- الحدید		۱۴- الرصاص	قلعی
۱۵- الحنطة	گندم۔	۱۶- الشعیر	جو
۱۷- الحبوب	دانے، یہ حبہ کی جمع	۱۸- الاَطعِمَة	طعام کی جمع ہے۔ کھانے۔
۱۹- مجرد المس	صرف ہاتھ لگانا۔	۲۰- مخرة	چٹان۔
۲۱- نَدِیَّة	تری۔	۲۲- لَم یَتعلَق	نہ لگے۔
۲۳- خُلِقَ	پیدا کئے گئے۔		

۲۴- یذُوبانِ وہ دونوں پگھل جاتے ہیں۔ ذوب کے معنیٰ ہیں پگھلنا، یعنی سونا، چاندی اگر آگ میں گرم کئے جائیں تو پگھل کر پانی ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔

تشریح

تیمم کے کسی شئے کے ساتھ جائز، ناجائز ہونے کا قاعدہ کلیہ مصنف پیش کرتے ہیں کہ:- جو چیز زمین کی قسم ہو اور اسکی علامت یہ ہے کہ وہ آگ میں گرم کرنے سے نہ پگھلے تو اس پر تیمم جائز ہے اور جو چیز آگ میں پگھل جائے وہ از قسم زمین نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔ اس کلیہ کے تحت چند اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے ان میں سے ایک چیز پتھر ہے اور پتھر کی تمام اقسام سے تیمم جائز ہے خواہ وہ عقیق یا زبرجدی کیوں نہ ہو۔ مٹی خواہ خوشبودار ہو کھائی جاتی ہو یا نہ کھائی جاتی ہو اس سے تیمم جائز ہے۔ اس باب میں طرفین کا مؤقف یہی ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف مٹی ریت کے ساتھ تیمم جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز سے تیمم جائز نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک صرف مٹی سے جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک ہر چیز کے ساتھ جائز ہے یہاں تک کہ خشک گھاس اور جمے ہوئے برف کے تودے کے ساتھ بھی جائز ہے۔ لوہے اور قلعی کے ساتھ تانبہ اور پیتل، اور اس جیسی دوسری

دھاتیں بھی شامل ہیں اور غلہ جات کے ساتھ سبزیاں اور میوے بھی لاحق ہیں۔

نکتہ

جن اشیاء کے ساتھ تیمم جائز ہے اگر ان پر گرد و غبار نہ ہو اور ہاتھ رکھنے سے ہاتھوں کے ساتھ کچھ نہ لگے تب بھی تیمم جائز ہے لیکن جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں اگر ان پر گرد و غبار ہو تو اس گرد و غبار پر تیمم جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بذات خود قابل تیمم نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک غبار کے ساتھ تیمم جائز ہے اور ایک روایت امام محمد سے بھی یہی ہے اور دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ غبار سے تیمم جائز نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مجبوری ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اور صحت تیمم کے لئے اشیائے تیمم پر صرف ہاتھ رکھنا کافی ہے ہاتھوں کے ساتھ کچھ لگنا شرط نہیں۔ اس بناء پر چکنی چٹان پر خواہ گرد و غبار نہ ہو تب بھی تیمم جائز ہے اور تر زمین کہ جس سے غبار نہ اٹھتا ہو اس پر بھی تیمم جائز ہے باوجود یہ کہ ان دونوں چیزوں سے ہاتھوں کے ساتھ کوئی چیز نہیں لگتی۔ جنس زمین اور تخلیق زمین ان دونوں میں فرق ہے یہی وجہ ہے کہ سونے چاندی سے تیمم جائز نہیں کیونکہ یہ زمین سے پیدا ہوئے ہیں زمین میں سے نہیں۔ آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس چیز کے ساتھ تیمم کرنے کی اجازت آئی ہے وہ لفظ صَعِید ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا، یعنی پاک مٹی سے تیمم کرو اور لفظ صعید عربی لغت میں سطح زمین کو کہا جاتا ہے لہٰذا یہ پتھر کو شامل ہے لیکن سونے چاندی کو شامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ زمین پر نہیں بیٹھے گا تو چٹان پر بیٹھنے سے قسم ٹوٹ جائے گی جبکہ سونا چاندی پر بیٹھنے سے قسم نہیں ٹوٹتی (کیونکہ چٹان از نوع زمین ہے لہٰذا اس کے ساتھ تیمم کرنا دراصل مٹی کے ساتھ تیمم کرنا ہے لیکن سونا چاندی زمین کی قسم نہیں بلکہ اسکی پیداوار ہے کیونکہ انکے ساتھ تیمم نہیں ہوسکتا اور ان پر بیٹھنے سے قسم بھی نہیں ٹوٹتی جبکہ چٹان پر بیٹھنے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے۔

و اما التیمم بالآجر فعند ابی حنیفة رحمه الله یجوز مطلقا و عند محمد یجوز ان کان مدقوقا او کان علیه غبار و لو تیمم بغبار ثوبه او غیره من الاعیان الطاهرة وهبت الریح فاصاب الغبار وجهه و ذراعیه فمسحه بنیة التیمم جاز عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله سواء وجد ترابا آخر و لم یجد و عند ابی یوسف رحمه الله لا یجوز ان وجد ترابا آخر و لو تیمم بالملح ان کان مائیا لا یجوزو ان کان جبلیا یجوز و قال شمس الآئمة السرخسی رحمه الله الصحیح عندی انه لا یجوز کذا ذکره فی المحیط و السبخة بمنزلة الملح و ذکر الاسبیجابی فی شرحه یجوز التیمم بالسبخة

ترجمہ......(رہی یہ بات) کہ پختہ اینٹ سے تیمم جائز ہے یا نہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک تب جائز ہے جب وہ کوٹی ہوئی ہو یا اس پر گرد و غبار ہو اور اگر اس نے اپنے کپڑے کے غبار پر تیمم کیا یا دوسری پاک غبار آلود چیزوں پر تیمم کیا یا ہوا چلی تو اس نے گرد و غبار اڑا کر اس کے منہ اور ہاتھوں تک پہنچا دیا پھر اس نے تیمم کی نیت سے مسح کر لیا تو طرفین کے نزدیک جائز ہے خواہ اور مٹی پائے یا نہ پائے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

جبکہ اور دوسری خالص مٹی موجود ہو۔ اگر نمک کے ساتھ تیمم کرے تو اگر وہ پانی سے بنایا گیا ہو تو جائز نہیں اور اگر پہاڑی ہو تو جائز ہے۔ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نمک سے تیمم جائز نہیں خواہ پہاڑی ہو یا پانی سے تیار کیا ہوا ہو۔ محیط میں اس مسئلہ کو اسی طرح بیان کیا ہے کہ شورہ زمین آبی نمک کے قائم مقام ہے۔ امام اسبیجابی نے اپنی شرح میں بیان کیا کہ شورہ کے ساتھ تیمم جائز ہے۔

مفردات

۱- الآجر	پختہ اینٹ۔	۲- مدقوق	کوٹی ہوئی چیز۔
۳- الاعیان الطاهرة	پاک چیزیں۔	۴- هبت الريح	ہوا چلی۔
۵- الملح	نمک۔	۶- مائیا	پانی والا، پانی سے تیار شدہ نمک۔
۷- جبلی	پہاڑی نمک۔	۸- السبخة	شورہ زمین، یعنی سفید کھارا نمکین جو زمین پر ہوتا ہے۔

تشریح

اور اکثر اس قسم کی زمینوں میں سفید چونہ کیطرح دکھائی دیتا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک پختہ اینٹ کے ساتھ تیمم جائز ہے خواہ کوٹی ہوئی ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ اقسام زمین میں سے ہے کتاب کی عبارت میں مطلقا کا یہی مفہوم ہے۔ البتہ امام محمد کوٹنا شرط قرار دیتے ہیں ورنہ جائز نہیں کہتے۔ نیز امام محمد سے ایک مشہور روایت یہ ہے کہ جس طرح غیر کوفتہ اینٹ پر تیمم جائز نہیں اسی طرح پتھر پر بھی جائز نہیں اگر جائز ہو تو دونوں پر جائز ہے۔ یونہی اپنے کپڑے کے غبار پر یا کسی دوسرے کے کپڑے پر یا دوسری پاک چیزوں پر غبار ہو جیسے رضائی بچھونے وغیرہ تو تیمم جائز ہے ورنہ نہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں اگر خالص مٹی پائی جائے تو غبار پر تیمم جائز نہیں کیونکہ بعض نوعیت سے مٹی نہیں۔ آبی نمک سے تیمم اس لئے جائز نہیں کہ یہ زمینی اجزاء نہیں جبکہ پہاڑی نمک کے ساتھ جائز ہے۔

شمس الائمہ سرخسی کی تحقیق یہ ہے کہ کسی طرح کا نمک خواہ آبی ہو یا پہاڑی ہو اس سے تیمم جائز نہیں کیونکہ پہاڑی نمک ہی آبی کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ پانی میں گھل جاتا ہے اور گرمیوں سردیوں میں اس میں فرق پڑ جاتا ہے لہٰذا یہ اجزائے ارض میں سے نہیں، صاحب خلاصہ اور امام قاضی خان نے اصل کے لحاظ سے پہاڑی نمک سے تیمم کرنے کو صحیح قرار دیا ہے۔ شورہ والی زمین کے ساتھ تیمم کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس پر تری غالب ہو تو تیمم جائز نہیں اور اگر مٹی غالب ہو تو جائز ہے لیکن امام ابو یوسف نے اس سے اختلاف کیا ہے امام اسبیجابی کی رائے یہ ہے کہ شورہ والی زمین سے تیمم جائز ہے کیونکہ اس میں سے مٹی کا غلبہ ہوتا ہے، آئمہ فقہ کے اختلاف کا یہی خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

مسافر اصابه مطر فابتل ثوبه و سرجه و لم يجد ترابا و لا ماء فانه يلطخ ثوبه بالطين و يجففه و يفر له و تيمم به و لا يجوز التيمم بالطين و قال شمس الآئمة الحلوائی لا يتمم بالطين و ان فعل يجوز و كذا يجوز التيمم بالجص و الحصى و الكيزان و

الحباب و الغضارة و الحيطان من المدر سواء كان عليه غبار او لم يكن و لا يجوز التيمم بالغضارة المطلّى بالانك ثم بطن الغضارة و ظهرها على السواء الا اذا كان عليه غبار و لو تيمم بالحذف ان كان متخذا من التراب الخالص و لم يجعل فيه شئ من الادوية جاز التيمم به و الا فلا

ترجمہ وتشریح...... کسی مسافر کو بارش پہنچے اور اسکے کپڑے اور زمین تر ہوگئی اور اس نے مٹی اور پانی دونوں نہ پائے (پس ایسی صورت میں حصول طہارت کے لئے کیا کرے) آئمہ فقہ فرماتے ہیں ایسا شخص اپنے کپڑے کو کیچڑ سے آلودہ کرے پھر اسے خشک کر کے کپڑے سے کھرچ ڈالے پھر اس خشک مٹی کے ساتھ تیمم کرے کیونکہ کیچڑ کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں چنانچہ شمس الآئمہ حلوائی فرماتے ہیں، کیچڑ سے تیمم جائز نہیں اور اگر اتفاقاً کرلیا تو جائز ہے (یعنی ایسی صورت میں جواز کی گنجائش ہے) اور اسطرح سنگ ریزوں، کوزوں، مٹکوں، کاسوں اور دیواروں کے جوڈھیلوں سے تیار شدہ ہوں تیمم جائز ہے خواہ ان پر گرد وغبار ہو یا نہ ہو، مراد یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تیمم جائز ہے) البتہ قلعی شدہ روغنی پیالے ان پر تیمم جائز نہیں (ہاں اگر ان پر گرد وغبار ہو تو جائز ہے)، پس اس باب میں انکا پیٹ اور پیٹھ دونوں برابر ہیں (یعنی عدم جواز میں دونوں کا ایک ہی حکم ہے)۔

اور اگر ٹھیکری سے تیمم کیا، اگر وہ خالص مٹی سے بنی ہو اور اس پر کوئی مصالہ نہ ڈالا گیا ہو تو اس سے تیمم جائز ہے اگر چہ اس پر گرد وغبار نہ ہو۔ (راکھ سے تیمم کرنے کا حکم) راکھ سے تیمم کرنا درست نہیں ہاں اگر راکھ اور مٹی دونوں مخلوط ہوں تو پھر غلبہ دیکھا جائیگا، اگر مٹی غالب اور راکھ مغلوب ہو تو جائز ہے۔ اور اگر راکھ غالب اور مٹی مغلوب ہو تو تیمم جائز نہیں۔

خشک نجس زمین پر نماز پڑھنے کا حکم...... اگر زمین نجس ہو اور خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو اس پر نماز جائز ہے لیکن ظاہر روایت کے مطابق اس پر تیمم کرنا جائز نہیں، ہمارے اصحاب سے یہ بھی روایت کی گئی کہ ایسی زمین سے تیمم کرنا جائز ہے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

اللغات الواردہ

۱- اصاب، من الاصابة، مصدر معنی ہیں پہنچا۔

۲- مطر بارش۔

۳- فابتل تر ہوگیا۔ بَلٌّ اور ابتلال کسی چیز کا تر ہو جانا۔

۴- سرجزین کاٹھی، جو گھوڑے کی پشت پر رکھی جاتی ہے۔

۵- یلطخ آلودہ ہونا۔

۶- یُجفِّف اسکا مصدر تجفیف بروزن تفعیل ہے جس کے معنی ہیں خشک کرنا۔

۷- يُفَرِّكُ باب تفعیل کا مضارع ہے اسکا مصدر تفریک بکاف خورد، بمعنی کھرچنا اور زائل کرنا۔

۸- الحصٰی سنگ ریزے، چھوٹی چھوٹی کنکریاں اور پتھریاں، اسکا واحد حصاۃ ہے۔

۹- الکیزان ٹھیکری، خالص چکنے والی مٹی کا بنا ہوا بڑا پیالہ، نظر بد کے بچاؤ کیلئے، اسکا واحد کوز بمعنی لوٹا ہے۔

۱۰- الغَضَارَۃ غین اور ضاد معجمہ دونوں مفتوح ہیں، بڑا جام۔

۱۱- الحباب بے نقطہ صرف ماء کیساتھ حُب بضمہ بمعنی مٹکہ ہے۔ ۱۲- حیطان اسکا واحد حائط بمعنی دیوار ہے۔

۱۳- المدر ڈھیلہ۔ ۱۴- اللبِن کچی اینٹ۔

۱۵- بَطن پیٹ، اسکی جمع بُطون ہے۔ ۱۶- ظَهر اسکی جمع ظُهور ہے بمعنی پیٹھ۔

۱۷- خذف ٹھیکر۔ ۱۸- الادْوِیَۃ یہ دوا کی جمع ہے، یہاں مصالہ جات مراد ہیں۔

۱۹- رَماد بفتح الراء، راکھ۔ ۲۰- اَثر اسکی جمع آثار ہے بمعنی نشان

۲۱- اَصَح صیغہ اسم تفضیل ہے جس کے معنیٰ ہیں زیادہ صحیح۔ ۲۲- المُطلّیٰ روغن کیا ہوا۔

۲۳- بالأنک قلعی مراد یہ ہے کہ وہ قلعی کر کے روغنی بنایا گیا ہو۔

تشریح الکلام

مصنف علیہ الرحمۃ مسافر کے بارے میں حصولِ تیمم کا ایک طریقہ اور تجویز بیان فرما رہے ہیں، جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کہیں پانی دستیاب نہ ہو اور ڈھیلے اور پتھر بھی نہ پائے جائیں تو وہاں مسافر کسی کپڑے یا جسم کو تر گارے اور کیچڑ سے آلودہ اور لت پت کر کے اسے خشک کر ڈالے اور پھر اس خشک مٹی کو اکھاڑ کر اس سے تیمم کر کے نماز وغیرہ پڑھے۔

محتاط لوگ اور طریقۂ احتیاط

زمانہ قدیم میں کچھ محتاط حضرات جب سفر کرنیکا ارادہ کرتے تو بر بنائے احتیاط اپنے ساتھ خشک مٹی کسی تھیلے میں ڈال کر رکھ لیتے تا کہ بوقت ضرورت کام آئے"۔ یہ مسئلہ کہ کیچڑ کے ساتھ تیمم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے آئمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات جیسے شمس الآئمہ حلوائی وغیرہ کا موقف ہے کہ کیچڑ سے تیمم درست نہیں وجہ یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر پانی ہوتا ہے پس اگر تیمم کیا جائے تو اعضاء آلودہ ہو جائیں گے جو کہ خلاف مقصود ہے۔ پس لَو یَتَیَمَّمَ بالطِّین ای لَا یَنبَغِی اَن یَفعَلَ یعنی مناسب اور موزوں نہیں کہ کیچڑ سے تیمم کرے، لہٰذا اگلی عبارت، ان فعل یجوز کا اس پہلی عبارت پر ترتیب ٹھیک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسکو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ اصول وقواعد کے خلاف ہے لیکن اگر اس نے غلطی بے احتیاطی اور جہالت سے ایسا کر لیا تو بظاہر یہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں بھی مقصود پورا ہو گیا ہے لہٰذا جواز کی گنجائش نکل آئی لیکن اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے کیونکہ وہ اسے جائز نہیں کہتے، اگر وقت جانیکا خطرہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے لیکن امام ابو یوسف اس سے بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

مصنف کچھ ایسی عبارت کا تمثیلاً ذکر کرتے ہیں کہ نوعیت اور اصلیت کے ان اعتبار سے پر تیمم کرنا جائز اور درست ہے، مثلاً (الجص) عمارتوں کا چونا اور یونہی سنگ ریزے، لوٹے، گھڑے، مٹکے، اور الغضارۃ یعنی سرخ مٹی، یہاں بڑے بڑے پیالے اور جام

مراد ہیں جو قلعی شدہ نہ ہوں یونہی ڈھیلوں اور کچی اینٹوں سے بنی ہوئی دیواریں پس ان سب کے ساتھ تیمم کرنا جائز خواہ ان پر گرد وغبار ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کا یہی مؤقف ہے اور جیسا کہ پتھر اور پختہ اینٹ میں انکا قول ہے، امام محمد سے ایک روایت اس کے موافق ہے لیکن قلعی کئے ہوئے بڑے پیالوں سے تیمم درست (الأنک) پگھلی ہوئی قلعی اسکی وجہ یہ ہے کہ قلعی جنس ارض نہیں اور تیمم مَا کَانَ مِن جنسِ الارضِ پر جائز ہے۔ اِلّا فلا کما هو الظاهر ، پیالہ کلاں کی پشت او بطن جواز اور عدم جواز دونوں میں برابر ہیں یعنی جو حصہ قلعی شدہ ہو اس پر تیمم جائز نہیں اور جو ایسا نہیں اس پر تیمم جائز ہے۔ (صغیری شرح منیہ)

ہاں البتہ اگر ایسے قلعی شدہ پیالوں پر خارجی گرد وغبار ہو تو جائز ہے اور یہ جواز غبار کیوجہ سے ہے، جیسا کہ گرد وغبار والے گندم اور جو پر جائز ہے۔ ٹھیکری کیساتھ تیمم کے جواز اور عدم جواز کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک خالص مٹی سے بنی ہوئی ہوں، دوسری ان میں کسی دوسرے کا اختلاط، مثلاً کوئلہ اور بال وغیرہ ملے ہوئے نہ ہوں پس اگر خالص ہو تو تیمم درست ہے ورنہ نہیں۔

راکھ کا کیا حکم ہے؟...... آئمہ کرام کے نزدیک راکھ سے تیمم جائز نہیں لیکن اسمیں مٹی مخلوط ہو تو پھر غلبہ دیکھا جائیگا اگر مٹی غالب ہو تو جائز ہے اور اگر راکھ غالب ہو تو جائز نہیں کیونکہ حکم غالب شئے پر دیا جاتا ہے۔

ناپاک زمین خشک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟...... اگر زمین نجاست آلود ہو جائے، خواہ نجاست گاڑھی ہو یا پتلی اور سورج کی دھوپ سے خشک ہو جائے یا اور کسی وجہ سے خشک ہو جائے (کیونکہ سورج کی دھوپ من حیث الغلبہ ہے پس قید احترازی نہیں تاکہ شبہ پیدا ہو) یعنی بوجہ دھوپ نجاست کا اثر یعنی رنگ و بوختم ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنی جائز ہے، اسلئے کہ وہ زمین بوجہ خشک ہوئے پاک ہو گئی ہے چنانچہ حدیث پاک آیا ہے:

زکٰوۃ الارض یبسھا وفی روایۃ جفاف الارض طھورھا وفی المبسوط ایما ارض جفت فقد زکت وفی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کنت ابیت فی المسجد فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت شاباً عذباً (مجرداً) وکانت الکلاب تبول وتدبر وتقبل فی المسجد ولم یکونوا یرشون شیئاً من ذالک............ (الخ)

اقول...... تدلت الروایات والآثار صراحتاً واشارتاً علی طھارۃ البتعۃ عن وصف النجاسۃ بالجفاف والا یلزم تبقیۃ البقعۃ بوصف النجاسۃ علیٰ مالھا مع العلم بانھم یقومون علیھا فی الصلوٰۃ البقعۃ نعلم من ھٰذا، ان طھارۃ جفافھا ویبسھا فلھٰذا تقول الائمۃ بجواز الصلوٰۃ علی الارض الیابسۃ۔

خلاصہ مفہوم عبارات...... ناپاک زمین خواہ کیسی نجاست ہو خشک ہو جائے پاک ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: صراحتاً حدیث رسول ﷺ میں آیا ہے، نیز حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں کتے مسجد شریف میں جاتے تھے اور پیشاب کرتے تھے پھر صحابہ بغیر دھوئے اور صاف کئے وہیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے، ورنہ وہ بغیر دھوئے نماز نہ پڑھتے پس انکا ایسا عمل طہارت ارض کی دلیل ہے۔ ہاں تو یہ بات ذہن نشین کر لیجئے اگر چہ ایسی زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے، تاہم اس پر تیمم کرنا درست نہیں کیونکہ تیمم اس مٹی سے کیا جا سکتا ہے جس تک کبھی نجاست نہ پہنچی ہو کیونکہ اسکے بارے میں صعیداً طیباً آیا ہے اور "طیب" ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکیزگی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ ائمہ لغت اور ائمہ تفسیر نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ ہے حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کے کلام مذکورہ کا تفصیلی خلاصہ اور بیان، الحمد للہ علی ذالک۔

و اذا تیمم الرجل من موضع فتیمم آخر من ذلک الموضع ایضا جاز و التیمم فی الجنابة والحدث سواء و لو صلی بالتیمم ثم وجد الماء فی الوقت لا یعید و الصحیح فی المصر یتیمم لصلوة الجنازة اذا خاف الفوت لا الولی و کذا اذا احدث المتوضی فی صلوة العیدین تیمم و بنی فی قول ابی حنیفة و قالا لا یجوز التیمم و کذا اذا خاف خروج الوقت تیمم و بنی بلا خلاف و لو خاف خروج الوقت فی سائر الصلوات لا تیمم بل یتوضأ و یقضی ما فاتہ و کذا لو خاف فوت الجمعة لا یتیمم بل یتوضأ و یصلی الظهر و لو تیمم لمس المصحف او لدخول المسجد عند وجود الماء و القدرة علیہ فذلک لیس بشیٔ

ترجمہ...... جب کوئی آدمی ایک جگہ سے تیمم کرے پھر دوسرا بھی اسی جگہ سے تیمم کرے تو بلاشبہ جائز ہے۔

مسئلہ...... جنابت، حدث میں کوئی فرق نہیں اگر کسی شخص نے تیمم سے نماز پڑھی پھر نماز کے وقت میں پانی پالیا تو نماز کو نہ لوٹائے تندرست آدمی شہر میں نماز جنازہ کے ڈر سے تیمم کرسکتا ہے۔ لیکن میت کا سربراہ اس صورت سے مستثناء ہیں (یعنی یہ تیمم نہ کرے) اور اسی طرح باوضو آدمی دوعیدوں کی نماز میں بے وضو ہوجائے تو فوراً تیمم کرکے (پچھلی نماز کی پہلی نماز پر) امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق بنیادر کھے، لیکن صاحبین کے نزدیک ایسے شخص کے لئے تیمم جائز نہیں۔ یونہی اسی نماز میں اگر وقت نکلنے کا خطرہ ہو تو تیمم کرے اور بغیر کسی کے اختلاف کے بنا کرے لیکن اگر باقی نمازوں کے وقت نکلنے کا خطرہ ہو تو تیمم نہ کرے بلکہ وضوء کرکے فوت شدہ نماز کی قضاء کرے، یہی حکم نماز جمعہ کے فوت ہوجانے کا ہے کہ اس کے لئے بھی تیمم نہ کرے بلکہ وضو کرکے نماز ظہر پڑھے اور اگر اس نے مصحف کو ہاتھ لگانے یا مسجد میں داخل ہونے کیلئے تیمم کیا باوجودیکہ پانی موجود تھا اور اسے استعمال سے بھی کرسکتا تھا تو یہ نہیں ہوگا۔

چند لغات

۱- موضع جگہ۔ ۲- الآخر دوسرا۔

۳- الصحیح تندرست آدمی۔ ۴- مصر شہر، اسکی جمع امصار ہے۔

۵- الولی میت کا سربراہ/وارث ۶- احدث بے وضو ہوگیا۔

۷- المتوضی وضو کرنے والا۔ ۸- بناء بنیادرکھنا، جبکہ بنی کے معنیٰ ہیں پہلی والی نماز پر نماز پڑھے

۹- یقضی قضاء کرے۔ ۱۰- ما فاتہ نماز کا جو حصہ رہ گیا۔

۱۱- لیس بشیء یعنی وہ کچھ نہیں یعنی شرعاً معتبر نہیں

تشریح

مصنف یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

۱۔ ایک ہی جگہ سے دو یا زیادہ آدمی تیمم کر سکتے ہیں، اسلئے کہ مستعمل مٹی وہ ہے جو مسح کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں ہے اور وہ جگہ مستعمل مٹی نہیں تا کہ تیمم میں خلل پیدا ہو۔

۲۔ دوسرا مسئلہ...... یہ ذکر کرتے ہیں کہ جنبی اور محدث اسی طرح حیض ونفاس والی عورتیں یا کسی میت کو تیمم کرانا ان سب کے تیمم کی ایک ہی نوعیت ہے لہٰذا ان کے تیمم میں کوئی تفریق نہیں، تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

۳۔ تیسرا مسئلہ...... پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر پانی دستیاب ہو گیا تو اعادہ نماز نہیں کیونکہ نماز پڑھنے کے وقت یہ پانی پر قادر نہ تھا بلکہ اسے بعد میں قدرت ہوئی تو وہ پہلی نماز انعقاد سبب کی وجہ سے ٹھیک ہو گئی۔

۴۔ چوتھا مسئلہ...... اگر شہر میں کسی صحت یاب آدمی کو نماز جنازہ کے رہ جانے کا خطرہ ہو تو ایسا شخص تیمم سے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ لیکن امام شافعی اس کو جائز نہیں کہتے اس مسئلہ سے ولی اور امام مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان دونوں کیلئے نماز میں تاخیر کی جا سکتی ہے۔ شارح صغیری لکھتے ہیں کہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ان دونوں کے حق میں نہیں تو پھر مصنف کی عبارت میں حرف استثناء لانے کی ضرورت نہ تھی۔ مصنف کافی نے یہ ذکر کیا کہ اس حالت میں ولی وغیرہ کیلئے بھی تیمم جائز ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگ اس باب میں برابر ہیں۔

۵۔ پانچویں بات...... ایک شخص نماز عید باوضو ہو کر پڑھ رہا تھا کہ دوران نماز بے وضو ہو گیا اب اگر وہ وضو کرے تو نماز فوت ہو جانے کا غالب اندیشہ ہے، لہٰذا عاجز عن الوضوء ہونے کی وجہ سے تیمم کرے اور جہاں سے نماز چھوڑی وہاں سے شروع کرے، فقہاء کی اصطلاح میں اسی کو بناء الصلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ امام کے دو شاگردوں نے اختلاف کرتے ہوئے ایسے شخص کو تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اس باب میں یہ دلیل پیش کی کہ ایسے شخص کو نماز فوت ہونے کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اگر ساری نماز بھی چلی جائے تو پھر بھی یہ امام کے پیچھے ہی تصور ہوگا اس لئے کہ یہ لاحق مقتدی ہے جو خلف الامام تصور ہوتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر لوگوں کا اژدھام اور ہجوم ہوتا ہے لہٰذا احتیاط کے پیش نظر اس کو یہ رعایت دی گئی ہے۔ مصنف نے باوضو ہو کر نماز شروع کرنے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر اس نے تیمم سے نماز شروع کی اور پھر بے وضو ہو گیا تو بالاتفاق دوبارہ تیمم کر کے نماز کی بنیاد رکھ سکتا ہے یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اسے نماز کے ادراک اور غیر ادراک میں شک ہو، لیکن اگر اسے نماز پا لینے کا غالب گمان ہو تو پھر بالاتفاق تیمم نہیں کر سکتا۔

۶۔ چھٹا مسئلہ...... یہ بیان فرمایا کہ نماز عید کے وقت چلے جانا کا خطرہ ہو تو بالاتفاق تیمم کر کے پچھلے حصے کی پہلے پر بنیاد رکھے کیونکہ وقت نکل جانے سے نماز عید کی قضاء نہیں لیکن باقی عام نمازوں میں خروج وقت کے ڈر سے ہمارے نزدیک تیمم نہیں کر سکتا۔ بلکہ وضو کر کے قضاء مافات کرے۔ کیونکہ ان کے تدارک کے لئے بدل موجود ہے۔ لیکن امام زفر اس صورت میں بھی تیمم کی اجازت دیتے ہیں۔ امام زاہدی وغیرہ صورت احتیاط یہ بیان کرتے ہیں کہ وقت میں تیمم سے نماز پڑھ ڈالے پھر وقت ہی میں بوقت قدرت اعادہ کرے۔ کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں، یونہی نماز جمعہ کے جانے سے خائف ہو تو تیمم کی اجازت نہیں بلکہ وضو کر کے نماز ظہر پڑھے کیونکہ نماز جمعہ کا بدل نماز ظہر موجود ہے۔

ب۔ آخری مسئلہ...... یہ ہے کہ پانی موجود ہوتے ہوئے اور اس کے استعمال کی طاقت رکھنے کے باوجود مس مصحف اور دخول مسجد کے لئے وضوء کرنا شرعاً غیر معتبر بلکہ قابل عدم ہے۔ کیونکہ تیمم جائز ہونے کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ پانی موجود نہ ہو دوسری یہ کہ اسے استعمال نہ کر سکے جیسے نماز فوت ہونے کا خوف ہو اور مصحف کو ہاتھ لگانا یا مسجد میں جانا کوئی ایسی عبادت نہیں جس کے ضائع ہونے کا خوف ہو۔

ث: اگر کسی شخص نے تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھی پھر دوسرا جنازہ آگیا اور اسے بدستور اس کے فوت ہونے کا بھی خطرہ لاحق ہے تو اسی سابق تیمم سے دوسرا جنازہ بھی پڑھے لیکن امام محمد دوسری نماز جنازہ کیلئے دوسرا تیمم کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پہلی ضرورت پوری ہوگئی اب دوسری ضرورت کیلئے جدید تیمم کرے۔ یہ ہے مصنف علیہ الرحمۃ کے کلام کی تشریح اور تفصیل۔

للمسافر يطأ جاريته و ان علم بعدم الماء و يجوز له التيمم

اگر کسی مسافر نے (حالت سفر میں) اپنی لونڈی سے ہمبستری کی اگرچہ اسے پانی نہ ہونے کا علم تھا مگر اسکے لئے تیمم کرنا جائز ہے (تاکہ ازالہ جنابت بوجہ تیمم ہو جائے)

لغات

یطاء وطی، یَطاءُ، وطأً۔ باب عَلِمَ، یَعلَمُ، عِلماً کا مضارع ہے جسکا مصدر (وطی) ہے جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو روندنا اور پامال کرنا مگر یہاں مجازی مناسبت سے ہمبستری اور جماع کرنا مراد ہے۔

جارية لونڈی او خادمہ اسکی جمع جواری ہے۔ دوران جنگ کفار اور مشرکین کے مرد عورتیں مسلمان مجاہدین کے ہاتھ آئیں وہ مسلمان مجاہدین کی ملکیت اور انکے لئے حلال ہیں، پس انکے لئے مِلک بحسن کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت اور انہیں استعمال کرنا اور ان سے خدمت لینا شرعی طور پر جائز ہے پس اس قوت ملکیت کیوجہ سے ان سے بدون نکاح ہمبستری حلال اور جائز ہے اور اسلام میں ان کی کوئی تعداد بھی مقرر نہیں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے البتہ اگر کسی دوسرے کی لونڈی کسی کو دی جائے تو نکاح کرنیکی ضرورت ہوگی، اگر اسی سے اولاد ہوگی تو وہ ''ام ولد'' کہلائے گی اور آزاد ہو جائیگی لھذا اسکی خرید و فروخت ممنوع ہو جائیگی۔

یجوز من الجواز ہے یعنی جائز ہے۔

تشریح الکلام

مصنف علیہ الرحمۃ جواز تیمم کی ایک صورت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسافر کو دوران سفر جنسی خواہش کی ضرورت پیش آئے تو اپنی لونڈی سے جنسی خواہش پوری کرے۔ یاد رہے کہ بیوی کا بھی یہی حکم ہے اور عبارت میں ''جاریۃ'' کی قید احترازی نہیں بلکہ بطور بل ہے۔ اور اسکو پانی نہ ہونے کا بخوبی علم ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو مجھے بوجہ جنابت غسل کرنا پڑیگا، چونکہ پانی نایاب نہیں تو میں ازلہَ جنابت کے لئے کیسے غسل کرونگا تو اس مشکل کے باوجود بھی وہ تکمیل خواہش کر سکتا ہے پس اسیر اس کے باوجود ئی پابندی اور رکاوٹ لہٰذا وہ اور اس پیش آمدہ حادثہ میں غسل پر قادر نہ ہو [illegible]

ہونیکی صورت میں تیمم "طہور مسلم" ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (التراب طهور المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين او كما قال) لہٰذا جس طرح وہ سبب حدیث بوجہ نوم کے سوکر استعمال کرسکتا ہے بالکل اسی طرح سبب جنابت جوکہ وطی ہے اسکو بھی بروئے کار لاسکتا ہے کیونکہ من حیث الاسباب دونوں برابر ہیں، کیونکہ دونوں مانع من الصّلوٰۃ ہیں اور دونوں پانی نہ ہونیکی صورت میں مرتفع بالتیمم ہیں لھذا اس بنیاد پر اسے تیمم کرکے ازالہء جنابت کا حکم دیا جائیگا۔

نواقض تیمم

وينقض التيمم كل شئ ينقض الوضوء و ينقضه ايضاً رؤية الماء اذا قدر على استعماله و ان رأى الماء فى خلال الصلوة فسدت و ان رأى سور الحمار او نبيذ التمر و قدر على استعماله فسدت صلاته عند ابي حنيفة و ان رأى سرابا فظن انه ماء فمشى نحوه فاذا هو سراب فسدت و ان شك انه ماء او سراب فاستوى الظنان فان يمضى على صلاته فاذا فرغ فان كان ماء يتوضأ و يستقبل الصلوة و الا فلا المسافر مر بماء موضوع فى الحب لا ينتقض تيممه الا اذا كان الماء كثيرا فيستدل بكثرته على انه وضع للوضوء و الشرب و كذا لو ان المتيمم مر بالماء و هو لا يعلم به او كان نائما لا ينتقض تيممه و كذا لو علم بالماء و لم يقدر على النزول و لا على الوضوء لخوف عدو او سبع او مرض

ترجمہ......جس چیز سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس سے تیمم بھی ٹوٹ جائیگا، اور پانی دیکھ لینے سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے جبکہ اسکے استعمال پر قادر ہو۔ اگر کسی شخص نے دوران نماز پانی دیکھ لیا تو نماز ٹوٹ گئی اور اگر گدھے کا جھوٹا اور کھجور کا نچوڑ دیکھا اور اسے استعمال بھی کرسکتا ہے تو امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہوگئی اور اگر اس نے سراب دیکھا (چمکتی ریت دیکھی اور اسے دور سے پانی سمجھا) اور یہ اس کی طرف چل کر گیا تو وہاں اسے سراب (چمکدار ریت) پایا تو نماز ٹوٹ گئی اور اگر اسکے پانی یا سراب ہونے میں شک ہوا اور دونوں گمان برابر ہیں (یعنی کوئی طرف بھی جچ نہیں بلکہ استواء از طرفین ہے) لہٰذا پھر نماز پڑھتا رہے (یعنی اسے نہ توڑے) پھر فارغ ہوکر دیکھے اگر پانی ہے تو وضو کرکے نماز پڑھے ورنہ وہی پڑھی ہوئی نماز کافی ہے۔

مسئلہ......اگر مسافر کسی ایسے مٹکے کے پاس سے گزرا کہ جس میں پانی رکھا ہوا تھا پس اگر پانی زیادہ ہو تو تیمم ٹوٹ جائیگا کیونکہ کثرت آب سے معلوم ہوا کہ یہ وضوء اور پینے کیلئے رکھا گیا ہے، اور اگر تھوڑا ہو تو ناقضِ تیمم نہیں، کیونکہ صرف پینے کیلئے رکھا گیا ہے جیسا کہ عموماً یونہی ہوتا ہے)۔

مسئلہ......اگرکوئی تیمم کرنیوالا کسی ایسی جگہ سے گزرا کے جہاں پانی موجود ہے مگر اسے یاد نہیں یا وہ سویا ہوا گزرا تو اسکا تیمم نہ ٹوٹیگا۔ یونہی اسے پانی تو معلوم ہے مگر یہ سواری سے نیچے اتر نہیں سکتا اور نہ وہ وضو کر سکتا ہے اس لئے اسے دشمن یا درندے کا خوف ہے یا اضافہ مرض کا خطرہ لاحق ہے تو اس صورت میں بھی پانی کے باوجود تیمم کر سکتا ہے۔

اللغات

۱- ینقض توڑ دیتا ہے۔ اسکا مصدر "نقض" کسی چیز کو توڑ دینا۔ ۲- رؤیۃ دیکھنا۔

۳- خلال با کسے دوستی کردن، سخت درہم پیچیدن، درمیان چیزے یعنی اسکے تین معانی ہیں۔ ۱۔ کسی سے دوستی و یاری کرنا۔ ۲۔ سخت بل کھانا۔ دو چیزوں کا درمیان، یہاں یہی مراد ہے۔

۴- سرابٌ ریگستانوں میں دوپہر کے وقت چمکتی ہوئی ریت دور سے پانی دکھائی دیتا ہے، اسے سراب کہتے ہیں، فارسی میں اسے نمائش آب کہتے

۵- استواء برابر ہو گیا۔ ۶- ظنّان دوگمان۔

۷- یمضی وہ گزرتا ہے۔

۸- یستقبل از سر نو پڑھے، استقبال کے معنیٰ قبلہ کی طرف منہ کرنا یا کسی چیز کو نئے سرے سے ادا کرنا۔

۹- مرّ گزرا، اور گزرنا۔ ۱۰- موضوع رکھا

۱۱- الحب مٹکا۔ ۱۲- یُستدل استدلال کیا جائے۔

۱۳- نائم سونے والا۔ ۱۴- نزول اترنا۔

۱۵- سُبُعٌ س اور ب یا تو مضموم ہیں یعنی پہلے دونوں حرفوں پر پیش ہے یا اول پر زبر اور دوسرے پر پیش ہے۔ یعنی حرف س پر زبر اور دوسرے پر پیش ہے بمعنی درندہ، سبع دراصل سات عدد کو کہتے ہیں چونکہ عموماً درندے سات ماہ کے بعد پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کو سبع کہا جاتا ہے یعنی سات ماہ کے بعد پیدا ہونے والا۔

تشریح

یہاں سب سے پہلے مصنف تیمم کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ناقض وضوء ناقض تیمم ہے، اور اس پر مزید یہ ہے کہ اگر تیمم کرنے والے کو اسکی فراغت کے بعد اتنا پانی نظر آئے کہ جو اس کے وضو یا غسل کیلئے کافی ہے اور اسے یہ استعمال بھی کر سکتا ہے تو یہ رؤیت ماء بھی ناقض تیمم ہے۔ یہاں یہ فرق ملحوظ رکھیں کہ صرف پانی دیکھنا ناقض وضو نہیں جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ طہارت یعنی وضو یا غسل کیلئے کافی ہو دوسری یہ ہے کہ اس کے استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہو لہٰذا جو پانی کافی نہ ہو اس کے دیکھنے سے تیمم نہیں ٹوٹتا اور جسے استعمال نہ کر سکے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر اسے اتنا پانی دستیاب ہو کہ غسل کی ضرورت کے وقت اس کے لئے کافی نہ ہو اور وضو کی ضرورت کے وقت بھی اس کے لئے ناکافی ہو تو اتنی مقدار کو استعمال کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ پانی اور وقت دونوں کو ضائع کرتا ہے کیونکہ طہارت میں تجزی نہیں ہو سکتی۔

☆ دوسرا مسئلہ...... یہ ہے کہ اگر دوران نماز پانی نظر آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ تیمم ختم ہو گیا۔

☆ تیسرا مسئلہ...... کسی تیمم کرنے والے نے گدھے کا جھوٹا یا کھجور کا نچوڑ دیکھا اور اس کے استعمال کی بھی قدرت رکھتا ہے تو امام ابو
کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس عبارت کے ذیل میں اسکا مفہوم واضح کرتے ہوئے شارح صغیری لکھتے ہیں، گدھے
جھوٹے کے بارے میں یہ روایت کہیں کتب فقہ میں موجود نہیں۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس سے مصنف کی مراد یہ ہو کہ تیمم کر
جب تک وضو کر کے اس نماز کو نہ پڑھے تو وہ ادا نہ ہوگی تا کہ وضو اور تیمم کا اس نماز میں اجتماع ہو جائے کیونکہ وضو بالمشکوک اور
جمع ہونا دریں صورت ایک نماز میں لازم آئیگا اور اگر دونوں متفرق ہوں مثلاً اولاً تیمم کر کے نماز پڑھی پھر آخر وضو کر کے نماز پڑ
اس مسئلہ مذکورہ میں نماز پڑھتا رہے پھر فراغت نماز کے بعد مشکوک پانی سے وضو کر کے اس نماز کا اعادہ کرے پڑھے اور نبیذ تمر
مسئلے میں امام صاحب کے نزدیک اس سے وضو کرنا ضروری ہے پس تیمم کی حاجت اور امام محمد کے نزدیک نبیذ تمر اور گدھے کا
چونکہ دونوں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے یہ پہلے تیمم سے نماز پڑھے اور پھر وضو کر کے اسے لوٹائے جبکہ امام ابو یوسف
نزدیک صرف تیمم ہی سے نماز پڑھے اور اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ نبیذ تمر کے ساتھ وضو کرنا جائز نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے

☆ چوتھا مسئلہ...... یہ ہے کہ اگر کسی تیمم کرنے والے نمازی نے شراب دیکھا اور وہ اسے پانی سمجھ کر ایک دو قدم اسکی طرف چل کر گیا
اسے معلوم ہوا کہ یہ پانی کی بجائے شراب ہے تو نماز فاسد ہوگی خواہ جائے سجدہ سے آگے بڑھے یا نہ بڑھے کیونکہ اس کے چلنے
نماز ارادۃً ختم ہوگئی اور پانی کے گمان پر اس کا چلنا اور نماز چھوڑنا جائز ہے اور اگر اسے پانی یا شراب کا گمان ہو اور شک میں دونو
طرفیں برابر ہوں تو نماز نہ توڑے بلکہ پڑھتا رہے کیونکہ شک سے نماز توڑنا جائز نہیں البتہ فراغت کے بعد وہ پانی ہو تو وضو کر کے
سر نو نماز پڑھے ورنہ نہیں یونہی اگر اس نے دیکھی ہوئی چیز کو شراب سمجھا پھر معلوم ہوا کہ وہ پانی ہے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ یہا
قاعدہ یہ ہے کہ **الیقین لا یزول بالشک.. ولا اعتبار بالشک عند الیقین**۔

خلاصہ...... یہ ہے کہ یقین کی صورت میں شک بے فائدہ ہے اور جہاں شک پختہ ہو تو یقین کا کوئی اعتبار نہیں۔

☆ پانچواں مسئلہ...... یہ ہے اگر مسافر کسی ایسی جگہ سے گزرے کہ جہاں مٹکے میں پانی موجود ہو تو یہ دیکھا جائے گا آیا پانی زیادہ ہے
تھوڑا ہے اور اگر زیادہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے یہ کثیر پانی مسافروں کے پینے اور وضو کیلئے رکھا ہے۔ تو اس صورت میں
پانی کی وجہ سے تیمم ٹوٹ جائے گا۔ شارح صغیری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر علاقائی رواج کو دیکھنا چاہئے، مثلاً اگر تھوڑا پانی بھی ہو لیکن
لوگ پینے اور وضو کیلئے رکھتے ہیں تیمم ختم ہو جائے گا لہٰذا اگر زیادہ پانی بھی صرف پینے کیلئے رکھتے ہیں تو وہ ناقص تیمم نہیں ہاں اگر اہل
کے رواج کا پتہ نہ ہو تو زیادہ پانی کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ یہ پانی پینے اور وضو کیلئے ہے تو پھر یہ ناقص تیمم ہوگا۔ امام محمد بن
فضی کہتے ہیں کہ جو پانی پینے کے لئے بھی رکھا گیا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور جو وضو کے لئے رکھا گیا ہو اس سے پینا مباح نہیں
اس قول کی بناء پر پانی خواہ پینے کے لئے ہو یا وضو کیلئے ہو اسکی موجودگی میں تیمم ٹوٹ جائیگا لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

☆ چھٹا مسئلہ...... یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہو لیکن اس کا علم نہ ہو تو عام روایات یہ ہیں کہ اسکی موجودگی سے تیمم نہیں ٹوٹتا، البتہ امام ابو حنیفہ
سے ایک روایت ٹوٹ جانے کی بھی ہے پس اسی کو صاحب ہدایہ اور بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ سویا ہوا آدمی
اگر پانی کے پاس سے گزرے تو تیمم ٹوٹ جائیگا کیونکہ نیند اسکی اپنی اختیار کردہ ہے۔

☆ آخری مسئلہ...... یہ ہے کہ اگر پانی ہو اور یہ اس کا علم بھی رکھتا ہے لیکن سواری سے اتر نہیں سکتا یا اترنے کے بعد پھر سوار نہیں ہو سکتا یا دشمن وغیرہ کی وجہ سے اطمینان سے وضو نہیں کر سکتا اور مرض کی صورت میں یا پیدل جا نہیں سکتا تو ان ساری صورتوں میں پانی کی موجودگی میں اسکا کیا ہوا تیمم نہیں ٹوٹتا لہٰذا عجز ہونے کی وجہ سے اسی سے نماز ادا کر سکتا ہے۔

جنب اذا اغتسل و بقيت لمعة و ليس معه ماء يتيمم للُّمعة و ان وجد ماء بعد ما تيمم و احدث يغسل اللمعة و يتيمم للحدث اذا كان الماء يكفي لللمعة و لا يكفي للوضوء و ان كان يكفي لاحدهما على الانفراد فانه يغسل اللمعة و تيمم للحدث و عليه ان يبدأ بغسل اللمعة ثم يتيمم و لو كان معه ثوب نجس فانه يغسل الثوب و يتيمم لللمعة متيمم امّ قوما متوضئين يجوز عند ابي حنيفة و ابي يوسف خلافا لمحمد رحمهم الله و كذا القاعداذا ام قوما قائمين و اما الماسح على الخف و على الجبيرة فانه يؤم الغاسلين بالاتفاق و ذكـــر في المختصر و شرح الاسبيجابي و لا تصح امامة صاحب الجرح السائل للاصحاء و كذا الامي للقاري و كذا العاري لللابس و لو اما من هو بمثل حالهما جاز

ترجمہ عبارت...... کسی جنبی (ناپاک) شخص نے غسل کیا اور اسکے جسم کا کچھ حصہ خشک رہ گیا اور اسکے پاس پانی نہیں تھا (کہ جس سے اسکو دھوئے) تو اس خشک جگہ کے لئے تیمم کرے تاکہ اسکا غسل ٹھیک ہو جائے۔ اور اگر تیمم کرنے یا بے وضو ہونے کے بعد پانی پائے تو اس خشک حصہ بدن کو اس پانی سے دھوڈالے اور اگر پانی صرف اس خشک حصہ کے لئے تو کافی ہو مگر حدث (بے وضو ہونے) کیلئے کافی ہو تو اس خشک حصہ کو دھوئے اور حدث کے لئے تیمم کرڈالے (کیونکہ غسل کی تکمیل بہ نسبت وضو ضروری ہے کیونکہ اس میں تکمیل ازالہ جنابۃ ہے جبکہ وضو کرنے میں ازالہ حدث ہے اور جنابۃ حدث اکبر ہے جبکہ بے وضو ہونا حدث اصغر ہے اور ظاہر ہے کہ حدث اکبر کا ازالہ بہ نسبت حدث اصغر اہم ہے لہٰذا بہ نسبت وضو کرنے کے دھونا اہم اور لازم ہے) اور اگر پانی وضو کیلئے تو کافی ہو البتہ خشک حصہ کیلئے غیر کافی ہو تو اس صورت میں وضو کرے اور خشک جگہ کیلئے تیمم کرے اور اگر انفرادی طور پر پانی صرف ایک کیلئے کافی ہو تو دریں صورت خشک حصہ کو دھوئے جبکہ ازالہ حدث کے لئے تیمم کرے (اسکی وجہ وہی ہے جسکی سابقاً اہمیت بیان کردی گئی) اور خشک حصہ دھونے میں پہل کرے اور پھر تیمم کرے۔

مسئلہ...... اگر کسی ناپاک (جنبی) شخص کے پاس پلید کپڑا ہو اور غسل کرتے ہوئے بدن کا کوئی خشک حصہ دھونے سے رہ گیا اور اسکو دھونے کیلئے پانی نہیں تو اس صورت میں ناپاک کپڑا اگر تھوڑا سا پانی ہو تو اسے اس پانی سے دھوڈالے اور

خشک جگہ کے لئے تیمم کرے۔

مسئلہ......اگر کوئی آدمی تیمم سے باوضو لوگوں کی امامت کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام محمد کا سا میں اختلاف ہے یعنی وہ اس کو جائز نہیں کہتے یہی حکم ہے اگر کوئی بیٹھا ہوا شخص کھڑے لوگوں کی امامت کرے (تو اس میں بھی وہی سابقہ اختلاف ہے یعنی دو اماموں کے نزدیک جائز اور تیسرے امام کے نزدیک ناجائز ہے) لیکن موزوں یا پٹی پر مسح کرنے والا شخص دھونے والوں کی بالاتفاق امامت کرا سکتا ہے (لہٰذا اس میں ہمارے کسی امام کا اختلاف نہیں)

مسئلہ......مختصر اور اسکی شرح اسبیجابی میں ہے، زخم بہنے والے شخص کی امامت تندرست اور صحت یاب لوگوں کیلئے صحیح نہیں یونہی کسی ان پڑھ شخص قاری کی امامت کرانا، اور برہنہ شخص کی کسی کپڑے پوش کی امامت کرانا درست نہیں لیکن یہ لوگ اپنے جیسے کسی شخص کی امامت کرائیں تو جائز ہے یعنی ننگا رہنے جیسے ننگوں کی اور امی اپنی طرح امی کی امامت کرا سکتا ہے کیونکہ یہ وصف عذر میں باہم برابر اور مساوی ہیں لہٰذا کسی کی فوقیت لازم نہیں آتی۔

اللغات

۱- لمعة — پہلے حرف پر پیش اور دوسرا یعنی حرف میم ساکن ہے۔ وضو اور غسل میں جسم کا خشک حصہ، لوگوں کا گروہ، اگر لام کے زبر کے ساتھ ہو تو بمعنیٰ روشنی، یہاں پہلا ہی معنیٰ مراد ہے۔

۲- احدث من الاحداث — بے وضو ہو گیا، احداث، بے وضو ہونا۔

۳- ان یبتدء — شروع کرے، ابتداء، کسی کام کو شروع کرنا۔

۴- امّ — اس نے امامت کرائی، اس سے لفظ ''امام'' ماخوذ ہے۔

۵- متوضئین — وضو کرنے والے، اسکا واحد متوضی، ایک شخص وضو کرنے والا۔

۶- القائم — کھڑا ہونے والا قیام کھڑا ہونا اس کی جمع قائمون ہے کھڑا ہونے والے۔

۷- القاعد — بیٹھنے والا اس کی جمع قاعدون ہے۔

۸- ماسح — مسح کرنے والے مسح کسی جگہ ہاتھ پھیرنا۔

۹- ابعبیرة — پٹی (چوبہا کہ ب عضو شکستہ بندند یعنی وہ کھڑی جو ٹوٹے ہوئے کو اندام جوڑنے کیلئے باندھتے ہیں اس کی جمع جبائر ہے کبھی کبھی جو کپڑا زخم پر باندھتے ہیں اسے بھی جبریہ کہہ دیتے ہیں۔

۱۰- الغاسلون — دھونے والے اس کا واحد غاسل ایک شخص دھونے والا اسکا مصدر غسل ہے جسکا معنی دھونا ہے۔

۱۱- جرح — پہلا حرف پیش سے ہے بمعنی زخم اور زخم اگر حرف جسم پر زبر ہو تو بمعنی زخم کرنا ہے۔

۱۲- السائل — بہنے والا سیلان بہنا۔

۱۳- الاصحاء — تندرست اور صحت یاب لوگ اس کا واحد صحیح مقابل سقیم ہے صحیح تندرست آدمی جب کہ سقیم بیمار آدمی۔

۱۴- اُمی — جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اس میں یائے نسبت ہے بغدادی کی طرح یعنی ماں والا ان پڑھ اور ناخواندہ کو عموماً امی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس کا باپ نہ ہو اور ماں کی زیر کفالت رہے تو ضابطہ اور کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے وہ ان پڑھ رہ جاتا ہے اس لئے ان پڑھ کو اہل عرب امی کہتے ہیں اور اس میں یہ وجہ مناسبت ہے۔

۱۵- القاری — پڑھا ہوا یہ قرأۃ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا یہاں قرآن مجید پڑھنا مراد ہے اگرچہ ائمہ لغت کے نزدیک عام پڑھا ہوا مراد ہوتا ہے یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ یہاں وہ شخص مراد ہے جو قرآن مجید اچھی طرح پڑھتا اور جانتا ہو لیکن ہمارے علاقائی رواج اور دستور کے مطابق اسکی جمع قراء حرفی ہے اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علم تجوید اور قرأۃ کے فن سے آگاہ اور آشنا ہو یعنی حروف کو اپنے اپنے مخارج سے ادا کر سکتا ہو۔

۱۶- العاری — ننگا اور برہنہ آدمی اس کی جمع عُراۃ آتی ہے۔

۱۷- اللابس — لباس پہننے والا لبس سے بنا ہے کپڑا پہننا۔

۱۸- مثلھم — ان کی مانند اور مثل یہاں مراد یہ ہے کہ وصف امیت اور عریانی میں ان کی طرح اور ان کی مثل اور مانند ہو۔

تشریح الکلام

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنے سابق دستور کے مطابق اس فصل کی مناسبت کے چند مسائل اور جزئیات فقہیہ بیان کرنے کا آغاز کرتے ہیں اور ایک ایک جزئیہ فصل کی مناسبت سے بیان فرماتے ہیں۔

۱- پہلا مسئلہ..... غسل کرتے ہوئے بے احتیاطی اور غفلت سے اگر جسم کا کوئی حصہ پانی پہنچے بغیر خشک رہ گیا جب خیال آیا تو اسے دھونے کیلئے پانی نہ تھا تو اب ایسا حیران اور ضرورت مند شخص شرعی طور پر جنابت جیسی معنوی نجاست سے کیسے عہدہ برآہ اور سبکدوش ہو سکتا ہے تو ائمہ فقہ کے حوالہ سے مصنف فرماتے ہیں اس خشک لمعہ کیلئے تیمم کرے کیونکہ ابھی تک نجاست بوجہ اس کے خشک رہ جانے کے باقی ہے کیونکہ طہارت کی طرح جنابت بھی متجزی اور منقسم نہیں ہوتی لہٰذا اگر ایک جزء بھی باقی رہ جائے تو نجاست بدستور قائم رہے گی جب تک تکمیل طہارت نہ ہو۔

۲- دوسرا مسئلہ..... اگر تیمم کرنے کے بعد یا بے وضو ہونے کے بعد پانی ہاتھ آ جائے تو خشک حصے کو دھولے اور وضو کیلئے تیمم کرے بشرطیکہ پانی صرف لمعہ کیلئے کافی ہو اور وضو کیلئے غیر کافی ہو۔ کیونکہ بہ نسبت حدث وہ پانی معدوم ہے اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی وضو کیلئے کافی اور لمعہ کیلئے غیر کافی ہو تو اس صورت میں پانی سے وضو کرے اور لمعہ کیلئے تیمم کرے اور تیمم جنابت ختم نہ ہوگا کیونکہ لمعہ کے حق میں پانی کالمعدوم ہے مراد یہ کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور اگر دونوں (مراد وضو اور خشک حصہ) میں سے صرف ایک کیلئے پانی کافی ہو نہ دونوں کیلئے یعنی وضو یا لمعہ ان دونوں میں سے ایک لئے علی سبیل الاجماع تو اس صورت میں بقیہ خشک حصہ دھولے کیونکہ اس کا تعلق جنابت سے ہے اور وہ اغلظ الحدثین ہے لہٰذا اس کا اہتمام اخف الحدثین کے اہم ہے لہٰذا لمعہ کو دھوتے اور حدث (بے وضو ہونا) کیلئے تیمم کر ڈالے اب یہ سوال کہ ان میں دونوں سے کس سے پہل کرے تو اس کا جوب علی اساس الفقہ یہ ہے کہ اولا

لمعہ کو پانی سے دھولے اور حدث کیلئے تیمم کرے تاکہ پانی حق حدث میں معدوم ہو جائے لہذا خشک حصہ کے دھونے سے پہلے درست نہیں کیونکہ امام محمد کے نزدیک صرف لمعہ پر پانی صرف کرنا حدث کو نظر انداز کرتے ہوئے واجب نہی بلکہ اولیٰ ہے جبکہ ابو یوسف کے نزدیک لمعہ پر پانی صرف کرنے سے پہلے تیمم جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس پر پانی صرف کرنا واجب ہے لہذا حدث کے حق میں پانی معدوم تصور ہوگا اور اگر یہ اسی مسئلہ میں صورت پیش آئے کہ حدث کیلئے بھی تیمم کیا پھر بعد از ہی اتنی مقدار پانی دستیاب ہو گیا جو صرف دو سے میں ایک کیلئے کافی ہے تو امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک تیمم برائے حدث ٹوٹ جائے گا لہذا غسل لمعہ کے بعد دوبارہ تیمم کرے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک تیمم نہیں ٹوٹتا۔

۳- تیسرا مسئلہ......اگر کسی کے پاس نجس کپڑا ہو اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے جسم کا (بوقت غسل) کوئی حصہ خشک رہ گیا ہو یا اس پر طہارت حکمیہ واجب تھی۔

خلاصہ کلام

ایک شخص کے بدن کا کوئی حصہ غسل کرتے وقت خشک رہ گیا یا اس کے ذمہ طہارت حکمیہ اگر ایسے آدمی کے پاس ناپاک کپڑا ہو تو وہ کیا کرے کیونکہ اسے کپڑا پاک کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے اور پانی دو کاموں میں سے صرف ایک کیلئے کافی ہے تو اب اس صورت میں وہ کون سا کام اختیار کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس پانی کیساتھ ناپاک کپڑا دھوئے ور حدث معنوی کیلئے تیمم کرے کیونکہ ثوب کی نجاست بغیر پانی زائل نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ نجاست حقیقیہ ہے جب کہ حدث کی نجاست زائل بالتیمم ہوگئی ہے لہذا یوں کرنے سے اس نے طہارت حقیقتاً اور حکمی دونوں کو حاصل کر لیا ورنہ مکمل طہارت نہ ہوتی۔

۴- چوتھا مسئلہ......آدمی تیمم کرکے باوضو لوگوں کی امامت کرا سکتا ہے اس میں ہمارے دو امام (امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف) متفق ہیں ہاں البتہ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں پس وہ اس صورت میں اختلاف رکھتے ہیں ان کی دلیل اور موقف یہ ہے کہ تیمم طہارت ضعیف ناقصہ ہے اور وضو طہارت قویہ ہے لہذا ابناء القوی علی الضعیف درست نہیں ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ عدم صورت یہ بالکل وضو کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دیا گیا ہے لہذا وضوء اور تیمم دونوں ایک نوع کی طہارت ہیں پس ان میں کوئی قول ضعیف نہیں بلکہ دونوں طہارت قویہ ہیں۔

۵- پانچواں مسئلہ......اسی سابق بنیاد پر وامامۃ القاعد للقائم ہے یہ بھی شیخین کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اور امام موصوف کی دلیل عدم جواز وہی اقوی اور ضعیف کی بنیاد ہے یعنی بناء الاقوی علی الضعیف میں بجائز ہے۔

امام اعظم اور ان کے شاگرد امام ابو یوسف کی دلیل قیاسی کے بجائے نقلی جیسے قول رسول اور عمل رسول ہے یعنی آخر صلوٰۃ صلاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلاتا قاعدا واصحابۃ خلفہ قائمین (بخاری وغیرہ)۔(اھ)

۶- چھٹا مسئلہ......جس شخص کا زخم رستا ہو اور اس سے مادہ بدبودار نکلتا ہو ہر صاحب عذر کا یہی حکم ہے جو آگے لگایا گیا ہے پس ایسا آدمی تندرست لوگوں کو امامت نہیں کرا سکتا (اور وجہ ظاہر ہے) یونہی امی یعنی وہ شخص جو اچھی طرح قدر جواز نماز کی قرات نہیں کر سکتا وہ قاری یعنی مابحسن القراءۃ کو نماز نہیں پڑھا سکتا یونہی برہنہ شخص صاحب لباس کی امامت نہیں کرا سکتا۔ اور اگر یہ لوگ معذور اور امی وغیرہ اپنے ہی جیسے لوگوں کو امامت کرائیں تو کچھ حرج نہیں کیونکہ سب میں بدرجہ مساوی عذر موجود ہے جس کی وجہ سے عجز حقیقی پایا

جاتا ہے جواز نماز ہتکلم کیلئے کافی ہے۔ پس امام اور مقتدی درجہ اور مال میں برابر اور مساوی ہیں۔

خلاصہ..... معذور کی امامت معذور کے حق میں جائز ہے اس میں کچھ قباحت نہیں۔

یہ ہیں کچھ متفق فقہی مسائل جو مصنفؒ نے اضافی معلومات کیلئے طرز اللباب ذکر فرمائے ہیں ورنہ آخری مسائل کا محل اس کے بجائے بحث الاقتداء ہے، لہٰذا تفصیل وہاں پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

پانی کی مختلف قسموں کے احکام

فصل فی المیاہ و یجوز الطہارۃ بماء مطلق طاهر کماء السماء و الاودیۃ و العیون و الأبار و البحار و تزول بہا النجاسۃ مطلقاً حکمیۃ کانت او حقیقیۃ و لا یجوز الطہارۃ الحکمیۃ بالماء المقید کماء الاشجار و الثمار و ماء البطیخ و ماء الباقلی و المرق وماء الزردج و ماء الزعفران و کذا لا تجوز بماء الورد و کذا الخل والعصیر و نحو ذلک و یجوز ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ عن الثوب و البدن بالماء المقید و بکل مائع طاهر یمکن ازالتہا بہ کاللبن والخل و العصیر و بما ذکرنا من الماء المقید فان غسل النجاسۃ بالعسل او بالسمن او بالدھن لا یزیلہا لانہا لا یعصر بالعصر و یجوز الطہارۃ بماء خالطہ شئ طاہر فغیّر احد اوصافہ کماء المدو الماء الذی اختلط بہ الاشنان او الصابون او الزعفران بشرط ان تکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء اذا لم یزل عنہ اسم الماء و ان یکون رقیقاً بعد فحکمہ حکم الماء المطلق

ترجمہ..... فصل پانیوں کے بیان میں — مطلق پاک پانی سے طہارت جائز ہے یعنی اس سے وضوء اور غسل کرسکتا ہے جیسے آسمان کا پانی، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور دریاؤں کا پانی۔ اس قسم کے پانیوں سے مطلقاً نجاست دور ہوسکتی ہے خواہ حکمی ہو یا حقیقی لیکن مقید پانی سے نجاست حکمی کا ازالہ نہیں ہوسکتا جیسے درختوں کا پانی پھلوں اور خربوزوں اور باقلا (یعنی لوبیا) کا پانی اور اسی طرح شوربہ اور زردج اور زعفران کا پانی اور یونہی عرق گلاب، سرکہ، اور شیرۂ انگور اور اس طرح کے دوسرے نچوڑ (پس ان سب سے نجاست حکمی کا ازالہ نہیں ہوسکتا)۔ البتہ کپڑے اور جسم سے نجاست حقیقی کا ازالہ جائز ہے، یہ ازالہ مقید پانی سے بھی ہوسکتا ہے اور ہر بہنے والی پاک چیز کے ساتھ بھی ازالہ ممکن ہے، جیسے دودھ، سرکہ، اور انگور کا نچوڑ اور وہ مقید پانی جس کا ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے۔

خلاصہ..... نجاست کی دو قسمیں ہیں، ایک نجاست حقیقی جیسے پیشاب، پاخانہ، بہتا ہوا خون، اور شراب وغیرہ دوسری نجاست حکمی جیسے جنابت اور حدث اصغر یعنی بے وضو ہونا نجاست حکمی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نجاست جس کو شرعاً نجاست

قرار دیا گیا ہے پس نجاست حقیقی ہے۔

مسئلہ......اگر کسی شخص نے شہد یا گھی یا روغن سے کسی نجاست کو دھویا تو ان چیزوں سے وہ دور نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ چیزیں نچوڑنے سے نچوڑی نہیں جاسکتیں۔ ازالہ پانی خواہ مطلق ہو یا مقید یا اسکے قائم مقام جو چیز وصف پانی سے موصوف ہو اس سے ہوسکتا ہے البتہ نجاست حکمی کا ازالہ صرف آب مطلق سے ہوگا لھذا اسکے علاوہ آب مقید سے نہیں ہوسکتا۔

کسی ایسے پانی سے طہارت جائز ہے کہ جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اگرچہ اس نے پانی کی تین صفتوں میں سے کسی ایک کو تبدیل کردیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں زعفران یا صابن یا اشنان مل گئی ہو بشرطیکہ اجزاء کے اعتبار سے پانی غالب ہو اور اس سے پانی کے نام کا ازالہ بھی نہ ہو اور وہ نرم بھی ہو تو پھر اس کا حکم پانی مطلق کے حکم جیسا ہے اس سے وضوء وغیرہ جائز ہے اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر جائز نہیں۔

چند لغات

۱- المیاہ — یہ ماء کی جمع ہے جس کے معنیٰ پانی ہیں، آئمہ لغت لکھتے ہیں کہ ماء کا ھمزہ دراصل حرف ''ھا'' ہے یہی وجہ ہے کہ جمع میں ھا کا اظہار ہوتا ہے۔

۲- ماء مطلق — مطلق پانی یہ عام خالص، صاف پانی کو آئمہ فقہ کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ جس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو اور بغیر کسی نسبت کے اسے پانی کہا جائے۔

۳- الاودیہ — یہ وادی کی جمع ہے۔

۴- العیون — یہ عین کی جمع ہے بمعنیٰ چشمہ۔

۵- الأبار — یہ بئر کی جمع ہے، بمعنیٰ کنواں۔

۶- البحار — بحر کی جمع بمعنی سمندر

۷- الماء المقید — وہ پانی جس کے ساتھ قید لگی ہوئی ہو جیسے ماء الاشجار درختوں کا پانی۔ اشجار شجر کی جمع ہے بمعنی درخت۔

۸-	الثمار	ثمرۃ کی جمع ہے بمعنی پھل	۹-	البطیخ	خربوزہ۔
۱۰-	ماء الورد	عرقِ گلاب	۱۱-	الخل	سرکہ
۱۲-	العصیر	انگور کا نچوڑ	۱۳-	مائع	بہنے والی نرم چیز
۱۴-	لبن	دودھ	۱۵-	عسل	شہد
۱۶-	السمن	گھی	۱۷-	دھن	تل
۱۸-	عصر	نچوڑنا	۱۹-	خالطۃ	اس میں مل گئی، خلط ملنا
۲۰-	غیّر	اس نے تبدل کردیا	۲۱-	المد	سیلاب

۲۲- الاشنان خوشبودار گھاس ۲۳- رقیق نرم، رقت کے معنی ہیں نرمی۔

تشریح

مصنفؒ اس فصل میں پانی یا اُس جیسی بہنے والی چیز کہ جس میں پانی کے اوصاف پائے جائیں اور اُس میں نجاستوں کو دور کرنے کا وصف موجود ہو یہاں اس قسم کے مسائل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں طہارت سے مراد وضو اور غسل اور گندی چیزوں کا ازالہ مراد ہے۔ مطلق پانی ائمہ فقہ کی اصطلاح میں وہ ہے جس کو عام لوگ بغیر کسی قید کے پانی کا نام دیں۔ وادیوں سے نہریں وغیرہ مراد ہیں۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں

نجاست حکمی ۲- اور نجاست حقیقی۔ نجاست حکمی وہ ہے کہ شریعت نے وضو اور غسل کے ذریعے نماز پڑھنے کے لئے اس کے ازالے کا حکم دیا ہے۔ نجاست حقیقی گندگی اور گندی اشیاء ہیں جو بظاہر دیکھنے میں یا معلومات کے طور پر گندی ہوں۔ اگر نجاست حکمی ہو تو اس کا ازالہ مقیّد پانی کے ساتھ نہیں ہو سکتا جس کی مثال میں مصنفؒ نے چند چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً:

درختوں اور پھلوں کا نچوڑ۔ خربوزے کے پانی کا جو حکم ہے وہی ککڑی وغیرہ کا ہے۔ انگور کا پانی، اس کے ساتھ وضو کرتے ہیں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز اور یہی احتیاط ہے زردج کا پانی جو سرخ رنگ کا پانی ہوتا ہے اگر گاڑھا ہو تو اس سے طہارت جائز نہیں ہاں اگر پتلا بہنے والا ہو تو اس سے طہارت جائز ہے۔ یہی حکم زعفران کے پانی کا ہے، عرق گلاب کی طرح جتنے بھی پھول یا کلیاں ہیں ان کے پانی کا بھی یہی حکم ہے کہ ان سے طہارت جائز نہیں اور سرکے اور انگور کے نچوڑ کی طرح باقی مشروبات کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر نجاست حقیقی ہو تو وہ ہر قسم کے بہنے والی نرمی رکھنے والی چیز کے ساتھ زائل ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ مقید پانی اور ہر مائع سے بھی اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ دودھ سے نجاست کا ازالہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے اور نچوڑنے سے وہ صحیح طرح نچڑ نہیں سکتی البتہ سرکہ اس معاملے میں سب سے اچھا ہے۔ اس باب میں کلیہ یہ ہے کہ اگر چیز نرم ہو بہنے والی ہو پاک ہو اور اگر نچوڑی جائے تو صحیح طرح نچوڑی جاسکے اس قسم کی چیز سے حقیقی نجاست کا ازالہ ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شہد گھی اور تیل وغیرہ اور جتنے شیرے ہیں یہ ازالہ نجاست کیلئے کافی نہیں۔ امام محمد اور امام زفر اور باقی تین اماموں کے نزدیک نجاست خواہ حقیقی ہو یا حکمی خالص پانی کے بغیر صاف نہیں ہو سکتی۔ پانی کے تین اوصاف ہیں (۱) رنگ۔ (۲) ذائقہ۔ (۳) بو۔ جیسے سیلاب کا پانی مٹی مل جانے کی وجہ سے اس کا رنگ بدل جاتا ہے اگر کوئی پاک چیز مثلاً صابن، زعفران وغیرہ اس میں مخلوط ہو جائیں تو اس کے ساتھ ازالہ نجاست کے لئے چند شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ پانی کے اجزاء زیادہ ہوں دوسری یہ کہ دیکھنے والا اسے پانی سمجھے تیسری یہ کہ اس میں رقت اور نرمی پائی جائے۔ اگر اسے بہایا جائے تو فوراً بہ جائے پس اگر یہ صفات پائی جائیں تو اس سے وضو وغیرہ جائز ہے۔ اس میں ایک دوسری شرط یہی ہے وہ یہ کہ اگر جامد چیز پانی میں مل جائے تو رقت دیکھی جائے گی پھر اسکے رنگ یا ذائقہ یا بو کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر تھوڑی سی زعفران بھی پانی میں ملا دی جائے تو وہ اسکی تینوں صفات کو تبدیل کر دیتی ہے مگر اسکے باوجود پانی نرم اور بہنے والا ہوتا ہے۔ لھذا جامد چیز کے مل جانے کی صورت میں پانی کے اوصاف ثلاثہ کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ اسکی رقت اور نرمی کا لحاظ رکھا جائے۔ اگر اس میں رقت اور نرمی موجود ہے تو وہ پانی کا کام دے گا اگر چہ دوسرے اوصاف بدل گئے ہوں ورنہ نہیں۔

کس پانی سے وضو کیا جا سکتا ہے اور کس سے نہیں

و ذکر فی اجناس الناطفی التوضی بماء السیل اذا لم یکن رقة الماء غالبة لا یجوز و ذکر فی الملتقط اذا لقی الزاج فی الماء حتی اسودّ الماء و لکن لم تذهب رقّته جاز الوضوء به و کذا العفص اذا طُرح فی الماء و کذا الحمّص و الباقلیّ اذا نقع فی الماء و ان تغیّر لونه و طعمه و ریحه و ذکر فی الجامع الصغیر و لو طبخ الحمّص او الباقلی ان کان الماء بحال لو برد لا یثخن و لا تزول عنه رقّة الماء جاز الوضوء به و الا فلا و ذکر فی المحیط لو توضأ بماء اُغلی باشنان او باس او بشیٔ مما یتعا لج الناس به جاز الوضوء به مالم یغلب علیه و لو بلّ الخبز فی الماء ان بقیت رقّته جاز و ان صار ثخیناً لا یجوز و فی شرح القدوری اذا اختلط شیٔ طاهرٌ بالماء و لم یزل اسم الماء عنه فهو طاهر و طهور تغیر لونه او لم یتغیر و لم یذکر خلافا و علی هذا اذا تغیر لون الماء و ریحه او طعمه بطول المکث او بوقوع الاوراق فیه یجوز الوضوء به الا اذا غلب علیه لون الاوراق فیصیر مقیدا و کذا اذا تیقن لطهوریته او غالب علی ظنه جازت به الطهارة حتی لو وجد ماءً قلیلاً و لم یتیقن بوقوع النجاسة فیه یتوضأ به و یغتسل و لا یتیمم

ترجمہ......اجناس ناطفی میں مذکور ہے کہ سیلاب کے پانی سے وضو کرنا اگر پانی کی نرمی غالب نہ ہو تو جائز نہیں۔ لیکن اگر مقدار پانی زیادہ ہو اور اسمیں بدستور رقت و سیلان موجود ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ ملتقط میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر ٹھیکری پانی میں ڈالی جائے کہ پانی کا رنگ سیاہ ہو جائے لیکن اسکی رقت (نرمی) بدستور باقی ہو تو اس سے وضو جائز ہے نیز جب مازو (العفص) پانی میں ڈالا جائے تو اسکا بھی یہی حکم ہے (یعنی مسئلہ سابقہ کیطرح ہے) یونہی جب چنے ور لوبیا (باقلا) پانی میں ڈالے جائیں اگر چہ اسکا رنگ یا ذائقہ یا بو بدل جائے تو بھی پانی کا یہی حکم ہے۔ جامع صغیر میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر چنے یا لوبیا (باقلا) پانی میں پکائے گئے اگر پانی کی یہ کیفیت ہو کہ ٹھنڈا ہونے سے سخت اور گاڑھا نہ ہو اور اسکی رقت اور سیلان وغیرہ بھی زائل نہوں تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں اور محیط (کتاب) میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے پانی سے وضو کرے کہ جس کو اشنان (خوشبودار گھاس یا اس سے مراد بیری لیتے ہیں) یا کوئی ایسی چیز پانی میں ملا کر جوش دیا گیا کہ جس کو عموماً لوگ استعمال کرتے ہیں تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اسپر کوئی دوسری چیز غالب نہ آجائے (ورنہ نہیں یعنی پانی مغلوب ہونیکی صورت میں اس سے جائز نہیں)۔

مسئلہ...... اگر روٹی پانی میں تر کی جائے (یعنی بھگوئی جائے) اور اسکے باوجود پانی نرم اور رقیق ہو تو وضو جائز ہے اور اگر پانی گاڑھا ہو جائے تو وضو ناجائز ہے اور تودری کی شرح میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی پاک چیز پانی میں گھل مل جائے اور پانی کا نام بدستور قائم رہے اس سے زائل نہ ہو تو وہ (طاہر) یعنی خود پاک ہے اور ''طہور'' یعنی دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے۔ خواہ اسکا رنگ تبدیل ہو یا نہ ہو اور اس میں کسی امام کا اختلاف مذکور نہیں (مفہوم یہ ہے کہ یہ متفقہ مسئلہ ہے) لہٰذا اسی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ کہیں زیادہ ٹھہرنے یا اوراق گرنے کی وجہ سے تبدیل ہو جائے (جیسا کہ عموماً جنگلی تالابوں میں کثرت اوراق کی وجہ سے ہو جاتا ہے) تو ایسے مخلوط اور ٹھہرے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے ہاں اگر اسپر پتوں کی رنگت غالب آجائے بایں وجہ آب مقید ہو جائے (تو پھر اس سے وضو جائز نہیں ہے) یونہی اگر پانی کے مطہر (پاک کرنیوالا) ہونیکا یقین یا غالب گمان ہو تو اس سے حصول طہارت جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر آب قلیل ہو اور اس میں نجاست گرنیکا یقین نہو (کیونکہ شک بے سود ہے) تو اس سے وضو اور غسل کر سکتا ہے اور تیمم نہ کرے (وجہ یہ ہے کہ پانی کی موجودگی میں تیمم کی کوئی گنجائش نہیں)۔

چندلغات

۱-	السیلان	سیلاب۔	۲-	زاج	پھٹکری۔
۳-	اسودّ	سیاہ ہونا، جسکا معنی ہے وہ سیاہ ہو گیا اسکا مصدر سوداء ہے۔	۴-	العفص	مازو۔
۵-	طُرِح	ڈالا گیا۔	۶-	الحمص	چنے۔
۷-	اشنان	تلخ قسم کی گھاس جسکے صابن بناتے ہیں۔	۸-	برد	سردی، ٹھنڈا ہو گیا، پس اسکا مصدر بردٌ ہے۔
۹-	لایثخن	سخت نہ ہو۔ ثخین سخت ہونا۔	۱۰-	آس	بیری کا درخت۔
۱۱-	یعالج الناس	لوگ اس سے علاج کرتے ہیں۔	۱۲-	بلَّ	اس نے تر کیا، اسکا مصدر ہے بلٌّ بمعنی تر کرنا۔
۱۳-	الخبز	روٹی۔	۱۴-	طھور	پاک کرنے والا۔
۱۵-	طول المکث	کسی چیز کا دیر تک ٹھہرنا۔	۱۶-	اوراق	ورق کی جمع ہے۔ درختوں کے پتے۔

تشریح

حسب سابق چند مسائل کا بیان:-

☆ پہلا مسئلہ...... اجناس ناطفی کے حوالے سے یہ ہے کہ اگر سیلاب کے پانی میں رقت اور نرمی نہ ہو تو اس سے وضو جائز نہیں۔

☆ دوسرا مسئلہ...... اگر پھٹکری پانی میں ملادی جائے اور وہ سیاہ ہو جائے لیکن اس کا سیلان باقی ہو تو اوصاف ثلاثہ کے تبدیل ہو جانے کے باوجود اس سے وضو جائز ہے۔ اگر مازو پانی میں ڈالا گیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے یونہی چنے اور لوبیا پانی میں بھگوئے جائیں اور

رقت بحال ہو تو وضو جائز ہے اگر چہ باقی صفات بدل جائیں، قاضی خان وغیرہ میں ہے، اگر چنے کی دال یا لوبیا کو پانی میں پکایا گیا اگر ٹھنڈا ہونے پر سخت نہ ہوا اور اس کی نرمی بدستور ہے تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں محیط میں مذکور ہے اگر کسی پاک چیز کو پانی میں ابالا گیا مثلاً اشنان یا بیری کے پتے یا کوئی ایسی چیز جس کو لوگ بطور دوا استعمال کرتے ہیں تو جب تک وہ چیز پانی پر غالب نہ ہو اور اس میں وصف سیلان باقی ہو تو اس سے وضو جائز ہے، اور اگر یہ وصف باقی نہ ہو تو وضو جائز نہیں۔

☆ تیسرا مسئلہ...... اگر کسی نے روٹی پانی میں بھگوئی اور پانی اپنے سابق حال پر گاڑھا اور سخت نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں۔

☆ چوتھا مسئلہ...... قدوری کی شرح جو ابونصر اقطع نے لکھی اس میں ہے کہ اگر کوئی پاک چیز پانی میں مل جائے لیکن پانی کا نام بدستور قائم رہے یعنی لوگوں میں اسکا کوئی دوسرا نام مشہور نہ ہوا گر چہ اس کے باقی صفات تبدیل ہوں یا نہ ہوں وہ طاہر اور مطہر ہے، یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ اسی کی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر پانی کہیں زیادہ دیر ٹھہرا رہے یا اس میں درختوں کے پتے گر جائیں اور اس سے اس کی تین صفات میں فرق آ جائے تو باوجود اس تبدیلی کے اس سے وضو جائز ہے۔ کیونکہ اس میں رقت بدستور موجود ہے لیکن اگر اس پر پتوں کا غلبہ ہو جائے اور پانی آب مقید کہلانے لگے تو پھر وضو جائز نہیں۔ مصنف کا یہی خیال ہے لیکن النہایہ میں زیادہ صحیح قول وضو کے جائز ہونے کا نقل کیا گیا ہے۔ اور آخری مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ یقین یا غالب گمان ہو کہ پانی پاک کرنے کا وصف رکھتا ہے تو اس سے طہارت جائز ہے یہی وجہ ہے اگر تھوڑا سا پانی بھی پایا جائے اور اس میں نجاست گرنے کا یقین نہ ہو تو اس سے وضو یا غسل کرے اور اس صورت میں تیمم نہ کرے، کیونکہ اصل کی موجودگی میں خلف کی طرف جانے کی ضرورت نہیں، اسکی وجہ ظاہر ہے کہ بنیادی طور پر پانی پاک اور دوسری آلودہ چیزوں کو پاک کرنیوالا ہے لہٰذا اسکی موجودگی میں تیمم کرنا بے اصل اور غیر مفید ہے۔

پانی سے متعلق دیگر مسائل

و كذا اذا دخل الحمام و في حوض الحمام ماء قليل و لم يتيقن بوقوع النجاسة يتوضأ به و يغتسل و لا ينتظر الى الماء الجاري و كذا اذا لقى في الماء الجاري شئ نجس كالجيفة و الخمر لا يتنجس مالم يتغير لونه او ريحه او طعمه و عن محمد انه اذا صُبَّ حبٌّ عن الخمر في الفرات و رجل اسفل منه يتوضأ جاز اذا لم يتغير احد اوصافه و كذا اذا جلس الناس صفوفاً على شط نهر يتوضؤن جاز و هو الصحيح و ذكر الناطفي ساقيةٌ صغيرة فيها كلب ميت قد سد عرضها فجرى الماء عليه لا باس بالوضوء اسفل منه اذا لم يتغير احد اوصافه و هو مروى عن ابى يوسف رحمه الله و عند هما لا يجوز و عن الفقيه ابى جعفر رحمه الله اذا كان الماء فوق الجيفة مقدار ذراع جاز و ذكر في النوازل انه ان كان الماء الذى يلاقى الجيفة دون الماء الذى لا يلاقى الجيفة جاز و الا فلا و على هذا ماء المطر اذا جرى في ميزاب السطح و كان على السطح عذرات

فالماء طاهر اما اذا كانت العذرة عند الميزاب او كان الماء كله او نصفه او اكثره يلاقي العذرة فهو نجس و الا فهو طاهر

ترجمہ......اور اسی طرح جب کوئی شخص حمام میں گیا اور حمام کے تالاب میں تھوڑا سا پانی ہو اور اس میں نجاست گرنے کا یقین نہ ہو تو اس سے وضو اور غسل کرے اور جاری پانی کا انتظار نہ کرے یونہی جب بہتے پانی میں کوئی ناپاک چیز ڈالی جائے جیسے مردار اور شراب تو جب تک اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ نہ بدلے وہ ناپاک نہ ہوگا۔امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جب شراب کا مٹکا دریائے فرات میں ڈالا جائے اور ایک آدمی اس سے نیچے وضو کر رہا ہے تو اس کا وضو جائز ہے بشرطیکہ پانی کے اوصاف میں تبدیلی واقع نہ ہو اور اسی طرح جب لوگ قطار کی صورت میں کسی جاری نہر کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کریں تو ان کا وضو صحیح قول کے مطابق جائز ہے۔امام ناطفی نے بیان کیا ہے کہ اگر چھوٹی نہر میں کتا مر گیا ہو کہ اس نے اس کی چوڑائی کو روک دیا تو پھر اس کے اوپر سے پانی ہو کر گزرے تو اس کے نیچے سے وضو کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ بشرطیکہ پانی کے تین اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے۔امام ابو یوسفؒ سے یہی مروی ہے،لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔امام ابو جعفرؒ سے روایت ہے کہ جب پانی ایک ہاتھ کی مقدار مردار کے اوپر سے گزرے تو وضو جائز ہے اور النوازل میں بیان کیا گیا ہے کہ (اس میں صوابدید یہ ہے) کہ جو پانی مردار سے ٹکرا کر گزرتا ہے وہ اس سے کم ہو جو مردار سے ملاقی نہیں (یعنی جب غیر متصل پانی کا غلبہ ہو تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں) اور اسی پر اس مسئلے کی بنیاد ہے کہ بارش کا پانی جب چھت سے پرنالے میں سے ہو کر گزرے اور چھت پر گندگی موجود ہو تو پانی پاک ہے۔ہاں اگر گندگی پرنالے کے متصل ہو یا سارا پانی یا آدھا حصہ پانی یا زیادہ تر پانی گندگی کو چھو کر گزرے تو پھر ناپاک ہے ورنہ پاک ہے۔

چند لغات

۱-	القی	ڈالا گیا۔	۲-	الجيفة	مردار۔
۳-	الخمر	شراب۔	۴-	جُبٌّ	مٹکا۔
۵-	اسفل	زیادہ نیچے۔	۶-	صفوف	صف کی جمع ہے،بمعنیٰ قطار۔
۷-	شطٌّ	کنارہ۔	۸-	ساقية صغيرة	چھوٹی نہر۔
۹-	قد سدّ	بے شک روکا گیا۔	۱۰-	عرض	چوڑائی۔
۱۱-	فوق	اوپر۔	۱۲-	مقدار ذراع	گز یا ہاتھ کی مقدار۔
۱۳-	يلقى	ملاقات کرتا ہے۔	۱۴-	الميزاب	پرنالہ۔
۱۵-	السقف	چھت۔	۱۶-	عذرات	ذال کے زیر سے عذرۃ کی جمع ہے بمعنیٰ پلیدی۔

۱۷- نجس ناپاک۔

تشریح

اس عبارت میں بھی چند مسائل کا ذکر ہے مثلاً:-

☆ پہلا مسئلہ......اگر حمام کے تالاب میں تھوڑا سا پانی ہو اور اسکے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے کیونکہ نجاست کے وہم پر پاک پانی کو چھوڑنا جائز نہیں۔

☆ دوسرا مسئلہ...... بہتے پانی میں اگر کوئی ناپاک چیز ڈالی گئی اور آب جاری کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جو تنکے بہا کر لے جائے تو جاری پانی جب تک اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے ناپاک نہ ہوگا کیونکہ وہ ایک جگہ ٹھہرتا نہیں۔

☆ تیسرا مسئلہ......امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ جب شراب کا مٹکا دریائے فرات میں انڈیلا جائے اور ایک آدمی اس کے نیچے وضو کر رہا ہو تو اس کا وضو ٹھیک ہے۔ یہی حکم ہے کسی نہر کے کنارے چند افراد بیٹھ کر وضو کریں تو بلاشبہ ان کا وضو جائز ہے لیکن بعض نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔

☆ چوتھا مسئلہ......اگر کسی چھوٹی نہر میں کتا ایسے انداز سے گر گیا کہ نہر کی چوڑائی کو اس نے روک دیا پھر اس صورت میں بھی اگر کوئی نیچے وضو کر رہا ہے تو اس کے وضو میں کوئی حرج نہیں ہوگا بشرطیکہ پانی کے اوصاف میں تغیر نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ سے یہی مروی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ پانی میں اصل طہارت ہے لھذا جب تک اس کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو وہ شک سے ناپاک نہیں ہوتا۔

☆ پانچواں مسئلہ......جو کہ پچھلے ہی مسئلے کی وضاحت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت میں پانی دو حصوں میں تقسیم ہوگا ایک حصہ مردار کتے سے ملاقی ہوگا جب کہ دوسرا حصہ غیر ملاقی ہوگا اب یہ دیکھا جائیگا کہ کونسا حصہ زیادہ اور غالب ہے پس اس کے مطابق جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کیا جائیگا۔ بعض فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کتا پانی میں اس طرح ڈوب جائے وہ نظر نہ آئے تو وضو جائز ہے اور اگر نظر آئے تو پھر جائز نہیں۔ امام شہوانی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ آخری مسئلہ: جو اسی مسئلہ پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مکان کی چھت پر نجاست پڑی ہو اور زیادہ تر پانی اسے چھو کر نہ گزرے اور پرنالے کے پاس گندگی نہ ہو تو پانی پاک ہے بشرطیکہ نجاست کے آثار ظاہر نہ ہوں اور تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ گندگی پرنالے کے متصل ہو یا پانی کا زیادہ تر حصہ اس سے ملاقی ہو کر گزرے تو پھر نالے کا پانی جو نیچے گرتا ہے ناپاک ہے مصنف کے کلام کا مختصر حاصل یہی ہے۔

و ان سال المطر من السقف او من ثقب البيت ان كان المطر دائما لم ينقطع بعد فهو طاهر و ان انقطع المطر و سال من الثقب ان كان على جميع السطح او على اكثر نجاسة فهو نجس و ان كان الماء الجارى يجرى ضعيفا ينبغى ان يتوضأ على الوقار حتى يمر عنه الماء المستعمل قا ل بعضهم يجعل يمينه الىٰ اعلى الماء يعنى مورد الماء و اذا سد الماء من فوق و بقى جريه كما كان يجوز التوضئ به اما الحد فى

جریان الماء ان ذھب بہ تبن او ورق فھو جارٍ و قال بعضھم ان رفع ینحسر ما تحتہ و ینقطع الجریان فلیس بجار و ان کان بخلافہ فھو جار و فی المنتقیٰ اذا کان بطن النھر نجساء جری الماء علیہ ان کان الماء کثیرا بحیث لا یری لم اتحتہ لا یتنجس و ان کان جمیع البطن نجساً و لو کان فی النھر ماء راکد فتنجس و نزل من اعلاہ ماء طاھر فاجراہ و سیّلہ فانہ یطھر و لو توضأ منہ جاز اذا لم یر لھا

ترجمہ......اگر گھر کی چھت یا گھر کے سوراخ سے بارش ٹپکے اور اسکی نوعیت یہ ہے کہ وہ مسلسل اور لگاتار برس رہی ہے کہ بند نہیں ہوتی (تو جو قطرات نیچے آرہے ہیں) وہ پاک ہیں، اور اگر بارش بند ہو جائے پھر گھر کے سوراخ سے پانی ٹپکے تو اگر پوری چھت یا اسکے زیادہ تر حصہ پر گندگی (نجاست) ہو تو پانی ناپاک ہوگا اور اگر پانی کی رفتار کمزور ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ آرام (وقار) سے وضو کرے تاکہ مستعمل پانی (اسکے پاس سے) گزر جائے اور بعض نے کہا کہ (اس موقع پر) اپنا منہ اپنی دائیں طرف کو پانی کے اوپر والی سطح کے طرف کرے یعنی جہاں سے پانی آتا ہے اس طرف نہ کرے اور اگر اوپر سے پانی بند ہو جائے اور اسکے باوجود چلتا رہے تو وہ آب جاری ہے۔ لھذا اس سے وضو کرنا جائز ہے اور آب جاری کی تعریف اور حد یہ ہے کہ جو تنکوں اور پتوں کو بہا کر لے جائے، تو آب جاری ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر آب جاری سے پانی اٹھایا جائے تو اسکا نچلا حصہ کھل جائے (نیچے سے زمین نظر آنے لگے) اور اس کا بہاؤ بند ہو جائے تو وہ جاری نہیں اور اگر یہ حالت نہ ہو تو وہ جاری ہے۔ اور المنتقیٰ (کتاب کا نام) میں ہے اگر کچھ حصہ اندرون نہر (بعض بطن النھر) ناپاک ہو اور اسکے اوپر پانی بہتا ہوا گر پانی زیادہ ہو کہ نچلا حصہ نہ دکھائی دے پانی تو ناپاک نہ ہوگا۔ اگرچہ تمام اندرون نہر ناپاک ہو۔

اگر نہر کا پانی ٹھہرا ہوا ہو اور وہ ناپاک ہو جائے پھر اسکے اوپر سے پاک پانی آئے اور اسے چلا کر جاری کر دے تو وہ پاک ہو جائیگا پھر اگر اس سے وضو کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست کے اثرات نہ دکھائی دیں۔

اللغات الواردۃ

۱- **ثقب** حرف اول پر زبر ہے، سوراخ اگر پہلے حرف پر پیش ہو یا دونوں پر پیش ہو یعنی ثقب بہت سے سوراخ پس اسکا واحد ثقبۃ ہے۔ (رشیدی)

۲- **دائم** ہمیشہ۔

۳- **یجری** چلتا ہے، جریان، چلنا۔

۴- **الوقار** آرام، اطمینان۔

۵- **یمُرُّ** گزرتا ہے، مرور، گزرنا۔

۶- **اعلیٰ الماء** پانی کی اوپر کی سطح۔

۷- **مورد الماء** پانی کے آنیوالی جہت۔

۸- **سدَّ** روکا گیا، سد، روکنا۔

۹- **جری** رفتار، چلنا۔

۱۰- تبن حرف اول پر زبر یا زیر ہے بمعنیٰ گھاس۔ ۱۱- ورق اسکی جمع اوراق بمعنیٰ درختوں کے پتے۔
۱۲- ینحسر ای ینکشف کھل جائے، انحسار، کھل جانا اور ننگا ہو جانا۔
۱۳- راکد ٹھہرا ہوا۔ (رشیدی)۔ ۱۴- اجراہ اس نے جاری کر دیا۔
۱۵- سیّرہ اس نے چلا دیا۔ ۱۶- اثر اسکی جمع آثار ہے بمعنیٰ نشانی وعلامت۔

تشریح الکلام

مصنف علیہ الرحمۃ چند فقہی مسائل، فصل کی مناسبت سے بیان فرماتے ہیں:-

۱) اگر چھت یا مکان کے کسی سوراخ سے بارش کے قطرات نیچے آئیں تو اسکا شرعی حکم کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے عموماً فقہی مزاج رکھنے والوں کے اذہان میں اس موقع پر پیدا ہوتا ہے لھٰذا اسکا حل ضروری ہے کہ کیا شرعاً یہ قطرات باراں پاک ہیں یا نہیں؟ (فرماتے ہیں) اگر بارش مسلسل اور لگاتار برس رہی ہو اور بالکل بند نہ ہو تو اس دوران جو قطرات نیچے آئیں وہ پاک ہیں خواہ نجاست چھت کے اکثر حصے پر پھیلی ہوئی ہو یا نہ ہو۔ یعنی دونوں صورتیں برابر ہیں کیونکہ اسکا اختلاط نجاست سے نہیں ہوا تا کہ وہ ناپاک ہوں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ چھت پر پہنچنے سے پہلے نیچے گر گئے ہوں (دوسری شق) بارش بند ہوگئی پھر مکان کے کسی سوراخ سے قطرات آئے اگر پورا یا نصف یا اکثر حصہ چھت پر نجاست موجود ہو تو وہ نیچے آنیوالے قطرات ناپاک ہیں کیونکہ اب انکا نیچے آنا چھت پر پہنچنے کے بعد ہے اور چھت کا غالب حصہ نجس ہے، اور نصف حصہ احتیاطاً اکثر کا حکم رکھتا ہے لہٰذا نجاست کا حکم دیا جائے گا۔

۲) اگر آب جاری کی رفتار ضعیف اور کمزور ہو تو وضو کرنے والا ٹھہر ٹھہر کر سکون اور وقار سے وضو کرے تا کہ آب مستعمل سے بچ جائے، بعض نے یہ بھی تجویز پیش کی ہے کہ جہاں سے پانی آتا ہے وہ اوپر کر کے وہاں سے اٹھائے تا کہ مستعمل پانی کے گرنے سے اوپر ہو جائے۔

۳) اگر جاری پانی اوپر سے بند ہو جائے جبکہ نیچے سے بدستور بہہ رہا ہو تو وہ جاری ہی شمار ہوگا پس اس سے وضو وغیرہ جائز ہے۔

آب جاری کی تعریف

۱: جو گھاس اور پتے وغیرہ بہا کر لے جائے۔
۲: جس کو لوگ آب جاری کہیں اور سمجھیں۔
۳: اگر پانی لینے سے اسکا نچلا حصہ برہنہ اور رفتار ختم ہو جائے تو جاری نہیں ورنہ آب جاری ہے، قال فی الصغیری الاول اشھر وثانی اظھر (صغیری۔ صفحہ ۵۲)۔

۴) المنتقی کے حولہ سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر نہر کا پیٹ ناپاک ہو جبکہ اسکے اوپر پانی گزر رہا ہے اگر پانی زیادہ ہو کہ اسکا نچلا حصہ نہ نظر آئے تو پانی نجس نہ ہوگا یعنی پاک ہے۔ اگر چہ اسکا تمام پیٹ میں بھی نجس کیوں نہ ہو۔ یہ تو اسوقت ہے جبکہ پانی زیادہ ہو پس اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر پانی تھوڑا ہو کہ اسکا اسفل دکھائی دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، قال الصغیری والکلام فیہ کالکلام فی المرور علی الجیفۃ (صفحہ ۵۲)۔

۵) اگر نہر کا کھڑا پانی ناپاک ہو جائے، پھر نہر کے اوپر سے پاک پانی کثیر مقدار میں آ جائے پس وہی پاک پانی اس ٹھہرے ہوئے پانی کو رواں دواں کر دے تو غلبہ آب طاہر کیوجہ سے پانی پاک ہو جائیگا۔لھذا اگر اس سے وضو کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اسکے اوصاف ثلاثہ میں تغیر اور تبدیلی نہ آئے اور نہ کوئی اس نوع کا اثر دکھائی دے لھذا یہ آب جاری تصور ہوگا۔

(یہ ہے مصنف علیہ الرحمۃ کے کلام کا مختصر اور جامع مفہوم)

تالابوں کا بیان

فصل فی الحیاض اما الحوض اذا کان عشرا فی عشر فهو کبیر لا یتنجس بوقوع النجاسة اذا لم یرلها اثر اذا کانت النجاسة مرئیة و بعضهم قالوا یتنجس ما حول النجاسة مقدار حوض صغیر و بعض مشائخ بخارا جعلوه کالماء الجاری و توسعوا فیه لعموم البلوی و یتنی علی هذا اذا غسل وجهه فی حوض کبیر فشط من غسالته فی الماء فرفع الماء من موضع الوقوع قبلِ التحریک قالوا علی قول ابی یوسف لا یجوز لان عنده التحریک شرط و مشائخ بخارا قالوا یجوز لعموم البلویٰ و علی هذا ما اذا کان الرجال صفوفا یتوضؤن من حوض کبیر جاز و فی اجناس الناطفی ان من اغتسل فی حوض کبیر فللاٰخران یتوضأ فی ذلک المکان و لیس لرجل ان یتوضأاو یغتسل فی الحوض الکبیر بناحیة الجیفة و الاصل فیه ان کانت مرئیة لا یجوز ان یتوضأ و ان لم تکن مرئیة جاز مطلقا و عن الفقیه ابی جعفر رحمه الله لو توضأ فی اجمة القصب فان کان الماء بحال لا یخلص بعضه الی بعض لم یجز وضوؤه و ان خلص بعضه الیٰ بعض جاز و اتصال القصب بالقصب لا یمنع اتصال الماء بالماء و کذا لو توضأ فی ماء فیه زرع و کذا لو توضأ فی غدیر و علی جمیع وجه الماء جغزوارةٌفقدقیل ان کان بحال یتحرک بتحرک الماء یجوز

ترجمہ...... جب تالاب دس ضرب دس ہو (کپڑے کے گز کے حساب سے) تو وہ بڑا تالاب ہے لہٰذا وہ نجاست (گندگی) کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ اسکے پانی میں نجاست کا کوئی اثر دکھائی نہ دے، نجاست خواہ نظر آتی ہو (یا نہ آتی ہو)۔بعض اہل علم نے فرمایا، چھوٹے حوض کی مقدار نجاست کا آس پاس ہوگا، لیکن بعض مشائخ بخارا نے ایسے حوض کو (جو دس ضرب دس ہو) آب جاری کی طرح قرار دیا ہے اور اس باب میں ابتلائے عام کی وجہ سے کشادگی اور

وسعت برتی ہے۔لھٰذا اس پر متعدد مسائل کی بنیاد رکھی گئی ہے، مثلاً:

(۱)......جب کوئی شخص اپنا منہ اور دونوں ہاتھ بڑے تالاب میں دھوئے اور اسکا دھوون (غسالہ) پانی میں گرے، پھر تالاب کو حرکت دینے سے پہلے اسی پہلی دھوون گرنیوالی جگہ سے دوبارہ پانی اٹھائے تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ائمہ فقہ کہتے ہیں ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ انکے نزدیک ایسے موقع پر تالاب کو حرکت دینا اور ہلانا شرط ہے (تاکہ مستعمل پانی اس حرکت کے ادھر ادھر پھیل جائے) مگر مشائخ بخارا کہتے ہیں کہ وضو جائز ہے کیونکہ اس میں عموم بلویٰ ہے (یعنی لوگ اکثر و بیشتر اس میں مبتلا ہوتے ہیں اور اجتناب مشکل ہے لھٰذا اس مجبوری کیوجہ سے ایسا کرنا جائز ہے)۔

(۲)......اس بناء پر اگر عام لوگ بصورت قطار ایسے بڑے تالابوں سے (بحالت اجماع) وضو کریں تو جائز ہے۔اجناس ناطقی میں ہے کہ اگر کسی شخص نے بڑے تالاب سے وضو کیا تو دوسرا شخص بھی اسی جگہ سے وضو کر سکتا ہے۔ہاں البتہ کسی آدمی کے لئے روا نہیں کہ کسی تالاب سے وضو یا غسل کرے جبکہ اسکی جانب اور پہلو میں مردار پڑا ہو۔اور اس میں قعدہ یہ ہے کہ اگر نجاست نظر آرہی ہو تو وضو کرنا جائز نہیں اور اگر نجاست نظر نہ آئے تو علی الاطلاق (یعنی بغیر کسی قید اور شرط کے) جائز ہے فقیہ ابی جعفر سے روایت ہے، اگر کسی شخص نے بانسوں کے گنجان جنگل سے وضو کیا، اگر پانی کی یہ حالت ہو کہ ایک دوسرے تک پہنچتا ہو تو جائز نہیں اور اگر ایک دوسرے تک پہنچتا ہو تو وضو جائز ہے۔اور بانسوں کا ایک دوسرے کے اتصال (اور ملاقی ہونا) پانی کے باہم اتصال کو نہیں روکتا، یونہی کسی ایسے پانی سے وضو کیا کہ جس میں کھیتی موجود نہ ہو اور اسی طرح اگر کسی ایسے تالاب سے وضو کیا کہ جس کے سارے پر سبز کائی اگی ہوئی ہو تو ایسی صورت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر اسکی حالت یہ ہو کہ پانی کی حرکت سے وہ حرکت میں آئے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر پانی کی حرکت سے وہ حرکت نہ کرے تو پھر وضو جائز نہیں۔

اللغات

۱- الحیاض — یہ حوض کی جمع ہے بمعنیٰ تالاب (جو زمین میں گڑھا کر کے پانی جمع کرنے کیلئے بنایا جاتا ہے) اسے تالاب کہتے ہیں۔(اسٹور واٹر)

۲- عشر فی عشر — یعنی دس ضرب دس یعنی سو مربع گز۔

۳- ذراع — ہاتھ یا گز، یہ چوبیس انگلی کا ہوتا ہے۔

۴- کرباس — اسکوسوتی کپڑا (ثیاب القطن)(شامی)

۵- مرئیہ غیر مرئیہ — یعنی جو چیز دکھائی دے وہ مرئیہ اور جو نہ دکھائی نہ دے وہ غیر مرئیہ کہلاتی ہے۔

۶- حول — آس پاس (چاروں طرف)

۷- توسعوا — مشائخ نے کشادگی کی، وسعت، کشادگی، توسع، کشادگی کرنا۔

۸- عموم بلویٰ — وہ کام جس میں کوئی عام طور پر مبتلا ہوں اور پھنس جائیں۔

۹- غسالۃ — دھوون، وہ پانی جو ہاتھ، منہ دھونے سے جدا ہو کر نیچے گر جائے۔

۱۰- ناحية	کنارہ، جانب دو طرف وغیرہ	۱۱- الجيفة	مردار۔
۱۲- اجمة	گنجان، جنگلی کہ اس کے درخت باہم الجھے ہوتے ہیں۔	۱۳- قصب	بانس، کانے وغیرہ۔
۱۴- لا يخلص	نہ پہنچے۔	۱۵- اتصال	ضد انفصال ہے، ملنا، متصل ملی ہوئی چیز جبکہ منفصل، الگ اور جدا چیز انفصال، جدا ہونا
۱۶- زرع	کھیتی	۱۷- غدير	تالاب
۱۸- جعزوارة	سبز کائی جو عموماً ٹھہرے ہوئے پانی پر اگ آتی ہے۔	۱۹- يتحرك	وہ حرکت کرتا ہے۔ تحریک کسی چیز کو حرکت دینا اور ہلانا تا کہ وہ حرکت میں آئے۔

تشریح کلام المصنف

مصنف علیہ الرحمۃ اس فصل میں چھوٹے اور بڑے تالاب اور ان میں پاک و ناپاک پانی اور اس کی شرعی اصول و قواعد کے مطابق تفصیل پیش کرتے ہیں تا کہ مکلف حضرات کے لئے آسانی ہو جائے احناف کے نزدیک ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ ٹھہرا ہوا پانی اگر دس نرب دس نہ ہو تو وہ وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اگر چہ نجاست کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔ لیکن دوسرے آئمہ ثلاثہ (امام مالک، مام شافعی اور امام احمد) کا اس نظریہ سے اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں: پانی خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ س کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو اور ذائقہ) میں تبدیلی نہ واقع ہو۔

و استدل بقوله عليه السلام : الماء لا ينجسه شئ الا ما غير لونه او طعمه او ريحه الخ. اقول ما رواه مالك ورد في بئر بضاعة قيل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ا نتوضأ من بئر بضاعة و هي بئر يلقى فيها الحيض و لحوم الكلاب فقال صلى الله عليه وسلم الماء طهور لا ينجسه شئ . نعلم ان المراد مورد النص و هو بئر بضاعة خاصة بناءً على ان ماء ها لم تيغير بما يطرح فيه لكثرته اخزارته و كونه جارياً الىٰ البساتين .

اقول...... فيه نظر لان القاعدة عند الآئمة المعتبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب فكيف يجاب هٰهنا بما يخالف الاصول . الا ترى ان الفاظ الحديث عام (الماء طهور) و ان ورد في سبب خاص فههُنَا كيف يعتبر خصوص السبب–

اقول...... لا نسلم عموم الالفاظ كما هو الظاهر بل فيه " الماء طهور" و هو في مرتبة الاهمال و القضية المهملة في حكم الجزئية او حرف التعريف في الماء للعهد فلا عموم له بل المراد منه بعض الماء و هو ماء بئر بضاعة فثبت المراد و تم الاستدلال . و قال الشافعي اذا كان الماء قُلتين لم يحمل خبثاً. قلنا ما رواه الشافعي ضعّفه ابو دائود او المعني لا يحتمل النجس فيتنجس فانه يضعّف عن احتمال النجس فلا يصح التمسك به و لنا قوله صلى الله عليه وسلم لا يبولن احدكم في الماء الدائم ولا يغتسلن فيه من الجنابة و لا فصل فيه بين دائم و دائم فهو على العموم ما لم يصرفي حكم الماء الجارى. و هو حجة على الفريقين – (کبیری شرح منیۃ المصلی)

قوله- الحوض اذا كان عشرا فی عشر ...... **اقول** یعنی جب کوئی حوض (تالاب) دس ضرب دس ہو۔ مراد یہ اگر اس کا طول اور عرض دس گز (کپڑے کے گز کے لحاظ سے ہو) تو پانی کی سطح سو گز ہوگی۔ اگر تالاب بشکل مربع ہو تو اس کی چار طرفیں چالیس گز ہونگی۔ اور اگر گول ہو (مدوّر) تو زیادہ صحیح قول کے مطابق اس کی چاروں طرفیں ۳۶ گز ہونگی۔

قال فی الكبيری و الاكثرون اعتبروا جوانبه ثمانية و اربعون و قال الشيخ كمال الدين بن الهمام و المختار ستة و اربعون و فی الملتقط ستة و ثلاثون (اقول عليه الاعتماد و التعويل لكثرة القائلين)

رہا اس کی گہرائی (عمق) کا معاملہ تو اس میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ (۱) چلو بھر سے اس کی زمین ننگی نہ ہو۔ (۲) چلو بھرنے وا کا ہاتھ زمین تک نہ پہنچے۔ (۳) کشادہ چار انگلیوں کی مقدار ہو۔ اور ''ذراع'' سے سوتی کپڑے کا گز مراد ہے۔ اور وہ صرف سا قبضات ہے یا آخری قبضہ میں انگلیاں کھڑی ہوں۔ (۴) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس باب میں ہر زمانے اور ہر جگہ کے گز کا اعتبار (لہذا ک حتمی فیصلہ معتبر نہیں)

قال فی الكبيری ان المقصود من هذا التقدير حصول غلبة الظن بعدم خلوص النجاسة و الحاق ما هو بهذا القدر بالماء الجاری و نحوه و هذا امر لا يختلف باختلاف الازمنة و الامكنة . اعلم ان الحد الفاصل بين القليل و الكثير التحقيق انه مفوض الیٰ رأی المبتلی غير مقدور شئ ان غلبة علی ظنه وصول النجاسة الیٰ الجانب الآخر لا يجوز الوضوء و الا جاز و هو الاصح عند جماعة منهم الكرخی و هو الاليق باصل الامام من عدم الحكم بتقدير فيما لم يرد فيه تقدير شرعی و التفويض الیٰ الرأی المبتلی و قال شمس الآئمة و هو الاصح - (صغيری بحث هذا)

قوله اذا كانت النجاسة مرئية ...... یہاں متن کے نسخہ میں یہی عبارت ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں لہذا صحیح عبارت یوں ہے اذا کانت النجاسۃ غیر مرئیۃ یعنی جب نجاست نہ دکھائی دے، گویا یہاں ''غیر مرئیۃ'' سے لفظ ''غیر'' کاتبوں کی غلطی اور بے احتیاطی سے ر گیا اور بعد والے لکیر کے فقیر آنکھیں بند کر کے بے سوچے سمجھے اسے جوں کا توں نقل کرتے چلے گئے لہذا با گوش ہوش سنکر اس کی تصحیح کر لیں۔ (کبیری)

قوله قالوا يتنجس فی غير مرئية ...... یعنی مشائخ عراق فرماتے ہیں نجاست خواہ مرئی ہو یا غیر مرئی (اگر بڑے حوض میں گر جائے) تو چھوٹے حوض (جو پانچ ضرب پانچ ہو یا اس سے بھی کم ہو) کی مقدار میں نجاست کا آس پاس نجس ہو جائے گا۔ یہاں نجاست مرئی اور غیر مرئی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اس فرق کا مدار صرف رنگ ہے اور نجاست صرف رنگ کا نام نہیں۔

قوله بعض مشائخ ...... مفہوم یہ ہے کہ اس باب میں مشائخ بخاری لوگوں کے عام ابتلا کیوجہ سے توسیع سے کام لیتے ہوئے اس کو آب جاری قرار دیتے ہیں۔ اور نجاست مرئی اور غیر مرئی میں تفریق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نجاست مرئی کا بقاء یقینی ہے۔ جبکہ غیر مرئی محتمل انتقال ہے۔ (یعنی کہیں اِدھر اُدھر پھیل کر کالعدم ہوگئی ہو) لہذا پانی کے نجس غیر نجس ہونے میں شک پیدا ہوگیا جبکہ اس میں اصل طہارت ہے لہذا وہ وقوع شک سے (زائل نہیں کیونکہ الیقین لا یزول بالشک کما ہو القاعدۃ المسلمۃ المشہور عند اہل الاصول)

قوله يبتنی علی هذا ...... یعنی اگر بڑے تالاب میں نجاست گر جائے تو اس کی تاثیر اور عدم تاثیر پر متعدد مسائل مبنی ہیں:

۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دس ضربِ دس والے حوض سے اپنے منہ اور ہاتھ دھوئے اور اس کا غسالہ (دھوون) پانی

میں گر گیا۔ پھر تحریک الماء پہلے اسی نے دوبارہ اسی جگہ پانی اٹھایا، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب امام ابو یوسف کے قول کے مطابق یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک "تحریک آب" شرط ہے۔ (تا کہ آب مستعمل بوجہ حرکت اِدھر اُدھر پھیل کر مغلوب اور کالعدم ہو جائے۔) لیکن مشائخ بخاری کا فیصلہ یہ ہے کہ عموم بلوی کی وجہ سے شخص مذکور کا بدون تحریک ایسا کرنا بلاشبہ جائز ہے کیونکہ اکثر لوگوں سے اسی طرح کرنا واقع ہو جاتا ہے لہذا فتویٰ بہ قول جواز دیا جائے گا۔

۲) یونہی چند افراد نے بصورت صف اجتماعی طور پر کسی حوض کبیر سے وضو کیا۔ تو بہ قول مشائخ بخارا جائز ہے اور اسی پر لوگوں کا عمل ہے۔

۳) اجناس ناطفی کے حوالے سے یہ بیان فرمایا گیا کہ اگر کوئی آدمی بڑے تالاب سے غسل کرے تو دوسرا آدمی وہیں سے وضو کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑا حوض آبِ جاری کا حکم رکھتا ہے لہذا آب مستعمل اس میں گرتے اور اس کے پانی سے ملاقی ہوتے ہی گم اور فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے پہلو اور جانب میں مردار پڑا ہو تو پھر اس سے وضو اور غسل نہیں کر سکتا۔ اس لئے قاعدہ جواز وعدم جواز وہی سابقہ ہے۔ اگر نجاست مرئی ہو تو چھوٹے حوض کی مقدار سے دور ہٹ کر وضو وغیرہ کرے۔ (کیونکہ قریب کی صورت میں پانی نجاست اور مردار سے ملاقی ہو کر آئے گا کہ جس کے نجس ہونے کا غالب گمان ہے لہذا احتیاط برتے۔ اور اگر نجاست غیر مرئی ہو تو مشائخ بخارا کے قول کے مطابق علی الاطلاق (یعنی بدون شرط قید) جائز ہے۔

۴) ابو جعفر ہندوانی کے حوالہ سے یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر بانسوں کے گنجان جنگل میں پانی کھڑا ہو اور کوئی شخص وہاں سے وضو کرے تو وضو جائز ہونے نہ ہونے کا مدار صرف اس بات پر ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ پانی ایک دوسرے تک پہنچتا ہے یا نہیں۔ بصورت اول وضو جائز ہے جبکہ دوسری صورت میں وضو جائز نہیں۔ وجہ صورت اول یہ ہے کہ پانی مستعمل دوسری کثیر پانی مخلوط ہونیکی وجہ سے ناپید اور مغلوب اور کالعدم ہو گیا لہذا جواز وضو بلاشبہ ہے۔ اور دوسری صورت میں عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ بانسوں کی جڑیں مضبوط اور باہم متصل اور پیوستہ ہونے کی وجہ سے پانی کو پھیلنے نہیں دیتیں۔ لہذا آبِ مستعمل ایک جگہ برقرار ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال ہونیکی وجہ سے وضو جائز نہیں۔ لیکن بانسوں کا باہم اتصال پانی کو نہیں روکتا، لہذا ہو سکتا ہے کہ اوپر سے بانس باہم متصل اور پیوستہ ہوں مگر پانی اپنی قوت سرایت اور لطافت کی وجہ سے ادھر ادھر پھیلا رہا ہو ہاں اگر بانسوں کی جڑیں باہم مضبوط پیوستہ ہوں تو پھر ادھر ادھر وصول آب کی کوئی گنجائش نہ ہوگی پس دریں صورت وضو جائز نہ ہوگا۔

۵) آخری مسئلہ یہ بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک ایسے تالاب سے وضو کیا کہ جس کے تمام منہ پر باہم پیوستہ سبز کائی نمودار ہو۔ اگر تالاب کے پانی کو حرکت دینے سے وہ سبز کائی متحرک ہو جائے تو ایسے تالاب سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور اگر پانی کو متحرک کرنے میں وہ کائی متحرک نہ ہو تو وضو جائز نہیں۔ پہلی صورت میں بایں وجہ وضو کرنا جائز ہے کہ پانی ادھر ادھر مختلف اطراف تک پہنچتا ہے لہذا آب مستعمل پھیل جانے کی وجہ سے گم اور مغلوب ہو گیا لہذا اب اس کی کوئی اہمیت اور اثر نہیں تا کہ مانع وضو ہو۔ صورت دوم میں عدم جواز کی وجہ عدم وصول آب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سبز کائی دریں صورت زمین تک پہنچ گئی جو پانی کو ایک دوسری طرف جانے مس مانع ہوگئی لہذا ایسے تالاب سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اور اسی کے قریب یہ مسئلہ ہے اگر کھیت میں پانی کھڑا، اگر اِدھر اُدھر ہو جائے اور پھیلے تو وضو جائز ہے اور اگر وصول بعض الماء الی البعض نہ ہو تو وضو کرنا جائز نہیں۔

نوٹ: سبز کائی کے لئے مصنف نے کلمہ (جغز وارۃ) استعمال کیا ہے جس میں ضبط حرکات یہ ہے حرف جیم پر زبر، غین ساکن، (ز) پر پیش

حرف واؤ پر زبر اس کے بعد الف پھر حرف ''را'' پر زبر ہے۔ آخر میں حرف ''ھا'' ہے جو علامت فتحہ (زبر) ہے۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے عربی میں اس کا معنی (ضرأ الضفدع) ہے یعنی مینڈک کی بیٹ، اس کو (طحلب) کہا جاتا ہے۔ و هو شئ اخفر يكون على وجه الماء يقال له و في الهندى (كائى) مأخوذ از صغیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۵۴۔

منجمد پانی سے وضو کرنے کا حکم

و كذا اذا توضأ من حوض قد انجمد ماؤه و الجمد رقيق ينكسر بتحريك الماء يجوز و اما اذا كان الجمد كثيرا قطعاً قطعاً لا يتحرك بالتحريك لا يجوز و ان كان قليلاً يتحرك بتحريك الماء يجوز و الحوض اذا انجمد ماؤه فثُقِبَ في موضع منه فوقعت فيه نجاسة او ولغ فيه الكلب او توضأ به انسان قال نصير بن يحيٰ و ابو بكر الاسكاف يتنجس الماء و قال عبد الله بن المبارك و ابو حفص الكبير البخارى لا يتنجس اذا كان الماء تحت الجمد عشرا فى عشر و ان كان الماء متصلاً بالجمد و الفتوىٰ على قول نصير و ابى بكر و اما اذا كان منفصلاً عنه فيجوز بلا خلاف و هو كالحوض المسقف

ترجمہ...... یونہی جب کسی نے ایسے تالاب سے وضو کیا جس کا پانی جم گیا تھا (یعنی برف بن گیا تھا) اور پانی کی بستہ (جمی ہوئی) تہہ اتنی پتلی اور باریک تھی کہ پانی کے ہلانے سے ٹوٹ جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اگر جمی ہوئی تہہ الگ الگ ٹکڑوں کی صورت میں زیادہ ہو جب پانی کو حرکت دیا تو وہ متحرک نہ ہو تو پھر وضو جائز نہیں۔ اور اگر تھوڑی ہو کہ حرکت آب سے متحرک ہو جائے تو وضو جائز ہے۔ اگر کسی تالاب کا پانی جم گیا ہو پھر اس کی ایک جگہ سے سوراخ ہو گیا اور اس میں نجاست گر گئی یا اس سے کتے نے (منہ ڈال کر) پانی پیا۔ پھر اس جگہ سے کسی آدمی نے وضو کیا (تو اس پانی کے بارے میں آئمہ فقہ کا اختلاف ہے)۔ چنانچہ نصیر بن یحیٰ اور ابو بکر اسکاف فرماتے ہیں کہ یہ پانی ناپاک ہے۔ (لہٰذا اس سے وضو وغیرہ جائز نہیں) جبکہ عبداللہ بن مبارک اور ابو حفص کبیر بخاری کا فیصلہ یہ ہے کہ پانی ناپاک نہیں بشرطیکہ تہہ بستہ کے نیچے پانی دس ضرب دس ہو۔

قول فیصل...... اگر پانی جمی ہوئی تہہ سے متصل ہو تو نصیر بن یحیٰ اور ابو بکر اسکاف کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور اگر پانی تہہ بستہ سے الگ ہو تو بالاتفاق وضو جائز ہے۔ اور یہ چھت والے حوض کی طرح ہے۔

اللغات الواردة

۱۔ اِنجَمَدَ — وہ جم گیا منجمد ہو گیا، اس کا مصدر انجماد ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کا جم جانا۔

۲- قِطَعٌ یہ قطعۃ کی جمع ہے قطعۃ کا معنی ٹکڑا یا کسی چیز کا حصہ۔

۳- ثُقِبَ صیغہ ماضی مجہول بمعنی سوراخ کر دیا گیا ثُقب سوراخ کرنا۔

۴- وَلَغَ کتے نے زبان کے کنارے سے پانی پیا" ولوغ" اس کا مصدر ہے کتے کا شپڑ شپڑ کر کے پانی پینا۔

۵- یتنجس ، لا یتنجس دونوں کا مادہ "تنجس" مصدر باب تفعل ہے بمعنی کسی چیز کا ناپاک ہونا۔

۶- الجمد جمنا اور بستہ ہونا۔

۷- المسقف چھت ڈالا ہوا، "سقف" چھت

تشریح

منجمد پانی سے وضو کرنے کے احکام

۱- پہلا مسئلہ: اگر کسی حوض کا پانی سردی کی وجہ سے جم کر برف بن گیا ہو اور بستہ تہہ سطح آب پر حاوی ہو، اگر اتنی پتلی اور باریک ہو کہ تحریک آب سے با آسانی ٹوٹ سکتی ہو تو اس سے بلاشبہ وضو جائز ہے۔ اور اگر بستہ تہہ الگ الگ قطعات ہے کی صورت میں زیادہ ہو کہ اگر پانی کو حرکت دی جائے تو وہ متحرک نہ ہو وضو جائز نہیں کیونکہ وہ اتصال آب کے لئے چٹان کی طرح مانع ہے۔ اور اگر تہہ بستہ تھوڑی ہو کہ پانی کی حرکت سے متحرک ہو جائے تو وضو جائز ہے۔

۲- دوسرا مسئلہ: ایک حوض کا پانی جم گیا اور اس کی کسی جگہ گڑھا سا بن گیا (مصنف کی عبارت میں لفظ "ثُقِبَ" بطور صیغہ ماضی مجہول آیا ہے جس کا مادہ "ثقب" ہے جس کا معنی ایک ایسا گڑھا جس کے نیچے پانی ہو) حالت یہ ہو کہ پانی اس گڑھے سے متصل ہو پھر ایسے گڑھے میں نجاست گر جائے یا کتا منہ داخل کر کے پانی پیے تو فقہائے کرام کا اس گڑھے والے پانی کے پاک اور ناپاک ہونے میں اپنے اپنے اجتہاد اور فقہی نظر و بصیرت کی وجہ سے اختلاف ہے چنانچہ امام نصیر اور امام ابو بکر اسکاف اس پانی کو نجس قرار دیتے ہیں اس وجہ سے کہ پانی بستہ تہہ سے متصل اور منضم ہے لہٰذا وہ ایک دوسرے تک نہیں پہنچتا اور اگر تھوڑے پانی میں نجاست یا آب مستعمل مخلوط ہو جائے تو اسے ناپاک کر دیتے ہیں۔ لیکن عبد اللہ بن مبارک اور ابو حفص کبیر بخاری اسے پاک کہتے ہیں بشرطیکہ اگر نچلا گڑھا ایسا ہو اس میں پانی دس ضرب دس ہو اگرچہ پانی تہہ بستہ سے متصل ہو۔

اور اس باب میں امام نصیر اور ابو بکر اسکاف کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور اس کی وجہ وہی گزشتہ ہے اور اگر پانی جمی ہوئی تہہ سے الگ اور جدا ہو تو اس سے بغیر کسی اختلاف وضو جائز ہے اس لئے کہ پانی دس ضرب دس ہے اور اس کا کوئی جزء منفصل بھی نہیں لہٰذا وہ ناپاک نہیں ہوتا اور اسکے جواز میں کوئی اختلاف بین المشائخ نہیں اسی پر ایک اور مسئلہ متفرع ہے۔ اگر حوض پر چھت ہو اور چھت میں سوراخ ہو گیا ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پانی چھت اور سوراخ سے متصل اور منضم ہو اور دس ضرب دس سے کم ہو اگر اس میں وقوع نجاست ہو جائے تو پانی ناپاک ہو جائیگا۔ اور اگر پانی چھت اور سوراخ سے منفصل ہو تو ناپاک نہ ہوگا۔ پس مصنف کی عبارت و هو الحوض المنجمد كالحوض المسقف فى الخلاف و الحكم و التفصيل یعنی منجمد حوض چھت والے حوض کی طرح ہے یعنی دونوں حکم خلاف اور تفصیل میں برابر ہیں۔ یہ ہے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی معینہ عبارت کا مختصر بیان اور جامع تشریح۔

منجمد پانی سے وضو کے مسائل

و ان ثقف الجمد فعلا الماء فولغ الكلب يتنجس عند عامة العلماء فلم تزل نجاسته مالم يخرج ما في الثقب من الماء و لو توضأ من ثقب الجمد و لم يقع غسالته في الماء جاز على كل حال و لو وقع في الثقب شاة او غيرها فماتت ان كان الماء تحت الجمد عشرا في عشر لا يتنجس ان كان اقل من عشر في عشر يتنجس جميع الماء و لو كان الماء في الحوض عشرا في عشر فتسفل فصار سبعا في سبع فوقع النجاسة فيه يتنجس فان امتلأ صار نجسا ايضا و قيل لا يصير نجسا حوض كبير جاف فيه نجاسة فامتلأ و قيل هو نجس و قيل ليس بنجس و به اخذ اكثر مشائخ بخارا ذكره في الذخيرة فان دخل الماء من جانب و خرج من جانب اخر قال ابو بكر الاعمش رحمه الله لا يطهر ما لم يخرج مثل ما كان فيه ثلث مرات كالقصعة قال غيره لا يطهر ما لم يخرج مثل ما كان فيه مرة واحدة و قال ابو جعفر يطهر و ان لم يخرج مثل ما في الحوض و هو اختيار الصدر الشهيد

ترجمہ عبارت...... اگر پانی کی جمی ہوئی تہہ میں سوراخ ہو گیا اور پانی سوراخ سے اوپر چڑھ آیا پھر کسی کتے نے اس سے پانی پیا تو عام اہل علم کے نزدیک پانی ناپاک ہو جائیگا جب تک اتنا پانی خارج نہ ہو جائے جو سوراخ میں ہے۔

تشریح...... اگر پانی اوپر آجائے تو دو صورتوں میں سے ایک ضرور ہوگی یا بستہ تہہ پر چڑھ آیا یا سوراخ میں پھیل گیا جیسے کسی پیالہ میں پانی ہو۔ اگر سوراخ میں پانی پھیل گیا اور متجاوز ہو گیا اور کسی کتے نے منہ ڈال کر پانی پیا یا اس میں نجاست گر گئی تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور یہ عام علماء کرام کا فیصلہ ہے اور یہ لوگ تہہ بستہ کے نیچے جو پانی ہے اس کا اعتبار نہیں کرتے لہٰذا سوراخ کے اندر جو پانی ہے وہ دوسرے آب قلیل کی طرح ہے تھوڑا پانی وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جتنا پانی مافی الثقب سوراخ ہے وہ خارج نہ ہو جائے تو پانی پاک نہ ہوگا اور جب اگر خارج ہو گیا تو نجاست زائل ہونے کی وجہ سے بقیہ پانی طاہر شمار ہوگا۔

ترجمہ...... اگر جمی ہوئی تہہ کے سوراخ سے کسی آدمی نے وضو کیا اور اس کا دھوون (غسالۃ) پانی میں نہ گرا تو ہر حال میں وضو جائز ہے۔

تشریح...... خواہ ثقب (سوراخ) چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور اگر غسالہ اس میں گر جائے تو پھر اس سے وضو جائز نہیں اگر چہ وہ دس ضرب دس ہو۔ اور اس کی وجہ آب مستعمل کا یکجا رہنا ہے جس کی وجہ سے سب پانی مستعمل نا قابل استعمال ہو گیا ہے۔

ترجمہ...... اگر سوراخ میں بکری یا اور کوئی چیز گر کر مر گئی اگر تہہ بستہ کے نیچے پانی دس ضرب دس ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور

اگر دس ضرب دس سے کم ہو تو سارا پانی ناپاک ہو جائیگا اور اگر تالاب میں پانی دس ضرب دس تھا پھر نیچے چلا گیا اور سات ضرب سات رہ گیا اور پھر دریں اثناء کوئی نجاست گر گئی تو پانی ناپاک ہو جائیگا۔ اور اگر اس کے بعد تالاب بھر جائے تو بھی ناپاک ہی رہےگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ناپاک نہ ہوگا ایک بڑا حوض ہے کہ جس میں نجاست ہے پھر وہ بھر گیا اور اس سے کوئی چیز خارج نہ ہوئی۔ (اس کے بارے میں شرعی کیا حکم ہے) (ایک قول یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ناپاک نہیں۔ اس کو اکثر مشائخ بخارا نے اختیار کیا ہے۔ اس مسئلہ کو (کتاب) ذخیرہ میں ذکر کیا گیا ہے پھر اگر کسی ایسے چھوٹے حوض سے کہ جس کا پانی ناپاک ہو اس بڑے حوض میں پانی داخل ہوا۔ اور دوسری طرف سے نکل گیا پھر کسی شخص نے اس سے وضو کیا تو ابو بکر اعمش فرماتے ہیں کہ وہ اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا جب تک اس میں جتنا پانی ہے تین مرتبہ نکل نہ جائے بڑے پیالے کی طرح۔ اور دوسرے آئمہ فرماتے ہیں اس کے پاک ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں جتنا پانی ہے صرف ایک مرتبہ خارج ہو جائے۔ اور امام ابو جعفر فرماتے ہیں کہ وہ پاک ہو جائیگا اگر چہ پانی حوض کی مقدار نہ خارج ہو۔ صدر الشہید نے اسی کو پسند کیا ہے۔

اللغات الواردة

۱- جَمَدَ — اگر پہلے دو حروف پر زبر ہو تو بستہ ہونا یعنی کسی چیز کا جم جانا۔ پس اس کی جمع جامد ہے اس کی ضد جو پگھلی ہوئی ہو۔

۲- ثقب — بالفتحہ سوراخ کرنا جبکہ ثُقب پہلے حرف یا دونوں حرفوں پر پیش ہو تو بمعنی سوراخہا۔ یعنی کئی سوراخ پس یہ ثقبة کی جمع ہے۔

۳- ولغ الکلب — کتے نے زبان لگا کر شڑ شڑ کر کے پانی پیا (ولوغ) زبان کے سہارے سے پانی پینا۔

۴- لم تزل — ہمیشہ۔ حرف نفی کی وجہ سے زوال کی ضد جو کہ عدم زوال ہے اور عدم زوال مترادف دوام ہے اسلئے اس کے معنی ہیں ہمیشہ۔

۵- شاةٌ — بکری اس کی جمع شیاة ہے۔

۶- تَسفَّل — نیچے ہو گیا، سفالۃ پستی۔

۷- امتلأ — بھر جانا یہاں بصیغہ ماضی مجہول یا معلوم استعمال ہوا ہے یعنی اِمتَلأ یا اُمتُلئَ۔

۸- ثلاث مرات — تین مرتبہ۔

۹- القِصعةُ — بزیر حرف اول، بڑا پیالہ

تشریح الکلام علی وجہ المرام

سوراخ میں بکری وغیرہ گر کر مرنیکی صورت میں پانی نجس نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ تہہ بستہ کے نیچے پانی دس ضرب دس تھا جو آب جاری کا حکم رکھتا ہے۔ اور در صورت ثانی دس ضرب دس سے کم ہے تو پانی قلیل ہے لہٰذا سارا پانی ناپاک ہو جائے گا کیونکہ ایسا پانی آب جاری کی حیثیت نہیں رکھتا تا کہ ناپاک نہ ہو جیسا کہ ظاہر ہے اگر تالاب میں پانی دہ در دہ ہو۔ پھر اس کی سطح نیچے ہو جائے اور سات در سات ہو جائے اور اس میں نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا کیونکہ وقوع نجاست کے وقت کا اعتبار ہے اور اس وقت وہ آب جاری کے حکم میں

نہیں تا کہ نجس نہ ہو۔ پھر اگر اس کے بعد حوض بھر جائے تو اس میں دو قول ہیں: ایک میں حسب سابق نجس ہی رہے گا جبکہ دوسرے قول نجس نہ ہوگا بلکہ پاک شمار ہوگا۔ امام قاضیخان نے فرمایا:

اِعْلَمْ اَنَّ الماء اذا تنجس حال قلته لا یعود طاهرا بالکثرة (بل یکون علی ما کان) وان کان کثیراً قبل اتصاله بالنجاسة لا یتنجس بها (بالنجاسة) و لو نقص بعد سقوطها فیها حتی صار قلیلاً فالمعتبر و کثرته وقت اتصاله بالنجاسة سواء وردت علیه او ورد علیها هذا هو المختار۔ (فتاویٰ خانیہ)

تالاب کی سطح کم ہو جائے پھر حوض پانی سے بھر جائے تو اس بارے میں مصنف نے نجس وغیر نجس ہونے کے دو قول ذکر کئے ہیں۔ قو اول وجہ ظاہر ہے کہ نجاست پڑنے کے وقت اس کا پانی کم تھا اور کم پانی بوجہ وقوع نجاست ناپاک ہو جاتا ہے لہذا یہ بھی ناپاک ہوگا دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ کثرت آب کی وجہ سے دس ضرب دس (عشر فی عشر) ہو جانے کی بنا پر آب کثیر سے ملحق ہو گیا لہذا پا ہے۔ قال مصنف الصغیری تحت هذا القول: و المختار ان الماء ان دخل من مکان نجس او اتصل بالنجاس شیأ فشیأ فهو نجسٌ. و ان دخل من مکان طاهر و اجتمع قبل اتصاله بالنجاسة حتی صار عشرا فی عشر اتصل بالنجاسة لا تینجس ذکره قاضیخان و غیره (اھ) صغیری صفحة ۵۶۔

خلاصہ مفہوم...... اگر پانی گندی جگہ سے گزر کر تالاب میں گر جائے یا تھوڑا تھوڑا ہو کر نجاست سے ملاقی ہو تو ان دونوں صورتوں میں ناپاک ہے۔ اور اگر پاک جگہ سے ملاصق ہو کر گزرے پھر ایک جگہ جمع ہو کر دہ در دہ ہو جائے پھر نجاست سے ٹکرائے تو دریں صورت ناپاک نہیں۔ اس لئے اب آب کثیر ہونے کی وجہ سے نجاست پر غالب ہے وہ اس کے سامنے کوئی حیثیت اور وقعت نہیں رکھتی۔

قولہ حوض کبیر جافٌ الخ...... اس کی تشریح اس سے پہلے گزر چکی۔ اکثر و بیشتر مشائخ بخارا نے عدم نجاست کے قول کو اختیار کیا ہے اور کتاب ذخیرہ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

قولہ فلن دخل الماء من جانب حوض صغیر قد یتنجس ملؤ ہ الخ...... خلاصہ مفہوم، اگر کسی چھوٹے ناپاک حوض کا پانی کسی ایک طرف سے بڑے حوض میں داخل ہو کر کسی دوسری طرف سے نکل جائے تو آئمہ فقہ کا اس کے حکم شرعی میں کہ وہ کب پاک تصور ہوگا اختلاف ہے۔ امام ابوبکر اعمش کے نزدیک وہ اس وقت تک پاک تصور نہیں ہو سکتا جب تک جتنا پانی حوض میں ہے تین دفعہ خارج نہ ہو جائے جبکہ دوسرے اہل علم فرماتے ہیں جتنا پانی اس میں ہے صرف ایک ہی مرتبہ باہر نکل جائے تو حوض پاک ہو جائیگا۔ ابوبکر اعمش کی دلیل یہ ہے کہ تین دفعہ پانی خارج ہوتے ہی وہ بالکل دھل کر پاک و صاف ہو جائے گا اور پھر نجاست کا شائبہ تک ختم ہو جائیگا اس بڑے پیالے کی طرح کہ اگر وہ ناپاک ہو جائے تو اسے تین دفعہ پاک کرنے کے لئے دھویا جاتا ہے۔ اور دوسرے حضرات کا خیال یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ خروج آب اس کی طہارت کے لئے کافی ہے کیونکہ نجس پیالے کو بعض روایات کی بنا پر ایک ہی دفعہ دھویا جانا مروی ہے۔ لہٰذا حوض کے لئے بھی ایک دفعہ خروج آب اس کو پاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور ایک تیسرا قول امام ابو جعفر ہندوانی کا ہے وہ فرماتے ہیں صرف پانی کا ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے خارج ہو جانا ہی طہارت آب کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ جتنا پانی حوض میں ہے وہ نکل جائے بلکہ محض دخول اور خروج طہارت کے لئے کافی ہے۔ اسی قول کو صدر الشہید نے پسندیدہ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آب جاری ہے اور آب جاری جب تک اس کے اوصاف نہ بدلیں ناپاک نہیں ہوتا۔ (یہ ہے حضرت مصنف علامہ کے کلام کی جامع اور مختصر تشریح)

حوضِ صغیر کے مسائل

حوض صغير يدخل فيه الماء من جانب و يخرج من جانب اٰخر و توضأ فيه ان كان الحوض اربعا فى اربع او ما دونه يجوز لان الظاهر ان الماء المستعمل لا يستقر فى مثله بل يدور حوله ثم يخرج فيكون كالجارى و ان كان الحوض اكبر من ذلك لا يجوز لان الماء يستقر فيه فلا يكون كالجارى فلا يجوز الا ان يتوضأ فى موضع الدخول او الخروج و كذا عين الماء اذا كان خمسا فى خمس و كان الماء يخرج منها ان كان يتحرك الماء من جانبه و هو يستعين بالحركة يجوز و قال القاضى الامام فخر الدين رحمه الله الاصح ان هذا التقدير غير لازم ان خرج الماء المستعمل عن ساعته لكثرته و قوته يجوز و الا فلا و التوضى بالثلج ان كان ذائبا بحيث يتقاطر يجوز و الا يتيمم حوض صغير كرى رجل منه نهرًا و جرى الماء فيه فتوضأ من النهر جاز الوضوء و ان اجتمع الماء فى موضع اٰخر و كرى رجل منه نهرا و جرى الماء فيه فتوضأ من النهر جاز وضوء الكل اذا كان بين المكانين مسافة و ان قلّت ذكره فى المحيط و فى نوادر المعلّى عن ابى يوسف ماء الحمام بمنزلة الماء الجارى حتى اذا دخل رجل يده فيه و فى يده قذرٌ لم يتنجس و اختلف المتاخرون فى بيان هذا القول قال بعضهم مراده حالة مخصوصة و هو ما اذا كان الماء يجرى من الابنوب الیٰ حوض الحمام و الناس يغترفون منه غرفاً متداركاً و منهم من قال هو عنده بمنزلة الماء الجارى على كل حال لاجل الضرورة الا يرى ان الحوض الكبير الحق بالماء الجارى على كل حال لاجل الضرورة

ترجمہ......ایک چھوٹا حوض ہے جس میں پانی ایک جانب سے داخل ہوتا ہے اور دوسری جانب سے باہر نکل جاتا ہے۔ پھر اس حوض سے کسی شخص نے وضو کیا اور حالت یہ ہے کہ اس کا دھوون تالاب میں گرتا رہا اگر حوض چار ضرب چار یا اس سے کم ہے تو وضو جائز ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ آب مستعمل اپنے جیسے پانی کی جگہ ٹھہرتا نہیں جبکہ اس کے آس پاس گھوم پھر کر نکل جاتا ہے لہٰذا وہ آب جاری کی طرح ہے۔ (اس لئے ناپاک نہیں) اور اگر حوض مقدار مذکور سے بڑا ہے یعنی چار ضرب چار سے بڑا ہے تو اس صورت میں اس سے وضو کرنا جائز نہیں کیوں؟ (اس لئے کہ مستعمل پانی اسی جگہ قرار پزیر

ہے لہٰذا وہ آب جاری کی طرح نہیں کہ اس سے وضو جائز ہو بلکہ اس سے وضو جائز نہیں)۔ہاں البتہ جہاں سے پانی داخل یا خارج ہوتا ہے وہاں سے وضو کر سکتا ہے۔(اس لئے وہاں مستعمل پانی کا گزر نہیں تا کہ وہ ناپاک ہو لہٰذا پاک ہونی کی وجہ سے اس سے بلاشبہ وضو جائز ہے۔)

وفی الھندیۃ اذا کان الحوض صغیرا یدخل الماء من جانب و یخرج من جانب اٰخر یجوز الوضوء فیہ من جمیع جوانبہ و علیہ الفتویٰ من غیر تفصیل بین ان یکون اربعا فی اربع او اقلّ فیجوز او اکثر فلا یجوز کذا فی شرح الوقایۃ و معراج الدرایۃ و شرح منیۃ المصلی للامیر بن الحاج و ھذہ المسئلۃ مذکورۃ فی الذخیرۃ تناقض و تتمۃ الفتاویٰ الصغریٰ نقلاً عن متفرعات شمس الآئمۃ الحلوائی و غیر واحد من الکتب و کان القاضی الامام رکن الاسلام علی بن الحسن السعدی یقول بالجواز فی ھذہ الصورۃ مطلقاً من غیر تفصیل لکن ما قال المصنف فی المتن ھو اقرب الیٰ الصواب لان عبارات الآئمۃ مجملۃ من غیر تفصیل بین الصغیر و الکبیر مع ان حکم الصغیر ذکروا مفصلاً علٰحدۃ فتحمل ھذہ الروایات الفقھیۃ علی الصغیر لا الکبیر کما ھو المقتضی (اھ) خلاصۃ حاشیۃ منیۃ المصلی مع اضافۃ)۔

خلاصہ عبارت......اکابر فقہائے کرام کی عبارات میں حوض صغیر و کبیر میں فرق کئے بغیر علی الاطلاق جواز وضو مذکور ہے مگر مصنف علیہ الرحمۃ نے غور وخوض اور مختلف قرائن کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی تفصیل پیش کر دی اور یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ کلام قوم میں جو کچھ مذکور ہے وہ صرف حوض صغیر کے بارے میں ہے اور اس پر دلیل یہ کہ آئمہ نے حوض صغیر کے تفصیلاً احکام بیان فرمائے ہیں لہٰذا یہاں بھی وہی مراد ہے اور فرمایا کہ اگر حوض صغیر ہو تو اس صورت میں آب جاری کا حکم رکھتا ہے۔اور اگر کبیر ہو تو آب جاری کی طرح نہیں پس آئمہ کرام کے کلام میں تناقض و تصادم رفع ہو گیا۔یہ ہے مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت مذکورہ کی علیٰ احسن الوجوہ تشریح و توضیح۔

ترجمہ......اور اسی طرح چشمہ کا پانی اگر پانچ ضرب پانچ ہو اور اس میں یہ وصف بھی پایا جائے کہ چشمہ کو اگر کسی جانب سے بھی حرکت دی جائے تو اس حرکت کی مدد سے پانی واضح طور پر متحرک ہو کر باہر نکل جائے پس اگر یہ صورت ہو تو اس چشمہ سے وضو کرنا جائز ہے۔ (شارح صغیری لکھتے ہیں۔اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ پانی شدت اندفاع کی بنا پر چشمہ سے باہر نکل گیا لہٰذا آب مستعمل استقرار پذیر نہیں ہوا تا کہ نجاست آب کا سوال پیدا ہو لیکن اگر یہ صورت واقعہ نہ ہو تو پھر وضو جائز نہیں۔)

ترجمہ متن......قاضی امام فخر الدین نے فرمایا، (سابقہ دونوں صورتوں یعنی حوض اور چشمہ دونوں میں) تقدیر یعنی اندازہ کرنا کوئی لازم امر نہیں (بلکہ اصلی اعتماد جو مبنی بر حقیقت ہے یہ ہے کہ) اگر آب مستعمل اپنی کثرت اور قوت کی بنا پر اسی وقت خارج ہو جائے تو حوض اور چشمہ دونوں سے بلاشبہ وضو کرنا جائز ہے۔اور اگر یہ صورت حال نہ ہو تو پھر وضو کرنا جائز نہیں۔ اگر برف پگھلی ہوئی ہو کہ اگر وضو کیا جائے تو اس سے اعضاء پر قطرے ٹپکیں تو اس سے وضو جائز ہے۔اور اگر یہ صورت نہ ہو تو (خالص پانی نہ ہونے کی صورت میں) تیمم کرے۔

تشریح

جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ آب مطلق ہے اور اس کے استعمال پر بھی قدرت رکھتا ہے تو پھر ایسی صورت میں تیمم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ برف موجود ہے مگر پگھلی ہوئی نہیں کہ اگر اسے اعضاء وضو پر رگڑیں اور ملیں تو اعضاء سے قطرے نہ ٹپکیں تو

حالت میں وضو درست نہیں۔ بلکہ طہارت کی ضرورت تیمم سے پوری کرے۔ اور اسے بغیر تقاطر اعضاء پر گزارنا اور پھیرنا کافی نہیں کیونکہ وہ پانی نہیں تا کہ مفید طہارت اور موجب ازالہ نجاست ہو۔

نوٹ: اولوں اور کسی جامد چیز کا بھی وہی حکم ہے جو حکم برف کا ہے۔ (صغیری)

ترجمہ متن کتاب...... کسی چھوٹے حوض سے ایک آدمی سے نہر کھود کر نکالی یا اس میں پانی بہایا پھر اس نہر سے کسی شخص نے وضو کیا تو بلاشبہ جائز ہے۔ (اس لئے کہ اس نے آب جاری سے وضو کیا کہ جس کی طہارت میں کوئی شک وشبہ نہیں لہٰذا اگر کوئی بھی ایسی نہر سے وضو کرے تو جائز ہے۔) پھر کسی دوسری جگہ وہ پانی جمع ہو جائے اور ایک دوسرے شخص نے اس سے نہر نکالی اور پھر اس پانی کو جاری کیا پھر اس دوسری نہر سے کسی نے وضو کیا (یا چند افراد نے وضو کیا) تو سب کا وضو جائز ہے بشرطیکہ دونوں کے جائے وقوع میں کچھ تھوڑی سی مسافت (دوری) ہو۔ اس کو (کتاب) محیط میں ذکر کیا ہے۔

تشریح

قال فی الکبیری تحت قول الماتن اذا کان بین المکانین مسافۃً، وحد ذالک ان لا یسقط الماء المستعمل من الاعضاء الاّ فی موضع جریان الماء فیکون تابعاً للماء الجاری خارجاً عن الاستعمال (۵۱)

خلاصہ مفہوم...... تقدیر مسافت اور اکی حد یہ ہے کہ مستعمل پانی استعمال کنندہ کے اعضاء سے گر کر صرف آب جاری میں گرے تا کہ وہ آب جاری کے حکم میں ہو کر اس کے تابع ہو جائے اور ناپاک ہونے سے بوجہ غلبہ آب جاری محفوظ ہو جائے۔

نوٹ...... آب مستعمل کی تعریف اور حکم

فقہائے اسلام نے اپنی اپنی کتابوں اور فقہی فتاووں میں جگہ جگہ آب مستعمل کا ذکر کیا ہے اور مختلف مقامات پر اس کی تعریف اس کے اثرات اور اس کا شرعی حکم بیان فرمایا ہے تا کہ قارئین حضرات کو عمل کرنے اور اس سے اپنا تحفظ کرنے میں آسانی ہو۔ یہاں ہم اسی سہولت کے پیش نظر صرف ایک مستند فقہی حوالہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں چنانچہ مصنف درمختار اور اس کے شارح علاّمہ شامی اپنے مشہور زمانہ فتاوی شامی میں لکھتے ہیں:

الماء المستعمل ماءٌ استعمل لاجل قربة او لاجل رفع حدث او لاجل اسقاط فرض اذا انفصل عن عضو و ان لم یستقر فی شئ علی المذهب و قیل اذا استقرو رجح للحرج -

(درمختار جلد اول صفحہ ۴۵۔۴۷)

قال العلّامة الشامی فی ذیله: اعلم ان الکلام فی الماء المستعمل یقع فی اربعة مواضع. (الاول) فی سببه و قد اشار الیه بقوله لقربنه او رفع حدث. (الثانی) فی وقت ثبوته و قد اشار الیه بقوله اذا استقر فی مکانٍ. (الثالث) فی صفته و قد بیّنها بقوله طاهر. (الرابع) فی حکمه و قد بینّه بقوله لا مطهر (اھ)

و ایضاً قال و قیل اذا استقر ای بشرط ان یستقر فی مکان من ارض او کفّ او ثوب و یسکن عن التحریک و قوله رجح للحرج لانه لو قیل باستعماله بالانفصال لتنجس ثوب المتوضئ علی القول بنجاسة الماء المستعمل و فیه حرج عظیم کما فی غایة البیان. (اھ)

استقرار الماء المستعمل قوله طائفة مشائخ بلخ و اختاره فخر الاسلام وغیره و فی الخلاصة و غیرها انه المختار الا ان العامة علی الاول و هو الاصح. و اثر الخلاف یظهر فیما لو انفصل فسقط علی انسان

فاجراه عليه صح على الثانى لا الاوّل (نهر) قلتُ و قد مرّ ان اعضاء الغسل كعضو واحد فلو انفصل منه فسقط على عضو اٰخر من اعضاء المغتسل فاجراه عليه صح على القولين - (اھ)

و فى الدر المختار ورد بانّ ما يصيب منديل المتوضئ و ثيابه عفو اتفاقاً و ان كثر و هو طاهر . ولو من جنب و هو الظاهر ليكن يكره شربه العجن به تنزيهاً للاستقذاء على رواية نجاسة تحريماً و حكمه انه ليس بطهورٍ لحدث بل لخبث على الراجح المعتمد - (اھ)(درمختار جلد اول صفحہ ۴۷-۴۸)

قال فى رد المحتار ذيل قوله المصنف و هو طاهر رواه محمد عن الامام و هذه الرواية هى المشهور عنه و اختارها المحقّقون قالوا و عليها الفتوىٰ و لا فرق بين الجنب و المحدث و استثنى الجنب في التنجيس الا ان الاطلاق اَوْلىٰ و عنه التخفيف والتغليظ و مشائخ العراق نفوا الخلاف و قالوا انه طاهر عند الكل و قد قال فى المجتبى صحت الرواية عن الكل انه طاهر غير طهور فلا جدوى فى الاشتغال بتوجيه التغليظ و التخفيف۔ (نہر)

قولــــــه......و هو الظاهر كذا فى الذخيرة والمراد به ظاهر الرواية و ممن صرح رواية الطهارة ظاهر الرواية و عليها الفتوىٰ فى الكافى والمصفى كما فى الشرح لَشيخ اسماعيل (اھ)

(شامی جلد اول ص

و رجح فى البحر القول بالنجاسة من جهة الدليل لقوته اھ (فتاوی شامی)

خلاصہ عبارات...... جب کوئی پانی حصول قربۃ یا دفع حدث یا اسقاط فرض کیلئے استعمال کیا جائے اور استعمال کنندہ کے اعضاء سے جدا ہوکر کسی جگہ ٹھہر جائے تو وہ آب مستعمل عندالشرع کہلاتا ہے اس کے حصول کے لئے قضیہ مانعۃ الخلو کے طور پر تین اسباب ہیں:-

(۱)......ازالہ حدث (۲)......حصول قربۃ (۳)......اسقاط فرض۔

پس اس میں سے لاعلی سبیل الجمع کوئی ایک سبب پایا جائے تو آب مستعمل پایا جائیگا جب یہ استعمال کرنے والے کے اعضاء سے جدا ہوکر کسی جگہ استقرار پزیر ہو جائے تو آب مستعمل ہو جائیگا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ خود پاک ہے مگر کسی دوسری چیز کو پاک کرنے کی اپنی صلاحیت اور استعداد نہیں رکھتا۔ آئمہ فقہ کا یہاں ایک اور اختلاف بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف انفصال عن الاعضاء ہی آب کے مستعمل ہونے کے لئے کافی ہے یا بعد الانفصال اس کا استقرار علی الشئ بھی ضروری ہے۔ ایک گروہ قول اول کا قائل ہے جبکہ دوسرا قول ثانی کی حمایت میں ہے۔ صاحب درمختار قول ثانی کو بر بنائے ضرورت راجح قرار دیتے ہیں۔ مگر حرج کا دفاع ''عفو اتفاقاً'' سے کرتے ہیں تفصیل یہ ہے کہ شرط استقرار اس لئے اضافی کی گئی کہ برصورت نجاست آب مستعمل متوضی کے جسم اور کپڑے بوجہ اس کے گزرنے کے ناپاک نہ ہو جائیں تو استقرار علی الشئ کی قید بڑھائی گئی تاکہ ثیاب التوضی وغیرہ خارج ہو جائیں کیونکہ استقرار علی الارض وغیرہ سے پہلے وہ مستعمل ہی نہیں ہوتا تو اس پر مصنف نے اپنے قول (رُدّ) یہ اعتراض کیا کہ جو لوگ نجاسۃ الماء المستعمل کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی بوجہ حرج اور ضرورت ثیاب التوضی وغیرہ درجہ عفو میں ہیں۔ لہٰذا ان کے استقرار علی الشئ کا اضافہ کچھ مفید نہیں اور اس کے عدم ضم سے انہوں کوئی نقصان اور حرج نہیں لہٰذا اس قید کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہاں آئمہ کرام کا ایک اور اختلاف بھی ہے اور وہ یہ کہ آیا آب مستعمل پاک ہے یا نجس ہے۔ اکثر اہل علم اور صاحبان فضل وشرف کا موقف تو یہ ہے کہ آب مستعمل خود پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک کرنی کی اپنے اندر صلاحیت نہیں رکھتا یعنی ''طاہر غیر مطہر'' ہے۔ دوسرا مؤقف یہ ہے کہ مستعمل پانی نجس ہے بعض فقہاء نے قوت دلیل کی بنا پر اس قول کو ترجیح دی ہے چنانچہ مصنف البحر الرائق نے یہی قول اختیار کیا ہے لیکن پہلا قول امام محمد نے امام صاحب

روایت کیا ہے اور اہل تحقیق نے اسی کو قابل فتویٰ قرار دیا ہے۔ اور اسی کو ظاہر روایت قرار دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عام اہل علم کا رجحان آب مستعمل کے پاک ہونے کی طرف ہے جبکہ بعض نے اس کے نجس ہونے کا قول اختیار کیا ہے لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو اس سے بچایا جائے اور مسجد میں اس کے قطرات نہ گرائے جائیں لیکن اگر بے احتیاطی اور بے شعوری کی بنا پر کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہونگے۔

ترجمہ......نوادر معلّیٰ میں امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ حمام کا پانی آب جاری کے قائم مقام ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس میں اپنا ہاتھ داخل کرے جبکہ اس کے ہاتھ پر نجاست ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا آئمہ متاخرین نے اس قول کی تشریح میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایک مخصوص حالت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب پانی پائپوں سے حوض کے حمام میں گرے اور لوگ نوبت بہ نوبت اس سے چلّو بھر کے استعمال کریں (تو امام ابو یوسف کے قول سے یہ حالت مراد ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ حمام کا پانی امام ابو یوسف کے نزدیک ہر حال میں آب جاری کی طرح ہے مجبوری اور ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔

اللغات

۱-	غُسالة	پانی استعمال کرتے وقت وہ دھوون جو نیچے گرے۔	۲-	لا یستقرُّ	وہ ٹھہرتا نہیں۔
۳-	یدُور	وہ گھومتا ہے، دَورٌ گھومنا	۴-	العَینُ	چشمہ جمع عیون۔
۵-	یستعین	وہ مدد مانگتا ہے	۶-	التقدیر	اندازہ کرنا۔
۷-	الثلج	برف	۸-	ذائب	پگھلی ہوئی چیز۔
۹-	یتقاطر	قطرے ٹپکتے ہیں	۱۰-	کریٰ	کسی آدمی نے کھودی۔
۱۱-	اَجْریٰ	جاری کیا	۱۲-	قذرٌ	نجاست۔
۱۳-	اَلانْیُوبُ	پائپ۔	۱۴-	یغترفون	چلّو بھرتے ہیں۔
۱۵-	متدارک	پے درپے نوبت بہ نوبت۔	۱۶-	لِاَجلِ الضرورةِ	ضرورت کی وجہ سے۔

☆ بانس یا نرکل کا پودا، دو گرہوں کے درمیان کا حصہ، ہر گول جوف دار چیز۔

☆ انوب الماء......پانی کی نالی۔ انوب الکوز......کوزہ کی ٹونٹی وغیرہ۔ (المنجد اردو عربی صفحہ ۹۸۷)

و لو ادخل الجنب یده فی حوض الحمام لطلب القصعة و لیس علی یده نجاسة حقیقیة یتنجس ماء الحوض عند ابیٰ حنیفة رحمه اللّٰه وعندهما الماء طاهر و مطهر و هو الاصح و لو ادخل الکفار او الصبیان ایدیهم کا یتنجس اذا لم یکن علی ایدیهم نجاسة حقیقیة و لو ادخل الصبی یده فی الأناء لا یتوضأ به استحساناً و لو توضأ به جاز

حوض الحمام اذا تنجس يطهر اذا خرج مثل ما كان فيه مرة واحدة و لو ادخل المتوضى رأسه فى الأناء بنية المسح او خفيه يجوز بالاتفاق و لا يصير الماء مستعملا عند ابى يوسف خلافا لمحمد رحمهما الله

ترجمہ......اگر کسی جنبی نے اپنا ہاتھ پیالہ تلاش کرنے کے لئے حوض کے حمام میں ڈالا اور اس کے ہاتھ پر حقیقی نجاست نہ تھی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن ان کے دونوں شاگردوں کے نزدیک پانی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے اور اگر کفار اور بچوں نے اپنے اپنے ہاتھ برتن میں ڈالے تو پانی ناپاک نہ ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاتھوں میں حقیقی نجاست نہ ہو اور اگر کسی بچے نے برتن میں ہاتھ ڈالا تو اس پانی سے بطور استحسان وضو نہ کیا جائے اور اگر کسی نے اس سے وضو کر لیا تو جائز ہے حمام کا حوض جب ناپاک ہو جائے تو جتنا پانی اس میں ہے اگر وہ سب نکل جائے تو وہ پاک ہو جائے گا اور اگر کسی وضو کرنے والے نے مسح یا موزوں پر مسح کی نیت سے اپنا سر برتن میں داخل کیا تو بالاتفاق جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پانی مستعمل نہ ہوگا مگر امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔

اللغات

۱-	القصعة	بڑا پیالہ	۲-	نجاسة حقيقية	جو لوگوں کے دستور اور رواج میں نجاست کہلاتی ہے۔
۳-	الصبيان	بچے اس کا واحد صبیٌ ہے	۴-	ايدى	ہاتھ اس کا واحد یدٌ ہے۔
۵-	الاناءُ	انیۃٌ کی جمع ہے یعنی برتن۔	۶-	راس	سر
۷-	خفين	دو موزے یہ خف کا تثنیہ ہے۔			

تشریح

نوادر کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حمام کا پانی آب جاری کی طرح ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ نجاست کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔ متاخرین نے اپنی اپنی دانست کے مطابق امام ابو یوسف کے قول کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مفہوم کہ پانی پائپوں سے ہو کر حوض کے حمام میں جائے اور لوگ ان پائپوں سے یک بعد دیگرے چلّو بھر بھر کر استعمال کریں تو پانی اس صورت میں ناپاک نہیں کیونکہ لوگ حمام کے حوض سے نہیں بلکہ اس کے پائپوں سے لے رہے ہیں اسی کو امام قاضی خان نے فتاوی میں اختیار کیا ہے اور تصویر کا دوسرا رخ یہ بیان کیا ہے اگر پانی ساکن ہو اور لوگ اس سے چلّو بھرتے ہوں جبکہ پائپوں سے جاری نہ ہو تو حوض کا پانی ناپاک ہوگا اور اسی پر اعتماد ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک حمام کا پانی بہر صورت آب جاری کی طرح ہے خواہ لوگ چلّو بھریں یا نہ بھریں یا پائپوں سے پانی آئے یا نہ آئے اور اس کی وجہ لوگوں کی عام ضرورت ہے جیسا کہ بڑے حوض کو آب جاری کے ساتھ شامل کیا گیا ہے تو اس کا وہ الحاق بھی عام لوگوں کی مجبوری کی بنا پر ہے پس یہاں بھی یہی صورت ہے۔

دوسرا مسئلہ......اگر کسی جنبی یا بے وضو نے پیالہ ڈھونڈ نے کے لئے حمام کے حوض میں بغیر نیت رفع حدث کے ہاتھ ڈالا اور حالت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ پر حقیقی نجاست نہیں تو امام اعظم کی رائے کے مطابق حوض کا پانی ناپاک ہو جائے گا یہ اس روایت کی بنا پر کہ مستعمل پانی ناپاک ہے۔ کیونکہ اب اس صورت میں حوض کا پانی مستعمل ہو گیا اس لئے کہ اس کے ہاتھ سے حدث زائل ہو گیا لیکن امام کے دو شاگردوں کے نزدیک پانی طاہر اور مطہر ہی رہے گا کیونکہ پانی کے مستعمل ہونے کے لئے رفع حدث کی نیت ضروری ہے اور فتاووں میں مذکور ہے کہ جنبی یا محدث چلّو بھرنے کے لئے اپنا ہاتھ برتن میں داخل کرے یا لوٹا لینے کیلئے تو ضرورت کی وجہ سے پانی مستعمل نہیں ہوتا پس اس میں کوئی اور اختلاف نہیں ذکر کیا گیا۔

تیسرا مسئلہ......اگر کفار یا بچے اپنے اپنے ہاتھ پانی میں داخل کریں تو پانی ناپاک نہیں ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاتھوں پر نجاست حقیقی نہ ہو۔ شارح صغیری لکھتے ہیں کہ بچوں کے متعلق تو یہ روایت ٹھیک ہے کیونکہ ان کے ہاتھوں پر کوئی نجاست موجود نہیں اور انہوں نے وضو کرنے کا بھی ارادہ نہیں کیا۔ لیکن کفار کے بارے میں یہ قول مسلم نہیں کیونکہ ان کا نجس ہونا بالکل ظاہر ہے چنانچہ اگر کوئی کافر غسل یا وضو کرے پھر مسلمان ہو جائے تو اس پر اعادہ لازم نہیں پس معلوم ہوا کہ دونوں میں فرق ہے۔

چوتھا مسئلہ......اگر کسی بچے نے برتن میں ہاتھ ڈالا اگر یہ معلوم ہو کہ اس کا ہاتھ پاک ہے مثلاً بچے کے ساتھ کوئی ایسا شخص ہو جسے اس کے ہاتھ کی پاکیزگی ذاتی طور پر معلوم ہے تو پھر اس پانی سے وضو جائز ہے اور اگر اس کے ہاتھ کی نجاست معلوم ہو تو پھر وضو جائز نہیں اور شک ہو تو احتیاطاً اس سے وضو نہ کیا جائے۔ لیکن اگر اس پانی سے وضو کر لیا تو وضو ہو جائے گا اس لئے کہ شک سے پانی کی طہارت زائل نہیں ہوتی۔

پانچواں مسئلہ......اگر حمام کا حوض ناپاک ہو جائے تو اس کی طہورت کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں جتنی مقدار پانی ہے وہ ایک مرتبہ خارج ہو جائے اور اس سے چھوٹا حوض مراد ہے اور اس میں پسندیدہ روایت یہ ہے کہ صرف پانی کے داخل اور خارج ہونے سے حوض پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ آب جاری کی حیثیت رکھتا ہے۔

چھٹا مسئلہ......اگر کسی شخص نے وضو کرنے کے ارادے سے اپنا سر مسح کرنے کی نیت سے برتن میں ڈالا یا اپنا موزہ پر مسح کی نیت سے برتن میں داخل کیا تو مسح بالاتفاق جائز ہے امام محمد سے ایک مشہور روایت ہے کہ جائز نہیں لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوگا تو ان کے نزدیک اس کا استعمال بلاشبہ جائز ہے جبکہ امام محمد نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کے احکام

فصـــــل فی مســــــح علی الخـفـين المسح عليهما جاز بالسنة من كل حدث موجب للوضوء اذا لبسهما على طهارة كاملة وقت الحدث فان كان مقيما يمسح يوما و ليلة و ان كان مسافرا يمسح ثلثة ايام و لياليها و ابتداؤها عقيب الحدث و لا يعتبر وقت الطهارة و لا وقت اللبس و لو غسل رجليه و لبس خفيه ثم اكمل الطهارة

قبل ان یحدث جاز له المسح علیهما عندنا خلافا للشافعیؒ لان عندنا بکفیه ان یکون الخف ملبوسا علی طهارة کاملة عند اول الحدث و الطهارة الناقضة هی طهارة صاحب العذر حتی ان المستحاضة و من فی معناها اذا توضأت و لبست الخف قبل ان یظهر منها شیٔ تمسح کالاصحاء و لو لبست بطهارة العذر تمسح فی الوقت فقط عندنا و عند زفر رحمه الله تعالٰی تمسح المدة و لا یجوز المسح علی الخفین لمن وجب علیه الغسل و الرجل و المرأة فیه سواء

''فصل'' دو موزوں پر مسح کرنے کے احکام...... دو موزوں پر مسح کرنا سنت سے ثابت ہونیکی وجہ سے جائز ہے ہر ایسے حدث (ناپاکی) سے جس کے ازالہ کیلئے وضو کرنا سنت ہے بشرطیکہ دونوں موزے حدث کیوقت پوری طہارت پر پہن رکھے ہوں مسافر وار مقیم کی شرعی مدت مسح۔ اگر کوئی شخص مقیم ہوتو ایک دن ایک رات موزوں پر مسح کرے اور اگر مسافر ہوتو تین رات دن (موزوں پر) مسح کر سکتا ہے۔ (یہ مدت مسح شمار ہوگی)

کب سے مسح کی مدت کا شمار کرنا شروع کرے؟

حدث کے بعد مسح کی مدت کی ابتدا ہوگی (یعنی اسوقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی) اور اس کی لہٰذا طہارت اور موزے پہننے کے وقت کا اعتبار نہ ہوگا اگر کسی شخص نے پاوں دھوکر موزے پہن لئے پھر بے وضو ہونے سے پہلے ہر طہارت مکمل کر لی تو ہمارے نزدیک مسح کرنا جائز ہے لیکن اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مسح جائز ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ اول حدث کے وقت موزے طہارت کاملہ پر پہن رکھے ہوں اور ناقص طہارت صاحب عذر کی طہارت سے (یعنی معذور اور مجبور شخص کی طہارت سے) لہٰذا کسی استحاضہ خون والی عورت یا وہ شخص جو معنوی طور پر اس جیسا ہے (یعنی صاحب عذر ہونے میں دونوں برابر ہیں) ان دونوں نے وضو کیا اور اس سے پہلے کہ ان دونوں سے کچھ چیز ظاہر ہو موزے پہن لئے تو پھر یہ دونوں تندرست اور صحت یاب لوگوں کی طرح موزوں پر مسح کریں لیکن اگر عذر کی موجودگی میں بوجہ مجبور حصول طہارت ہوا اور موزے پہن لئے تو ہمارے نزدیک صرف وقت میں مسح کر سکتے ہیں لہٰذا جیسے خروج وقت سے انکا وضو ٹوٹ جاتا ہے ویسے ہر مسح جو اسکا جزا ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گا لیکن امام زفر کے نزدیک یہ معذور لوگ پوری مدت مسح کریں لیکن اس شخص کیلئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں کہ جس پر غسل واجب ہو اور اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں مراد یہ کہ عدم جواز میں دونوں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔ (اھ)

بیان المفردات واللغات فی عبارۃ الکتاب

۱- المسح وہو فی اللغۃ امرو الید علی الشی وفی الشرع اصابۃ ابلۃ بخف مخصوص فی زمن مخصوص (درمختار) کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور گزارنا عربی زبان میں مسح کہلاتا ہے اور شریعت میں ایک خاص قسم کے موزہ کو ایک خاص وقت میں پانی کی تری پہنچانا مسح کہلاتا ہے۔

۲- الخفین یہ خف کا تثنیہ ہے یعنی دو موزے جبکہ خف ایک موزہ ہے والخف شرعا السائرۃ للکعبین فاکثر من جلد ونحوہ (درمختار) یعنی شریعت میں موزہ ٹخنوں کو ڈھانپ دیتا ہے یہ زیادہ تر چمڑے وغیرہ کا ہوتا ہے۔

۳- لبس صیغہ ماضی ہے یعنی اس نے پہنا اس کا مصدر لبس ہے کسی چیز کو پہننا۔

۴- طھارت کاملہ اور پوری اور مکمل پاکیزگی یہاں پورا اور مکمل طور پر وضو کرنا مراد ہے۔

۵- الحدث بے وضو ہونا۔ ۶- مقیم گھر میں ٹھہرنے والا۔

۷- عقیب پیچھے اور بعد۔ ۸- یحدث وہ بے وضو ہوتا ہے۔

۹- خلافا ای خالف خلافا یہ فعل محذوف خالف کیلئے مفعول مطلق ہے یعنی خالف الشافعی خلافا فی ھذا القول کما ذکر فی کتب النحو مرارا خصوصا فی الشرح للملا جامیؒ۔

۱۰- یکفی من الکفایۃ وہ کافی ہوتا ہے الکفایۃ کافی ہونا۔

۱۱- ملبوس پہنا ہوا صیغہ اسم مفعول ہے۔

۱۲- صاحب العذر معذور شخص۔

۱۳- المستحاضۃ وہ عورت جسکو خون استحاضہ آئے حیض اور نفاس کے علاوہ یہ ایک تیسرا خون ہے جو بیمار عورتوں کو عموماً عارض ہوتا ہے۔

۱۴- الاصحاء یہ صحیح کی جمع ہے تندرست اور صحت یاب لوگ۔

۱۵- تمام المدۃ مسح کی پوری مدت جو مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں ہیں۔

۱۶- وجب صیغہ ماضی ہے یعنی واجب اور ضروری ہوا۔

۱۷- الرجل مرد اس کی جمع رجال ہے۔

۱۸- الامراۃ عورت اس کی بغیر لفظ مفرد جمع النساء ہے۔ اس کی جمع من غیر لفظہ آتی ہے یعنی النساء۔

۱۹- سواء برابر ہونا۔

تمہید قبل التشریح

اب مصنف علیہ الرحمۃ مسح علی الخفین کے کس قدر تفصیلی احکام پیش کرنا چاہتے ہیں پس اس مقصد کیلئے الگ فصل ذکر فرمائی ہے مناسب یہ تھا کہ بحث المیاہ سے اسے پہلے ذکر کرتے جیسا کہ بحث وضو کو پہلے ذکر فرمایا لیکن بعد میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پانی وضو اور مسح کیلئے

اصل اور یہ دونوں اس کی فرع اور اس کے تابع ہیں بلکہ یوں کہنا بجا ہے کہ پانی ان دونوں کیلئے موقوف علیہ ہے اور یہ دونوں اس پر موقوف ہیں اس لئے مصنف بحث المیاہ کو بحث المسح سے پیچھے لائے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ اسے بحث وضو کے بعد کیوں لاتے ہیں؟ اس لئے کہ مسح کرنا شرعاً عزیمت نہیں بلکہ مبنی بر رخصت ہے پس دفع حرج کیلئے اس کی اجازت دی گئی لہٰذا مسح من العوارض ہوا پس یہ من اصل الوضوء نہیں اس لئے اس کو بحث وضو کے بعد لائے ہیں مسح علی الخفین اگرچہ قرآن مجید سے ثابت نہیں تاہم روایات مستفیضہ مشہورہ سے ثابت ہے لہٰذا اس کا انکار کرنا موجب گمراہی اور باعث فسق ہے کیونکہ قولاً وفعلاً آنحضرت ؐ کی سنت ہے خود آپ نے موزوں پر مسح کیا اور اس کے کرنے کا حکم بھی فرمایا اور متعدد صحابہ کرام نے احادیث مسح کو روایت کیا یہی وجہ ہے کہ بعض اکابرین نے اس کو اہل سنت ہونے کی علامت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے **علامة اهل السنة تفضيل الشيخين وحب الختنين والمسح على الخفين** یعنی گروہ اہل سنت کی نشانی یہ ہے کہ شیخین (ابوبکر وعمر) کو باقیوں پر فضیلت دے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو دامادوں (عثمان وعلی) سے قلبی طور پر محبت رکھے اور بوقت ضرورت موزوں پر مسح کرے یہاں اضافی معلومات کیلئے ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی بحوالہ کبیری شارح منیة درج کئے جاتے ہیں جو رواۃ احادیث مسح اور با لمسح ہوئے ہیں:

۱- حضرت عمر	۲- حضرت علی	۳- حضرت مقوان۔
۴- حضرت عوف	۵- سیدہ عائشہ	۶- حضرت ابوبکر
۷- حضرت عبداللہ بن عباس	۸- حضرت عبداللہ بن عمر	۹- حضرت عبداللہ بن مسعود
۱۰- حضرت مغیرہ	۱۱- حضرت سعد	۱۲- حضرت جزیر بن عبداللہ
۱۳- حضرت سلیمان	۱۴- حضرت ابوہریرہ	۱۵- حضرت براء
۱۶- حضرت جابر بن عبداللہ	۱۷- حضرت عمرو	۱۸- حضرت ابوموسیٰ اشعری
۱۹- حضرت ثوبان	۲۰- حضرت عمرو بن امیة	۲۱- حضرت بلال
۲۲- حضرت عمرو بن العاص	۲۳- حضرت ابوامامہ	۲۴- حضرت سہل
۲۵- حضرت ابوسعید خدری	۲۶- حضرت عبداللہ	۲۷- حضرت عبادہ
۲۸- حضرت یعلی	۲۹- حضرت اسامة	۳۰- حضرت سلمان
۳۱- حضرت ابوایوب انصاری	۳۲- حضرت حذیفہ	۳۳- سیدہ ام سعد انصاریہ

رضوان اللہ تعالیٰ عنهم اجمعين الى يوم الدين وبعد يوم الدين ابدا ابدا

یہ ہیں ان مشاہیر اصحاب وصحابیات رسول اللہ کے اسمائے عالیہ کہ جن سے روایات مسح مذکور ہیں پس اس سے آپ اہمیت، افادیت مسح اور شہرت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں پس اسی کثرت اور جم غفیر کیوجہ سے تمام اہل سنت نے اس مسئلہ کو پوری توثیق وتائید سے تسلیم کیا ہے کہ البتہ بعض گمراہ اور ہدایة سے دور افتادہ فرقوں نے صرف ہوائے نفسانی اور وساوس شیطانی کی بنا پر اس کا انکار کیا ہے پس اہل علم کے نزدیک ان کا انکار وفرار کوئی اپنے اندر وزن اور اعتبار نہیں رکھتا۔

تشریح علیٰ وجہ المرام

۱- مسح ان روایات و آثار وارده عن النبی صلی الله علیه وسلم قولا وفعلا سے ثابت شدہ ہونے کی بنا پر جائز ہے لیکن قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں آیا اور یہ کچھ مضر نہیں کیونکہ ارشاد خداوند ہے ما اٰتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا الآیۃ یعنی جو رسول گرامی تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو۔ اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے باز رہو یہاں کلمہ ما اپنے عموم پر ہونے کی وجہ سے دینی اور دنیاوی دونوں نعمتوں کو صراحۃ شامل ہے اور آنحضرت کو جو منصب سونپا گیا اس میں کتاب وحکمت دونوں کی تعلیم شامل ہے (ویعلمهم الکتاب والحکمة) اور حکمت حدیث وسنت کا دوسرا قرآنی نام ہے لہٰذا آنحضرت ا کا قولا وفعلا مسح خفین کا بڑی خصوصیت سے ذکر کرنا اور صحابہ کرام کا اسے نہ صرف نقل کرنا بلکہ اس پر عمل پیرا ہونا اسلام میں اس کے ثبوت اور اہمیت کی بڑی قوی دلیل ہے کہ جس سے کبھی صرف نظر نہیں کی جا سکتی۔

۲- حدث کی دو قسمیں ہیں ایک حدث اکبر اور دوسری حدث اصغر یعنی بڑی اور چھوٹی ناپا کی پس بڑی ناپا کی جنابت کہلاتی ہے جبکہ چھوٹی ناپا کی بے وضو ہونا ہے۔ یہاں مصنف نے حدث موجب للوضوء فرما کر اسی طرف اشارہ کیا ہے اور وضو کا ذکر کر کے اس حدث کو نکال رہے ہیں جو حدث اکبر ہونیکی وجہ سے موجب غسل ہوا کرتی ہے گویا فرما رہے ہیں کہ یہاں حدث سے جنابۃ مراد نہیں صرف بے وضو ہونا مراد ہے کیوں؟ اس لئے یہ جنابت میں موزوں پر مسح کرنا کام نہیں دیتا بلکہ ایسی صورت میں دونوں موزے اتار کر کہیں الگ ہو کر غسل کرے تاکہ ازالۂ جنابت ہو اور پھر اگر حالات اجازت دیں تو موزے پہن لے پھر بعد ازیں اگر بے وضو ہو گی تو موزے نہ اتارے بلکہ ان پر شرعی طریقہ سے مسح کر ڈالے۔

۳- یہ مسح کرنیکی تیسری شرط ہے یعنی بے وضو ہونے کے وقت اس کی طہارت مکمل ہو اگرچہ موزے پہننے کے وقت مکمل نہ ہو لہٰذا اگر کسی شخص نے صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لئے پھر باقی ماندہ وضو کیا تو اب جس وقت بھی بے وضو ہو گیا تو موزوں پر مسح کر سکتا ہے کیونکہ وقت حدث اس کا وضو مکمل تھا اگرچہ موزے پہننے کے وقت وضو مکمل نہ تھا کیونکہ شرط یہ ہے کہ کمال الوضو۔ وقت الحدث ہو اگرچہ وقت ابھی نہ ہو پس اس صورت میں تو شرط پائی گئی لہٰذا مسح کر سکتا ہے۔

نوٹ:-

۱) دیگر ائمہ کرام کا اس باریک فقہی نکتہ میں کس قدر اختلاف ہے چنانچہ احناف اور دوسرے عام اہل علم جواز مسح کیلئے وقت الحدث کمال وضو شرط قرار دیتے ہیں۔

۲) امام شافعی اور امام حسن بصری وقت اللبس وضو مکمل ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔

۳) امام اوزاعی اور امام احمد نے مسح کرنے کے وقت تکمیل وضو کے قائل ہیں پس اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے طلوع فجر کے وقت وضو کر کے موزے پہن لئے پھر سورج طلوع ہونے کے بعد بے وضو ہو گیا پھر اس نے وضو کیا اور سورج ڈھلنے کے بعد مسح کیا تو عام اہل علم کے نزدیک وہ شخص دوسرے دن وقت الحدث تک مسح کر سکتا ہے جبکہ دوسرے قول پر دوسرے دن طلوع فجر تک مسح کر سکتا ہے جو کہ موزے پہننے کا وقت ہے اور تیسرے قول پر دوسرے دن سورج ڈھلنے کے بعد تک مسح کر سکتا ہے جبکہ صحیح بات وہی پہلی ہے مقامی اور مسافر کی مدت میں جو فرق ہے وہ حضرت علی کے اس قول پر مبنی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضورا نے مسافر کیلئے تین دن اور تین

راتیں مسح کرنے کی اجازت دی ہے جبکہ مقامی کیلئے صرف ایک دن رات کی اجازت دی یہ بات کہ مسح کی ابتدا کب ہوگی مصنف نے اس کی ابتدا حدث کے بعد قرار دی ہے کیوں کہ وہ اس سے پہلے پاک ہے اسے وضو کرنے کی ضرورت نہیں لہٰذا مسح کرنے کی بھی حاجت نہیں اور یہ بھی مصنف نے بیان فرمایا کہ مسح کرنے کی مدت طہارت کا وقت بھی نہیں اور موزے پہننے کا وقت بھی نہیں لہٰذا اگر کسی شخص نے صبح کی نماز کیلئے وضو کیا اور ظہر کے وقت موزے پہن لئے پھر عصر کے وقت بے وضو ہوا تو اس کے مسح کرنے کی مدت وقت عصر سے شروع ہوگی صبح اور ظہر کے وقت سے شروع نہ ہوگی لہٰذا اگر وہ مقامی ہو تو دوسرے دن کے وقت عصر تک مسح کرسکتا ہے اور اگر مسافر ہو تو چوتھے دن کے وقت عصر تک اسے مسح کرنے کی اجازت ہے مصنف نے یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص نے صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لئے پھر باقی وضو بعد میں مکمل کیا تو یہ شخص جیسے مکمل وضو کرنے کے بعد موزے پہنے اور بے وضو ہو جائے تو مسح کرسکتا ہے اسی طرح اس صورت میں بھی کرسکتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مسح کرنے کی شرط یہ ہے کہ پورا وضو کرکے موزے پہنے پھر بے وضو ہونے کے وقت مسح کرسکتا ہے ورنہ نہیں اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لے اور باقی وضو بعد میں کرے تو امام شافعی کے نزدیک ایسے موزوں پر مسح جائز نہیں اور اسی طرح اگر کسی شخص نے ترتیب سے وضو کیا اور ایک پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا پھر دوسرا دھو کر موزہ پہنا تو اس صورت میں بھی امام شافعی کے نزدیک مسح جائز نہیں جبکہ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں مسح کرسکتا ہے لیکن اگر بے وضو ہونے کے وقت اس نے طہارت ناقصہ پر موزے پہن رکھے ہوں تو ہمارے نزدیک بھی مسح جائز نہیں جبکہ امام زفر کے نزدیک جائز ہے اور طہارت ناقصہ یا تو معذور شخص کی طہارت ہے یا تیمم کرنے والے کی طہارت ہے یا اس عورت کی طہارت ہے جس کو مدت حیض یا نفاس سے کم یا زیادہ خون نظر آئے اور وہ خون استحاضہ والی عورت ہو یا اسے مسلسل پیشاب کے قطرے آئیں، یا اس کی ہوا خارج ہوئی ہو یا پیٹ جاری ہو یا دائمی نکسیر آتی ہو یا ایسا زخم ہو جو رستا رہتا ہو یہ سارے معذور لوگ ہیں یہ لوگ اگر وضو کریں اور موزے پہن لیں بشرطیکہ کوئی منافی وضو چیز انہیں نظر نہ آئے تو یہ لوگ صحت یاب لوگوں کی طرح بوقت ضرورت مسح کرسکتے ہیں لیکن اگر یہ کسی عذر کی موجودگی میں وضو کریں تو یہ صرف نماز کے وقت میں مسح کرسکتے ہیں لیکن وقت نکل جانے کے بعد وضو ٹوٹ جانے کی طرح مسح بھی ٹوٹ جائے گا لیکن امام زفر کے نزدیک یہ پوری مدت مسح کرسکتے ہیں مصنف نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جو آدمی بے وضو ہو اور وضو کرکے موزے پہنے تو یہ شخص پھر جب بے وضو ہو تو مسح کرسکتا ہے لیکن اگر جنبی ہو جائے تو اس کیلئے مسح کرنے کی اجازت نہیں اس کی صورت ائمہ فقہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ایک آدمی کو احتلام ہو گیا پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے تیمم کیا پھر وہ اس کے بعد بے وضو ہو گیا اور اسے پانی بھی مل گیا تو یہ شخص وضو کرے لیکن اگر اس نے موزے پہن رکھے ہوں ان پر مسح نہیں کرسکتا کیونکہ جنابت کی صورت میں مسح جائز نہیں جیسا کہ اگر کسی شخص نے وضو کرکے موزے پہن لئے پھر وہ جنبی ہو گیا تو اب یہ نہیں کرسکتا کہ باقی جسم کو پانی سے دھوئے لیکن موزوں پر مسح کرے بلکہ موزے اتار کر اس کیلئے غسل کرنا ضروری ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جنابت ایک ایسی نجاست ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے سوائے غسل کے وضو کافی نہیں اور مصنف نے یہ بھی فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنے میں مرد عورت برابر ہیں یعنی جس طرح مردوں کیلئے مسح کرنے کی اجازت ہے بالکل اسی طرح عورتوں کیلئے بھی گنجائش ہے کیونکہ عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہیں لہٰذا جو احکام مردوں کیلئے شرعاً ضروری ہیں وہی عورتوں پر بھی لاگو ہیں پس ان کیلئے کسی الگ حکم کی ضرورت نہیں کیونکہ جیسے رہنے سہنے اور نفقہ میں عورتیں مردوں کے تابع ہیں اسی طرح دینی احکام میں بھی مردوں کے زیر اثر ہیں۔

کیفیتِ مسح

والمسح علی ظاهرهما دون باطنهما خطوطا بالاصابع یبدأ من قبل الاصابع و نمد الی الساق اعتبارا بالغسل و فرض ذلک مقدار ثلث اصابع من اصابع الید ولو وضع یدیه من قبل الساق و مدهما الی رؤس الاصابع جاز ولو مسح علیهما عرضا جاز و کذا لو مسح بثلث اصابع موضوعة غیر ممدودة جاز و لکنه یکون مخالفا للسنة فی جمیع ذلک و کیفیة المسح ان یضع یدیه علی مقدم خفیه و یجافی بطن کفیه و یمدهما الی الساق او یضع کفیه مع الاصابع و یمدهما الیٰ الساق جملة ولو مسح برؤس الاصابع و یجا فی اصول الاصابع والکف لا یجوز المسح الا ان یکون الماء متقاطرا والمستحب ان یمسح بباطن الکف ولو مسح بظاهر کفیه یجوز ولو مسح علی باطن خفیه او من قبل العقبین او من جوانبهما لا یجوز و ذکر فی المحیط او توضأ و مسح ببلة بقیت علی کفیه بعد الغسل یجوز ولو مسح رأسه ثم مسح خفیه ببلة بقیت علی کفیه لا یجوز ولو لم یمسح علی خفیه و لکن خاض فی الماء لا بنیة المسح او مشی فی الحشیش المبتل بالماء او بالمطر یجزیه و کذا اذا اصابه المطرینوب عن المسح و فی بعض الروایات لا یجزیه لانه خلف کا التیمم و لا یفتقر الی النیة فی مسح الخف خلافا للشافعی رحمه الله

ترجمہ......مسح دونوں موزوں کے ظاہر پر ہوگا لیکن ان کے اندرونی حصے پر جائز نہیں۔

کیفیت مسح......مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تین انگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے پنڈلی کی طرف خط کھینچے دھونے کا اعتبار کرتے ہوئے اور مسح کرنے میں فرض ہاتھوں کی تین انگلوں کی مقدار ہے۔

مسئلہ......اگر کسی شخص نے پنڈلی کی طرف دو ہاتھ رکھے اور انہیں پاؤں کی انگلیوں کے سروں تک کھینچ لایا (یعنی اس نے الٹے طریقے سے مسح کیا) تو بھی جائز ہے اور اسی طرح اگر اس نے تین انگلیاں جوڑ کر مسح کیا تو بھی جائز ہے اور اگر پاؤں پر چوڑائی میں مسح کیا تو یہ صورت بھی جائز ہے لیکن ان تمام باتوں میں سنت رسول کی مخالفت ہوگی لہٰذا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ٹھیک نہیں کیونکہ ترک سنت سے کراہت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ عام کتب فقہ مثلاً فتاویٰ شامی وغیرہ میں مذکور ہے۔

مسح کرنے کی صورت...... مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ موزوں کے اگلے حصے پر رکھے بشرطیکہ دونوں ہتھیلیوں کا پیٹ دور ہو پھر انہیں پنڈلیوں کی طرف کھینچے یا دونوں ہتھیلیاں انگلیوں سمیت موزوں پر رکھے اور انہیں یکبار گی پنڈلی کی طرف کھینچے اور اگر اس نے صرف انگلیوں کے سروں سے مسح کیا اور انگلیوں کی جڑوں اور ہتھیلی کو دور رکھا تو مسح جائز نہیں مگر یہ کہ پانی کا تقاطر ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ ہتھیلیوں کے باطنی حصہ سے مسح کرے اور اگر ان کے ظاہر سے مسح کیا تو بھی جائز ہے لیکن اگر اس نے (انگلیوں کے سروں سے) موزوں کے باطن پر مسح کیا یا ایڑھی کی طرف سے مسح کیا یا اس کے اطراف کی طرف سے مسح کیا تو جائز نہیں اور (کتاب) محیط میں بیان کیا گیا کہ اگر کسی شخص نے وضو کیا اور دونوں موزوں پر اس نمی کے ساتھ مسح کیا جو دھونے کے بعد اس کی ہتھیلیوں پر رہ گئی تو مسح جائز ہے اور اگر اس نے وضو کیا اور اگر اس نے اپنے سر پر مسح کیا پھر اس تری کے ساتھ موزوں پر مسح کیا جو اس کی ہتھیلیوں پر بچ گئی تو مسح جائز نہیں اور اگر اس نے دو موزوں پر مسح نہ کیا لیکن بغیر نیت مسح کے پانی میں غوطہ لگایا یا ایسی گھاس پر چلا جو پانی یا بارش سے تر ہو گئی تھی تو یہ اس کیلئے کافی ہے اور اسی طرح جب بارش برسے اور اس تک پہنچ جائے تو یہ مسح کے قائم مقام ہو گی۔

مسئلہ......موزوں پر مسح کرنے میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے (کیونکہ وہ ہر کام میں نیت ضروری قرار دیتے ہیں) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ تیمم کی طرح مسح پاؤں دھونے کا خلیفہ ہے (لہٰذا جس طرح تیمم میں نیت ضروری ہے بالکل اسی طرح مسح میں بھی ضروری ہے۔)

چند لغات

۱-	باطن	اندرونی حصہ	۲-	خطوط	خط کی جمع ہے بمعنی لکیریں
۳-	الاصابع	یہ اصبعۃ کی جمع ہے بمعنی انگلیاں	۴-	الساق	پنڈلی
۵-	یمد	کھینچے	۶-	موضوعة	رکھی ہوئی چیز
۷-	ممدودة	دراز اور پھیلی ہوئی چیز	۸-	یجافی	دور رکھے
۹-	رؤس	جمع ہے رأس کی بمعنی سر	۱۰-	اصول	اصل کی جمع ہے بمعنی جڑ اور بنیاد
۱۱-	العقب	ایڑھی	۱۲-	بلة	نمی اور تری
۱۳-	خاض	گھس گیا اور اس نے غوطہ لگایا	۱۴-	الحشیش المبتل	تر گھاس
۱۵-	ینوب	وہ چیز نائب ہو گی	۱۶-	لا یجزیه	یہ اس کیلئے جائز نہیں
۱۷-	خلف	خلیفہ اور قائم مقام			

تشریح الکلام علی نمط المرام

پہلی بات

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ مصنف مرحوم کے آغاز کلام میں موزوں کے بارے میں ''ظاہرا'' اور ''باطن'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں یہاں ظاہر سے موزوں کی اوپر والی سطح اور باطن سے نیچے والی سطح مراد ہے پس مفہوم یہ ہے کہ موزوں کے اوپر مسح کیا جائے پس نچلی سطح مسح کرنے سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ شرعاً یہی حکم ہے چنانچہ اس کی وجہ جناب علیؓ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

رُوِی عن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انہ قال لو کان الدین بالرأی مکان مسح باطن الخف اولیٰ من ظاہرہ وفی روایۃ لکان اسفل الخف اولیٰ من اعلاہ ولکنی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علیٰ ظاہر خفیہ دون باطنھما ۔ (اھ)

یعنی اگر دین کا مدار صرف سطح عقل اور قیاس پر ہوتا تو پھر موزہ کی نچلی سطح اوپر والی سطح سے زیادہ قابل مسح ہوتی یعنی عقل اور قیاس تقاضا یہ تھا کہ بجائے اوپر کے موزہ کی نچلی طرف مسح کیا حالانکہ ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ موزوں کے اوپر مسح کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ دین مدار صرف عقل وقیاس نہیں بلکہ وحی ربانی پر ہے اور عقل خالص اور قلب سلیم اس کے مخالف اور مناقض نہیں لہٰذا عقل وقیاس سے عام لوگوں کی عقل اور فہم مراد ہے اور حضرت علی فرماتے ہیں پس حضورا کو خود دیکھا کہ آپ موزوں کی نچلی سطح کو چھوڑ کر صرف اوپر والی سطح پر مسح کرتے۔

دوسرا مسئلہ

مسح کس طرح کیا جائے فرماتے ہیں اسکا طریقہ یہ ہے کہ موزوں کے انگلیوں والے حصہ سے اپنی انگلیوں کیساتھ اپنی پنڈلی کی طرف خط کھینچے تو مسح ہو جائے گا چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جناب فاروق اعظم نے اسی صورت سے مسح کیا تھا چنانچہ آپ کے موزوں پر خطوط کی صورت میں آپ کی انگلیوں کے نشانات دیکھے گئے پس اس سے معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا طریقہ سنت نبوی کے مطابق یہی ہے۔

شارح صغیری بحوالہ خلاصہ وغیرہ بیان کرتے ہیں اگر صرف ہتھیلی یا ہتھیلی مع الاصابع سے مسح کیا یعنی ایک کو یا دونوں کو پنڈلی کی طرف بصورت خطوط کھینچ کر مسح کیا تو یہ دونوں صورتیں اچھی ہیں والاحسن ان یمسح بجمیع الیہ کذا فی الخلاصۃ وغیرھا (اھ) (صغیری صفحہ ۶۱) یعنی زیادہ اچھا یہ ہے کہ اپنے پورے ہاتھ سے مسح کرے گویا جواز مسح کی چار صورتیں ہیں ان میں سے بعض حسن اور بعض احسن ہیں۔

۱- صرف تین انگلیوں سے مسح کرے ۲- صرف ہتھیلی سے مسح کرے

۳- کف مع الاصابع سے مسح کرے ۴- پورے ہاتھ سے مسح کرے

یہ احسن ہے جبکہ پہلی صورتیں حسن ہیں یعنی ان میں جواز مع الحسن ہے جب کہ صورت رابعہ میں جواز مع زیادۃ الحسن ہے کیونکہ صیغہ اسم تفضیل میں تحقق وصف زائد ہوا کرتا ہے جیسے عالم واعلم میں فرق ہے کہ اگرچہ دونوں میں تحقق وصف العلم ہے مگر ثانی میں اول سے زائد علم پایا جاتا ہے جو مفاد اسم تفضیل ہے۔ (کذا فھمت من العبارۃ)

دوسری بات

مسح کرنے کی کیفیت اور طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں حصول مسح کے جو خط کھینچے اس کی ابتداء پاؤں کی انگلیوں سے کرے اور پنڈلی تک خط کھینچتا چلا جائے پس مسح خفین کو دھونے پر قیاس کیا گیا کیونکہ یہی مستحب ہیں دھونے میں اور یہ بھی مستحب ہے کہ صرف ایک مرتبہ مسح کرے کیونکہ اس میں تکرار نہیں تا کہ مقرر کیا جائے پس اس میں طولا و عرضا صرف تین انگلیوں کی مقدار فرض ہے یہاں اختلاف ہے کہ انگلیوں سے کون سی انگلیاں مراد ہیں ہاتھوں کی یا پاؤں کی امام کرخی فرماتے ہیں کہ پاؤں کی انگلیاں مراد ہیں جبکہ امام ابوبکر رازی ہاتھوں کی انگلیوں مراد لیتے ہیں اور یہی مختار (پسندیدہ قول) ہے (صغیر صفحہ ۶۱)

اس کی دلیل یہ ہے کہ آلہ مسح ہاتھ ہے لہٰذا اس کی انگلیاں مراد ہیں جیسا کہ مسح سدوس دھر مراد ہیں۔

تیسری بات

اگر کسی نے الٹے طریقہ سے مسح کیا یعنی پنڈلی سے روس اصابع تک مسح کیلئے خط کھینچا تو کیا مسح ہو جائے گا یونہی چوڑائی مسح کیا اور اسی طرح انگلیاں دراز کئے بغیر مسح کر لیا تو شرعا کیا حکم ہے پس ان تینوں سوالوں کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ یوں کرنے سے بھی مسح ہو جائے گا اس کے ذیل میں شارح صغیری لکھتے ہیں (لحصول الغرض) یعنی چونکہ مقصود اور غرض وغایۃ مسح ہے اور وہ ان طریقوں میں بھی حاصل ہو گیا ہے لہٰذا یہی کہیں گے کہ ان تینوں طریقوں سے جس نے مسح کیا وہ ہو گیا۔

لیکن ایسا کرنا طریقہ نبوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف سنت ہے لہٰذا مکروہ تنزیہی ہے۔

چوتھی بات

مسح کیسے اور کس طرح کیا جائے پس مصنف اس کی شرعی تفصیل اور طریقہ ماثورہ بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں موزوں کے مقدم پر رکھے لیکن دونوں ہتھیلیوں کا پیٹ دور رہے اور پنڈلی کی طرف بصورت خطوط لائے۔ (یہ ایک طریقہ مسنونہ ہے)۔

دوسرا طریقہ

دونوں کف مع الاصابع دونوں موزوں کے اگلے حصہ پر رکھے اور پھر ان دونوں سے خط کھینچے یہ طریقہ حسن ہے جبکہ پہلا سنت ہے اس کے جواز کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے جس کے الفاظ بحوالہ شرح الملتقی یہ ہیں:

ان النبی ﷺ وضع کفیه علی خفیه ومدهما من الاصابع الیٰ اعلاهما مسحة واحدة وکانی انظر الیٰ اثر المسح علی خف رسول الله ﷺ خطوطا بالاصابع (۵۱) (شرح الملتقیٰ نقلاً عن حاشیة الصغیری)

یعنی حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو موزوں پر بایں طور مسح کرتے دیکھا کہ آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں موزوں پر رکھیں اور انہیں پاؤں کی انگلیوں سے کھینچتے ہوئے اوپر پنڈلی کی طرف لے گئے اور ایک ہی مرتبہ ایسا کیا یعنی صرف ایک دفعہ مسح کیا گویا میں آنحضرت ﷺ کے موزوں پر انگلیوں کے خطوط سے جو مسح کا نشان پڑ گیا تھا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ (اس سے ایک عینی مستند شاہد کے مشاہدہ سے کیفیت مسح اور اس کا طریقہ بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔)

مسح کرنے کا غلط اور خودساختہ طریقہ اور اس کی ممانعت

اگر راس اصابع سے مسح کرے لیکن انگلیوں کی جڑوں اور ہتھیلیوں کو الگ کرے تو مسح جائز نہیں ہاں البتہ جواز مسح کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ پانی میں تقاطر یعنی اس کے قطرات ٹپکیں۔

کیوں؟ اس لئے کہ مجرد اصابۃ سے تری مستعمل ہو گئی ہے پس اگر تقاطر نہ ہو تو جو تری اولاً استعمال ہوئی ہے وہی ثانیاً فرض میں استعمال ہو گئی اور یہ ٹھیک نہیں ہاں اگر تقاطر آپ ہو تو دوسری تری پہلی تری کے مغایر ہو گئی اور یہ ٹھیک ہے رہا یہ سوال کہ اگر کوئی شخص مسح کرنے کی غرض سے انگلیاں رکھ کر انہیں کھینچے جبکہ پانی میں تقاطر نہ ہو تو یہ بھی جائز نہ ہو کیونکہ یہاں بھی مجرد اصابت سے تری مستعمل ہو گئی ہے حالانکہ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا دونوں میں وجہ فرق کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرض میں استعمال البتہ جائز بالنص ہے اور اس پر آنحضرتؐ کا فعل جواز کیلئے شاہد کافی ہے لہٰذا اس پر کسی دوسرے فرض کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی شخص نے دو انگلیوں سے مسح کیا تو یہ بھی جائز نہیں ہاں اگر انگوٹھا اور انگشت شہادت ان دو کے ساتھ شامل ہو تو پھر جائز ہے۔

پانچویں بات

مستحب یہ ہے کہ ہتھیلی کے باطن سے مسح کیا جائے کیونکہ یہی نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن اگر اس نے ہتھیلیوں کی پشت سے مسح کیا تو یہ بھی جائز ہے اگرچہ خلاف سنت ہے۔

چھٹی بات

اگر کسی نے موزوں کے نچلے حصہ پر مسح کیا یا ایڑیوں کی طرف سے یا پاؤں کے اطراف کی جانب سے تو مسح جائز نہیں کیونکہ یہ مسح محل پر نہیں کیا گیا اور محل مسح موزے کی اوپر والی طرف ہے نصوص سے یہی ثابت ہے۔

ساتویں بات

محیط میں بیان کیا گیا کہ اگر کسی آدمی نے وضو کیا تو اعضاء دھونے کے بعد ہتھیلیوں پر جو تری رہ گئی اس سے مسح کیا تو مسح جائز ہے کیونکہ یہ باقی تری مستعمل نہیں کیونکہ آب مستعمل وہ ہے جو اعضاء سے بہہ کر جدا ہو جائے اور اگر کسی نے اپنے سر کا مسح کرنے کے بعد بچی ہوئی تری سے موزوں کا مسح کیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ تری مستعمل ہو چکی ہے کیوں اس لئے کہ محل مسح میں استعمال ہو چکی ہے۔

آٹھویں بات

اگر کسی شخص نے وضو کیا لیکن موزوں پر مسح نہ کیا لیکن بغیر نیت مسح پانی میں غوطہ لگایا یا تر گھاس میں چلا گھاس خواہ پانی سے تر ہوئی ہو یا شبنم سے بشرطیکہ اس نے دو پاؤں میں سے کسی ایک کو یا اس کے اکثر حصے کو نہ دھویا ہو تو کہا گیا ہے کہ یہ فعل مسح کے قائم مقام نہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ مسح کے قائم مقام ہے۔

نویں بات

اگر کسی شخص کے موزوں کو بارش پہنچ گئی تو یہ قائم مقام مسح ہے اگرچہ اس نے مسح کی نیت نہ کی ہو لیکن امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے

بس ان کے نزدیک ان ساری صورتوں میں مسح نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک وضو و مسح میں نیت شرط ہے لیکن ہمارے نزدیک مسح ہو جائے گا اور یہی ظاہر روایت ہے مگر بعض نادر روایات کے مطابق ہمارے نزدیک بھی مسح نہ ہوگا کیونکہ مسح دھونے کا خلیفہ ہے لہٰذا تیمم کی طرح اس میں بھی نیت ضروری ہے لیکن یہ روایت ہمارے علماء کے مذہب میں ٹھیک نہیں کیونکہ ہمارے قواعد وضوابط کے خلاف ہے۔

و من ابتدأ المسح وهو مقيم مسافر قبل تمام يوم و ليلة مسح تمام ثلثة ايام و لياليها و من ابتداء المسح و هو مسافر ثم اقام ان كان مسح يوما و ليلة او اكثر لزمه نزعهما و غسل رجليه و ان كان مسح اقل من يوم و ليلة اتم مسح يوم و ليلة و من لبس الجرموقين فوق الخفين قبل ان يمسح على الخف مسح عليهما فان احدث و مسح على الخفين ثم لبس الجرموقين لا يمسح على الجرموقين ولو نزع احد الجرموقين فله ان ينزع الأخر و يمسح على خفيه و لا يجوز المسح على الجرموق المنخرق و ان كان خفاء غير منخرقين و كذا لا يجوز المسح علىٰ خف فيه خرق كثير يبين مقدار ثلث اصابع من اصابع الرجل فان كان اقل من ذلك جاز و ان كان الخرق في خف واحد قدر اصبعين في موضع او في موضعين و في الأخر قدر اصبع جاز المسح و ان كان في خف واحد يجمع فلا يجوز و يشترط ظهور الاصابع بكما لها ولو ظهر الابهام وهي مقدار ثلثة اصابع من غيرها جاز ولو كان طول الخرق اكثر من قدر ثلث اصابع و انفتاحه اقل من ذلك لا يمنع جواز المسح

ترجمہ...... جس شخص نے مقیم ہونے کی حالت میں مسح شروع کیا پھر ایک رات دن گزرنے سے پہلے ہی مسافر ہو گیا تو پورے تین دن اور تین راتیں مسح کرے اور جس نے بحالت سفر مسح کرنے کا آغاز کیا پھر مقیم ہو گیا اگر ایک رات دن یا کچھ زیادہ مدت مسح کر لیا تھا تو اس پر موزوں کو اتار دینا اور پاؤں کو دھو لینا لازم ہے اور اگر ایک رات دن سے کم مدت مسح کیا تھا تو ایک رات دن کی مدت پوری کرے۔

مسئلہ...... جس شخص نے موزوں سے اوپر دو پائے تابے پہن لئے موزوں پر مسح کرنے سے پہلے تو ان پر مسح کرے اور اگر موزوں پر مسح کر لیا پھر پائے تابے پہن لئے تو ان پر مسح نہ کرے اور اگر ایک پائے تابہ کھینچ کر نکال دیا تو دوسرے کو بھی نکال ڈالے اور صرف موزوں پر مسح کرے اگر پائے تابے پھٹے ہوئے ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں اگرچہ موزے پھٹے ہوئے نہ ہوں۔

مسئلہ...... کسی ایسے موزے پر بھی مسح کرنا جائز نہیں جس میں بہت سے شگاف ہوں کہ جن سے پاؤں کی تین انگلیوں کی

مقدار کھلی ہو اور اگر اس سے کم مقدار ہے تو مسح جائز ہے لیکن اگر ایک موزے میں ایک جگہ دو انگلیوں کی مقدار شگاف ہے یا دو جگہوں میں اسی قدر شگاف ہے اور دوسرے میں ایک انگلی کے برابر شگاف ہے تو مسح جائز ہے اور اگر ایک موزے میں چھوٹے چھوٹے شگاف ہوں کہ جنہیں جمع کیا جائے تو تین انگلیوں کی مقدار ہو جائے تو ایسے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں اور اس باب میں مکمل انگلیوں کا ظاہر ہونا شرط ہے اور اگر انگوٹھا ننگا ہو جائے جب کہ وہ باقی انگلیوں کی بہ نسبت تین انگلیوں کی مقدار ہو تو مسح جائز ہے اور اگر شگاف کی درازی تین انگلیوں سے زائد ہو لیکن اس کی کشادگی ان سے کم ہو تو یہ حالت مسح جائز ہونے کو نہیں روکتی، یہی حکم ہے اگر موزے کی سلائی کھل جائے بشرطیکہ دو قدموں کا کوئی حصہ دکھائی نہ دے تو مسح جائز ہے اور اگر چلنے کی حالت میں دکھائی دے لیکن رکھنے کی حالت میں نہ دکھائی دے تو یہ صورت مسح جائز ہونے کو روکتی ہے اسی طرح اس کو محیط میں بیان کیا ہے اور اگر اسکے برعکس صورت ہو تو پھر یہ حالت جواز مسح کو نہیں روکتی۔

اللغات

۱- ابتداء شروع کرنا ۲- سافر اس نے سفر کیا ۳- نزع اتارنا

۴- الجرموقین یہ جرموق کا تثنیہ ہے وہ شے جو موزے کے اوپر اس کی حفاظت کیلئے پہن لی جائے یہ کبھی چمڑے کی ہوتی ہے اور کبھی سوتی کپڑے کی۔

۵- المنخرقین دو شگاف خرق پھاڑنا اور کاٹنا ۶- تبین ظاہر ہو جائے

۷- طول الخرقت شگاف کی لمبائی ۸- انفتاح کھل جانا کشادہ ہو جانا

۹- انفتاق کشادہ ہونا ۱۰- خرز سلائی

۱۱- یدبو ظاہر ہو جائے ۱۲- حالۃ المشی چلنے کی حالت

۱۳- حالۃ الوضع رکھنے کی حالت

۱۴- ایام یہ یوم کی جمع ہے یوم ایک دن ''۲۴'' گھنٹہ کے وقفہ کو عربی زبان میں یوم کہا جاتا ہے۔

پس اس میں رات و دن دونوں آجاتے ہیں یہی وجہ ہے اگر الیوم کہا جائے تو لوگ عرف اور رواج کے مطابق شب و روز کا یہی وقفہ مخصوصہ مراد لیتے ہیں کبھی کبھی یہ صرف وقت کے معنی بھی استعمال ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد لیل یا انہار کا ذکر الگ آئے تو اس سے بوجہ قرینہ صرف دن یا رات ہوگی امام اہل سنت ''الملفوظ حصہ اول صفحہ ۱۸'' پر تعین تاریخ پر چار گروہوں کا اتفاق ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں تاریخ کی ابتداء و انتہا میں چار طریقے ہیں۔

ایک طریقہ نصاریٰ کا کہ ان کے یہاں نصف شب سے نصف شب تک تاریخ کا شمار ہے۔ دوسرا طریقہ ہنود کا کہ طلوع آفتاب سے طلوع آفتاب تک ہے تیسرا طریقہ فلاسفہ یونان کا ہے کہ نصف النہار سے نصف النہار تک ہے علم ہیئات میں یہی ماخوذ ہے چوتھا طریقہ مسلمانوں کا کہ غروب آفتاب سے غروب آفتاب تک شمار ہے اور یہی عقل سلیم سید کرتی ہے کہ ظلمت نور سے پہلے ہے۔

۱۵- لیالی راتیں یہ لیل کی جمع ہے جس کا معنی ہے رات۔ لیل کے مقابلہ "نہار" ہے بمعنی دن اس کی جمع بہت کم استعمال ہوتی ہے البتہ بعض لوگوں نے اس کی النھر لکھی ہے۔

۱۶- الابھام انگوٹھا: انگلیوں کے عربی نام یہ ہیں: (۱) ابہام: انگوٹھا (۲) سبابہ: انگلی شہادت (۳) اوسطیٰ: درمیانی انگشت (۴) بنصر: درمیان انگلی کے ساتھ والی انگلی (۵) اخنصر: سب سے چھوٹی انگلی۔

تشریح الکلام المصنف

تحریر عبارت کے مطابق مصنف علیہ الرحمۃ حسب سابق چند مسائل اور جزئیات متعلقہ متفرقہ بیان فرماتے ہیں پس انہیں تشریحاً وتوضیحاً علیٰ وجہ الترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلا مسئلہ

مقیم اور مسافر کی مدت سے مسح کا بیان اور تبدیل نیت سے حکم میں تبدیلی کا ظہور جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی مقیم شخص نے موزوں پر مسح شروع کیا ابھی رات دن پورے نہ ہوتے کہ اس کا ارادہ تبدیل ہو گیا اور اس نے سفر شروع کر کے مسافر ہو گیا اب وہ مسح کس حیثیت سے کرے آیا سفر کی حیثیت ملحوظ رکھے یا اقامت کی تو مصنف فقہ اصول وقواعد کے مطابق جواب دیتے ہین ایسا شخص اب اپنی موجودہ حیثیت جو حیثیت سفر ہے کا لحاظ کرتے ہوئے وہ مدت مسح پوری کرے جو شارع نے ایک مسافر کیلئے مدت مسح (تین راتیں اور تین دن) مقرر فرمائی ہے کیونکہ اب اس کی پہلی نیت (نیت اقامت) دوسری نیت کی وجہ سے منسوخ اور کالعدم ہو گئی ہے۔

اسی مسئلہ کا دوسرا رخ

اگر حالت سفر میں آغاز مسح کیا تھا اور اب مقیم ہو گیا تو حالت اقامت والی مدت پوری کرے پس اگر شب وروز (۲۴) گھنٹے پورے ہو گئے تو فوراً موزے اتار کر پاؤں دھو ڈالے اگر رات دن پورے نہیں ہوتے تو انہیں پورا کرے اس میں راز اور فلسفہ یہ ہے کہ جب نیت بدل جائے تو حکم بدل جاتا ہے لہٰذا اگر مقیم سفر شروع کر کے مسافر ہو جائے تو اس کیلئے احکام سفر ہوں گے اور اگر مسافر نیت اقامت کر کے کہیں مقیم ہو جائے تو پھر اس پر احکام اقامت لاگو ہوں گے اس لئے عندالائمہ "اذا تبدلت النية تبدل الحكم" ایک مسلمہ قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ جس کے مطابق حکم دیا جاتا ہے البتہ امام شافعی قرشی امام احمد کا جزئیہ اولیٰ میں اختلاف ہے:

لان هذا الحكم يتعلق بالوقت و كل حكم فالمعتبر فيه آخر الوقت و آخر الوقت هو فيه مسافر فلا اعتبار لاقامته فمن هذا الوجه يكون مسافرا لا مقيما بوجه الانتهاء.

مسئلہ دوم

ایک شخص موزے پہن کر اوپر غلاف (پائے تابہ الجرموق) چڑھا لیا جبکہ موزوں پر مسح نہ کیا تو اب پائے تابوں پر مسح کرے تو کر سکتا ہے شارح صغیری فرماتے ہیں موزوں کی حفاظت اور بچاؤ کیلئے ان پر کبھی غلاف چڑھا لیا جاتا ہے اسے "الجرموق" کہتے ہیں یہ کبھی چمڑے یا سوتی کپڑے یا کسی اور چیز سے بنائے جاتے ہیں۔

اگر سوتی ہوں تو ان پر بالاتفاق مسح کرنا جائز نہیں ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ تری ونمی وغیرہ موزوں تک سرایت کر گئی ہے تو مسح کرنا

پایا جاتا ہے اور اگر ایسے مجلد ہوں جو انگلیوں اور ٹخنوں کیلئے ساتر ہوں تو ان پر علی الاطلاق مسح کرنا جائز ہے خواہ انہی اکیلا پہنا ہو یا موزوں کے اوپر پہن رکھا ہو۔

اور موزوں پر موزے پہننے کا بھی یہی حکم ہے یعنی ان پر مسح کرنا بلاشبہ جائز ہے امام شافعی اور امام احمد مسئلہ جرموق (پائتابہ) میں اضافہ سے اختلاف رکھتے ہیں پس انکے نزدیک مسح علی الجرموق جائز نہیں اسلئے کہ الخف بدل عن الرجل (پاؤں) ہے اور جرموق بدل عن الخف ہے اور بدل کیلئے کوئی دوسرا بدل نہیں ہوسکتا (والبدل لا یکون لہ بدل) جیسے وکیل کیلئے کوئی دوسرا وکیل نہیں ہوسکتا اور رائے اور قیاس سے بدل کی تنصیب نہیں ہوسکتی بلکہ یہ کام شارع کا اختیار ہے (جواب) جرموق بدل عن الرجل ہے بدل عن الخف تا کہ بدل کیلئے دوسرا بدل لازم آئے لہٰذا یہ پاؤں تک سرایت حدث سے مانع ہے اور یہ خف ذی طاقین کی طرح ہوگیا ہے یہاں تنصیب البدل رائے اور قیاس نہیں بلکہ دلالۃ النص سے استدلال کیا گیا ہے اور وہ لزوم الحرج فی النزع المکرر فی اوقات الصلوٰۃ ہے یا ایسا بر بنائے حدیث کیا گیا ہے چنانچہ مسند احمد میں ہے:-

عن بلال قال رأیت رسول اللہ ا مسح علی الجرموقین والخمار ولابی داوٗد کان یخرج النبی ا ولیتفی حاجۃ فاتیہ بالماء فیمسح علی عمامتہ وجرموقیہ –

پس اس نوع کی روایات سے مسح جرموق ثابت ہوگیا رہا یہ سوال کہ ان سے تو مسح علی العمامۃ والخمار بھی ثابت ہوگئے حالانکہ احناف ان دونوں پر مسح کرنے کے قائل اور مجوز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دوسرے دلائل قویہ جو عدم جواز پر دال ہیں ان کی وجہ سے مسح بہ عمامہ و برخمار متروک العمل ہے اور ان ادلۂ قویہ کے یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا مبسوط اور کتب کلاں میں ملاحظہ فرمائیں اگر سوتی نرم جراب پر موزہ پہن لیا جائے تو اس پر مسح جائز ہے چنانچہ ملا خرو نے شرح الدرر میں اور صاحب تسہیل نے اس جواز کو نقل کیا ہے لہٰذا ابن خرشہ نے المجموع میں فتاوٰی جواز نقل کرنا عدم اعتماد بر مرد مجہول ہونے کی وجہ سے غیر مسموع ہے۔ (کذا قال الحلبی فی الصغیری فی شرحہ علی المنیۃ)

مسئلہ سوم

اگر کوئی شخص موزے پہننے کے بعد مگر جرموقین سے پہلے بے وضو ہوگیا خواہ موزوں پر مسح کیا یا نہ کیا پھر جرموقین دو پائتابے پہن لئے تو کیا ان پر مسح کرسکتا ہے مصنف فرماتے ہیں ان پر مسح نہیں کرسکتا کیوں؟ اس لئے کہ جس طرح موزوں پر جواز مسح کی شرط یہ ہے انہیں بعد الوضو قبل الحدث پہنے رکھا ہو یوں ہر جرموقین بعد الوضو قبل الحدث پہننا شرط چونکہ یہ شرط مفقود ہے اس لئے ان پر مسح نہیں کرسکتا۔

مسئلہ چہارم

اگر مسح کرنے کے بعد ایک پائتابہ (جرموق) اتار دیا یا وہ بلا قصد خود بخود اتر گیا تو حکم یہ ہے کہ دوسرا بھی اتار دے اور صرف موزوں پر مسح کرے اور اگر چاہے تو دوسرے ملبوس جرموق پر اور اس موزہ پر کہ جس کا جرموق اتار دیا اعادہ مسح کرے لیکن اصل مذہب یہ ہے کہ ایک اتارا یا خود اتر گیا تو دوسرے کو اتار ڈالے اور صرف موزوں پر مسح کرے لیکن یہ جائز نہیں کہ صرف (المفزوع) (وہ جرموق جو اتارا گیا) پر بغیر اعادہ غیر مفزوع مسح کرے مگر امام زفر اس کو جائز کہتے ہیں۔

پانچواں مسئلہ

کسی پھٹے ہوئے جرموق پر مسح کرنا جائز نہیں اگر موزے پھٹے ہوئے نہ ہوں کیونکہ جرموق اور موزے ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح موزے شگافتہ توان پر مسح نہیں یوں ہی جرموق شگافتہ ہوں تو وہ بھی قابل مسح نہیں۔

ششم مسئلہ

اگر موزے میں اتنا بڑا شگاف ہو کہ پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار دکھائی دے اور ظاہر ہوتی ہو تو ایسے موزے پر مسح کرنا جائز انگلیوں سے ان کا طول وعرض دونوں مراد ہے یعنی جتنی پاؤں کی چھوٹی انگلی لمبی اور چوڑی ہوتی ہے اتنی ہی لمبائی و چوڑائی تین انگلیو مقدار ہو تو ایسا شگاف مانع عن المسح ہے حسن بن زیاد کی روایۃ میں ہاتھ کی انگلیاں مراد ہے جبکہ پہلا قول (اصابع الرجل) ظاہر روایۃ اور یہی زیادہ صحیح ہے یہاں معتبر سب سے چھوٹی انگلی مراد ہے مراد یہ کہ اس کے حساب سے تین انگلیاں مراد ہیں بشرطیکہ عندالا شگاف نہ ہو اور اگر انگلیوں کے پاس ہو تو پھر تین انگلیوں کا ظہور معتبر ہے اور اگر ایک موزہ میں اس سے کم شگاف ہو تو ایسے موزہ پر مسح جائز ہے لیکن امام شافعی اور امام زفر کا اس میں اختلاف ہے (یعنی ان دونوں کے نزدیک مسح جائز نہیں) ہماری جواز دلیل یہ ہے کہ قلیل الحرج معاف ہے اور تین انگلیوں سے کم مقدار زمرہ قلت میں ہے کیونکہ الاصابع اصل ہے اور تین حیثیت اکثریت رکھتی ہیں اور اگر ا موزے میں ایک جگہ یا دو جگہ دو انگلیوں کی مقدار شگاف ہو جب کہ دوسرے موزے میں ایک یا دو انگلیو کی مقدار شگاف ہو تو اس صور میں بھی مسح کرنا جائز ہے کیونکہ مانع عن المسح یہ ہے کہ صرف ایک موزہ میں تین انگلیوں کی مقدار شگاف ہو لہٰذا اگر دو موزوں میں اتنا شگا ہو تو اس کی مجموعی حیثیت مرد لینا شرعاً معتبر نہیں بخلاف اس مسئلہ کہ اگر ایک پاؤں میں نجاست غلیظہ بقدر نصف درھم اور دوسرے پاؤں م نصف سے زائد ہو تو دونوں کی مجموعی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کو مانع عن جواز الصلوٰۃ قرار دیا جائے گا لہٰذا یہاں اعتبار الاجتماع وہاں عدم اعتبار کیوں؟ جواب فقہی بصیرت اور قوت اجتہاد پر مبنی ہے پس عوام کے فہم وادراک سے بالاتر ہے لہٰذا اس کو وہی بدل سکتا جو اہل بصیرت اور دولت اجتہاد سے مالا مال ہے اسی طرح دونوں اعتبار عورت یعنی قابل ستر ہوں پس ان میں سے ہر ایک کا آٹھواں حص (ثمن) مکشوف ہو جاتے تو دونوں کی مجموعی حیثیت کا لحاظ کر کے مانع عن جواز الصلوٰۃ قرار دیا جائے گا۔ (ماخوذ از صغیری)

اور اگر اگر ایک ہی موزہ میں ایک انگلی کی مقدار ایک جگہ شگاف ہو اور دوسری جگہ دو انگلیوں کی مقدار شگاف ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مجموعی طور پر تین انگلیوں کی مقدار ایک موزہ شگاف پایا گیا جو مانع عن المسح ہے پس اگر ایک موزہ میں الگ الگ شگاف ہوں بصورت اجتماع تین انگلیوں کی مقدار ہو تو ان کی مجموعی حیثیت معتبر ہوگی مگر دو میں ہو تو اعتبار نہیں جیسا کہ باولم فقہی قواعد وضوابط سے صرا معلوم ہوا ہے۔

مسئلہ ہفتم

عدم جواز مسح میں شرط بقول صحیح یہ ہے کہ پوری انگلیاں ظاہر ہو جائیں اور نظر آئیں جب کہ امام سرخسی کے نزدیک صرف پوروں کا نظ ممانعت مسح کیلئے کافی ہے لیکن قول اول صحیح ہے اور اگر انگوٹھا (الابھام) نظر آئے اور ظاہر ہو جائے جب کہ وہ تین چھوٹی انگلیوں کی مقدا ہے تو مسح علی الخف جائز ہے کیوں؟ اسلئے کہ اگر شگاف عندالاصابع ہو تو پھر نفس اصابع کا ظہور معتبر ہے اور اگر ان سے ہٹکر کہیں اور شگاف

تین چھوٹی انگلیاں معتبر ہیں اور اگر شگاف کی درازی تین انگلیوں سے زائد ہو مگر اس کی کشادگی انفتاح اس سے کم ہو تو مسح جائز
نوع نہیں کیوں؟ اس لئے کہ غیر مفتوح حصہ کیلئے حکم منکشف نہیں کیونکہ اس سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی یونہی اگر موزہ کی سلائی پھٹ گئی مگر
اس سے قدم کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دیتا تو مسح کرنا جائز ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جو سابقا بیان کردی گئی اور اگر چلنے یعنی قدم اٹھا لینے
مقدار مانع ظاہر ہوتی ہو مگر قدم رکھنے سے ایسا نہ ہوتا ہو اس صورت میں موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ یہاں چلنے اور قدم اٹھانے کا
اعتبار اور اگر اس کے برعکس ہو تو مسح کرنا جائز ہے کتاب محیط میں یوں ہی مذکور ہے یہ ہے کلام مصنف کی مختصر تشریح۔

و كذا لو انفتق خرزه الا انه لا يرى شيء من قدمه يجوز المسح ولو كان يبدو حالة المشى ولا يبدو حالة الوضع يمنع كذا ذكره فى المحيط و لو كان الامر بالعكس لا يمنع و كذا اذا كان فوق الكعب لا يمنع و اذا اراد ان يخلع خفيه فنزع القدم من الخف غير ان القدم فى الساق بعد انتقض مسحه و ان نزع بعض القدم عن مكانه روى عن ابى حنيفةؒ انه اذا خرج اكثر العقب عن عقب الخف انتقض المسح و فى بعض الروايات اذا صار بحال تعذر المشى المعتاد معه انتقض و فى رواية عنه ان خرج اكثر القدم انتقض و الا فلا و فى بعض الروايات ايضاً ان بقى فى موضع قرار القدم مقدار ثلث اصابع لا ينتقض وهو رواية عن محمدؒ و به اخذ بعض المشائخ و فى كتاب الصلوٰة لابى عبدالله الزعفرانى رجل مسح على خفيه ثم دخل الماء ان ابتل جميع احدى القدمين ينتقض مسحه رجل اخرج عقبه من عقب الكف الا ان مقدم قدميه فى الخف به ان يمسح مالم يخرج صدور قدميه عن الخف الى الساق وذكر فى بعض المواضع ان كان صدور القدم فى موضعه والعقب يخرج و يدخل لا ينتقض مسحه و كذا لو كان الخف واسعا اذا رفع القدم يرتفع العقب حتى يخرج و اذا وضع عاد العقب الى موضعها لا ينتقض المسح

ترجمہ...... اسی طرح اگر موزے میں شگاف ٹخنے سے اوپر ہو تو وہ مسح کرنے سے مانع نہیں یعنی ایسے موزے پر مسح کیا جا
سکتا ہے اگر کسی نے دونوں موزے اتار دینے کا ارادہ کیا اور موزے سے قدم باہر کھینچا لیکن ابھی تک قدم موزے کی پنڈلی
میں موجود ہے تو اس کا مسح ٹوٹ گیا اور اگر قدم کا کچھ حصہ اپنی جگہ سے کھینچا تو اس بارے امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ
اگر (قدم کی) ایڑی کا زیادہ تر حصہ موزے سے باہر نکل گیا تو اس (حالت میں) مسح ٹوٹ گیا یعنی ختم ہوگیا بعض
روایتوں میں ہے کہ ایسی حالت اگر ...

مشکل اور دشوار ہو جائے تو پھر اس صورت میں مسح ٹوٹ گیا لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر استقرار قدم کی جگہ تین انگلیوں مقدار باقی رہ جائے تو مسح نہیں ٹوٹتا امام محمد سے یہ روایت ہے اسی کو بعض مشائخ اختیار کیا ہے۔

مسئلہ...... امام ابو عبداللہ زعفرانی کی کتاب الصلوۃ میں ہے ایک شخص نے موزوں پر مسح کیا پھر اس کے موزوں پانی داخل ہو گیا اگر دونوں قدموں میں سے ایک قدم پورا تر ہو گیا تو مسح ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ...... ایک شخص نے اپنی ایڑی موزے کی ایڑی سے باہر نکالی لیکن صورت حال یہ تھی کہ دونوں قدموں کا اگلا حصہ دونوں موزوں ہی میں رہا تو موزوں پر مسح کر سکتا ہے بشرطیکہ دونوں قدموں کا سینہ موزوں سے نکل کر پنڈلی کی طرف نہ گیا ہو اور فتاویٰ کے بعض مقامات میں مذکور ہے کہ اگر قدم کا سینہ اپنی جگہ پر رہے لیکن خارج اور داخل ہو تو مسح نہیں ٹوٹتا اور اگر موزہ کشادہ ہو کہ جب قدم اٹھائے تو ایڑی اوپر ہو جائے یہاں تک کہ ایڑی نکل جائے اور جب زمین پر رکھے تو پھر ایڑی اپنی جگہ لوٹ آئے تو یہ صورت ناقض مسح نہیں (یعنی اس صورت میں مسح نہیں ٹوٹتا بلکہ برقرار رہتا ہے۔)

المفردات واللغات الواردۃ فی ھذہ العبارات

۱- فوق	اوپر تحت کی ضد اور اس کا مقابل	۲- الکعب	ٹخنہ جمع کعاب
۳- یخلع	وہ نکالتا اور الگ کرتا ہے خلع نکالنا اور الگ کرنا		
۴- نزع	اسے کھینچا نزع کھینچنا اور نکالنا سای سے حالت نزع ماخوذ ہے یعنی تن بدن سے روح کھینچے اور نکلنے کی حالت کو نزع حالت کہتے ہیں۔		
۵- عقب	ایڑھی	۶- تعذر	مشکل ہو گیا
۷- المشی المعتاد	عادت کے مطابق چلنا	۸- قرار القدم	قدم ٹھہرنے کی جگہ
۹- ابتل	تر ہو گیا	۱۰- صدور قدمین	قدموں کا سینہ/قدموں کا اگلا حصہ
۱۱- واسع	کشادہ	۱۲- یرفع	بلند ہو جاتا ہے
۱۳- عاد	لوٹ آیا۔		

تشریح

☆ پہلا مسئلہ...... اگر شگاف موزے کے ٹخنے سے اوپر ہو تو مانع مسح نہیں کیونکہ موزے کے ٹخنے کے اوپر کا حصہ مستور ہونا مسح کیلئے نہیں یہی وجہ ہے مکعب پر مسح جائز ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ...... اگر مسح کرنے والا شخص پاؤں سے دونوں موزے نکالنا چاہے اور قدم موزے کی جگہ سے نکل گیا ہو لیکن ابھی تک موزے میں ہو تو بالاتفاق مسح ٹوٹ جاتا ہے اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

☆ تیسرا مسئلہ...... اس کی دلیل یہ ہے کہ ٹخنہ جو تھائی قدم کی مقدار شمار ہوتا ہے اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ آدمی موزوں کے

چل نہ سکے تو مسح جائز نہ ہوگا کیونکہ موزوں کے ساتھ چلنے کا امکان ضروری ہے امام صاحب سے جو تیسری روایت مروی ہے اس کا حاصل یہ ہے قدم کا اکثر حصہ موزے کی ساق کی طرف نکل جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں مصنف ہدایہ وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے بعض روایات میں جو کچھ آیا ہے اس کا حاصل یہ ہے اگر تین انگلیوں کی مقدار اپنی جگہ قدم ٹھہرا رہے تو یہ حالت ناقض مسح نہیں یہ امام محمد صاحب کی ایک روایت ہے بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور کافی میں کہا ہے اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے کیونکہ مسح کرنے میں جتنی مقدار فرض ہے وہ موجود ہے لہٰذا مسح کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

☆ چوتھا مسئلہ...... جس کا حاصل یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کے بعد اگر پورا ایک پاؤں تر ہو جائے تو مسح باقی نہیں رہتا یونہی اگر پاؤں کا اکثر حصہ تر ہو جائے تو پھر بھی مسح ختم ہو جاتا ہے لہٰذا یہ پاؤں دھو کر موزے پہنے تا کہ غسل اور مسح دونوں یکجا نہ ہوں۔

☆ پانچواں مسئلہ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی ایڑی موزے کی ایڑی سے باہر نکالی بشرطیکہ اس کے قدم کا اگلا حصہ موزے کے اندر ہو تو ایسے موزے پر مسح کر سکتا ہے بشرطیکہ قدموں کا سینہ موزے کے باہر نہ ہو یہ روایت امام محمد کے قول کے بالکل موافق ہے فتاویٰ زعفرانی کے بعض مقامات میں مذکور ہے کہ اگر قدم کا سینہ اپنی جگہ ہو اور ایڑھی اندر باہر ہوتی ہو تو مسح نہیں ٹوٹتا کیونکہ اسے نکالنا نہیں کہا جاتا اور نزع موزہ سے مسح ٹوٹتا ہے۔

☆ آخری مسئلہ...... یہ ہے کہ اگر موزہ کشادہ ہو کہ قدم اٹھانے سے ایڑھی اٹھ جائے یہاں تک کہ وہ موزے کی ساق سے نکل جائے اور قدم رکھنے سے پھر وہ اپنی جگہ پر آ جائے تو اس صورت حال کا مسح پر کوئی اثر نہیں پڑتا یونہی اگر کوئی شخص لنگڑا ہو کہ دونوں قدموں کے سینے پر چلتا ہو پس چلنے کی صورت میں ایڑھی اپنی جگہ سے سرک ہو جاتی ہو تو ایسے موزے پر مسح ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

و عن محمدؒ خفٌ فيه فتق مفتوح و بطانة الخف من خرقة او من غيرها غير منفتق مخروزا في الخف جاز المسح كذا ذكره في الزخيرة ولا يجوز المسح على العمامة والقلنسوة والبرقع والقازين ويجوز المسح على الجبائر و ان شدها على غير وضوء فان سقطت من غير برء لا يبطل المسح و ان سقطت عن برء بطل والمسح على الجبائر على وجوه ان كان لا يضره غسلُ ماتحته يلزمه الغسل بالاجماع و ان كان يضره الغسل بالماء البارد و لا يضره بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحار و ان كان يضره الغسل و لا يضره المسح يمسح ما تحت الجبيرة ولا يمسح فوق الجبيرة وهذا لفظ قاضي خان والمسح على القرحة فلا يجوز له على الجبيرة قال برهان الدين ينبغي ان يحفظ هذه المسألة فان الناس عنها غافلون و ان ترك المسح على الجبيرة والمسح لا يضر جاز عند ابي حنيفة رحمه الله خلافا لهما

ترجمہ...... امام محمد سے مروی ہے کہ ایک ایسا موزہ ہو کہ جس میں کشادہ سوراخ ہو جبکہ موزے کا استر کپڑے وغیرہ کا ہو کہ جس میں کوئی سوراخ نہ ہو وہ موزے کے ساتھ سلا ہوا ہو تو ایسے موزے پر مسح کرنا جائز ہے کتاب ذخیرہ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ...... پگڑی، ٹوپی اور برقعہ اور دستانوں پر مسح کرنا جائز نہیں لیکن پٹیوں اور ان جیسی کسی چیز پر مسح کرنا جائز ہے اگر چہ ان میں بے وضو باندھا ہو پس اگر وہ زخم تندرست ہونے کے بغیر گر جائیں تو مسح باطل نہیں ہوگا اور اگر زخم ٹھیک ہونے کے بعد گر جائیں تو مسح باطل ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر یہ نماز میں کھڑا ہو اور پٹی گر جائے تو نئے سرے سے نماز پڑھے کیونکہ مسح باطل ہونے سے یہ شخص بے وضو ہو گیا ہے۔

مسئلہ...... پٹی پر مسح کرنے کی کئی صورتیں ہیں اگر اس نے پٹی باندھی اور پٹی کے نچلے حصے کو دھونا مضر نہ ہو تو بالاتفاق اسے دھونا لازم ہے اور اگر دھونا ٹھنڈے پانی سے ضرر پہنچائے لیکن گرم پانی سے ضرر نہ پہنچائے تو گرم پانی سے دھونا ضروری ہے اور اگر دھونا نقصان پہنچائے لیکن پٹی کے نچلے حصہ پر مسح کرنا نقصان نہ پہنچائے تو پٹی کے نچلے پر مسح کرے اور پٹی کے اوپر کے حصے پر مسح نہ کرے قاضی خان نے یہی فرمایا ہے اور پٹی پر مسح کرنا اس صورت میں جائز ہے جبکہ زخم پر مسح نہ کر سکے یعنی پانی اس کیلئے مضر ہو لیکن اگر زخم پر مسح کر سکتا ہو تو پھر پٹی پر مسح کرنا جائز نہیں امام برہان الدین نے فرمایا کہ اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ ضروری ہے مگر لوگ اس سے بے خبر ہیں اگر اس نے پٹی پر مسح نہ کیا باوجودیکہ یہ مسح مضر نہ تھا تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے مگر صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔

اللغات

۱-	فتق	سوراخ شگاف	۲-	مفتوح	کشادہ
۳-	بطانۃ	استر	۴-	خرقۃ	کپڑے کا ٹکڑا
۵-	مخروز	سلا ہوا	۶-	العمامۃ	پگڑی
۷-	قلسوۃ	ٹوپی	۸-	البرقع	برقعہ
۹-	القفازین	دو دستانے			

۱۰- الجبائر جبیرہ کی جمع بمعنی پٹی دراصل جبیرہ ان دو لکڑیوں کو کہتے ہیں جو ٹوٹے ہوئے عضو کے دائیں بائیں رکھ کر باندھی جاتی ہیں۔

۱۱-	شد	مضبوط باندھنا	۱۲-	سقوط	گر جانا
۱۳-	برء	ٹھیک ہو جانا	۱۴-	استقبل	نئے سرے سے کرے
۱۵-	الماء البارد	ٹھنڈا پانی	۱۶-	الماء الحاء	گرم پانی
۱۷-	لم یقدر	وہ قادر نہ ہو	۱۸-	القرحۃ	زخم

۱۹- ینبغی مناسب ہے ۲۰- ان یحفظ کہ یاد کیا جائے۔

التشریح والتوضیح علیٰ وجہ الاختصار

یہاں چند مسائل اور جزئیات کا متعلقہ فصل کی مناسبت بیان ہے۔

☆ پہلا مسئلہ...... قولہ مخروزا- اگرز پر کیساتھ ہوتو ماقبل سے حال ہے یعنی حال کون ذالک الشی الذی ھو البطانۃ محروزا فی الخف مفہوم یہ ہے کہ استر موزہ کیساتھ سلا ہوا ہو لہٰذا الگ نہ ہو اعراب دوم وسوم رفع یا جر (پیش یا زبر) ہو بصورت اول ماقبل کیلئے خبر اور درصورت دوم خرقۃ وغیرہ کے تابع ہے اس مسئلہ میں جواز مسح کی دلیل یہ ہے کہ تین انگلیوں کی مقدار ظاہر نہ ہو۔

☆ دوسرا مسئلہ: عمامہ اور قلنسوۃ پگڑی اور ٹوپی یہ دونوں بدل راس ہیں۔

البرقع...... بدل غسل الوجہ وھو ما تجعلہ المراۃ علی وجھھا مخروقا مایحاذی عینیھا منہ.

یعنی غسل وجہ کا بدل ہے وہ نقاب جو عورتیں بغرض ستر اپنے چہرے پر آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے ڈالتی ہیں۔

القفازین...... بدل غسل الیدین وھو ما یلبس فی الید لاجل البرد او المطر او غیر ذلک (اھ)

یہ غسل یدین کا بدل ہیں (دستانے) ہاتھوں کو سردی وغیرہ سے بچانے کیلئے ہاتھوں پر چڑھائے جاتے ہیں اشیاء مذکورہ پر مسح کرنا جائز نہیں کیوں؟ اس لئے کہ اصل اس باب میں غسل ہے مسح خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے صرف موزوں پر بوجہ ورود احادیثِ مشہورہ جائز قرار دیا گیا لہٰذا جو کام خلاف قیاس ہو وہ صرف مورد نص محصور ہوتا ہے پس اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس نہیں جا سکتا تا کہ تعدیہ کی وجہ سے کہیں منشاء شارع کے خلاف نہ ہو لہٰذا اس میں اجتہاد کو دخل نہیں ہوتا پس اس لئے اشیاء معہودہ مذکور مسح کرنا جائز نہیں نیز مسح علی الخفین ہیں ایک گونہ ضرورت اور مجبوری جو اِن میں مفقود ہے لہٰذا جواز نہیں۔

☆ تیسرا مسئلہ...... جو پٹی وغیرہ سے متعلق ہے مصنف کی عبارت میں الجبائر تو جبیرہ کی جمع ہے الجبیرۃ وھی ما یشد علی العظم المنکسر من العیدان (اھ) وہ دو لکڑیاں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کیلئے اس کی دووں طرف رکھ کر کس کر باندھ دی جاتی ہیں تا کہ وہ آپس میں جڑ جاتے اسے ''الجبیرۃ'' کہا جاتا ہے اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زخم در شکستہ ہڈی پر بغیر وضو پٹی باندھی گئی تو اس پر بھی بوقت ضرورت مسح کیا جائے تو بلا شبہ جائز ہے پس یہی فرق ہے مسح خفین اور مسح جبیرہ کے درمیان کہ اول بلا وضو جائز نہیں جب کہ دوسری بغیر وضو بھی جائز ہے اور اس پر ائمہ کرام کا اتفاق اور جماع ہے پھر اگر زخم ٹھیک ہوئے بغیر مسح کرنے کے بعد پٹی زخم وغیرہ سے گر جائے تو مسح باطل نہیں ہوگا کیونکہ ابھی شرعیہ مسح کا سبب موجود ہے اور اگر ٹھیک ہو جانے کے بعد پٹی زخم ٹھیک شدہ سے گر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا اس لئے کہ اب مسح کرنے کا زائل ہو گیا ہے لہٰذا اس جگہ کو دھونا ضروری ہے اور اگر دوران نماز پٹی گر جائے تو از سر نو نماز پڑھے لیکن اس پر بنائے نماز درست نہیں۔

اور پٹیوں پر مسح کرنے کی مختلف قسمیں ہیں پس ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے جس کی کس قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱) اگر پٹی کے نچلا حصہ دھونا نقصان دہ نہیں تو بالا جماع اس کا یعنی اس جگہ کا دھونا لازم ہے۔ کیونکہ اصل اس جگہ دھونا ہی ہے۔

۲) لیکن اگر ٹھنڈے پانی سے اس جگہ دھونا مضر ہو مگر گرم پانی سے نقصان دہ نہ ہو تو پھر دریں صورت گرم پانی سے دھونا ضروری ہے۔

۳) اگر دھونا ماتحت الجبیرۃ نقصان دہ ہو مگر مسح کرنا کچھ مضر نہ ہو تو پھر اس جگہ پر مسح کرے لیکن ان حالات میں پٹی پر مسح نہ کرے فتاویٰ

قاضی خان کے یہی الفاظ ہیں اور اس باب میں قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ پٹی پر مسح کرنا اس وقت جائز ہے جب زخم کو دھونے اور اس پر مسح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو ورنہ اولا زخم کو دھوئے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو اس پر مسح کرے امام برھان الدین صاحب محیط برہانی نے فرمایا کہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ فقہیہ کو یاد رکھا جائے تا کہ بوقت ضرورت کام آئے کیونکہ عام لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں اور بے احتیاطی اور عدم توجہ سے اس کا خیال نہیں کرتے جس کی وجہ سے بڑا دینی نقصان ہوتا ہے اس لئے کہ لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں اگر زخم کیلئے دھونا نقصان دہ ہو تو محض پٹی پر مسح کیا جاسکتا ہے حالانکہ پٹی پر اس وقت مسح کیا جاسکتا ہے جب کہ صرف زخم پر مسح نہ ہوسکے ورنہ پٹی پر مسح نہیں ہوسکتا لہٰذا اولا زخم کو دھویا جائے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر اس پر مسح کیا جائے اور اگر یہ دونوں کام نہ ہوں تو پھر درجہ سوم میں پٹی پر مسح کرکے ضرورت پوری کیجائے اس لئے امام برہان الدین نے لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ اس نکتہ کو ذہن نشین کرلیں تا کہ اس ترتیب سے عمل کریں اور ائمہ فقہ کی ہدایت کے مطابق راہ عمل ہموار کریں۔ (صغیری صفحہ ۶۶)

☆ چوتھا مسئلہ...... جو بلحاظ ترجم آخری مسئلہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے پٹی پر مسح کرنا چھوڑ دیا باوجودیکہ اس پر مسح کرنا موجب ضرر نہ تھا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن ان کے دونوں شاگرد اس سے اختلاف کرتے اور اس طریقہ کو جائز نہیں کہتے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت اجناب علی کو ان کی کلائی زخمی ہوجانیکے موقع پر اس پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا چونکہ امر خالی عن القرائن محض وجوب کیلئے آتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ایسا کرنا واجب ہے اس کے جواب میں امام صاحب فرماتے ہیں حدیث علی خبر واحد لا یوجب الفرضیۃ وان المسح بدل عن الغسل وقد سقط الغسل بالاجماع وھو لایسلم وجوب المسح بالاجماع وفی التجنیس الاعماد علی ماذکر فی شروح الطحاوی وشرح الزیادت انہ لیس بفرض عندہ (اھ) (کبیری بہ حاشیہ صغیری)

خلاصہ مفہوم عبارات......حضرت علی کی حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے موجب فرضیۃ مسح نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور مسح دھونے کا بدل ہے اور اجماعا دھونا ساقط ہوگیا ہے اور یہ قابل تسلیم نہیں کہ مسح اجماعا واجب ہے تجنیس وغیرہ میں بحوالہ شروح طحاوی وغیرہ اس پر اعتماد ظاہر کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مسح علی الجبیرہ فرض نہیں۔ (خلاصۃ) اگر رہ گیا تو جائز ہے۔

استعیاب کا حکم

اما الاستیعاب فشرط عند البعض و قال بعضهم اذا مسح علی اکثرها جاز و ان مسح علی النصف او اقل لا یجوز و یکتفی بالمسح مرة واحدة و هو الصحیح و لو کانت الجراحة فی موضع الغسل و لیس تحت جمیع الجبیرة جراحة جاز المسح تبعًا لموضع الجراحة و لو کان مقطوع احدی الرجلین من الکعب او دونها فان غسل موضع القطع فرض و لو غسل موضع القطع و لبس خفیه ینتظر ان کان ما بقی من ظهر القدم مقدار ثلث اصابع او اکثر یمسح و الا یغسلهما لانه وجب غسل المقطوع و ان

كان مقطوع الاصابع و بعض خفيه خال عن القدم فان وقع المسح على المغسول مقدار ثلث اصابع جاز المسح و الا فلا و كذا اذا كان الخف واسعًا و بعضه خال عن القدم رجل توضأ و مسح على الجبيرة و لبس خفيه ثم احدث قبل ما برأت الجراحة فتوضأ يمسح على الجبيرة و الخفين فان احدث بعد ما برأت فتوضأ لا يمسح لانه لبس على طهارة ناقصة كذا ذكره فى شرح الاسبيجابى و اذا كان الشقاق فى رِجله او يده فجعل فيه الدواء او الشحم يمر الماء فوق الدواء او الشحم و لا يكفيه المسح و ان كان الشقاق فى يده و قد عجز عن الوضوء يستعين بغيره حتى يوضّيه فان لم يستعن و يتممَّ و صلى جازت صلاته عند ابى حنيفةؒ خلافا لهما فان لم يجد من يوضّيه جازت صلاته بلا خلاف و اما المسح على الجوارب فلا يجوز عند ابى حنيفةؒ الا ان يكون مجلدين او منعلين و قالا يجوز اذا كانا ثخينين لا يشفان و عليه الفتوىٰ قال فى الذخيرة و قيل رجع ابو حنيفةؒ الى قولهما فى اٰخر عمره و حد الثخينين ان يتمسک على الساق من غير ان يشدهما بشئ و يجوز المسح على الخفاف المتخذة من اللبود التركية لامكان قطع المسافة بها و الله اعلم

ترجمہ عبارت...... رہا استیعاب (یعنی پورے عضو کو گھیر کر بصورت احاطہ مسح کرنا) تو یہ بعض کے نزدیک شرط ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر زخم کے اکثر حصہ پر مسح کیا گیا تو جائز ہے (مفہوم یہ ہے کہ استیعاب مسح شرط اور ضروری نہیں) اور اگر نصف حصہ یا اس سے کم پر مسح کیا تو جائز نہیں اور پٹی پر ایک دفع مسح کرنے پر اکتفا کرے اور یہی صحیح ہے اور اگر زخم دھونے کی جگہ مسح رافع ہو یعنی جس جگہ کو دھونا ضروری ہے وہاں پر زخم ہو لیکن ساری پٹی کے نیچے زخم نہ ہو (بلکہ تھوڑی سی جگہ پر زخم ہو) تو زخم کی موافقت و متابعت میں پوری پٹی پر مسح کرنا جائز ہے اگر ٹخنے کی مقدار یا اس سے کم حصہ ایک پاؤں کٹا ہوا ہے (تو مقطوع جگہ کو دھوئے) کیونکہ جائے بریدہ کو دھونا شرعا فرض ہے پھر اگر اس نے جائے قطع کو دھویا اور موزے پہن لئے تو غور کیا جائے گا اگر قدم کی پشت تین انگلیوں کی مقدار یا اس سے زیادہ باقی ہے تو اس جگہ پر مسح کرے اور اگر اتنی مقدار موجود نہ ہو تو انہیں دھوئے کیونکہ جائے مقطوع کو دھونا واجب ہے اور اگر انگلیاں کٹی ہوئی ہوں اور موزوں کا کچھ حصہ قدم سے خالی اور فارغ ہو تو اس صورت میں اگر تین انگلیوں کی مقدار جائے مغسول پر مسح واقع ہو تو مسح جائز ہوگا ورنہ نہیں اور اسی طرح اگر موزے کشادہ (کھلے) ہوں اور ان کا کچھ حصہ قدم سے خالی ہو تو (بھی مسح جائز ہے۔)

مسئلہ...... کسی شخص نے وضو کر کے پٹی پر مسح کیا اور موزے پہن لئے پھر زخم ٹھیک ہونے سے پہلے بے وضو ہو گیا پھر اس

نے وضو کیا تو پٹی اور موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور اگر زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد بے وضو ہوا اور وضو کیا تو اب موزوں پر مسح نہ کرے کیونکہ اس نے ناقص طہارت پر موزے پہنے ہیں جس کی وجہ سے ان پر مسح نہیں ہو سکتا اس مسئلہ کو یونہی شرح اسبیجابی میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ...... اگر کسی آدمی کے دونوں پاؤں یا دونوں ہاتھوں میں دراڑ (شگاف) ہوں پھر ان میں دوائی یا چربی رکھی تو دوائی اور چربی پر پانی بہائے اور گزارے لیکن اسے مسح کرنا کافی نہیں اور اگر دراڑ صرف ہاتھوں میں ہو (اور یہ وضو نہیں کر سکتا) تو کسی اور سے تعاون حاصل کرے تاکہ وہ اسے وضو کرائے اور اگر اس نے کسی اور سے مدد نہ لی اور تیمم کر لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز جائز ہے جبکہ ان کے دو شاگردوں کا اس میں اختلاف ہے (یعنی ان کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں) اور اگر اسے کوئی ایسا شخص نہ ملا جو اسے وضو کرائے (تو اس مجبوری کی بنا پر اس نے تیمم کر کے نماز پڑھی) تو سب کے نزدیک نماز جائز ہے (پس اس میں کسی کا اختلاف نہیں)

مسئلہ...... امام صاحب کے نزدیک عام جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہاں اگر وہ مجلد ہوں (یعنی چمڑے کی ہوں) یا منعل ہوں (یعنی جوتے کی طرح ان کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو) تو ایسی جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے لیکن امام صاحب کے دو شاگردوں نے فرمایا کہ اگر جرابیں سخت اور مضبوط ہوں اور ان کے نیچے پانی نہ جائے تو ان پر مسح کرنا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کتاب ذخیرہ میں فرمایا کہ امام صاحب نے اپنی آخری زندگی میں اپنے دو شاگردوں کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اور سخت اور مضبوط ہونے کی حد یہ ہے کہ جراب بغیر باندھے کے پنڈلی پر ٹھہری رہے اور ایسے موزوں پر بھی مسح کرنا جائز ہے وہ جو تر کی نمدوں سے بنائے گئے ہوں کیونکہ ان کے ساتھ مسافت طے کرنے کا امکان ہے۔ تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی اچھی طرح جانتا ہے۔

اللغات

۱- دون اسکے معنی ہیں کم چیز یا سوائے یہاں پہلا معنی مراد ہے۔
۲- الجراحة زخم۔
۳- مقطوع کٹی ہوئی چیز۔
۴- ظهر القدم قدم کی پشت۔
۵- براءة وہ ٹھیک ہو گیا۔
۶- شقاق دراڑ یا شگاف۔
۷- الشحم چربی۔
۸- اقرار گزارنا۔
۹- يوضى وضو کرائے۔
۱۰- لم يجد اس نے نہ پایا۔
۱۱- الجوارب یہ جورب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں۔
۱۲- مجلد وہ جراب جو چمڑے کی
۱۳- منعل وہ جراب جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو۔
۱۴- ثخين سخت اور مضبوط۔
۱۵- لا يشف وہ نرم اور پتلی نہ ہو کہ جس سے پانی نیچے جائے۔
۱۶- يستمسك ٹھہر جائے چمٹی رہے

۱۷- الخفاف خف کی جمع ہے موزے۔ ۱۸- اللبود التر کیۃ ترکی نمدے جو خاص طور پر بنائے اور تیار کئے جاتے ہیں۔

تشریح

حسب سابق چند فقہی مسائل کا فصل کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ:

☆ پہلا مسئلہ: استیعاب سے تعلق رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام حسن بن زیاد کی جو امام ابوحنیفہ سے روایت ہے اس کے مطابق پٹی کے مسح میں استیعاب اور احاطہ ضروری ہے جبکہ بعض لوگوں نے جیسا کہ شیخ الاسلام خواہرزادہ نے استیعاب کو ضروری قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ جب اکثر حصے پر مسح ہو جائے تو جائز ہے صاحب ہدایہ نے اسی کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے اور کافی میں اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر نصف یا اس سے کم حصہ پر مسح ہو تو جائز نہیں۔

☆ دوسرا مسئلہ: سر کے مسح کی طرح پٹی پر بھی ایک ہی مرتبہ مسح کیا جائے کیونکہ مسح میں تکرار کی گنجائش نہیں اگر چہ بعض نے تین مرتبہ تکرار سے مسح کرنا ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔

☆ تیسرا مسئلہ: اگر زخم تھوڑی سی جگہ ہو اور اس پر پٹی پھیلا کر باندھی جائے تو کیا پوری پٹی پر مسح ہو سکتا ہے مصنف فرماتے ہیں کہ جتنی جگہ پٹی نے گھیر رکھی ہے اگر چہ اس کے نیچے بعض جگہ زخم نہ ہو تب بھی اس ساری جگہ پر مسح کرنا جائز ہے کیوں اس لئے کہ ہمیشہ پٹی زخم سے زائد ہوا کرتی ہے پھر اس مجبوری کی بنا پر اس زائد جگہ پر مسح کرنا جائز ہے لہٰذا اگر پٹی کا کھولنا مضر ہو تو اس ساری آس پاس والی جگہ کو دھوئے اور پٹی پر مسح کرے اور اگر ضرر نہ ہو تو صرف زخم پر مسح کرے اور باقی جگہ کو دھوئے یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ پٹی پر مسح کرنا دھونے کے قائم مقام ہے لہٰذا مسح اور غسل جمع ہو سکتے ہیں نیز پٹی کے مسح کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں لہٰذا اگر اس کا ایک پاؤں زخمی ہو اور اس نے اس پر مسح کیا اور دوسرے پاؤں کو دھو ڈالا تو یہ جائز ہے کیونکہ فقہی زبان میں یہ جمع بین الغسل والمسح نہیں لیکن اگر اس نے تندرست پاؤں پر موزہ پہنا پھر بے وضو ہو گیا تو موزے پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ جمع بین الغسل والمسح ہے لیکن اگر دونوں پاؤں پر موزے پہنے تو ان پر مسح کر سکتا ہے۔

☆ چوتھا مسئلہ: اگر کسی شخص کا ٹخنے سے پاؤں کٹا ہو یا اس سے کم حصہ مقطوع ہو تو جائے قطع کو دھوئے کیونکہ اس کا دھونا فرض ہے لہٰذا اگر اس نے مقطوع جگہ اور صحیح پاؤں کو دھویا اور موزے پہن ئے پھر بے وضو ہو گیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ آیا مقطوع پاؤں کی پشت سے تین انگلیوں کی مقدار یا اس سے زائد باقی ہے تو موزوں پر مسح کر سکتا ہے اگر اتنی مقدار باقی نہیں تو انہیں دھوئے کیونکہ قطع شدہ جگہ کو دھونا ضروری ہے لہٰذا اس پر موزہ پہن لیا تو مسح جائز نہیں کیونکہ وہ مقدار فرض سے کم ہے جب مقطوع کو دھونا ضروری ٹھہرا تو تندرست پاؤں کو دھونا بھی ضروری ہوا تاکہ غسل اور مسح میں اجتماع نہ ہو۔

☆ پانچواں مسئلہ: اگر ایک پاؤں یا دو پاؤں کی انگلیاں کٹی ہوں اور موزے کا کچھ حصہ قدم سے خالی ہو تو پھر اس صورت میں اگر مسح موزے کے اس حصے پر کیا کہ جہاں قدم ہے اور تین انگلیوں کی مقدار مسح ہوا تو بلا شبہ مسح جائز ہے کیونکہ فرض مقدار پوری ہو گئی اور اگر اتنی مقدار پر مسح نہ ہو تو وہ جائز نہیں۔ اگر موزہ کشادہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے حاصل کلام یہ ہے کہ فرض مسح کی مقدار کا اعتبار قدم کے

لحاظ سے ہے موزہ کے اعتبار سے نہیں لہٰذا اگر پورے قدم پر موزہ کی وساطت سے مسح ہو تو جائز ہے اور اگر تین انگلیوں سے کم مقدار پر ہو تو جائز نہیں۔

☆ چھٹا مسئلہ: ایک شخص نے وضو کر کے موزے پہنے اور پٹی پر مسح کیا پھر زخم ٹھیک ہونے سے پہلے بے وضو ہو گیا اور حسب دستور اس نے وضو کیا تو پٹی اور موزوں پر مسح کر سکتا ہے کیونکہ جب تک زخم ٹھیک نہ ہو اس کی طہارت طہارت کاملہ ہے لہٰذا یہ تندرست لوگوں کی امامت بھی کرانا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن تصویر کا دوسرا رخ کہ زخم ٹھیک ہونے کے بعد بے وضو ہو گیا تو اب موزوں پر مسح نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی طہارت طہارت ناقصہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

☆ ساتواں مسئلہ: اگر کسی کے پاؤں یا ہاتھوں میں شگاف ہوں اور ان پر مرہم وغیرہ رکھے یا چربی لگائے اگر مضر نہ ہو تو چربی اور دوا پر پانی بہائے کیونکہ مسح اس کیلئے کافی نہیں کیونکہ اسے کوئی مجبوری نہیں اور یہی واجب ہے اور اگر دراڑ ہاتھوں میں ہوں اور یہ خود وضو نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے وضو کرنے میں مدد طلب کرے امام صاحب کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک واجب ہے اگر اس صورت میں اس نے دوسرے سے مدد نہ لی اور خود تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز جائز ہے جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اسی اختلاف پر استقبال قبلہ کا اختلاف مبنی ہے کہ صاحبین کے نزدیک کسی دوسرے سے مدد طلب کرے، جبکہ امام صاحب کے نزدیک یہ کوئی ضروری نہیں کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ہر شخص بقدر استطاعت مکلف ہے لیکن اگر کسی ایسے شخص کو نہ پائے جو مجبوری کی حالت میں اسے وضو کرائے یا وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہو تو ایسی صورت میں حقیقی مجبوری کی بنا پر اس کی نماز بالاتفاق جائز ہے۔

☆ آٹھواں مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک عام جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہاں اگر مجلد ہوں یعنی پوری چمڑے کی ہوں یا منعل ہو یعنی ان کے نیچے جوتے کی طرح چمڑا لگا ہوا ہو پس ایسی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ لیکن امام صاحب کے دو شاگردوں کے نزدیک جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان میں دو صفات پائی جائیں پہلی یہ کہ وہ سخت اور مضبوط ہوں دوسری یہ کی جاذب آب نہ ہوں یعنی پانی نیچے نہ جائے مصنف صغیری امام حلبی لکھتے ہیں کہ ائمہ لغت نے شفاف کے معنی یہ کئے ہیں کہ شف الثوب اذا رق حتی رویت ما ورائہ یعنی شف الثوب اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کپڑا نرم اور پتلا ہو کہ اس سے اس کا اندر دکھائی دے اور یہ الفاظ دراصل ثخانت کی تاکید ہیں بعض کتابوں میں آیا ہے لا یشفان الماء و لا یشفان الماء پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ جرابیں پانی کو اپنی طرف نہ کھینچیں جیسے چمڑا وغیرہ اور دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ پانی قدم تک تجاوز کر کے نہ جائے پس صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے صاحب ذخیرہ نے کہا ہے کہ امام صاحب نے اپنی آخری زندگی میں اپنے شاگردوں کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا جیسا کہ ان کے حالات میں آتا ہے کہ جب وہ بیمار ہو گئے تو جرابوں پر مسح کرتے تو اپنے بیمار پرسی کرنے والوں سے فرماتے کہ میں جس کام سے منع کرتا تھا وہی خود کر رہا ہوں اس سے لوگوں نے اس پر استدلال کیا کہ آپ نے اپنے سابقہ خیال سے رجوع کر لیا تھا اور ثخین جرابوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ بغیر باندھے پنڈلی پر جمی رہیں صاحب صغیری فرماتے ہیں یہ دوسری تعریف ہے امام زاہدی لکھتے ہیں کہ اگر سخت جرابوں کے ساتھ ایک آدھ کوس چلے جیسا کہ اہل مرو کی جرابیں ہیں تو ان پر مسح جائز ہے یہی

وجہ ہے کہ مصنف نے فرمایا کہ جو موزے ترکی نمدوں سے بنائے گئے ہوں ان پر مسح جائز ہے کیونکہ آدمی ان کے ساتھ مسافت طے کرسکتا ہے اور یہاں قطع مسافت ہی مقصود ہے۔

ضروری نوٹ

شارحین منیہ نے لکھا ہے کہ جرابوں کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم کہ جس پر بالا تفاق مسح جائز ہے یہ وہ ہے جو مجلد یا منعل ہو دوسری قسم جس پر بالا تفاق مسح جائز نہیں جو مذکورہ صفت پر نہ ہو تیسری قسم جس پر مسح کرنے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے یہ وہ عام جراب ہے جو سردی یا پاؤں کی تکلیف سے بچانے کیلئے عام طور پر پہنی جاتی ہے جو جرموق اور خف کے زمرہ میں نہیں آتی شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ جراب کی پانچ قسمیں ہیں پہلی اونی جراب دوسری سوتی جراب تیسری بالوں کی جراب چوتھی باریک چمڑے کی جراب اور پانچویں کپڑے کی جراب اور اس میں یہ چاروں قسمیں شامل ہیں کہ ثخین رقیق منعل غیر منعل مبطن غیر مبطن اور پانچویں قسم پر کسی صورت مسح جائز نہیں یہ ہے مصنف کے کام کی مختصر تشریح اور جامع توضیح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم دین اور اس سے لگاؤ کی علی احسن الوجوہ توفیق دے اور صراط مستقیم پر چلنے کی راہنمائی فرمائے۔ (آمین)

نواقض وضو

فـصـل فـي نواقض الوضوء...... المعانى الناقضة للوضو كل ما خرج من السبيلين و ان خرج من قبل الرجل او المرأة ريح منتنة الصحيح انه لا ينتقض كذا ذكره فى المحيط و ان خـرج من المفضاة يجب عليها الوضوء و ذكر فى جامع قاضى خان انه يستحب لهـا ان تتوضأ و كذا الدود والحصاة اذا خرج من احد هٰذين السبيلين فعليها الوضوء و ان خرج الدود من الفم او الاذن او الجراحة لا ينتقض و ان ادخل المحقنة ثم اخرجها ان لـم يـكن عليها بلة لا ينتقض و الاحوط ان يتوضأ و ن اقطر الدهن فى احليله فعاد فلا وضـوء عـليه عند ابى حنيفةؒ خلافا لهما و اذا صبّ دهنا فى اذنه فمكث فى دماغه يوما ثـم خـرج مـن انفه فلا وضوء عليه و ان عاد من الفم ينتقض و ان دخل فى اذنه ماء عند الاغتسـال ثـم خـرج مـن انـفـه فـلا وضوء عليه و ان احتشىٰ فى احليله بقطنة خوفا من خـروج البول و لولا القطنة لكان يخرج منه البول فلا بأس به و لا ينتقض وضوء ه مالم يـظهـر البـول عـلـى القطنة و ان غابت القطنة ثم اخرجها او خرجت رطبة انتقض و ان ابتـل الـطـرف الـداخل و لم ينفذ الى الطرف الخارج لم ينتقض و ان سقطت ان كانت

ربطة انتقض و ان كانت يابسة لم ينتقض و كذا الحكم فى كرسف النساء اذا سقطت سواء كان الكرسف فى الفرج الداخل او فى الفرج الخارج فان كانت احتشت فى الفرج الخارج فابتل داخل الحشو انتقض سواء نفذ او لم ينفذ و اما اذا احتشت فى الفرج الداخل ان نفذ الى خارجه انتقض الوضوء و الا فلا

فصل......ان اسباب کا بیان جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے

چندایسے اسباب وعلل ہیں جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے پس ان میں سے ایک ہر ایسی چیز جو دوراستوں (اگلا پچھلا راستہ) سے خارج ہو ناقض وضو ہے لیکن اگر مرد وعورت کے اگلے راستے سے بدبودار ہوا نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا یونہی اس کو ''المحیط'' میں بیان فرمایا ہے اگر ایسی عورت کے فرج سے کوئی چیز نکلی کہ جسکی دونوں راہیں ایک ہوگئی ہوں تو اس پر وضو کرنا واجب ہے لیکن امام قاضی خان کی جامع صغیر میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس عورت کیلئے وضو کرنا مستحب ہے اگر دوراستوں میں سے کسی ایک سے کیڑا یا کنکری نکلے تو مرد، عورت دونوں پر وضو کرنا لازم ہے اور اگر منہ یا ناک یا کان یا زخم سے کیڑا برآمد ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر اس نے پچکاری کروائی پھر اسے نکالا اگر اس پر نمی موجود نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن احتیاط یہ ہے کہ دوبارہ وضو کرے اگر کسی نے آلہ تناسل کے سرے میں تیل ٹپکایا اور وہ واپس لوٹ آیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر وضو نہیں جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور اگر کان میں تیل ڈالا پھر ایک دن دماغ میں ٹھہرا رہا پھر ناک کے راستے سے نکل آیا تو اس صورت میں وضو نہیں اور اگر منہ کے راستہ سے لوٹ آیا تو وضوٹوٹ جائے گا اگر غسل کرتے وقت کان میں پانی داخل ہوگیا پھر ناک کے راستے سے باہر آیا تو وضو ضروری نہیں اور اگر منہ کے راستے سے باہر نکلا تو اس پر وضو لازم ہے۔

مسئلہ......اگر کسی شخص نے اپنے آلۂ تناسل کے سرے میں روئی رکھی تا کہ پیشاب باہر نہ نکلے اگر روئی نہ ہوتی تو پیشاب باہر نکل آتا تو اس میں کچھ مضا ئقہ نہیں اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا جب تک روئی پر پیشاب کا اثر ظاہر نہ ہو اور اگر روئی غائب ہوگئی پھر اسے کوشش سے نکالا یا خود بخود تر ہونے کی حالت میں نکل آئی تو وضوٹوٹ گیا لیکن اگر اس کی اندرونی جانب تر ہوگئی لیکن بیرونی جانب تری نہ آئی تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر بھیگی ہو کر گر گئی تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خشک ہونے کی حالت میں گری تو وضو نہیں ٹوٹتا یہی حکم ہے عورت کے روئی رکھنے کا جب وہ گر جائے خواہ شرمگاہ کے اندرونی حصے میں ہو یا بیرونی حصے میں اور اگر کسی عورت نے فرج خارج میں روئی رکھی پھر روئی کا اندرونی حصہ تر ہو گیا تو وضوٹوٹ جائے گا خواہ تری باہر تک آئے یا نہ آئے اور اگر اس نے فرج داخل میں روئی رکھی اگر اس کا اثر بیرون فرج تک پہنچ گیا تو وضوٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں مراد یہ کہ فرج داخل میں رکھی ہوئی روئی کا اگر فرج خارج تک اثر پہنچ جائے تو وضوٹوٹ گیا اور اگر بیرونِ فرج تک اثر نہ پہنچا تو وضو بحال ہر گز

نہیں توڑتا نہیں پس یہ اس کا حاصل مفہوم ہے۔

اللغات

۱- نواقض ناقضہ کی جمع ہے توڑ دینے والی چیزیں۔

۲- المعانی یہ معنی کی جمع ہے یہاں اس سے وہ اسباب اور علتیں مراد ہیں جو پائی جائیں تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۳- ریح منتنة بدبودار ہوا۔ ۴- المفضاۃ وہ عورت جس کے دونوں راستے کسی وجہ سے ایک ہو گئے ہوں۔

۵- الدود کیڑا۔ ۶- الحصاۃ کنکری۔

۷- الفم منہ۔ ۸- الاذن کان۔

۹- الانف ناک۔ پہلے کی جمع افواہ دوسرے کی جمع اذان تیسرے کی جمع الوف ہے۔ ۱۰- الحقنة پچکاری کرنا۔ (پچکاری کرنے کا آلہ اور اوزار)

۱۱- اقطر اس نے ٹپکایا۔ ۱۲- الدھن تیل۔

۱۳- احلیل آلہ تناسل کا اگلا حصہ یعنی اس کا سر۔ ۱۴- مکث وہ ٹھہر گیا المکث ٹھہرنا۔

۱۵- احتشٰی اس نے روئی رکھی۔ ۱۶- قطنة روئی۔

۱۷- لم ینفذ وہ نہ پہنچی۔ ۱۸- کرسف وہ کپڑا جو عورتیں اندام نہائی میں رکھتی ہیں۔

۱۹- انتقاض ٹوٹ جانا۔ ۲۰- نقض توڑ دینا۔

۲۱- قبل مرد و عورت کی اگلی شرمگاہ جبکہ دبر دونوں کی پچھلی شرمگاہ۔ ۲۲- صَبَّ اس نے انڈیلا صب مصدر بمعنی انڈیلنا۔

۲۳- رطبة تازہ تری اور نمی۔ ۲۴- یابسةٌ خشک ہونے والی۔

تشریح

مصنف علیہ الرحمۃ اس فصل میں سابقہ مباحث کی مناسبت سے ان اسباب کا ذکر کر رہے ہیں کہ اگر پائے جائیں تو ان کے اثر سے با وضو آدمی کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اس فصل میں چند مسائل بیان کرنا چاہتے ہیں۔

☆ پہلا مسئلہ...... مرد، عورت کے اگلے پچھلے راستے سے جو چیز خارج ہو وہ ناقض وضو ہے پس اگلے پچھلے راستے سے قبل اور دبر مراد ہے اور خارج ہونے والی چیز خواہ پیشاب ہو پاخانہ ہو یا پتھری اور کیڑے وغیرہ ہوں لیکن اگر ہوا اگلے راستے سے خارج ہو تو وہ ناقض وضو نہیں لیکن اگر پچھلی راہ سے نکلے تو یقیناً ناقض وضو ہے آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر مرد کی اگلی شرمگاہ سے ہوا خارج ہو یا بغیر بدبو کے عورت کے فرج سے خارج ہو تو اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں لیکن اگر عورت کے فرج

سے بدبودار ہوا نکلے تو بعض کے نزدیک وہ ناقض وضو ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بھی ناقض وضو نہیں جیسا کہ کتب مسائل اور ا... میں مذکور ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ...... اگر کسی عورت کی راہیں بیماری وغیرہ کیوجہ سے ایک ہوگئی ہوں تو امام محمد کے نزدیک اگر ایسی عور... سے ہوا نکلے تو احتیاطاً اس پر وضو کرنا واجب ہے جب کہ امام قاضی خان وغیرہ نے وضو کرنے کو مستحب قرار دیا... یعنی اگر وہ دوبارہ وضو کرے تو موجب ثواب ہے لیکن ضروری نہیں اس لئے کہ اس کی طہارت بالیقین ثابت ... لہٰذا وہ شک سے زائل نہیں ہوسکتی یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوا غالباً پیچھے ہی سے نکلتی ہے لہٰذا اس کا ناقض وضو ہونا کسی حد تک راجح ہے بعض دوسرے علماء نے کچھ اور افکار اور آراء بھی اس سلسلے میں ذکر فرمائی ہیں مگر بخوف طوالت انہیں ذ... نہیں کیا۔

☆ تیسرا مسئلہ...... کیڑا اور کنکری وغیرہ دو راستوں میں سے کسی ایک راستے سے نکلیں تو وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ ان پر رطوبت ہو... ہے جو سبیلین میں حدث کا حکم رکھتی ہے۔

☆ چوتھا مسئلہ...... اور اگر کیڑے منہ وغیرہ سے خارج ہوں تو ناقض وضو نہیں کیونکہ خود کیڑے پاک ہیں جب تک کہ ان پر زیادہ تری ن... ہو اور غالباً ان پر بہت کم نمی ہوتی ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔

☆ پانچواں مسئلہ...... اگر کسی نے پچکاری کروائی پھر اس کے باہر آنے کی صورت میں تری نہ ہو تو ناقض وضو نہیں لیکن احتیاطاً وضو کر لینا چاہئے کیونکہ ایسی حالت میں نمی نہ ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے یہی حکم ہے کہ اگر کسی چیز کو اندر داخل کیا جائے او... اس کا ایک سرا باہر ہو پھر نکالنے پر اگر تری موجود ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں اور اگر وہ اندر غائب ہو جائے تو پھر یقین... ناقض وضو ہے کیونکہ وہ پیٹ کے حکم میں ہوگی یہی وجہ ہے کہ اس طرح کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ چھٹا مسئلہ...... اگر کسی نے مردی کے سرے میں تیل کے چند قطرات ٹپکائے لیکن وہ باہر آ گیا تو اس میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹا جبکہ ان کے دو شاگردوں کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے امام قاضی خان نے بغیر کسی اختلاف کے اس کو ذکر کیا ہے جبکہ ابن ہمام نے امام ابو یوسف کا اختلاف ذکر کیا ہے اگر عورت نے فرج داخل میں تیل ڈالا... تو خارج ہونے پر ناقض وضو ہے اگر ناک میں دوائی ڈالی تو کچھ دنوں کے بعد باہر نکلی تو ناقض وضو نہیں قاضی خان نے یہی بیان فرمایا ہے۔ اگر کسی نے کان میں تیل ڈالا پھر ایک دن دماغ میں ٹھہرنے کے بعد باہر آ گیا تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر لوٹ آ... تو وضو ٹوٹ گیا اور اگر غسل کرتے وقت کان میں پانی چلا گیا پھر ناک کے راستہ سے نکلا تو وضو بحال ہے ٹوٹا نہیں اور اگر منہ کے راستہ نکلا تو وضو ٹوٹ گیا چونکہ تیل پاک ہے لہٰذا اس کا دماغ میں جانا پھر ناک کے راستہ نکلنا اس لئے موجب وضو نہیں کہ اس میں نجاست کا کوئی احتمال نہیں۔

☆ ساتواں مسئلہ...... اگر آلہ تناسل میں روئی رکھی جائے پیشاب نکلنے کے خوف سے تو کچھ حرج نہیں تو ایسی صورت اختیار کرنا قطع وسوسے کیلئے مستحب ہے لہٰذا وضو اس صورت میں ٹوٹ جاتا ہے جب کہ روئی کے ظاہر پر اثرات پائے جائیں ورنہ نہیں ٹوٹتا اور اگر روئی غائب ہو جائے پھر اسے نکالا جائے یا وہ خود نکل آئے تو دونوں صورتوں میں اگر تر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا لیکن اگر تر نہ ہو تو وضو

نہیں ٹوٹتا لیکن اگر دبر میں غائب ہوگئی اور پھر باہر آئے تو بلاشبہ ناقض وضو ہے۔

☆ آٹھواں مسئلہ...... اگر روئی کی اندرونی جانب تر ہو جائے لیکن بیرونی طرف تری نہ پہنچے تو ناقض وضو نہیں یونہی اگر رکھنے کے بعد گر جائے اگر تر ہو تو وضو نہیں رہتا اور اگر خشک ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا عورتوں کے روئی رکھنے کا بھی یہی حکم ہے اور اگر کسی عورت نے فرج خارج میں روئی رکھی اگر اس کا اندرونی حصہ تر ہو گیا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا چاہے تری باہر آئے یا نہ آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ تری کا پایا جانا فرج داخل کی طرف سے ہے اور فرج داخل کی تری ناقض وضو ہے۔

☆ آخری مسئلہ...... یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے فرج داخل میں روئی رکھی اور اس کی تری اس کے بیرونی حصے تک آ گئی تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نہ آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

خارج من غیر السبیلین کا حکم

اما الخارج من غير السبيلين فيوجب انتقاض الطهارة عندنا على التفصيل خلافا للشافعیؒ كالقيء والدم و نحوهما اما القيء اذا كان ملأ الفم ينتقض الوضوء سواء كان طعاما او ماء او مرة فان كان بلغماً لا ينتقض الوضوء عند ابی حنيفةؒ و محمدؒ سواء نزل من الرأس او صعد من الجوف و ان قاء دما ان كان سائلا نزل من الرأس ينتقض اتفاقاً و ان كان علقا لا ينتقض ايضا بالاتفاق و ان صعد من الجوف ان كان علقا لا ينتقض ايضا بالاتفاق الا ان يملأ الفم و ان كان سائلا فعلى قول ابی حنيفةؒ ينتقض و ان لم يكن ملأ الفم و عند محمدؒ لا ينتقض ما لم يكن ملأ الفم و ان قاء طعاما قليلا قليلا ان اتحد المجلس يجمع عند ابی يوسفؒ و قال محمدؒ ان اتحد السبب يجمع و الا فلا و تفسير اتحاد السبب انه اذا قاء ثانيا قبل سكون النفس عن الغثيان و الهيجان و اما الدم و نحوه اذا خرج من البدن ان سال نقض و الا فلا

ترجمہ...... رہی یہ بات کہ جو چیز دو راستوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے نکلے تو اس سے ہمارے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک سبیلین کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے نکلنے والی چیز ناقض وضو نہیں اس میں تفصیل یہ ہے کہ قے کرنا اور خون وغیرہ سے ہمارے نزدیک وضو نہیں رہتا مگر امام شافعی انتقاض وضو کے قائل نہیں اگر قے منہ بھر کر ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا خواہ کھانے کی ہو یا پانی کی یا زرد پانی

کی ہولیکن اگر بلغم کی قے ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ناقض وضو نہیں چاہے سر سے اتری ہو یا پیٹ سے اوپر چڑھی ہو لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ابال کھا کر پیٹ سے اوپر چڑھی ہو تو ناقض وضو ہے اور اگر کسی نے خون کی قے کی اگر وہ بہتا خون ہو جو سر سے اترا ہے تو بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خون رستہ ہے تو بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹتا اگر پیٹ سے اوپر چڑھا ہوا اور بستہ ہو تو پھر بھی وضو نہ ٹوٹنے پر ائمہ کا اتفاق ہے مگر یہ کہ منہ بھر ہو اور اگر بہتا خون ہو تو امام ابوحنیفہ کے قول پر وضو ٹوٹ جائے گا اگر چہ منہ بھر کر نہ ہو اور امام محمد کے نزدیک جب تک منہ بھر کر نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر کسی نے تھوڑے کھانے کی قے کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک اگر بار بار تھوڑی قے کرے اگر تو مجلس ایک ہو تو اسے جمع کیا جائے گا لیکن امام محمد نے فرمایا کہ سبب ایک ہو تو اسے جمع کیا جائے گا ورنہ نہیں سبب ایک ہونے کی تفسیر وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ابھار و ابال اور اس کا ڈانواں ڈول ہونا پیدا ہوا بس پہلی مرتبہ جب اس نے قے کی تو دوبارہ وہی ہیجان باقی تھا تو اس نے قے کی تو معلوم ہوا کہ سبب ایک ہی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو معلوم ہوا کہ سبب ایک نہیں خون وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ جب وہ جسم سے نکل کر زخم کے سر سے بہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں خلاصہ کلام یہ کہ خون میں سیلان اور جریان نقض وضو کیلئے ضروری ہے ورنہ صرف اس کے ظاہر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

خلاصہ کلام......احناف کے نزدیک خون کا کسی جگہ ظاہر ہونا ناقض وضو نہیں جب تک وہ جسم کے کسی حصہ سے نکل کر اور ظاہر ہو کر کہیں بہ کر چلا نہ جائے (یعنی اس میں جریان اور سیلان ہو۔)

اللغات

۱- ملاء الفم پر دہن۔ ۲- مرۃ کڑواز رد پانی۔

۳- صعد اوپر چڑھ گیا۔ ۴- الجوف پیٹ اس کی جمع اجواف ہے۔

۵- سائل بہنے والی چیز۔ ۶- علق جمی ہوئی چیز۔

۷- اتحد وہ ایک ہوگئی۔ ۸- سکون نفس نفس کا اطمینان۔

۹- الغثیان ابال۔ ۱۰- الھیجان ابھار۔

۱۱- راس الجرح زخم کا سر۔ ۱۲- یوجب واجب اور ضروری قرار دیتا اسکا مصدر از باب افعال ایجاب ہے واجب کرنا۔

۱۳- نحو مثل اور مانند (جیسے پیپ وغیرہ)۔ ۱۴- بلغم لیس دار اور چکنا مادہ۔

تشریح

حسب سابق چند مسائل کا بیان ہے:-

پہلا مسئلہ...... جو چیز دو راستوں کے علاوہ جسم کے کسی حصے سے نکلے تو کیا یہ ناقض وضو ہے یا نہیں۔ اس میں ہمارے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اگر جسم سے نکل کر بہ جائے تو ناقض وضو ہے جب کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اس کے قائل نہیں۔ اس کی مثال جیسے قے کرنا، خون نکلنا، پیپ وغیرہ خارج ہونا۔ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ بہنے والے خون سے وضو کرنا چاہئے۔ (الوضو من کل دم سائل)

دوسرا مسئلہ...... اگر قے منہ بھر کر ہو یعنی اسے بغیر تکلف کے روکا نہ جاسکے تو یہ ناقض وضو ہے خواہ کھانے کی قی ہو یا خالص پانی کی یا زرد یا سیاہ پانی کی۔ حسن بن زیاد کی ایک روایت ہے کہ اگر کھانا کھایا یا پانی پیا پھر اسی وقت قے ہوگئی تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ اگر بچے نے دودھ پی کر فوراً قے کر ڈالی یہ نجس نہیں۔ بعض نے اس کو مختار کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان ساری صورتوں میں اختلاط نجاست کی وجہ سے نجس ہے۔

تیسرا مسئلہ...... اگر بلغم کی قے ہو تو طرفین کے نزدیک ناقض وضو نہیں، چاہے بلغم سر سے اترا ہو یا پیٹ سے اوپر چڑھ گیا ہو، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر پیٹ سے اوپر چڑھ گیا ہو تو ناقض وضو ہے کیونکہ مجاورِ نجاست ہونے کی وجہ سے نجس ہے لیکن دوسرے دو امام فرماتے ہیں کہ چونکہ بلغم لیس دار اور چکنے والا ہوتا ہے لہذا نجاست اس میں داخل نہیں ہوسکتی اور جو اس کے آس پاس لگی ہوتی ہے وہ بہت کم مقدار میں ہوتی ہے اس لئے وہ ناقض وضو نہیں۔ امام طحاوی، امام ابو یوسفؒ کی رائے کی طرف مائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بلغم کپڑے میں سمیٹ کر اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، خلاصہ میں یہی آیا ہے۔

چوتھا مسئلہ...... اگر خون کی قے ہو تو اس میں دو احتمال ہیں کہ وہ سر سے آیا ہے یا پیٹ سے، بہنے والا ہے یا جما ہوا ہے۔ اگر بہتا خون ہو اور سر سے اترا ہو اور لعاب کے مساوی ہو تو بالاتفاق ناقض وضو ہے۔ اور اگر خون بستہ ہو تو ائمہ کے اتفاق سے ناقض وضو نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بہتا خون لعاب پر غالب ہو تو ناقض وضو ہے اور مساوات میں بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر نارنجی رنگ کا زرد خون ہو اگر اسکی زردی کم ہو تو وہ مغلوب ہے لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ دانتوں سے جو خون نکلے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ایک اور صورت یہ ہے کہ خون پیٹ سے منہ کی طرف آیا اگر خون بستہ ہو تو بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر منہ بھر کر ہو تو پھر سودائی ہونے کی وجہ سے ناقض وضو ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر بہتا خون ہو چاہے منہ بھر کر نہ ہو تو بھی وضو توڑ دیتا ہے کیونکہ یہ خون پیٹ کے زخم سے آیا ہے کیونکہ معدہ خون کا محل نہیں۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک جب تک پُر دھن نہ ہو ناقض وضو نہیں، وہ اس کو قے پر قیاس کرتے ہیں۔

☆ پانچواں مسئلہ...... اگر تھوڑی تھوڑی ہو کر طعام کی قے ہو اگر اسے جمع کیا جائے تو منہ بھر کر ہو تو دو اماموں کا اس میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اگر ایک مجلس میں تھوڑی تھوڑی قے ہوئی اور مجموعی طور پُر دھن پر ہوگئی تو وضو ٹوٹ جانے کا حکم دیا جائے گا جبکہ امام محمد کے نزدیک اتحادِ مجلس کی بجائے اتحادِ سبب معتبر ہے اگر سبب ایک ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اصل میں یہ ہے کہ احکام کی اضافت ان کے اسباب کی طرف کی جائے مصنف نے اتحادِ سبب کی یہ تشریح کی ہے کہ اگر ایک ہی ابال اور ابھار سے تھوڑی تھوڑی قے ہو تو سبب ایک ہے جس کے تحت قے ہو رہی ہے یہ ہے مصنف کے کلام کی مختصر تشریح۔

سیلان وعدم سیلان ماخرج من البدن پر متفرع مسائل

وعلی هذا مسائل منها نفطة قشرت فسال منها ماء اودم او صديد ان سال عن راس الجرح ينتقض وان لم يسل لا ينتقض وتفسير السيلان ان ينحدر عن راس الجرح واما اذ علا راس الجرح ولم ينحدر لا يكون سائلا وقال بعضهم اذا خرج الدم وتجاوز الیٰ موضع يلحقه حكم التطهير يعنى اذا خرج الدم من الراس الى انفه او الى اذنه ان سال الى موضع يجب تطهيره عند الاغتسال نقض وان مسح الدم عن راس الجرح بقطنة ثم خرج فمسح ثم وثم او القى التراب عليه ينظر ان كان بحال لو تركه لسال نقض والافلا و لو بزق و فى بزاقه دم ان كان البزاق غالبا فلا وضوء عليه و ان كان الدم غالبا فعليه الوضوء و ان استويا يتوضأ احتياطا ولو عضّ شيأ فرأى عليه اثر الدم فلا وضوء عليه و قال بعض المشائخ ينبغى ان يضع كمه او اصبعه فى ذلک الموضع ان وجد الدم فيه نقض و الا فلا وروى عن محمد انه قال الشيخ اذا كان فى عينه رمد و يسيل الدموع منها امره بالوضوء وقت كل صلوة لانى اخاف ان يكون مايسيل منه صديدا فيكون صاحب عذر و فى الفتاوى الغرب فى العين بمنزلة الجرح الذى لا يرقأ

ترجمہ...... اسی بنیاد پر بہت سے مسائل مبنی ہیں مثلاً ایک شخص کے جسم پر پھوڑا تھا اسے چھیل ڈالا گیا جس کی وجہ سے اس سے پانی یا خون یا پیپ بہنے لگی اگر یہ زخم کے منہ سے جاری ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہوا تو وضو نہیں ٹوٹا اور سیلان کی تشریح یہ ہے کہ وہ چیز زخم سے نکل کر آگے بڑھ جائے اور اگر وہ زخم کے منہ سے صرف ابھری لیکن آگے تجاوز نہ کیا تو وہ جاری نہیں بعض نے یہ فرمایا کہ جب خون وغیرہ نکل کر ایسی جگہ کی طرف چلا جائے کہ جس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہے تو اس کی سیلان کہا جائے گا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ جب خون مقام زخم سے نکل کر ناک یا کان کی طرف بہہ گیا اگر ایسی جگہ کی طرف جاری ہوا کہ جس کا پاک کرنا غسل اور وضو کے وقت لازم ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں پھر اگر اس نے زخم کا منہ روئی کے ساتھ صاف کیا لیکن پھر وہ نکلا پھر پونچھا پس اسی طرح وہ بدستور نکلتا رہا اور یہ صاف کرتا رہا یا اس پر مٹی ڈالی گئی تو یہ دیکھا جائے گا اگر وہ ایسی حالت میں ہے کہ اگر اسے چھوڑ دے تو وہ بہنے لگے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں اور اگر اپنے منہ سے لعاب ڈالا اور اس کے لعاب میں خون ہے اگر لعاب غالب ہو تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر خون غالب ہو تو اس کیلئے وضو کرنا ضروری ہے اور اگر دونوں برابر ہوں تو احتیاطا وضو کرتے اور اگر اس نے کسی چیز کو چبایا

پھر اس پر خون کا نشان دیکھا تو اس پر وضو لازم نہیں بعض مشائخ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ اپنا دامن یا اپنی انگلی اس جگہ رکھے پس اگر اس پر خون کا اثر پائے تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں۔

مسئلہ...... امام محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس بوڑھے کی آنکھیں دکھتی ہوں اور ان سے آنسو بہتے ہوں تو میں اسے ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرنے کا حکم دوں گا کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ جو کچھ اس کی آنکھوں سے بہتا ہے کہیں وہ پیپ نہ ہو لہٰذا وہ شخص معذور ہوگا۔ فتاویٰ میں ہے کہ جو پھوڑا آنکھ میں ہو وہ زخم کے قائم مقام ہے اور جو کچھ اس سے بہتا ہے وہ نجس ہے۔

نتیجہ...... لہٰذا اگر کپڑے یا جسم سے لگ جائے تو دونوں ناپاک ہو جائیں گے پس اس کا خیال اور دھیان کرنا ضروری ہے۔

اللغات

۱-	نفطة	ابھرا ہوا چھالا	۲-	قشترت	وہ چھیلا گیا یعنی اس کا چھلکا اتارا گیا
۳-	صدید	پیپ	۴-	راس الجرح	زخم کا منہ
۵-	علا	بلند ہو گیا	۶-	یلحقه	اسے لاحق ہوتا ہے
۷-	مسح	اس نے پونچھا	۸-	القی	ڈالی گئی
۹-	البزاق	تھوک	۱۰-	استویا	دونوں برابر ہو گئے
۱۱-	عض	اس نے چبایا اور کاٹا	۱۲-	کم	دامن آستین
۱۳-	رمد	آنکھ دکھنا آشوب چشم	۱۴-	الدموع	دمع کی جمع ہے بمعنی آنسو
۱۵-	امره	میں اسے حکم دوں گا	۱۶-	ما یسیل	جو کچھ اس سے بہتا ہے
۱۷-	الغرب	پھوڑا	۱۸-	التراب	مٹی
۱۹-	اصبع	انگلی اس کی جمع اصابع ہے	۲۰-	عینیه	اس کی دو آنکھیں اس کا واحد عینٌ اور جمع عیون ہے۔

تشریح

یہاں بھی حسب سابق چند مسائل کا بیان ہے جو تقریباً خون کے سیلان وغیرہ پر مبنی ہیں مثلاً:

☆ پہلا مسئلہ: اگر کسی کے جسم پر چھالا چڑھ کر ابھر گیا ہو پھر اسے پانی پیپ وغیرہ جارے ہو جائے اگر یہ ساری چیزیں زخم کے منہ سے بہنے لگیں تو وضو ختم ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر وضو نہیں ٹوٹتا بہنے سے مراد یہ ہے کہ خود بخود بہنے لگے یا نچوڑنے سے نکلے اور بہہ جائے تو دونوں حالتیں برابر ہیں مصنف محیط نے اسی کو اختیار کیا ہے مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ اگر دبانے سے نکلے تو پھر ناقض وضو نہیں لیکن پہلی بات زیادہ وجیہہ ہے سیلان کی تشریح یہ ہے کہ خود بخود زخم کے منہ سے نکل کر بہہ جائے اور اگر صرف زخم کے سرے پر خون وغیرہ ابھرے اور کہیں نہ جائے تو وہ سائل نہیں ہوگا اس کے سائل ہونے کیلئے بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ جہاں سے نکلا ہے

وہاں سے متجاوز ہو کر ایسے مقام تک پہنچ جائے کہ وضو اور غسل میں جس کی طہارت ضروری ہے لہٰذا اگر زخم کے منہ سے نکل کر کان ناک تک پہنچ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر ناک کے بانسے کے اندر رہے یا کان کے سوراخ ہی میں رہے تو ناقض وضو نہیں یونہی اگر زخم کے منہ پر خون موجود ہو اس نے اسے روئی سے صاف کیا بار بار صاف کرنے کے باوجود وہ نکلتا رہا یا اس پر مٹی ڈالی گئی اگر اس کی حالت یہ ہو کہ صاف نہ کیا جائے یا اس پر کوئی چیز نہ ڈالی جائے تو اس میں بہنے کی قابلیت ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ خون بہنے میں یہ ضروری نہیں کہ وہ خود بخود بہنے لگے بلکہ اس میں بہ جانے کی صلاحیت ہو اگر کسی نے تھوکا اور اس تھوک میں خون کا اثر تھا تو یہاں غلبہ کا اعتبار ہے اگر تھوک غالب ہو یعنی وہ سفیدی کے قریب ہو تو وضو کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر خون غالب ہو یعنی سرخی کے قریب ہو تو وضو کی ضرورت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب چیزیں سیلان کی قوت ہوتی ہے جب کہ مغلوب میں یہ قوت نہیں ہوتی اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں برابر ہوں اور اگر خون کی زیادہ زردی ہو تو احتیاطاً وضو کر لینا چاہئے کیونکہ اس میں سیلان کی فی نفسہٖ قوت موجود ہے۔

☆ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نے کوئی چیز چبائی پھر اس پر خون کا اثر دیکھا تو وضو کرنے کی ضرورت نہیں اسی طرح اگر خلال پر خون کا نشان ہو تو پھر بھی سائل نہ ہونے کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا امام قاضی خان نے یہی فرمایا ہے البتہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ اپنا دامن یا اپنی انگلی اس جگہ رکھے اگر اس پر خون پائے تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں شارح صغیری فرماتے ہیں کہ الحاوی میں ہے کہ امام ابراہیم سے اس خون کے متعلق پوچھا گیا جو دانتوں سے نکلے کہ اس کا حکم کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر خون نکلنے کی جگہ معلوم ہو اور وہ جاری بھی ہو تو وضو ٹوٹ گیا اور وہ ناپاک بھی ہے اور اگر جگہ معلوم نہ ہو اور یہ لعاب کے ساتھ آئے تو غالب کا اعتبار ہوگا امام محمد سے یہ مسئلہ مروی ہے کہ اگر کسی عمر رسیدہ شخص کی آنکھیں دکھتی ہوں اور ان سے آنسو بہتے ہوں تو اسے ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرنا چاہئے کیونکہ باقی معذوروں کی طرح یہ بھی معذور ہے کیونکہ یہ اندیشہ ہے یہ کہیں پیپ نہ ہو امام ابراہیم حلبی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کے لاگو ہونے میں بوڑھے اور جوان کا کوئی فرق نہیں پس بوڑھے کا ذکر اکثریت کی بنا پر کیا گیا ہے اور جو حکم آنکھ دکھنے کا ہے وہی تمام دردوں کا ہے کہ اگر درد کی وجہ سے کوئی چیز خارج ہو خواہ آنکھ سے ہو یا کان سے یا ناف سے یا چھاتی سے ان سب صورتوں میں زیادہ صحیح مذہب کے مطابق وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ فقہاء کرام کی رائے میں شدت درد کے ساتھ کوئی چیز نکلے تو وہ پیپ ہے ہاں اگر بغیر درد کے نکلے تو وہ پیپ نہیں۔

☆ اسی سلسلے میں مصنف آخری بات یہ بیان فرماتے ہیں کہ آنکھ کے کنارے میں جو پھوڑا نمودار ہو جائے تو وہ زخم کے قائم مقام ہے یعنی اس زخم کا حکم رکھتا ہے جو خشک نہیں ہوتا اور اس سے جاری ہونے والا مادہ نجس ہے۔

صاحب عذر کے مثل احکام

و اما صاحب الجرح الذی لا یرقأ و من بہ سلسل البول و المستحاضۃ و من بہ الرعاف الدائم و انفلات الریح و استطلاق البطن یتوضؤن لوقت ما شاؤا من الفرائض و النوافل فاذا خرج الوقت بطلؐ وضوء ھم و ان توضأت المستحاضۃ حین تطلع الشمس تبقی

طهارتها حتى يذهب وقت الظهر عند ابى حنيفةؒ و محمدؒ خلافا لابى يوسفؒ و زفرؒ و ينبغي ان يربط جرحة تقليلا للنجاسة و ان اصاب الثوب من ذلک الدم اكثر من قدر الدرهم لزمه غسله اذا علم انه لو غسله لا يتنجس ثانيا ولو كان المحل بحال لو غسله يتنجس قبل الفراغ من الصلوة ثانيا جاز له ان لا يغسله هو المختار و صاحب العذر اذا منع الدم عن الخروج بالعلاج يخرج من ان يكون صاحب العذر و لهذا المعنى المفتصد لا يكون صاحب عذر بخلاف الحائض اذا احتشت لا تخرج من ان تكون حائضا رجل به جدرى خرج منها ماء هو سائل فتوضأ ثم سال القرحة التى لم تكن سائلة نقض وضوء ه لان الجدرى قروح متعددة و على هذا مسألة المنخرين وصاحب الحدث الدائم من لا بمضى عليه وقت صلوة كامل الا و الحدث الذى ابتلى به يوجد فيه و اذا توضأ صاحب العذر لحدث اٰخر و الدم منقطع ثم سأل فعليه الوضوء ذكر فى احكام الفقه و اذا انقطع الدم وقتا كاملا يخرج من ان يكون صاحب عذر رجل انتثر فسقطت من انفه كتلة دم لم ينتقض و ان قطرت انتقض و القراد اذا مص العضو وامتلاء دما ان كان كبيرا انتقض و ان كان صغيرا لا ينتقض اما العلق اذا مصت حتى امتلأت بحيث لو سقطت لسال انتقض و اما الذباب او البعوض اذا مص و امتلأ لا ينتقض اما الدم القليل و القئ القليل فلما لم يكن حدثا لم يكن نجسا فاذا اصاب الثوب لا يمنع جواز الصلوٰة به و ان فحش

ترجمہ......رہا وہ زخم والا آدمی کہ جس کا زخم ناسور کی طرح خشک نہ ہوتا ہو یا پیٹ جاری ہونے والا یا ریح کی روانگی والا یا وہ آدمی جس کو پیشاب کے تسلسل کا عارضہ ہو یا وہ استحاضہ خون والی عورت کہ جس کا بیماری کی وجہ سے خون بہتا رہتا ہو یا دائمی نکسیر والا ان سب معذور افراد کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کریں اور اس وقت میں جتنے فرائض نوافل پڑھنا چاہیں پڑھیں جونہی وقت نکل گیا تو ان کا وضو ختم ہو جائے گا اگر استحاضہ خون والی عورت نے سورج طلوع ہوتے وقت وضو کیا تو اس کا وضو ظہر کا وقت گزرنے تک باقی رہے گا لیکن اس میں امام ابو یوسف اور امام زفر کا اختلاف ہے مناسب یہ ہے کہ زخم پر پٹی وغیرہ باندھے نجاست کی کمی کرنے کیئے اور اگر وہ خون درہم کی مقدار سے زیادہ کپڑے پر لگ جائے تو اس کا دھونا لازم ہے جب کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اگر اسے دھویا تو دوبارہ کپڑا نجس نہ ہوگا اور اگر یہ علم ہے

کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کپڑا دوبارہ ناپاک ہو جائے گا تو اس کیلئے اسے نہ دھونا جائز ہے یہی پسندیدہ قول ہے معذور آدمی کسی علاج معالجے کی وجہ سے اگر خون کو نکلنے سے روکے تو پھر وہ معذور لوگوں میں شمار نہ ہوگا اسی کے حکم میں ہے فصد کرانے والا صاحب عذر نہ ہوگا لیکن حیض والی عورت جب اندام نہائی میں روئی رکھے اور خون کو باہر نکلنے سے روکے تو حائضہ ہونے سے خارج نہیں ہوگی (بلکہ خون رک جانے کے باوجود حائضہ ہی شمار ہوگی)

مسئلہ...... ایک شخص کو چیچک نکلی پس اس کے زرد رنگ کا پانی بہنے لگے اس نے وضو کیا پھر وہ کسی ایسے زخم سے بہنے لگا جو پہلے بہتا نہ تھا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا کیونکہ چیچک الگ زخموں کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی پر ناک کے دو نتھنوں کا مسئلہ مبنی ہے کہ جب وہ بہنے لگیں تو وہ ایک زخم کا قائم مقام نہیں وہ دائماً بے وضو آدمی کہ جس پر پوری ایک نماز کا بغیر حدث کے وقت نہ گزرتا ہو مگر اس میں حدث پایا جاتا ہے تو اسے معذور قرار دیا جائے گا جب کوئی صاحب عذر آدمی کسی دوسرے حدث کے لئے وضو کرے اور خون بند ہو جائے پھر جاری ہو جائے تو اس پر دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے اس مسئلہ کو احکام الفقہ میں بیان فرمایا ہے اور اگر پوری نماز کے وقت تک خون بند ہو جائے تو آدمی صاحب عذر ہونے سے نکل جائے گا۔

مسئلہ...... ایک شخص نے ناک جھاڑی تو اس کی ناک سے خون کا لوتھڑا اگر گیا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹا اور اگر خون کے قطرے گرے تو وضو ٹوٹ گیا چچڑی نے کسی آدمی کا خون چوسا اور وہ خون سے بھر گئی تو اگر وہ بڑی ہے تو وضو ٹوٹ گیا اور اگر چھوٹی ہے تو نہیں ٹوٹا اسی طرح جونک جب خون چوسے اور بھر جائے تو اگر وہ گر جائے اور خون بہنے لگے تو وضو ٹوٹ گیا لیکن مکھی اور مچھر جب خون چوسیں اور دونوں خون سے پر ہو جائیں تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ تھوڑا خون اور تھوڑی قے جب تک حدث نہ ہو نجس نہ ہوگی، یہاں تک کہ جب کسی کپڑے کو لگ جائے اگر چہ زیادہ ہو تو نماز سے نہیں روکتا۔

اللغات

۱-	لا یرقا	جو خشک نہ ہو۔	۲-	استطلاق البطن	پیٹ کا جاری ہونا۔
۳-	انفلات الریح	ہوا جاری ہونا	۴-	سلسل بول	پیشاب کا تسلسل
۵-	الرعاف	نکسیر	۶-	یذهب	چلا جاتا ہے۔
۷-	ان یربط	باندھے	۸-	صاحب العذر	معذور شخص
۹-	المفتصد	فصد کرانے والا	۱۰-	جدری	چیچک
۱۱-	المنخرین	ناک کے دو سوراخ	۱۲-	لا یمضی	نہ گزرے
۱۳-	ابتلیٰ به	وہ اس میں مبتلا ہو جائے۔	۱۴-	انتثر	اس نے ناک جھاڑی۔
۱۵-	کُتلة دم	خون کا لوتھڑا	۱۶-	القراد	چچڑی

۱۷- مصّ	اس نے چوسا۔	۱۸- امتلاء	وہ بھر گیا۔
۱۹- العلق	جونک	۲۰- الذباب	مکھی
۲۱- البعوض	مچھر		

۲۲- فحش — زیادہ ہونا اور کسی چیز کا حد سے تجاوز ہو جانا، پس اسی سے "الفحشاء" ماخوذ ہے یعنی قبیح اور بے حیائی کا کام کہ عقل سلیم نفرت کرتی ہو۔

۲۳- وقت کامل — پورا وقت پس اس سے ایک نماز کا وقت مراد ہے۔

۲۴- انقطع — ختم ہو گیا، اس کا مصدر انقطاع باب کا مصدر بمعنی کسی چیز کا منقطع اور ختم ہو جانا۔

۲۵- حدث — بے وضو ہونا، نجس جیم کے زیر اور زبر دونوں سے ہے پس اولیٰ کے معنی ہیں پلید جبکہ دوسرے کا معنی ہے پلید یا پلید ہونا۔

تشریح

☆ پہلا مسئلہ...... چند معذور افراد کا بیان ہے ان میں پہلا معذور ایسے زخم والا شخص جس کا زخم ناسور کی طرح بہتا رہتا ہو ٹھیک نہ ہوتا ہو۔ دوسرا جس کا پیشاب جاری ہو کہ کسی وقت پیشاب رکتا نہ ہو، تیسرا وہ خون استحاضہ والی عورت کا جسے اندرونی نقصان کی وجہ سے خون آتا رہتا ہو۔ چوتھا دائمی نکسیر والا شخص، پانچواں جس کو ریح بواسیر ہو، چھٹا جس کا پیٹ جاری ہو۔ ان سب کا نماز کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ یہ لوگ نماز کے وقت وضو کریں اور وقت باقی رہنے تک فرائض نوافل پڑھیں، جوں ہی وقت گذر گیا تو ان کا وضو ختم ہو گیا، لہٰذا دوسری نماز کا وقت آنے پر دوسری نماز کا وضو کریں۔

☆ دوسرا مسئلہ......اگر استحاضہ والی عورت نے سورج چڑھتے وقت وضو کیا تو وقتِ ظہر نکلنے تک اس کا وضو باقی رہے گا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی مؤقف ہے البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں اور یہ اختلاف خروج اور دخول وقت پر مبنی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ خارج ہونے سے وضو ٹوٹتا ہے جبکہ دوسرے دو اماموں کے نزدیک دخول وقت ناقض وضو ہے پس صورت مذکورہ میں جس عورت نے طلوع شمس کے وقت وضو کیا تو جب تک ظہر کا وقت ختم نہ ہو وضو باقی رہے گا لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام زفر کے نزدیک دخول وقت معتبر ہے لہٰذا ظہر کا وقت داخل ہوتے ہی وقت ختم ہو جائے گا، لیکن اگر اس نے سورج چڑھنے سے پہلے وضو کیا پھر سورج چڑھ گیا یہاں خروج وقت پایا گیا دخول وقت نہیں پایا گیا، لہٰذا تین اماموں کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا سوائے امام زفرؒ کے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ دخول اور خروج دونوں میں سے جو پایا جائے وہ معتبر ہے۔

☆ تیسرا مسئلہ......زخم والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے زخم کو پٹی وغیرہ سے باندھے تاکہ نجاست میں کمی واقع ہو جائے۔ اگر قدرِ درہم سے زیادہ خون کپڑے کو لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری ہے بشرطیکہ اسے غالب گمان ہو کہ دوبارہ نماز پڑھنے سے پہلے نجس نہیں ہوگا تاکہ دھولینا فائدہ بخش ہو۔ اور اگر کپڑے کو مقدار مذکور خون لگ جائے تو حالت یہ ہو کہ نماز پڑھنے سے پہلے پھر

نجس ہو جائے تو پھر اسے نہ دھونے کی گنجائش ہے۔فتویٰ دینے کیلئے یہی قول پسندیدہ ہے۔لیکن یہ بھی کہا گیا ہے ہر نماز کے وقت اک مرتبہ دھولیا چاہیے۔

☆ چوتھا مسئلہ......معذور آدمی اگر علاج معالجے سے خون روک سکتا ہو تو ایسا کرنے پر وہ معذور نہیں شمار ہوگا۔کیونکہ یہ طہارت کاملہ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔فصد کرانے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ہاں البتہ حیض والی عورت اگر جائے حیض میں کپڑا رکھ کر خون کو روکے تو وہ حائضہ ہونے سے خارج نہیں ہوگی۔کیونکہ جب حیض ثابت ہو جائے تو پھر اسکے بقا کے لئے حقیقتا خروج دم ضروری نہیں لیکن صاحب عذر آدمی اس کے عذر کا تعلق حقیقتا خروج ناقض سے ہے اگر وہ پایا گیا تو صاحب عذر ہوگا ورنہ نہیں۔

☆ پانچواں مسئلہ......ایک شخص کو چیچک نکلی ہو ان سے زرد پانی بہتا ہو جس کی وجہ سے وہ معذور ہو گیا ہو اس نے وضو کیا پھر زخم بہنے لگا جو کہ پہلے بہتا نہ تھا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ چیچک متعدد زخم ہیں ایک زخم نہیں پھر اس شخص کی حیثیت اس شخص جیسی ہوگی جس کے جسم پر دو زخم ہوں کہ ایک ٹھیک نہ ہوتا ہو اس نے اس کی وجہ سے وضو کیا پھر دوسرا بہنے لگا تو اس دوسرے کی وجہ سے اس کا وضو ٹوٹ گیا اسی پر ناک کا مسئلہ مبنی ہے کہ ایک شخص کے دو نتھنوں میں سے ایک سے خون بہتا ہو اور وہ اس وجہ سے معذور ہو گیا ہو پھر اس نے وضو کیا پھر دوسرا نتھنا جو پہلے نہ بہتا تھا بہنے لگا تو اس کی وجہ سے اس کا وضو ٹوٹ گیا۔

☆ چھٹا مسئلہ......دائمی حدث والا آدمی وہ ہوتا ہے کہ جس پر ایک پوری نماز کا وقت اس حالت میں گزرتا ہے کہ اس کے اندر حدث مذکور پایا جاتا ہے۔صاحب صغیری لکھتے ہیں کہ صاحب عذر کی دو تعریفیں ہیں ایک ابتداء اور دوسری بقاء یہ دوسری تعریف کا بیان ہے۔اگر اس میں یہ صفت پائی جائے تو وہ صاحب عذر کہلائے گا۔اگر کسی معذور شخص نے کسی دوسرے حدث کی بنا پر وضو کیا بغیر اس حدث کے جس میں یہ مبتلا تھا اور خون وغیرہ بہنا رک گیا تھا تو پھر بہنے لگا تو اس پر وضو کرنا ضروری ہے۔

☆ ساتواں مسئلہ......اگر ایک نماز کا پورا وقت خون بند ہو جائے تو یہ آدمی صاحب عذر نہیں رہے گا کیونکہ اب یہ معذور ہونے کی حد سے نکل گیا۔

☆ آٹھواں مسئلہ......ایک آدمی نے ناک جھاڑی تو اس کی ناک سے خون کا لوتھڑا گرا تو وضو نہیں ٹوٹا۔کیونکہ خون بستہ جم جانے کی وجہ سے اپنی طبیعت سے نکل گیا، کیونکہ بہتا خون ناپاک ہے۔اور ناک سے خون کے قطرے گرے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

☆ نواں مسئلہ...... بڑی چچڑی نے اگر کسی آدمی کا خون چوسا اور وہ خون سے بھر گئی تو وضو ٹوٹ گیا۔کیونکہ خون میں سیلان کی قوت موجود ہے اگر چھوٹی ہو تو وضو نہیں ٹوٹا۔اگر جونک نے خون چوسا اور وہ اس سے پُر ہو گئی، اگر اس کے گرنے سے خون میں سیلان ہو سکتا ہے تو وضو ٹوٹ گیا۔لیکن کھیاں، مچھر خون چوسیں اور یہ بھر جائیں تو یہ ناقض وضو نہیں۔

☆ دسواں مسئلہ......تھوڑا خون اور معمولی اُلٹی، یہ حدث کی حد میں نہیں آتیں، لہٰذا یہ نجس نہیں۔کیونکہ کسی شے کے نجس ہونے کے لئے اسکا حدث ہونا ضروری ہے۔امام ابو یوسفؒ کا یہی مؤقف ہے اور یہی صحیح ہے۔

نینداور بعض دوسری چیزوں سے فسادِ وضو

کذا النوم ناقض اذا کان مضطجعا او متکأ او مستندا الیٰ شیٔ لو ازیل عنه لسقط و ان نام فی الصلوة قائما او راکعا او ساجدا او قاعدا فلا وضو علیه و ان کان خارج الصلوة فنام علیه هیئة الساجد ففیه اختلاف و ظاهر المذهب انه یکون حدثا و ان نام قاعدا او واضعا اَلْیَتَیْهِ علی عقبیه او واضعا بطنه علی فخذیه لا ینتقض وضوء ہ ذکر محمد فی کتاب صلوة الاثر و لو نام محتبیا لا وضوء علیه و کذا لو وضع فی هذه الحالة رأسه علی رکبتیه و ان نام مربعا لا ینتقض الوضوء و کذا لو نام متورکا و ان سقط النائم ان انتبه بعد ما سقط علی الارض فعلیه الوضوء و ان انتبه قبل السقوط فلا وضوء علیه و ان نام علی دابة عریانة ان کان حالة الصعود او الاستواء لا ینتقض و ان کان حالة الهبوط ینتقض و لو کان راکبا فی الاکاف او فی السرج لا ینتقض فی الحالین و کذا الاغماء و الجنون ناقض و ان قل و کذا السکر وحد السکران لا یعرف الرجل من المرأة و قال فی المحیط انه اذا دخل فی بعض مشیه تحرک فهو سکران و کذا القهقهة فی کل صلوة ذات رکوع و سجود تنقض الوضوء و الصلوة جمیعا سواء کان عامدا او ناسیا و ان قهقه فی صلوة الجنازة او فی سجدة التلاوة لا ینتقض وضوء ہ و ان نام فی صلاته ثم قهقه فسدت صلاته و لا ینقض وضوء ہ ذکره فی الاصل و قال فی المحیط فسدت صلوته ووضوء ہ و به اخذ عامة المشائخ المتاخرین و ان قهقه الصبی فی صلاته لا ینتقض وضوء ہ و اما التبسم فلا ینقض الوضوء و الصلوة وحد القهقهة. قال بعضهم هو ما یظهر فیه القاف و الهاء و یکون مسموعا له و لجیر انه و قال بعضهم اذا بدت نواجذه و منعه عن القراء ة وحد التبسم ما لا یکون مسموعا لا له و لا لجیرانه و ذکر فی الخاقانیة التبسم لا یبطل الوضوء و الصلوة و الضحک یفسد الصلوة لا الوضوء وحد الضحک ان یکون مسموعا له دون جیرانه و کذا المباشرة الفاحشة ناقضة للوضوء عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله خلافا لمحمد رحمه اللّٰه و

اما مس الذکر او اکل شئ مما مسّته النار فانه لا ینقض الوضوء عندنا خلافا للشافعی رحمه اللّٰہ و لو حلق الشعر او قلم الاظفار بعد ما توضأ لا یجب علیه اعادة الوضوء و لا امرار الماء علیه و من تیقن فی الوضوء و شک فی الحدث فلا وضوء علیه . و من شک فی الوضوء و تیقن فی الحدث فعلیه الوضوء و من شک فی خلال الوضوء فعلیه غسل ما شک فیه و ان شک بعد تمام الوضوء فلا یلتفت ما لم یتیقن

ترجمہ......اور اسی طرح نیند وضو توڑ دیتی ہے جبکہ سونے والا پہلو کے بل سوئے یا تکیہ لگائے ہو یا کسی چیز سے سہارا کئے ہوئے ہو اگر درمیان سے اس چیز کو ہٹا دیا جائے تو وہ گر جائے تو ایسی نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کھڑے ہو کر یا بحالت رکوع یا بیٹھنے کی صورت میں یا سجدہ کرنے کی صورت میں سو جائے تو اس کا وضو بحال ہوگا لہٰذا اس پر دوبارہ وضو کرنا لازم نہیں۔اور اگر کوئی شخص نماز سے باہر ہو اور سجدے کی شکل پر سو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر بیٹھے ہوئے اپنے دونوں سرین ایڑیوں پر رکھتے ہوئے یا اپنا پیٹ اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے سو گیا تو وضو نہیں ٹوٹتا۔امام محمد نے کتاب الآثار میں اس کو بیان فرمایا۔اور اگر کوئی بحالتِ احتباء سو جائے تو اس پر وضو لازم نہیں اور اسی طرح بصورتِ احتباء اگر کوئی اپنا سر اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اگر چوکور ہو کر سو جائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اور اسی طرح اگر سرین کے بل سو جائے۔اور اگر سونے والا زمین پر گرنے کے بعد بیدار ہو جائے تو اس پر وضو کرنا لازم ہے۔اور اگر گرنے سے پہلے بیدار ہو جائے تو وضو ضروری نہیں۔اگر چوپائے کی ننگی پیٹھ پر سو جائے،اگر چڑھائی کی حالت ہو یا ہموار حالت ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر اترائی ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔اور اگر پالان یا زین پر بیٹھا ہو تو دونوں صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۲)اسی طرح بے ہوشی اور پاگل پن اگرچہ یہ تھوڑے ہوں،دونوں ناقض وضو ہیں۔اور حالتِ نشہ بھی ان کے ساتھ شامل ہے حدِ نشہ یہ ہے کہ مرد،عورت کے درمیان پہچان نہ ہو اور نہ آسمان زمین کے درمیان امتیاز ہو۔محیط میں فرمایا کہ جب اس کی بعض رفتار میں لڑکھڑانا پیدا ہو جائے تو یہ نشے والا ہے لہٰذا اس کے وضو کے ٹوٹ جانے کا حکم دیا جائے گا۔

(۳)اسی طرح ہر رکوع وسجدے والی نماز میں کھلکھلا کر ہنسا تو اس کے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر اور یہ اگر نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت یا سجدۂ سہو میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر یہ نماز میں سو گیا پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ وضو نہ ٹوٹے گا۔اس مسئلہ کو اصل میں بیان کیا ہے۔لیکن محیط میں فرمایا کہ نماز اور وضو دونوں فاسد ہو جائیں گے۔عام پچھلے علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔اور اگر چھوٹا بچہ نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو اس کی صرف نماز فاسد ہوگی وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ہنسی کی تین قسمیں:

پہلی قسم تبسم ہے کہ جس کو مسکراہٹ کہتے ہیں اس سے وضو اور نماز دونوں نہیں ٹوٹتے۔ اور دوسری قسم قہقہہ پس اس کی حد یہ ہے کہ جیسا کہ بعض نے فرمایا کہ اس میں قاف اور ہا پیدا ہو جائیں اور اسے اور اس کے پڑوسی کو سنائی دے۔ یہ دوسری قسم ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ جب اس کی داڑھیں کھل جائیں اور قرأت کرنے سے رکاوٹ پیدا ہو جائے تو یہ قہقہہ ہے۔ جبکہ بعض نے فرمایا کہ جب تک آواز سنائی نہ دے ناقض نہیں۔ اور تبسم کی حد یہ ہے کہ جسے یہ خود اور اس کا پڑوسی دونوں نہ سنیں۔ فتاویٰ خاقانیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تبسم سے وضو اور نماز دونوں باطل نہیں ہوتے اور ضحک مُفسد صلوۃ ہے لیکن ناقض وضو نہیں۔ لیکن اس کی حد یہ ہے کہ خود سنے لیکن پڑوسی نہ سنے۔ (۴) اسی طرح مباشرت فاحشہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناقض وضوء ہے لیکن امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔ مباشرت فاحشہ کی تعریف یہ ہے کہ بغیر کسی پردے کے مرد و عورت یک جا ہو کر لیٹ جائیں اور دونوں کے سارے اعضاء ایک دوسرے کو مس کریں۔ مرد کا اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگانا یا آگ کی پکی ہوئی چیز کھانا ہمارے نزدیک ان دونوں کاموں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ امام شافعی اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ (۶) اگر کسی شخص نے وضو کرنے کے بعد بال مونڈے یا ناخن کترے تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں اور نہ ان پر پانی گزارنا ضروری ہے۔ (۷) جس آدمی کو وضو پر یقین ہو لیکن بے وضوء ہونے میں شک ہو تو اس پر دوبارہ وضو کرنا لازم نہیں لیکن اگر وضو میں شک ہو اور حدث پر یقین ہو تو اس پر وضو کرنا ضروری ہے جس کو دوران وضو شک پیدا ہو جائے تو جس اندام کے دھونے میں شک پیدا ہوا سے دوبارہ دھو ڈالے اور جس کو پورا وضو کرنے کے بعد شک پیدا ہوا تو اسکے اس شک کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ یقین نہ ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ ''الیقین لا یزول بالشک و الشک لا یغنی عن الحق'' قاعدہ مسلمہ ہے۔

اللغات

۱۔ نَوم نیند ۲۔ نائم سونے والا۔ ۳۔ مُتکیٌ تکیہ لگانے والا یعنی کہنیوں کے سہارے لیٹنے والا ۴۔ مضطجع پہلو کے بل سونے والا۔ ۵۔ مستند کسی چیز سے سہارا کرنے والا ۶۔ اُزیلہ وہ چیز زائل ہوگئی یعنی درمیان سے ہٹ گئی۔ ۷۔ قائم کھڑا ہونے والا۔ ۸۔ راکع رکوع کرنے والا۔ ۹۔ ساجد سجدہ کرنے والا۔ ۱۰۔ قاعد بیٹھنے والا۔ ۱۱۔ اِلیَۃٌ سرین۔ ۱۲۔ مُـحتبی احتباء کرنے والا، دونوں سرینوں پر بیٹھ کر دونوں ٹانگیں کھڑی کر کے اور دونوں پنڈلیوں کو کسی کپڑے وغیرہ سے گھیرا ڈالتے ہوئے مضبوط کس کر باندھے یہ فقہی اصطلاح میں ''الاحتباء'' کہلاتا ہے۔، پس اس کی صورت یہ ہے کہ دو گھٹنے کھڑے کر کے دونوں سرینوں پر بیٹھے اور اپنی دونوں پنڈلیوں کو کسی شی سے مضبوط احاطہ کرتے ہوئے باندھے۔ ۱۳۔ اِنتَبَہ وہ بیدار ہوگیا۔ ۱۴۔ عریان ننگا۔ ۱۵۔ الاستواء ہموار حالت۔ ۱۶۔ ھبوط اترائی، پستی۔ ۱۷۔ اِکـاف پالان۔ ۱۸۔ السَـرج زین۔ ۱۹۔ الاغماء بے ہوشی۔ ۲۰۔ الجنون پاگل پن۔ ۲۱۔ السُکرُ نشہ۔ ۲۲۔ مربَع چوکور صورت میں بیٹھنا۔ ۲۳۔ توَرّک ایک سرین پر بیٹھ کر ایک طرف سے پاؤں نکال دینا۔ ۲۴۔ مشیٌ رفتار۔ ۲۵۔ تـحرکٌ لڑکھڑانا۔ ۲۶۔ سکران نشے سے

مست ہو جانے والا۔ ۲۷۔ القهقهة کھل کھلا کر ہنسنا۔ ۲۸۔ تبسّم مسکرانا۔ ۲۹۔ ضحک ہنسنا۔ ۳۰۔ نواجذ ناجذ کی جمع ہے بمعنی ڈاڑھیں۔ ۳۱۔ جیران جار کی جمع ہے بمعنی پڑوسی۔ ۳۔ مباشرت فاحشة انتہائی طور پر ایک دوسرے سے جسم اور جلد ملانا۔ ۳۳۔ حائل آڑ۔ ۳۴۔ مسته النار جس کو آگ چھوئے۔ ۳۵۔ حَلَقَ اس نے مونڈے۔ حلق مونڈھنا۔ ۳۶۔ قلم اس نے کترے۔ ۳۷۔ الاظفار ظفر کی جمع ہے بمعنی ناخن۔ ۳۸ تیقن اسے یقین ہو گیا۔ ۳۹۔ فلا یلتفت پھر وہ نہ توجہ کرے۔ اس کا مادہ اور مصدر ''التفات '' از باب'' افتعال'' ہے جس کا معنی ہے پیچھے کی طرف مڑ کر کسی کو دیکھنا۔ ۴۰۔ خلال الوضوء وضو کے دوران اور اس کے درمیان۔ ۴۱۔ شک وھم، ظن اور خیال، یہ الگ الگ درجہ بدرجہ حصول علم کی کیفیات اور نوعیات ہیں۔ ارباب عقول نے عقل وفہم کی باریکی اور دقاقت کے پیش نظر ان کے درمیان فرق بیان کیا ہے اور انہیں جداگانہ مقام دیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

خیال...... صرف کسی چیز کی صورت ذہن میں آنا اور گزرنا جبکہ اس میں حکم کا شائبہ تک نہ ہو۔

ظن اور وھم...... اگر ذہن میں صورت قضیہ آئے کہ ایک جانب راجح اور دوسری مرجوح ہو پس جانب راجح کو ''ظن'' اور جانب مرجوح کو ''وھم'' کہتے ہیں۔ یہ ہے ان چاروں کے درمیان فرق۔

تشریح کلام المصنف علیٰ وجہ الاختصار

۱۔ نیند بذاتہ ناقض وضو نہیں...... البتہ اس کا ناقضِ وضو ہونا بوجہ عارضہ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی حالتِ نوم میں اعضاء پر کنٹرول کرنے سے غافل و بے خبر ہو جاتا ہے پس اس کا تیقظ، ہوشیاری اور بیداری کلیتاً معطل ہو جاتی ہیں پھر اس دوران اگر اس کی مقعد سے ریح وغیرہ خارج ہو تو اسے کچھ پتہ نہیں چلتا پس اس غفلت اور تعطل کی وجہ سے ''نوم'' کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام خصوصاً حضور اکرم ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں اس لئے کہ دورانِ نوم آپ ﷺ غافل اور بے خبر نہیں ہوتے تھے لہٰذا حالتِ نوم میں بھی آپ کا اپنے اعضاء پر تسلط اور کنٹرول قبل النوم کی طرح باقی ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ پوچھنے پہ ارشاد فرمایا: ''اِنَّ عینای تنامان و لا ینام قلبی ''۔ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا بلکہ وہ پہلے کی طرح بیدار رہتا ہے۔

چونکہ ''نوم'' بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ عارضہ غفلت اور حدوث تعطل کی بنا پر ناقض ہے لہٰذا فقہائے کرام نے عام لوگوں کی نیند میں بھی کچھ قیود وحدود بڑھا کے اسے ایک خاص نہج پر پہنچا کر ناقض وضو قرار دیا ہے پس آئمہ فقہ نے جن حالات اور کیفیات کے ساتھ اسے مقید کیا ہے اور عدم ناقض قرار دیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر ان حالات اور کیفیات پر نوم واقع ہو تو خروج ریح کا غالباً امکان نہیں ہوتا اور زیادہ غفلت اور تعطل بھی نہیں پیدا ہوتا پس مصنف یہاں ان ہی چند خاص حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور اولاً وہ چند مثالیں ذکر کرتے ہیں کہ جن میں ''نوم'' ناقض وضو ہے۔

مثلاً بحالتِ اضطجاع (پہلو کے بل سونا)۔ سونا کہنیوں پر سہارا کرتے ہوئے سو جانا۔ اور اسی طرح کسی چیز سے ٹیک لگا کر اور اس پر سہارا کر کے سو جانا کہ اگر اس کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو نائم زمین پر گر جائے۔ یہ ساری استغراق نوم اور عدم بیداری اور عدم ہوشیاری کی صورتیں ہیں لہٰذا ان سب میں ''نوم'' ناقض وضو ہے پس اگر ان کیفیات پر سو گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا لہٰذا بیدار ہونے پر دوبارہ وضو کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (لوگو!) آنکھیں سرینوں کا بندھن اور ان کی بندش ہیں لہٰذا جو کوئی سو جائے

(بیدار ہونے پر) وضو کرنا چاہئے۔ (قال النبی العینان و کاء السّہ فمن نام فلیتوضأ) الکافی میں ہے۔ اگر کسی چیز سے لگا کر سو گیا کہ اسے درمیان سے ہٹا دیا جائے تو نائم گر جائے تو ظاہر مذہب کے مطابق وضو نہیں ٹوٹتا مگر امام طحاوی اسے ناقض وضو قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس حال میں بہر صورت زوال تماسک پایا گیا۔ (جو انتقاض وضو کے لئے کافی ہے) امام طحاوی کے قول کو صاحب ہدایہ اور صاحب قدوری وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اگر بیٹھے ہوئے اِدھر اُدھر مائل ہوتے ہوئے سو جائے اور حالت یہ ہو کہ کبھی مقعد زمین سے اٹھ جائے اور کبھی نہ اٹھے تو اس صورت کے متعلق امام حلوانی نے فرمایا کہ ظاہر مذہب کے مطابق یہ شخص بے وضو نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ نوم قلیل ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن امام دقاق نے فرمایا جو باتیں اس کے پاس کی جائیں انہیں عام طور پر نہ سمجھے تو یہ حدث ہوگا۔ لہٰذا وضو ٹوٹ جائے گا لیکن اگر ایک دو حرف بھول جائے اور زیادہ تر سمجھے تو پھر یہ حالت ناقض وضو نہیں۔ اگر بحالت رکوع، سجود، قیام اور قعود کی صورت میں سو گیا تو اس پر وضو کرنا لازم نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یجب الوضوء علی من نام جالساً او قائماً او ساجداً حتی یضع جنبه فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله قال فی الحاشیة رُوی عن ابن عباس انه رأی النبی ﷺ انه قال ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعاً فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله . قال ابو داؤد قوله ان الوضوء مُنکر لم یرو احد الا یزید الدالانی روی اوله جماعة عن ابن عباس و لم یذکروا شیئا من هذا (اھ) و قد اختلف فی الدالانی قال ابن حبان کثیر الخطأ و غیره قال صدوق۔ (کبیری)

اگر کوئی شخص نماز سے باہر سجدے کی حالت میں سو جائے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے ابن شجاع کہتے ہیں کہ نماز کی حالت میں تو حدث نہیں لیکن نماز سے باہر حدث ہے مصنف کتاب کا بھی اسی طرف میلان ہے اور شمس الائمہ حلوانی سے یہی مروی ہے خلاصہ میں ہے ظاہر مذہب میں نماز اور غیر نماز کی حالت میں کچھ فرق نہیں صاحب ہدایہ نے بھی اس فرق کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ صحیح عدم فرق ہے۔ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسنون شکل کے مطابق سجدے میں سو جائے بشرطیکہ اس کا پیٹ رانوں اور کہنیاں پہلوؤں سے دور ہوں تو یہ حالت موجب حدث نہیں ورنہ موجب حدث ہے کیونکہ صورت مذکورہ میں مفاصل میں ڈھیلا پن نہیں پیدا ہوتا اور اگر کوئی آدمی چار یا غیر چوکور ہو کر بیٹھنے کی شکل میں ہو سو جائے یا اپنے دونوں سرین اپنی ایڑیوں پر رکھے ہوئے ہو یا اپنا پیٹ اپنی رانوں پر رکھ کر سو جائے تو یہ ناقض وضو نہیں اگر کوئی شخص احتباء کی حالت میں سو جائے جس کی فقہی صورت یہ ہے کہ دونوں ٹانگیں کھڑی کر کے سرینوں پر رکھے اور دونوں پنڈلیوں کو احاطہ کرتے ہوئے کسی چیز سے باندھ دے پس اس صورت میں اس پر وضو نہیں کیونکہ اس کی مقعد زمین پر جمی ہوئی ہے اور ڈھیلا پن وغیرہ نہیں۔ اگر اس حالت میں اپنا سر گھٹنوں پر رکھدے تو پھر بھی یہی حکم ہے خلاصہ میں ہے کہ اگر چوکور صورت میں سو جائے یا تورک کی حالت میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ تورک کی صورت یہ ہے کہ سرینوں کو زمین پر رکھ کر کسی ایک جانب سے قدم باہر نکال دے۔ اگر ایک آدمی سو گیا اور اس حالت میں زمین پر گرنے کے بعد بیدار ہو گیا تو دوبارہ وضو کرے۔ امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ زمین پر گرتے ہی بغیر وقفہ بیدار ہو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ امام ابو یوسف کہتے ہیں ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ گرنے سے پہلے بیدار ہو جائے تو وضو بحال رہیگا۔ خلاصہ میں فرمایا کہ فتویٰ امام ابو حنیفہ کی روایت پر ہے، اگر چوپایہ کی ننگی پیٹھ پر سو گیا تو اس کی تین صورتیں ہیں پہلی یہ کہ چڑھائی کی حالت میں سو جائے، دوسری یہ کہ ہموار حالت میں سو جائے تیسری یہ کہ اترائی کی صورت میں سو جائے، پہلی دو صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا تمکن مقعد کی وجہ سے۔ جبکہ تیسری صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں مقعد کا

تمکن نہیں، اور اگر یہ چوپائے کے پالان پر یا زین پر سوار ہو اور سو جائے تو خواہ کوئی حالت ہو وضوء برقرار رہیگا یعنی وضو بدستور قائم پس اسکے ٹوٹنے کا کوئی احتمال نہیں۔

۲- بے ہوشی اور جنون...... اگر چہ تھوڑے ہوں ناقض وضو ہیں کیونکہ یہ دونوں حالتیں نیند سے اوپر ہیں اور نشے کی حالت کا یہی حکم ہے، اور نشے کی علامت یہ ہے کہ مرد، عورت یا زمین آسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے، شارح صغیری لکھتے ہیں ک تعریف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نشہ پینے والے کو حد لگانے کی صورت میں ہے۔ وضو ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کے بارے میں نہیں، ال نقض وضو کے بارے میں وہ تعریف ہے جو محیط نے بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ چلتے ہوئے لڑکھڑائے تو وہ نشہ پینے والا ہے اس کے وضو ٹوٹ جانے کا حکم دیا جائے گا۔

۳: ہر رکوع سجدے والی نماز میں کھلکھلا کر ہنسنا...... کہ جس میں حروف پیدا ہوں وضو اور نماز دونوں کے لئے ناقض ہے، چاہے جا بوجھکر ایسی حرکت سرزد ہو یا بھول کر، کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھکر نماز میں قہقہہ لگائے تو اسے وضو اور نم دونوں کا اعادہ کرنا چاہئے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا شخص آیا نماز پڑھنا چاہتا کہ اچانک ایک گڑھے میں گر گیا تو اس کے گرنے کی آواز پر لوگ ہنس پڑے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے یہ حکم فر کہ جو لوگ اس موقع پر کھلکھلا کر ہنسے ہیں وہ دوبارہ وضو بھی کریں اور نماز بھی پڑھیں۔ لیکن اگر یہی حرکت نماز جنازہ یا سجدہ تلاو وغیرہ میں سرزد ہو جائے تو صرف وہ کام ختم ہو جائینگے لیکن وضو بحال ہوگا کیونکہ حدیث خلاف قیاس ایک خاص واقعہ کے بار میں وارد ہوئی ہے۔ کتاب کے بعض نسخوں میں سجدہ تلاوت کے بعد سجدہ سہو کا ذکر ہے لیکن اس عبارت کا ذکر کاتب کی غلطی ہو گیا کیونکہ اس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی نماز میں سو گیا پھر اس نے قہقہہ لگایا تو نماز فاسد ہو گئی لیکن اس کا وضو ٹوٹا۔ اس لئے کہ سونے والے آدمی کے کلام سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وضو نہ ٹوٹا اس لئے ہے کہ حدیث قہقہہ ایک خاص موقع خلاف قیاس وارد ہوئی ہے لیکن عام مشائخ متاخرین کا خیال یہ ہے کہ نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جائینگے، امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا نماز نہیں ٹوٹی۔

آخری بات...... ائمہ اصول مثلاً فخر الاسلام وغیرہ نے فقہی قواعد وضوابط کے مطابق یہ تحقیق کی ہے کہ سونے والے کا قہقہہ بحالت نو نماز اور وضو دونوں کے لئے مفسد نہیں۔ لیکن شارح صغیری لکھتے ہیں کہ زیادہ پسندیدہ بات وہ ہے جس کو صاحب خلاصہ نے اختیار کیا شخص مذکور کا قہقہہ اگر چہ مفسد نماز ہے لیکن مفسد وضو نہیں۔ اگر چھوٹا بچہ نماز میں قہقہہ لگائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ حدیث قہقہ بالغوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ تبسم کا حکم یہ ہے کہ یہ ناقض وضو اور ناقض صلوٰۃ نہیں اس لئے کہ یہ غیر مسموع کلام ہے۔ قہقہہ تعریف میں مختلف اقوال ہیں، مصنف نے انہیں ذکر فرمایا ہے پہلا یہ ہے۔ کھلکھلا کر ہنسنے میں حرف قاف اور ھا پیدا ہوں۔ لیکن یہ قو مشہور نہیں کیونکہ اس طرح بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ صحیح تعریف یہ ہے کہ ایسے طور پر ہنسے کہ اس کے علاوہ دوسرے بھی اسکی ہنسی کو س لیں۔ جمہور اہل علم نے اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔ شمس الائمہ حلوانی نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ ہنستے ہوئے اسکی ڈاڑھیں کھ جائیں اور پڑھنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ بعض نے اس میں سنائی دینا قدر مشترک قرار دیا ہے۔ تبسم کی تعریف یہ ہے کہ جو خود ہنسنے والے اور دوسرے کو سنائی نہ دے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے نماز اور وضو دونوں باطل نہیں ہوتے اور تیسری قسم ہنسی کی ضحک ہے کہ جس

ہے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہ مسموع کلام ہے لیکن وضونہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ حدیث قہقہہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور ضحک قہقہہ سے کم ہوتا ہے۔ تبسم کی تعریف یہ ہے کہ یہ خود سنے لیکن پاس والے نہ سنیں۔ پس ہنسی کی یہ تین قسمیں اور تین درجے ہیں ان میں سے ہر ایک کا الگ شرعی حکم ہے۔

۴- **مباشرت فاحشہ**...... اگر مرد اور عورت دونوں بغیر کسی پردے کے یکجا ہو کر لیٹیں تو شیخین کے نزدیک وضوٹوٹ جائیگا۔ البتہ امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ غالباً ایسی حالت میں مذی خارج ہو جاتی ہے اگر چہ اس کا علم نہ ہو۔

۵- **مس آلہ تناسل و آگ کی پکی ہوئی چیز کھانا**...... ہمارے نزدیک ان دونوں سے وضونہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک آلہء تناسل کو چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے لیکن آگ پر پکی ہوئی چیز میں امام شافعی ہمارے ساتھ ہیں۔ البتہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک آگ کی پکی ہوئی چیز ناقض وضو ہے رہا یہ مسئلہ کہ اگر عورت کو ہاتھ لگائے تو کیا حکم ہے ہمارے نزدیک کسی حالت میں بھی ہاتھ لگائے تو وضونہیں ٹوٹتا۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک اگر محرم نہ ہو تو وضوٹوٹ جائیگا اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اگر شہوت سے ہاتھ لگائے تو وضوٹوٹ جائیگا ورنہ نہیں۔

۶- **وضوکرنے کے بعد بال یا ناخن کترنے کا حکم**...... اگر کسی شخص نے وضو کرنے کے بعد سر اور داڑھی کے بال مونڈھے تو اس پر دوبارہ وضوکرنا لازمی نہیں، اور نہ مونڈھے ہوئے بالوں پر پانی بہانا ضروری ہے کیونکہ یہ طہارت حکمیہ ہے جو سارے بدن پر حاوی ہوگی لہٰذا وہ کسی ایک جگہ سے مختص نہیں۔ تا کہ وہاں سے زائل ہو تو دوبارہ وضوکرنا پڑے لہٰذا وجود اور عدم وجود کل اور تمام جسم پر حاوی ہے لہٰذا کسی ایک حصہ سے زوال اور عدم زوال کا تعلق نہیں۔

۷- **وضو اور بے وضو ہونے میں یقین یا شک کا اثر**...... اگر کسی آدمی کو وضو کرنے پر یقین ہو لیکن بے وضو ہونے میں شک ہو تو اس کے ذمے وضو نہیں کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اگر اس کے برعکس ہو کہ وضو میں شک ہو اور حدث پر یقین ہو تو اس پر دوبارہ وضوکرنا ضروری ہے۔ اور اگر دوران وضو بعض اعضاء دھونے میں شک ہو جائے تو جس میں شک پیدا ہوا اس کو دھوڈالے اور اگر یقین ہے تو دھونے کی ضرورت نہیں، اور اگر پورا وضو کرنے کے بعد شک پیدا ہو جائے تو اس کا یعنی شک کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ قرینے سے معلوم ہوا کہ یہ پورا وضو کر چکا ہے۔ اس طرح اس نوع کے دوسرے مسائل کا یہی حکم ہے۔ مثلاً ایک آدمی کو تو معلوم ہے کہ یہ وضو کرنے بیٹھا تھا اور اس میں شک پڑ گیا کہ اس نے وضو کیا ہے یا نہیں تو اسے باوضو قرار دیا جائیگا۔ اسی طرح اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ یہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھا تھا اور اس میں شک پڑ جائے کہ قضائے حاجت کی ہے یا نہیں تو ایسے شخص پر وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ حالات کا تقاضہ یہی ہے اور اسی طرح ایک آدمی کو یہ یقین ہو جائے کہ اعضائے وضو میں سے ایک عضو کو نہیں دھویا لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ کس عضو کو نہیں دھویا تو مجموع النوازل میں مذکور ہے کہ ایسی صورت میں یہ بائیں پاؤں کو دھوئے۔ یونہی اگر کسی نے وضو کرنے کے بعد تری دیکھی لیکن اسے معلوم نہیں کہ پانی ہے یا پیشاب تو اگر پہلی مرتبہ یہ حادثہ پیش آیا تو دوبارہ وضو کرے اور اگر بار بار ایسا ہوتا ہو تو پھر اسکی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ اس قسم کے وساوس نمازی آدمی کے دل میں ایک شیطان ہے جو ڈالتا رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے معاملے پر ایک شیطان متعین ہے جس کو ''ولھان'' کہا جاتا ہے اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ وہ وضو کرنے والوں کو شک میں ڈال دیتا ہے اور پھر وہ بار بار اعضاء کو دھوتے رہتے ہیں اس سے دو مقصد ہیں

ایک ان سے پانی ضائع کرانا دوسرا تضیع اوقات، یعنی وقت ضائع کرنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کا علاج یہ ہے کہ اس کے وسو اور وہم ڈالنے کی طرف توجہ نہ دے اور اس کے خلاف زعم کام کرے تو ان شاءاللہ تعالیٰ اس مرض سے شفایاب ہو جائے گا اور آ اس نوع کے خطرات سے بچ جائیگا پس ازالہء وساوس کا یہ ایک عمدہ اور زود اثر علاج ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّم دائِماً اَبَداً عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّهِم

نجاست کا بیان

فصل فی النجاسة و هی علی ضربین نجاسة غليظة و نجاسة خفيفة اما النجاسة الغليظة كالعذرة و البول و الدم و الخمر و نجو الكلب و لحم الخنزير و جميع اجزائه و لحم ما يوكل لحمه اذا لم يكن مذكى بالتسمية اما اذا ذبح بالتسمية وصلى مع لحمه او جلده قبل الدباغة فيجوز الا الخنزير فانه اذا ذبح بالتسمية لا يطهر لحمه و لا جلده و اما اذا دبغ جلده ففي ظاهر الرواية عن اصحابنا انه لا يطهر و عليه عامة المشائخ و روى عن ابي يوسف رحمه الله انه يطهر و يجوز بيعه و اما الارواث و الاخثاء فكلها نجس نجاسة غليظة عند ابي حنيفة و عند هما خفيفة و في غنية الفقهاء بول الحمار و خرء الدجاجة و البطّ و الاوزّ نجس نجاسة غليظة و اما النجاسة الخفيفة فكبول ما يؤكل لحمه و خرء ما لا يؤكل لحمه من الطيور في رواية الهندواني رحمه اللّٰه و قال محمد رحمه الله كلاهما طاهران و اما بول الهرة ففي ظاهر المذهب هو نجاسة غليظة و اما خرء ما يؤكل لحمه من الطيور سوى الدجاجة و البطّ و الاوز فطاهر كالحمامة و العصفور و نحوهما و لو وقع في الماء لا يفسده اذا كان قليلا لعموم البلوى و كذا بعرة الفارة اذا وقع في الدهن لا يفسده اذا كان قليلا لعموم البلوى و البيضة اذا وقع من الدجاجة في الماء او في المرقة لا تفسده و كذا السخلة و كذا الانفخة اذا خرجت من شاة ميتة اما الماء المستعمل فنجس نجاسة غليظة عند ابي حنيفة و عندابي يوسف نجاسة خفيفة و عند محمد طاهر غيرطهور و به اخذ اكثر المشائخ و عليه الفتوىٰ و الماء المستعمل هو كل ماء ازيل به حدث او استعمل في

البدن على وجه القربة امرأة غسلت القدر او القصاع او يدها من الوسخ او العجين لا يصير الماء مستعملا و كل اهاب دبغ فقد طهر جازت الصلوة معه الا جلد الخنزير و الأدمى و ذكر فى الشرح كل حيوان اذا ذبح بالتسمية طهر جلده و لحمه و شحمه و جميع اجزائه سوى الخنزير و الأدمى سواء كان ماكول اللحم او غير ماكول اللحم و جلد الأدمى اذا وقع مقدار ظفر فى الماء يفسد الماء كله و فى الخاقانية كل ما كان سوره نجساً لا يطهر لحمه و شحمه و جلده بالذكاة و عن محمد رحمه اللّٰه جلد الكلب و الذئب يطهر بالذبح و عصب الميتة و عظمها و قرنها و ريشها و شعرها و صوفها و ظلفها و ظفرها طاهر اذا لم يكن عليها دسومة و اما جلد الفيل فيطهر بالدباغة و عظمه طاهر يجوز بيعه الا عند محمد

حل اللغات

١	ضربين	دوقسمیں۔	٢	نجاست غليظة	گاڑھی نجاست۔
٣	نجاست خفيفة	ہلکی نجاست۔	٤	مذبوح	ذبح کیا ہوا جانور
٥	الدّباغة	چمڑہ پکانا۔	٦	يَطهر	وہ پاک ہوجاتا ہے۔
٧	أوراث	یہ روث کی جمع ہے، بمعنی لید۔	٨	أخثاء	یہ خثی کی جمع ہے، بمعنی گوبر۔
٩	خرء	بیٹ۔	١٠	الدّجاجة	مرغی۔
١١	البط	بطخ۔	١٢	طيور	طیر کی جمع ہے، بمعنی پرندے۔
١٣	الحمامة	کبوتر۔	١٤	العصفورة	چڑیا۔
١٥	بعرة	مینگنی۔	١٦	البيضة	انڈہ۔
١٧	السخلة	بکری کا نوزائیدہ بچہ۔	١٨	الانفخة	پنیر۔
١٩	شاة ميتة	مردہ بکری۔	٢٠	تبرّد	ٹھنڈک۔
٢١	القِدر	ہانڈی اس کی جمع قدور ہے۔	٢٢	القصاع	قصعۃ کی جمع ہے بمعنی بڑا پیالہ۔
٢٣	الوسخ	میل کچیل۔	٢٤	العجين	گوندھا ہوا آٹا۔
٢٥	إهاب	کچی کھال۔	٢٦	سُؤر	جھوٹا۔
٢٧	ذكوة	شریعت کے مطابق ذبح کرنا۔	٢٨	ذِئب،	ذیاب جمع ہے، بھیڑیا۔
٢٩	عَصبٌ	پٹھے۔	٣٠	عظمٌ	ہڈی، عظام جمع ہے۔
٣١	قَرن	سینگ۔	٣٢	ريش	پر۔

۳۳ صوف	اون۔	۳۴ دسومة	چکناہٹ۔
۳۵ الفیل	ہاتھی۔	۳۶ بیع	خرید وفروخت۔
۳۷ الاوّز	مرغابی۔	۳۸ العذرة	آدمی کا پاخانہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

ترجمہ...... فصل نجاستوں کے احکام میں

نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔(۱) گاڑھی نجاست۔(۲) اور ہلکی نجاست، گاڑھی نجاست جس طرح پیشاب، پاخانہ، خون، شراب، کتے کا پاخانہ اور سور کا گوشت اور اسکے تمام اجزاء اور ان جانوروں کا گوشت جنہیں کھایا نہیں جاتا۔ بشرطیکہ وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح نہ کئے جائیں۔ لیکن اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کئے جائیں اور انکا گوشت یا کھال پکانے سے پہلے ان کے ساتھ نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن دو کھالیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک سور کی کھال اور دوسری آدمی کی کھال۔ کیونکہ اگر انہیں بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو ان کی کھالیں تب بھی پاک نہیں ہونگی۔ اور اگر ان کی کھال پکائی جائے تو ہمارے اصحاب سے جو ظاہر روایت ہے اس کے مطابق ہے کہ یہ پاک نہیں ہوگی۔ عام مشائخ اسی پر قائم ہیں۔ البتہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ پاک ہو جائے گی۔ لہذا اسکی خرید وفروخت جائز ہے۔ رہی بات لید اور گوبر کی تو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گاڑھی نجاست ہونے کی وجہ سے نجس ہیں جبکہ ان کے دو شاگردوں کے نزدیک یہ ہلکی نجاست میں شامل ہیں۔ غنیۃ الفقہاء میں لکھا ہے کہ گدھے کا پیشاب، مرغی اور بطخ کی بیٹ نجاست غلیظہ ہیں۔ نجاست خفیفہ کی مثال جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان پرندوں کی بیٹ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا یہ امام ابو جعفر ہندوانی کی امام ابو حنیفہ سے ایک روایت کے مطابق ہے امام محمد نے فرمایا کہ یہ دونوں پاک ہیں۔ رہا بلّی کا پیشاب تو ظاہر مذہب میں یہ نجاست غلیظہ میں شامل ہے اور جن پرندوں کا گوشت کھایا جاتا ہے مرغی اور بطخ کو چھوڑ کر، ان کی بیٹ پاک ہے بعض نسخوں میں مرغابی کا استثناء بھی ہے ایسے پرندے جن کی بیٹ پاک ہے جیسے کبوتر اور چڑیا یا ان جیسے دوسرے پرندے اس کے پاک ہونے پر اتفاق ہے لہٰذا اگر یہ پانی میں گر جائے تو پانی کو ناپاک نہیں کرتی اگر چہ وہ تھوڑا ہو لوگوں کے عام ابتلاء کی وجہ سے۔ اور یہی حکم ہے چوہے کی مینگنی کا، جب تیل میں گر جائے بشرطیکہ ایک آدھ ہو تو وہ ناپاک نہ ہوگا۔ اس میں بھی ابتلائے عام پر بنیاد ہے۔

مسئلہ...... اگر مرغی کے پیٹ سے پانی یا شوربہ میں انڈہ گر جائے تو وہ ناپاک نہ ہوگا۔ اسی طرح بکری کا نوزائیدہ بچہ اور اسی طرح وہ خراب دودھ جو مردہ بکری کے پیٹ سے نکلے یا چھوٹے بچے کے معدے سے نکلے اور برآمد ہو تو دونوں کا یہی حکم ہے۔ رہی یہ بات کہ مستعمل پانی کا کیا حکم ہے تو اس میں ہمارے تین اماموں کے درمیان اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ نجاست غلیظہ میں شمار ہے جبکہ امام ابو یوسف اسے نجاست خفیفہ قرار دیتے ہیں اور امام محمد طاہر غیر مطہر قرار دیتے ہیں یعنی خود پاک ہے لیکن کسی دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتا، اکثر مشائخ نے امام محمد کے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

آب مستعمل کی تعریف...... مستعمل پانی کی تعریف یہ ہے کہ ہر ایسا پانی کہ جس کے ساتھ حدث کا ازالہ کیا گیا ہو یا اسے جسم پر تقرب کے طور پر استعمال کیا گیا ہو صرف اندام کو ٹھنڈا کرنا مقصود نہ ہو اسے آب مستعمل کہتے ہیں۔

مسئلہ...... کسی عورت نے ہانڈی یا پیالے دھوئے یا اپنے ہاتھ میل کچیل یا گوندھا ہوا آٹا لگ جانے کی وجہ سے دھوئے تو پانی مستعمل نہ ہوگا۔

مسئلہ...... ہر کچی کھال جب کسی طریقے سے پکائی جائے تو وہ پاک ہو جائے گی۔ لہٰذا اس پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن سور اور آدمی کی کھال اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی یہ دو کھالیں پکانے سے پاک نہیں ہوتیں۔

مسئلہ...... شرح اسیجابی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ پڑھکر ذبح کیا جائے تو اسکی کھال گوشت اور چربی اور اسکے تمام اعضاء پاک ہو جاتے ہیں خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو لیکن یہاں بھی سور اور آدمی کی کھال کا استثناء ہے یعنی وہ طہارت کے حکم میں شامل نہیں۔

مسئلہ...... آدمی کی کھال جب ناخن کی مقدار پانی میں گر جائے تو سارا پانی فاسد ہو جائیگا لیکن اگر خود ناخن گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ فتاویٰ خاقانیہ میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جس جانور کا جھوٹا ناپاک ہو اس کا گوشت، چربی اور کھال ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتے۔ امام محمد سے روایت ہے کہ کتے اور بھیڑیئے کی کھال ذبح کرنے سے پاک ہو جاتی ہے۔

مسئلہ...... مردار کے پٹھے، ہڈیاں، سینگ، پر، اون، ناخن اور بال یہ سب پاک ہیں بشرطیکہ ان پر چکناہٹ نہ لگی ہو ہاتھی کی کھال پکانے سے پاک ہو جائیگی اور اسکی ہڈیاں پاک ہیں جن کی خرید و فروخت جائز ہے لیکن امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

تشریح کلام المصنف علیٰ وجہ الایجاز والاختصار

تمہید قبل التشریح

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اولاً نجاست کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نجاست حکمیہ۔ (۲) نجاست حقیقیہ۔ نجاست حکمیہ وہ ہے کہ جس پر شرعاً نجاست اور ناپاک ہونیکا حکم لگایا جائے باوجودیکہ اسکا اثر محسوس اور مؤثر نہ ہو مگر نظر شارع میں نجاست تصور ہو جیسے حدث اور جنابۃ دوسری قسم وہ نجاست ہے جو واقعی اور حقیقی طور پر وجود رکھتی ہے، پھر اسکی دو قسمیں ہیں (۱) مرئی وہ جو نظر آئے جیسے پاخانہ وغیرہ۔ (۲) غیر مرئی جو نظر نہ آئے جیسے ریح وغیرہ اور پھر نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نجاست غلیظہ۔ (۲) نجاست خفیفہ۔ نجاست غلیظہ یعنی وہ نجاست جو عدم جواز میں شرعاً شدید اور سخت حکم رکھتی ہے یا وجود میں سخت اور گاڑھی لیکن نجاست خفیفہ جو نمبر دوم نجاست ہے یا وہ نجاست جو خود ہلکی ہے یا شرعاً اسکا حکم شرعاً خفیف اور ہلکا ہے۔

س: نجاست حکمی کو نجاست حقیقی سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا کیونکہ اولاً نجاست حقیقی کا ذکر اور بیان مناسب تھا اس لئے کہ یہ طبعاً نجاست ہے جو معقول المعنیٰ جبکہ نجاست حکمیہ نظرِ شرع میں نجاست ہے اور غیر المدرک المعنیٰ ہے؟

ج: چونکہ یہ کثیر الوقوع اور زیادہ اہمیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی معاف نہیں ہوتی ہے اس لئے اسکو مقام روایت دیا

گیا ہے۔ (کبیری)

س: نجاست غلیظہ اور خفیفہ کی صرف مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان کی تعریف کیوں نہیں بیان کی گئی حالانکہ کسی چیز کا صحیح روپ تعریف سے ظاہر ہوتا ہے؟

ج: چونکہ ان دونوں تعریفوں میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے نیز دونوں کی نقض اور معارضہ سے سلامت نہیں اس لئے صرف امثلہ پر اکتفاء کیا گیا ہے اور یہ بھی ایک گونہ زمرۂ تعریف میں شمار ہے جیسا کہ ماہرین مخفی نہیں چنانچہ امام صاحب کے نزدیک الغلیظة النجس الذی لم یتعارض نصان فی کونه نجساً والخفیفة بخلافه ۔یعنی غلیظہ وہ ہے جس کی دونصیں متعارض نہ ہوں بلکہ متفق ہوں جبکہ خفیفہ میں تعارض نصوص ہوا کرتا ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں میں فرق یہ ہے: الغلیظة هو النجس الذی لم یختلف فی کونه نجساً والخفیفة بخلافه. وہ جس کے نجس ہونے میں اختلاف نہ ہو غلیظہ ہے اور جس نجاست میں اختلاف ہو خفیفہ ہے۔

یرد علیٰ تعریفه بسؤر الحمار حیث حصل التعارض فی کونه نجساً ولم یحکم بنجاسة وعلیٰ تعریفهما المعنیٰ حیث اختلف فیه (فتدبرو تأمل حتی یظهرلک امر الحقیقة)

مصنف علیہ الرحمۃ دونوں نجاستوں کی وضاحت کے لئے الگ الگ مثالیں پیش کرتے ہیں اولاً نجاست غلیظہ کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

☆ مثلاً فرماتے ہیں کالعذرة جیسے پاخانہ،العذرة وهو رجیع انسان،یعنی عذرۃ انسان کے پاخانہ کو کہتے ہیں اور یہ نجاست غلیظہ ہے۔

☆ دوسری مثال البول ای بول ما یؤ کل لحمه سوی الفرس یعنی پیشاب گھوڑے کے علاوہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب مراد ہے۔

☆ تیسری مثال الدم یعنی خون پس اس سے بہتا خون (دم مسفوح) مراد ہے۔

☆ چوتھی مثال الخمر یعنی شراب،خصوصیت سے اسکا ذکر کرنیکی وجہ یہ ہے کہ شراب کی تغلیظ پر سب روایات کا اتفاق ہے۔جبکہ دوسرے مشروبات میں مختلف روایات ہیں۔

☆ پانچویں مثال نجو الکلب الی رجیعه و کذا سائر البهائم. یعنی کتے کا پاخانہ اور اسی طرح دوسرے چوپائیوں کا پاخانہ یہ سب نجاست غلیظہ میں شمار ہیں۔

☆ چھٹی مثال لحم الخنزیر و جمیع الجزاته یعنی سور کا گوشت اور اسکے جسم کے تمام اجزاء(نجاست غلیظہ میں شمار ہیں)۔

پس ان سب چیزوں کی نجاست اور گندگی پر سب لوگوں کا اتفاق اور اجماع ہے لہٰذا کسی کا ان سے اختلاف نہیں کیونکہ ہر ایک کو دینی طور پر ان کی حیثیت معلوم ہے۔البتہ امام محمد بر بنائے ضرورت سے ایک روایت ہے کہ سور کے بالوں سے سلائی کی جاسکتی ہے،لہٰذا اگر وہ پانی میں گر جائیں تو وہ ناپاک نہ ہوگا۔ (صغیری)

یونہی جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا یعنی وہ غیر مأکول اللحم ہیں،اگر وہ بسم اللہ پڑھکر ذبح نہ کئے جائیں تو وہ بھی نجاست غلیظہ میں شمار ہیں۔اور اگر انہیں "بسم اللہ" پڑھکر ذبح کرلیا جائے تو دباغت سے پہلے اگر انکے گوشت اور کھالوں کیساتھ نماز پڑھی جائے تو جائز

ہے لیکن سور اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اسے بسم اللہ پڑھکر ذبح کرنے سے کچھ فائدہ نہیں پس ایسا کرنے سے اسکا گوشت اور کھال پاک نہیں ہوتے، اسکی وجہ یہ ہے کہ "سور" نجس العین ہے، کما قال تعالیٰ انه رجس، یعنی اسکی نفس ذات ناپاک ہے لہٰذا وہ کسی طریقہ طہارت سے پاک وصاف نہیں ہوسکتا۔ اور اسکی "جلد" قبولیت دباغت کی اہلیت ہی نہیں رکھتی لہٰذا اسکے لئے دباغت بیکار ہے (صاحب صغیری لکھتے ہیں) یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے صاحب ہدایہ اور بعض دوسرے ائمہ کا اختیار کردہ قول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ گوشت زکوٰۃ شرعی سے پاک نہیں ہوتا جیسا کہ اسرار وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ عام مشائخ کا تو یہی فیصلہ ہے اور ظاہر روایت بھی مروی عن اصحابنا یہی ہے کہ دباغت سے سور کی کھال پاک نہیں ہوسکتی، ہاں البتہ امام ابو یوسف سے ایک روایت (جو ظاہر روایہ نہیں) اس میں ہے کہ دباغت سے سور کی کھال بھی پاک ہوجاتی ہے۔

۲: لید اور گوبر وغیرہ امام صاحب کے نزدیک نجاست غلیظہ ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہیں۔ غنیۃ الفقہاء اور اسی طرح دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ گدھے کا پیشاب، مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ جن میں بدبو اور فساد پیدا ہوجاتا ہے بالاتفاق نجاست غلیظہ ہیں۔

۳: نجاست خفیفہ کی چند مثالیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے جبکہ امام محمد اور امام مالک کے نزدیک پاک ہے۔ اسی طرح جن پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کی بیٹ امام ابو جعفر ہندوانی کی جو امام ابو حنیفہ سے روایت ہے اس کے مطابق نجاست خفیفہ میں شامل ہے صاحبین کی ایک روایت میں نجاست غلیظہ ہے۔ امام کرخی کی روایت کے مطابق امام محمد کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے جبکہ شیخین کے نزدیک پاک ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام قاضی خان کی جامع صغیر میں ہے کہ شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مصنف کا کہنا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب اور جن پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، انکی بیٹ، امام محمد کے نزدیک یہ دونوں پاک ہیں، صحیح نہیں کیونکہ کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ غیر مأکول اللحم پرندوں کی امام محمد کے نزدیک بیٹ پاک ہے البتہ مأکول اللحم جانوروں کا پیشاب ان کے نزدیک پاک ہے۔

۴: رہا بلی کا پیشاب تو ظاہر مذہب میں یہ نجاست غلیظہ ہے البتہ امام محمد سے اس کے پیشاب کے پاک ہونے کی ایک روایت بر بناء ضرورت ہے اور اس میں عموم بلوٰی کا بھی دخل ہے۔ فقیہ ابو جعفر نے فرمایا کہ اس کے پیشاب سے برتن ناپاک ہوجاتے ہیں۔ لیکن کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً لوگ برتنوں کو ڈھانپتے ہیں۔ لہٰذا ان کے حق میں کوئی ضرورت نہیں بخلاف کپڑے کے، کچھ ایسے پرندے ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی بیٹ ہمارے نزدیک پاک ہے لیکن مرغی، بطخ اور مرغابی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ عموماً اس سے کبوتر اور چڑیاں وغیرہ مراد ہیں، اور اس طہارت کی دلیل یہ ہے کہ عموماً یہ مساجد میں گھونسلے بناتی ہیں اور انہیں روکا نہیں جاتا اگر ان کی بیٹ نجس ہوتی تو لوگ انہیں مساجد میں گھونسلے نہ بنانے دیتے۔ لہٰذا اگر یہ پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اگر چوہے کی ایک آدھ مینگنی تیل میں گر جائے تو وہ تھوڑا ہونے کے باوجود ناپاک نہ ہوگا بشرطیکہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اور اسکی دلیل ابتلائے عام ہے، صاحب کبیری لکھتے ہیں کہ تیل کے معاملے میں ابتلائے عام کا سہارا لینا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ فتاویٰ

قاضی خان میں ہے کہ بلی اور چوہے کا پیشاب زیادہ ظاہر روایت میں پانی اور کپڑے وغیرہ کو ناپاک کر دیتا ہے اگر غلّے میں چوہے کی ایک آدھ مینگنی پس جائے اور اس کا کوئی نام ونشان معلوم نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت ہوگی۔

:۵ جب مرغی کا انڈہ پانی یا شوربے میں گر جائے تو وہ ناپاک نہ ہونگے، اسی طرح بکری کا نوزائیدہ بچہ رطوبت کے باوجود پانی میں گر جائے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا کیونکہ اس کی رطوبت اپنے محل میں ہونے کی وجہ سے نجس نہیں اور اسی طرح پنیر یا دودھ پیتے بچے کے معدے میں جو خراب دودھ کے اجزاء ہوں اگر یہ مردہ بکری سے نکلیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پاک ہیں خواہ وہ بستہ ہو یا پتلا ہو۔ لیکن صاحبین کے نزدیک اگر بہتا ہو تو نجس ہے لیکن اگر جما ہوا ہو تو دوسری چیز ناپاک کر دے گا البتہ دھونے سے پاک ہو جائیگا۔ لیکن اگر ذبح کی ہوئی بکری سے نکلے تو بالاتفاق پاک ہے۔

:۶ آب مستعمل کا ائمہ کے نزدیک حکم...... جیسا کہ متن میں بیان فرمایا کہ آب مستعمل امام ابوحنیفہ کے نزدیک حسن ابن زیاد کی روایت کے مطابق نجاست غلیظہ ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور یہ بھی امام صاحب سے ایک روایت ہے اور امام محمد کے نزدیک طاہر غیر مطہر ہے۔ یہ تیسری روایت بھی امام صاحب ہی سے مذکور ہے یہی ظاہر روایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی قوت کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ مروی نہیں کہ انہوں نے آب مستعمل سے بچنے کی کوشش کی ہو اگر یہ ناپاک ہوتا تو ضرور اس سے اجتناب کرتے اور یہ بھی کسی سے منقول نہیں کہ انہوں نے اس کو بطور ذخیرہ رکھا ہو یا وضو کرنے والے یا طہارت کرنے والے کے اعضاء سے اسے لیا ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ مطہر نہیں۔ آب مستعمل کی تعریف میں جو دو قیدیں بڑھائی گئیں، پہلی یہ کہ ازالہ حدث کے لئے استعمال کیا جائے یہ اس کے لئے ہوگا کہ جو محدث ہو یعنی اگر محدث آدمی بغیر نیت اسے استعمال کرے تو وہ آب مستعمل ہو جائے گا۔ دوسری قید کہ اسے تقرب کے طور پر استعمال کیا جائے یعنی استعمال کرنے والا استعمال کرتے وقت قربت الٰہی کا ارادہ کرے، یہ اس کے لئے ہوگا جو محدث نہ ہو یعنی باوضو ہو جیسے وضو پر وضو کرنے والا یہ دو قیدیں شیخین کے نزدیک ہین۔ لیکن امام محمّد کے نزدیک آب مستعمل کے لئے اس کا علیٰ وجہ القربت استعمال کرنا ہے لہٰذا اگر کسی محدث نے بغیر نیت قربت کے وضو یا غسل کیا۔ مثلاً دوسرے کو تعلیم دینے کے لئے یا حصول ٹھنڈک کے لئے تو امام محمّد کے نزدیک پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ نیت قربت نہیں پائی گئی۔

:۷ کسی عورت نے ہانڈی یا پیالہ دھویا یا اپنے ہاتھوں سے میل کچیل دور کرنے کے لئے ہاتھ دھوئے، عورت کی طرح مرد کا بھی یہی حکم ہے تو ان دونوں صورتوں میں پانی مستعمل نہ ہوگا بشرطیکہ اس کے ہاتھوں پر بالاتفاق حدث نہ ہو۔

:۸ ہر کچی کھال جب کسی طریقے سے پکائی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے اس پر نماز وغیرہ یا اسے پہننا جائز ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے جو بھی کچی کھال پکائی جائے وہ پاک ہو جائے گی اھاب کچی کھال کو کہا جاتا ہے البتہ دو کھالیں اس سے مستثنیٰ ہیں سور اور آدمی کی کھالیں۔ سور کی نجاست کی وجہ سے اور آدمی کی کرامت کی وجہ سے، جب کسی حیوان کو خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو اس کے سارے اجزاء، جلد، گوشت وغیرہ پاک ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو آدمی کی کھال ناخن کے مقدار پانی میں گر جائے تو اس کے نجس ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ فتاویٰ خانیہ میں کہا گیا ہے کہ جس جانور کا جھوٹا نجس ہو اس کا گوشت اور کھال ذبح کرنے سے پاک نہیں ہونگے۔ اس سلسلے میں زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ کھال پاک ہو جائے گی لیکن گوشت پاک نہ ہوگا۔

امام محمد کی روایت کے مطابق کتے اور بھیڑیے کی کھال بھی ذبح کرنے سے پاک ہو جاتی ہے اور اسی طرح مردار کے عام اجزاء ہڈیاں سینگ وغیرہ، پرندوں کی چونچ وغیرہ پاک ہیں بشرطیکہ چکناہٹ نہ ہو۔ چنانچہ عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مردار کا گوشت کھانا حرام قرار دیا ہے اس کے بال اون وغیرہ تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

۹: آخری مسئلہ...... ہاتھی کی کھال دباغت یا ذبح سے پاک ہو جاتی ہے باقی درندوں کی کھالوں کی طرح اور اسکی ہڈیاں بھی پاک ہیں ان سے فائدہ اٹھانا یا ان کی خرید وفروخت کرنا دواماموں کے نزدیک جائز ہے البتہ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے خیال میں سور کی طرح ہاتھی نجس العین ہے لہٰذا اس کے کسی حصے سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا (پس بعد دباغت یا قبل دباغت اسکا حکم یہی ہے)۔

جزئیات مسائل

وروی عن محمد امرأة صلت و فی عنقها قلادة علیها سن اسد او کلب او ثعلب جازت صلاتها بخلاف سنّ الأدمی و الخنزیر . و ذکر الشیخ الامام الاسبانکی فی شرحه السنجاب اذا اخرج من دار الحرب و علم انه مدبوغ بودک المیتة لا یجوز الصلوة به ما لم یغسل و ان علم انه مدبوغ بشئ طاهر جازت الصلوة به و ان لم یغسل و ان شک الافضل ان یغسل و الدباغة علی ضربین حقیقیة و حکمیة فالحقیقیة ان یدبغ بشئ طاهر کالعفص و السیخة و لو اصابه الماء بعد الدباغة الحقیقیة فَابْتَلَّ لا یعود نجساً و اما الحکمیة فان یخرج الجلد عن حکم الفساد اما بالتتریب او بالتشمیس او بالقائه فی الریح و لو اصابه بعد الدباغة الحکمیة ماء فابتل فعن ابی حنیفة رحمه الله روایتان ففی روایة یعود نجساً و فی روایة لا یعود نجساً و کذا الثوب اذا اصابه منی ففرک و کذا الارض اذا اصابها نجس و جفت و کذا البیر اذا تنجست فغارت ثم عاد ماؤها و فی فتاویٰ قاضی خان ان الاظهر فی البیر ان یعود نجسا و ذکر فی المحیط الاظهر لا یعود نجسا

ترجمہ...... امام محمد سے مروی ہے کہ ایک عورت نے ایسی حالت میں نماز پڑھی کہ اسکے گلے میں ہار تھا جس میں شیر یا کتے یا لومڑی کا دانت (پرویا ہوا) تھا تو اسکے ہوتے ہوئے اس عورت کی نماز جائز ہے، لیکن اگر اسکے خلاف کسی انسان یا سور کا دانت ہو تو (نماز نہ ہوگی) امام شیخ اسبانکی نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا کہ سنجاب (بلی کی طرح ایک جانور ہے عموماً اس کی کھال سے کی پوستین بنائی جاتی ہے) جب دارِ کفر سے ہماری طرف برآمد کیا گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی کھال مردار کی

چربی سے پکائی گئی تو جب تک اسے (اچھی طرح) دھویا نہ جائے اس کے ساتھ نماز جائز نہیں لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اسے پاک چیز کے ساتھ پکایا گیا ہے تو پھر بغیر دھوئے بھی اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ اور اگر اس کے طاہر اور غیر طاہر ہونے میں شک پڑ جائے تو بہتر ہے کہ اسے دھولیا جائے۔

دباغت کی دو قسمیں ...... یاد رہے کہ دباغت کی دو قسمیں ہیں (۱) دباغت حقیقی (۲) دباغت حکمی۔ دباغتِ حقیقی یہ ہے کہ کھال وغیرہ کو کسی پاک وصاف چیز کے ساتھ پکایا جائے جیسے مازو (عفص) اور شور اور انکے علاوہ کسی اور چیز کو ملا کر کھال وغیرہ پکائی جائے لہٰذا دباغت حقیقی کے بعد اگر کسی مدبوغ چیز کو پانی پہنچ جائے اور اس سے تر اور بھیگی ہو جائے تو وہ پلید اور نجس نہ ہوگی (کیونکہ زوالِ نجاست کے بعد دوبارہ عودِ نجاست نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس کا وجود بوجہ دباغت معدوم ہو گیا ہے لہٰذا اب اعادہ معدوم نہیں ہوسکتا) اور نجاست حکمی یہ ہے کہ وہ کھال کو (گلنے سڑنے) اور بگڑنے سے محفوظ کر دیتی (اور اس اثر سے اسے نکال دیتی ہے) اور اس کی دباغت کے تین طریقے ہیں: (۱) مٹی مل کر کھال کو خشک کرنا۔ (۲) دھوپ میں ڈال کر خشک کرنا۔ (۳) ہوا میں ڈال کر خشک کرنا۔ پس دباغت حکمیہ کے بعد اگر کسی دباغت کردہ چیز تک پانی پہنچا اور وہ تر ہوگئی تو اس صورت میں اسکے پاک یا ناپاک ہونیکے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ ناپاک ہو جائیگی، یعنی اصلی نجاست لوٹ آئے گی اور پھر پہلے کی طرح نجس ہو جائیگی۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ پاک ہی رہے گی، یعنی جب دباغت حکمیہ کیوجہ سے وہ پاک ہوگئی تو اب تر ہو جانے سے ناپاک نہ ہوگی بلکہ حسب سابق پاک ہی رہیگی اور اسطرح جب کسی کپڑے تک منی (مادۂ تولید) پہنچ جائے (اور وہ خشک ہو جائے) اور اسے کپڑے سے کھرچ کر کپڑا صاف کر دیا گیا (تو وہ پاک ہو جائیگا) اور اسی طرح اس زمین کا حکم بھی یہی ہے کہ جس تک نجاست پہنچی اور وہ نجاست آلود ہوگئی پھر اسپر دھوپ لگی اور وہ خشک ہوگئی (تو پاک ہوگئی)۔ یونہی جب کنواں ناپاک ہو جائے پھر اسکا پانی اتر کر نیچے چلا گیا پھر زیادہ ہو کر پہلی سطح پر آ گیا، تو اس اتار چڑھاؤ کیوجہ سے کنواں پاک ہو گیا لیکن فتاویٰ قاضی خان میں ہے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کنواں حسب سابق نجس ہی رہیگا، مگر محیط میں ہے کہ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ دوبارہ نجس نہ ہوگا۔

بیان اللغات المعدودة فی العبارة المذكورة

۱: **عُنق** گردن۔ اسکی جمع اعناق ہے۔ ۲: **قِلادَةٌ** ہار، اسکی جمع "قلائد" ہے۔ ۳: **سِنٌّ** دانت، جمع اسنان۔ ۴: **اسدٌ** شیر، جمع اُسُد ہے۔ ۵: **کلبٌ** کتا، جمع کلاب، اکلُب وغیرہ۔ ۶: **ثعلب** لومڑی، جمع ثعالب۔ ۷: **اسبانکی** اسکے آخر یائے نسبتی ہے، بغدادی اور عراقی وغیرہ کیطرح۔ پس یہ اسبانکہ کی طرف منسوب (اسبانکہ میں پہلا حرف ہمزہ ہے جس پر جَر (زیر) ہے دوسرا حرف سین ساکن ہے، حرف باء مفتوح (یعنی اسپر زبر ہے) اسکے بعد الف ونون دونوں ساکن ہیں، آخر میں کاف مفتوح اور "ھا" سکتہ ہے جو کبھی ھا اور کبھی "ت" گول ہو جاتی ہے (اسبانکہ) اسبیجاب کے قریوں میں سے ایک قریہ (بستی) کا نام ہے امام موصوف وہاں کے رہنے والے تھے اور ائمہ

احناف کے ایک نامور امام ہوئے ہیں کہ جنہوں نے سنجاب کی پوستین کا فقہی قواعد وضوابط اور اپنی اجتہادی بصیرت سے اسکے پاک و ناپاک ہونیکا حکم بیان فرمایا۔ ۸: سنجاب اسکی تشریح گزر چکی ہے۔ ۹: دار الحرب جنگ کا گھر یعنی کافروں کا ملک جہاں اسلامی کے قوانین کے نفاذ کی ممانعت ہو اور برسر عام کافرانہ نظام ہو۔ پس دار کفر کا دوسرا نام دار حرب ہے۔ ۱۰: مدبوغ صیغہ اسم مفعول ہے جسکا مصدر دباغت ہے جسکا معنیٰ کچی کھال کو ایک مخصوص طریقہ پر پکانا تا کہ پاک ہو کر کام آئے پس "مدبوغ" کے معنیٰ ہیں پکائی ہوئی کھال (دباغت شدہ کھال)۔ ۱۱: ودک چربی۔ ۱۲: المیتة مردار جو بغیر ذبح مر جائے۔ ۱۳: دباغت کی دو قسمیں ایک حقیقی، دوم حکمی، اگر کسی پاک چیز کو ملا کر کھال پکائے جیسے زو اور ببول کے پتوں یا کسی دوسری دوائی سے پکائی جائے تو یہ دباغت حقیقی کہلاتی ہے۔ اور اگر قدرتی اسباب سے کھال خشک کر لی جائے مثلاً مٹی ملنے یا دھوپ میں ڈالنے یا کسی کھلی ہوادار جگہ میں رکھنے سے خشک کر لی جائے تو اسے دباغت حکمیہ کہتے ہیں یعنی یہ گویا دباغت کے حکم میں ہے لہٰذا دبوغ ہونے میں دونوں برابر ہیں، دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

۱۴: العفص مازو، ایک طرح تخم ہے جو کھال پکانے میں کام آتا ہے۔ ۱۵: السبخة شورہ جو کھاری زمین سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۶: ابتلّ وہ تر ہو گیا، ابتلال، بلول، کسی چیز تک پانی تری اور نمی پہنچ جانا۔ ۱۷: تتریب کسی چیز پر مٹی رگڑنا اور ملنا تا کہ اسکی یہ رطوبت ختم ہو جائے۔ ۱۸: شمیس سورج کی دھوپ میں ڈالدینا پس "التتریب" کے معنیٰ ہیں جعل التراب علیه او جعله فی التراب یعنی اس چیز پر مٹی ملنا یا اس چیز کو مٹی میں ڈالدینا۔ اور "التشمیس" کے معانی ہیں وضعه فی الشمس یعنی کسی چیز کو دھوپ میں ڈالدینا۔ ۱۹: فُرِکَ من التفریک بالکاف الثانی بمعنیٰ کھرچ ڈالنا۔ ۲۰: جفّت من الجفاف، خشک ہو جانا۔ ۲۱: غارت من الغور، پانی بہت نیچے چلا جانا، قرآن مجید سورہ الملک کے آخر میں فرمایا، قل ان اصبح ماؤ کم غوراً فمن یاتیکم بماءٍ معین۔ یعنی لوگوں سے فرمادیجئے اگر تمہارا پانی جسے تم روزمرہ صبح و شام میں استعمال کرتے رہتے ہو، انتہائی گہرا ہو جائے اور تمہاری دسترس سے نکل جائے تو بتاؤ پھر یہ بہتا پانی اور جاری پانی تمہیں کون لا کر دیگا۔ یقول القاری بعدہٗ، الله ربنا و رب العالمین، یعنی یہ کام رب العالمین کے سوا اور کون کر سکتا ہے پس یہ اسی کے حکم اور اختیار میں ہے۔ یہاں دیکھئے آیۂ کریمہ میں "غوراً" گہرائی اور نیچے چلے جانیکے معنیٰ استعمال ہوا ہے۔ ۲۲: الاظھر صیغۂ اسم تفضیل مشتق من الظھور بمعنیٰ کسی چیز کا زیادہ ظاہر اور سامنے ہونا۔ ۲۳: یعود من العود، کسی چیز کا پہلی حالت کی طرف لوٹ آنا۔

تشریح المرام علیٰ نمط الاتصال والاتیام

ترجمہ عبارت میں جو کچھ ذکر کیا گیا وہ مجموعی طور پر چھ فقہی مسائل واحکام پر مشتمل ہے پس ان میں سے ہر ایک مسئلہ کسی نہ کسی فقہی قاعدہ اور ضابطہ کے ضمن میں آتا ہے چنانچہ حسب موقع ان قواعد کی نشاندہی کیجائیگی یا کچھ نہ کچھ اشارہ ہی کر دیا جائیگا۔

۱) پہلا مسئلہ...... اگر ہار میں کسی جانور کا دانت ہو تو اسکے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ ایک عورت نے اپنے گلے میں ایسا ہار ڈالا کہ جس میں کسی درندے مثلاً شیر، لومڑی اور کتے کا دانت موجود تھا پس اس نے اپنے ہار کے ساتھ نماز پڑھی، بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ نماز نہ ہوگی کیوں؟ اس لئے کہ یہ مردار کے جسم کا ایک حصہ ہے جو مردار کا حکم رکھتا ہے لہٰذا اسکی معیت نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے، مگر شرعی طور پر ائمہ فقہ نے فرمایا ہے۔ اس عورت کی نماز ہو گئی ہے اس لئے یہ چیزیں پاک ہیں، اور اسکی بنیاد اس قاعدہ پر ہے کہ مردار کے بعض اجزاء مثلاً بال، ہڈیاں، پرندوں کے پر اور دانت وغیرہ پاک ہیں اس لئے کہ ان میں رطوبت اور حیات وغیرہ نہیں ہوتی لہٰذا ہر وہ چیز جس میں رطوبۃ اور حیات نہ ہو خواہ وہ چیز مردار ہی کیوں نہو وہ پاک ہے پس جو اسکے برعکس ہو وہ ناپاک ہے، چونکہ

دانت وغیرہ اسی نوع کے ہیں لہٰذا پاک ہیں اور پاک چیز کیساتھ نماز پڑھی جائے تو وہ بلاشبہ جائز ہے پس مسئلہ مذکورہ کی بنیاد ان قواعد پر رکھی گئی۔علاّمہ ابراہیم حلبی مصنف صغیری فرماتے ہیں:

وکذالک سنُّ الانسان وعظمهٗ طاهر فی الصحیح فتجوز الصلاة معهٗ مطلقاً علیٰ ظاهر المذهب ،وعن محمّد انها لاتجوز اذا زاد علیٰ قدر الدرهم بخلاف سن الآدمی والخنزیر کرامة فی الانسان و نجس العین فی الخنزیر وایضاً قال فی الکبیر قولهٗ سن الانسان ،ان کان سن نفسه تجوز صلوتهٗ معهٗ وان زاد علیٰ قدر الدرهم عند ابی یوسف وقال محمّد اذا زاد علیٰ قد رالدرهم لا تجوز بالاتفاق لکن هذا کله علیٰ نجاسة السن علیٰ انه طرف عصب وفی نجاسة العصب روایتان وعلیٰ ظاهر المذهب وهو الصحیح لا خلاف فی السن بین علمائنا انه ظاهر کذا فی الکفایة--(منقول عن حاشیة الصغیری علیٰ هامشه)

خلاصہ مفہوم

انسان کے دانت اور ہڈیاں صحیح روایت کے مطابق پاک ہیں لہٰذا انکے ساتھ علی الاطلاق نماز جائز ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے البتہ امام محمّد سے ایک روایت کے مطابق اگر درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں بخلاف انسان اور سور کے دانت کے کیونکہ انکا یہ حکم نہیں انسان میں اسکی شرف و بزرگی کی بنا پر اور سور میں اسکے نجس العین ہونیکی وجہ سے یعنی کسی آدمی کے دانت اور اسکی ہڈیاں اگر چہ درہم یا اسکی مقدار سے زیادہ ہوں تو بھی انکی معیت عندالشیخین نماز جائز ہے البتہ امام محمّد کی ایک روایت میں درہم تک تو جائز ہے مگر اس سے زائد میں جواز کی گنجائش نہیں لیکن یہ حکم انسان اور سور کے دانتوں کے علاوہ میں ہے پس ان دونوں کیساتھ جواز نماز نہیں پس انسان کی شرف وکرامت اور سور کا نجس عین جواز کے مانع ہے لہٰذا یہ وجہ نہیں کہ انسان کے دانت وغیرہ پاک نہیں بلکہ اسکی کرامت ایسا کرنے سے مانع ہے اور سور چونکہ ذاتی نجاست اور گندگی رکھتا ہے اس لئے بوجہ غیر طاہر ہونے کے ایسا کرنا درست نہیں اگر آدمی کا نفس دانت ہو تو قدر درہم سے اسکی مقدار زیادہ ہو جائے تو اسکے ساتھ نماز عندابی یوسف جائز ہے۔لیکن امام محمّد نے فرمایا اگر اسکی مقدار قدر درہم سے بڑھ جائے تو پھر بالاتفاق نماز جائز نہیں لیکن یہ سب کچھ اسپر مبنی ہے کہ دانت نجس ہے اس لئے کہ وہ پٹھوں کا ایک حصہ ہے اور پٹھے کی نجاست میں دو روایتیں عن الائمہ ہیں ایک میں وہ پاک ہیں اور دوسری میں وہ نجس ہیں لیکن ظاہر مذہب جو صحیح ہے جس میں کوئی اختلاف بین العلماء نہیں کہ دانت بلاشبہ پاک ہیں۔ (کفایۃ شرح ہدایہ میں یہی مذکور ہے ماخوذ از کبیری شرح منیۃ المصلی)

۲) دوسرا مسئلہ......امام اسبانی کے حوالہ سے یہ بیان کیا گیا کہ دار کفر سے سنجاب کی پوستین تیار کر کے دارالاسلام میں لائی گئی اور یہ معلوم ہوا کہ اسپر مردار کی چربی لگائی گئی ہے تو جب تک اسے اچھی طرح دھویا نہ جائے اسکے ساتھ نماز جائز نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بعد دباغت مردار کی چربی لگانے سے ناپاک ہوگئی ہے لہٰذا اسے تین مرتبہ دھوکر ہر بار نچوڑا جائے تو پاک ہو جائیگی (پھر اسکے ساتھ نماز جائز ہوگی) اور اگر یہ معلوم ہوا کوئی پاک چیز اسپر لگائی گئی تو پھر نماز بلاشبہ جائز ہے۔اور اگر پاک ناپاک میں شک پڑ گیا تو بہتر یہ ہے تو اسے دھولیا جائے تاکہ شک دور ہو جائے اور اگر اس صورت میں اسے نہ دھویا گیا تو بھی کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اصل اشیاء میں طہارت ہے گویا الاصل فی الاشیاء الطهارة ایک قاعدہ ہے جس پر یہ مسئلہ مبنی ہے۔

۳) تیسرا مسئلہ متعلقہ بالدباغت......دباغت کی تعریف الدباغت هی ما یمنع النتن والفساد عن الجلد ،یعنی دباغت

کھال کی بدبو اور گلنے سڑنے سے محفوظ کردیتی ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں:

(۱) حقیقی۔ (۲) حکمی۔

کھال وغیرہ کی حقیقتاً دباغت کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ مختلف اشیاء اور ادویات کو استعمال کر کے کھال کو خشک کرلیا جائے تا کہ اسکی بدبو اور فساد دونوں ختم ہوجائے اور بسبب ازالہ رطوبت وہ بڑی کیطرح پاک وصاف پھر استعمال میں لائی جاسکے پس ایسی دباغت کے بعد اگر کھال تر ہوگئی وہ ناپاک نہوگی۔

دوسری قسم...... دباغت حکمیہ اس سے بھی کھال گلنے سڑنے اور بدبو سے محفوظ ہوجاتی ہے پس اسکے تین طریقے ہیں ایک کچی مٹی سے رگڑ رگڑ کر اور اسے بار بار مل کر کھال خشک کرلی جائے دوسرا یہ کہ اسے تیز دھوپ میں ڈالا جائے تا کہ زوال رطوبت کے بعد خشک ہوجائے۔ تیسرا یہ کہ کھال کسی ہوادار جگہ ڈالی جائے تا کہ جس پر بار بار اور مسلسل ہوا کے جھونکوں کا گزر ہو جس وجہ سے وہ خشک ہوجائے لیکن اس دباغت کے بعد اگر وہ دباغت کردہ کھال تر ہوجائے تو پھر اسکے پاک یا ناپاک ہونے میں ہمارے امام صاحب سے دو روایات منقول ہیں ایک یہ کہ وہ ناپاک ہوجائیگی اس لئے کہ نجس رطوبات لوٹ آئینگی دوسری یہ کہ وہ ناپاک نہوگی بلکہ حسب سابق پاک ہی رہیگی اس لئے کہ اس کے تر ہونے سے جو رطوبتیں پیدا ہوئیں وہ پاک ہیں کیونکہ یہ سابقہ نجس رطوبتوں کے علاوہ ہے لہٰذا یہ اسکی طہارت کے لئے مضر نہیں۔ یہاں بات ذہن نشین کرلیجئے کہ امام شافعی اس دباغت حکمیہ کے قائل نہیں لہٰذا انکے نزدیک طہارت جلد کے لئے صرف دباغت حقیقی ہی ضروری ہے (کبیری)

۴) چوتھا مسئلہ...... اگر خشک منی کپڑے سے صاف کردی جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی کپڑے پر منی (مادۂ تولید) لگ جائے اور خشک ہونے پر اسے کپڑے سے کھرچ ڈالا جائے تو کپڑا پاک ہوجائیگا مگر اس کے بعد کپڑا تر ہوجائے تو اسکی طہارت غیر طہارت سابقہ مسئلہ کیطرح اس میں بھی دو قول ہیں، ایک یہ کہ تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہوجائیگا دوسرا قول یہ ہے کہ ناپاک نہوگا۔ قال قاضیخان الصحیح انه یعود نجساً (الخ) وذالک لان اجزاء النجاسة باقیة فیه وانما حکم بطهارتها یابسة بالنص علیٰ خلاف القیاس (الخ)۔ (حاشیۂ صغیری)

امام قاضی خان نے فرمایا کہ کپڑا تر ہونے سے ناپاک ہوجائیگا اور یہی صحیح ہے اس لئے ابھی تک اجزائے نجاست اسمیں مخفی طور پر موجود تھے صرف خشک ہونیکی حالت میں اسکی طہارت کا حکم خلاف قیاس نص کی بنا پر دیا گیا۔ لہٰذا یہ حکم اسکی تری کی صورت پر لاگو ہوگا۔ کیونکہ جو حکم خلاف قیاس بطریق نص ہو وہ صرف مورد نص پر مقصود ہوتا ہے۔ پس اس میں تعدیه الیٰ الغیر نہیں کرتا لہٰذا یہ مسئلہ اس قاعدہ پر مبنی ہوا جیسا کہ ظاہر ہے۔

۵) پانچواں مسئلہ...... اگر زمین نجس خشک ہوجائے تو پاک ہوجاتی ہے لیکن تر ہوجائے تو پھر کیا حکم ہے۔ اس میں بھی سابقہ مسائل کی طرح دو قول ہیں ایک طہارت اور دوسرا نجاست کا۔

۶) چھٹا مسئلہ...... کنواں ناپاک ہوگیا پھر اسکا پانی نیچے اتر گیا پھر دوبارہ اپنی سطح پر آ گیا تو کیا حکم ہے؟ ایک روایت یہ ہے کہ وہ پاک ہوگیا جبکہ دوسری یہ ہے کہ وہ حسب دستور ناپاک ہی رہیگا پاک نہیں ہوا۔

قال الحلبی فی کل من هذه المسائل روایتان فی عودها نجسةً والاصح فی غیر

المنی عدم العود و فی المنی العود و قوله و فی فتاوی قاضیخان ان الاظهر فی البئر ان یعود نجساً غیر صحیح بل المذکور فی فصل البئر انه طاهر و یکون ذالک بمنزلة النزح و ذکر فی المحیط الاظهر فی البئر ان لا یعود نجساً لان الزائل لا یعود بلا سبب جدید (الخ) (صغیری۔صفحہ:۸۶)

ترجمہ......ان تمام مسائل میں عودنجاست کے بارے دوروایتیں ہیں۔اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ منی کے علاوہ باقی دو میں عدم عودنجاست ہے یعنی وہ تر ہونے کی حالت میں ناپاک نہ ہونگے البتہ منی کیصورت میں کپڑا ناپاک ہوجائیگا بشرطیکہ تر ہوجائے۔اور کنویں کے متعلق فیصلۂ نجاست والی روایت درست نہیں بلکہ اسکی فصل بئر والی روایت میں تو یہ مذکور ہے کہ کنواں پاک ہے۔پس اسکے پانی کا اتارا اس سے ڈول وغیرہ نکالنے کے حکم میں ہے۔البتہ محیط کی روایت اس بارے میں صحیح اور قابل اعتماد ہے کہ دریں حالت عودنجاست نہ ہوگا۔پس اس کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز ایک دفعہ زائل ہوجائے وہ دوبارہ سبب جدید کے بغیر نہیں لوٹتی۔

فصل......کنویں کے احکام

فصل فی البیر و اذا وقعت فی البیر نجاسة نزحت و کان نزح ما فیها من الماء طهارةً لها و ان وقعت فیها فارة او عصفورة او نحوهما ثم ماتت ینزح منها عشرون دلوا الیٰ ثلثین و ان ماتت فیها حمامة او دجاجة او سنور نزح منها اربعون دلوا الیٰ خمسین و ان ماتت فیها شاة او کلب او اٰدمی نزح جمیع الماء و کذا ان استخرج الکلب او الخنزیر حیاً و ان لم یصب فمه الماء و کل حیوان اذا اخرج حیًا و اصاب الماء فمه ینظر ان کان سوره طاهر لا یتوضأ منه احتیاطا و ان توضأ جاز و ان کان سورهٗ نجسا ینزح کله و ان کان سورهٗ مکروها ینزح منها عشر دلاء و نحوها احتیاطا و ان کان سورهٗ مشکوکا ینزح کله ایضاً کذا روی عن ابی یوسف رحمه اللّٰه فی فتاویٰ قاضی خان و ان انتفخ فیها الحیوان او تَفَسَّخَ نزح جمیع ما فیها من الماء صغر الحیوان او کبر و ان وجدوا فیها فارة میتة و لا یدرون انها متی وقعت و لم تنفخ و لم تنفسخ اعادوا صلوة یوم و لیلة اذا کانوا توضؤا منها و غسلوا کل شئ اصابه ماؤها و ان کانت انتفخت او تفسخت اعادوا صلوة ثلثة ایام و لیالیها عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه و قالا لیس علیهم اعادة شئ حتی یتحققوا متی وقعت

ترجمہ......(۱) جب کسی کنویں میں نجاست گر جائے تو اسکا پانی نکالا جائیگا اور کنوئیں کا جو پانی نکالا گیا تو وہی کنوئیں کی طہارت ہے۔(۲) چوہایا چڑیا گرنیکا حکم: اگر کنوئیں میں چوھایا چڑیایا ان دونوں جیسا کوئی جانور گر گیا اور پھر وہیں مر گیا تو بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائینگے۔ کنوئیں میں مختلف جانوروں کے گرنیکا شرعی حکم (۳) اگر کنوئیں میں کبوتر یا مرغی یا بلی گر کر مر جائے تو چالیس سے پچاس ڈول نکالے جائینگے۔(۴) اور اگر اس میں بکری یا کتایا کوئی آدمی یا سور گر کر مر جائیں تو کنوئیں کا سارا پانی نکالا جائیگا اور اسیطرح اگر کتا اور سور کنوئیں میں گر کر زندہ نکالے جائیں اور انکا منہ بھی پانی تک نہ پہونچا ہو تو بھی سارا پانی نکالا جائیگا۔

فقہی قاعدہ...... جو جانور کنوئیں سے زندہ نکالا لیکن اسکا منہ پانی تک پہنچ گیا تو یہ دیکھا جائیگا کہ اسکے جھوٹے کا کیا حکم ہے (تو پھر اسکے مطابق فیصلہ کیا جائیگا) لہٰذا اگر اسکا جھوٹا پاک ہو تو پانی ناپاک نہوگا۔ لیکن بر بنائے احتیاط اس سے وضو نہ کیا جائے اور اگر کسی نے وضو کرلیا تو جائز ہے اور اگر اسکا جھوٹا نجس ہے تو پھر اس صورت میں کنوئیں کا سارا پانی نکالا جائیگا اور اگر اسکا جھوٹا مکروہ ہے تو احتیاطاً تقریباً بیس (پچیس) ڈول نکالے جائینگے اور اگر اسکا جھوٹا مشکوک ہے تو کنوئیں کا سارا پانی نکالا جائیگا۔ فتاوٰی قاضیخان میں امام ابو یوسف سے اسیطرح روایت کی گئی ہے۔

۶۔ کنوئیں میں کسی جانور کے پھٹ جانے یا پھول جانیکا حکم: مسئلہ۔ اگر کنوئیں میں کوئی جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو کنوئیں میں جتنا پانی ہے وہ سارا نکالا جائیگا خواہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا (گویا اس صورت میں اسکی جسامت کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ موجودہ حالت کا اعتبار ہے)۔

۷۔ مسئلہ...... اگر لوگوں نے کنوئیں میں مردہ چوھا پایا لیکن انہیں معلوم نہیں کہ وہ کب کنوئیں میں گرا ہے بشرطیکہ وہ پھولا اور پھٹا نہو۔ تو ایک رات ودن کی نمازیں لوٹائیں اگر اس پانی سے وضو کیا ہو۔ اور جو چیز اس پانی سے دھوئے ہوں اسے دوبارہ دھوئیں۔ اور اگر وہ پھولا اور پھٹ گیا ہو تو پھر تین رات ودن کی نمازیں لوٹائیں، لیکن امام صاحب کے دو شاگردوں (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے فرمایا کہ اس صورت میں لوگوں پر کسی چیز کا اعادہ نہیں جب تک یہ تحقیق نہو جائے کہ جانور کنوئیں میں کب گرا ہے، لہٰذا تحقیق سے پہلے کچھ واجب نہیں البتہ تحقیق ہو جانے پر کوئی شرعی حکم دیا جائیگا۔

اللغات الواردة فی العبارة السابقة

۱: بیر یائر حرف یا، یا ہمزہ کیساتھ بمعنیٰ چاہ در فارسی اور کنواں در ہندی، اسکی جمع آبار ہے۔ ۲: وقعت وَقَعَ، یَقَعُ۔ پس ان تینوں کا مادہ "وقوع" ہے جسکا معنیٰ گرنا۔ ۳: نُزحت نُزِحَ، نزح (ف) نزحاً و نزوحاً دور ہونا، نزحت کنویں کے پانی کا بہت کم ہونا یا بالکل ختم ہوجانا۔ صفت، نازِح۔ نُزُوح۔ نُزُح ہے۔ ماءٌ لاینزح: نہ ختم ہونیوالا پانی، "اَنزح البئر" کنویں کا پانی اتنا نکالنا کہ بہت کم رہ جائے یا بالکل ختم ہو جائے۔ النَزح، گدلا پانی یا وہ کنواں جسکا اکثر پانی نکالا گیا ہو یا پانی اسمیں بالکل نہو "ج" انزاح (المنجد عربی اردو صفحہ ۱۰۰۷)۔

خلاصہ کلام...... دراصل "نــزح" کا معنیٰ دور ہونا ہے اور ائمہ فقہ کنویں سے پانی نکالنے کے معنیٰ میں اس مناسبت سے ذکر کرتے ہیں کہ جب کنویں سے پانی نکالا گیا تو پانی دور ہو گیا۔

۴:فارۃٌ چوہا۔۵:عُصفورٌ چڑیا اسکی جمع عصافیر ہے۔۶: عشرون بیس۔۷: دلوٌ ڈول جس کے ساتھ کنویں سے پانی نکالا جا
ہے اسکی جمع دلاء ہے۔۸:ثلاثون تیس عدد۔۹:حمامۃٌ کبوتر، نراور مادہ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ آئمہ لغت لکھتے ہیں۔الحمام،کبوتر ا
واحد حمامۃٌ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حمامۃ'' مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے کیونکہ اس میں حرف تاء تانیث کے لئے نہیں
بلکہ وحدت کے لئے ہے، بسا اوقات حمام کا اطلاق مفرد پر بھی کرتے ہیں، اسکی جمع حمائم اور حمامات ہے۔(المنجد:صفحہ:۲۳۶)
۱۰:الدجاج حرف دال پر تینوں حرکات آسکتی ہیں مگر فتحہ (زبر) سب سے بہتر ہے پس اسکا معنیٰ ہے مرغی، یہ پالتو اور جنگلی دونوں قسم کی
ہوتی ہیں، اسکا واحد دجاجۃٌ اور جمع دَجُج ہے۔۱۱:سِنورٌ بلا، جمع سنانیر ہے۔۱۲:اَربعون چالیس۔۱۳:خمسون پچاس۔۱۴:شاۃٌ بکری
جمع شیاۃ ہے۔۱۵: اُستخرج صیغہ ماضی مجہول۔ وہ نکالا گیا۔الاستخراج، نکالنا۔۱۶: لم یُصِب وہ نہ پہنچا۔''الاصابۃ'' پہنچنا۔
۱۷:فَمٌ منہ۔۱۸:حی ؐ زندہ۔۱۹: یُنظر من النظر، دیکھا جائیگا۔ النظر، دیکھنا، یہاں غور و فکر کرنا مراد ہے۔۲۰: سُؤرٌ جوٹھا، اسکی جمع
آسار ہے۔۲۱: مشکوک وہ جس میں شک ہو۔(شک کیا ہوا)۔۲۲: انتفخ وہ پھول گیا۔اسکا مصدر انتفاخ ہے۔پھول جانا۔
۲۳: تَفَسّخ وہ پھٹ گیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔مصدر تَفَسُّخ۔ریزہ ریزہ ہو جانا۔۲۴: صَغُرَ و کَبُرَ دونوں صیغہ ماضی ہیں ان دونوں کا
مصدر صغر اور کبر ہے چھوٹا اور بڑا ہونا پس اسی سے صغیر اور کبیر بنے ہیں یعنی چھوٹا اور بڑا ہونیوالا۔۲۵: وجدُوا انہوں نے پایا ''وجدان''
کسی چیز کو پانا۔۲۶: فارۃٌ میتۃٌ مردہ چوہا۔۲۷: لا یدرُونَ وہ لوگ نہیں جانتے اسکا مصدر درایۃٌ ہے بمعنیٰ جاننا۔۲۸: غَسَلُوا وہ
لوگ دھوئیں اَلغسل ، بحرکت فتحہ دھونا، بحرکت ضمہ (پیش) نہانا اور بحرکت کسرہ (زیر) وہ جس سے کسی چیز کو دھویا جائے گویا زبر، زیر اور
پیش کی تبدیلی سے معنیٰ میں تبدیلی آجائے گی۔عربی زبان میں لطافت و نزاکت ہے۔المنجد صفحہ:۷۰۹ پر ہے اَلغِسل دھونے کی چیز جیسے
صابن وغیرہ۔۲۹: اَعادُوا وہ لوٹائیں۔اعادہ اسکا مصدر ہے جس کا معنیٰ لوٹانا ہے۔۳۰: یَتَحقّقُوا وہ تحقیق کریں تاکہ معاملہ کی گہرائی
تک پہنچ جائیں اور حقیقت الامر واضح ہو جائے۔

التشریح و التوضیح لکلام المصنف علیہ الرحمۃ

مصنف موصوف اس فصل میں مستقل طور پر کنویں کی طہارت و نجاست کے مسائل و احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔فصل سابق سے
اسکی مناسبت یہ ہے کہ اس میں نجاستوں کا بیان اور انکا تعارف اور ناپاک کھال کو پاک کرنیکا قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا تھا اب اس
میں کنویں کے پاک کرنیکا ذکر کررہے ہیں تاکہ پاک اور ناپاک پانی کے الگ الگ احکام معلوم ہو جائیں یہاں یہ بات ذہن نشین
کرلیں کہ کنویں کے مسائل کا مدار صرف آثار و روایات پر ہے اسمیں عقل و قیاس کو کچھ دخل نہیں ورنہ پانی نکالنے کے بعد کیچڑ باقی رہ جاتا
ہے اور اسیطرح پتھریلی دیواروں میں نجاست موجود ہوتی ہیں لہٰذا جدید پانی ان کیوجہ سے نجس ہو جانا چاہئے لہٰذا کیچڑ نکالنے اور
دیواروں کو دھونے کا حکم دینا چاہئے حالانکہ ایسا کوئی حکم شریعت میں موجود نہیں باوجود یہ کہ عقل اسکا تقاضا کرتی ہے پس معلوم ہوا کہ
صرف ناپاک پانی نکالنے کے بعد کنویں کے پاک اور قابل استعمال ہونیکا جو شرعاً حکم دیا گیا ہے وہ قیاسی نہیں بلکہ خلاف قیاس علیٰ ورود
النص ہے۔علامہ ابراہیم حلبی نے صاحبین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ کنواں آب جاری کے حکم میں ہے لہٰذا نجاست گرنے سے ناپاک
نہیں ہوتا۔چنانچہ امام محمد نے فرمایا کہ میری اور امام ابو یوسف کی یہی رائے اور اور اسی پر ہم دونوں نے اتفاق کیا ہے کیونکہ کنویں کے
نیچے سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور اوپر سے پانی استعمال کیلئے لیا جاتا ہے۔لہٰذا وہ کوض الحمام ہے کہ ایک طرف سے پانی آتا ہے۔اور

ہی جانب سے استعمال ہوتا ہے۔

اگر کسی کنویں میں گندگی گر جائے تو اسکے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حسب تقرر اسکا پانی نکالا جائیگا۔ نـزحـت ای اُخـرج ماؤها یعنی کنواں نکالا جائے مراد یہ ہے کہ اس میں جو پانی ہے۔ وہ نکالا جائے گویا یہاں ذکر محل (کہ کنواں ہے) اور مراد حال یعنی پانی مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے: جَرَی النهر و سَأل الميزاب والمراد منها جرى الماء في النهر وسأل الماء في الميزاب فـكـذاالـمراد هناك علىٰ طريق المجاز۔ پس اس صورت میں جو پانی کنویں میں وہ نکالا جائیگا پس کنویں کی طہارت ہے لہٰذا اسکی دیواریں دھونے اور مانجھنے کی ضرورت نہیں اور نہ اسکا کیچڑ باہر نکالنے کی ضرورت بلکہ آب نجس کی کشید ہی کافی ہے۔ چنانچہ کنویں سے پانی نکالنے کا حکم اس پر مبنی ہے کہ ایک دفعہ زمزم کے کنویں میں ایک کشتی گر گئی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہی حکم دیا تھا۔

اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کنویں میں چوہا مر جائے اور نکالا جائے تو اسکی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ بیس ڈول پانی نکالا جائے بیس ڈول تو واجب ہیں اور تیس مستحب ہیں اور ڈول وہی معتبر ہے جو اس کنویں پر استعمال ہوتا ہے۔

اگر کنویں میں کبوتر، مرغی یا بلی یا ان کے برابر کوئی جانور گر کر مر جائے تو چالیس سے پچاس ڈول تک نکالے جائیں۔ جامع صغیر میں یہی حکم آیا ہے مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ یہ قول مصنف قدوری کے قول سے زیادہ ظاہر ہے کہ انہوں نے پچاس کی بجائے ساٹھ (۶۰) نکالنے کا حکم دیا ہے اور اس کی دلیل ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر مرغی یا اس جیسا جانور کنویں میں مر جائے تو چالیس سے پچاس ڈول تک نکالے جائیں۔ یہاں بھی چالیس واجب ہیں اور پچاس مستحب ہیں۔

اگر کنویں میں بکری، کتا یا آدمی گر کر مر جائے تو سارا پانی نکال دینے کا حکم ہے۔ اس کا مدار ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت پر ہے کہ جس کا پہلے ذکر آ گیا ہے۔

اگر کتا یا سور کنویں سے زندہ نکالے جائیں اور انکا منہ بھی پانی تک نہ پہنچا ہو تو پھر بھی سارا پانی نکال دینے کا حکم ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سور نجس العین ہے اور کتے کے بارے میں بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نجس العین جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجس العین نہیں۔ اگر یہ نجس العین ہو تو پھر سور کے مساوی ہونے کی وجہ سے سارا پانی نکال دینا قرین قیاس ہے اگر نہ ہو تو پھر اس کا حکم باقی درندوں جیسا ہے۔

مصنف ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں...... جو جانور کنویں سے زندہ نکالا جائے اور اسکا منہ پانی تک پہنچ گیا ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے جھوٹے کا کیا حکم ہے اگر اس کا جھوٹا پاک ہے اور جانور کے جسم پر نجاست وغیرہ بھی نہیں تو اس صورت میں پانی ناپاک نہ ہوگا لیکن احتیاطاً اس سے وضو نہ کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے جسم پر گندگی موجود ہو یا گرنے کی وجہ سے اس نے پیشاب یا پاخانہ کر دیا ہو لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے اس سے وضو کر لیا تو وضو ہو جائے گا کیونکہ غالب امکان طہارت کا ہے۔ لیکن چوہا اگر بلی سے بھاگ کر کنویں میں گر جائے تو خوف کی وجہ سے اس کا پیشاب نکل جانے کا زیادہ امکان ہے لہٰذا کنواں ناپاک ہو جائیگا۔

اور اگر جانور کا جھوٹا نجس ہو تو پھر سارا پانی نکالا جائیگا۔ کیونکہ اس کے جھوٹے کے نجس ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک ہو گیا اس صورت میں چاہے اس کا منہ پانی تک پہنچے یا نہ پہنچے امام قاضی خان کے قول کے مطابق یہی حکم ہے اور اگر اس کا جھوٹا مکروہ ہو تو

صرف احتیاطاً دس پندرہ ڈول نکالے جائیں۔ خلاصہ میں ہے کہ یہی مستحب ہے اور اگر اس کا جھوٹا مشکوک ہو تو اس صورت میں تمام پانی نکالنے کا حکم ہے تاکہ شک کا ازالہ ہو جائے۔ فتاویٰ خاقانیہ میں امام ابو یوسف سے یہی روایت منقول ہے۔

۷: اگر کنویں میں کوئی جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اگر کر پھول گیا اور پھٹ گیا تو اس صورت میں بھی تمام پانی نکالنے کا حکم ہے۔ اگر چو دُم کٹ کر گر جائے تو نجاست پھیل جانے کی وجہ سے اس صورت میں سارا پانی نکالنے کا حکم ہے۔

۸: اگر لوگوں نے کنویں میں مردہ چوہا پایا اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس وقت گرا ہے لیکن وہ بھی ابھی تک پھولا اور پھٹا نہ ہو تو حکم ہے کہ اگر اس پانی سے وضو کیا ہو تو ایک رات دن کی نمازیں لوٹائی جائیں اور جو چیزیں اس پانی سے دھوئی ہوں انہیں دوبارہ دھو اور اگر وہ پھول گیا یا پھٹ گیا ہو تو تین رات دن کی نمازیں دہرائیں اگر اس کے پانی سے وضو کر کے پڑھی ہوں اور ہر اس چیز کو ڈالیں جو اس کے پانی سے دھوئی ہوں۔ امام ابو حنیفہ کی یہی رائے ہے۔ لیکن ان کے دونوں شاگرد اس مسئلہ میں ان سے اختلا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگوں پر کسی چیز کا اعادہ نہیں اور نہ ہی دھونا ضروری ہے۔ جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ وہ جا کب گرا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی گر کر مر گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ باہر مر گیا ہو اور پھٹ گیا ہو پھر ہوا وغیرہ کے جھونکے کنویں میں گر گیا ہو۔ امام صاحب کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہر کام کی نسبت اس کے سبب ظاہری کی طرف ہوتی ہے اور یہا جانور کا کنویں میں اس حالت میں پایا جانا بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جانور کنویں میں ہی مر گیا ہے اور اس کا پھول جانا یا پھ جانا طول وقت کی دلیل ہے لہٰذا اس لئے ہم نے ایک رات دن یا تین رات دن کا حکم دیا ہے۔

کنویں میں نجاست گر جانے کا بیان

و اذا وقعت بعـــرة او بعرتان فی البیر من بعر الابل و الغنم فاخرجت قبل التفتّت لم یتنجس و ان وقـعـت فی اللبن وقت الحلب فاخرجت حین وقعت لم یتنجس و روی عن ابی حنیفة ان البـعـرة اذا کانت یابسة لم تفسد الماء ما لم یستکثره الناس لعموم البلوی و فی الرطبة و الـمـنـکـسـرة اختلاف بین المشائخ بعضهم افتی فیهما بالتنجس و بعضهم سوّی بین الرطبة والیـابسة و الـمـنـکـسـرة و الا رواث و الاخثاء بمنزلة المنکسرة و اکثر المشائخ علٰی انه تعتبر فیه الضرورة و البلوی ان کان فیه ضـــرورة لا یحکم بالنجاسة و الروث اذا کان صلباً فهو بمنزلة البعرة و ان وقع خرء الحمام او العصفور فی البیر لم یفسد ماؤها و هذا مذهبنا و ان وقـع خـرء الدجاجة افسده و کذا خرء البط و الاوز و خرء الخفّاش و بولـه لا یفسده و کـذا ذرق مـا لا یـؤکل لحمه من الطیور فانه طاهر عند هما خلافا لمحمد رحمه الله و قال بـعـضهم روی عن ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله ان ذرق سباع الطیر نجس لا یفسد

الثوب الا اذا فحش و هو رُبُعُ الثوب و يفسد الماء و ان قلّ و لا يفسد الماء الكثير و يفسد ماء الاوانى و ان قل و لا يفسد ماء البير و ان بالت فيها شاة او بقرة يتنجس الا عند محمد رحمه الله و ان قطرت دم او خمر ينزح ماء البير كُلَّهُ

ترجمہ......(۱) جب کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک یا دو مینگنیاں گر جائیں پھر وہ ریزہ ریزہ ہونے سے پہلے نکال لی جائیں تو کنواں ناپاک نہ ہوگا اور اگر پھٹ جانے کے بعد نکالی گئیں تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔(۲) اور اگر جانور کا دودھ نکالتے وقت اس میں گر گئیں پھر گرتے ہی انہیں نکال لیا گیا تو دودھ ناپاک نہ ہوگا لیکن پھٹ جانے کے بعد اگر نکالی گئیں تو بطور استحسان دودھ ناپاک ہو جائیگا۔(۳) امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کی گئی کہ اگر مینگنی خشک ہو اور پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ لوگ انہیں زیادہ نہ سمجھیں اور یہ حکم ابتلائے عام کی وجہ سے ہے لیکن اگر مینگنی تازہ ہو یا خشک ٹوٹی ہوئی ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض نے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیا ہے جبکہ بعض نے تازہ مینگنی اور خشک ٹوٹی ہوئی میں فرق کیا ہے اور بعض نے تازہ مینگنی اور خشک ٹوٹی ہوئی کو آپس میں مساوی قرار دیا ہے۔(۴) لیکن اگر لید اور گوبر کنویں میں گر جائیں تو یہ ٹوٹی ہوئی مینگنی کے قائم مقام ہے اور اکثر مشائخ کا یہ بھی خیال ہے کہ اس میں ضرورت اور ابتلاء کا اعتبار کیا جائیگا۔ اگر ضرورت اور ابتلاء ہو تو اسکی وجہ سے نجاست کا حکم نہیں دیا جائیگا ورنہ نجس ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ لید جب انتہائی مستحکم ہو تو وہ بھی اونٹ کی مینگنی جیسی ہے۔(۵) اور اگر کنویں میں کبوتر اور چڑیا کی بیٹ گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اس مسئلہ میں ہمارا یہی مذہب ہے۔ لیکن اگر مرغی کی بیٹ گر جائے تو پانی فاسد ہو جائیگا۔ چمگادڑ کی بیٹ اور اس کا پیشاب پانی کو ناپاک نہیں کرتا۔ اسی طرح ان پرندوں کی پلیدی جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا شیخین کے نزدیک پاک ہے لیکن امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔(۶) بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ پھاڑنے والے پرندوں کی بیٹ کپڑے کو ناپاک نہیں کرتی مگر جبکہ حد سے زیادہ ہو البتہ پانی کو ناپاک کر دیتی ہے اگر چہ تھوڑی ہو۔ لیکن اگر پانی کی مقدار زیادہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا البتہ برتن ناپاک ہو جاتے ہیں اگر چہ تھوڑی ہو اور کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا۔(۷) اگر کنویں میں بکری یا گائے وغیرہ نے پیشاب کیا تو شیخین کے نزدیک کنواں ناپاک ہو جائیگا لیکن امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور اگر کنویں میں خون یا شراب کے قطرے گر گئے تو اس کا سارا پانی نکالا جائے گا۔

اللغات الواردة فى العبارة المذكورة

۱:	بَعْرَةٌ	مینگنی۔	۲:	الابل	اونٹ۔
۳:	الغنم	بکری۔	۴:	اللّبن	دودھ۔
۵:	وقت الحلب	دودھ دوہنے کا وقت۔	۶:	يَابِسَةٌ	خشک۔

۷: يَسْتَكْثِرُهُ الناس اسے لوگ زیادہ نہ سمجھیں۔
۸: الرَّطبة تازہ۔
۹: المُنْكَسِرَةُ ٹوٹی ہوئی۔
۱۰: سوىٰ اس نے برابر کیا۔
۱۱: صَلبٌ مُتكد سخت پختہ۔
۱۲: الخُفّاش چمگادڑ۔
۱۳: ذَرق پرندوں کی بیٹ۔
۱۴: سباع الطُيور پھاڑنے والے پرندے۔
۱۵: الاوانی یہ آنیۃ کی جمع ہے بمعنیٰ برتن۔
۱۶: بالت اس نے پیشاب کیا۔(بول) پیشاب
۱۷: بقرۃ گائے بھینس۔
۱۸: خَمرٌ شراب۔
۱۹: يُنزَحُ نکالا جائیگا، مراد پانی نکالنا ہے۔
۲۰: جميع الماء سارا پانی۔

تشريح كلام المصنف علىٰ وجه الاختصار

۱) اگر اونٹ یا بکری کی بہت تھوڑی مینگنیاں مثلاً ایک یا دو مینگنیاں کسی کنویں میں گر جائیں اور پھٹنے اور پھولنے سے پہلے فوراً نکال لی تو کنواں استحساناً ناپاک نہوگا اور یہ حکم دفع حرج کیلئے دیا گیا ہے کہ لوگ تنگی اور حرج میں نہ پھنس جائیں اس لئے کہ جنگلوں اور بیا میں جو کنویں ہوا کرتے ہیں ان پر ڈھکن نہیں ہوتے بلکہ انکے منہ کھلے ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت کا خاص انتظام اور اہتمام نہیں تا کہ انہیں محفوظ رکھا جائے اور جانور انکے آس پاس چرتے اور مینگنیاں اور لید گوبر کرتے ہیں اور پھر ہوا کے جھونکوں سے وہ کنوی گر جاتی ہیں اس مجبوری کیوجہ سے قلیل مقدار معاف ہے لیکن زیادہ مقدار معاف نہیں۔ اور معافی بھی بطور استحسان ہے ورنہ قیا تقاضا تو یہ ہے کہ نجاست ہونیکی وجہ سے پانی ناپاک ہو جانا چاہئے مگر قیاس کو استحسان کے مقابلہ میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

۲) اسیطرح اگر جانور کا دودھ نکالتے وقت اسکی ایک یا دو مینگنیاں دودھ کے برتن میں گر جائیں اور فوراً اسیوقت نکال لی جائیں دودھ میں انکا کوئی اثر معلوم اور محسوس نہو تو وہ بھی دودھ ناپاک نہوگا جیسا کہ کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ اور یہ مسئلہ حضرت علی سے مر اور منقول ہے لیکن اگر کسی دوسرے وقت دودھ کے برتن میں مینگنیاں گر جائیں تو دودھ ناپاک ہو جائے گا کیونکہ اب ان کا دوسرے برتنوں میں گرنے کی طرح ہے۔ کیونکہ اب ضرورت اور مجبوی قابل عفو نہیں۔ اس لئے یہ مجبوری جانور کا دودھ نکالتے و ہوتی ہے کیونکہ بوجہ مصروفیت ان کی مینگنیوں سے احتراز مشکل و دشوار ہوتا ہے اور جانوروں خصوصاً بکریوں کی عموماً عادت بھی ہوتی ہے کہ دودھ نکالتے وقت وہ مینگنیاں کرنے لگتی ہیں کہ جن سے بچاؤ کسی قدر دشوار ہوتا ہے پس اس ضرورت کیوجہ سے قل مقدار معاف ہے۔

۳) امام صاحب نے فرمایا اگر مینگنی خشک ہو تو پانی ناپاک نہوگا یعنی کنواں ناپاک نہوگا بشرطیکہ لوگ انہیں زیادہ نہ سمجھیں اسکی و لوگوں کا ابتلائے عام ہے مراد یہ ہے کہ اس سے لوگ عموماً بچ نہیں سکتے لہٰذا ان کی معذوری کے پیش نظر اسکو درجہ عفو میں ر گیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ تازہ اور تر مینگنی کا یہ حکم نہیں اور حد کثیر میں کئی اقوال ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ دیکھنے والا زیا خیال کرے اور یہی صحیح ہے۔ (۲) دوسرا یہ کہ کوئی ڈول مینگنی سے خالی نہو۔ (۳) پانی کی چوتھائی سطح پر حاوی ہوں۔ امام مح سے یہی روایت ہے اور اسی کے ذیل میں ایک اور مسئلہ ہے وہ یہ کہ۔ (۴) اگر مینگنی تر یا خشک ٹوٹی ہوئی ہو اور پانی وغیرہ میں

گر جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ پس اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے دریں صورت پانی ناپاک ہو جانیکا فتویٰ دیا ہے جبکہ بعض دوسرے اکابرین نے مینگنی کی حالت میں کچھ فرق نہیں کیا بلکہ تازہ خشک اور ٹوٹی ہوئی کو پانی ناپاک نہ ہونے میں برابر اور مساوی قرار دیا ہے اس لئے کہ معانی کی بنیاد بنیاد ضرورت اور ابتلائے عوام ہے اور وہ سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۴) اکثر مشائخ نے اس میں ضرورت عامہ اور عموم بلویٰ کا اعتبار کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں اگر ضرورت شدیدہ کہ جس سے اجتناب بوجہ حرج متعسر اور مشکل ہو تو پھر نجس ہونیکا حکم نہ دیا جائیگا جیسے جنگلوں اور بیابانوں کے غیر محفوظ کنویں کہ جن پر آنے جانیوالوں کی کثرت اور ہجوم ہوتا ہے ان میں وقوع نجاست قلیلہ قابل عفو ہوتی ہے بالکل یہاں یہی حکم ہے۔ اور اگر احتراز مشکل نہ ہو جیسے گھروں میں کنویں اور دوسرے محفوظ مقامات کہ جن پر آمد ورفت تھوڑی ہوتی ہے گویا وہ برتنوں جیسے ہیں پس ایسی صورت میں قلیل نجاست بھی معاف نہیں امام حلبی فرماتے ہیں: **هذا هو الذى ينبغى ان يعتمد عليه فان الجميع يستدلون بالضرورة فينظر الىٰ ماهى فيه.** (اھ) (**صغیری صفحہ: ۸۹**) یعنی یہی وہ قول ہے کہ جس پر مناسب ہے کہ اعتماد اور بھروسہ کیا جائے کیونکہ سب لوگ ضرورت سے استدلال اور اسی کو مسئلہ کی بنیاد قرار دیتے ہیں پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ کہاں ضرورت ہے اور کہاں ضرورت نہیں۔ لہٰذا اسکے مطابق اثباتاً ونفیاً فیصلہ ہونا چاہئے اور اگر لید پختہ اور مستحکم ہو تو یہ مینگنی کا حکم رکھتی ہے یعنی جو مینگنی کا حکم ہے وہی پختہ لید کا ہے

۵) اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کنواں یعنی اسکا پانی ناپاک نہو گا اس لئے کہ یہ دونوں پاک ہیں اس مسئلہ میں احناف کا یہی مذہب اور موقف ہے البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ مصنف صغیری نے کہا ہے اور اگر مرغی وغیرہ۔ مثلاً بطخ اور مرغابی کی بیٹ کنویں میں گر جائے تو پانی فاسد ہو جائیگا اس لئے کہ نجاست غلیظہ ہیں، یونہی چمگادڑ کی (الخفاش صرف خاء پر ضمہ، (پیش) اور حرف فـــا پر فتحہ یعنی زبر ہے) بیٹ اور اسکا پیشاب پانی کو ناپاک نہیں کرتا اسکی وجہ وہی ضرورت ہے جس کی بناء پر اسکو قابل قرار دیا ہے، اور جو پرندے غیر مأ کول اللحم ہیں انکی بیٹ بھی امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک روایت میں پاک ہے مگر امام محمد اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ وہ اسے پاک نہیں کہتے۔

قال الحلبى فى الصغيرى وهو يناقض قوله فيما تقدم قال محمّد كلا هما طاهر، یعنی امام محمد کا یہ قول انکے سابقہ قول کے منافی اور مناقض ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ دونوں پاک ہیں۔

۶) بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ شیخین کے نزدیک درندہ پرندوں کی بیٹ نجاست خفیفہ رکھتی ہے۔ مگر اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا ہاں اگر بہت زیادہ ہو تو پھر کپڑا ناپاک ہو جائیگا ورنہ قلیل معاف ہے لیکن پانی ناپاک ہو جائیگا اگرچہ مقدار تھوڑی ہو باقی نجاست خفیفہ کیطرح لیکن اگر پانی زیادہ ہو اور اس میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو تو وہ فاسد نہ ہو گا جیسا کہ دوسری نجاستوں سے ناپاک نہیں ہوتا ہاں البتہ برتنوں کا پانی ناپاک ہو جائیگا اگر مقدار کم ہی کیوں نہو کیونکہ انہیں اس سے بچایا جا سکتا ہے مگر کنویں کا پانی ناپاک نہ ہو گا اس لئے کہ اسکی حفاظت اور نگرانی دشوار ہے۔

۷) اگر کنویں میں بکری یا گائے بھینس جو کہ پالتو اور حلال جانور ہے پیشاب کر دے تو پانی ناپاک ہو جائیگا اس لئے کہ پانی کے معاملے

میں دونوں نجاستوں میں کوئی فرق نہیں اور ان جانوروں کے پیشاب سے کنویں کا تحفظ بھی کیا جاسکتا ہے لیکن امام محمد جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ اور اگر کنویں میں خون یا شراب کا ایک قطرہ بھی گر جائے تو کنواں ناپاک ہونے کی وجہ سے اس کا سارا پانی نکالا جائے گا۔ کیونکہ کنویں کا پانی آب قلیل کے حکم میں ہے لہٰذا تھوڑی سی نجاست گرنے سے بھی وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔

کنوئیں کے مسائل

و فی الذخیرة جنب نزح من البیر دلوا فصب الماء علی رأسه ثم استقی اٰخر فتقاطر من جسده فی البیر لا یتنجس البیر للضرورة . و ان وقع جنب فی البیر او دخل فیها لطلب الدلو قال ابو حنیفة رحمه اللّٰه الرجل جنب و الماء نجس و فی روایة یخرج من الجنابة اذا تمضمض و استنشق ثم انه یتنجس بنجاسة الماء المستعمل فعلی هذه الروایة یجوز له ان یقرأ القراٰن و قال ابو یوسف رحمه اللّٰه الرجل جنب و الماء طاهر و قال محمد رحمه الله کلاهما طاهران هذا اذا لم یکن علی بدنه او ثوبه نجاسة حقیقیة و ان کانت یتنجس الماء بالاجماع و لو وقعت اکثر من فارة واحدة روی عن ابی یوسف انه قال الیٰ اربع ینزح عشرون دلوا الیٰ ثلثین . و ان کان خمسا ینزح اربعون دلوا الیٰ خمسین الیٰ تسع فاذا کانت عشرا ینزح ماء البیر کله . و ان کانت البیر معیناً لا یمکن نزحها اخرجوا مقدار ما کان فیها من الماء ثم اختلفوا کیف یقدر . قال بعضهم تحفر حفیرة مثل عمق الماء و طوله و عرضه فینزح الماء حتی تملأ الحفیرة و قال بعضهم یحکم به ذوا عدل فینزح بحکمهما و عن محمد رحمه الله ینزح منها مائتا دلو الیٰ ثلث مائة فاذا نزح بوقوع الفارة عشرون دلوا او ثلثون طهر الدلوِ و الرشاء . و موت ما لیس له دم سائل لا ینجس الماء و لا غیره کالبق و الذباب و الذنابیر و العقارب و الخناقِس و العلق و ما شابه ذلک و کذا موت ما یعیش فی الماء اذا مات فی الماء کالسمک و الضفدع و السرطان و ان مات فی غیر الماء ففیه تفصیل اما السمک فانه لا ینجسه بلا خلاف . و اما الضفدع اذا مات فی العصیر و نحوه فقد اختلف المتاخرون و اکثرهم علی انه ینجس و ذکر الاسبیجابی فی شرحه ما یعیش فی الماء مما لا یؤکل لحمه اذا

مات فی الماء و تَفَتّت فانه یکره شرب ذلک الماء و لو ماتت حیّة بریّة لا دم فیها فی اناء لا ینجس و ان کان فیها دم ینجس و کذا الحیة المائیة اذا کانت کبیرة لها دم سائلو کذا الوزغة اذا کانت کبیرة لها دم سئال

ترجمہ۔ پہلا مسئلہ......کتاب ذخیرہ میں ہے کہ کسی جنبی نے کنویں سے پانی نکالا اور اپنے سر پر بہایا پھر دوسرا ڈول نکالا تو اس کے بدن سے کچھ قطرات کنویں میں گر گئے تو ضرورت کیوجہ سے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔

دوسرا مسئلہ......اگر کوئی ناپاک آدمی کنویں میں گر گیا یا اس میں ڈول کی تلاش کے لئے اترا تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ آدمی پہلے کی طرح ناپاک ہے اور پانی بھی ناپاک ہوگیا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جنابت سے نکل جاتا ہے جبکہ کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے لیکن پھر پانی مستعمل کی وجہ سے ناپاک ہو جائیگا پس اس روایت کی بناء پر وہ قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مرد ناپاک ہے لیکن پانی پاک ہے اور امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں پاک ہیں یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مرد کے جسم یا اس کے کپڑے پر کوئی حقیقی نجاست نہ ہو اور اگر اس کے جسم یا کپڑے پر کوئی نجاست لگی ہو تو پھر بالاتفاق پانی ناپاک ہو جائیگا۔

تیسرا مسئلہ......اگر کسی کنویں میں ایک سے زائد چوہے گر جائیں تو امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا چار تک ہوں تو کنویں سے بیس یا تیس ڈول نکالے جائیں اور اگر پانچ ہوں تو چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں اور اگر چھ (۶) ہوں تو ساٹھ ڈول نکالے جائیں یا ستر سے لے کر نوے ڈول نکالے جائیں اور اگر دس ہوں تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائے۔

چوتھا مسئلہ......اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ جس کا سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو اتنی مقدار پانی نکالا جائے جو اس میں ہے اور اس مقدار کا کیسے اندازہ کیا جائے گا۔ بس اس سلسلے میں بعض نے فرمایا کہ کنویں کے پہلو میں پانی کی گہرائی اور اسکی چوڑائی کے برابر ایک گڑھا کھودا جائے پھر کنویں سے اتنا پانی نکالا جائے کہ وہ گڑھا بھر جائے پس اس صورت میں گویا کنویں کا سارا پانی نکال دیا گیا۔ اور بعض نے یہ فرمایا ہے کہ دو ماہر جو پانی کی مہارت رکھتے ہوں ان کے کہنے کے مطابق پانی نکالا جائے۔ اور امام محمد سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا دو سو ڈول سے لے کر تین سو ڈول تک پانی نکالا جائے لوگوں کی آسانی کے پیش نظر اسی پر فتویٰ ہے۔

پانچواں مسئلہ......بطخ اور مرغابی کی بیٹ مرغی کی بیٹ کا حکم رکھتی ہے اور پھاڑنے والے پرندوں کی بیٹ کپڑے کو ناپاک نہیں کرتی جبکہ بہت زیادہ ہو جائے یعنی چوتھائی کپڑے تک پہنچ جائے البتہ برتنوں کا پانی اس سے ناپاک ہو جائیگا۔

چھٹا مسئلہ......اگر کنویں میں چوہے کے گر جانے سے بیس یا تیس ڈول نکالے گئے تو کنویں کا ڈول اور رسی پاک ہو جائیں گے یعنی انہیں مزید پاک وصاف کرنے کی ضرورت نہیں۔

ساتواں مسئلہ...... کسی ایسے جانور کا کنویں میں مرجانا کہ جس میں بہتا خون نہ ہو وہ پانی یا کسی اور چیز کو ناپاک نہیں کرتا۔ جیسے مختلف مشروبات سرکہ اور شوربہ وغیرہ اور وہ جانور جن میں بہتا خون نہیں ہوتا جیسے مچھر، مکھیاں اور بھڑیں اور بچھو اور اسی طرح کسی ایسے جانور کا مرجانا جو پانی میں رہتا ہے جیسے مچھلی اور مینڈک۔ جب یہ انگور وغیرہ کے شیرہ میں مرجائیں تو پچھلے علماء کا اختلاف ہے اکثر کا تو یہ فیصلہ ہے وہ ناپاک ہوجائیگا امام اسپیجابی نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے کہ جو جانور پانی میں زندگی گزارتے ہیں اور انکا گوشت نہیں کھایا جاتا جب وہ پانی میں مرجائیں یا پھٹ جائیں یا پھول جائیں تو اس کا پانی پینا مکروہ ہے اور جنگلی سانپ جب پانی میں مرجائے تو وہ ناپاک ہوجائیگا اور اسی طرح پانی کا سانپ بشرطیکہ بڑا ہو اور اس میں بہنے والا خون ہو تو اس سے بھی پانی ناپاک ہوجائیگا اسی طرح چھپکلی جبکہ بڑا جسم رکھتی ہو اس میں بہتا خون بھی ہو تو اس کے مرنے سے بھی پانی ناپاک ہوجائیگا۔

چند لغات اور مفردات جو سابقہ عبارات میں آئے ہیں ان کا ترجمہ وتشریح

۱: استقیٰ اس نے پانی نکالا۔ استقاء آب از چاہ کشیدن، (منتخب اللغات) ۲: مَعِین چشمہ دار کنواں۔ ۳: یُقَدَّرُ اندازہ کیا جائے۔ ۴: یُحْفَرُ گڑھا کھودا جائے۔ ۵: حُفْرَۃٌ گڑھا۔ ۶: جنبٌ پہلو کنارہ۔ ۷: عُمق گہرائی۔ ۸: عرض چوڑائی۔ ۹: تَملأُ بھرجائے۔ ۱۰: ذوا عدلٍ دو عادل آدمی۔ ۱۱: اَلاِوَزُّ مرغابی۔ ۱۲: الرِّشاءُ رسّی۔ ۱۳: لخلٌ سرکہ۔ ۱۴: المِرق شوربہ۔ ۱۵: البقُّ مچھر۔ ۱۶: الذُّباب مکھیاں۔ ۱۷: الزنابیر زنبور کی جمع بمعنیٰ بھڑیں۔ ۱۸: العَقرب بچھو۔ ۱۹: یَعیشُ وہ زندگی گزارتا ہے۔ ۲۰: السَّمک مچھلی۔ ۲۱: الضفدَعُ مینڈک۔ ۲۲: عَصیر نچوڑ۔ ۲۳: حیَّۃُ البریۃُ ۲۴: حیَّۃُ المائیۃُ پانی کا سانپ۔ ۲۵: دَمٌ سائلٌ بہنے والا خون۔ ۲۶: الوَزغَۃُ چھپکلی۔

تشریح کلام المصنف علیٰ طریق الاختصار

۱: اگر چہ آب مستعمل نجس ہے مگر یہاں ضرورت اور عدم تحفظ کیوجہ سے کنویں کے نجس نہ ہونیکا حکم دیا گیا ہے ورنہ یہ حکم نہ دیا جاتا لیکن چونکہ اس حالت میں احتراز مشکل اور موجب حرج ہے اس لئے ایسا کہا گیا ہے۔

۲: کنویں میں جنبی یا محدث گرگیا یا ڈول نکالنے کیلئے اترا تو پانی اور آدمی کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کا باہم اختلاف ہے اور ہر ایک نے اپنے دلائل کی بنا پر الگ موقف اختیار کیا ہے یہ ایک مشہور معرکۃ الآراء مسئلہ فقہیہ ہے جس کو صاحب کنز نے مسئلۃ البیر جُحْطٌ کے عنوان سے اجمالاً ذکر فرمایا ہے۔ اس باب میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ سے تین روایات ہیں ان میں سے دو کو مصنف المنیۃ نے ذکر فرمایا ہے اور تیسری روایت صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے۔ جن کی تفصیل بقدر ضرورت یہ ہے اگر جنبی یا محدث نے ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں غوطہ لگایا یا وہ ویسے ہی کنویں میں گرگیا یہاں جنبی کی قید اتفاقی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ خواہ صاحب جنابۃ ہو یا محدث دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور "طلب الدلو" کی قید احترازی ہے یعنی اس نے کنویں میں اترنیکے وقت غسل یا وضو کرنیکی نیت نہ کی ہو کیوں؟ اس لئے کہ اگر یہ نیت ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بالاتفاق پانی مستعمل ہوجائیگا البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک آب مستعمل نہوگا کیونکہ انکی رائے آب مستعمل ہونیکے لئے الصب یعنی جسم پر پانی انڈیلنا

اور بہانا شرط ہے صرف اتصال اور ملاقات آب کافی نہیں۔ محیط اور خلاصہ وغیرہ میں لم یتدلک کی قید مذکور ہے اگرچہ انہوں نے اسکا مفہوم نہ ذکر کیا جیسے کہ کبیری میں ہے۔ مگر مصنف کبیری کہتے ہیں کہ بظاہر اسکا مطلب یہ ہے کہ جنبی غوطہ زن نے کنویں میں ملاقات آب کیوقت تدلک فی الماء کیا تو پانی بالاتفاق مستعمل ہو جائیگا کیونکہ یہاں دلک نیت غسل کے قائم مقام ہو جائیگا تو گویا وہ شخص نیت غسل کی بناء پر اُترا تو پھر صورت مسئلہ مختلف ہو جائیگی اور ما نحن فیہ اسکا کوئی تعلق نہ رہیگا۔

اب مسئلہ مذکورہ کیطرف توجہ کیجئے کہ اس میں امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ آدمی حسب سابق جنبی ہے اور پانی بھی نجس ہو گیا ہے کیوں؟ اس لئے کہ اولا اتصال بالماء پانی مستعمل ہو گیا اور پانی مستعمل نجس ہے پھر جب یہ نجس آب اس کے اعضاء سے ملاقی ہوا تو وہ نجس ہو گئے لہٰذا اس سے حدث زائل نہ ہوا جس کی وجہ سے یہ شخص اپنی سابقہ جنابت ہی پر ہے۔ نتیجہ...... یہ نکلا کہ آدمی اور پانی دونوں ہی ناپاک رہے۔

دوسری روایت...... اگر غوطہ خور نے اتصال آب کے قوت کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا تو یہ جنابۃ سے نکل گیا خارج عن الجنابة لیکن پھر آب مستعمل کے اتصال نجس اور ناپاک ہو گیا پس اس روایت کے بموجب اگر قرآن مجید پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا (بشرطیکہ اپنی یادداشت سے پڑھے) اس لئے کہ اب وہ جنبی نہیں بلکہ حالت حدث میں پھنس گیا ہے۔

تیسری روایت...... جو صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ مرد پاک ہے اس لئے کہ پانی جب تک اعضاء سے جدا اور منفصل نہ ہو اس وقت تک مستعمل نہیں ہوتا چونکہ ابھی تک انفصال الماء عن الاعضاء نہیں ہوا اس لئے ضرورت کی بنا پر اس کو آب مستعمل نہیں قرار دیا گیا۔

قال فی الهداية وهو اوفق الروايات عنه...... امام ابو یوسف کے نزدیک مرد جنبی اور پانی پاک ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پانی مستعمل ہونے کیلئے اس کا جسم پر بہانا شرط ہے اور یہ نہیں پایا گیا لہٰذا پانی حسب سابق پاک ہے اور مرد حسب سابق جنبی ہے تیسرا مذہب امام محمد کا ہے ان کے نزدیک مرد اور پانی دونوں پاک ہیں مرد اس لئے کہ پانی کے اتصال سے وہ حدث سے نکل گیا ہے اور پانی اس لئے پاک ہے کہ اسے قربت کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا اور یہ سب اقوال اس وقت ہیں جب کہ مرد کے جسم یا کپڑے پر کوئی حقیقی نجاست نہ ہو اگر اس کے جسم پر یا کپڑے پر نجاست ہو یا اس نے بغیر پانی کے استنجاء کیا ہو تو بالاتفاق پانی ناپاک ہو جائے گا۔

نمبر۳: اگر کنوئیں میں ایک سے زائد چوہے گر جائیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک چار تک ہوں تو بیس سے تیس ڈول نکالے جائیں گے یعنی چار اور ایک کا حکم ایک ہی ہے اور اگر پانچ ہو جائیں تو پھر حکم تبدیل ہو جاتا ہے پھر چالیس سے انسٹھ ڈول تک نکالے جائیں گے یعنی چار سے زائد کا نو تک ایک ہی حکم ہے اور اگر دس چوہے گر جائیں تو سارا پانی نکالا جائے گا گویا یہ کتے کے قائم مقام ہو گئے امام محمد سے ایک روایت ہے کہ جب دو چوہے مرغی کی طرح بڑے بڑے ہوں تو چالیس ڈول نکالے جائیں اور اگر دو بلیاں گر جائیں تو سارا پانی نکالا جائے گا یہ امام ابو یوسف کے قول سے زیادہ قرین قیاس ہے۔

نمبر۴: اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ آسانی سے اس کا سارا پانی نہ نکالا جا سکے تو پھر حکم یہ ہے کہ اس میں جتنی مقدار پانی ہے وہ نکالی جائے اور اس مقدار کا اندازہ اس طرح کیا جائے گا کہ جتنا پانی ہے اتنی مقدار لمبا چوڑا گہرا گڑھا کھودا جائے اور اسے ایک مرتبہ بھر دیا جائے امام صاحب اور امام ابو یوسف سے یہی روایت ہے اور دوسرا طریقہ جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ کنوؤں کے پانی کی جو

لوگ مہارت اور بصارت رکھتے ہیں ان سے دریافت کیا جائے وہ پانی کی جتنی مقدار بتائیں اتنی مقدار نکالی جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا ہدایہ اور کافی میں یہ ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے اور فقہی قواعد وضوابط کے زیادہ مشبہ ہے امام محمد سے روایت ہے کہ اس موقع پر کنویں سے دو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں امام محمد نے یہ جواب اس لئے دیا کہ بغداد کے کنووں میں پانی زیادہ تھا جب کہ کوفہ کے کنووں میں پانی کم تھا یہی وجہ ہے کہ امام صاحب نے ایک سو ڈول نکالنے کا حکم دیا ہے یہ فیصلہ پانی کی قلت اور کثرت کی بنا پر کیا گیا لہٰذا یہ فیصلہ لوگوں کی سہولت اور آسانی پر مبنی ہے اور دو عادل مردوں کا فیصلہ زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔

نمبر۵: بطخ اور مرغابی مرغی اور پھاڑے والے پرندوں کی بیٹ مساوی حکم رکھتی ہیں اگر کپڑے پر لگ جائیں تو وہ جب تک زیادہ نہ ہوں ناپاک نہیں ہوتا اور زیادہ کی حد کپڑے کی چوتھائی حصے تک ہے البتہ برتنوں کے پانی کو ناپاک کر دیتی ہیں اسلئے کہ یہ نجس ہیں۔

نمبر۶: اگر کنوئیں سے بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائیں تو مزید طہارت کی ضرورت نہیں ڈول اور رسی بھی اسی سے پاک ہو جائے گی امام قاضی خان نے ذکر کیا ہے جب ایک دو ہاتھ پانی رہ جائے تو وہ طاہر اور مطہر ہو جائے گا اس قول میں زیادہ وسعت ہے۔

نمبر۷: خون کی علامت یہ ہے کہ اگر اسے دھوپ میں ڈالا جائے تو خشک ہونے پر وہ سیاہ ہو جائے تو بعض جانوروں میں جن کا ذکر عبارت میں آ گیا ہے اس طرح کا خون نہیں ہوتا لہٰذا ان سے پانی ناپاک نہیں ہوتا البتہ اگر وہ دوسرے مشروبات یا مطعومات میں مرجائیں تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ مچھلی سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی مینڈک اگر شیرہ وغیرہ میں گر کر مرجائے تو اس میں متاخرین علماء کا اختلاف ہے اکثر کی رائے یہ ہے کہ وہ ناپاک ہو جائے گا ہدایہ میں ہے کہ اس کی وجہ اس کا غیر محل میں مرنا ہے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے مرنے سے شیرہ ناپاک نہ ہوگا کیونکہ اس میں خون نہیں ہوتا کیونکہ جس چیز میں خون ہو وہ پانی میں نہیں رہ سکتی بعض نے دریائی اور جنگلی مینڈک کو برابر کہا ہے لیکن بعض نے جنگلی مینڈک سے ناپاک ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان میں خون ہوتا ہے اور دریائی مینڈک وہ ہوتا ہے جو پانی ہی میں پیدا ہوا اور اسی میں رہے اسیجابی نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ بعض جانور پانی میں رہتے ہیں اور ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا اگر وہ پانی میں مرجائیں اور پھول جائیں یا پھٹ جائیں تو اس پانی کا پینا مکروہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے حرام اجزاء دوسرے اجزاء سے مل گئے ہیں مصنف نے جنگلی سانپ اور دریائی سانپ میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر دریائی سانپ بڑا ہوا اور اس میں بہتا خون ہو تو اس کے مرجانے سے پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن مصنف کا یہ کہنا صحیح نہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ درحقیقت اس میں خون نہیں ہوتا اس لئے کہ ہدایہ اور کافی کے حوالے سے یہ گزر چکا ہے کہ خون والی چیز پانی میں نہیں رہ سکتی دریائی مینڈک اور جنگلی مینڈک میں فرق یہ ہے کہ دریائی مینڈک کی انگلیوں کے درمیان پردہ ہوتا ہے جبکہ جنگلی مینڈک میں یہ پردہ نہیں ہوتا۔

پس خوردہ سے متعلق احکام

فصل فی الاسار سؤر الآدمی طاهر سواء کان مسلما او کافراً او جنبًا او حائضا او نفساء او محدثا او طاهرا و سؤر ما یؤکل لحمه طاهر کالابل والبقر والغنم و اما سؤر الفرس فعن ابی حنیفة فیه اربع روایات فی روایة نجس و فی روایة مشکوک و فی

رواية مكروه و في رواية طاهر و عندهما طاهر بلا شك و به اخذ بعض المشائخ و سؤر الكلب والخنزير و سباع البهائم نجس و سؤر سباع الطير و ما يسكن في البيوت مثل الحية والعقرب والوزغة والفارة والدجاجة المخلاة والهرة مكروه وان امكت الهرة الفارة ثم شربت المآء ثم شربت الماء على الفور يتنجس الماء و ان مكثت ساعة ولحست فمها فمكروه و سؤر الحمار والبغل مشكوك فيه و عرق كل شيء معتبر بسؤره الا ان عرق الحمار طاهر بلا شك عند ابي حنيفة في الروايات المشهورة كذا ذكره القدوري و قال شمس الائمة الحلواني نجس الا انه جعل عفوا في الثوب والبدن للضرورة و لبن الاتان نجس في ظاهر الرواية و عن محمد انه طاهر و لكن لا يوكل وهو الصحيح و ان اصاب الثوب او البدن شيء من السؤر المكروه لا يمنع الصلوٰة و ان فحش و ان اصاب الثوب شيء من السؤر المشكوك لا يمنع ايضا وروى عن ابي يوسف انه قال يمنع ان فحش والصحيح ان الشك في طهوريته لا في طهارته و ان اصاب شئٌ من السؤر النجس يمنع جواز الصلوٰة اذا زاد على قدر الدرهم و الاصل فيه ان النجاسة الغليظة اذا كانت قدر الدرهم او دونه فهي عفو لا تمنع عندنا و عند زفر و الشافعي يمنع و ان قلت و ينبغي ان يغسل و ان كانت اقل من قدر الدرهم حتى ان الثوب اذا اصابته من النجاسة الغليظة اقل من قدر الدرهم و لم يغسلها ثم اصابته منها مقدار ما لو جمعت بتلك النجاسة يصير اكثر من قدر الدرهم منعت جواز الصلوٰة بالاجماع

فصل مختلف جوٹھوں کے احکام

مسئلہ۱: آدمی کا جوٹھا پاک ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر جنبی یا حیض نفاس والی عورت ہو یا بے وضو یا پاک آدمی ہو۔

مسئلہ۲: جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا جوٹھا پاک ہے جیسے اونٹ گائے اور بکری وغیرہ لیکن گھوڑے کے جوٹھے میں امام ابو حنیفہ سے چار قول مروی ہیں ایک میں نجس ہے دوسرے میں مشکوک ہے تیسرے میں مکروہ ہے اور چوتھے میں پاک ہے البتہ صاحبین کے نزدیک بلاشبہ پاک ہے اور بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے کتے، سور اور پھاڑنے والے جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے اور پھاڑنے والے پرندوں اور جو جانور گھروں میں رہتے ہیں ان کا جوٹھا مکروہ ہے جیسے باز، شکرہ، شاہین، اور جیسے

سانپ، بچھو، چوہا، چھپکلی، بلی اور عام پھرنے والی مرغی وغیرہ۔

مسئلہ: اگر بلی نے چوہا کھایا پھر فوراً پانی پیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر وہ کچھ دیر ٹھہری اور اس نے اپنے منہ کو چاٹا تو پھر پانی مکروہ ہوگا خچر اور گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے اور ہر چیز کا پسینہ اس کے جوٹھے کے لحاظ سے ہے یعنی جو حکم اس کے جوٹھے کا ہے وہی اس کے پسینے کا ہوگا سوائے گدھے کے کہ اس کا پسینہ امام ابوحنیفہ کی مشہور روایت میں پاک ہے مصنف قدوری نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

لیکن شمس الائمہ نے فرمایا کہ گدھے کا پسینہ ناپاک ہے لیکن ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے کپڑے اور جسم میں قابل معافی ہے۔

مسئلہ۳: گدھی کا دودھ ظاہر روایت میں ناپاک ہے لیکن امام محمد کی روایت میں پاک ہے مگر اسے استعمال نہ کیا جائے یہی صحیح ہے۔

مسئلہ۴: اگر مکروہ جوٹھا کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو مانع نماز نہیں اگر چہ زیادہ ہو اور اسی طرح اگر مشکوک جوٹھا کپڑے کو لگ جائے تو یہ بھی مانع صلوٰۃ نہیں امام ابویوسف سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب یہ زیادہ ہو تو نماز پڑھنے سے روک دے گا اس وجہ سے کہ یہ نجاست خفیفہ رکھتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کے پاک کرنے میں شک ہے پاک ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر نجس جوٹھا کسی کپڑے کو لگ جائے تو اس کی موجودگی میں نماز جائز نہ ہوگی جب کہ درہم کی مقدار سے زیادہ ہو جیسے کتے وغیرہ کا جوٹھا۔

مسئلہ۵: ایک فقہی قاعدہ...... اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ نجاست غلیظہ جب درہم یا اس سے کم مقدار ہو تو وہ معاف ہے ہمارے نزدیک نماز پڑھنے سے مانع نہیں لیکن امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک جواز صلوٰۃ کیلئے مانع ہے اگر چہ تھوڑی ہو لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسے دھولیا جائے۔

مسئلہ۶: اگر نجاست غلیظہ مقدار درہم سے کم ہو اور یہ کسی کپڑے کو لگ جائے اور اس نے اسے نہ دھویا ہو پھر دوبارہ نجاست غلیظہ اتنی مقدار لگ گئی کہ اگر دونوں کو جمع کیا جائے تو یہ درہم کی مقدار سے زیادہ ہو جائے تو یہ بالاتفاق نماز جائز ہونے سے مانع ہے۔

چند لغات اور مفردات کی وضاحت جو گزشتہ عبارت میں ذکر کیے گئے ہیں۔

۱- الاسار یہ سؤر بحرف الہمزہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ہر مشروب و مطعوم کا بقیہ حصہ اور اکثر و بیشتر بمعنی جوٹھا استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ۲- حائض یا حائضہ مہواری خون والی عورت جس میں حائضہ کیلئے نماز روزہ اور طواف کعبہ اور دوسری کسی مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اور اس حالت میں مرد بھی اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ ۳- نفساء صرف اول پر ضمہ یا فتحہ اور دوم پر فتحہ یا جزم ہے بمعنی خون نفاس والی عورت اس کا تثنیہ نفساوان اور جمع نفاس نفس نفاس نوافس نفساوات۔ (المنجد عربی اردو صفحہ ۱۰۳۶) نفاس وہ خون جو بچہ پیدا ہونے کے بعد عورتوں کو آتا ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو حیض کا ہے۔ ۴- الفرس گھوڑا۔ ۵- سباع البهائم اس میں سباع کا واحد سبع ہے بمعنی درندہ یعنی پھاڑنے والا اور بہائم اس کا واحد بھیمۃ ہے یعنی بے زبان چوپائے یہاں مراد پھاڑنے اور چیرنے والے جانور ہیں۔

۶- سباع الطیور یہ طیر کی جمع ہے یعنی پھاڑنے والے پرندے باز اور شکرہ وغیرہ۔ ۷- مایسکن فی البیوت گھروں میں رہنے والے جانور۔ بیوت: بیت کی جمع ہے بمعنی گھر۔ ۸- الحیۃ سانپ جمع حیات ہے۔ ۹- العقرب بچھو عقارب جمع ہے۔ ۱۰- الفارۃ چوہا جمع فارات وغیرہ ہے۔ ۱۱- السوزغۃ چھپکلی اس کی جمع وزغ وازغ اوزاغ وازغان اور رازغانی وغیرہ آتی ہے۔ (المنجد عربی اردو صفحہ ۱۰۸۲) ۱۲- الهرۃ بلی اس کی جمع هرر اور الهر بلا، اس کی جمع هررۃ بعض کے نزدیک هر کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے هرۃ کی تصغیر

ریرۃ ہے پس اسی ایک مشہور مدنی صحابی کی کنیت "ابو ھریرۃ" ہوئی بایں وجہ کہ وہ بلیاں رکھتے اور پالتے تھے۔۱۳- الدجاجۃ المخلات گلی پھرنے والی مرغی۔۱۴- لحست بلی یا اور کسی مادہ کا اپنا منہ چاٹنا لحسّ چاٹنا۔۱۵- البغل جمع بغال خچر۔۱۶- الحمار بے نقطہ حاء کیساتھ گدھا جمع حمیر۔۱۷- عرق (زبر کے ساتھ) پسینہ اگر کسرہ حرف اول ہو تو بمعنی رگ جڑ وغیرہ۔۱۸- الاتان گدھی مادہ خر۔

۱۹- طھوریۃ پاک کرنے والا ہونا اس میں صرف یاء برائے فاعلیت ہے۔۲۰- قلت اقل دونوں کا مادہ قلت ہے جس کے معنی ہیں کم ہونا اور کمی وغیرہ تقلیل۔کم کرنا۔۲۱- جمعت صیغہ ماضی مجہول ماخوذ من الجمع نجاست جمع کی جائے۔۲۲- یصیر صیغہ مضارع مصدر صیرورۃ پس معنی مضارع وہ ہوجائے اور معنی مصدری ہوجانا۔۲۳- منعت من المنع وہ نجاست روک دے المنع روکنا۔

۲۴- الاجماع اتفاق کرنا یہاں ائمہ کرام کا کسی مسئلہ پر اتفاق کرنا مراد ہے۔

تشریح کلام المصنف وتوضیحہ

۱) سور......جوٹھا قال فی الصغیری المراد بہ مابقی بعد شرب الشارب وقد یطلق علی بقیۃ الطعام(اھ) یعنی اس فصل میں (سور) سے وہ چیز مراد ہے جو کسی پینے والے کے پینے کے بعد برتن میں رہ جائے یعنی بقی مشروب اور کبھی اس کا اطلاق بقیہ طعام پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باقی ماندہ چیز جوٹھا ہی تو ہوتا ہے۔

اس فصل کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور مسلمان خواہ جنبی اور حیض نفاس والی عورت کیوں نہ ہو ان سب کا بقیہ اور جوٹھا پاک ہے اس کی وجہ انسان کی شرافت، بزرگی اور کرامت وتوقیر ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے لقد کرمنا بنی آدم الخ یقیناً ہم نے اولاد آدم کو کرامت وبزرگی سے نوازا ہے۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں آدمی کا لعاب پاک ہے اس لئے کہ وہ پاک گوشت سے متوار ہوا ہے اور جو چیز کسی پاک چیز سے متوار اور ظہور پزیر ہو وہ پاک ہوا کرتی ہے بشرطیکہ اسمیں کوئی اور مانع نہ پیدا ہوگیا ہو جیسے انگور کہ وہ خود پاک ہے مگر اس سے جو شراب تیار ہوتی ہے وہ ناپاک ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب میں ایک زائد مانع پیدا ہوگیا ہے اور وہ نشہ ہے جس نے اس کو نجس اور رجس قرار دیدیا ہے لیکن صورت مانحن فیہ میں کوئی زائد مانع نہیں ہوا جو طاہر گوشت سے پیدا ہونے والے جوٹھے کو نجس بنادے۔

س: قرآن مجید میں مشرکین کے بارے میں آیا ہے "انما المشرکون نجس" یعنی شرک کرنے والے گندے اور ناپاک ہیں لہٰذا کسی کافر ومشرک کے جوٹھے کو کیسے پاک قرار دیا جاسکتا ہے؟

ج: آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شرک کی گندگی کی وجہ سے معنوی طور پر ناپاک ہیں یعنی ان کا باطن اور اندرون ناپاک ہے پس یہ مطلب نہیں کہ اس کے ظاہری اجسام کسی نجاست سے آلودہ اور لت پت ہیں ورنہ تو کوئی مسلمان کسی مشرک کو ہاتھ دے یا اس کے جسم سے ملاقی ہو تو وہ اس کی ظاہری نجاست سے آلودہ اور ملوث ہوجائے حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا پس عقیدہ شرک وکفر کی نجاست ایک معنوی اور اندروی خباثت اور نجاست ہوا کرتی ہے کہ جس کا ظاہری کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں ہوتا۔اور کسی چیز کے پاک اور ناپاک ہونے کا تعلق صرف ظاہری گندگی اور نجاست سے ہوا کرتا ہے لہذا ظاہر کے لحاظ اور اعتبار سے کافر اور مسلم میں کوئی فرق نہیں لہذا دونوں کے جوٹھے کا ایک ہی فقہی حکم ہے قال فی الکبیری:

ھو شرح مبسوط علی المنیۃ وایضا ھما الصغیری والکبیری لمصنف واحد وھو ابراھیم بن محمد

الحلبی کما ھو مذکور فی الکتب اذ حرمته الانسان لکرامته لا لنجاسته وقوله انما المشرکون نجس المراد انھم ذو نجاسته معنویة(فلا اثر علی الظاھر) وھو الشرک او انھم متلبسون بالنجاسة لعدم تطھرھم من الجنابة وغیرھا فجعلھم کانھم عین النجاسة مبالغة فی تلبسھم بھا ولیس المراد حقیقة نجاسة ذو اتھم بالاجماع حتی لو حمل کافرا غیر ملوث بنجاسة وصلیٰ به جاز صلوته کما لو حمل جنبا او حائضا (اھ) (حاشیہ صغیری ماخوذ از کبیری)

خلاصہ عبارت......آیت مبارکہ میں نجاست سے اندرونی اور باطنی نجاست مراد ہے یعنی خبث عقیدہ مراد ہے یا ہر وقت تلبس بالنجاستہ کی وجہ سے انہیں مبالغتاً عین نجاست قرار دیا گیا ہے اور یہ حقیقت نہیں بلکہ مبنی بر مبالغہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایسے کافر کو اٹھا کر نماز پڑھے کہ جس پر بظاہر کوئی نجاست نہ ہو تو اس کی نماز جائز ہوئی اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ مشرک کی نجاست سے مراد معنوی نجاست ہے ظاہری نجاست نہیں علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ اگر کافر نے شراب پی کر فوراً پانی وغیرہ پیا تو اس وجہ سے اس کا جوٹھا ناپاک ہوگا لیکن اگر کچھ دیر کے بعد جب کہ شراب کا اثر زائل ہو جائے پانی پئے تو پھر شیخین کے نزدیک اس کا جوٹھا ناپاک نہ ہوگا البتہ امام محمد کا اس میں اختلاف ہے یعنی امام محمدؒ اسے ناپاک قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۲......جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا جوٹھا بالاتفاق پاک ہے کیوں؟ اس لئے کہ ان کا گوشت پاک ہے اور جوٹھے کا تعلق گوشت سے ہوتا ہے رہا گھوڑے کا جوٹھا تو اس کے بارے میں محیط میں امام ابوحنیفہ سے چار روایتیں مروی ہیں لیکن مصنف نے جو نجاست والی روایت امام صاحب کی طرف منسوب کی ہے وہ مصنف کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کی بلکہ محیط میں یہ روایت آتی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک گھوڑے کے جوٹھے پانی کے علاوہ دوسرے پانی سے وضو کرنا زیادہ پسندیدہ ہے یہ امام صاحب سے تلجی نے یہ روایت ذکر کی ہے اور اس کے بارے میں ایک مشکوک ہونے کی روایت ہے گویا اس میں گھوڑا اور گدھا برابر ہیں اور ایک روایت مکروہ ہونے کی ہے یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے اور ایک روایت پاک ہونے کی ہے یہی مذہب حنیفہ کے مطابق صحیح ہے کیونکہ گھوڑے کا نہ کھانا اور اس کی کرامت اور آلۂ جہاد ہونے کی وجہ سے ہے پس اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں یہی وجہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وہ بلاشبہ پاک ہے کیونکہ اس کا گوشت پاک ہے مصنف کا یہ کہنا کہ بعض مشائخ نے اس کے جوٹھے کے پاک ہونے کو اختیار کیا ہے یہ ٹھیک نہیں بلکہ جملہ متاخرین کا یہی مذہب ہے کتا، سور اور دیگر تمام پھاڑنیوالے جانوران سب کا جوٹھا بالاتفاق نجس ہے اس لئے کہ ان کا گوشت ناپاک ہے البتہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا اس میں اختلاف ہے امام مالک تو سب کے جوٹھے کو ناپاک نہیں کہتے جب کہ امام شافعی اور امام احمد کتے اور سور کے علاوہ باقی کو ناپاک نہیں کہتے ہیں۔

پھاڑنے ولاے پرندوں اور گھروں میں رہنے والے جانوروں کا جوٹھا مکروہ ہے یعنی اگر دوسرا پانی موجود ہو تو ان کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے میں کراہت ہے اسی طرح اس کا پینا مکروہ تنزیہی ہے اور مرغی اگر باندھی ہوئی ہو کہ اس کی چونچ گندگی تک نہ پہنچے تو اس کا جوٹھا مکروہ نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک بلی کا جوٹھا بھی مکروہ نہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ وضو کر رہے تھے تو بلی آئی تو آپ ﷺ نے وضو کے برتن سے اسے پانی پلایا اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ گھومنے والے جانوروں میں سے ہے ابوقتادہ سے بھی یہی مروی ہے اگر بلی چوہا کھا کر فوراً پانی پئے تو پانی کی نجاست کا حکم ہوگا شیخین کے نزدیک یہی ہے البتہ امام محمدؒ اس سے اختلاف رکھتے ہیں گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے بعض کا خیال یہ ہے کہ اس کی طہارت میں شک ہے جب کہ بعض کی رائے ہے کہ اس کے پاک کرنے میں شک ہے اور یہی

زیادہ صحیح ہے اور اسی طرح ہر چیز کا پسینہ اس کے جوٹھے کے اعتبار سے ہے لہٰذا جس کا جوٹھا پاک ہے تو پسینہ بھی پاک ہے نجس ہے تو پسینہ بھی نجس ہے جوٹھا مکروہ ہے تو پسینہ بھی مکروہ ہے البتہ گدھے اور خچر کا پسینہ بلا شبہ پاک ہے امام صاحب سے مشہور روایت یہی ہے اور دوسری روایات اس کے خلاف ہیں لہذا روایات باہم متعارض اور متضاد ہیں پس قوت دلیل کی بنا پر کسی ایک روایت کو راجح کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ۳...... گدھی کا دودھ ظاہر روایت کے مطابق ناپاک ہے یعنی ہمارے تین اماموں کا یہی فیصلہ ہے البتہ امام محمد کی روایت کے مطابق پاک ہے لیکن اسے بطور خوراک نہ استعمال کیا جائے یہی صحیح ہے علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ صرف مصنف نے اسے صحیح قرار دیا ہے ورنہ صحیح یہ ہے کہ وہ نجس ہے۔

مسئلہ۴...... اگر مکروہ جوٹھا کسی کپڑے کو لگ جائے تو مانع صلوٰۃ نہیں اگر چہ زیادہ ہو یعنی دیکھنے والے زیادہ سمجھیں لیکن ایسے کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں اگر بلی کسی کے جسم یا کپڑے کو چاٹے پھر یہ اسے بغیر دھوئے نماز پڑھے تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے بعض نے کراہت تحریمی کا بھی لکھا ہے یعنی امام کرخی کراہت تنزیہی کے قائل ہیں جب کہ امام طحاوی کراہت تحریمی کے قائل ہیں مشکوک جوٹھے کا بھی یہی حکم ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر مشکوک جوٹھا زیادہ کپڑے یا جسم سے لگ جائے تو مانع نماز ہے کیونکہ یہ نجاست خفیفہ ہے مصنف فرماتے ہیں اس کے طاہر ہونے میں شک نہیں بلکہ اس کے مطہر ہونے میں شک ہے لہٰذا اگر زیادہ بھی لگ جائے تو نماز پڑھنے سے مانع نہیں۔

مسئلہ۵...... امام شافعی اور امام زفر کی طرح امام مالک اور امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے کہ نجاست اگر چہ تھوڑی ہو وہ مانع صلوٰۃ ہے گویا انہوں نے قلیل اور کثیر میں فرق نہیں کیا اور دونوں کو ایک ہی درجہ رکھ کر حکم لگایا۔

مسئلہ۶...... اس مسئلے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کپڑے کی کسی ایک جگہ درہم کی مقدار سے کم نجاست لگ جائے پھر کسی دوسری جگہ کچھ مقدار لگ جائے تو اگر دونوں کو جمع کیا جائے تو قدرے درہم سے زیادہ ہو جائے تو یہ بالاتفاق نماز جائز ہونے سے مانع ہے لہذا ایسی صورت میں اس کپڑے کے ساتھ نماز نہ ادا کی جائے۔

ہاں اگر مجبوری اور اضطرار ہو تو الگ بات ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس مشہور و معروف قاعدہ مسلم عند الفقہا ئیہ یہ عمل کیا جائے گا جو کہ یہ ہے الضرورات تبیح المحظورات یعنی کسی ضرورت اور مجبوری کے وقت ممنوعات مباح ہو جاتی ہیں چونکہ دین کی بنیاد اور اساس یسر اور سہولت پر ہے اور قرآنی ارشاد ما جعل علیکم من حرج بھی اسی کی تائید و توثیق کرتا ہے لہذا ایسے مواقع میں اسی نوع کے قواعد وضوابط کو بروئے کار لاتے ہوئے لوگوں کی آسانی پیش نظر عمل کیا جائے گا۔

ناپاک تیل کے احکام

و قد روی عن ابی حنیفة انه غسل ثوبهٗ من قطرة دم اصابته ثم الدرهم هو الدرهم الشهليلی وهو مثل عرض الكف قال ابو جعفر يقدر بالوزن فی النجاسه المتجسدة كالعذرة و بالبسط والعرض فی النجاسة الرقيقة كالبول والخمر و ان اصابه دهن

نجس اقل من قدر الدرهم ثم انبسط صار اكثر من قدر الدرهم قال بعضهم يعتبر وقت الاصابة فلا يمنع و قال بعضهم يعتبر وقت الصلوٰة وح يمنع و به يؤخذ و ان اصاب الدهن النجس الجلد و تشرب او ادخل يده في السمن النجس او المرأة اذ اختضبت بالحناء النجس او الثوب اذ اصبغ بالصبغ النجس ثم غسل ثلث مرات طهر الجلد و الثوب و اليدوان بقي اثر الدهن و الصبغ و الخضاب و ما تشرب الجلد فهو عفو و ذكر في المحيط يطهر الثوب بشرط ان يغسل حتى يصفوا الماء و يسيل منه الماء الا بيض و ان غسل بغير حُرُض و لا صابون الا ترى الى ما روى عن ابي يوسف في الدهن النجس اذا جعل الدهن في اناء فصب عليه الماء فيعلو الدهن فيرفع بشيء هكذا حتى اذا فعل ثلث مرات يحكم بطهارة الدهن و ذكر في الذخيرة رجل ادهن رجليه ثم توضأ و غسل رجليه فلم تقبل الرجل الماء جاز وضوءه

ترجمہ عبارت مذکورہ

مسئلہ ۱......امام اعظم کا تقویٰ اور ورع۔ امام ابوحنیفہ سے روایت کی گئی کہ آپ کے کپڑے پر خون کا ایک قطرہ لگ گیا تو آپ نے کپڑے کو دھویا۔ (پس کپڑا صاف کرکے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی)

مسئلہ ۲......درہم کی تفصیل و تحقیق۔ فقہی مسائل میں جو بار بار درہم کا ذکر آتا ہے اس سے کون سا درہم مراد ہے (مصنف فرماتے ہیں) اس سے درہم شہلیلی مراد ہے اور وہ ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر ہوتا ہے امام ابوجعفر ہندوانی نے فرمایا اگر نجاست جسم رکھتی ہو تو وزن کا اعتبار اور لحاظ کیا جائے گا جیسے پاخانہ، لید، خون اور منی وغیرہ۔ اور اگر نجاست پتلی ہو (یعنی گاڑھی نہ ہو) جیسے شراب اور پیشاب وغیرہ تو پھر اسکے پھیلاؤ اور چوڑائی کا اعتبار ہوگا۔

مسئلہ ۳......نجس اور ناپاک تیل کا حکم۔ جز اول (۱): اگر کسی کپڑے کو ناپاک تیل قدرے درہم سے کم مقدار لگ جائے اور پھر وہ پھیل جائے یہاں تک کہ درہم کی مقدار سے زیادہ ہو جائے (تو کیا حکم ہے) بعض کے نزدیک اس کے لگ جانے کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا لہٰذا وہ مانع صلوٰۃ نہ ہوگا (اس لئے کہ جب لگا تھا اس وقت اس کی مقدار درہم سے کم تھی) اور بعض نے فرمایا کہ نماز کے وقت کا اعتبار ہوگا (یعنی اس وقت اس کی مقدار کیا تھی) اگر بوقت نماز پھیل کر قدر درہم سے زیادہ ہو گیا ہو تو پھر مانع عن الصلوٰۃ ہوگا اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔

جز دوم (۲): اگر ناپاک تیل کسی پاک چمڑے کو لگ جائے اور کچھ اس میں جذب ہو جائے یا کسی نے اپنا ہاتھ ناپاک گھی میں ڈالا۔ جز سوم (۳): یا کسی عورت نے ناپاک مہندی لگائی۔ جز چہارم (۴): یا کوئی کپڑا ناپاک رنگ میں رنگ دیا

گیا (تو ان چاروں صورتوں میں انہیں شرعی طور پر کیسے پاک کیا جائے گا تو مصنف فرماتے ہیں) انہیں تین مرتبہ دھولیا جائے تو چمڑا ہاتھ اور کپڑا تینوں پاک ہو جائیں گے اگر چہ تیل رنگ اور مہندی کا اثر (زائل نہ ہو) بلکہ باقی رہے۔

اور جو حصہ چمڑے میں جذب ہو گیا وہ معاف ہے۔ (یعنی اس پر منفی اور مثبت کوئی حکم نہ لگایا جائے گا بلکہ کالعدم قرار دیا جائے گا اور درجۂ عضوٗ میں رکھا جائے گا)

اور (کتاب) محیط میں ذکر کیا گیا ہے کہ ناپاک کپڑا پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسے دھولیا جائے کہ پانی صاف ہو جائے اور اس سے سفید پانی برآمد ہو اگر چہ بغیر اشنان ہی دھویا جائے۔ کیا امام ابو یوسف کی اسی روایت کی طرف تمہارا دھیان نہیں گیا کہ جس میں انہوں نے فرمایا اگر ناپاک تیل کسی برتن میں ڈالا جائے پھر اس پر پانی بہایا جائے کہ تیل اوپر چڑھ آئے پھر اسے کسی چیز سے اتار لیا جائے یونہی تین مرتبہ کیا جائے تو تیل پاک ہو جانے کا حکم دیدیا جائے گا۔ (کتاب) ذخیرہ میں مذکور ہے کسی شخص نے اپنے دونوں پاؤں کو تیل لگایا پھر وضو کیا اور دونوں پاؤں دھوئے لیکن انہوں نے پانی قبول نہ کیا (یعنی عام حالات میں جس طرح پانی سے اعضاء تر بتر ہو گئے ہیں یوں پاؤں تر نہ ہوئے) تو وضو جائز ہو گا۔

...دات کی وضاحت

...دم خون جمع دماء۔ ۲- درهم (پہلا حرف مکسور دوسرا ساکن اور تیسرے پر فتحہ یا کسرہ ہے یعنی دِرْهَمٌ اس کو دِرْهِمٌ بھی کہتے ہیں یہ لفظ ...ی ہے چاندی کا ہے سکہ جس کا وزن (۱/۸) اونس ہوتا ہے اس کی جمع دراہم آتی ہے موازین کی اصطلاح میں دراہم کے معنی مطلقا نقود ...ہیں۔ (المنجد صفحہ ۳۲۱) ۳- شهـلـيـلـسـى یہ کسرے شین کیساتھ شہلیل کی طرف منسوب ہے جو ایک جگہ کا نام ہے۔ (صغیری) ...- المتجسدة جسم رکھنے والی چیز۔ ۵- سرقين لید یہ سرگین کا معرب ہے۔ ۶- دهن تیل۔ ۷- انبسـط وہ پھیل جائے۔ ...- تشـرب جذب کرلے۔ ۹- سمن گھی۔ ۱۰- اختضبت عورت نے خضاب کیا یعنی رنگ لگایا۔ ۱۱- الحـنـاء مہندی۔ ...- صبـغ رنگ لگایا گیا الصبغ: رنگ یا رنگ کرنا۔ ۱۳- خضاب رنگ۔ ۱۴- يصفو صاف ہو جائے۔ ۱۵- يسيل بہنے لگے۔ ...- الابيض سفید۔ ۱۷- حرض اشنان لانا ایک خوشبودار گھاس ہے جس کو بطور صابن استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۸- يعلو بلند ہو جائے ...پر آ جائے۔ ۱۹- ادهن اس نے تیل لگایا۔ ۲۰- الرجل پاؤں۔

...ریح و توضیح کلام مصنف

۱...... کپڑے پر خون کا ایک قطرہ لگ جانے سے حضور امام ابو حنیفہ کا کپڑے کو دھونا باوجود یکہ ان کے نزدیک نجاست غلیظہ بقدر ...ہم قابل مواخذہ نہیں بلکہ معاف ہے اس کی وجہ امام صاحب کا تقویٰ و ورع اور آداب شریعت کی محافظت اور دقائق تقویٰ کی ...سائی اور عرفان ہے کیونکہ متقی اور صاحب ورع لوگ فرائض کے علاوہ سنت و مستحب کو بھی ترک نہیں کرتے۔ بلکہ ہر موقع پر آداب ...یعت کا پورا لحاظ رکھتے ہیں گویا ایک فتوی ہے اور دوسرا تقوی پس عام لوگوں کیلئے تو فتویٰ ہوتا ہے مگر انتہائی خواص کے پیش نظر تقوی ...اکرتا ہے اور امام اعظم تو اخص الخواص میں سے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے فہم دین اور بصیرت شریعت کیلئے منتخب فرمایا ہے اس لئے ...پ نے یہاں فتوی کے بجائے اپنے عظیم الشان مرتبہ اور علو درجہ کے مطابق تقوی پر عمل کیا ہے ہر کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگ پیدا

فرمائے ہیں:

(واللہ یختص برحمتہ من یشاء ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشند

امام صاحب کی احتیاط، تقوی وورع کے بے شمار واقعات اور حکایات سیرت نگار حضرات نے آپ کی سیرت کے ضمن میں پوری بسط و سے بیان فرمائے ہیں کاش یہاں ان کے درج کرنے کا موقع اور محل نہیں شائقین حضرات کو سیرت امام اعظم کے موضوع پر جو مطبوعہ کتابیں م ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہئے اگر زندگی ہوئی تو اس موضوع پر مستقل کتاب تصنیف کرنے کا انشاء اللہ تعالیٰ ارادہ ہے۔

(صغیری و کبیری بر حاشیہ صغیری صفی

۲......یہاں درہم سے مراد درہم شہلیلی ہے شہلیل ایک جگہ کا نام ہے جہاں یہ عام طور پر رائج اور لوگوں کے زیر استعمال تھا اس اس کا اعتبار اور لحاظ کیا گیا ہے۔ اور اس کی چوڑائی ہتھیلی کے برابر ہوتی ہے یہاں ہتھیلی سے وہ جگہ مراد ہے جو انگلیوں کے اندر ایک گ معمولی سا گڑھا ہوتا ہے گویا اس کے برابر چوڑائی ہونی چاہئے فقیہ ابو جعفر ہندوانی فرماتے ہیں کہ نجاست دو نوع کی ہوتی ہے (ایک گاڑھی جو جسم اور جرم رکھتی ہے جیسے پاخانہ وغیرہ۔ (دوسری) پتلی پانی کی طرح جو جسم نہیں رکھتی پس دونوں کا الگ الگ طریقہ سے اعت کیا جائے گا۔

اگر پہلی قسم ہو تو بلحاظ وزن درھم اس کا اعتبار ہوگا یعنی ایک مثقال وزن ہو یعنی تقریبا (عرفا مثقال تقریبا ڈیڑھ درہم کے برابر ہوتا اور کبھی اس سے کم اور زیادہ بھی ہوتا ہے۔) (المنجد عربی اردو صفحہ ۱۲۶) ڈیڑھ درہم وزن ہو اور اگر دوسری قسم ہو تو پھر پھیلاؤ اور چوڑائی د جائے گی جیسے شراب، پیشاب، بہتا خون وغیرہ پس نجاست کثیف میں نجاست کا وزن معتبر ہے جب کہ رقیق (پتلی) میں اس کے محل اعتبار ہوگا۔

۳......اس میں چار مسائل کا آخر تک بیان ہے کچھ تو مستقل ہیں اور کچھ ذیلی ہیں جو چار ہی کے ضمن اور ذیل میں بوجہ تشابہ آتے ہیں مثلاً پہلا جز......اگر کسی کپڑے پر ناپاک تیل لگ گیا اور رسائی کے وقت اس کی مقدار درہم سے کم تھی پھر پھیل کر مقدار درھم سے زیا ہو گیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ وقت اصابۃ کا اعتبار ہے لہذا مانع صلوۃ نہیں اس لئے کہ لگنے کے وقت ا کی مقدار درہم سے کم تھی اگر چہ بعد میں پھیل کر مقدار بڑھ گئی لہذا اس سابقہ وقت کے مطابق مقدار کم ہونے کی وجہ سے مانع نماز نہیں لہذ تیل سے آلودہ شدہ کپڑے کیساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز کے وقت کا اعتبار ہے چونکہ پھیلاؤ کی وجہ سے اب اس کی مقدار زائد از درہم ہو گئی ہے لہذا اب موجودہ لحاظ سے مانع عن الصلوۃ ہے۔ پس اس دوسرے قول پر عمل کیا جائے گا کیوں؟ اس لئے کہ نماز کے وقت اس کی مساحت (پیمائش) درہم سے زائد ہو گئی ہے لہذا وہ کپڑا نماز پڑھنے سے مانع ہے۔ لیکن انبساط سے پہلے جو نما پڑھی گئی وہ جائز ہے اس لئے کہ اس وقت اس کی مقدار کم تھی۔

جز دوم......اگر ناپاک تیل کسی چمڑے کو لگ گیا اور کچھ اس چمڑے میں بوجہ سرایت جذب ہو گیا۔

جز سوم......کسی آدمی نے اپنا ہاتھ ناپاک (یا دیگر ناپاک روغنیات میں) ڈالا۔

جز چہارم...... کسی عورت نے ناپاک مہندی لگائی (یا اور کوئی ناپاک چیز اس کے جسم پر لگ گئی) یا کسی ناپاک رنگ کیساتھ کوئی کپڑا رنگ یا ان سب کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ کو تین مرتبہ دھویا جائے تو وہ سب پاک ہو جائیں گی (تین مرتبہ دھونے کی لحاظ غلبہ ظن ہے عموماً تین بار دھونے سے اشیاء کے پاک ہونیکا غالب گمان ہو جاتا ہے ورنہ معتبر ہے تین مرتبہ نہیں بلکہ غلبۂ ظن ہے کہ حاشیہ صغیری میں مذکور ہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر اثر زائل نہ ہو بلکہ بدستور باقی ہے تو پھر کیسے کیا جائے گا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیل کی چکناہٹ اور اسی طرح مہندی کا اثر اور رنگ کا نشان اگر چہ یہ سب زائل نہ ہوں تو کچھ مضائقہ اور حرج نہیں اس لئے کہ قاعدہ مقررہ یہ ہے الذی یشق زوالہ لا یضرہ بقاءُہٗ یعنی جس کا زوال مشکل اور دشوار ہو اس کا بقاء شرعاً کچھ مضر اور نقصان دہ نہیں لہٰذا رنگ وغیرہ کا بقا حصول مقصد میں مانع نہیں تفسیر المشقۃ ان یحتاج فی ازالتہ الی شی آخر سوی الماء فالصابون ونحوہ لان الالۃ المعدۃ لقلع النجاسۃ الماء فاذا احتیج الیٰ شی آخر یشق علی الناس فلا یکلف بالجماعۃ بہ (شرح ملتقیٰ بہ حاشیہ صغیری صفحہ ۹۵) تعسر اور مشقتہ کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے علاوہ ازالہ کیلئے کسی اور چیز کی ضرورت مثلاً صابن وغیرہ کی تو ازالہ متعسر شمار ہوگا رہی یہ بات جو ناپاک چیز جذب اور سرایت کر گئی اس کا کیا حکم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسقدر شرعاً معاف ہے تاکہ لوگ حرج اور تنگی میں نہ پھنس جائیں۔ محیط میں ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کا یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اسے اتنا دھویا جائے کہ اس سے صاف ستھرا پانی برآمد ہو اگر چہ یہ دھونا صرف پانی کے ساتھ ہو بغیر صابن وغیرہ کے امام قاضی خان نے خضاب شدہ ہاتھ کے بارے میں فرمایا کہ جب تک مہندی کا رنگ دور نہ ہو اس وقت تک اسے دھویا جائے امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ ناپاک تیل کو کس طرح پاک کیا جائے تو انہوں نے فرمایا کہ کسی برتن میں ناپاک تیل ڈالا جائے اور اس پر پانی بہائے تو تیل اوپر آجائے گا تو کسی چیز سے اسے نکال لے جب تین مرتبہ ایسا کیا جائے تو تیل پاک ہو جائیگا اور اس بارے میں فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے اگر چہ اس سے امام محمد نے اختلاف کیا ہے ذخیرہ میں یہ ذکر کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے پاؤں پر تیل کی مالش کی پھر وضو کر کے پاؤں دھوئے تو چکناہٹ کی وجہ سے اچھی طرح پانی پاؤں پر نہ گزرا تو کیا اس کا وضو ہو جائے گا اس کا یہ جواب دیا گیا کہ ہاں اس کا وضو جائز ہے کیونکہ اعضاء دھونے میں فرض صرف پانی بہانا ہے پانی جذب ہونا مراد نہیں اور صورت مذکوہ میں یہ مقصد حاصل ہو گیا لہٰذا وضو جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

نجاست خفیفہ کا حکم/ ناپاکی سے متعلق بقیہ اختتامی مسائل

ثوب مبطنٌ اصابتہ نجاسۃ اقل من قدر الدرھم فنفذت الی بطانتہ فصار اکثر من قدر الدرھم یمنع جواز الصلوٰۃ و اذ لُفَّ الثوب المبلول النجس فی ثوب طاھر یابس فظھرت نداوتہ و لکن لا یصیر رطبا بحیث لو عصر لا یسیل ولا یتقاطر الاصحُّ انہ لا یصیر نجسا و کذا الثوب الطاھر الیابس اذا بسط علی ارض نجسۃ رطبۃ و ان نام علی فراش نجس فعرق وابتل الفراش من عرقہ ان لم یصب بللا الفراش علی جسدہ

لا يتنجس و كذا اذا غسل رجليه و مشى على لبد نجس لا يتنجس و ان مشى عل
ارض نجسة فابتلت الارض من بلل رجليه و اسودَّ وجه الارض لكن لم يظهر ا
البلل فى رجليه جازت صلاته و ان صارت طينا رطبا فاصاب رجله لا يجوز و ف
الذخيرة رجل رمدت عينه فرمصت فاجتمع رمصها فى المأق يجب ان يتكلف ف
ايصال الماء ان لم يضره كما يجب ان يتكلف فى ايصال الماء الى المأق و اذا صب
الرجل دهنا فى اُذنه فمكث فى دماغه يوما ثم خرج من اذنه فلا وضوء عليه و كذا ا
خرج من انفه و ان خرج من الفم فعليه الوضوء و ان دخل فى اذنه ماء عند الاغتسا
ثم خرج من انفه فلا وضوء عليه و ان خرج من الفم فعليه الوضوء القرحة اذا برأ
و ارتفع قشرها و اطراف القرحة موصولة بالجلد الا الطرف الذى كان يخرج م
القيح فتوضأ جاز وضوءه و ان لم يصل الماء الى ما تحته ولو توضأ ثم حلق رأسه ا
لحيتهُ او قلم ظفره لم يجب امرار الماء على تلك الاعضاء والماء الذى يسيل م
فم النائم فهو طاهر و ذكر فى المحيط اذا جف و بقى له اثر فهو نجس و قال ف
الملتقط هو طاهر الا اذا علم انه من الجوف و اما النجاسة الخفيفة فهى كبول
يؤكل لحمه فانها مقدرة بالكثير الفاحش وروى عن ابى حنيفة انها مقدرة بشبر ف
شبر وروى عن محمد يعتبر بالربع ثم اختلف المشائخ فى كيفية اعتبار الربع فقا
بعضهم يعتبر ربع جميع الثوب وقال بعضهم ان كان ذيلا فربع الذيل و ان كان كمّ
فربع ذلك ارادوا به ربع ثلث الثوب

مسئلہ۱......کسی استر والے کپڑے کو درہم سے کم مقدار نجاست پہنچ گئی اور پھر اس کے استر تک سرایت کرگئی پھر قدر
درہم سے زیادہ ہوگئی تو یہ جواز نماز سے مانع ہے۔

مسئلہ۲: اگر کسی پاک خشک کپڑے میں تر ناپاک کپڑا لپیٹا گیا کہ پاک کپڑے پر اس کی تری ظاہر ہوگئی لیکن وہ اتنا تر نہیں
ہوا کہ اگر اسے نچوڑا جائے تو اس سے پانی نکلے تو اس صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ پاک کپڑا ناپاک نہ ہوگا۔

مسئلہ۳......اسی طرح پاک خشک کپڑا ناپاک تر زمین پر بچھایا جائے تو یہی حکم ہے یونہی اگر کوئی ناپاک بچھونے پر سوگیا
اسے پسینہ آیا جس سے وہ بچھونا تر ہوگیا اگر بچھونے کی تری اس کے جسم تک نہ پہنچے تو یہ ناپاک نہ ہوگا اور اسی طرح جس

اس نے دونوں پاؤں دھوئے اور کسی ناپاک نمدے پر چلایا کسی ناپاک زمین پر چلا پھر اس کے پاؤں کی تری سے زمین تر ہوگئی اور اس کی سطح سیاہ ہوگئی لیکن اس کے پاؤں پر تری کا اثر ظاہر نہ ہوا تو اس کی نماز جائز ہے اور اگر تر زمین گارے کی شکل میں ہو پھر اس کے پاؤں تک پہنچ جائے تو نماز جائز نہ ہوگی۔

مسئلہ۴......کسی آدمی کی آنکھیں دکھ گئیں اور ان پر میل چڑھ آیا اور آنکھ کے کسی کنارے میں جمع ہو گیا تو اس کیلئے ضروری ہے کہ پانی پہنچانے میں تکلف کرے بشرطیکہ وہ نقصان نہ پہنچائے جیسا کہ تندرستی کی حالت میں آنکھ کے گوشے تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

مسئلہ۵......اگر کسی نے اپنے کانوں میں تیل ڈالا پھر ایک دن وہ دماغ میں رہا پھر اس کے دونوں کانوں سے نکل گیا تو اس پر وضو کرنا ضروری نہیں اور اگر منہ سے نکلا تو وضو لازم ہے اگر غسل کرتے وقت کانوں میں پانی چلا جائے پھر ناک کے راستے سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر منہ کے راستے سے برآمد ہو تو وضو کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ۶......جب زخم ٹھیک ہو جائے اور اس کا چھلکا ابھر آئے لیکن زخم کا کنارا جلد سے متصل ہو لیکن اس کے ایک کنارے سے پیپ بہتی ہو تو اس نے وضو کیا تو اس کا وضو جائز ہے اگر چہ نچلی طرف تک پانی نہ پہنچا ہو۔

مسئلہ۷......ایک شخص نے وضو کیا پھر اس نے اپنا سر یا اپنی ڈاڑھی منڈائی یا اپنے ناخن کاٹے تو ان اعضاء پر پانی بہانا ضروری نہیں۔

مسئلہ۸......اور جو پانی سونے والے کے منہ سے بہتا ہو وہ پاک ہے لیکن محیط میں مذکور ہے کہ اگر وہ خشک ہو جائے اور اس کا اثر باقی ہو تو وہ ناپاک ہے اور ملتقط میں اسی کو پاک کہا گیا ہے مگر جب کہ اس کا ابھار پیٹ سے ہو۔

نجاست خفیفہ کا بیان:

مسئلہ۹......رہا یہ مسئلہ کہ نجاست خفیفہ کی مثال اور اس کا حکم کیا ہے اور یہ کتنی مقدار معاف ہے اور اس کی مثال جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کی کثیر مقدار معاف ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے کہ یہ بالشت در بالشت معاف ہے اور امام محمد سے ایک روایت ہے کہ چوتھائی تک اس کا اعتبار ہے مشائخ کا چوتھائی کا معتبر ہونے میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ سارے کپڑے کی چوتھائی مراد ہے لیکن بعض نے فرمایا کہ کپڑے کے ہر حصے کی چوتھائی مراد ہے مثلاً اگر دامن ہے تو اسکی چوتھائی مراد ہے اگر گریبان ہے تو اسکی چوتھائی مراد ہے اور آستین ہے تو اس کی چوتھائی مراد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ گریبان اور آستین کی چوتھائی سے کپڑے کے تیسرے حصے کی چوتھائی مراد ہے۔

چند لغات اور مفردات جو عبارت مذکورہ سابقہ میں آئے ہیں ان کی وضاحت

۱- مبطن باطن رکھنے والا یعنی استر والا کپڑا۔ ۲- بطانت اِستر۔ ۳- لف لپیٹا گیا۔ ۴- الثوب المبلول تر کپڑا۔ ۵- نداوۃ تری اور نمی۔ ۶- العصر نچوڑنا۔ ۷- بُسِطَ بچھایا گیا بَسَطَ بچھانا۔ ۸- لبد نمدہ۔ ۹- اسود سیاہ ہو گیا۔ ۱۰- رمدت دکھ گئیں۔

۱۱- رمص آنکھوں کا میل۔۱۲- الماق آنکھ کا کنارا گوشہ۔۱۳- القرحۃ زخم۔۱۴- برءت ٹھیک ہوگیا۔۱۵- فشر چھلکا
۱۶- القیح پیپ۔۱۷- فم النائم سونے والے کا منہ۔۱۸- انبعاث ابھارا اور ابال۔۱۹- مقدرۃ اندازہ کیا گیا۔۲۰- شبر بالشت۔۲۱- ذیل دامن۔۲۲- دخریص گریبان۔۲۳- ربع ثلث الثوب کپڑے کے تہائی کی چوتھائی۔۲۴- کم آستین
۲۵- فراش بحرکت کسرہ جامہ خواب یعنی سونے کا لباس اور حرکت زبر سے فرش و بساط وغیرہ اور پروانہ۔

تشریح کلام المصنف وتوضیحہ

۱)......اگر کسی دو تہہ والے کپڑے کے اوپر والے حصہ کو قدرے درہم سے کم مقدار نجاست لگ گئی اور پھر اس کی دوسری تہہ یعنی استر تک نجاست سرایت کر گئی پھر اس وجہ سے مقدار درہم سے زیادہ ہوگئی تو اس میں امام محمد اور امام ابو یوسف کا باھم اختلاف ہے پس امام محمد کے نزدیک یہ جواز صلوٰۃ سے مانع ہے یعنی ایسے کپڑے کیساتھ نماز نہیں ہوسکتی کیوں؟ اس لئے کہ اوپر اور نیچے والی دو کپڑوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور نجاست زائد از قدرے درہم بلاشبہ مانع نماز ہے لہذا اس استر والے کپڑے کیساتھ نماز جائز نہیں لیکن امام ابو یوسف اس دہرے کپڑے کیساتھ نماز پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ ثوب واحد کے حکم میں ہے جیسے ایک کپڑا ہو اور اس کے دوسرے حصہ پر نجاست لگ کر پہنچ جائے تو وہ مقدار درہم سے کم ہونے کی وجہ سے مانع صلوٰۃ نہیں بالکل اسی طرح دو حصہ رکھنے والا یعنی استر والا کپڑا بھی جواز صلوٰۃ سے مانع نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر سلا ہوا ہو تو بالاتفاق مانع نہیں علامہ حلبی فرماتے ہیں قول فیصل یہ ہے کہ اگر سلائی شدہ ہو تو امام ابو یوسف کا قول معتبر ہے اور اگر غیر سلائی شدہ ہو تو امام محمد کا قول معتبر ہے اس لئے کہ سلائی دو کپڑوں کو ایک کر دیتی ہے۔

۲)......اگر کسی خشک پاک کپڑے میں کوئی تر ناپاک کپڑا لپیٹا جائے کہ حالت یہ ہو کہ ناپاک کپڑے کی تری و نمی پاک کپڑے پر ظاہر ہو جائے مگر اتنی تری نہ ہو کہ نچوڑنے پر سیلان اور تقاطر پیدا ہو جائے بلکہ محض نمی اور تری ہو تو اس میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ طاہر کپڑا ناپاک نہ ہوگا اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صرف نمی بغیر تقاطر اور سیلان ہے جو درجہ قلت میں ہونے کی وجہ سے معاف ہے لہذا قابل مواخذہ نہیں۔

شرح صغیری میں ہے کہ یہاں مبلول سے مبلول بالماء مراد ہے یعنی وہ نجس کپڑا پانی سے تر ہوگیا ہو پیشاب وغیرہ سے تر ہونا مراد نہیں لہذا اگر پاک کپڑا کسی ایسے کپڑے میں لپیٹا جائے جو پیشاب سے تر ہو تو پھر اس میں تری دکھائی دے تو وہ ناپاک ہو جائے گا چنانچہ کبیری میں اس کی تحقیق مذکور و موجود ہے نیز یہ مراد ہے کہ طاہر کپڑے پر نجاست کا اثر مثلاً رنگ بو وغیرہ ظاہر نہ ہو اور اگر یہ ظاہر ہو جائیں تو وہ کپڑا بلاشبہ ناپاک ہو جائے گا۔

۳)......اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر خشک پاک کپڑا کسی تر ناپاک زمین پر بچھایا جائے (جو پانی سے تر ہوئی ہو) پھر اس کی تری ظاہر ہو جائے لیکن نچوڑنے سے قطرات نہ ٹپکیں تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا اور اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کپڑا تر ہو اور زمین خشک ہو اور اس پر اسے بچھایا گیا تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور اسی طرح اگر کوئی شخص ناپاک بچھونے پر سو گیا پھر اسے پسینہ آیا کہ جس سے بچھونا تر ہوگیا اگر بچھونے کی تری اس کے جسم تک نہ پہنچی تو جسم ناپاک نہ ہوگا یونہی کسی شخص نے اپنے پاؤں دھوئے اور

ایک نمدے پر چلا کہ نمدہ تر ہو گیا تو اس کے پاؤں ناپاک نہ ہوں گے اور اسی طرح اگر ناپاک زمین پر چلے جب کہ اس نے پاؤں دھلئے ہوں تو زمین اس کے پاؤں کی تری سے تر ہو جائے اور اس کی سطح سیاہ ہو جائے لیکن اس کی تری کا اثر پاؤں پر ظاہر نہ ہو تو پاؤں ناپاک نہ ہوں گے اور اس کی نماز جائز ہوگی کیونکہ ان ساری صورتوں میں عین نجاست کا ظہور نہیں ہوا اور اگر اس کے پاؤں کی تری سے زمین گارا ہو گئی پھر یہ گارا اس کے پاؤں کو لگ گیا تو اس کے پاؤں ناپاک ہو جائیں گے اور بغیر دھونے کے نماز جائز نہ ہوگی بشرطیکہ اتنی مقدار ہو جو مانع نماز ہے ورنہ نہیں۔

۴)......کتاب ذخیرہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص کی آنکھیں دکھ گئیں پھر ان کا میل ان میں جمع ہو گیا تو اس کیلئے ضروری ہے کہ میل کے نیچے تک کوشش سے پانی پہنچائے بشرطیکہ نقصان دہ نہ ہو جیسے تندرست آدمی کیلئے آنکھوں کے کناروں تک پانی پہنچانا واجب ہے علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس مسئلے کا تعلق وضو اور غسل سے ہے لہذا یہاں ذکر کرنے کی بجائے وہاں ذکر کرنا چاہیئے تھا۔

۵)......اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کانوں میں تیل ڈالا اور وہ ایک دن دماغ میں رہ کر کانوں کے راستے سے نکل آیا تو ایسی صورت میں وضو کرنا لازمی نہیں کیونکہ دماغ نجاست کا محل نہیں کہ وہاں سے جو چیز باہر آئے وہ ناپاک ہو اور اسی طرح اگر ناک کے راستے سے نکلا تو بھی وضو لازمی نہیں اس کی وجہ بھی وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی اور اگر منہ کے راستے سے نکلے تو وضو کرنا ضروری ہے اسلئے کہ جو چیز منہ سے باہر آتی ہے وہ معدہ سے ہو کر آتی ہے اور معدہ محل نجاست ہے علامہ کبیری لکھتے ہیں کہ بعض اوقات دماغ سے بھی چیز حلق تک آتی ہے جیسے بلغم وغیرہ پھر مناسب یہ ہے کہ قید لگائی جائے بشرطیکہ معدے سے آئے تا کہ نقض حکم نہ ہو۔

اور اگر غسل کرتے وقت کان میں پانی چلا جائے پھر ناک کے راستے سے باہر آئے تو وضو کرنا ضروری نہیں علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ اس نوع کے مسائل کا حل نواقض وضو ہے لیکن جو چیز موجب وضو ہو وہ نجس ہوا کرتی ہے اس لئے نجاست کے مباحث میں اس قسم کے مسائل کو مصنف نے ذکر فرمایا۔

۶)......اگر زخم ٹھیک ہو جائے کہ اس کا چھلکا ابھر آئے لیکن زخم کا ایک کنارہ ابھری ہوئی جلد سے متصل ہو لیکن دوسری طرف سے پیپ بہتی ہو کیونکہ وہ طرف کھلی ہو تو زخمی آدمی نے وضو کیا تو اس کا وضو جائز ہے اگر چہ پانی جلد کے نیچے تک نہ پہنچا ہو۔ کیونکہ جلد کا نچلا حصہ باطن کا حکم رکھتا ہے اور ہمیں ظاہر کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

۷)......اگر کسی شخص نے وضو کیا پھر اپنا سر اور داڑھی منڈائی یا ناخن کاٹے تو ان اعضاء پر پانی بہانا ضروری نہیں طہارت حکمی کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

۸)......سونے والے آدمی کے منہ سے جو پانی بہتا ہے وہ پاک ہے خواہ منہ سے آئے یا پیٹ سے آئے لیکن محیط میں بیان کیا گیا جب وہ خشک ہو جائے اور اس کا کوئی اثر رنگ بو وغیرہ باقی ہو تو وہ نجس ہے لیکن ملتقط میں کہا ہے کہ وہ پاک ہے مگر جب کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پیٹ سے آیا ہے اور یہ بات محیط کے مناسب ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

۹)......نجاست خفیفہ کی تفصیل اس کی مثالیں اور شرعی حکم کا بیان

یہ اس بحث کا آخری مسئلہ ہے نجاست خفیفہ کی ماتن نے مثال دی ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس کی کتنی مقدار مانع نماز ہے یعنی اگر وہ کثیر فاحش ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت سلیمہ یا وہ آدمی جو اس میں مبتلا ہو گیا ہے اس کی طبیعت سے درجہ فحش میں مبتلا کرے اتنی

مقدار نماز جائز ہونے سے مانع ہوگی امام صاحب سے اس کی مقدار کی ایک روایت بالشت در بالشت ہے منیۃ المصلی کے تمام نسخوں یہی عبارت ہے لیکن علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت امام صاحب سے نہیں بلکہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور امام ابو یوسف سے ایک دوسری روایت ہاتھ در ہاتھ کی بھی ہے اور امام محمد سے چوتھائی کی روایت مروی ہے یہی امام ابو حنیفہ سے بھی روایت ہے چنانچہ صاحب ہدایہ اور الکافی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس لئے کہ بہت سے احکام میں ربع کل کے قائم مقام ہوتا ہے چنانچہ کبیری میں اس تفصیل موجود ہے پھر ربع کی کیفیت میں مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض کے نزدیک کل کپڑے کی چوتھائی مراد ہے جب کہ بعض کے نزدیک جہاں نجاست لگی ہو اسی حصہ کی چوتھائی مراد ہے مثلاً دامن میں لگی ہو تو دامن کی چوتھائی مراد ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ چوتھائی مراد ہے کہ جس کے ساتھ نماز جائز ہوتی ہے یعنی اتنا حصہ جو شرمگاہ کو ڈھانپ دیتا ہے لیکن پہلا قول زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے یہ ہے مصنف کے کلام کی مختصر اور جامع تشریح

دوسری شرط (طہارت)

واما الشرط الثاني فهو الطهارة من الانجاس يجب على المصلي ان يزيل النجاسة عن بدنه و ثوبه والمكان الذى يصلي فيه و كما تجوز ازالتها بالماء المطلق فكذا تجوز بالماء المقيد و بكل مائع طاهر يمكن ازالتها به كالخل و لا تجوز ازالتها بالنار او بالتراب في مواضع منها اذا تلطخ السكين بالدم او تلطخ رأس الشاه به ثم ادخل النار فاحترق الدم طهر الرأس والسكين و كذا اذا اصاب السكين دم فمسح بالتراب يطهر و عن محمد اذا اصاب يد المسافر نجاسة قال يمسحها بالتراب و كذا اذا اصاب الخف نجاسة لها جِرمٌ عن ابى يوسف رحمه الله انه قال اذا مسحه بالتراب او بالرمل على سبيل المبالغة يطهر و عليه فتوى مشائخنا ذكره في المحيط و ان لم يكن لها جرمٌ كالبول و الخمر فلابد من الغسل رطبًا كان او يابسًا و كان القاضي الامام ابو على النسفي يحكي عن الشيخ الامام ابى بكر محمد بن الفضل رحمه الله انه قال اذا مشى على التراب والرمل ولزق بعض التراب او الرمل و جفّ و مسحه بالارض يطهر عند ابى حنيفة و هكذا روى الفقيه ابو جعفر الهندواني عنه وعن ابى يوسفؒ مثل ذلك الا انه لا يشترط الجفاف و كذا تجوز ازالتها بالحك والحتّ والفرك اما الحك والحتّ فانه في الخف حتى اذا اصابته النجاسة لها جرم فيبست يطهر بالحك والحت عند ابى حنيفة و ابى يوسف و ذكر في المحيط

ان محمدا رحمه الله رجع الیٰ قولهما بالرّیّ لما رأی عموم البلوی و ان انتضح البول مثل رؤس الا بر فذلک لیس بشيء

مسئلہ ۱......نماز کی چھ شرطوں میں سے دوسری شرط ہر قسم کی نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنا ہے لہٰذا نمازی پر واجب ہے کہ وہ اپنے جسم اور کپڑے اور اس جگہ سے جہاں نماز پڑھتا ہے نجاست کو دور کرے اور ان چیزوں کو صاف ستھرا رکھے اور نجاست کا ازالہ جیسے مطلق پانی سے ہوسکتا ہے اسی طرح آبِ مقید کیساتھ بھی ہوسکتا ہے بلکہ ہر بہنے والی پاک چیز اس کے ساتھ بھی ازالہ ممکن ہے جیسے سرکہ، پھلوں کا نچوڑ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

اور اسی طرح مٹی اور آگ سے بھی ازالہ نجاست جائز ہے لیکن اس کیلئے چند مقامات ہیں مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر چھری یا بکری کا سر خون آلودہ ہوجائے پھر سے آگ میں ڈالا جائے اور خون جلا دیا جائے تو سر اور چھری پاک ہوجائیں گے اسی طرح جب چھری کو خون لگ جائے پھر اسے مٹی پر ملا جائے تو وہ پاک ہوجائے گی۔

مسئلہ ۲......امام محمد سے روایت ہے اگر کسی مسافر کے ہاتھ کو نجاست پہنچ جائے تو وہ کیا کرے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مٹی پر ہاتھ رگڑ کر صاف کر ڈالے اور اسی طرح جسم والی نجاست موزے کو لگ جائے تو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب اسے مٹی اور ریت پر بطور مبالغہ ملے تو موزہ پاک ہوجائے گا ہمارے مشائخ کا اسی پر فتویٰ ہے محیط میں اس کو بیان کیا ہے۔

اور اگر نجاست جسم نہ رکھتی ہو جیسے پیشاب اور شراب تو اسے بالاتفاق دھونا ضروری ہے خواہ تر ہو یا خشک ہو۔

مسئلہ ۳......قاضی ابو علی نسفی ابو بکر محمد بن فضل سے حکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی ناپاک مٹی یا ریت پر چلے اور کچھ مٹی یا ریت اس کے پاؤں سے لگ جائے اور خشک ہوجائے پھر اسے یعنی پاؤں کو زمین پر رگڑے تو امام صاحب کے نزدیک پاک ہوجائے گا فقیہہ ابو جعفر ہندوانی نے یونہی امام صاحب سے روایت کی ہے اور امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح روایت ہے مگر البتہ اس کا خشک ہونا وہ شرط نہیں قرار دیتے اور اسی طرح جاست کا ازالہ حک، حت، فرک ان سے بھی ہوسکتا ہے حک اور حت موزے میں ہوا کرتا ہے جب اسے جسم والی نجاست لگ جائے پھر وہ خشک ہوجائے تو شیخین کے نزدیک وہ پاک ہوجائے گا لیکن امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور محیط میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ امام محمد جب علاقہ ری میں گئے تو وہاں لوگوں کا ابتلاء عام دیکھا تو اپنے اس قول سے رجوع کر کے شیخین کا مسلک اختیار کرلیا اگر سوئی کے سرے کے برابر پیشاب کی کہیں چھینٹیں پڑ جائیں تو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔

مفردات جو عبارت سابقہ میں وارد ہوئے ہیں کسی قدر وضاحت ان کی قدر وضاحت:

۱- اَنجاس یہ نجس کی جمع ہے ائمہ لغت نے اس میں یہ فرق کیا ہے اگر "نجس" فتحہ جیم کیساتھ ہو تو یہ نفس نجاست کو کہتے ہیں اور اگر کسرہ جیم سے ہو تو وہ چیز جو محکوم بالنجاستہ ہے اسے کہتے ہیں۔ خلاصہ......اول گندگی اور دوم گندی چیز۔

۲- ازالة دور کرنا۔۳- الماء المطلق خالص پانی۔۴- الماء المقید وہ پانی جس کے ساتھ کوئی قید لگی ہوئی ہو جیسے عرق گلاب، شیرہ انگور وغیرہ۔۵- مائع بہنے والی نرم چیز جو کسی قدر پانی کا وصف رکھتی ہو۔۶- الخل سرکہ۔۷- العصیر نچوڑ۔ ۸- تراب مٹی۔۹- رمل ریت۔۱۰- تلطخ آلودہ اور لت پت ہونا۔۱۱- سکین چھری۔۱۲- احراق جلانا۔۱۳- مسح پونچھنا اور رگڑنا۔۱۴- جِرم جسم، جمع اجرام۔۱۵- رطب تر۔۱۶- یابس خشک۔۱۷- جفاف خشک ہونا۔۱۸- الحک کسی چیز کو ناخن کے ساتھ کھرچنا۔۱۹- الحت لکڑی یا پتھر کیساتھ صاف کرنا۔۲۰- الفرک آپس میں ایک دوسرے کیساتھ رگڑ کر صاف کرنا۔۲۱- ری ایک علاقہ کا نام ہے جہاں امام فخر الدین رازی اور قطب الدین رازی پیدا ہوئے ہیں۔۲۲- انتفاح چھینٹے پڑنا۔۲۳- ابر سوئی۔

تشریح کلام المصنف علیٰ نمط الاختصار والایجاز

۱)......مصنف اس میں نماز کی جو پہلی چھ شرطیں ہیں ان میں سے دوسری شرط کا کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں اس سے پہلے نجاست حکمی کا بیان فرمایا اب نجاست حقیقی کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کو الانجاس کے عنوان سے ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نجاست کی بہت سی قسمیں ہیں کہ نمازی کیلئے ان سب کا ازالہ ضروری ہے علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ نجس جیم کے زبر کیساتھ اور س کے زیر کیساتھ ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی اول خاص ہے جبکہ دوم عام ہے لہذا یہاں دو قضایا صادق آتے ہیں پہلا موجبہ کلیہ جو کہ کل نجس بالفتح فهو نجس باالکسر لیکن دوسرا قضیہ موجبہ جزئیہ ہے یعنی بعض النجس بالکسر نجس بالفتح۔

اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھنا چاہے تو وہ نماز پڑھنے سے پہلے اپنے جسم کپڑے اور جائے نماز کو ہر قسم کی نجاست سے پاک صاف کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ یعنی اپنا لباس صاف رکھیئے جب لباس صاف رکھنے کا حکم دیا گیا تو معلوم ہوا جسم اور جائے نماز کو صاف رکھنا بطریق اولیٰ ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں نماز کیلئے جدا نہ ہونے والی جزء ہیں جبکہ کپڑا ایسا جز نہیں کیونکہ بعض اوقات نہ ہو تو پھر بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے جب کہ طہارت جسم اور مکان کے بغیر کبھی نماز نہیں ہوتی ہے اور نجاست حقیقی کا ازالہ آب خالص اور آب مقید دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے آب مقید جیسے گلاب کا پانی خربوزہ اور دیگر پھلوں کا پانی اور اسی طرح ہر بہنے والی پتلی چیز سے بھی ازالہ ہو سکتا ہے اور بعض اوقات آگ اور مٹی سے بھی نجاست دور کی جا سکتی ہے اس کی مثالیں مصنف نے دے کر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔

۲)......امام محمد نے مسافر کے ہاتھ پر نجاست لگنے کی صورت میں اس کے پاک کرنے کا یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اسے مٹی پر مل کر اور رگڑ کر ہاتھ صاف کیا جائے تو ہاتھ پاک ہو جائے گا مسافر کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ عموماً اسے پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا جس سے وہ آسانی سے ازالہ نجاست کر سکے مٹی پر ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ پانی یا اس کے قائم مقام چیز موجود ہو تو پھر بھی مٹی استعمال کی جائے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آلۂ طہارت کی غیر موجودگی میں مٹی کو استعمال کیا جائے لیکن آلہ طہارت دستیاب ہو جائے تو اسے دھولیا جائے کیونکہ مٹی کے ذریعے صاف کرنا ایک وقتی طہارت ہے اسی طرح اگر موزے جوتے اور جرموق وغیرہ کو جسم والی نجاست پہنچ جائے جیسے پاخانہ لید اور گوبر وغیرہ تو امام ابو یوسف نے مٹی اور ریت وغیرہ پر مل کر صاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہمارے مشائخ نے اسی فتوی کو اختیار کیا ہے امام صاحب کے نزدیک بھی مٹی اور ریت پر رگڑنے سے اس نوع کی اشیاء پاک ہو جاتی ہیں بشرطیکہ نجاست خشک ہو تر نہ ہو لیکن امام محمد کسی چیز کے پاک کرنے کیلئے دھونا ضروری قرار دیتے ہیں شیخین کی دلیل بخاری کی وہ

روایت ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد کو جانا چاہے تو اچھی طرح جوتوں کو دیکھ لینا چاہیئے اگر ان میں کوئی گندگی یا آلائش لگی ہو تو انہیں زمین پر رگڑ کر صاف کر ڈالے پھر ان کے ساتھ نماز پڑھے اس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی طہارت انہیں زمین پر رگڑنا اور ملنا ہے لیکن اگر نجاست جسم نہ رکھتی ہو خواہ تر ہو یا خشک تو اسے دھونا ہی ضروری ہے کیونکہ اسے دھوئے بغیر طہارت کا یقین یعنی غالب گمان نہیں پیدا ہو سکتا۔

۳)......اس مسئلہ کا خلاصہ ومفہوم یہ ہے کہ قاضی ابو علی نسفی نے امام ابو بکر محمد بن فضل کے حوالہ سے یہ بیان فرمایا کہ امام موصوف نے اس شخص کے بارے میں یہ فرمایا کہ جس کے جوتے یا موزے پر پتلی جسم نہ رکھنے والی نجاست لگ جائے پھر وہ مٹی یا ریت پر چلے پھر کچھ ریت یا مٹی اس کے موزے پر لگ جائے پھر یہ اسے زمین پر رگڑے تو امام صاحب کے نزدیک وہ پاک ہو جائیں گے۔

فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل ہیں البتہ امام ابو حنیفہ کی طرح ان کے نزدیک نجاست کا خشک ہونا ضروری نہیں بلکہ جو بھی جسم رکھنے والی نجاست ہو تو اسی مٹی پر مل دیا جائے تو وہ نجس چیز پاک ہو جائے گی حاصل یہ ہے کہ اس بات پر مختار قول کے مطابق فتویٰ ہے کہ ناپاک موزہ زمین وغیرہ پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے خواہ نجاست خود جسم رکھتی ہو یا کسی دوسری چیز سے ملکر ذی جسم ہو جائے جیسے پتلی نجاست کسی ریت یا مٹی سے ملکر ذی جسم ہو جائے خواہ تر ہو یا خشک اثر کے زائل ہونے سے وہ شی پاک ہو جاتی ہے اسی طرح ہاتھ کے ساتھ مسلنے یا لکڑی وغیرہ کیساتھ کھرچنے یا ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے موزے وغیرہ میں نجاست کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

مثلاً اگر جسم والی نجاست موزے کو لگ جائے تو شیخین کے نزدیک وہ رگڑنے سے پاک ہو جائے گی۔ اور اس کی دلیل وہی سابق حدیث ہے امام محمد نے اولا اس سے اختلاف کیا تھا لیکن بعد میں لوگوں کے عام ابتلاء کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اگر سوئی کے سرے برابر جسم یا کپڑے وغیرہ پر پیشاب کے چھینٹے پڑ جائیں کہ کپڑے کی دوسری طرف ان کا ادراک نہ ہو سکے تو نجاست میں ان کا کوئی اعتبار نہیں مراد یہ کہ اس سے کپڑا اور جسم وغیرہ ناپاک نہیں ہونگے حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہی مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید رکھتا ہوں کیونکہ وہ وسیع رحمت رکھتا ہے اگر نجس چھینٹوں والا کپڑا تھوڑے پانی میں گر جائے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک نجس نہ ہونے کی روایت ہے اور دوسری نجس ہو جانے کی اگر اس کا غسالہ برتن میں گر جائے اگر تھوڑا ہو تو کچھ نقصان نہیں لیکن اگر زیادہ ہو تو وہ ناپاک کر دیتا ہے میت کا پہلا دھوون اور دوسرا تیسرا فاسد ہیں لیکن غاسل کے کپڑوں پر جو چھینٹے پڑ جائیں کہ جن سے بچنا مشکل ہوتا ہے امام قاضی خان نے فرمایا کہ وہ معاف ہیں۔

رگڑ کر یا دھو کر نجاست دور کرنے کا بیان

واما الفرک فی المنی فیطهر الثوب به اذا یبس والعضو بالحت والفرک و ان کان الثوب ذا طاقین فانه یطهر بالفرک وهو الصحیح و کذا باللحس اذا اصاب الخمر یده فلحسه ثلث مرات تطهر یده بریقه کما یطهر فمه بریقه و اما اذا اصاب الثوب نجاسة فان کانت مرئیة فطهارتها زوال عینها الا ما یشق و ان لم تکن مرئیة یغسلها

حتی یغلب علیٰ ظنه انه قد طهر و قیل اذا غسل الثوب مرة و عصر بالمبالغة و یطهر و قیل لا یطهر ما لم یغسل ثلٰث مرات و یعصر فی کل مرة والفتوی علی الاول و تخرج علیٰ هذا مسائل منها ما روی عن ابی یوسف ان الجنب اذا اتزر فی الحمام وصب الماء علی جسده من حیث الظهر و البطن حتی خرج من الجنابة ثم صب الماء علی الازار یحکم بطهارة الازار و ان لم یعصره و قال فی موضع اٰخران صب الماء علی الازار و امر الماء بکفیه فوق الازار فهو احسن و احوط و ان لم یفعل یجزیه و فی المنتقی شرط العصر علی قول ابی یوسف ایضا ولو اصاب البول ثوبه فغمسه مرة فی نهر جار و عصره یطهر و هذا قول ابی یوسف ایضا و ذکر فی الاصل وقال یغسله ثلٰث مرات و یعصر فی کل مرة و عن محمد یغسلها ثلٰث مرات و یعصر فی المرة الثالثة یطهر ثم فی کل موضع شرط العصر ینبغی ان یبالغ فی العصر حتی یصیر الثوب بحال لو عصر بعد ذلک لا یسیل منه الماء و تعتبر فی کل شخص قوته و طاقته

مسئلہ ا......اگر کسی کپڑے سے منی لگ جائے اور جب خشک ہو جائے تو اسے کھرچنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا اور اندام (عضو) کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ ۲......اگر کپڑا دو تہہ رکھتا ہو تو ملنے سے پاک ہو جائے گا یہی صحیح ہے اسی طرح اگر ہاتھ سے شراب لگ جائے تو تین بار ملنے سے ہاتھ پاک ہو جاتا ہے جیسا تھوک سے منہ پاک ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۳......اگر کسی کپڑے تک نجاست پہنچ جائے اگر نظر آتی ہے تو اسے دور کرنا کپڑے کی طہارت ہے مگر یہ کہ مشکل ہو اور اگر نظر نہ آتی ہو تو اسے اس حد تک دھویا جائے کہ اس کا غالب گمان ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب ایک مرتبہ دھوئے اور کوشش سے نچوڑا جائے تو پاک ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے جب تک تین مرتبہ نہ دھوئے اور ہر مرتبہ نہ نچوڑے تو پاک نہ ہوگا لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے۔ (لہٰذا وہی صحیح ہے)

مسئلہ ۴......اسی پر بہت سے مسائل کی بنیاد ہے مثلا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر کوئی جنبی حمام میں ازار باندھے اور اپنے جسم پر پیٹ اور پشت کی طرف سے پانی بہائے تو وہ جنابت سے خارج ہو جائے گا پھر ازار (تہبند) پہ پانی بہائے تو اس کے بھی پاک ہونے کا حکم دیا جائے گا اگر چہ اسے نہ نچوڑے اور امام ابو یوسف نے ایک اور جگہ فرمایا کہ اگر دونوں ہتھیلیوں سے ازار کے اوپر پانی بہائے تو یہ زیادہ اچھی بات ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور منتقی میں ہے کہ امام ابو یوسف کے قول پر نچوڑنا شرط ہے۔

مسئلہ۵......اگر کسی کپڑے کو پیشاب لگ جائے پھر اس نے اسے جاری نہر میں ڈبویا اور اسے نچوڑا تو وہ پاک ہو جائے گا امام ابو یوسف کا یہی قول ہے لیکن اصل میں یہ مذکور ہے کہ اسے تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار نچوڑے تو پھر پاک ہوگا امام محمد سے روایت ہے کہ اسے تین مرتبہ دھوئے اور تیسری مرتبہ نچوڑے تو وہ پاک ہو جائے گا۔ (یہاں اصل سے ظاہر روایت مراد ہے)

قاعدہ......جس جگہ نچوڑنا شرط قرار دیا گیا ہے وہاں مناسب ہے کہ اسے خوب کوشش سے نچوڑے یہاں تک کہ کپڑے کی حالت یہ ہو جائے کہ اگر اسے اس کے بعد دوبارہ نچوڑا جائے تو اس سے پانی نہ نکلے اور اس بارے میں ہر آدمی کی قوت اور طاقت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ہر شخص کی اپنی جسمانی ساخت اور قوت وطاقت کے مطابق مختلف اور جداگانہ حیثیت اور پوزیشن ہوا کرتی ہے۔

چند لغات

۱- حک، حت اور فرک ان تینوں لفظوں کا معنی کوشش سے کسی چیز کو گندگی وغیرہ سے صاف کرنا ہے لیکن ان تینوں میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے مثلاً حک، ناخن سے رگڑنا اور حت لکڑی یا پتھر سے صاف کرنا اور فرک ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کر صاف کرنا۔ ۲- ذوطاقین دو تہوں والا کپڑا یعنی استر والا کپڑا۔ ۳- لحس کسی چیز کو ملنا۔ ۴- ریق تھوک۔ ۵- زول العین کسی چیز کی ذات کا ازالہ۔ ۶- اتزر اس نے تہ بند باندھا۔ ۷- لم یعصر اس نے نہ نچوڑا۔ ۸- غمس غوطہ دینا اور لگانا۔ ۹- ان یبالغ مبالغہ کیا جائے۔ ۱۰- عُصِر نچوڑا گیا اس کا مصدر اور مادہ عصر ہے نچوڑنا۔

تشریح

۱......اگر منی خشک ہو جائے تو اسے کپڑے سے مل مل کر صاف کیا جا سکتا ہے اس کی دلیل حضرت سیدہ عائشہ کی وہ روایت ہے کہ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں خشک منی کو حضور ﷺ کے کپڑے سے ملکر صاف کیا کرتی تھی۔

فائدہ: ہمارے اور امام مالک اور احمد کے نزدیک ایک روایت میں منی نجاست غلیظہ ہے لیکن امام شافعی اور دوسری روایت میں امام احمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں پس ان کے نزدیک وہ پاک ہے اگر خشک ہو تو اسے رگڑ کر صاف کیا جا سکتا ہے اگر اس نے پیشاب کیا اور پانی سے استنجا نہ کیا تو بعد میں منی خارج ہوئی وہ ملنے سے پاک نہ ہوگی کسی عضو کو صاف اور پاک کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ اگر جسم پر منی لگ جائے تو وہ ملنے سے پاک نہیں ہوتا صاحب ہدایہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (صغیری وکبیری وغیرہ)

۲......اگر استر والے کپڑے پر منی لگ جائے تو کپڑا ملنے سے پاک ہو جائے گا یہی صحیح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اندرونی کپڑا پاک نہ ہوگا اگر ہاتھ کو شراب لگ جائے تین (۳) دفعہ چاٹنے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ جس طرح تھوک سے منہ پاک ہو جاتا ہے البتہ امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ (یعنی ان کے نزدیک ایسی حالت میں دھونا ضروری ہے ورنہ پاک نہ ہوگا)

۳......نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دکھائی دیتی ہے یعنی جسم رکھتی ہے اور دوسری وہ جو دکھائی نہیں دیتی۔ پہلی قسم کی طہارت کا

طریقہ یہ ہے کہ اس کی ذات کا ازالہ کیا جائے مگر جب کہ ایسا کرنا مشکل ہو یعنی اسے ختم کرنے کیلئے صابن وغیرہ کی ضرورت ہو تو پھر اگر کا اثر باقی رہے تو کچھ حرج نہیں اور اگر نجاست کی ذات ایک ہی مرتبہ دھونے سے زائل ہو جائے تو کپڑا وغیرہ پاک ہو جائے گا دوبا دھونے کی ضرورت نہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زوال ذات کے بعد دو یا تین مرتبہ دھوئے اور اگر نجاست کا جسم نہ ہو تو پانی سے دھونا ضرور ہے تاوقتیکہ اس کی طہارت کا غالب گمان ہو جائے۔ اگر اس کی بدبو ہو تو اس کا ازالہ بھی ضروری ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ غیر مر نجاست کپڑے کو لگ جائے تو اسے ایک مرتبہ دھو کر کوشش سے نچوڑا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے لیکن بعض کے خیال میں تین مرتبہ دھونا اور نچوڑنا کپڑا پاک کرنے کیلئے ضروری ہے اس باب میں فتویٰ پہلے قول پر ہے کیوں؟ اس لئے کہ دراصل تین کا عدد شرط نہیں یہ غلبہ گمان کے قائم مقام ہے کیونکہ عموماً تین مرتبہ دھونے سے طہارت کا غالب گمان ہو جاتا ہے اس لئے اکثر کتابوں میں تین عدد کا ذکر آتا ہے اور ہر مرتبہ نچوڑنا ظاہر روایت کے مطابق شرط ہے۔ لیکن امام محمد آخری مرتبہ نچوڑنے کے قائل ہیں جبکہ امام ابو یوسف بالکل نچوڑنے کا اعتبار ہی نہیں کرتے لیکن صحیح ظاہر روایت ہے۔

۴...... عبارت میں تخریج کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ غلبہ ظن معتبر ہے یا تین مرتبہ دھونا اور ہر مرتبہ نچوڑنا معتبر ہے اس لئے اس اختلاف کی بنا پر محیط اور جامع صغیر وغیرہ میں مختلف مسائل کا ذکر آیا ہے مثلاً پہلا مسئلہ ناپاک آدمی کا حمام میں ازار باندھ کر غسل کرنا ہے امام ابو یوسف سے دو مقام پر یہ مسئلہ مروی ہے ایک جگہ یہ ذکر ہے کہ غسل کرنے کے بعد جب ازار پر پانی بہائے تو وہ بغیر نچوڑے پاک ہو جائے گی اور دوسری جگہ یہ منقول ہے اگر ازار پر پانی بہائے اور دونوں ہتھیلیوں سے پانی بہائے تو یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو یہ بھی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اسی لئے منتقی میں یہ لکھا ہے کہ نچوڑنا امام ابو یوسف کے قول پر بھی شرط ہے اور پہلے یہ ذکر آ گیا ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کا مذہب ہے۔

۵...... یہ امام ابو یوسف کا قول ہے لیکن ظاہر روایت نہیں البتہ ظاہر روایت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اسے تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار نچوڑے اور امام محمد سے بھی ظاہر روایت کے علاوہ دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ نجاست غیر مرئی کو تین مرتبہ دھوئے اور آخری مرتبہ نچوڑے تو کپڑا پاک ہو جائے گا لیکن یہ روایت روایت اصول کے خلاف ہے۔ (کیونکہ اصولی روایت یہ ہے کہ اسے تین دفعہ دھوئے اور ہر بار نچوڑے یہی صحیح اور قرین قیاس ہے اور اقرب الی الصواب ہے)

قاعدہ: جہاں ائمہ نے کسی چیز کے نچوڑنے کو شرط قرار دیا ہے تو وہاں اسے کوشش سے نچوڑنا مراد ہے حتیٰ کہ اگر کپڑے کو کوشش سے نچوڑا گیا تو اس کے بعد اس سے پانی کا تقاطر اور سیلان نہ ہوا لیکن مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ نچوڑنے میں ہر آدمی کی طاقت اور قوت کا لحاظ ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی پوری طاقت سے کپڑا نچوڑا اگر وہ پھر نچوڑے تو پانی نہ نکلے لیکن اگر اس سے زیادہ طاقت والے نے اس کے نچوڑنے کے بعد اسے پھر نچوڑا تو اس سے قطرات برآمد ہوں تو یہ کپڑا پہلے کی نسبت پاک تصور ہو گا لیکن دوسرے کی نسبت ایسا نہیں کیونکہ ہر آدمی اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق شرعی احکام کا مکلف ہے لہٰذا ہر شخص کی طاقت اور وسعت کے مطابق حکم دیا جائے گا۔

و فی فتاوی ابی اللیث خف بطانۃ ساقہ من الکرباس فدخل فی جوفہ ماء نجس فغسل

الخف و دلکہ بالید ثم ملأ بالماء ثلثا و اھراقہ الا انہ لم یتھیأ لہ عصر الکرباس فقد طھر الخف و روی عن ابی القاسم الصفار رجل یستنجی و یجری ماء استنجائہ تحت رجلیہ و لیس بخفیہ خرق لہ ان یصلی مع ذلک الخف لان بالماء الأخر یطھر الخف کما یطھر موضع الاستنجاء و فی الملتقط ان کان خفہ منخرقا و اصاب الماء رِجلہ و لفافتہ رجوت سعۃ الامر فیہ الا یری ان البساط النجس اذا جعل فی نھر جار و ترک فیہ یوما و لیلۃ حتی جری الماء علیہ یطھر من غیر عصر و لو کان علی یدہ نجاسۃ رطبۃ و اخذ عروۃ القمقمۃ کلما صب الماء فاذا غسل یدہ ثلثا طھر الید و العروۃ الحصیرُ من قصب اذا اصابتہ نجاسۃ فجفت یدلک ثم یغسل ثلثا و ان کانت رطبۃ یغسل ثلثا و لا یحتاج الی شیء اٰخر و ان کان من بردی و مما یشبہ ذلک یغسل ثلثا و یجفف فی کل مرۃ یطھر عند ابی یوسف خلافا لمحمد رحمہ اللہ و فی النوازل اذا اصابت الخزف او الاٰجُرّ نجاسۃ ان کان قدیما یطھر بالغسل ثلثا جفف اولم یجفف و ان کان حدیثا یغسل ثلٰث مرات و یجفف فی کل مرۃ ذکر فی المحیط یغسلہ مقدار ما یقع اکبر رأیہ انہ قد طھر و اشترط مع ذلک ان لا یوجد منہ طعم النجاسۃ و لا لونھا و لا ریحھا و ان وجد احد ھذہ الاشیاء المذکورۃ لا یحکم بطھارتہ و علیہ اکثر المشائخ و لو مُوِّہَ الحدید بالماء النجس ثم یموہ بالماء الطاھر ثلث مرّات فیطھر

ترجمہ عبارت:

مسئلہ نمبر۱......فتاویٰ ابواللیث میں ہے کہ اگر کسی موزے کی پنڈلی کا استر سوتی ہو پھر اس کے اندر ناپاک پانی داخل ہو جائے پھر اس نے موزے کو ہاتھ سے خوب مل کر دھویا پھر تین بار موزے کو پانی سے بھر کر پانی انڈیلا مگر اس نے سوتی جگہ کو نہ نچوڑا تو یقیناً موزہ پاک ہو گیا۔ کیونکہ پانی کا رواں ہونا نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر۲......امام ابوالقاسم صفار سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے استنجا کیا اور استنجے کا پانی اس کے پاؤں کے نیچے تک آ گیا لیکن یہ موزے پہنے ہوئے تھا اور موزوں میں کوئی شگاف نہ تھا تو یہ ان موزوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ آخری مرتبہ کے پانی سے موزے اسی طرح پاک ہو گئے جیسے جائے استنجا پاک ہو گئی اور ملتقط میں ہے کہ اگر اس کے موزے میں شگاف ہو اور پانی پاؤں اور دونوں موزوں تک پہنچ گیا ہو تو اس میں بھی کسی قدر وسعت کی امید ہے۔ کیا تم

نہیں دیکھے کہ نجس بچھونا جب کسی بہتی نہر میں ڈالا جائے اور ایک رات و دن وہاں پر پڑا رہے یہاں تک کہ پانی اس کے اوپر سے گزر جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی شخص کے ہاتھ پر تر نجاست لگ جائے پھر اس نے لوٹے کا دستہ پکڑا اور پانی بہانے لگا تو جب ہاتھ تین مرتبہ دھولیا تو ہاتھ اور دستہ دونوں پاک جائیں گے۔

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کانوں (پتوں) سے بنی ہوئی چٹائی کو جب نجاست لگ جائے اور جب خشک ہو جائے تو یہ رگڑ کر صاف کرے پھر تین مرتبہ دھوئے اور اگر تر نجاست ہو تو بھی تین بار دھوئے اور کسی مزید شے کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ (بلکہ وہ اسی عمل سے پاک ہو جائے گی) اور اگر چٹائی گھاس یا اس جیسی کسی چیز سے بنی ہوئی ہو تو اسے تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ خشک کیا جائے امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے جب کہ امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۵...... نوازل میں ہے کہ جب کسی ٹھیکری یا برتن یا پختہ اینٹ تک نجاست پہنچ جائے اگر وہ پرانے ہوں تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائیں گے خواہ خشک کیے جائیں یا نہ کیے جائیں۔ اور اگر نئے ہوں تو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ خشک کیا جائے۔ اور محیط میں ہے کہ اتنی مقدار دھویا جائے کہ اس کا غالب گمان اس کے پاک ہونے کے متعلق ہو جائے اور اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ اس نجاست میں بو رنگ وغیرہ نہ پایا جائے۔ اور اگر تین اوصاف میں سے کوئی وصف پایا جائے تو جب تک اس کا ازالہ نہ ہو اس شے کی طہارت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس پر اکثر مشائخ کا عمل ہے۔

مسئلہ نمبر ۶...... اگر ناپاک پانی سے لوہے کو سیراب کیا جائے پھر اس پر تین مرتبہ پاک پانی ڈالا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

چند مفردات جو عبارت مذکورہ میں استعمال ہوئے ہیں ان کی کسی قدر وضاحت

۱- بطانة اندرونی حصہ یعنی استر۔ ۲- ساق پنڈلی۔ ۳- الکرباس سوتی کپڑا، الکرباس بالکسر ثوبٌ من القطن۔ ۴- جوف پیٹ۔ ۵- دلکٌ رگڑنا اور ملنا۔ ۶- مَلاءٌ بھرنا۔ ۷- اِهراق انڈیلنا اور بہانا۔ ۸- یستجنی وہ استنجا کرتا ہے۔ ۹- لم یتھیّاء وہ نہ تیار ہوا۔ تھیٌّ کسی کام کیلئے تیار ہونا۔ ۱۰- منخرق شگاف، پھٹن۔ ۱۱- لفافة غلاف۔ ۱۲- رجوتٌ میں امید رکھتا ہوں۔ رجاء امید۔ ۱۳- سعة الامر معاملہ کی گنجائش اور وسعت یعنی کشادگی۔ ۱۴- بَساط بچھونا۔ ۱۵- عُروة القمقمة لوٹے کا دستہ۔ ۱۶- عروة دستہ، القمقمة، لوٹا۔ ۱۷- الحصیر چٹائی۔ ۱۸- قَصب کانے۔ (پہلے اور دوسرے حرف پر فتحہ (زبر) ہے نے ہر گیا ہے کہ میان خالی و گرہ دار باشد۔ ۱۹- بَردی بالفتح گیاہی است کہ از شاخ و برگ آں بوریا (بافند) یعنی ایک قسم کی گھاس ہے اس کی شاخوں اور پتوں سے چٹائی بناتے ہیں۔ ۲۰- یُجفف من التجفیف، خشک کرنا۔ ۲۱- قدیم پرانی یعنی استعمال شدہ۔ ۲۲- خزف ٹھیکری۔ (بالخاء المعجمةُ الزائے المعجمة المفتوحتین بعدهما فاء هو ما یُصْنَعُ من الطین ثم یجعل فی النّار حتی یصیر فخّارا کما فی القاموس و الرشید (من کتب اللغات) ۲۳- الأجر پکی اینٹ۔ ۲۴- طعم ذائقہ، ریح، بو، لون، رنگ۔

۲۵- مُوّہ پانی استعمال کیا گیا۔ یہ لفظ "ماہ" ہے یہ صیغہ ماضی مجہول بنایا گیا ہے۔ ۲۶- الحدید لوہا۔

تشریح کلام المصنف علی وجہ الاختصار

☆ نمبرا...... اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ استر والے موزے میں ناپاک پانی چلا جائے پھر موزے کو اچھی طرح مل دل کر دھویا جائے پھر تین مرتبہ موزے کو پانی سے بھر کر انڈیلا جائے لیکن سوتی استر کو نہ نچوڑا جائے تو موزہ پاک ہو جائے گا اس واسطے کہ اس کے ظاہر باطن میں پانی رواں ہو گیا لہذا نچوڑنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ مصنف کی عبارت میں ساق کا ذکر اتفاقی ہے اور اسی طرح فی جوفہ یہ لفظ ٹھیک نہیں بلکہ یہاں فی خروقہ عبارت ہے۔ یعنی موزے کے جو شگاف ہیں اس سے پانی اندر چلا گیا یہ مطلب نہیں کہ ظاہر تک نہ پہنچا اور اندر چلا گیا۔ اور نچوڑنا اس لئے شرط نہیں قرار دیا گیا کیونکہ وہ کسی قدر مشکل اور دشوار ہے تو اس مسئلے کو بچھونے پر قیاس کیا گیا ہے۔

☆ نمبر۲...... اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے استنجا کرتے ہوئے پانی اس کے پاؤں کے نیچے چلا جائے اور یہ موزے پہنے ہو اور موزوں تک پہنچ جائے اور موزے ٹھیک ہوں ان میں کوئی شگاف نہ ہو تو ان موزوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ آخری پانی سے وہ پاک ہو گئے جیسے مقام استنجا پاک ہو گیا۔ تو ضرورت اور ابتلاء عام کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا۔ لیکن اگر موزے میں شگاف ہو اور پانی پاؤں تک پہنچ جائے تو پھر بھی جواز کی گنجائش ہے کیونکہ اس طرح کے معاملات میں وسعت پر بنیاد ہوتی ہے اور یہاں یہ حکم دیا جائے گا کہ پاؤں اور لفافہ دونوں مقام استنجا کی اتباع میں پاک ہو گئے یہی حکم موٹے بچھونے کا ہے جو رات و دن ناپاک ہونے کی وجہ سے نہر میں ڈالا جائے اور پانی اس کے اوپر سے گزرتا ہے تو بغیر نچوڑنے اور خشک کرنے کے وہ پاک ہو جائے گا۔

مصنف کی عبارت میں یوماً و لیلۃً حرف واؤ کے ساتھ ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہاں حرف او ہونا چاہیئے جیسا کہ عام کتابوں میں یہی لفظ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نہر میں ایک دن یا ایک رات چھوڑ جائے تو یہی حکم ہے۔ اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ نجاست کی تین صفات میں سے کوئی وصف موجود نہ ہو اور اس میں یہ نقصان بھی ہے کہ مصنف نے سابقہ مسئلے کو اس مسئلے پر قیاس کیا ہے اور اس سے اس پر استدلال کیا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ اسلئے کہ قیاس کے لئے مقیس اور مقیس علیہ میں مساوات اور برابری ہونی چاہیئے جو یہاں موجود نہیں۔ لہذا ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

☆ نمبر۳...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ہاتھ پر تر گندگی لگ گئی پھر اسی ہاتھ سے اس نے لوٹے کا دستہ پکڑ کر پانی انڈیلنا شروع کیا تو جس ہاتھ سے لوٹا پکڑا تھا اسے تین مرتبہ دھویا تو ہاتھ اور لوٹے کا دستہ دونوں پاک ہو گئے ہاتھ تو براہ راست پاک ہو گیا اور لوٹے کا دستہ اس کی وساطت سے پاک ہو گیا لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ نجاست کا کوئی وصف باقی نہ رہے۔

☆ نمبر۴...... کانوں (پتوں) سے بنی ہوئی چٹائی اگر نجاست آلود ہو جائے پھر وہ خشک ہو گئی اور رگڑنے سے کچھ نجاست دور ہو گئی پھر تین مرتبہ اسے لگاتار دھویا جائے اور اگر نجاست تر ہو تو پھر بھی بغیر کسی دوسری چیز کی احتیاج تین دفعہ اسے دھویا جائے تو دونوں صورتوں میں وہ پاک ہو جائے گی اگر چٹائی گھاس وغیرہ سے بنی ہو تو تین مرتبہ دھو کر تین ہی مرتبہ خشک کیا جائے تاکہ اس کے قطرات وغیرہ ختم ہو جائیں کیونکہ گھاس کی چٹائی نرمی کی وجہ سے اپنے اندر نجاست جذب کر لیتی ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پاک ہو جائے گی کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جو چیز نچوڑی نہیں جا سکتی اس کی طہارت کا یہی طریقہ ہے

لیکن امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ان کا خیال ہے یہ ہے کہ جب تک چیز نچوڑی نہ جائے پوری طرح نجاست اس سے خارج نہیں ہو سکتے۔

☆ نمبر ۵...... ٹھیکری یا پختہ اینٹ وغیرہ کو نجاست لگ جائے تو اگر یہ قدیم یا استعمال شدہ ہوں تو تین دفعہ دھونا ہی کافی ہے خشک کی ضرورت نہیں۔لیکن اگر یہ نئی اور غیر مستعمل ہوں تو پھر نجاست کے جذب ہونے کا امکان ہے لھذا تین مرتبہ دھونے کے ہر مرتبہ خشک کیا جائے۔محیط نے یہ شرط لگائی کہ اس قدر دھویا جائے کہ غالب گمان طہارت کا ہو جائے کیونکہ پہلے یہ گزر چکا تین کا عدد شرط نہیں بلکہ غالب گمان شرط ہے۔مصنف محیط نے اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ نجاست کے تین صفات سے کوئی وصف نہ پایا جائے۔علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس شرط لگانے کی ضرورت نہیں اس واسطے کہ غالب گمان اسی وقت پیدا ہے جبکہ نجاست کا کوئی شائبہ تک نہ رہے لہذا غالب گمان ہی کی شرط کافی ہے۔اکثر مشائخ کا اس پر اتفاق ہے بلکہ مناسب یہ کہ اس پر کسی کا اختلاف نہ ہو۔

☆ نمبر ۶...... اس کا حاصل یہ ہے لوہا پگھلا کر اگر اس سے آلات تیار کئے جائیں پھر اسے ناپاک پانی سے تر کیا جائے پھر تین مرتبہ پاک پانی بہایا جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پاک ہو جائے گا جبکہ امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ لوہے کی بنی ہوئی چیزوں میں سے کسی کو اٹھا کر نماز پڑھے تو امام ابو یوسف کے نزدیک نماز ٹھیک ہوگی جبکہ امام محمد کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔لیکن اگر اس قسم کی چھری سے خربوزہ وغیرہ کاٹے تو یہ بالاتفاق ناپاک نہ ہوگا۔

و فی المحیط عن شمس الآئمة السرخسی الارض اذا جفّت و لم یتبین اثر النجاسة فیها تطهر سواء وقع علیها الشمس او لم تقع و کذا الحصی اذا تنجست فجفت و ذهب اثرها تطهر اذا کان متداخلا فی الارض و کذا الثیل و الحشیش و کذا سائر ما ینبت فی الارض ما دام قائما علی الارض یطهر بالجفاف مطلقا ذکره الزندویسی و عن محمد بن الفضل الحمار اذا بال فی المثیلة و وقع علیها الطل ثلث مرات و وقعت علیها الشمس ثلث مرات فقد طهر و کذا الحجر و الآجر اذا کان مفروشا یطهر بالجفاف و اما ان کانت موضوعة تنقل و تحول لا بد من الغسل و کذا اللبنة اذا کانت مفروشة جازت الصلوة علیها بعد الجفاف و ذکر فی موضع آخر ان کانت الحجر تشربت النجاسة تطهر بالجفاف و ان کانت ما تشربت لا تطهر الا بالغسل الماء و التراب اذا اختلطا و کان احدهما نجساً فالطین نجس و الطین النجس اذا جعل منه الکوز او القدر فطبخ یکون طاهرا ولو احرقت العذرة و الروث فصار رماداً او مات الحمار فی المملحة فصار ملحاً او وقع الروث فی البیر فصار حمأة زالت نجاسة و طهرت عند محمد رحمه الله

خلافا لابی یوسف حتی لو اکل الملح او صلی علی ذلک الرماد جاز و لو وقع ذلک الرماد فی الماء الصحیح انه یتنجس و کذا الأجرّ یطهر بالغسل ثلاثا و الجفاف کل مرة لکن انما یطهر ظاهرة حتی لو وقعت قطعة منه فی الماء یتنجس کذا ذکره فی المحیط حمار بال فی الماء فاصاب من ذلک الرش ثوب الانسان لا یمنع جواز الصلوة حتی یستیقن انه بول و به اخذ الفقیه ابو اللیث و فی فتاویٰ قاضی خان اذا بال فی ماء راکد فاصاب الرش اکثر من قدر درهم یمنع جواز الصلوٰة

ترجمہ: مسئلہ ۱...... محیط میں شمس الآئمہ سرخسی کے حوالے سے یہ ذکر کیا گیا کہ جب زمین خشک ہو جائے اور اس پر نجاست کا کوئی اثر معلوم نہ ہو تو وہ پاک ہو جائے گی خواہ اس پر دھوپ لگی ہو یا نہ لگی ہو اسی طرح کوئی کنکری جب ناپاک ہو اور خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتی ہے جب کہ زمین میں گھسی ہوئی ہو۔

مسئلہ ۲...... اگر گندگی اس کے پاؤں کے نیچے ہو اور ہر قدم کے نیچے قدرے درہم سے کم ہو لیکن اگر اسے جمع کیا جائے تو مقدار درہم سے زائد ہو جائے تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں اور اگر سجدے کی جگہ میں مقدار درہم سے کم ہو اور قدموں کے نیچے بھی قدرے درہم سے کم ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی دونوں کو جمع کرنے سے قدرے درہم سے زائد ہو جائے گی لہذا نماز جائز نہ ہوگی اس کو فتاووں میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تر اور خشک گھاس اور جو زمین سے اگتا ہے جب تک زمین پر کھڑا ہو تو نجاست پہنچنے کی صورت میں اگر خشک ہو گیا تو مطلقاً پاک ہو جائے گا۔ امام زندویسی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

مسئلہ ۳...... محمد بن فضل سے روایت ہے کہ اگر گدھے نے تر گھاس پر پیشاب کیا پھر اس پر تین مرتبہ شبنم پڑی پھر تین مرتبہ دھوپ لگی تو وہ گھاس پاک ہو گئی۔ اور اسی طرح پتھر اور پختہ اینٹ جب فرش میں لگی ہوں تو خشک ہونے سے پاک ہو جائیں گی لیکن اگر کہیں رکھی ہوں کہ ادھر ادھر منتقل کی جا سکتی ہیں تو پھر دھونا ضروری ہے۔ اسی طرح کچی اینٹیں جب فرش میں لگی ہوں تو خشک ہونے کے بعد ان پر نماز جائز ہے ایک دوسری جگہ میں بیان کیا گیا کہ جب پتھر نجاست کو جذب کر ڈالے تو خشک ہونے پر پاک ہو جائے گا اور اگر اس نے نجاست جذب نہیں کی تو پانی سے دھوئے بغیر پاک نہ ہوگا اور مٹی جب پانی سے مخلوط ہو جائے اور ان میں سے ایک نجس ہو تو گارا ناپاک ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس موقع پر پانی کا اعتبار ہے اور بعض نے مٹی کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ غالب شے کا اعتبار ہے اسی کے قریب یہ مسئلہ ہے کہ ناپاک مٹی سے جب لوٹا یا ہانڈی بنائی جائے پھر اسے آگ میں پکایا جائے تو پاک ہو جائے گی اور اگر گندگی اور لید وغیرہ جلائی جائیں اور راکھ ہو جائیں یا گدھا نمک کی کان میں مر کر نمک بن جائے یا کنوئیں میں لید گر کر کیچڑ ہو جائے تو ان ساری صورتوں میں نجاست ختم ہونے کی وجہ سے وہ چیز پاک ہو جائے گی یہ امام محمد کے نزدیک ہے۔ البتہ امام ابو یوسف کا اس

میں اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر نمک کھایا یا اس راکھ پر نماز پڑھی تو جائز ہے لیکن اگر وہ راکھ پانی میں گرگئی تو صحیح یہ ہے کہ پانی ناپاک ہوجائے گا اور اسی طرح پختہ اینٹ دھونے اور خشک ہونے سے اس کا ظاہر پاک ہوجاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی ٹکڑا پانی میں گرگیا تو پانی ناپاک ہوجائے گا اسی طرح اس کو محیط میں بیان کیا ہے۔

مسئلہ ۴...... گدھے نے پانی میں پیشاب کیا جس کے کچھ چھینٹے اڑ کر آدمی کے کپڑے تک پہنچ گئے تو جب تک ان کے پیشاب ہونے کا یقین نہ ہو وہ مانع صلوۃ نہیں فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اسی کو اختیار کیا۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ جب گدھے نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کیا تو مقدار درہم سے زیادہ چھینٹیں کپڑے وغیرہ تک پہنچ گئیں تو یہ جواز نماز سے مانع ہیں۔

چند کلمات اور مفردات جو عبارت گزشتہ میں وارد ہوئے ہیں ان کی تشریح اور ان کی وضاحت

۱-لم يتبيّن من التبيّن ، اثر نجاست کا ظاہر نہ ہوا۔ تبیّن ، مصدر کسی چیز کا ظاہر ہونا اور کھل کر سامنے آنا۔ ۲- الشمس سورج۔ اس کی دھوپ، یہاں یہی مراد ہے۔ اس کی جمع شموس آتی ہے۔ ۳- حصاة سنگریزہ، اس کی جمع حصیٰ بالقصر ہے۔ ۴- متداخل گھسنے والا، مراد یہ ہے کہ زمین میں داخل ہو پس الگ نہ ہو۔ بعض جگہ حصاۃ ہے اور بعض جگہ الحصیٰ بالقصر بصیغہ جمع ہے۔ (الحصیٰ هی الحجارة الصغار الصلبة.) چھوٹی چھوٹی مضبوط اور سخت کنکریاں۔ اگر " الحصیٰ " ہو تو پھر مصنف کو یوں کہنا چاہئے تھا۔ " اذا كانت متداخلة " جیسا کہ شروع میں "اذا تجست فجفت" بصیغہ مؤنث فرمایا مگر ذہول سے اذا کان متداخلا بصیغہ تذکیر کہہ دیا۔ یہ سہو و نسیان بسا اوقات عجمی حضرات کو لکھنے یا بولنے میں لگ جاتا ہے چنانچہ اس کی متعدد مثالیں اہل عجم کی کتابوں میں موجود ہیں۔ پھر ہوشیار ناقدین کی گرفت پر مصلحین حضرات اس کی توجیہات " بما لا يرضى به القائل و لا يساعده الذوق السليم و لا يُسلمه الطبع المستقيم " کے انداز پر کر کے ان کا بھرم رکھتے ہوئے ان کی گلو خلاصی کرتے ہیں مگر یہ طریقہ کچھ زیادہ مفید اور مؤثر نہیں اس لئے کہ سہو و نسیان انسان کی سرشت اور خمیر میں داخل ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ " الإنسانُ مركبٌ من الخطاء و النسيان " ۔أوّلُ الناس اَوّلُ ناسٍ ۔ مصنف کے کلام میں توجیہ کرنے والوں نے تنقید اور گرفت سے بچنے کے لئے یہ توجیہ پیش کی کہ یہاں "الحصیٰ" اسم جنس کے قائم مقام ہے کہ جس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر بلا شبہ ہوسکتا ہے۔ جیسے النخل کہ اس میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہیں۔ قيل انه من قبيل اسماء الاجناس التي لها واحدٌ من لفظها و الفارق بينها و بينه سقوط التاء و ثبوته في الواحد كما هو ظاهر كلام الزمخشري في شجر و نظيره كان ممكناً (اھ) (حاشیہ منیۃ المصلی)

۵- ثِيل الثّيل والثّيل ، ایک گرہ دار بوٹی جو زمین پر پھیلتی ہے (المنجد عربی اردو صفحہ ۱۳۱) پہلا حرف یعنی حرف (ث) مکسور اور حرف یاء ساکن ہے۔ ترگھاس۔ ۶- الحشيش خشک گھاس (و هو الكلاء اليابس) ۔ ۷- ينبت نَبَتَ ، يَنبت ، نباتا، زمین سے اگنا ، اِنبات، اگانا۔ ۸- الجفاف خشک ہونا۔ ۹- بَالَ اس نے پیشاب کیا۔ البول پیشاب۔ ۱۰- المبْيلة اسم مکان، وہ جگہ جہاں گھاس اگتی ہے۔ ۱۱- الطلّ شبنم، باران ریزہ وضعیف۔ ۱۲- مفروش فرش میں لگی ہوئی چیز۔ صیغہ اسم مفعول ماخوذ من الفرش ۔ ۱۳- موضوعةٌ رکھی ہوئی۔

تنبیہ...... اصل عبارت كذا الحجر او الآجر ، کلمہ اوْ کے ساتھ ہے لہذا "اذا كان مفروشا " عبارت بتذکیر ٹھیک ہے کیونکہ مرجع بوجہ حرف "او"

ایک چیز ہے اور۔ " و اما اذا کانت موضوعة " مراد مجموعہ ہے لہٰذا عبارت بصیغہ تانیث لائی گئی۔ ۱۴- تَنقل تُحوّل: وہ منتقل اور ادھر ادھر کی جاتی ہے۔ نَقل ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، تَحوّل، ادھر اُدھر پھیرنا اور منتقل کرنا۔ ۱۵- لِبنۃ اینٹ۔ ۱۶- یتشرّبُ جذب کرتا ہے اور چوستا ہے۔ ۱۷- اُختُلطا دونوں مخلوط ہوگئے، باہم مل گئے۔ اختلاط، ایک چیز کا دوسری چیز سے ملنا۔ ۱۸- اَلکوز ۔۱۹- القِدر ہانڈی جمع قُدور۔ ۲۰- طُبخ وہ پکائی گئی۔ طبخ کسی چیز کو پکانا۔ اسی سے مطبوخ، پکائی ہوئی چیز۔ مطبَخ: پکانے کی جگہ۔ باورچی خانہ۔ ۲۱- اُحرقت جلائی گئی۔ اِحراق جلانا۔ ۲۲- العذرۃ پاخانہ۔ ۲۳- الرَوث لید۔ ۲۴- رَماد راکھ۔ ۲۵- المملحۃ نمک کی کان۔ ۲۶- ملح نمک۔ ۲۷- حماۃٌ کیچڑ۔ ۲۸- قِطعۃ ٹکڑا، حصہ۔ ۲۹- رَشّ چھینٹا، قطرہ۔ ۳۰- راکد ٹھہرا ہوا۔ ۳۱- یمنع روکتا ہے۔ المنع باز داشتن (روکنا)۔

تشریح وتوضیح کلام المصنف

نمبر ۱...... بحث تیمم میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ اگر زمین کو فوری طور پر پاک کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر تین مرتبہ پانی بہائے اور ہر مرتبہ کسی پاک کپڑے سے خشک کرے اور اس طرح اس پر کثرت سے پانی بہائے کہ نجاست کا کوئی اثر دکھائی نہ دے تو زمین پاک ہو جائے گی اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس پر اتنی مٹی ڈالے کہ نجاست کی بدبو محسوس نہ ہو تو ان ساری صورتوں میں اس پر نماز جائز ہے کیونکہ وہ پاک ہوگئی اور یہی حکم اس کنکری کا ہے جو زمین میں دھنسی ہوئی ہو اور خشک ہو جائے تو اس پر نماز ہو سکتی ہے البتہ اس سے تیمم نہیں ہو سکتا۔ (کیوں؟ اس لئے کہ تیمم اس مٹی سے جائز ہے جس کو کبھی نجاست نہ پہنچی ہو)

نمبر ۲...... خشک اور تر گھاس یا زمین کی باقی نباتات جو اس پر کھڑی ہوں اس سے الگ نہ ہوں اور انہیں نجاست پہنچ جائے تو ان کے خشک ہونے کی صورت میں وہ پاک ہو جائیں گی۔ خشک ہونا خواہ سورج کی دھوپ سے ہو یا ہوا وغیرہ سے ہو بشرطیکہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو ان کی طہارت میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ جو چیز زمین سے متصل ہو اس کا حکم زمین جیسا ہے۔ (اور زمین کی طہارت و پاکیزگی کی یہی صورت کتب روایات میں شارع سے مروی ہے)

نمبر ۳...... گدھے نے تر گھاس پر پیشاب کیا تو دھوپ لگنے اور شبنم پڑنے سے وہ پاک ہو جائے گی یہ مسئلہ عبارت سابق کے خلاف ہے کیونکہ پہلے یہ بیان کیا گیا کہ تر ہو جائے پھر تین مرتبہ خشک ہو جائے اور جمہور پہلے مسئلے پر قائم ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح پتھر یا پختہ اینٹ فرش میں لگی ہو اور دونوں ناپاک ہو جائیں تو نجاست کا اثر خشک ہونے کی وجہ سے ختم ہو جائے تو زمین کے حکم میں ہونے کی وجہ سے پاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر یہ ویسے ہی رکھے ہوئے ہوں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جا سکتے ہوں تو نجس ہونے کی صورت میں بغیر دھوئے صرف خشک ہونے سے پاک نہیں ہوں گے۔ کیونکہ خشک ہونے سے پاک ہو جانا صرف زمین کے متعلق ہے باقی چیزوں کا حکم الگ ہے اور جو چیز زمین سے علیحدہ ہو اس کے لئے زمین کا حکم نہیں ہو سکتا۔ کچی اینٹیں جب فرش میں لگی ہوں اور ناپاک ہو جائیں تو خشک ہونے کے بعد وہ پاک ہو جائیں گی۔ فتاویٰ قاضی خان میں اس نوع کے مسائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر پتھر ادھر ادھر کیا جا سکے اور اس میں نجاست جذب ہو جائے جیسے چکی کا پتھر تو وہ بھی خشک ہو جانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ اثر نجاست موجود نہ ہو لیکن اگر پتھر ناپاک ہو جائے اور اس کے اندر نجاست جذب نہیں ہوئی جیسے سنگ مرمر تو اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ پانی وغیرہ سے دھویا جائے اور ہر مرتبہ خشک کیا جائے اور خشک کرنے کی کئی صورتیں ہیں ہاتھ سے مل کر خشک کیا جائے یا کچھ دیر رہنے

سے اس کی تری ختم ہو جائے یا مٹی مل دینے سے خشک کر دیا جائے۔ اگر پانی اور مٹی باہم مخلوط ہو جائیں ان میں سے ایک نجس ہو تو ان جو گارا تیار ہو گا وہ نجس ہو گا کیونکہ پاک اور ناپاک چیز کے اختلاط سے جو چیز تیار ہوتی ہے وہ ناپاک شمار ہو گی۔ یہی صحیح ہے۔ بعض نے اس میں کچھ فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ پانی کا اعتبار ہے یعنی اگر پانی پاک ہو مگر مٹی ناپاک ہو تو گارا پاک ہو گا بعض نے مٹی کا اعتبار کیا ہے یعنی مٹی پاک ہو اور پانی ناپاک ہو تو جو گارا تیار ہو گا وہ پاک ہو گا اور بعض نے غالب کا اعتبار کیا ہے یعنی جو چیز غالب ہو اس کے مطابق حکم ہو بعض نے ظاہر کا اعتبار کیا ہے یعنی مٹی اور پانی میں سے جو پاک ہو اس کے مطابق حکم ہو گا۔ اس مسئلے کو امام محمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے بعض مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اسی کے مطابق یہ فتویٰ ہے کہ اگر ناپاک تیل سے صابن تیار کیا جائے تو وہ پاک ہو گا۔ اسی طرح اگر آدمی یا کتا صابن کی دیگ میں گر کر گل سڑ جائیں تو صابن پاک ہو گا۔ مصنف کبیری نے اپنی شرح میں اس پر کچھ بحث کی ہے۔ ناپاک گارے سے اگر لوٹا یا ہانڈی بنائے جائیں یا اور کوئی برتن بنایا جائے اور جب انہیں آگ میں پکایا جائے تو آگ میں نجاست زائل ہونے کی وجہ سے یہ پاک شمار ہوں گے، انہی کے قریب یہ چند صورتیں ہیں کہ گندگی، پاخانہ، لید گوبر وغیرہ جل کر خاکستر ہو جائیں یونہی گدھا نمک کی کان میں گل سڑ جائے یا مرنے کے بعد وہاں گر جائے اسی طرح کتا اور سور گل سڑ کر خاک ہو جائیں یا لید گوبر کنوئیں میں گر کر ان کی حالت بدل جائے اور وہ کیچڑ ہو جائیں۔ تو ان ساری صورتوں میں زوال نجاست کی وجہ سے یہ چیزیں پاک ہو جائیں گی حتی کہ اگر کسی نے نمک کھایا یا اس کی راکھ پر نماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے تو اسی پر فتویٰ ہے۔

اور اس باب میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی حقیقت بدل کر دوسری حقیقت پیدا ہو جائے تو حقیقت حادثہ پر حکم ہو گا۔ لیکن امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی ناپاک چیز کے جل جانے سے اس شے کی ذات پاک نہیں ہوتی لہذا گندگی کی راکھ نجس ہی ہو گی۔ لیکن فتویٰ اور فیصلہ امام محمد کے قول پر ہے۔ کیونکہ کسی شے کی حقیقت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔ جیسے جب شراب سرکہ ہو جائے تو اس کا حکم شراب جیسا نہ ہو گا بلکہ سرکہ کے مطابق ہو گا۔ لیکن مصنف نے یہاں یہ کہہ دیا ہے کہ اگر یہ راکھ پانی میں گر جائے تو صحیح یہ ہے کہ پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ مصنف کا یہ کہنا امام ابو یوسف کے قول کے مطابق تو صحیح ہو سکتا ہے لیکن امام محمد کے فتوے کے مطابق صحیح نہیں جیسا کہ تجنیس میں ذکر کیا گیا ہے لہذا مصنف کا پہلا اور پچھلا کلام آپس میں متعارض اور متناقض ہے کیونکہ دونوں میں مطابقت نہیں۔

پہلے کلام میں راکھ کو پاک کہہ دیا اور آخری میں اسے ناپاک قرار دیا پس یہی تضاد ہے اگر پختہ اینٹ زمین سے الگ رکھی ہوئی ہو اور کسی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ خشک کرنے سے پاک ہو جائے گی لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس اینٹ کا ظاہر پاک ہو گا نہ کہ باطن۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا کوئی ٹکڑا پانی میں گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا کیونکہ اس کے اندر نجاست جذب ہو گئی تھی اور دھونے سے اس کے ظاہر سے زائل ہو گئی لیکن باطن میں باقی رہی۔ اسی بنا پر یہ مسئلہ ہے کہ اس ٹکڑے کو اٹھا کر نمازی نماز پڑھے تو اس کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ نجاست کو اٹھائے ہوئے ہے۔

نمبر ۴...... گدھے کے پیشاب کے چھینٹے اڑ کر کپڑے تک پہنچ جائیں تو جب تک ان کے پیشاب ہونے کا یقین نہ ہو مانع صلوۃ نہیں۔ یہی حکم اس پاخانے کا ہے جو پانی میں گر جائے اور وہاں سے ناپاک چھینٹے اٹھیں اگر نجاست کا اثر موجود ہو تو کپڑا ناپاک ہو گا ورنہ نہیں فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس میں پانی جاری، غیر جاری کا فرق نہیں کیا لیکن فتاویٰ قاضی خان میں یہ فرق موجود ہے اور یہ لکھا

ہے کہ اگر ٹھہرے ہوئے پانی میں گدھا پیشاب کرے اور چھینٹیں قدر درہم سے زیادہ کپڑے تک پہنچ جائیں تو کپڑا ناپاک ہوجانے کی وجہ سے اس سے نماز جائز نہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے اس لئے دوسری شرائط کی طرح طہارت ثوب بھی جواز نماز کے لئے ضروری ہے چنانچہ کتب فقہ متون اور فتاووں میں یہ حکم صراحتاً مذکور ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔

و عن محمد بن الفضل رحمه الله اذا كان فى رجل الفرس نجاسة نحو السرقين فمشى فى الماء فاصاب ثوب المراكب صار الثوب نجسا سواء كان الماء راكدا او جاريا و ان لم يكن فى رجله نجاسة فلا يضره و سئل ابو نصر نالدباس عمن يغسل الدابة فيصيبه من ذلك الماء او عرقها قال لا يضره قيل له و ان كانت قد تمرغت فى بولها و روثها قال اذا جف و تناثر و ذهب عينه لا يضره ايضا و فى الذخيرة اذا القى الحجر المتلطخ بالعذرة فى الماء الجارى فارتفعت قطرات فاصابت ثوب انسان اكثر من قدر الدرهم قال ابو بكر لا يجب غسله الا ان يظهر فيه لون النجاسة و قال نصير يجب غسله و لو صلى احد و معه شعر امتان اكثر من قدر الدرهم جازت الصلوة و به اخذ الفقيه ابو جعفر و ابو القاسم الصفار و عن ابى حنيفة لا تجوز الصلوة به و به اخذ نصير و جرّة البعير كسر قينه و مرارة كل حيوان كبوله و اذا وقع جلد انسان فى الماء ان كان مقدار ظفر افسده و الظفر لو وقع بنفسه لا يفسده و فى اسنان الأدمى اختلاف المشائخ و ذكر فى فتاوىٰ البقالى قطعة جلد كلب التزق بجراحة فى الراس يعيد ما صلى به و ان صلى و معه سنور او حيّة تجوز صلاته بخلاف جر و الكلب و اذا لحست الهرة كفّ رجل يكره له ان يدعها تفعل ذلك و كذا يكره ان يأكل او يشرب ما بقى منها و ذكر فى موضع اٰخر انها ان لحست عضو انسان فصلى به قبل ان يغسل جاز و الاولىٰ ان يغسله .و فى الذخيرة اذا كانت النجاسة فى موضع الاستنجاء اكثر من قدر الدرهم فاستجمر بثلثة احجار و انقاه و لم يغسله بالماء قال الفقيه ابو الليث فى فتاواه يجزيه و به ناخذ

ترجمہ: نمبرا...... محمد بن فضل کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر گھوڑے کے پاؤں میں لید جیسی نجاست لگی ہو اور وہ پانی میں چلا تو سوار کے کپڑے کو کچھ نجاست پہنچ گئی تو کپڑا ناپاک ہوجائے گا خواہ پانی ٹھہرا ہو یا بہتا ہو لیکن اگر اس کے پاؤں میں نجاست نہ ہو اور کپڑے کو چھینٹیں لگ جائیں تو کچھ مضر نہیں امام ابونصر سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ جو

جانور کو نہلائے تو پانی یا پسینہ اس کو لگ جائے تو کیا حکم ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ کچھ ضرر نہیں۔ پھر ان سے یہ کہا گیا کہ اگر چہ وہ اپنے پیشاب اور لید وغیرہ میں لوٹ پوٹ ہوا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ جب خشک ہو جائے اور اس کے اجزا بکھر جائیں اور نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو پھر بھی کچھ مضر نہیں۔

نمبر۲...... کتاب ذخیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب گندگی سے لت پت پتھر بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے تو اس سے چھینٹیں اٹھ کر کسی آدمی کے کپڑے تک قدرے درہم سے زیادہ مقدار پہنچ جائیں تو امام ابوبکر نے فرمایا کہ ان کا دھونا واجب نہیں مگر جبکہ نجاست کا رنگ دکھائی دے۔ لیکن امام نصیر نے فرمایا کہ دھونا ضروری ہے۔ (اس کا فائدہ یہ ہے کہ پہلے قول پر اس کپڑے کے ساتھ نماز جائز ہے جبکہ قول ثانی پر بغیر دھوئے جائز نہیں)

نمبر۳...... اگر کسی شخص نے نماز پڑھی لیکن اس کے پاس قدرے درہم سے زیادہ آدمی کے بال تھے تو نماز جائز ہے اسی کو فقیہ ابوجعفر اور امام ابوالقاسم صفّار نے اختیار کیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ نماز جائز نہیں اسی کو امام نصیر نے اختیار کیا ہے۔ اونٹ کا ملیدہ چارہ اس کی لید کی طرح ہے اور ہر آدمی کا پتہ اس کے پیشاب جیسا ہے۔ (مراد یہ ہے کہ دونوں کا حکم پاک اور ناپاک ہونے میں برابر ہے)

نمبر۴...... اگر کسی آدمی کا چمڑا پانی میں گر جائے اگر ناخن کی مقدار ہو تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور انسان کے دانتوں میں مشائخ کا اختلاف ہے فتاویٰ بقالی میں ہے اگر کتے کے چمڑے کا کوئی ٹکڑا سر کے زخم سے چمٹ جائے تو اس کی موجودگی میں جو نماز اس نے پڑھی تو اسے لوٹائے۔ (کیونکہ وہ نہ ہوئی)

نمبر۵...... اگر کسی شخص نے نماز پڑھی جبکہ اس کے ساتھ بلّی یا سانپ تھا یعنی وہ انہیں اٹھائے ہوئے تھا تو نماز جائز ہے لیکن اگر کتے کا بچہ تھا تو نماز جائز نہیں۔

نمبر۶...... اگر بلّی نے کسی آدمی کے ہاتھ چاٹے تو اس آدمی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ اسے ایسا کرتے چھوڑ دے اور اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے کہ اس کا باقی ماندہ جوٹھا کھائے اور کسی دوسری جگہ ذکر کیا گیا کہ اگر بلّی نے کسی آدمی کے اندام کو چاٹا پھر اس نے دھونے سے پہلے اس کے ساتھ نماز پڑھی تو جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے دھو ڈالے۔ (تا کہ شبہ دور ہو جائے)

نمبر۷...... ذخیرہ میں ہے کہ جب مقام استنجاء میں نجاست مقدار درہم سے زیادہ ہو پھر اس نے تین پتھروں سے استنجاء کیا اور اسے صاف کیا لیکن اسے پانی سے نہ دھویا تو فقیہ ابواللیث نے اپنے فتاوے میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

مفردات جو کلام سابق میں آئے ہیں ان کی تشریح و وضاحت

۱-الفرس گھوڑا۔ ۲-السرقین یہ سرگین کا معرب ہے بمعنی لید۔ ۳-مشیٰ وہ چلا، اس کا مصدر ''مشی'' ہے۔ چلنا۔ ۴-الراکب

سوار ہونے والا جمع ''رُکبان'' ۔قرآن مجید میں ہے۔''فان خفتم فرجالاً اور کبانا'' اگر تمہیں جنگ میں حسب دستور نماز پڑھنے سے خطرہ ہوتو پھر جیسے ہو سکے نماز پڑھو خواہ پیادہ ہو یا سوار۔یہاں سواروں کے لئے ''رُکبان'' جو راکب کی جمع ہے استعمال کیا گیا ہے۔۵- یُغسل من الِا غسال از باب اِفعال، چونکہ یہ متعدی ہے اس لئے مجرد ''غسل'' کے معنی ہے خود نہانا جبکہ اِغسال مزید فیہ کے معنی ہیں دوسرے کو نہلانا۔۶- الـــــدّابة (مایدب علی الارض) جو زمین پر چلے لیکن زیادہ تر عام گھریلو جانوروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اس کی جمع ''دواب'' ہے۔ ۷-تـمـرغـت وہ جانور لوٹ پوٹ ہوا۔تمرغ: زمین پر لوٹ پوٹ ہونا۔ ۸- روث لید جمع ارواث۔۹- تـنـاثـرت من التناثر ۔بکھرنا۔۱۰- التلطخ وہ جو کسی چیز سے آلودہ اور لت پت ہو جائے۔۱۱- اِرتـفـاع ارتفعت، بلند ہونا۔۱- لون رنگ، جمع الوان ۔۱۳- شعر بال جمع شعور۔۱۴-جرۃ چبایا ہوا چارہ یعنی وہ چارہ جو اونٹ وغیرہ کوئی جانور ایک دم نگل کر پھر آہستہ آہستہ اسے منہ لوٹا کر ملیدہ اور باریک کر کے دوبارہ زود ہضم ہونے کے لئے پیٹ لے جائے جس کو پنجابی میں ''گلی'' کہتے ہیں۔۱۵- البـعـیـــر اونٹ۔ ۱۶- مِرارۃ پتا۔۱۷- اسنان اس کی واحد سن ہے بمعنی دانت۔۱۸- اِلتزاق چمٹ جانا۔۱۹- جِرو بچہ خصوصاً کتے اور بھیڑیے کا بچہ۔۲۰- یَدَعُ چھوڑ دے۔وَدَعَ، یَدَعُ ودعُ: چھوڑ دینا۔۲۱- لَحسٌ چاٹنا۔۲۲- اِستجمر اس نے استنجا کیا۔ استجمار استنجا کرنا۔۲۳- اِنقاء صاف وستھرا کرنا۔

تشریح کلام المصنف وتوضیحہ بقدر الضرورۃ علیٰ وجہ الاختصار

نمبرا...... اس مسئلہ کے بارے میں شارح صغیری لکھتے ہیں:''ذُکـر عن مـحـمـد بـن الـفـضل عکس اِختیار الفقیہ فی الـجـاری و الـراکـد (اھ) یعنی جو کچھ محمد بن فضل کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے وہ فقیہ ابو اللیث کے اختیار کردہ مسئلے کا الٹ ہے جو موصوف نے آب جاری اور ساکن کے فرق سے ارشاد فرمایا ہے۔لیکن محمد بن فضل نے ارشاد فرمایا اگر گھوڑے کے پاؤں میں لید جیسی نجاست لگی ہو اور وہ پانی میں بمعیت سوار چلے اور اس سے کچھ چھینٹے اڑ کر سوار کے کپڑے کو لگ جائیں تو کپڑے کے جس حصہ تک وہ چھینٹیں پہنچ جائیں تو وہ حصہ ثوب ناپاک ہو جائے گا اور پانی کے جاری یا ساکن ہونے میں کچھ فرق نہیں۔(یعنی اس فرق سے مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا) لیکن اگر گھوڑے کے پاؤں پر نجاست نہ ہو تو پھر کپڑے تک چھینٹیں پہنچنا کچھ مضر نہیں اس لئے کہ وہ چھینٹیں ناپاک نہیں تا کہ کپڑا ان سے ناپاک ہو جائے۔

قال الحلبی فی شرح الصغیری و الاصح ھو الاول لان الیقین لا یزول بالشک

یعنی زیادہ صحیح قول اول ہے کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا جیسا کہ یہ مشہور ومعروف قاعدہ ہے۔(خلاصہ) کپڑے کی طہارت یقینی ہے اور چھینٹوں کا ناپاک ہونا یقینی نہیں بلکہ پاک اور ناپاک ہونے میں دونوں احتمال موجود ہیں۔گویا ان کا ناپاک ہونا بر بنائے شک ہے لہذا یہاں یقین اور شک کا اجتماع ہو گیا ہے اور یقین قوی ہے جبکہ شک اس کے مقابلہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس ضعیف سے قوی کا ازالہ نہیں ہو سکتا بلکہ قوی سے ضعیف کا ازالہ ہو گا۔لہذا طہارت زائل نہ ہو گی بلکہ عدمِ طہارت زائل ہو گی پس یہ مفہوم ہے۔(الیقین لا یزول بالشک) الظن لا یُغنی من الحق شیئاً) ہاں اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ چھینٹیں پیشاب کی ہیں تو حکم تبدیل ہو جائے گا۔

خلاصہ کلام......فقیہ ابو اللیث نے جو کچھ فرمایا وہ اقرب الیٰ الصواب اور قرین قیاس ہے لہذا محمد بن فضل کی بات بعید عن الصواب

ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔

اور امام ابونصر دباس سے جو مسئلہ پوچھا گیا اور پھر انہوں نے فقہی بصیرت سے اس کا جواب ارشاد فرمایا اس کا مفہوم بھی تقریباً قاعدہ سابقہ ''الیقین لا یزول بالشک'' پر مبنی ہے لہذا دونوں کا حکم ایک جیسا ہے۔ رہی دوسری شق تو وہ اس اصول پر استوار ہے کہ اگر نجاست خشک ہو جائے اور اس کی عین ذات زائل ہو جائے تو اس سے آلودہ چیز (بوجہ انعدام ذات نجاست) پاک تصور ہوگی لہذا یہ حکم مسئلہ بھی کوئی اجنبی اور از قسم نوادرات نہیں بلکہ مسلمہ اور طے شدہ قواعد وضوابط پر مبنی ہے۔

نمبر۲...... اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ نجاست آلود پتھر یا اینٹ پانی میں ڈال دیا جائے تو اس کے ڈالتے وقت چھینٹیں اڑ کر مقدار درہم سے زیادہ کسی آدمی کے کپڑے تک پہنچ جائیں تو کپڑے کے اس حصے کے دھونے یا نہ دھونے میں آئمہ کا اختلاف ہے ابوبکر رازیؒ کہتے ہیں کہ اس کا دھونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر اس میں نجاست کا رنگ وغیرہ دکھائی دے تو الگ بات ہے لیکن امام نصیر ابن یحیٰؒ کہتے ہیں کہ دھونا ضروری ہے لیکن ابوبکر رازی کا قول زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ امام قاضی خان نے ان چھینٹوں کے بارے میں فرمایا کہ جو گندگی سے اڑ کر کسی کپڑے وغیرہ تک پہنچ جائیں تو جب تک ان کا اثر معلوم نہ ہو کپڑا ناپاک نہ ہوگا خلاصہ وغیرہ میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

جب عین نجاست کا یہ حکم ہے تو پھر نجاست آلود چیز کا کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ حکم نہ ہو۔ (شرح مُلتقی)

نمبر۳...... کسی آدمی کے مقدار درہم سے زیادہ بال اپنے پاس رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ بال پاک ہیں۔ فقیہ ابوجعفر ہندوانی ابو القاسم صفار وغیرہ مشائخ نے یہی فرمایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ نماز جائز نہیں کیونکہ بال ناپاک ہیں۔ نصیر ابن یحیٰؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ مردار کے بال پاک ہیں تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان کے بال ناپاک ہوں۔ اونٹ جو چارہ ایک دم نگل کر پھر اس کو باریک کرنے کے لئے منہ میں لاتا ہے تو وہ ناپاک ہے کیونکہ اس کا حکم لید جیسا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ عبارت میں جو لفظ جرۃ البعیر آیا ہے یہ حرف جیم کے زیر یا زبر کے ساتھ ہے۔

علامہ صغیری نے اس کی یہ تعریف فرمائی ہے: " مایُعیدہ البعیر بعد الابتلاع فیمضَغُہ " اس کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزر گیا ہے۔ ہر جانور کے پتے کا وہی حکم ہے جو اس کے پیشاب کا ہے کیونکہ وہ فضلات سے ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے۔

نمبر۴...... اگر انسان کی کھال کا کوئی حصہ تھوڑے پانی میں گر جائے بشرطیکہ ناخن کی مقدار ہو تو پانی ناپاک ہو جائے گا اس لئے کہ زندہ آدمی کا جو حصہ اس سے الگ کیا جائے تو وہ مردار کے حکم میں ہے لیکن اگر مقدار ناخن سے کم ہو تو وہ دفع حرج کے طور پر معاف ہے کیونکہ معمولی چیز سے بچنا مشکل ہوتا ہے آدمی کے دانتوں کا مشائخ میں اختلاف ہے لیکن ظاہر روایت کے مطابق وہ پاک ہیں۔ کتے کے چمڑے کا کوئی حصہ سر کے زخم سے چمٹ جائے اگر مقدار درہم سے زیادہ ہو تو نماز نہ ہوگی اسے لوٹائے اور چمڑے میں یہ شرط ہے کہ وہ دباغت شدہ نہ ہو اور کتے کو شرعی طریقے پر ذبح نہ کیا گیا ہو ورنہ حکم بدل جائے گا۔

فائدہ...... لفظ ھندوانی بعض معتبر نسخوں میں حرف ہاء کے پیش کے ساتھ ہے لیکن منظومی نسفی میں زیر کے ساتھ لکھا گیا ہے یہ ھندوان کی طرف منسوب ہے جو علاقہ بلخ میں ایک قلعہ کا نام ہے وہاں لونڈیاں اور غلام لائے جاتے تھے۔ شاید یہ بزرگ وہیں پیدا ہوئے اس لئے انہیں ہندوانی کہا جاتا ہے۔

نمبر۵...... اگر بلی یا سانپ ساتھ ہوں تو نماز جائز ہے اور ان تمام جانوروں کا یہی حکم ہے کہ جن کا جوٹھا نجس نہیں۔ اس مسئلہ میں دو

صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ خود اس کے جسم پر بیٹھ جائیں دوسری صورت یہ ہے کہ یہ خود انہیں اٹھائے۔ دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے جسم پر نجاست مانع صلوٰۃ نہ ہو تو نماز ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح کسی ایسے بچے کو اٹھانا جو اپنے آپ کو تھام نہ سکے جبکہ اسکے کپڑے یا جسم پر گندگی لگی ہو تو نماز نہ ہوگی۔ لیکن اگر بچہ اپنے آپ کو تھام سکتا ہے تو یہ اس کو اٹھائے تو نجاست کے باوجود نماز ہو جائے گی لیکن اگر کتے کے بچے کو اٹھائے یا اس قسم کے دوسرے جانور جس کا جوٹھا نجس ہے تو نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ نجاست کو اٹھانے والا ہے۔ لیکن اگر وہ خود اس کے جسم پر بیٹھ جائے اور اس نے اٹھایا نہ ہو تو جو لوگ کتے کو نجس العین کہتے ہیں ان کے نزدیک حمل نجاست کی وجہ سے نماز نہ ہوگی۔ لیکن صحیح روایت کے مطابق نماز ہو جائی گی کیونکہ یہ شخص حامل نجاست نہیں۔

نمبر۶...... اگر کسی انسان کے ہاتھ پاؤں یا کسی دوسرے اندام کو بلی چاٹنے لگے تو اسے ایسا نہ کرنے دے کیونکہ اس کا لعاب مکروہ ہے اور مکروہ چیز سے اپنے اندام کو ملوث کرنا ٹھیک نہیں۔ لہذا یہ بلی کا جوٹھا کھانا نہ کھائے اور پانی نہ پیئے۔ اور یہ بھی ذکر آیا ہے کہ اگر بلی نے انسان کے کسی عضو کو چاٹا تو بہتر یہ ہے کہ اسے دھو کر نماز پڑھے اگر چہ بغیر دھوئے بھی نماز ہو جاتی ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔ اور مکروہ شے کا ازالہ مستحب ہے اور مستحب کام کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے۔

نمبر۷...... اگر مقامِ استنجا میں درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست لگی ہو تو کسی نے تین پتھروں سے استنجا کر کے اسے صاف کیا لیکن پانی استعمال نہ کیا تو فقیہ ابو اللیث کے فتاوے میں اس کو بغیر کراہت کے جائز قرار دیا ہے اگر چہ بہتر نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا کیونکہ کہیں بھی اختلاف مروی نہیں۔

نجس بخارات کا حکم

الرجل اذا استنجیٰ بالماء و خرج منه ریح قبل ان ییبس هل یتنجس من الیته الموضع الذی تمر به الریح ام لا الاصح انه لا یتنجس و ذکر فی موضع اٰخر یجب علیه ان یعید الاستنجاء لانه لما خرج منه الریح یخرج الماء الذی دخل وقت الاستنجاء و کذا اذا کان قد لبس سراویله مبتلة فخرج منه الریح لا یتنجس السراویل و اذا ارتفع بخار الکنیف او المربط فاستجمد فی الکوة او فی الباب ثم ذاب فاصاب ثوبه یتنجس ـ کلب مشی علی طین رطب فوضع رجل قدمَه علی ذلک الطین یتنجس قدمه

ترجمہ...... ایک آدمی نے پانی کے ساتھ استنجا کیا پھر جائے استنجا خشک ہونے سے پہلے ہی اس کی ہوا خارج ہو گئی تو کیا اس کے سرینوں کا وہ حصہ جس پر ہوا گزری ناپاک ہو گیا یا نہیں؟ (یہ ایک شرعی سوال ہے) پس مشائخ کرام کا اس میں اختلاف ہے (بعض اس کو پاک اور بعض ناپاک قرار دیتے ہیں) لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

کوئی کتا کیچڑ (اور گارے) پر چلا پھر وہاں اس گارے پر کسی آدمی نے پاؤں رکھا تو اس کا پاؤں ناپاک ہو جائے گا۔

تشریح

دونوں گروہوں کے الگ الگ دلائل ہیں۔ آئمہ کرام میں سے شمس الآئمہ حلوانی اسے نجس قرار دیتے ہیں اسی کے مطابق اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ اگر ہوا نجاست سے ہو کر گزرے اور کسی گیلے اور تر کپڑے کو چھو جائے تو شرعاً کیا حکم ہے اس میں بھی عام اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوتا مگر شمس الآئمہ حلوانی اسے حسبِ سابق نجس قرار دیتے ہیں۔

ناپاک قرار دینے والوں کی دلیل...... یہ ہے کہ اگرچہ ہوا پاک ہے لیکن نجاست کو مس کر کے گزرنے سے وہ ناپاک ہوگئی ہے یہی وجہ ہے کہ ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ ناپاک محل (معدہ) سے ہو کر آئی ہے جو ناقضِ وضو ہے۔

اور پاک کہنے والوں کی دلیل...... یہ ہے کہ ہوا ذاتی طور پر پاک ہے اس سے نجاست کی آمیزش نہیں ہوسکتی ورنہ ڈکار مارنے سے بھی یہی حکم بالنجاستہ ہونا چاہیئے کیونکہ نجس چیز خواہ نیچے سے آئے یا اوپر سے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ جیسے قے کرنا لہذا اصح یہی ہے کہ جگہ یا کپڑا مر وِرِ ہوا سے نجس نہ ہوگا۔ لہذا شمس الآئمہ حلوانی کا مؤقف درست نہیں۔

ترجمہ...... ایک دوسری جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ شخص مذکور اس صورت میں دوبارہ استنجا کرے گا (کیونکہ ناپاک ہوا لگنے سے وہ جگہ ناپاک ہوگئی ہے) اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب استنجا کرنے کے بعد ہوا نکلی تو اس کے ساتھ وہ پانی بھی خارج ہوا جو استنجا کرنے کے وقت اندر داخل ہو گیا تھا (اور وہ نجس ہے کیونکہ وہ محل نجاست تک جا کر پھر باہر آیا ہے لہذا ہوا کے ساتھ ساتھ وہ نجس پانی بھی مقام استنجا اور اس کے آس پاس لگ گیا ہے۔) (لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ جب تک تحقیق یا غلبہ ظن نہ ہو جائے اِعادہ استنجا نہیں کیونکہ **الیقین لا یزول بالشک** قاعدہ مقررہ مسلّمہ عندالآئمہ ہے۔

ترجمہ...... اسی طرح اگر کسی شخص نے گیلی (تر) سلوار پہنی اور پھر ہوا خرج ہوئی تو سلوار ناپاک نہ ہوگی۔

تشریح

اس کی تفصیل اور وجہ وہی ہے جو سابقاً بیان ہو چکی ہے اور اس میں عام فقہائے کرام اور امام حلوانی کا وہی اختلاف ہے۔ جو قبل ازیں بیان کر دیا گیا ہے۔ اور فیصلہ اور صحت فتویٰ جمہور کے حق میں ہے۔

قول المصنف...... اسی طرح بیت الخلاء (لیٹرین) یا طویلہ کے (وہ جگہ جہاں جانور باندھے جاتے ہیں) بخارات چھت یا دیوار کے طاق میں اوپر چڑھ کر جمع ہو جائیں یا دروازے پر جمع ہو جائیں (پھر وہ پگھل کر قطرات کی شکل اختیار کر لیں) اور کسی آدمی کے جسم یا کپڑے کو لگ جائیں تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔

تشریح

کیونکہ وہ بستہ بخارات اجزائے نجاست کے جمع ہوتے ہیں جو ناپاک ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ بخارات کو نجس قرار دینا قیاس ہے۔ اور استحسان یہ ہے کہ ضرورت اور عدم تحرز کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں (کیونکہ اس نوع کے معاملات سے بسا اوقات بچاؤ مشکل ہوتا ہے) اور یہی حکم حمام وغیرہ کے بخارات متصاعدہ کا ہے۔ (صغیری صفحہ ۱۰۸)

چند مفردات مستعملہ در عبارت

۱- ریح ہوا۔ جمع ریاح۔
۲- یُبِسَ خشک ہو جانا۔ اسی سے یَبِسَ صیغہ ماضی بنا ہے۔
۳- الیتہ سرین، چوتڑ، الیتیہ دوسرین۔
۴- تمرّ من المرور گزرنا۔
۵- سراویل سلوار، پاجامہ۔
۶- مبتلة تر ہوگئی، بلل تری۔
۷- اِرتفع بلند ہوگیا۔ الِارتفاع: بلند ہونا۔
۸- بخارات جمع ہے اس کا واحد بخار ہے، بھاپ جو پانی ہوا بن کر اوپر اٹھے۔
۹- الکنیف لیٹرین۔ الکنائف، جمع ہے
۱۰- مرابط اس کا واحد مَربط ہے، جانور باندھنے کی جگہ۔ طویلة: اصطبل وغیرہ۔
۱۱- اِستجمد وہ جم گیا۔
۱۲- اَلکوَّةُ طاق، سوراخ۔
۱۳- الباب دروازہ اس کی جمع ابواب ہے۔
۱۴- ذَابَ وہ پگھل گیا، الذُّوب: پگھل جانا۔
۱۵- الاصابة پہنچنا۔
۱۶- یتَنَجَّسُ وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ التنجس: اس کا مصدر ہے بمعنی ناپاک ہونا۔
۱۷- کلبٌ کتا۔
۱۸- مشیٰ وہ چلا۔ مشیٌ اس کا مصدر ہے بمعنی چلنا۔
۱۹- الطِین کیچڑ۔
۲۰- وضَعَ صیغہ ماضی اس نے رکھا۔ اس کا مصدر "وَضْعٌ" ہے رکھنا۔
۲۱- قدم پاؤں۔
۲۲- یتنجس صیغہ مضارع وہ ناپاک ہو جائے گا یا ہو جاتا ہے، زمانہ حال یا استقبال۔

تشریح

جہاں کتے نے پاؤں رکھا تھا بالکل اسی جگہ تر مٹی پر کسی آدمی کا پاؤں آ گیا تو آدمی کا پاؤں ناپاک ہو جائیگا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کتے کے ناپاک پاؤں نے اس کیچڑ کو ناپاک کر دیا اور جب ناپاک کیچڑ پر آدمی کا پاک پاؤں آیا تو وہ بھی نجاست کے اتصال سے ناپاک ہو گیا لہٰذا اس کے لئے چنداں دلیل کی ضرورت نہیں۔

و كذا اذا مشى الكلب على الثلج و الثلج رطب و ان كان الثلج جامدا فهو طاهر الكلب اذا اخذ عضو انسان او ثوبه لا يتنجس ما لم يظهر فيه اثر البلل سواء كان الكلب راضيا او غضبانَ الكلب اذا اكل بعض عنقود العنب يغسل ما اصاب فمه ثلثا و يوكل

ترجمہ...... اسی طرح جب کتا برف پر چلے اور برف تازہ ہو تو یہی حکم ہے اور اگر برف جمی ہوئی ہو تو وہ پاک ہے۔ اگر کتے نے کسی آدمی کا عضو یا اس کا کپڑا پکڑا تو وہ ناپاک نہ ہوگا جب تک اس میں تری کا اثر ظاہر نہ ہو خواہ کتا خوش ہو یا

غضبناک۔ اگر کتے نے انگور کے خوشے کا کچھ حصہ کھایا تو جہاں تک اس کا منہ پہنچا اتنی جگہ کو تین مرتبہ دھوڈالے اور پھر اسے کھالیا جائے۔

چند مفردات جو استعمال ہوئے ہیں ان کی کسی قدر وضاحت

۱- الثلج برف۔
۲- رَطَبٌ تروتازہ۔
۳- جامد جمی ہوئی چیز۔
۴- اَخذَ اس نے پکڑا۔ اَخذٌ اس کا مصدر ہے، پکڑنا۔
۵- البلل تری اور نمی۔
۶- غضبان غضب ناک اور حالت غصہ میں ہونا۔
۷- اَکَلَ اس نے کھایا۔ اس کا مصدر اُکْل، کھانا۔ اسی سے لفظ ماکولات بنا ہے۔ کھائی ہوئی چیزیں۔
۸- عنقود خوشہ۔
۹- العنب انگور اس کی جمع اعناب۔
۱۰- اصاب وہ پہنچا۔ الاصابۃ: پہنچنا۔
۱۱- فمہ اس کا منہ۔
۱۲- یُؤکلُ وہ کھایا جائے۔

تشریح

کتے کے بارے میں ہمارے آئمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک کتا نجس العین ہے جب کہ بعض اس چیز کے قائل نہیں اور زیادہ صحیح یہی ہے چنانچہ کمال ابن ھمام نے اس کو بیان فرمایا ہے لہذا برف یا کیچڑ وغیرہ کے مسائل میں اگر کتا نجس العین نہ ہوتو پھر یہ حکم نہیں اگر برف جمی ہوئی ہو اور کتے نے اس پر قدم رکھا پھر کسی آدمی نے قدم اس جگہ رکھا تو آدمی کا قدم ناپاک نہ ہوگا کیونکہ خشک ہونے کی وجہ سے اس کے پاؤں کے ساتھ نجاست کا اتصال نہیں ہوا۔ اسی طرح کتے کا جب تک کسی چیز کے ساتھ لعاب نہ لگے تو وہ ناپاک نہ ہو گی۔ اس میں کتے کے خوش یا غضب ناک ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ ملتقط میں اسی کو ذکر کر کے مختار کہا گیا ہے۔ جب کہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگر کتا خوش ہو اور کھیلتے ہوئے کسی آدمی کے عضو یا کپڑے کو دانتوں سے منہ میں پکڑے تو اس صورت میں وہ ناپاک ہو جائیں گے کیونکہ اس حالت میں اس کے لعاب میں سیلان ہوتا ہے اور غضب ناک ہونے کی صورت میں وہ ناپاک نہ ہوگا کیونکہ لعاب خشک ہوتا ہے۔ انگور کو دھونے کی وجہ بھی اس کے ناپاک لعاب لگنے کی وجہ سے ہے۔

جس طرح تین مرتبہ برتن کو دھونے کا حکم ہے اسی طرح خوشہ انگور کو دھونے کا حکم ہے۔ یونہی اگر خوشہ انگور خشک ہو جائے تو اسے صرف دھویا جائے۔ احناف کا مؤقف یہی ہے لیکن باقی تین اماموں کے نزدیک اگر کتا برتن میں منہ ڈالے اور برتن اس کے لعاب سے ناپاک ہو جائے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھا جائے لیکن امام مالک کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک واجب ہے۔ دیگر آئمہ کی دلیل بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے اسے سات مرتبہ دھویا جائے جبکہ پہلی مرتبہ مٹی استعمال کی جائے۔ ہمارے آئمہ کا جواب یہ ہے کہ اس نوع کی حدیثوں میں مختلف الفاظ آئے ہیں کسی میں سات کا ذکر ہے بعض میں پانچ کا ہے بعض میں تین کا ہے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تین کا ذکر ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ سات والی حدیث ابتدائی دور پر محمول ہے جب کہ کتے کے معاملے میں اسلام میں شدت کا رویہ ملتا تھا اور اسے قتل

کرنے کا حکم تھا پھر بعد میں اس معاملے میں نرمی ہوگئی اور کتے کی بعض قسموں کو پالنے کا حکم ہوگیا تو پھر اس موقع پر اس کی نجاست سے برتن کو تین مرتبہ ہی دھونا طہارت کے لئے کافی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ تین مرتبہ والی روایت آخری معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسری روایات ابتدائی دور پر محمول ہیں۔ لہٰذا روایات میں اس تطبیق سے تعارض دفع ہوگیا اور دونوں حکموں کا ماٴخذ معلوم ہوگیا ہے۔

و كذا يغسل بعد ما يبس العنقود و لو عصر العتب فادمى رجله وسال الدم على العصير و العصير يسيل ولا يظهر اثر الدم فيه لا يتنجس و هذا قول ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله كما فى الماء الجارى ذكره فى المحيط و ان توضأ بالماء المشكوك او بالماء المكروه ثم وجد ماء خالصاً ليس عليه غسل ما اصابه الماء و اما ما لزق من الدم السائل باللحم فهو نجس و ما بقى فى اللحم و العروق فليس بنجس

ترجمہ...... اور اسی طرح خوشہ انگور خشک ہوجانے کے بعد بھی اسے دھولیا جائے اگر کسی نے انگور نچوڑا پھر اس کا پاؤں زخمی ہونے کی وجہ سے اس سے خون نکلا اور وہ خون شیرہ انگور پر پڑا اگر اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو تو وہ ناپاک نہ ہوگا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا یہی مؤقف ہے۔ اُس بہتے پانی کی طرح جو اس قسم کی معمولی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا اس کو محیط میں بیان کیا ہے۔

تشریح

شیرہ انگور کے نجس نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہتا ہے اس لئے اس کو آب جاری سے تشبیہ دی گئی۔ اگر وہ پاؤں کے زخمی ہونے کے وقت بہتا نہ ہو اور خون کا اثر اس میں ظاہر ہو جائے تو وہ نجس ہو جائے گا پھر اس کے پاک کرنے کی صورت یہی ہے کہ وہ شراب ہونے کے بعد سرکہ بن جائے ورنہ پاک نہ ہوگا خلاصہ میں ہے کہ اگر چوہا کسی شراب کے مٹکے میں گر جائے پھر وہ شراب سرکہ ہو جائے اور چوہا گلنے پھٹنے سے پہلے ہی نکال دیا جائے تو وہ سرکہ پاک شمار ہوگا اور اگر وہ گل سڑ جائے تو اس کا استعمال مباح نہ ہوگا اور اگر چوہا انگور کے نچوڑ میں گر جائے پھر وہ شراب بن کر سرکہ ہو جائے تو یہ اس طرح نہ ہوگا جس طرح وہ شراب میں گر گیا۔ اسی طرح کتا اگر انگور کے نچوڑ کے برتن میں منہ ڈالے پھر وہ شراب ہو کر سرکہ ہو جائے تو وہ پاک نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نچوڑ نجس ہو جائے پھر شراب بن جائے پھر سرکہ کی شکل ہو جائے تو پاک نہیں ہوتا۔

چند مفردات جو استعمال ہوئے ہیں ان کی تشریح اور وضاحت

۱- يَبِسَ — وہ خشک ہوگیا۔ یَبَسٌ خشک ہونا۔ یُبوست خشکی۔ ۲- عَصَرَ — اس نے نچوڑا۔ عَصْر: نچوڑنا۔
۳- اَدْمٰى الادماء — وہ خون آلود ہوگیا، دم: خون۔ خون آلود ہونا۔ ۴- العصير — نچوڑ، شیرہ۔ یہاں شیرہ انگور مراد ہے۔
۵- يسيل من السيلان — وہ بہتا ہے۔ سیلان کسی چیز کا بہنا اور جاری ہونا۔ ۶- وَجَدَ — اس نے پایا۔ وِجدان۔ کسی چیز کو پالینا۔

۷- لَزِقَ وہ چمٹ اور پیوست ہو گیا۔ لزوق: پیوست ہونا۔ ۸- دم سائل بہتا خون۔
۹- بَقِیَ وہ باقی رہ گیا۔

ترجمہ...... اگر کسی آدمی نے مشکوک یا مکروہ پانی سے وضو کیا پھر اسے خالص صاف پانی مل گیا تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس دھوتی ہوئی چیز کو پھر خالص پانی سے دھوئے کیونکہ وہ دونوں پانی پاک ہیں۔ ہاں البتہ کراہت کو دور کرنے کے لئے دھونا مستحب ہے۔

بہتا خون جو گوشت سے لگ جائے وہ ناپاک ہے اور جو گوشت اور رگوں میں ٹھہرا ہوا اور بہتا نہ ہو وہ ناپاک نہیں۔ (بلکہ پاک ہے لہذا اسے استعمال کیا جا سکتا ہے)

تشریح

جمہور اہلِ علم کے نزدیک بہنے والا خون ناپاک ہوتا ہے لہذا جو خون گوشت اور رگوں میں برقرار ہو وہ پاک ہے لیکن امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اس کے کھانے کی اجازت ہے لیکن اگر کپڑے سے لگ جائے تو اس کی اجازت نہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی روایت میں ہے کہ وہ جب ہانڈی میں گوشت ڈالتیں تو جب تک اس کی زردی ختم نہ ہوتی اسے اتارتی رہتیں۔ اگر دل کا خون کسی چیز کو لگ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی۔

و ذکر فی المحیط قال و رأیت فی بعض الکتب الطحال و القلب اذا شق و خرج منه دم لیس بسائل فلیس بشیٔ

محیط میں یہ بیان کیا گیا کہ میں نے بعض کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ تلی اور دل جب چیرے جائیں اور ان سے خون نکلے لیکن وہ بہنے والا نہ ہو تو کچھ حرج نہیں۔ (یعنی اس سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر کلیجی سے خون برآمد ہو لیکن بہتا نہ ہو تو وہ پاک ہے اسی طرح جو خون ان کے ساتھ پیوست ہو تو وہ بھی پاک ہے)

چند مفردات جو استعمال ہوئے ہیں ان کی تشریح اور وضاحت

۱- رأیتُ میں نے دیکھا۔ اس کا مصدر رؤیۃ: ہے دیکھنا۔ "اراۃ" متعدی ہے جس کا معنی ہے دکھانا۔ ۲- الکُتب کتابیں۔ مجموعہ جات۔ اس کا واحد کتاب بروزنِ فِعال بمعنی مفعول یعنی کتاب بمعنی مکتوب ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ "کتاب اور کتابۃ" کے اصل معنی جمع ہونا اور جمع کرنا ہے پس مناسبت سے فرض کرنا۔ کسی چیز کو لازم کرنا، ثابت کرنا اور لکھنا ان معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اول کی مثال جیسے "یُقال کَتَبَ الجملُ علی الماء" یعنی اونٹ پانی پر جمع ہو گئے۔ دوم کی مثال "کُتِبَ علیکم الصِیام" یعنی تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ یہ باقی تین معانی (لازم، ثابت کرنا اور لکھنا) میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ (کتاب اللّٰہ علیکم) یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر لازم کردہ حکم ہے۔ اس کی تم پر لکھت ہے اور ثابت شدہ معاملہ ہے۔ مِنْ اَجلِ ذالک کتبنا علی بنی اسرائیل اَی فرضنا و الزمنا علیهم۔ اور "کُتِبَ علیکم القِصاصُ فی القتلیٰ" الخ۔ اور اسی طرح بہت سی آیات ہیں جب میں یہ لفظ تقریبا

معانی مذکورہ میں استعمال کیا گیا مگر بنیادی طور پر یہ جمع ہونے وغیرہ کے معنی میں آئمہ لغت لکھتے ہیں پس کتاب اور خط کو کتاب اور مکتوب کا نام اسی لئے دیا جاتا ہے کہ دونوں میں الفاظ، معانی اور مضامین کا اجتماع ہوتا ہے۔

۳- الطحال تلی۔ ۴- القلب دل جمع قلوب۔۵- الکبد کلیجی۔۶- شُقَ وہ چیرا گیا۔الشَّقُّ چیرنا، پھاڑنا۔ ۷- سائل یہ صیغہ اسم فاعل ہے اس کا مصدر ''سیلان'' ہے پس سائل کا معنی بہنے والا جبکہ ''سیلان'' کا معنی بہنا ہے۔۸- لیس بشئ وہ چیز نہیں یعنی اس کا کچھ اعتبار اور اثر نہیں۔

و قال فی الملتقط و لو صلی و هو حامل رجل شهید و علیه دماؤه تجوز صلاته و قال فی موضع اٰخر امرأة صلت و هی حاملة صبیٍ و ثوب الصبی نجس جازت صلاتها اذا اصلح مصارین شاة میتة فصلی بها جازت صلاته و لو صلی و معه فارة مسک جازت صلاته امرأة صلت و معها صبی میت فان کان لم یستهل عند و لادته فصلاتها فاسدة غسل او لم یغسل و کذا ان استهلّ و لم یغسل و اما ان کان قد استهل و غسل فصلاتها تامة ذکره فی العیون

ترجمہ.....ملتقط میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز اس حالت میں پڑے کہ کسی شہید کو اٹھائے ہوئے ہو اور اس پر خون موجود ہو تو اس کی نماز جائز ہے (اس لئے کہ شہید کا خون جب تک اس کے جسم سے پیوست ہو حکماً پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا دھونا ضروری نہیں لیکن اگر وہ اس کے جسم سے الگ ہو تو پھر وہ باقی خونوں کی طرح ناپاک ہے) ملتقط میں ایک دوسری جگہ اس کے مصنف نے بیان فرمایا اگر کوئی عورت اس حالت میں پڑھے کہ ناپاک کپڑوں والے بچے کو اٹھائے ہوئے ہو تو اس کی نماز جائز ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ بچہ اپنے آپ کو تھام سکتا ہو لیکن اگر اپنے آپ کو نہ تھام سکے تو پھر اس عورت کی نماز جائز نہ ہو گی اس لئے کہ وہ گویا ناپاک اسباب کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہی ہے) اور ظاہر ہے کہ ناپاک چیز کو اٹھا کر نماز پڑھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

ترجمہ......اگر کسی مردہ بکری کا پیٹ چاک کر کے اس کی آنتیں نکال کر اسے صاف کیا گیا ہو پھر اسے اٹھا کر کوئی عورت نماز پڑھے تو اسکی نماز جائز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گویا دباغت شدہ کھال کی طرح ہے جس طرح اس کے ساتھ نماز جائز ہے بالکل اسی طرح اس کے ساتھ بھی نماز جائز ہے، امام قاضی خان نے فرمایا کہ اگر مثانہ کی اصلاح کی جائے اور اس کی دباغت کر دی جائے تو پھر اس میں دودھ یا گھی وغیرہ ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ اب وہ پاک برتن کی طرح ہے۔

ترجمہ...... اگر کسی شخص کے پاس کستوری کا نافہ ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

اس لئے کہ وہ دباغت شدہ ہے اور اس سے بدبو اور فساد کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور کستوری بلاشبہ حلال ہے جسے کھایا جاتا ہے اور اسے دواؤں میں ڈالا جاتا ہے لہٰذا اس کی موجودگی میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

ترجمہ......اگر کوئی عورت مردہ بچے کو اٹھا کر نماز پڑھے تو (اس میں یہ تفصیل ہے کہ) اگر بچے نے پیدائش کے وقت آواز نہیں نکالی تو عورت کی نماز فاسد ہے۔ خواہ اسے دھویا گیا ہو یا نہ دھویا گیا ہو۔

اس کے آواز نہ نکالنے کی صوت میں معلوم ہو گیا کہ اس میں حیات موجود نہیں لہٰذا وہ غسل دینے یا نہ دینے دونوں حالتوں میں نجس ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر نماز پڑھنے کا حکم نہیں۔ اور عورت کے اٹھانے کی صورت میں گویا اس نے نماز کی حالت میں نجاست اٹھائی ہوئی ہے۔

ترجمہ......اسی طرح پیدائش کے وقت اگر بچے نے آواز نکالی لیکن ابھی اسے نہلایا نہ گیا۔

ہو تو پھر بھی اسے اٹھا کر نماز جائز نہیں کیونکہ مرنے سے آدمی ناپاک ہو جاتا ہے لہٰذا اسے غسل دینا ضروری ٹھہرا۔

ترجمہ......لیکن اگر بچے نے آواز نکالی اور اس کی حیات معلوم ہو گئی اور اسے غسل دیا گیا (یعنی اگر وہ مر جائے تو پھر اسے اٹھا کر) نماز پڑھنا ٹھیک ہے۔

کیونکہ اب وہ پاک ہے اور کسی پاک چیز کو اٹھا کر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں یہ ''العیون'' میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سارے احکام تو مسلمان کے متعلق ہیں لیکن اگر کافر مر جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے اور پھر اسے اٹھا کر نماز پڑھی جائے تو نماز فاسد ہوگی۔ (اس لئے کہ کافر غسل دینے کے باوجود نجاست کفر کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا لہٰذا وہ باقی مردوں کی طرح نجس ہے۔ اور اب اس کی طہارت کی کوئی صورت نہیں۔

چند مفردات جو استعمال ہوئے ہیں ان کی تشریح اور وضاحت

۱- حامل اٹھانے والا۔ حمل: کسی چیز کو اٹھانا۔ ۲- صبیّ بچہ اس کی جمع ''صبیان'' آتی ہے۔ ۳- اُصلِحَ وہ اصلاح کیا گیا۔ صیغہ ماضی مجہول اس کا مصدر ''الاصلاح'' ہے۔ ۴- مَصَارین آنتیں، یہ جمع الجمع ہے پس اس کی جمع امصرۃ اور واحد ''اَلمَصِیر'' ہے۔ ۵- شاۃ بکری، اس کی جمع ''شیاہ'' ہے۔ ۶- میتۃ مُردار۔ ۷- فارۃ مِسک نافہ کستوری۔ ۸- لم یَستَھِلَّ اس کی آواز بلند نہ ہوئی۔ اس کا مصدر اِستھلال باب استفعال ہے جب کہ اِفعال کا مصدر الاھلال ہے اور اس کی ماضی مجہول قرآن مجید کے چند مقامات پر استعمال ہوئی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: '' وما اُھِلَّ بہ لغیر اللہ ''(البقرۃ) وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ الاھلال کا معنی (رفع الصوت مطلقاً) یعنی مطلقاً آواز بلند کرنا۔ اسی مناسبت سے پکار کر تلبیہ کہنے والے کو '' المُھِلُّ '' کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نئے چاند کو ''الھلال '' کہتے ہیں کیونکہ لوگ اسے دیکھتے وقت اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں عام طور پر طلوع چاند کی اطلاع ہو جائے۔ یہاں ''لم یستھل'' مفہوم یہ ہے کہ بچہ نے ولادت کی وقت آواز نکالی اور وہ رویا یا نہیں۔ بصورت اول پتہ چل گیا کہ وہ زندہ پیدا ہوا ہے اگر چہ بعد میں مر جائے تو اس پر زندوں کے شرعی احکام جاری ہونگے ورنہ وہ مردہ گوشت کا لوتھڑا تصور ہوگا۔ پس اسی کے مطابق حکم ہوگا۔ اِستھلّ: اس کی آواز بلند ہوئی۔ ۹- تامّۃ پوری چیز۔

نجس کپڑے میں یا برہنہ نماز پڑھنے کا حکم

و ذکر فی النوادر لابی الوفاء قال یعقوب و لو صلی فی جلد الخنزیر مد بوغا جازت و قد اساء و قال ابو حنیفة و محمد رحمهما الله لا تجوز صلاته و لا یطهر بالدباغة و لو صلی و معه بیضة قد ضارمخها دما تجوز صلاته و لو صلی و معه قارورة فیها بول لا تجوز صلاته رجل صلی فی ثوب محشو فلما اخرج حشوه وجد فیه فارة میتة یابسة ینظر ان کان فی ذلک الثوب ثقب او خرق یعید صلوٰة ثلٰثة ایام و لیالیها و الا یعید جمیع ما صلی بذلک الثوب و من لم یجد ما یزیل به النجاسة صلی معها و لم یعد یعنی اذا کان علی جسده نجاسة و هو مسافر و لیس معه ماء او کان و هو یخاف العطش یجوز له ان یصلی بها و ان کانت النجاسة بالثوب ان کان اقل من ربع الثوب طاهرا فهو بالخیار ان شاء صلی به و ان شاء صلی عریانا و ان کان ربعه طاهرا وثلثة ارباعه نجسا لم تجز الصلوة عریانا بل یصلی به بلا خلاف و عند محمد یصلی به فی الوجهین و ان صلی عریانا یصلی قاعدا یومی بالرکوع و السجود فکیف یقعد قال بعضهم یقعد کما یقعد فی الصلوة و قال فی الذخیرة یقعد و یمد رجلیه الیٰ القبلة و یضع یدیه علی عورته الغلیظة سواء صلی نهاراً او فی لیلة مظلمة او فی البیت او فی الصحراء و هو الصحیح و ان صلی قائما اجزاه و الاول افضل

ترجمہ......نوادرابوالوفا میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سور کی دباغت شدہ کھال پر کسی نے نماز پڑھی تو جائز ہے لیکن اس نے اچھا نہیں کیا۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کی نماز جائز نہیں کیونکہ سور کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔

تشریح......یہی ظاہر روایت ہے اور امام ابو یوسف سے بھی صحیح قول کے مطابق یہی مروی ہے) اس لئے کہ سور نجس العین ہے لہذا اس کا کوئی جز پاک نہیں۔ اگر چہ بعض نے اس کے بعض اجزاء کا استثنٰی کیا ہے۔

ترجمہ......اگر کسی شخص نے پیشاب کی بوتل اٹھا کر نماز پڑھی کہ جس میں پیشاب بند تھا تو اس کی نماز جائز نہیں اور (کتاب کے بعض نسخوں میں یہ مرقوم ہے کہ) ایسے انڈے کے ساتھ نماز پڑھی کہ جس کی زردی زائل ہوگئی ہو تو اس کی نماز جائز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نجاست جب تک اپنے معدن میں ہوتو اس کے لئے نجاست کا حکم نہیں ہوتا اس لئے انڈے پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا لیکن پیشاب کی بوتل پر یہ حکم لاگو ہوگا اس لئے کہ نجاست اپنے محل سے الگ ہوگئی ہے۔

ایک شخص نے روئی دار کپڑے میں نماز پڑھی پھر اس کی روئی نکال کر دیکھی تو اس میں خشک مردہ چوہا پایا تو اس پر غور و فکر کیا جائے گا کہ صورت حال کیا تھی اگر کپڑے میں کوئی سوراخ تھا تو یہ تین رات دن کی نمازیں لوٹائے اور اگر ایسی صورتِ حال نہ ہو تو پھر اس نے کپڑے کے ساتھ جتنی نمازیں پڑھیں انہیں لوٹائے۔

تشریح تین دن رات والا مسئلہ امام اعظم کے نزدیک ہے جبکہ ان کے دو ساتھیوں نے اس میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ کنوئیں کے مسائل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کپڑے کے ساتھ ساری پڑھی ہوئی نمازیں لوٹائی جائیں تو یہ اس لئے کہ اندازہ کیا گیا کہ یہ معاملہ اس کی سلائی سے پہلے کا ہے۔

اگر کوئی شخص ازالہ نجاست کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ ڈالے اور اس کا اعادہ نہ کرے۔

یعنی اگر کسی مسافر کے جسم پر نجاست لگی ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو یا تھوڑا پانی ہو کہ اگر اسے استعمال کرے تو پیاس کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے اسی نجاست آلود جسم کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر کپڑے پر نجاست لگی ہو اور کپڑے کی چوتھائی سے کم مقدار پاک ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو اس کے ساتھ نماز پڑھے اور اگر چاہے تو ننگا نماز پڑھے لیکن اگر اس کی چوتھائی پاک ہو اور چوتھائی کے تین حصے ناپاک ہوں تو ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ بغیر کسی اختلاف کے اس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے۔

تشریح اگر ازالہ نجاست کے لئے پانی وغیرہ نہ ہو تو اس کی موجودگی میں نماز پڑھنے کی اس لئے گنجائش رکھی گئی کہ ہر آدمی کو تکلیف اور احکام پر پابندی کرنا اس کی طاقت کی مطابق دی جاتی ہے اگر کوئی شخص آلۂ وضو اور آلۂ تیمم نہ پائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز نہ پڑھے کیونکہ نماز کے لئے نجاست حکمیہ سے طہارت ضروری ہے لیکن صاحبین کے نزدیک اس حالت میں وہ نمازیوں جیسا روپ دھار لے۔ مسافر کی قید غالب حالات کی بنا پر لگائی گئی ہے ورنہ مسافر، غیر مسافر میں صورت مسئلہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ پیاس کا خطرہ موجودہ حالت میں ہو یا آئندہ اس کا کھٹکا ہو یا جو لوگ اس کے زیر اثر ہیں اس کی تکلیف کا اندیشہ ہو تو ان ساری صورتوں میں ازالہ نجاست لازم نہیں بلکہ اسی حالت میں یہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

کپڑے پر نجاست کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس اس کے علاوہ اور کپڑا نہ ہو کہ جس سے یہ ستر پوشی کا کام لے سکے تو پھر اس صورت میں ربع ثوب سے کم پاک ہو تو شیخین کے نزدیک اسے اختیار ہے لیکن اگر چوتھائی پاک ہو اور باقی نجس ہو تو اس حالت میں اسے ننگا نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

تشریح کیونکہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتی ہے) امام محمد پہلی اور دوسری دونوں صورتوں میں ننگا نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے ہاں اگر سارا کپڑا نجس ہو تو الگ بات ہے۔

اگر کسی شخص نے کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے یا نجاست نہ ہونے کے باوجود ننگے نماز پڑھی تو یہ بیٹھ کر رکوع سجدے کا

اشارہ کرتے ہوئے نماز پڑھے۔

تشریح ... یعنی دونوں کے اشارے میں یہ فرق کرے کہ سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ پست ہو۔ اس مریض کی طرح جو رکوع، سجدہ کرنے سے عاجز ہے صحابہ میں سے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے۔

ترجمہ ..... پھر اشارہ کرنے کی صورت میں یہ کس طرح بیٹھے بعض نے فرمایا کہ یہ اسی طرح بیٹھے جس طرح نماز میں بیٹھتا ہے لیکن ذخیرہ میں فرمایا کہ یہ اس طرح بیٹھے کہ اپنے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف پھیلائے اور اپنی شرمگاہ پر دونوں ہاتھ رکھے خواہ دن کو نماز پڑھے یا رات کو گھر میں پڑھے یا صحرا و بیابان میں اور یہی صحیح ہے اور اگر اس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے لیکن پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔

تشریح ... اگر بہت سے لوگ ننگے ہوں تو وہ دور دور جا کر اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تاکہ ایک دوسرے کے ستر پر آگاہ نہ ہو سکیں لیکن اگر جماعت سے نماز پڑھنا چاہیں تو ان کا امام ان کے آگے کھڑا ہونے کی بجائے ان کے درمیان میں کھڑا ہو۔ شرمگاہ پر ہاتھ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی حد تک پردہ پوشی حاصل ہو جائے گی۔ مصنف نے ننگے کے لئے رات اور دن میں کوئی فرق نہیں کیا جب کہ بعض لوگوں نے فرمایا کہ ننگا دن کو اشارے سے نماز پڑھے لیکن اندھیرے میں رکوع، سجدے کے ساتھ نماز پڑھے۔ لیکن مصنف کا خیال یہ ہے کہ اندھیرے کا کوئی اعتبار نہیں اور کھڑا ہونے کی صورت میں چاہے اشارے سے نماز پڑھے یا رکوع، سجدہ سے پڑھے دونوں جائز ہیں اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بھی رکوع سجدہ کر سکتا ہے لہذا ان سب صورتوں کی کسی حد تک اجازت دی گئی اور آخر میں یہ فرمایا گیا کہ بیٹھ کر اشارہ کرنا کھڑا ہونے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ستر پوشی کو زیادہ دخل ہے۔ اور اسلام میں شرم و حیا کی وجہ سے ستر پوشی کی زیادہ اہمیت ہے۔

چند مفرد کلمات جو عبارت مقررہ معینہ میں استعمال ہوئے ان کی تشریح اور وضاحت

۱- **یعقوب** یہ امام ابو یوسف کا نام ہے۔ ۲- **جلد مدبوغ** دباغت شدہ کھال یعنی وہ کچی کھال جس کو شرعی طریقے کے مطابق پکایا جائے اور نمی وغیرہ بالکل ختم تو شرعی اصولوں کے مطابق پاک اور قابل استعمال ہے پس اسے دباغت شرعیہ کہا جاتا ہے۔ ۳- **فد اساء** یعنی اس نے برا کام کیا، اساءۃ برا شر کرنا۔ ۴- **قارورۃ** کانچ کی بوتل۔

ناپاک شئی پر نماز پڑھنے کا حکم

و لو قام علی شئ نجس و صلی لا یجوز و لو صلی علی ثوب مبطن و فی باطنه قذر ان کان مخیطا لا تجوز صلوته و ان لم یکن مخیطا جازت و لو سجد علی شئ نجس تفسد صلاته و قال ابو یوسف ان اعاد حین علم علی شئ طاهر لا تفسد صلاته و ان کان موضع قدمیه و رکبتیه طاهرا و موضع جبهته و انفه نجسا عن ابی حنیفة یسجد علی انفه و تجوز صلاته خلافا لهما و ان کان موضع انفه نجسا و سائر المواضع طاهرا جاز بلا خلاف و ذکر شمس الآئمة السرخسی اذا کانت النجاسة فی موضع الکفین و

الركبتين جازت صلاته و قال في العيون هذه رواية شاذة و الصحيح ان يقال ان كان في موضع ركبتيه لا تجوز و ان كان موضع احدى قدميه نجسا لا تجوز اذا كان قد وضعها وان كان تحت كل قدم امن من قدر الدرهم فلو جمع يصير اكثر من قدر الدرهم يمنع كما يمنع في ثوب ذى طاقين و ان افتتح الصلوة في مكان طاهر ثم نقل قدميه على شئ نجس و قام ان لم يمكث مقدار ما يؤدى ركنا جازت والا فلا و كذا ان رفع نعليه و عليهما قذرٌ ان ادى معهما ركنا فسدت صلاته و في فتاوى اهل سمرقند اذا سجد يقع ثيابه علىٰ شئ نجس جازت اذا كانت يابسة و في اختلاف زفر و يعقوب رحمهما الله اذا كانت النجاسة على باطن اللبنة او الأجرة و هو على ظاهرهما قائم يصلى لم تفسد صلاته و بمثله اذا حلت النجاسة بخشبة فقلبها ان كان غلظ الخشبة يقبل القطع تجوز الصلوة و الا فلا و اذا اصابت الارض نجاسة ففرشها بطين او جَصٍّ فصلى عليه جاز و ليس هذا كالثوب و لو فرشها بالتراب و لم يُطّينْ ان كان التراب قليلا بحيث لو شمه يجد رائحة النجاسة لا تجوز و الا تجوز و لو كانت على اللبد نجاسة فقلّب و صلى على الوجه الثاني يجوز و قال ابو يوسف لا تجوز و به اخذ بعض المشائخ وهذا كله مذهب محمد رحمه الله مذكور في المحيط

ترجمہ......اگر کسی شخص نے کسی ناپاک چیز پر کھڑے ہوکر نماز پڑھی تو جائز نہیں اور اگر کسی استر والے کپڑے پر نماز پڑھی جبکہ اس کے اندر نجاست ہو اگر وہ سلا ہوا ہے تو نماز جائز نہیں۔اور اگر سلا ہوا نہیں تو نماز جائز ہے اور اگر اس نے کسی ناپاک چیز پر سجدہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائی گی۔اور امام ابو یوسف نے فرمایا جب اسے اُس کے ناپاک ہونے کا علم ہو گیا تو اس نے کسی پاک چیز پر سجدے کا اعادہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اگر کسی کے پاؤں اور گھٹنوں کی جگہ پاک ہو اور ناک و پیشانی کی جگہ ناپاک ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ صرف اپنی ناک پہ سجدہ کرے گا اور بر بنائے ضرورت اسکی نماز جائز ہوگی۔جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور اگر اسکے ناک کی جگہ ناپاک ہو اور تمام جگہیں پاک ہوں تو بلا خلاف نماز جائز ہوگی۔

اور شمس الآئمہ سرخسی نے ذکر کیا ہے کہ جب نجاست ہتھیلیوں اور گھٹنوں کی جگہ پہ ہو تو اسکی نماز جائز ہو گی۔اور العیون میں یہ کہا ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ کہا جائے اگر نجاست اسکے گھٹنوں کے موضع میں ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

اور اگر کسی کے دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کی جگہ نجاست ہو تو نماز اس صورت میں جائز نہیں جبکہ اس نے اس نجاست پہ پاؤں رکھا ہو اور اگر دونوں قدموں میں سے ہر ایک تلے درہم سے کم مقدار میں نجاست ہو پس اگر اس کو جمع کیا جائے تو وہ قدر درہم سے زیادہ ہو تو یہ اسی طرح نماز سے مانع ہے کہ جس طرح استر والے کپڑے میں مانع ہے اور اگر کسی نے پاک جگہ میں نماز شروع کی پھر اس نے اپنا قدم نجس جگہ پہ منتقل کیا اور کھڑا ہوا اگر ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار کھڑا نہ ہوا تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ ادر کسی طرح اگر اس نے اپنی جوتیاں اٹھائیں اور رف پر نجاست تھی۔ اگر ان کے ساتھ ایک رکن صلوۃ ادا کیا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ فتاویٰ اہل سمرقند میں ہے کہ جبکہ کسی نے اس حالت میں سجدہ کیا کہ اس کے کپڑے کسی ناپاک چیز پر پڑھ گئے اگر وہ نجاست خشک ہو تو نماز جائز ہے کتاب الاختلاف امام زفر اور امام ابو یوسف میں ہے کہ اگر نجاست کچی اینٹ یا پختہ اینٹ کے اندرونی حصے میں ہو اور یہ ان کے ظاہری حصہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی طرح جب نجاست کی لکڑی میں جذب ہو جائے پھر اس نے اسے الٹا کر کے رکھا اگر لکڑی اتنی موٹی ہو کہ وہ چیرنے کی قابلیت رکھتی ہے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور جب زمین نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے۔ پھر اس کے کیچڑ سے فرش ڈالا جائے یا چونے سے تو اس پر اگر نماز پڑھی تو جائز ہے اور یہ کپڑے کی طرح نہیں۔ اور اگر اس نے مٹی کا فرش ڈالا اور اسے گارا نہ بنایا اگر مٹی تھوڑی ہو کہ اگر اسے سونگھے تو نجاست کی بدبو آئے تو نماز جائز نہ ہوگی۔ ورنہ جائز ہوگی۔ اور اگر نمدے پر نجاست ہو اور اس نے اسے الٹا کر کے رکھ دیا جائے اور دوسرے حصے پر نماز پڑھی تو جائز ہے لیکن امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ظاہر جائز نہیں بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ سارے مسائل امام محمد کا مذہب ہے جو محیط میں ذکر کیا گیا ہے۔

تشریح

ناپاک چیز پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں نماز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نماز کے جائز ہونے کے لئے طہارت مکان شرط ہے جو اس صورت میں نہیں پائی گئی۔ اور نجاست سے مراد اتنی مقدار نجاست ہو جو مانع نماز ہے اور استر والے کپڑے کا یہ حکم بشرطیکہ اس کا اوپر والا حصہ پاک ہو البتہ اس کے اندر نجاست ہو تو سلا ہوا تو نماز جائز نہیں جبکہ نجاست اس کے قیام کی جگہ ہو کیونکہ سلائی کی وجہ سے وہ ایک ہی کپڑا شمار ہوتا ہے اور اگر سلائی شدہ نہ ہو تو پھر نماز جائز ہے کیونکہ وہ کپڑے شمار ہوتے ہیں۔ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اوپر والے کپڑے پر نجاست کے اثرات رنگ بدبو وغیرہ دکھائی نہ دے تو پھر نماز جائز ہوگی۔ ورنہ سلائی کی صورت میں نماز نہ ہوگی کسی ناپاک چیز پر سجدہ کیا گیا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہوگی چاہے پاک چیز پر دوبارہ سجدہ کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے لیکن امام ابو یوسف پاک چیز پر اعادہ سجدے کی صورت میں نماز کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا سجدہ جو ناپاک چیز پر کیا گیا دوبارہ پاک چیز پر سجدہ کرنے کی وجہ سے اس کا شمار نہیں ہوگا گویا اس نے ابھی سجدہ کیا ہے اور یہ اس قاعدے پر مبنی ہے کہ آیا نجس چیز پر سجدے کرنے سے سجدہ فاسد ہوگا یا نماز فاسد ہوگی پس اس میں دو قول ہیں۔ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ نماز کے جز کا فساد کل میں فساد پیدا کر دیتا ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں صرف سجدہ فاسد ہوگا نہ کہ نماز لہذا دوبارہ کسی پاک چیز پر سجدہ کرنے سے نماز ٹھیک ہو جائے گی۔ گویا دو اصولوں پر مبنی ہے۔

چند کلمات مفردہ کی کسی قدر وضاحت

۱- ثوب مبطن استر والا کپڑا۔ ۲- باطن اندرونی حصہ۔ ۳- قَذر گندگی۔ ۴- مَخیط سلا ہوا۔ ۵- موضع جگہ۔ ۶- قدمیہ، رکبتیــــہ دوقدم اور دو گھٹنے۔ دراصل قدمین اور رکبتین تھا بوجہ اِضافت الی الضمیر نون تثنیہ گر گیا ہے اور اس کی وجہ جیسا کتب گرامر میں مذکور ہے یہ ہے کہ نون انفصال کو چاہتا ہے جبکہ اِضافت موجب اتصال ہے چونکہ دونوں میں منافات ہے اس لئے دقت الاضافۃ نون تثنیہ اور جمع گر جاتے ہیں۔ ۷- جبھة پیشانی۔ ۸- انفٌ ناک، اس کی جمع انوف ہے۔ جبھۃ کی جمع جباۃ ہے۔ ۹- الـكفّان دو ہتھیلیاں۔ الکف واحد بمعنی ایک ہتھیلی۔ الرکبتین دو گھٹنے۔ ۱۰- تحت مقابل فوق: تحت: نیچے اور فوق اوپر۔ ۱۱- اَقلُّ صیغہ اسم تفضیل بہت کم اس کا مصدر قِلت بمعنی کمی ہے۔ ۱۲- افتتح اس نے شروع کیا۔ افتتاح: شروع کرنا۔ ۱۳- نـقل اس نے نقل یعنی اپنے دونوں قدم کہیں اور منتقل کر دیئے۔ ۱۴- لـم یمكث وہ نہ ٹھہرا۔ المکث: ٹھہرنا۔ ۱۵- یؤدّی وہ ادا کرتا ہے۔ ۱۶- رکن نماز کا ضروری حصہ جیسے رکوع اور سجدہ وغیرہ۔ ۱۷- ثیاب اس کا واحد ثوب، کپڑا۔ ۱۸- اَللّبِنة کچی اینٹ۔ ۱۹- الآجر پختہ اینٹ۔ ۲۰- خشبة لکڑی ۲۱- غلظة موٹائی۔ ۲۲- القطع چڑ جانا۔ ۲۳- فَرَّش اس نے فرش ڈالا۔ ۲۴- جَصّ چُونا۔ ۲۵- لم یُطیّن اس نے کیچڑ اور گارا نہ بنایا۔ ۲۶- اِستشمَ اس نے سونگا۔ شم: سونگھنا۔ ۲۷- رائحة بُو ۲۸- لبَدْ نمدہ۔ ۲۹- قـلَب اس نے پلٹ دیا۔ تقلیب: پلٹ دینا۔ اسی سے انقلاب ماخوذ ہے۔ ۳۰- الوجه الثانی دوسرا رخ۔ ۳۱- مَذْهَب مسلک اور موقف۔ صیغہ اِسم ظرف ہے۔

اگر کسی کے دو پاؤں اور گھٹنوں کی جگہ پاک ہو لیکن پیشانی اور ناک کی جگہ ناپاک ہو تو یہ کیا کرے امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ یہ صرف ناک کے سہارے سجدہ کرے (اور یہ بر بنائے ضرورت ہے) اور اس کی نماز جائز ہے (کیونکہ امام صاحب کے نزدیک پیشانی میں کوئی عذر نہ ہو تو بھی ناک پر سجدہ ہو سکتا ہے اور نماز جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ناک کی جگہ مقدار درہم سے کم ہے) لیکن صاحبین کا اس میں اختلاف ہے (اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک پیشانی ٹھیک ہو تو ناک پہ سجدہ کرنا جائز نہیں اور امام صاحب سے بھی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ اس صورت میں نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ سجدہ نجاست پر ہوا ہے تو یہ نہ ہونے کے برابر ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے) اور اگر اس کے ناک کی جگہ ناپاک ہو اور باقی تمام مقامات کی جگہ پاک تو بغیر کسی اختلاف کے نمز جائز ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشانی کے سہارے سجدہ کرنا بالاتفاق جائز ہے تو گویا اس نے صرف پیشانی پر سجدہ کیا تو ناک گریا زمین پر رکھی ہی نہیں اور ناک کی جگہ مقدار درہم سے کم ہوتی ہے لہذا اس کا زمین سے اتصال کچھ مضر نہیں) مراد یہ ہے کہ اگر ناک زمین پر لگی تو بھی کچھ حرج نہیں۔

مصنف نے فرمایا کہ امام شمس الآئمہ سرخسی نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب نجاست دو ہتھیلیوں اور دو گھٹنوں کی جگہ ہو تو نماز جائز ہے (اس لئے کہ دو ہاتھوں اور دو گھٹنوں کا سجدہ میں زمین رکھنا فرض نہیں بلکہ ہمارے نزدیک سنت ہے لہٰذا ان کی جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں پھر ان کا نجاست پر رکھنا نہ رکھنے کے برابر ہے۔)

مصنف فرماتے ہیں...... کہ " العیون " میں فرمایا کہ یہ روایت شاذ ہے یعنی اصول کے مطابق نہیں لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے اگر نجاست دو گھٹنوں کی جگہ ہو تو نماز جائز نہ ہوگی اور اسی طرح دو قدموں میں سے ایک کی جگہ نجاست ہو تو بھی نماز جائز نہ ہوگی۔ بشرطیکہ اس نے نجاست پر قدم رکھا ہو۔ (العیون کتب فقہ میں سے ہے کہ جس کا مصنف نے یہاں حوالہ دیا ہے اور اس نے یہ کہا ہے کہ دو ہاتھوں

اور دو گھٹنوں کی جگہ ناپاک ہو تو نماز ہو جانے والی روایت شاذ غیر مشہور ہے چنانچہ فقیہ ابواللیث نے اس کا انکار کیا ہے لہذا صحیح عدمِ جواز ہے مصنف نے یہ صورت نہیں بیان فرمائی کہ اگر دو ہاتھوں کی جگہ نجاست ہو تو پھر کیا حکم ہے صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی وہی پہلا حکم ہے یعنی نماز نہ ہوگی جیسا کہ فقیہ ابواللیث نے فرمایا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر چہ سجدے میں دو ہاتھوں اور دو گھٹنوں کا رکھنا فرض نہیں تاہم ان میں سے اس نے کسی کو نجاست پر رکھا تو یہ قابل معافی نہیں بلکہ مانع عن الصلوۃ ہے اگر ایک یا دونوں اس مقدار کو پہنچ جائیں۔ اگر ایک قدم بھی نجاست پر لگائے تو نماز نہیں ہوگی لیکن اگر اس نے اس صورت میں اپنا قدم نجاست آلود جگہ نہ رکھا تو اس کی نماز جائز ہوگی کیونکہ نماز میں دو قدموں میں سے صرف ایک کو زمین پر رکھنا فرض ہے اور وہ صورت مذکورہ میں حاصل ہو گیا۔)

مصنف نے ارشاد فرمایا...... اگر کسی آدمی کے ہر قدم کے نیچے درہم سے کم مقدار میں نجاست ہو پھر اسے جمع کیا جائے یعنی اس کے اکٹھا ہونے کا تصور کیا جائے تو وہ مقدار درہم سے زیادہ ہو جائے تو یہ مانع صلوۃ ہوگی جس طرح دو تہہ والے کپڑے میں یہی صورت ہو تو وہ نماز کے جائز ہونے سے مانع ہے۔ بالکل یہ بھی اسی طرح مانع عن الصلوۃ ہوگی۔ (اگر دوہرا استر والا کپڑا سلا ہوا ہو اور اس کے ہر حصے میں مقدار درہم سے کم نجاست ہو اور جمع کرنے سے زیادہ مقدار ہو جائے تو اگر کپڑا پہنے ہوئے ہے یا اٹھائے ہوئے یا اس کے دونوں قدموں کے نیچے بچھا ہوا ہے تو ان تمام صورتوں میں مانع عن الصلوۃ ہے۔)

(مصنف نے فرمایا) اگر کسی شخص نے پاک جگہ نماز شروع کی پھر کسی ناپاک چیز پر اپنے قدم منتقل کر دیئے اور اس پر کھڑا ہو گیا اگر اتنی دیر نہ ٹھہرا کہ جس میں ایک رکن ادا ہو سکے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں اسی طرح اگر اس نے اپنے دونوں جوتے اٹھائے جبکہ وہ دونوں نجاست آلود تھے اگر ان کی موجودگی میں اس نے ایک رکن ادا کیا تو نماز فاسد ہو جائی گی۔ (نماز کا جائز ہونا بالاتفاق ہے کیونکہ ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار سے کم ٹھہرنے کا کچھ اعتبار نہیں ہاں اگر ایک رکن کی مقدار ہو تو نماز جائز نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کا یہی مؤقف ہے لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا اعتبار نہیں بلکہ اسی حالت میں ایک رکن ادا کرنے کا اعتبار ہے۔ دونوں جوتے اٹھانے کی صورت میں بھی فساد نماز بالاتفاق ہے اور اگر ادائیگی رکن سے کم وقت ٹھہرا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار ٹھہرا تو امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ امام محمد اس میں بھی وہی سابقہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن امام ابو یوسف کا پسندیدہ قول ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔)

مصنف کا قول یہ ہے کہ اہل سمرقند کے فتاویٰ میں ہے کہ جب کسی شخص نے اس حالت میں سجدہ کیا کہ اس کے کپڑے کسی ناپاک چیز پر پڑ گئے اگر نجاست خشک ہو تو نماز جائز ہے۔ کتاب الاختلاف امام زفر اور امام ابو یوسف میں ہے کہ اگر نجاست کچی اینٹ یا پختہ اینٹ کے اندرونی حصے میں ہو اور یہ ان کے ظاہری حصہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی طرح جب نجاست کسی لکڑی میں جذب ہو جائے پھر اس نے اسے اٹھا کر کے رکھا اگر لکڑی اتنی موٹی ہو کہ وہ چیرنے کی قابلیت رکھتی ہے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ (نجاست خشک ہونے کی صورت میں نماز اس لئے جائز ہے کہ نجاست کا کوئی اثر نمازی کے اعضاء پر ظاہر نہیں ہوا۔ اینٹ کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ پتھر کا بھی یہی حکم ہے اور لکڑی میں نجاست سرائیت کر جائے تو یا اسے الٹا رکھ کر اس کے پاک حصے پر نماز پڑھے تو اس کے موٹا ہونے کی صورت میں نماز جائز ہوگی۔ کیوں اس لئے کہ یہ کہا جائے گا کہ یہ دو حصوں میں سے پاک حصے پر نماز پڑھ رہا ہے لیکن اگر لکڑی پتلی ہو تو پھر اس کے الگ الگ دو حصے نہیں قرار دیئے جا سکتے۔) مصنف کا ارشاد یہ ہے کہ جب زمین نجاسے کی وجہ سے ناپاک ہو جائے پھر اس کے کیچڑ سے

فرش ڈالا جائے یا چونے سے تو اس پر اگر نماز پڑھی تو جائز ہے اور یہ کپڑے کی طرح نہیں اور اگر اس نے مٹی کا فرش ڈالا اور اسے گارا نہ بنایا اگر مٹی تھوڑی ہو کہ اگر اسے سونگھے تو نجاست کی بدبو پائے تو نماز جائز نہ ہوگی ورنہ جائز ہوگی اور اگر نمدے پر نجاست ہو اور اس نے اسے الٹا کر کے رکھ دیا اور دوسرے حصے پر نماز پڑھی تو جائز ہے لیکن امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے یہ سارے مسائل امام محمد کا مذہب ہے جو محیط میں ذکر کیا گیا ہے۔(زمین کے نجاست آلود ہونے کے سلسلے میں خواہ نجاست تر ہو یا خشک اور اس پر گارے کا فرش ڈالا جائے تو نماز اس لئے جائز ہے کہ وہ فرش درمیان میں تختی کی طرح حائل ہو گیا لیکن یہ کپڑے کی طرح نہیں کہ اسے اگر تر نجاست پر بچھایا جائے تو اس نماز جائز نہ ہوگی۔ مٹی تھوڑی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پتلی ہو جس سے نجاست کی بدبو محسوس ہو تو اس پر نماز جائز نہیں لیکن اگر وہ زیادہ حجم والی ہو اور کثافت رکھتی ہو کہ جس سے بدبو محسوس نہ ہو تو نماز جائز ہوگی اور یہی حکم ہے اس کپڑے کا جسے نجاست پر پھیلایا جائے اگر اتنا پتلا ہو کہ نچلی چیز نظر آئے نجاست کی بدبو پائی جائے تو نماز ٹھیک نہ ہوگی۔ نمدے کے پاک حصے پر نماز پڑھنے کا بلا شبہ جواز ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ موٹائی رکھتا ہو اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگرچہ موٹا ہو پھر بھی نماز جائز نہیں۔ بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ شمس الآئمہ حلوانی وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ نمدے وغیرہ کے بارے میں امام محمد کا یہی مذہب ہے محیط میں جس کا ذکر کیا گیا ہے لیکن امام ابو یوسف اسے سلائی شدہ کپڑے کی طرح قرار دیتے ہیں۔)

و لو بسط المصلی علی شیٔ نجس رطب او جلس علی ارض نجسة رطبة او لف الثوب الیابس الطاهر فی ثوب نجس رطب فاثرت الرطوبة فی ثوبه او فی مصلاه ان کان بحال لو عصر الثوب او المصلی یتقاطر منه شیٔ یتنجس و الا فلا و قال شمس الآئمة الحلوائی لو کان بحال لو وضع یَدَه تَبتّل یصیر نجسا و الا فلا و هذا قریب من الاول

ترجمہ......اگر کسی شخص نے کسی ناپاک تر چیز پر مصلیٰ بچھایا یا ناپاک تر زمین پر بیٹھا یا کوئی خشک پاک کپڑا کسی ناپاک تر کپڑے میں لپیٹا تو اس کی تری کا اثر کپڑے یا مصلے پر ظاہر ہو گیا تو اس صورت میں غور وفکر کیا جائے گا اگر ایسی حالت ہو کہ اگر کپڑا یا مصلیٰ نچوڑا جائے تو اس سے کچھ قطرات ٹپکیں تو وہ ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ شمس الآئمہ حلوائی نے فرمایا اگر ایسی صورت حال ہو کہ اگر اس پر اپنا ہاتھ رکھے تو وہ تر ہو جائے تو ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں اور یہ صورت پہلی ہی صورت کے قریب تر ہے۔(اس کی پوری تفصیل جوٹھے کے بیان میں گزر چکی ہے)۔

امام حلبی نے یہاں چند فروعات کا مزید معلومات کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ہم انہیں یہاں تکمیل اور افادہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

☆ پہلا مسئلہ......کسی کپڑے کا کوئی حصہ نجس ہو گیا اور یہ اسے بھول گیا پھر اس نے غور وفکر کر کے اپنے خیال میں وہ حصہ دھوڈالا یا ویسے ہی دھوڈالا تو کپڑا پاک ہو جائے گا لیکن اگر اسے بعد میں معلوم ہوا کہ جو حصہ ناپاک تھا وہ نہیں دھویا گیا تو اس کپڑے کے ساتھ جو نمازیں پڑھی گئیں انہیں دُہرائے۔ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اگر کپڑے کا ناپاک حصہ بھول جائے تو احتیاطاً پورا کپڑا دھوڈالے۔ یونہی اگر گندم صاف کرتے وقت گدھے نے پیشاب کر دیا لیکن اس کا کوئی نشان موجود نہیں اور بدستور اس پر جانور پھرتے رہے تو

وہ ابتلائے عام کی وجہ سے پاک ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ...... سانپ کی جلد اگر مقدار درہم سے زیادہ ہو تو وہ مانع صلوۃ ہے کیونکہ وہ دباغت کے قابل نہیں۔ آئمہ فقہ نے لکھا ہے کہ بعض کھالیں دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں لیکن بعض پاک نہیں ہوتیں اس لئے کہ وہ دباغت کے قابل نہیں ہوتیں سانپ کی کینچلی بھی اس میں شمار ہے۔

☆ تیسرا مسئلہ...... اگر گھی وغیرہ میں چوہا گر کر مر جائے تو اگر گھی جا ہوا ہو تو اس سے گھی نکال کر پھینک دیا جائے اور باقی پاک ہے لیکن اگر وہ پگھلا ہوا ہو تو سب ناپاک ہو جائے گا۔ ناپاک تیل مسجد کے علاوہ دوسرے مقامات پر چراغ میں ڈال کر جلایا جا سکتا ہے اور کھال پکانے میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

☆ چوتھا مسئلہ...... بعض مشائخ نے فرمایا عام فاسق، فاجر اور آزاد منش لوگوں کے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن صاحب ہدایہ نے تجنیس میں کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں کیونکہ صحابہ کرام کے زمانے میں غیر مسلم ممالک سے جو کپڑے آتے تو بغیر تحقیق کرنے اور کھوج لگانے کے وہ انہیں استعمال کیا کرتے تھے حالانکہ انہیں یہ علم تھا کہ وہ لوگ شراب یا دوسری چیزوں کے استعمال سے پرہیز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ذمی لوگوں کے کپڑے استعمال کرنا مکروہ نہیں البتہ ان کی شلوار استعمال نہ کی جائے ہاں اگر ان کے لباس پر نجاست کے داغ، دھبے موجود ہوں تو پھر انہیں دھو لینا ضروری ہے، تا کہ طہارت یقینی ہو جائے اور کپڑا بلاشبہ پاک ہو جائے۔

☆ پانچواں مسئلہ...... کمال ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ وہ ریشمی کپڑے جو ایران سے آتے ہیں انہیں پہن کر نماز جائز نہیں اس لئے کہ انہیں تیار کرتے وقت پیشاب استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ تحقیق ہو جائے تو واقعی انہیں استعمال نہ کرے۔ یونہی اگر بچے نے پیشاب کیا اور اس سے کسی کپڑے کو کسی خاص مقصد کے تحت رنگ دیا گیا تو جب تک وہ رنگ زائل نہ ہوا سے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

☆ چھٹا مسئلہ...... اگر گوشت کی ہانڈی میں ابال کے دوران گندگی گر جائے اسے تین مرتبہ پانی سے جوش دیا جائے تو بعض کے نزدیک وہ پاک ہو جائے گا لیکن بعض اس کی طہارت کے قائل نہیں۔ لیکن شوربے کو استعمال نہ کیا جائے ہاں اگر شراب کی نجاست ہو تو سرکہ ہونے کی وجہ سے پاک تصور کیا ہوگا۔ اگر گندم شراب میں پکائی جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے گوشت کی طرح پاک ہو جاتی ہے لیکن امام ابو حنیفہ اس کی طہارت کے قائل نہیں۔ تجنیس میں کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

☆ ساتواں مسئلہ...... بکری کے تھنوں سے گوبر وغیرہ لگا ہوا تھا تو کسی نے گیلے ہاتھوں سے اس کا دودھ نکالا تو دودھ کے نجس ہونے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک میں نجس ہے اور دوسری میں وہ نجس نہیں۔ لیکن اصول کے مطابق اسے نجس قرار دیا جائے گا اس لئے کہ پاک و ناپاک میں جب تعارض ہو تو احتیاطاً شے کے ناپاک ہونے کو ترجیح ہوگی۔ چنانچہ حلت و حرمت کے متعلق یہی اصول ہے۔

☆ آٹھواں مسئلہ...... قنیہ میں ہے کہ دریائی جانور پاک ہیں حتی کہ دریائی سور بھی پاک ہے اگر چہ انہیں کھایا نہ جائے۔

نوٹ...... سور کی طہارت اگر چہ دریائی ہو نص قطعی کے خلاف ہے لہذا اطلاق عام محل نظر ہے لہذا بری اور دریائی کا فرق بے سود

ہے اور اطلاق نص کے خلاف ہے اور تقیید بلاوجہ اور دخل در نصوص ہے جو قطعاً معتبر نہیں۔

☆ نواں مسئلہ...... اگر کسی بڑے قالین یا بڑی چادر کا ایک حصہ پاک اور دوسرا ناپاک ہو تو یہ پاک حصے پر نماز پڑھ سکتا ہے خواہ ایک کے حرکت دینے سے دوسرا متحرک ہو یا نہ ہو یہی صحیح ہے۔ لیکن اگر کپڑے کو پہن لے یا اسے اٹھائے یا لٹکائے تو اگر ایک طرف کے ہلانے سے دوسری طرف حرکت کرے تو نماز جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

☆ دسواں مسئلہ...... اگر کسی سواری پر نماز پڑھے جب کہ اس کی زین یا رکاب میں نجاست مانع عن الصلوٰۃ ہو تو کچھ لوگوں نے اسے ناجائز قرار دیا ہے لیکن مبسوط میں اکثر مشائخ کے حوالے سے اس کے جائز ہونے کا ذکر کیا ہے۔

☆ گیارہواں مسئلہ...... اگر کوئی شخص موزے یا جوتے یا جرابیں پہن کر نجاست پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز جائز نہ ہوگی مگر ایک صورت میں جائز ہو جائے گی وہ اس طرح کہ جوتے وغیرہ اتار ڈالے اور ان پر کھڑا ہو یونہی اگر کسی نے نجاست کو ڈھانپ دیا اور اس پر سجدہ کیا تو جائز نہیں یونہی اگر جوتے کا نچلا حصہ ناپاک ہو اور یہ اس کے ساتھ نماز پڑھے تو نماز جائز نہ ہوگی ہاں اگر انہیں اتارے اور ان پر کھڑا ہو تو جائز ہے۔

☆ بارہواں مسئلہ...... ایک آدمی کے پاس ریشمی لباس ہے اور غیر ریشمی نجس لباس بھی ہے اگر چہ ریشم پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں لیکن یہ اس صورت میں ریشمی لباس پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ وہ ظاہری نجس کپڑے سے بہتر ہے۔

☆ تیرہواں مسئلہ...... اگر کسی ناپاک کپڑے کو دھویا جائے اور تیسری مرتبہ نچوڑنے سے تقاطر آب نہ ہو تو ہاتھ پاک ہوگا اور جو تری کپڑے میں رہ گئی وہ بھی پاک شمار ہوگی لیکن اگر اسے نچوڑنے سے قطرات ٹپکیں تو وہ قطرے بھی نجس ہوں گے اور ہاتھ بھی لیکن ہاتھ کی طہارت میں پانی بہانا شرط نہیں جس طرح تطہیر ثوب میں شرط نہیں لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک ہاتھ کی طہارت میں پانی بہانا یا اس کے قائم مقام کوئی کام کرنا شرط ہے جیسا کہ پانی کا رواں ہونا اور جو چیز پتلی بہنے والی ہو وہ بھی ازالہ نجاست میں کام دیتی ہے۔ یعنی پانی اور مائع دونوں سے ازالہ نجاست ہو سکتا ہے۔

مفردات جو عبارت مذکورہ میں آئے ہیں ان کی کسی قدر تشریح وضاحت

۱- بَسَطَ اس نے بچھایا اور پھیلایا اَلْبَسْطُ: کسی چیز کو پھیلانا اور کشادہ کرنا۔ ۲- المُصَلّٰی جائے نماز۔ وہ کپڑا جس پر نماز پڑھتے ہیں۔ ۳- رَطْبٌ تر چیز۔ ۴- لَفَّ اس نے لپیٹا۔ لفٌّ: مصدر بمعنی لپیٹنا۔ ۵- الیابسُ خشک ہونے والا۔ ۶- اَثرت من الاثر، رطوبت نے اثر کیا۔ اثر: نشان۔ مراد یہ ہے کہ اس نے اپنا نشان چھوڑا۔ ۷- رطوبة تری اور نمی۔ ۸- عُصِرَ وہ نچوڑا گیا۔ العصر: نچوڑنا۔ نماز عصر اور وقت عصر۔ ۹- تتقاطر قطرات ٹپکیں۔ تقاطر: قطرات ٹپکنا۔ ۱۰- تبتلّ وہ تر اور گیلا ہو جائے۔ ۱۱- یصیر، صار یصیر صیغہ مضارع اس کا مصدر صیر ورة۔ ہو جانا۔ یصیر: وہ ہو جائے گا۔ ۱۲- قریب نزدیک۔ قُرب اور بُعد: دوری اور نزدیکی امور نسبیہ میں سے ہیں۔

گزشتہ ابحاث کا خلاصہ

مصنف نے اپنی کتاب کو اس ترتیب سے شروع کیا کہ سب سے پہلے نماز پڑھنے کے لئے جو شرائط ہیں ترتیب سے ان کا ذکر فرمایا اور ہر شرط کا عنوان بیان فرمایا مثلاً پہلی شرط میں طہارت کا بیان ہے یعنی طہارت، صغریٰ اور طہارت کبریٰ یعنی وضو اور غسل کے تفصیلی مسائل،

مسح اور تیمم کا بیان نجاست غلیظہ اور خفیفہ کا حکم اور اس کے مختلف جزئیات، تالابوں کی تحدید اور ان کی طہارت اور نجاست کی صورتیں، مختلف جانوروں کے جوٹھے کی تفصیل، کنوئیں کے مسائل کا بیان اور اس کے پاک اور ناپاک ہونے کی صورتیں یہ سب کچھ طہارت حکمیہ کا بیان ہے۔ اور دوسری شرط میں مختلف نجاستوں سے طہارت کا طریقہ اور مختلف چیزوں کو پاک کرنے کی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ناپاک چیز کو اٹھا کر نماز پڑھنے اور اس کے ہونے نہ ہونے کا ذکر فرمایا اور اسی کے قریب دوسرے مسائل جو اس موضوع سے تعلق رکھتے تھے وہ بیان فرمائے ہیں۔ تیسری شرط تک یہ ہے پوری کتاب کے مسائل کا خلاصہ اور لُب لباب۔

تیسری شرط (ستر عورت)

و اما الشرط الثالث فهو ستر العورة و العورة من الرجل ما تحت السرة منه الىٰ الركبة و الركبة عورة ايضاً لكن من غيره لا من نفسه هو المختار و روى عن محمد بن شجاع عن ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله نصا اذا كان محلول الجيب فنظر الىٰ عورته لا تفسد صلوته و بعض المشائخ جعل ستر العورة من نفسه شرطا حتى قالوا ان كان كثيف اللحية تجوز صلاته و ان كان خفيف اللحية حتى لو نظر فى جيبه راى عورته فصلاته فاسدة و به يفتى بعض المشائخ و لو صلى عريانا فى بيت مُظْلِمٍ او فى ليلة مظلمة و له ثوب طاهر و هو قَادِرٌ على اللبس لا تجوز صلاته بالاجماع و بدن المرأة الحرة كلها عورة الا وجهها و كفيها و قدميها و فى القدمين اختلاف المشائخ و ذكر فى المحيط ان الاصح انهما ليستا بعورة و فى الخانية الصحيح ان انكشاف رُبُع القدم يمنع و ذراعاها عورة كبطنها فى ظاهر الرواية و روى عن ابى يوسف رحمه اللّٰه ان ذراعيها ليستا بعورة و الاول هو الصحيح و اما الشعر المسترسل قال الفقيه ابو الليث رحمه الله ان انْكَشَفَ ربع المسترسل فسدت صلاتها و فى الفتاوى الخاقانية المعتبر فى افساد الصلوة انكشاف ما فوق الاُذُنين و كذلك الاذنان حتى لو انكشف ربع واحد منهما يمنع جواز الصلوة و هو الصحيح اما الخصيتان مع الذكر قال بعضهم كلاهما عضو واحد و قال بعضهم يعتبر كل واحد منهما عضو على حدة و هو الصحيح و كذا اختلفوا فى الركبة مع الفخذ فقال بعضهم كل منهما عضو على حدة و قال بعضهم الركبة مع الفخذ عضو واحد و على هذا لو صلى الرجل و ركبتاه

مکشوفتان و الفخذ مغطّی جازت صلاته. امرأة صلت و ربع ساقها مکشوف تعید صلاتها و ان کان اقل من ذلک لا تعید و قال ابو یوسف انکشاف ما دون النصف لا یمنع و عنه فی النصف روایتان

ترجمہ......نماز کے شرائط میں سے تیسری شرط شرمگاہ کو ڈھانپنا ہے۔ مرد کا مقام ستر ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنوں کے نیچے تک ہے اور گھٹنہ بھی جائے ستر ہے لیکن خود اسے دیکھ سکتا ہے البتہ دوسرا نہ دیکھے۔ (گویا یہ دوسرے شخص کی بہ نسبت مقام ستر ہے خود اپنی نسبت نہیں اور یہی مختار ہے)

تشریح......انسانی جسم کے جس حصے کا نماز میں چھپانا فرض ہے اور اسے دیکھنا جائز نہیں نماز کی تیسری شرط میں مصنف اس کا بیان کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مرد کا مقام ستر زیرِ ناف سے گھٹنے تک ہے اس سے معلوم ہوا کہ ناف عورت نہیں البتہ گھٹنہ عورت ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''الرکبة من العورة'' یعنی گھٹنا عورت ہے اور اس کے عورت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اسے دوسروں سے چھپائے لیکن اگر اپنے آپ سے نہ چھپائے تو کوئی حرج نہیں۔

محمد بن شجاع نے شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف) سے صراحتاً نقل کیا کہ جب کسی شخص کا گریبان کشادہ ہو اور وہ اپنی شرمگاہ کو خود دیکھے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن بعض مشائخ اپنی ذات سے بھی ستر عورت ضروری قرار دیتے ہیں اور اس کو شرط کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں اگر کوئی آدمی گنجان داڑھی والا ہو تو اس کی نماز جائز ہے اور اگر ہلکی داڑھی والا ہو تو اس کی نماز جائز نہیں اگر اس نے اپنے گریبان میں جھانکا اور مقام ستر کو دیکھا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اسی کے مطابق بعض مشائخ فتویٰ دیا کرتے تھے۔

تشریح......یہ کہنا کہ گھنی داڑھی والے کی نماز جائز ہے لیکن ہلکی داڑھی والے کی نماز جائز نہیں اس کا تعلق داڑھی سے نہیں بلکہ مسئلہ ستر عورت سے ہے کہ گھنی داڑھی والا جب جھانکے تو گھنی داڑھی کی وجہ سے وہ صحیح طور پر دیکھ نہیں سکتا اس لئے اس کی ان لوگوں کے نزدیک نماز ٹھیک ہے جو اپنے آپ سے بھی ستر عورت کے قائل ہیں اور کم داڑھی والے کی نماز ٹھیک نہیں کیونکہ وہ داڑھی کم ہونے کی وجہ سے اپنے مقام ستر کو ٹھیک دیکھ سکتا ہے۔ امام قاضی خان نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ خلاصہ میں اس کو سب آئمہ کا مذہب ٹھہرایا ہے جب کہ پہلی بات صرف دو اماموں کا مذہب ہے۔

اگر کسی نے اندھیرے گھر میں یا اندھیری رات میں ننگا ہونے کی حالت میں نماز پڑھی جبکہ اس کے پاس پاک کپڑے موجود تھے اور وہ پہننے پر قادر تھا تو بالاتفاق اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح......اس سے معلوم ہوا کہ سترِ عورت دیکھنے کی وجہ سے نہیں ورنہ اس صورت میں نماز جائز ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی بناء پر اس کی بارگاہ کا ادب و احترام ضروری ہے۔

آزاد عورت کا سارا جسم سوائے چہرے اور ہاتھوں کے محل ستر ہے اور دو قدموں میں مشائخ کا اختلاف ہے محیط میں یہ

بیان کیا گیا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ محل ستر نہیں اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ چوتھائی قدم کا ننگا ہو جانا مانع صلوۃ ہے اور عورت کے دو بازو ظاہر، روایت میں اس کے پیٹ کی طرح ہیں۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ عورت کے دونوں بازو محل ستر نہیں لیکن پہلی بات صحیح ہے۔

تشریح...... آزاد عورت کے سارے جسم کا عورت قرار دینا حضور ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے ہے جو کتب روایات میں موجود ہے۔ چہرے اور ہاتھوں کے استثناء کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دونوں نماز یا اجنبی کے دیکھنے کے حق میں محل ستر نہیں اور قدم اس لئے عورت ہونے میں شامل نہیں کہ عموماً آدمی کو چلنے کی ضرورت ہوتی ہے پس قدموں کے بغیر یہ ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً محتاج عورتیں لامحالہ کام کاج کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ امام قاضی خان نے چوتھائی قدم کو جو مانع صلوۃ قرار دیا وہ اس بنا پر ہے کہ وہ انہیں عورت قرار دیتے ہیں لیکن ''الاختیار'' میں فرمایا کہ قدم نماز اور غیر نماز کے لحاظ سے محل ستر نہیں۔ صاحب ہدایہ اور کافی نے محیط کی رائے کو پسند کیا ہے۔ ہتھیلی کی پشت اور اس کے اندرون میں کوئی فرق نہیں لیکن بعض نے بطن کو عورت نہیں قرار دیا جبکہ پشت کو عورت شمار کیا ہے۔ عورت کے بازووں کو اس کے پیٹ کی طرح قرار دینا ہمارے اصحاب ثلاثہ کی رائے ہے اور ظاہر روایت ہے لیکن امام ابو یوسف سے ایک نادر روایت یہ ہے کہ جو وہ امام ابوحنیفہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ عورت کے دونوں بازو عورت نہیں ''الاختیار'' میں اسی کو مختار فرمایا۔ اور بعض نے نماز کے حق میں انہیں عورت قرار دیا ہے لیکن بیرونِ نماز ایسا نہیں فرمایا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو کچھ ظاہر روایت میں آیا ہے وہی صحیح ہے کیونکہ حالات اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔

رہی بات لٹکے ہوئے بالوں کی تفصیل تو فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ اگر عورت کے لٹکے ہوئے بالوں کا چوتھائی حصہ ننگا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو گی۔ اکثر فتاووں میں اسی طرح مذکور ہے لیکن فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ نماز فاسد ہو جانے میں ان بالوں کا اعتبار ہے جو کانوں سے اوپر ہوتے ہیں اور اسی طرح حکم ہے دو کانوں کا اگر ان میں سے ایک کی چوتھائی ننگی ہو جائے تو وہ جواز صلوۃ سے مانع ہے۔ یہی صحیح ہے۔ (نماز فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بالوں کا یہ حصہ محل ستر میں شمار ہے فقہ کی تمام کتابوں میں یہ مذکور ہے اور یہی صحیح ہے لیکن امام قاضی خان لٹکے ہوئے بالوں کو عورت نہیں قرار دیتے اس لئے کہ وہ سر کے برابر نہیں لہذا وہ سر کا حکم بھی نہیں رکھتے لیکن اجنبی آدمی بالاتفاق انہیں بھی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انہیں دیکھنے سے فتنہ وفساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ بھی عورت ہیں کیونکہ یہ سر کے اجزاء میں سے ہیں خلاصہ یہ کہ ان کو ننگا کرنے میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ کانوں کی چوتھائی کا ننگا ہونا مانع صلوۃ ہے اور یہی صحیح ہے۔ صدر الشہید نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے لٹکے ہوئے بالوں کو عورت قرار دیا ہے۔ کبیری شرح منیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے) لہذا اگر تفصیل دیکھنا چاہے تو وہاں دیکھ سکتا ہے پس یہاں مزید گنجائش نہیں۔

مصنف نے فرمایا کہ مرد کے دو خُصیے آلہ تناسل سمیت بعض نے انہیں ایک عضو قرار دیا ہے لیکن بعض نے ہر ایک کو الگ الگ شمار کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور اسی طرح دو گھٹنے رانوں سمیت ان میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ کیا یہ ایک ہی عضو ہیں یا دو ہیں۔ بعض نے دونوں کو الگ الگ عضو شمار کیا ہے جب کہ بعض نے دونوں کو ملا کر ایک عضو قرار دیا ہے اگر کسی شخص نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے دونوں گھٹنے ننگے تھے لیکن ران ڈھکی ہوئی تھی تو اس کی نماز جائز ہے۔

تشریح...... جو لوگ خصیوں کو آلہ تناسل سمیت الگ الگ عضو قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک جس کا بھی چوتھائی ننگا ہو تو نماز نہ ہوگی اور جو ایسا نہیں کہتے ان کے نزدیک نماز ہو جائے گی۔ گھٹنے اور ران میں جو اختلاف ہے اس پر بھی یہی اثر مرتب ہوگا۔ صاحب خلاصہ نے ان دونوں کو ایک عضو شمار کیا ہے اور کمال ابن ہمام نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی پر آئندہ مسئلہ مبنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو گھٹنے ننگے ہوں تو وہ مقدار چوتھائی کو نہیں پہنچتے جبکہ دو رانوں کے ساتھ ان کا اعتبار کیا جائے اور یہی حکم ہے پنڈلی کے سمیت ٹخنے کا۔ یہ بھی مستقل عضو نہیں لہذا ان کا برہنہ ہونا بھی مانع صلوٰۃ نہیں۔

کسی عورت نے نماز پڑھی جبکہ اس کی پنڈلی کا چوتھائی حصہ برہنہ تھا تو وہ اپنی نماز کو لوٹائے اور اگر اس سے کم تھا تو نہ لوٹائے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نصف سے کم حصہ ننگا ہو تو مانع صلوٰۃ نہیں اور نصف حصہ ننگا ہونے میں ان سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں وہ مانع صلوٰۃ نہیں اور دوسری روایت میں مانع صلوٰۃ ہے۔ (اعادہ نماز کی روایت طرفین کے نزدیک ہے چوتھائی سے کم حصہ ننگا ہو تو اعادہ نہیں کیونکہ وہ قلیل ہے قابل معافی ہے اور چوتھائی کثیر میں شامل ہے کیونکہ چوتھائی بہت سے احکام میں کل کے قائم مقام ہوتی ہے اس لئے چوتھائی حصہ ننگا ہو تو نماز لوٹائے اور کم ہو تو نہ لوٹائے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک نصف کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں نصف مانع صلوٰۃ نہیں کیونکہ وہ زیادہ نہیں اور ایک روایت میں مانع صلوٰۃ ہے کیونکہ وہ کثیر میں شمار ہے لہذا معافی کے قابل نہیں۔ (آئمہ کرام کے اس طرح کے اختلافات اپنی اپنی رائے کی صوابدید پر مبنی ہیں لہذا ہر شخص ان میں سے کسی راجح قول کو اختیار کر سکتا ہے اور یہی اس کے لئے راہِ نجات کا سبب بن جائے گا۔)

چند مفردات عبارات میں استعمال ہوئے ہیں ان کی کسی قدر وضاحت

۱- عَوْرَةٌ مقام ستر۔ ۲- اَلسُّرَّةُ ناف۔ ۳- الرُّكبة گھٹنا۔ ۴- المختار پسندیدہ۔ ۵- نص تصریح۔ ۶- محلول الجیب کشادہ گریبان۔ ۷- کثیف اللحیۃ گنجان داڑھی۔ ۸- خفیف اللحیۃ ہلکی داڑھی۔ ۹- جیبٌ گریبان۔ ۱۰- یُفتی من الافتاء . یُفتی وہ فتویٰ دیتا ہے۔ اِلا فتاء: فتویٰ دینا شرعی مسئلہ کے بارے میں اپنی صوابدید کی بنا پر شرعی حکم دینا۔ قرآن مجید میں ہے۔ "یَسْتَفْتُونَکَ، قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ" لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں فرما دیجئے خود اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ مُفتی: فتویٰ دینے والا۔ (مُستفتی) فتوی پوچھنے والا۔ (الاستفتاء) فتویٰ پوچھنا۔ ۱۱- عریان ننگا۔ ۱۲- بیتٌ مظلمۃ وہ گھر جس میں اندھیرا ہو۔ ۱۳- لیلۃٌ مظلمۃٌ اندھیری رات۔ ۱۴- اللَّبس پہننا۔ ۱۵- المرأۃ الحرّۃ آزاد عورت۔ ۱۶- الخاقانیۃ فتاویٰ قاضی خان۔ ۱۷- اِفساد صلوٰۃ نماز ٹوٹ جانا۔ ۱۸- الخُصیتان دو فوتے۔ ۱۹- اَلذَّکر مرد کا آلہ تناسل۔ ۲۰- مَکشوف کھلی اور برہنہ چیز۔ ۲۱- مغطّی پوشیدہ اور ڈھانپی ہوئی۔ ۲۲- النّصف آدھا خواہ کسی چیز کا ہو۔

عورت کے بالوں، پیٹ اور پیٹھ وغیرہ کا حکم

و الحکم فی الشعر المسترسل و البطن و الظهر من المرأة و الفخذ کالحکم فی

الساق و اما القُبُلُ و الدُّبُرُ فعلی هذا الخلاف یعنی اذا انکشف من احدهما ربعه یمنع عندهما خلافا لابی یوسف و هذا مذکور فی الزیادات اما ثدی المرأة فان کانت مراهقة فهو تبع للصدر و ان کانت کبیرة فالثدی اصل بنفسه و فی شرح شمس الآئمة السرخسی اذا کان الثوب رقیقا یصف ما تحته لا یحصل به ستر العورة و من صلی بقمیص لیس علیه غیره فلو نظر انسان من تحته رأی عورته فهذا لیس بشئ و ذکر فی الزیادات لو ان امرأة صلت و هی تقدر علی الثوب الجدید فلبست ثوبا خلقا فانکشف من شعرها شئ و من فخذها شئ و من ساقها شئ و کان لو جمع یبلغ ربع السّاق لا تجوز صلاتها اما العورة من الامة فما هی عورة من الرجل و بطنها و ظهرها عورة ایضاً و ما عدا ذلک فلیس بعورة و المدبرة و ام الولد و المکاتبة بمنزلة الامة و ان انکشف عضو فستر من غیر لبث لا یضره و ان ادی معه رکنا یفسد و ان لم یؤد و لکن مکث مقدار ما یودی فیه رکنا بسنة فلم یستر فسدت صلاته عند ابی حنیفة و ابی یوسف خلافا لمحمد رحمهم الله و لذا اذا وقع الرجل للزحمة فی صف النساء او وقع امام الامام او رفع نجاسة ثم القی فعلی هذا الخلاف و من لم یجد ما یستر به العورة صلی قاعدا بالایماء کما ذکرنا

ترجمہ:......عورت کے لٹکے ہوئے بالوں کا حکم اوراسی طرح پیٹ، پشت اور ران کا حکم اس کی پنڈلی کے حکم کی طرح ہے اور عورت غلیظہ یعنی اس کے اگلے اور پچھلے حصے کا حکم اسی اختلاف پر مبنی ہے یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک کی چوتھائی ننگی ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مانع صلوٰۃ ہے لیکن امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف ''اَلزِّیادات'' (کتاب کا نام) میں مذکور ہے۔

تشریح...... لٹکے ہوئے بالوں سے آزادعورت کے بال مراد ہیں اور پیٹ اور پیٹھ سے مطلق عورت مراد ہے خواہ آزاد ہو یا باندی اور ران سے مرد اور عورت کی ران مراد ہے پس ان میں سے کسی عضو کی چوتھائی ننگی ہو جائے تو طرفین کے نزدیک مانع صلوٰۃ ہے جبکہ امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے یعنی وہ اتنی مقدار کو مانع صلوٰۃ قرار نہیں دیتے اور ساق کے اختلاف کی طرح عورت غلیظہ کے حکم میں بھی اختلاف ہے کہ طرفین کے نزدیک چوتھائی کا انکشاف مانع صلوٰۃ ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک نصف یا اس سے زائد حصہ برہنہ ہو جائے تو وہ مانع صلوٰۃ ہوگا۔ پس چوتھائی مانع صلوٰۃ نہیں اور اس اختلاف کی تفصیل امام محمد کی کتاب الزّیادات میں موجود ہے۔ امام کرخی نے ذکر کیا ہے کہ عورت غلیظہ کی قدر درہم سے

زیادہ مقدار ننگی ہو تو مانع صلوٰۃ ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔اس لئے کہ حلقۂ دُبر ایک مستقل عضو ہے اور یہ سارا حصہ قدر درہم سے زائد نہیں۔لہٰذا اگر امام کرخی کی بات صحیح تسلیم کی جائے پھر تو سب جگہ ننگی ہونے سے نماز جائز ہونی چاہیئے حالانکہ اس میں صریح قباحت اور بے حیائی ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسرینوں سمیت یہ ایک عضو ہے۔اگر یہ تسلیم کیا جائے تو امام کرخی کی بات کی توجیہہ ہو سکتی ہے۔لیکن یہ زیادہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہر سرین مستقل عضو ہے اور دُبر بھی مستقل عضو ہے گویا یہ تین عضو ہو گئے۔

عورت کے پستان کا حکم......اگر عورت قریب البلوغ ہو تو یہ اس کے سینے کے تابع ہیں اور اگر بڑی ہو تو یہ مستقل عضو کی حیثیت رکھتے ہیں امام سرخسی کی شرح میں ہے اگر کپڑا پتلا اور باریک ہو کہ جس سے نیچے کی چیز دکھائی دیتی ہو تو اس سے ستر عورت حاصل نہ ہوگا۔

تشریح......نچلی شے کے دکھائی دینے کا مفہوم یہ ہے کہ جلد کا رنگ نظر آئے۔عورت کی چھاتیوں کا سینے کے تابع ہونے سے مراد ہے کہ سینے سمیت چوتھائی ننگی ہو تو پھر حکم دیا جائے گا اور اگر عورت بڑی ہو تو پھر پستان مستقل حکم رکھتے ہیں۔اگر اکیلے پستان کی چوتھائی ننگی ہو جائے تو مانع صلوٰۃ ہے یونہی کان مستقل عضو ہے اور اسی طرح ناف اور زیر ناف کا حصہ مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور پہلو پیٹ کے تابع ہے۔

جس نے ایک کرتے میں نماز پڑھی کہ جس کے بغیر اس پر کوئی کپڑا نہ تھا اگر کسی آدمی نے نیچے ہو کر اس کا ستر دیکھا تو یہ کچھ نہیں یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ یہ مانع صلوٰۃ ہے کیونکہ اسے ستر مامور بہ حاصل ہے۔زیادات میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے نماز پڑھی جبکہ وہ نیا لباس پہن کر نماز پڑھنے پر قادر تھی لیکن اسکے باوجود اس نے پرانے لباس میں نماز پڑھی تو اس کے بالوں کا کچھ حصہ ننگا ہو گیا اور اسی طرح کچھ حصہ ران کا اور پنڈلی کا نمودار ہو گیا۔اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو چوتھائی ساق تک پہنچ جائے تو اس کی نماز جائز نہیں۔

تشریح......عورت کے پرانے کپڑوں میں شگاف تھے۔مختلف مقامات سے وہ کپڑا پھٹا ہوا تھا۔چوتھائی ساق کا مفہوم یہ ہے کہ پنڈلی باقی اعضاء سے چھوٹا عضو ہے۔بعض نے اس معاملے میں چھوٹے عضو کا اعتبار کیا ہے۔تاکہ کہیں زیادہ شدت پیدا نہ ہو جائے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کان کا نواں حصہ ننگا ہو جائے اور اسی طرح ران کا تو وہ مانع صلوٰۃ ہے کیونکہ اس کا مجموعہ چوتھائی حصہ ہے اور زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ اجزاء کے اعتبار سے جمع ہو تو پھر کان کا آٹھواں حصہ اور ران کا آٹھواں حصہ جب تک نہ ہو مانع صلوٰۃ نہیں یا کان کی چوتھائی کا تیسرا حصہ اور ران کی چوتھائی کا تیسرا ہو تو پھر مانع صلوٰۃ ہے۔

لونڈی کے جسم کا وہ حصہ جسے ڈھانپنا ضروری ہے وہ مرد کے مقام ستر کی طرح ہے البتہ اس کا پیٹ اور پشت بھی عورت ہیں اور جسم کا باقی حصہ عورت نہیں اور لونڈیوں میں سے مدبّرہ،امّ ولد اور مکاتبہ عام لونڈی کی طرح ہیں۔اگر جسم کا کوئی حصہ ننگا ہو گیا پھر بغیر توقف کے اسے ڈھانپ لیا تو کچھ مضر نہیں لیکن اگر اس کے ساتھ ایک رکن ادا کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی

اور اگر رکن ادا نہ کیا لیکن ادائیگی رکن کی مقدار توقف کیا اور اس وقفے میں اسے نہ ڈھانپا تو شیخین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی البتہ امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح...... مرد کا مقام ستر زیرِ ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے لہذا اتنا ہی حصہ باندی کا بھی مقام ستر ہے البتہ پیٹ اور پیٹھ بھی ستر پوشی میں شامل ہیں۔ لہذا پیٹ سے اوپر کا حصہ اور گھٹنوں سے نیچے یہ عورت میں بالاتفاق شامل نہیں کیونکہ باندی کے ذمے خدمت اور کام کاج ہیں لہذا وہ زیادہ احتیاط نہیں کرسکتی یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر مرد اور عورت بدقسمتی سے غلام ہو جائیں تو غلامی کے ضمن میں ماہرین قانونِ اسلامی نے ان کی مختلف قسمیں قرار دی ہیں ان میں سے لونڈی کے لئے ایک قسم مدبّرہ ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اگر مالک اپنی خادمہ سے کہے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو وہ مدبّرہ ہو جائے گی۔ اور اگر مالک لونڈی کی قیمت چکا کر کچھ حصے کے بارے میں اسے کہے کہ تو اتنا مال ادا کرے تو تو آزاد ہے وہ مکاتبہ ہو جائے گی۔ اور اگر کسی لونڈی سے مالک کے ازدواجی تعلقات قائم ہو جائیں اور اولاد پیدا ہو جائے تو وہ ام ولد ہو جائے گی ان ساری قسموں میں علی الاطلاق غلامی کے اثرات موجود نہیں اس لئے فی الجملہ غلامی موجود ہے اس واسطے یہ مذکورہ باندیاں بھی خادماؤں میں ہی شمار ہیں۔ اگر کوئی لونڈی نماز پڑھ رہی ہو اور اسے مالک نے آزاد کر دیا جبکہ اس کا سر ننگا تھا پھر معمولی عمل سے اس نے اپنے سر کو ڈھانپ لیا پس کسی رکن کی ادائیگی سے پہلے ہی وہ مستور الرأس ہوگئی تو اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر باندی کا کوئی عضو قابل ستر نماز میں ننگا ہو پھر بغیر توقف کے یہ اسے ڈھانپ دے تو شرعاً کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس برہنہ پن کی حالت میں اس نے پورا رکن ادا کیا جیسے قیام یا رکوع وغیرہ تو اس انکشاف کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر رکن ادا نہ کیا لیکن سنت کے مطابق ادائیگی رکن کی مقدار توقف کیا تو شیخین کے نزدیک اتنی دیر برہنگی سے نماز فاسد ہو جائے گی اور رکن کی ادائیگی کی مقدار تین تسبیحات ہیں۔

اگر کوئی شخص ہجوم اور رش کی وجہ سے عورتوں کی صف میں کھڑا ہو گیا یا اپنے امام سے آگے ہو گیا یا اس نے نجاست اٹھالی پھر اسے پھینک دیا تو اس میں بھی وہی پہلا اختلاف ہے اور اگر کوئی شخص کوئی کپڑا وغیرہ نہ پائے کہ جس سے اپنا ستر ڈھانپے تو وہ بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح...... سابقہ اختلاف کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان حالات میں یہ ایک رکن کی مقدار ٹھہرا رہا تو امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی مگر امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور یہاں امام ابو یوسف کا قول پسندیدہ قول ہے اور اس میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ جتنے کام مفسدِ صلوٰۃ قرار دیئے گئے ہیں وہ اس کی کارکردگی کے بغیر ہوں اور اگر اس نے اپنے عمل سے کوئی کام کیا تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی تفصیل بحث نجاست میں گزر چکی ہے لہذا اعادے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی شخص ننگا ہو اور مقام ستر کو ڈھانپنے کے لئے اتنا کپڑا وغیرہ پائے کہ جس سے کچھ حصہ مستور ہو سکتا ہے تو اسے ضرور استعمال کرے۔

فائدہ

اعضاء کی ستر پوشی میں فقہاء کرام نے کچھ اس طرح ترتیب بیان فرمائی ہے:

۱) سب سے پہلے جسم کے اس حصے کو چھپائے جو عورتِ غلیظہ کی حیثیت رکھتا ہے یعنی شرمگاہوں کو ڈھانپے۔

۲) ران۔

۳) گھٹنے اور عورت میں رانوں کے بعد پیٹ اور پیٹھ پھر گھٹنے لیکن باقی اعضاء چھپانے میں سب مساوی ہیں۔ اگر کپڑے کے علاوہ کوئی اور چیز قابل ستر مل جائے مثلاً گھاس وغیرہ تو اس سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح درختوں کے پتے وغیر بھی اسی کام میں آسکتے ہیں لہذا ہر قابل ستر چیز کو برہنگی کے وقت استعمال میں لائے۔ تاکہ ضرورت ستر پوری ہو جائے اور نما ٹھیک ہو جائے۔

چند مسائل

امام حلبی نے اس بحث کے خاتمے پر بحث کی مناسبت سے چند فقہی مسائل بیان فرمائے ہیں ہم انہیں بطورِ فائدہ ذیل میں ذکر کرتے ہیں:۔

☆ پہلا مسئلہ...... ایک ننگے آدمی سے اس کے ساتھی نے کپڑا دینے کا وعدہ کیا تو یہ آخر وقت تک اس کا انتظار کرے اگر چہ وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ وقت جانے سے پہلے تک انتظار کرے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے ہے اور یہی زیادہ ظاہر بات ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ...... القنیہ میں ہے کہ ایک لڑکی نے ننگے سر نماز پڑھی تو اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے گا لیکن اگر اس کی ران وغیرہ ننگی ہو یا اس نے بے وضو نماز پڑھی ہو تو پھر دونوں صورتوں میں اعادہ نماز کا حکم دیا جائے گا۔

☆ تیسرا مسئلہ...... مستحب ہے کہ آدمی تین کپڑوں میں نماز پڑھے جو یہ ہیں...... قمیص، ازار اور عمامہ اور اگر ایک بڑے کپڑے کو جسم پر لپیٹ کر نماز پڑھے جیسا کہ مزدور لوگ کیا کرتے ہیں تو یہ بھی بغیر کراہت کے ٹھیک ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ مگر صرف شلوار میں یا ازار میں بغیر مجبوری نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لہذا اس طرح نہ کرے تاکہ کراہت پیدا نہ ہو۔

☆ چوتھا مسئلہ...... ایک جوان عورت دریا سے ننگی باہر نکلی اس کے پاس کپڑے تھے اگر ان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کے جسم کا ضروری حصہ مثلاً ران، ساق وغیرہ ننگے ہو جاتے ہیں جو مانع صلوٰۃ ہیں اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس طرح نہیں ہوتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس کے پاس اس طرح کا کپڑا ہو کہ جس سے جسم ڈھانپا جا سکتا ہے لیکن سر نہیں ڈھانپا جا سکتا تو اس کی نماز جائز نہ ہو گی اور اگر سر کو چوتھائی سے کم حصہ چھپایا جا سکے تو پھر کچھ حرج نہیں یعنی اس صورت میں اس کی نماز ہو جائے

گی۔کمال ابن ہمام نے فرمایا کہ عورت کی آواز بھی نغمے میں شامل ہے یہی وجہ ہے کہ مرد اگر کسی کو کسی بات پر آگاہ کرنا چاہے تو وہ تسبیح کہے لیکن عورت تصفیق کرے یعنی ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارے لہذا اگر وہ بلند آواز سے نماز میں قرآن پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

چند کلمات مفردہ کی تشریح

۱- القبل عورت کی اگلی شرمگاہ۔ ۲- الدُّبر مرد وعورت کی پچھلی شرمگاہ۔

۳- ثدیٌ پستان۔ ۴- مراهقة قریب البلوغ

۵- الصدر سینہ۔اس کی جمع صدور ہے۔ ۶- رقیق باریک۔

۷- ثوب جدید نیا کپڑا۔ ۸- ثوبٌ خَلِقٌ پرانا کپڑا۔

۹- یَبْلغ وہ پہنچتا ہے بلوغ پہنچنا۔اِبلاغ: پہنچانا۔ ۱۰- الاَمَةُ باندی۔اماء:اس کی جمع ہے۔

۱۱- مدبّرہ مکاتبہ، ام الولد ، یہ سب لونڈیوں کی الگ الگ قسمیں ہیں۔اس کی تفصیل تشریح میں بیان ہو چکی ہے لہذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲- لَبثٌ ٹھہرنا۔(درنگ کردن) مَکثٌ: کا بھی یہی معنی ہے۔

۱۳- لم یَستُرُ اس نے نہ ڈھانپا اور نہ چھپایا۔

۱۴-مزاحمت ہجوم۔

۱۵- اَمام ہمزہ کے زبر کے ساتھ آگے ہونا جبکہ زیر کے ساتھ ہو تو بمعنی پیشوا۔مایُقتدیٰ بہ یعنی جس کی اقتداء کی جائے۔

۱۶- اَلقیٰ اس نے پھینک دیا۔ ۱۷- ما یستر به العورة وہ چیز جس کے ساتھ ستر چھپائے۔

نماز کی چوتھی شرط (استقبال قبلہ)

و اما الشرط الرابع فهو استقبال القبلة فمن كان بحضرة الكعبة يجب عليه اصابة عينها و من كان غائبا عنها ففرضه جهة الكعبة و ثمرة هذا الخلاف تظهر فى النية و قال الشيخ الامام ابو بكر محمد بن حامد لا تشترط نية الكعبة مع استقبال القبلة و قال الشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل يشترط ذلك و بعض المشائخ يقول ان كان يصلى الىٰ المحراب فكما قال الحامدى و ان كان يصلى فى الصحراء فكما قال الفضلى

ترجمہ ...... نماز کی چوتھی شرط ...... نمازی کا حالت نماز میں کعبہ شریف کی طرف اپنا منہ کرنا ہے۔ پھر جو کوئی کعبہ شریف میں موجود ہوتو اس پر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے۔ لیکن جو کوئی وہاں (کعبہ شریف سے) غائب ہوتو اس پر جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ امام جرجانی نے فرمایا جو کوئی کعبہ شریف سے غائب یعنی اوجھل ہوتو اس پر بھی عین کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ اور اس اختلاف کا فائدہ نیت کرنے میں ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ امام ابو بکر محمد ابن حامد نے فرمایا۔ اگر قبلہ کی طرف منہ ہو تو پھر کعبہ شریف کی نیت کرنے کی ضرورت (شرط) نہیں۔ لیکن شیخ ابو بکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ یہ شرط ہے۔

بعض مشائخ نے دونوں کے قول میں یوں مطابقت (اور موافقت) کی ہے کہ اگر محراب میں نماز پڑھتا ہے تو پھر مسئلہ اس طرح ہے جس طرح امام حامدی نے فرمایا اور جنگل (اور کھلی فضا میں) نماز پڑھتا ہے تو پھر مسئلہ وہی ہے جس طرح امام فضلی نے بیان فرمایا۔ (گویا دونوں الگ الگ مقامات پر مبنی ہیں)۔

تشریح

نماز میں قبلہ شریف کی طرف منہ کرنا فرض ہے پس بلا وجہ اس کا ترک جائز نہیں۔ اور اس کے فرض ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "و حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطره" یعنی تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو تو (نماز شروع کرتے وقت) اس کی طرف اپنے منہ پھیر لو۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کے وقت نماز پڑھنے والے کا منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیئے۔ لہذا بلا وجہ دانستہ ایسا نہ کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ کبیری میں لکھا ہے۔

قول فیصل ...... قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا۔ بغیر وضو نماز پڑھنا اور اسی طرح ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنا یہ سب کام کفر ہیں۔ بشرطیکہ علی وجه الاستخفاف و الاهانة و الاستهزاء ہوں ورنہ محض ترک کفر نہیں۔ جیسا کہ صاحب کبیری نے صراحتاً لکھا ہے:

"و قال لو ابتلیٰ به انسان بان کان مع جماعة و قاموا لیصلوا و استحیٰ ان لا یصلی فقام و صلّیٰ بلا طهارة قیل لا یکفر لعدم الاستهزاء". (کبیری)

کچھ لوگ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔ ایک شخص ان میں بے وضو تھا وہ محض شرم وحیا کی وجہ سے ان لوگوں کیساتھ بے وضو ہی نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا تو کہا گیا کہ وہ کافر نہ ہوگا اس سے محض ترک طہارت ہے ترک مع الاستھزاء نہیں۔ اور موجب کفر ثانی ہے اول نہیں۔

عین کعبہ کی طرف منہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا منہ عین کعبہ کے بالکل مقابل ہو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی آدمی مکہ شریف میں کسی ایسے گھر میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کے اور کعبہ شریف کے درمیان دیواریں حائل ہوں اگر انہیں درمیان

سے ہٹا دیا جائے تو اس کا منہ بالکل کعبہ شریف کے کسی جز پر واقع ہو تو یہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ الکافی میں یہی لکھا ہے۔ درایہ میں ہے کہ جس آدمی کے درمیان کوئی آڑ ہو یعنی اس آڑ کی وجہ سے اسے کعبہ شریف نظر نہ آئے تو وہ غائب شخص کی طرح ہے۔ پھر اس بنا پر مصنف کے کلام میں کعبہ شریف سے حقیقت کعبہ مراد ہے۔ اور پہلے طور پر مکہ شریف مراد ہے۔ اور جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا کا مطلب یہ ہے کہ اس جہت کی طرف منہ کرے جس میں کعبہ واقع ہے۔ مصنف ہدایہ نے فرمایا یہی صحیح ہے۔ اس سے امام جرجانی کا قول خارج ہو گیا کہ وہ غائب شخص کے لئے بھی عینِ کعبہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

مصنف کا یہ کہنا کہ اس کا فائدہ نیت میں ظاہر ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آیا غائب شخص کے لئے نیت کرنا شرط ہے یا شرط نہیں۔ پس امام حامد کے نزدیک غائب کے لئے یہ شرط نہیں۔ اور فضلی کے نزدیک یہ شرط ہے۔ گویا کہ انھوں نے امام جرجانی کا قول اختیار کیا ہے۔ اور بعض مشائخ نے دونوں کے اقوال میں مطابقت کی کوشش کی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص محراب کی طرف نماز پڑھے تو پھر ابنِ حامد کا قول معتبر ہے کیونکہ محراب سوچ بچار اور اتفاقِ رائے سے بنائی جاتی ہیں۔ لہذا یہ ہی نیت کی طرف سے کافی ہے اور اگر کوئی کھلے میدان میں نماز پڑھے تو پھر امام فضلی کی رائے معتبر ہے۔ کیونکہ کھلی فضا میں اجتماعِ رائے مشکل ہے لہذا اس قول کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

اہل مشرق کا قبلہ

و قبلة اهل المشرق هي جهة المغرب و ذكرنا في امالي الفتاوىٰ حد القبلة في بلادنا يعني بها سمرقند ما بين المغربين مغرب الشتاء و مغرب الصيف فان توجه الىٰ جهة خارجة من حد المغربين لا يصح و ان كان مريضا لا يقدر على التوجه و ليس معه احد يوجهه اليها او كان صحيحا يخاف من عدو او سبع يصلي الىٰ ايّ جهة قدر و كذا اذا صلى الفريضة بالعذر على الدابة او النافلة بغير عذر فله ان يصلي الىٰ ايّ جهة توجه ان اشتبهت عليه القبلة و ليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد و تحرىّ و صلى فان علم انهٗ اخطأ بعد ما صلى فلا اعادة عليه و ان علم ذلك و هو في الصلوٰة استدار الىٰ مالقبلة و بنى عليها سواء اشتبهت في المفازة او في المصر في ليلة مُظلِمَةٍ او في نهار و ان تحرى و صلى الىٰ غير جهة التحري يعيدها و ان اصاب و قال ابو يوسف لا يعيدها

ترجمہ......اور مشرق والوں کا قبلہ ہمارے نزدیک سمتِ مغرب ہے اور امالی الفتاوٰی میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے شہروں میں یعنی علاقہ سمرقند میں قبلہ شریف کی حد سردی اور گرمی کے مغرب کے درمیان ہے۔

پھر اگر کسی شخص نے دو مغربوں کی حد سے کسی خارج جہت کی طرف منہ کیا تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی ایسا بیمار ہو کہ جس کے ہوتے ہوئے قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کا منہ اس کی طرف پھیر دے یا کوئی تندرست آدمی ہو لیکن دشمن یا موذی درندے سے اسے خطرہ ہو جس کی وجہ سے وہ صحیح قبلہ رخ نہ ہو سکے تو ایسے شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ جس سمت کی طرف قدرت رکھتا ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ اور اسی طرح جب کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے سواری پر فرائض پڑھے یا بغیر عذر نوافل پڑھے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ جس طرف بھی اس کی سواری اسے پھیرے وہ اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

مسئلہ...... ایک شخص پر قبلہ مشتبہ ہو گیا اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں کہ اسے صحیح سمت قبلہ بتائے تو وہ صحیح غور و فکر کر کے پوری کوشش سے نماز پڑھے (تو اس کی نماز ہو جائے گی) لیکن اگر نماز پڑھنے کے بعد اسے جہتِ قبلہ معلوم کرنے میں غلطی معلوم ہوئی تو ایسی صورت میں اس پر دوبارہ نماز واجب نہیں۔ اور اگر اسے یہ غلطی نماز ہی میں معلوم ہو گئی تو وہ نماز ہی میں قبلہ کی طرف پھر جائے اور بقیہ نماز کی پہلی نماز پر بنیاد رکھے۔ خواہ اسے یہ اشتباہ جنگل میں ہو یا شہر میں۔ اندھیری رات میں لگ گیا ہو یا دن میں اشتباہ ہو گیا ہو (تو یہی حکم ہے)
اور اگر کسی شخص نے اچھی طرح غور و فکر کیا لیکن جس طرف غور و فکر کیا تھا اس کی بجائے دوسری طرف نماز پڑھی تو اس نماز کو دوبارہ لوٹائے اگرچہ سمتِ قبلہ ٹھیک ہو۔ لیکن امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس ادا کردہ نماز کو نہ لوٹائے۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح

۱- سمر قند	مشہور شہر ہے۔	۲- مشرق	سورج طلوع ہونے کی جگہ۔
۳- مغرب	سورج ڈوبنے کی جگہ۔	۴- اِمالی الفتاویٰ	کتاب کا نام ہے۔
۵- الشتاء	سردی۔	۶- الصیف	گرمی۔
۷- مغربین	یہ مغرب کا تثنیہ ہے۔	۸- توجه	منہ کرنا۔
۹- صحیح	تندرست۔	۱۰- عدو	دشمن۔ اس کی جمع اعداء ہے۔
۱۱- سبع	درندہ۔	۱۲- الدابة	جانور۔
۱۳- اِجتهاد	کوشش کرنا۔	۱۴- تحری	غور و فکر کرنا۔
۱۵- اِستدار	گھوم اور پھر جانا۔	۱۶- بناء	بنیاد رکھنا۔
۱۷- مفازة	صحراء۔	۱۸- لیلة مظلمة	اندھیری رات۔
۱۹- اصاب	ٹھیک راہ پانا۔	۲۰- یُعید	من الاعادة لوٹانا۔

چند مفردات کی تشریح

۱: شرط — علامت، ائمہ لغت نے اس کے یہی معنی کیے ہیں البتہ اصطلاحا اس کے معنی ہیں: ما یتوقف علی وجوده شیء مع انه خارج عن ماهیته الشیء یعنی جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس چیز کی ماہیت میں داخل نہ ہو بلکہ ماہیت شے سے خارج جیسے وضو نماز کے لئے۔

۲: الرابع — ما یقع فی المرتبة الرابعة یعنی وہ عدد جو چوتھے رتبے پر واقع ہو، لہذا الرابع کے معنی ہے چوتھا جبکہ اربع کا معنی ہے چار۔

۳: استقبال — منہ کرنا، استقبال القبلہ: قبلہ کی طرف منہ کرنا۔

۴: حضرة الكعبة — کعبہ میں حاضر اور موجود ہونا۔

۵: اصابة عين الكعبة — کعبہ کی زیارت تک رسائی ہونا، مراد یہ ہے کہ جو وہاں موجود ہو وہ خود ذات کعبہ کی طرف منہ کرے۔

۶: جهة الكعبة — کعبہ شریف کی سمت۔

۷: ثمرة — پھل، مراد نتیجہ ہے۔

۸: الشيخ — بوڑھا، عمر رسیدہ جو پچپن سال کے متجاوز ہو گیا ہو، اس کی جمع شیوخ اور اشیاخ ہے۔ بزرگ: اصطلاحاً هو ماهر فی فن من الفنون یعنی جو فن میں مہارت کاملہ اور ملکہ راسخہ رکھتا ہو اسے الشیخ کہا جاتا ہے اگر چہ جوان ہو جیسے شیخ ابن حاجب وغیرہ۔ لہذا شیخ القرآن، شیخ الحدیث اور شیخ الفقہ، شیخ المناطقہ اسی مناسبت سے لوگ کہا کرتے ہیں۔

فائدہ نادرہ

قد سمعت من شيخ الاساتذة فی اثناء الدرس ''ایک سو عالموں کے مقابلہ میں ایک فاضل ہوتا ہے اور سو فاضلوں کے مقابلہ میں ایک محقق ہوتا ہے اور سو محققین کے مقابلے میں ایک مدقق ہوا کرتا ہے'' ''قيل المحقق مايثبت المسئلة بالدليل لكن المدقق مايثبت الدليل بالدليل فهو فائق فی الرتبة عن المحقق'' اور اگر سو مدقق یکجا ہوں تو ایک علاّمہ تیار ہوتا ہے اور اگر سو علاّمہ اکٹھے ہوں تو ایک شیخ وجود میں آتا ہے۔ پس اس کی نسبت سے آخری درجہ امام کا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ تیس سال تک دورِ جوانی ہے اور سن بلوغ تک عید طفولیت اور بچپن ہے۔ ۵۰، ۵۵ سال تک کچھ مخلوط یعنی جوانی اور بڑھاپا سے ملا جلا دور ہے۔ پھر اس دور ۵۵ سے ۸۰ سال تک خالص بڑھاپا ہے اور اس سے اوپر ''سنِ کہولت'' ہے۔ کچھ اس طرح انسان کی زندگی ترتیب دی گئی ہے۔ درحقیقت زندگی وہی ہے جو یادِ الٰہی میں بسر ہو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

ہر آں دم کہ از عمر بے پا درفت — دریغا کہ آں عمر برباد رفت

۹: الامام — ما یؤتم به فی الاقوال والافعال یعنی وہ شخص جس کی افعال واقوال میں اقتدا اور تقلید کی جائے۔

۱۰: المحراب: آلۂ جنگ صیغہ اسم آلہ ہے جو حرب سے بنا ہے جس کا معنی ہے جنگ کرنا، اس کی جمع محاریب ہے اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ نمازی اس کے ذریعے شیطان جنگ سے آمادہ ہوجاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے ہتھکنڈوں سے بچانے کی کوشش اور سعی کرتا ہے۔ عرفاً وہ بڑی جگہ جو مساجد کے سینٹر میں صفوف کی دونوں جانبوں کی مساوات کیلئے بنائی جاتی ہے تا کہ دونوں جانبیں برابر اور مساوی ہوں۔

۱۱: الصحرآء: بیابان، اس کی جمع صحاری وغیرہ آتی ہے۔

۱۲: الشتآء: موسم سرما۔

۱۳: الصیف: موسم گرما۔

۱۴: یوجّھہٗ: جو اسکا منہ قبلہ کی طرف کردے۔

۱۵: صحیح: تندرست، صحتیاب، اسکی جمع اصحاء آتی ہے، اصلی تعریف کی اصطلاح میں وہ کلمہ جس میں حروف علّت، صرف ہمزہ اور تضعیف یعنی ایک جنس کے دو حرف نہ ہوں ضَرَبَ اور نَصَرَ وغیرہ۔ اور نحویوں کی زبان میں وہ کلمہ جس کے آخر میں حروف علت نہ ہوں پس ''زید'' صرفیوں کے نزدیک اجوف اور نحویوں کے نزدیک صحیح ہے۔ یہ ہے لفظ صحیح میں اہل لغت اور ائمہ عربیہ کے نزدیک واضح فرق۔

۱۶: عدوٌّ: دشمن، جمع اعدآء۔

۱۷: الدآبۃ: ما یدب علی الارض وہ جاندار جو زمین پر چلے، اگرچہ ائمہ لغت کے نزدیک عام ہے مگر عرفاً چار ٹانگوں والے مخصوص پالتو جانور پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے گھوڑا، خچر، گدھا اور شتر وغیرہ۔ اس کی جمع دوآب آتی ہے۔

۱۸: سَبُعٌ: درندہ جمع سباع۔

۱۹: اشتبہ: اس کو شبہ لگ گیا۔

۲۰: اجتھد: اس نے کوشش کی، الجھد: کوشش اور ہمت۔

۲۱: تحرّیٰ: اسنے سوچ بچار کی، التحری اسکا مصدر ہے بمعنی کسی معاملے میں غور و فکر کرنا تا کہ راہِ صواب واضح ہوجائے۔

۲۲: استرار: وہ گھوم اور پھر جائے۔

۲۳: المفازۃ: جنگل و بیابان۔

۲۴: المصر: شہر جمع امصار۔

۲۵: لیلۃ مظلمۃ: اندھیری اور تاریک رات۔

۲۶: الاعمیٰ: اندھا۔

۲۷: لم یخبر: اسے نہ بتایا گیا۔

۲۸: حوّل — اس نے پھیر دیا، تحویل: پھیرنا۔

۲۹: صدر — سینہ، جمع صدور۔

۳۰: تحوّل — وہ پھر گیا۔

۳۱: احدث — وہ بے وضو ہو گیا۔

۳۲: لم یحدث — وہ بے وضو نہ ہوا۔

و لو اشتبهت و لم يتحر فشرع و صلى لا تجوز و ان علم انه اصاب يستقبل الصلوة و لو اشتبهت و كان بحضرته من يسأل عنها فلم يسأله فتحرى و صلى فان اصاب القبلة جازت و اِلا فلا و كذا الاعمىٰ و لو سأل فلم يخبره حتى تحرى و صلى ثم اخبره لا يعيد ما صلى و لو شك فتحرى و صلى ركعة الىٰ جهة ثم شك و تحرى ثم و ثم حتى انه صلى اربع ركعات الىٰ اربع جهات بالتحرى جاز كذا فى الفتاوىٰ الخاقانية و ذكر فى امالى الفتاوىٰ ان علم ان قبلة الكعبة و لم ينوها جاز و ذكر فى الخاقانية ان نوى ان قبلته محراب مسجده لا يجوز و لو حوّل صدره عن القبلة بغير عذر فسدت صلاته و لو حول وجهه عنها عليه ان يستقبل القبلة من ساعته و لا تفسد و لكن يكره و لو ظن انه احدث فتحوّل عن القبلة ثم علم انه لم يحدث قبل ان يخرج من المسجد لم تفسد صلاته او ان علم بعد الخروج فسدت

تشریح

سمرقند گرمیوں سردیوں کے مشرق کے درمیان واقع ہے لہذا اس کا قبلہ مغربین کے درمیان ہے۔ اگر مجبوری اور معذوری ہو مثلاً چوری ڈکیتی یا کسی دشمن اور موذی درندے کا اندیشہ ہو تو یہ جس جہت پر قادر ہو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے جہت تحری قبلہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص دریا میں لکڑی پر بیٹھا ہو اور استقبال قبلہ کی صورت میں اسے ڈوب جانے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا لازم نہیں بلکہ جس سمت رخ کر سکتا ہے، رخ کر کے نماز پڑھے کیونکہ ہر آدمی کو اس کی وسعت کے مطابق احکام پر پابندی کرنا لازم ہے۔ سواری پر نماز پڑھنے میں یہ عذر ہو سکتا ہے کہ یہ اترنے کی صورت میں دوبارہ سوار نہ ہو سکے یا دشمن یا درندے وغیرہ کا خوف ہے تو یہ بھی جہت قدرت کی طرف نماز پڑھے اور اگر کیچڑ کی وجہ سے یہ سواری پر نماز پڑھے تو سواری کو ٹھہرا کر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے بشرطیکہ اسے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ سواری پر ہر جگہ نماز پڑھنے میں اسی قسم کا خوف معتبر ہے

اور اتنا کیچڑ ہو کہ جس میں نیچے اتر کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو پھر بھی یہی اعتبار ہے۔ نوافل بلا عذر بھی سواری پر پڑھ سکتا ہے اور فرائض اور نوافل دونوں میں جہت قدرت کی طرف رخ کر سکتا ہے۔ نوافل کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ یہ شہر سے باہر ہو، اگر شہر کے اندر ہو تو سواری پر نوافل جائز نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہیں لیکن مکروہ ہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک بلا کراہیت جائز ہیں۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ شہر سے کتنا دور ہو۔ بعض نے دو کوس اور بعض نے ایک میل کی مقدار بتائی ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اتنی دور ہو کہ جس میں مسافر قصر کر سکتا ہے۔ اگر اس نے شہر کے باہر نوافل سواری پر شروع کئے پھر یہ شہر میں داخل ہو گیا تو یہ کیا کرے؟ بعض نے کہا کہ سواری پر انہیں پورا کرے اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ سواری سے اتر کر زمین پر پورا کرے اور جو آدمی سواری پر نوافل شروع کرے اس کے لئے شروع کرتے وقت استقبال قبلہ ضروری نہیں البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اگر اشتباہ لگ جائے تو علاقائی طور پر کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے سمت قبلہ معلوم کرے کسی غیر علاقائی سے نہ پوچھے اور اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کوشش اور طاقت کو جہت قبلہ معلوم کرنے میں صرف کرے پھر دلائل اور نشانات سے جو بات اس کے غالب خیال میں آئے اس پر عمل کرے اور دلائل کی باہم ترجیح تلاش کرے اور اس سلسلے میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اندھیری رات میں حضور ﷺ کیساتھ ایک سفر میں تھے ہمیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا، پھر ہر آدمی نے اپنے گمان کے مطابق نماز پڑھی۔ سویرے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللہِ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے تو آسمان پر بادل چھا گئے، ہم نے جہت قبلہ معلوم کرنے میں خوب غور وفکر کیا پھر ہر آدمی نے الگ الگ جہت کی طرف اپنے خیال کے مطابق نماز پڑھی اور ہر شخص نے اپنے سامنے لکیر کھینچ دی۔ پھر جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہم سب نے جہتِ کعبہ کے خلاف نماز پڑھی۔ جب آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سب کی نماز ٹھیک ہو گئی"۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی جو آیتِ مبارکہ ہے وہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ فَثَمَّ وَجْہُ اللہِ کا مطلب یہ ہے کہ تم جدھر بھی رخ کر کے اپنی صوابدید کے مطابق نماز پڑھو تو نماز ٹھیک ہو جائے گی کیونکہ جہت مقصود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مقصود ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت پر قبلہ مشتبہ ہو گیا اور انہوں نے مختلف جہات کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ جہت قبلہ معلوم کرنے کے وقت کوئی آدمی موجود نہ ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس وقت کوشش کر کے کسی کو بلانا ضروری نہیں۔ نیز گھروں میں جا کر لوگوں سے پوچھنا بھی ضروری نہیں۔ البتہ کوئی پاس یا قریب ہو تو آدمی اس سے دریافت کر لے۔ نماز پڑھنے کے بعد جہتِ قبلہ کی غلطی کا احساس ہو جائے تو نماز کا اعادہ نہیں، اس لئے کہ اس پر واجب وسعت اور طاقت کے مطابق تحقیق کرنا ہے ہاں البتہ دوران نماز ایسا احساس ہو جائے تو بقیہ نماز صحیح سمت کی طرف منہ کر کے ادا کرے۔ اور پچھلی نماز کی پہلی پر بنیاد رکھے۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا

ہے کہ مسجد قبا والے صبح کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کر رہے تھے تو انہیں تحویل قبلہ کا بتایا گیا تو نماز ہی کے دوران کعبہ شریف کی طرف پھر گئے۔ جب انہوں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے انہیں نماز دہرانے کا نہیں فرمایا۔

اشتباہ لگنے میں جنگل، شہر، رات یا دن برابر ہیں کیونکہ دلیل میں کوئی تفریق نہیں۔ لیکن اگر کسی نے سوچ بچار کرنے کے بعد اس کے خلاف عمل کیا اور جہت تحری کے خلاف نماز پڑھی تو وہ اسے دہرائے۔ اس میں اگر اس کا یہ فعل ٹھیک بھی ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کا اعادہ ہے۔ بلکہ امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ ایسے شخص پر اندیشہ کفر ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں اعادہ نماز نہیں۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ استقبال قبلہ نماز کے لئے فرض ہے اور اگر وہ نہ ہو سکے تو جہت تحری فرض ہے پس اس نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اس پر نماز لوٹانا ضروری ہے۔ اور دانستہ ایسا کرنا سراسر غلط اور موجبِ کفر ہے۔ پس اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ اس نے حکم الٰہی سے انحراف کیا جو کسی مرد مومن کے لئے روا نہیں۔

التنبیہ الضروری علی استقبال القبلۃ

ذکر صاحب معراج الدراية عن شيخه ما حاصله ان استقبال الجهة يقع بان يقع شيء من سطح الوجه سامتا للكعبة او هوائها لان المقابلة اذا وقعت في مسافة بعيدة لاتزول بما تزول به من الانحراف لو كانت في مسافة قريبة و يتفاوت ذالک بحسب تفاوة البعد وتبقى المسافة مع انتقال مناسب كهذا البعد — (شرح ملتقی نقلاً عن معاش الصیغری۔۔۔ صفحہ ۱۲۳)

مصنف معراج درایہ نے اپنے شیخ کے حوالے سے بیان فرمایا جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے والے کے چہرے کا کوئی حصہ کعبہ یا ہوائے کعبے کے مساوت ہو جائے تو استقبال جہۃ الکعبۃ ہو جائے گا، کیوں؟ اس لئے کہ مقابلہ مسافتِ بعیدہ میں مسافتِ قریبہ کی طرح انحراف سے زائل نہیں ہوتا بلکہ اس میں تفاوتِ بعد کے مطابق تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بعد کے مناسب جو انتقال ہے اس کے باوجود مسافت باقی رہتی ہے۔ (اھ)

نتیجہ...... جتنا بعد ہو معمولی انحراف کے تقابل میں کچھ فرق نہیں کرتا لیکن جتنا قریب ہو اس میں فرق آ جائے گا۔

مصنف کا ارشاد:

مسئلہ...... کسی شخص پر سمتِ قبلہ مشتبہ ہوگئی اور اس نے غور و فکر کرنے میں حتی الامکان کوشش نہ کی۔ اور بغیر کوشش نماز شروع کر دی تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی رسائی ٹھیک قبلہ کی طرف ہوگئی ہے تو بھی وہ از سر نو نماز پڑھے۔ اور اگر اسے جہتِ قبلہ میں اشتباہ ہو گیا ہے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص موجود تھا جس سے وہ صحیح سمتِ قبلہ دریافت کر سکتا تھا مگر اس نے واقفِ قبلہ سے ٹھیک سمتِ قبلہ نہ پوچھی بلکہ خود سوچ بچار کر کے نماز پڑھ لی اگر اس کی سوچ بچار سمتِ قبلہ معلوم کرنے میں مبنی برصواب ہوگئی تو اس صورت میں اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نماز نہ ہوگی۔ (اھ)

تشریح

غور و فکر کرنے کے بغیر اشتباہ کی صورت میں نماز اس لئے نہ ہوگی کہ تحری (غور و فکر کرنا) اس پر فرض تھا جو اس نے چھوڑ دیا پس ترک فرض کی وجہ سے نماز نہ ہوئی۔ اگر دوران نماز اسے اپنی صوابدید کا علم ہوگیا تو بھی طرفین کے نزدیک نئے سرے سے نماز پڑھے لیکن امام ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں اس کی نماز ہوگئی لہذا بقیہ نماز کی پہلی نماز پر بنیاد رکھے۔

ان کی دلیل وہی سابقہ دلیل ہے۔ یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کی مراد یہ ہے کہ جب سمتِ قبلہ ٹھیک ہے تو پھر استینافِ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس جہت کی طرف وہ پہلے نماز پڑھ چکا ہے پھر دوبارہ اسی جہت کی طرف نماز پڑھنا بے سود اور تحصیل حاصل ہے لہذا اعادہ صلوٰۃ میں کوئی فائدہ نہیں۔

طرفین کی طرف سے جواب

اعادہ صلوٰۃ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کا حال بعد العلم قبل العلم سے اقویٰ ہے اور قوی کی بنیاد ضعیف پر نہیں رکھی جاسکتی لہذا یہ شخص "بناء" نہیں کرسکتا ورنہ بناء اقویٰ علی الضعیف لازم آئے گا جو عقل و نقل کے خلاف ہے۔ اور اگر شخص مذکور کو نماز پڑھ لینے کے بعد راہِ صواب کا علم ہوا تو پھر اس صورت میں سب کے اتفاق سے اعادہِ نماز نہیں۔ امام حلبی الصغیری میں فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے تحری کی مگر اس کی سوچ بچار کسی ایک طرف نہ ٹھہری تو وہ کیا کرے؟ بعض نے فرمایا: یہ شخص نماز میں تاخیر کرے، اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ چار دفعہ چاروں جہتوں کی طرف نماز پڑھے (وھو الاحوط) یعنی اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ اگر اشتباہ کی صورت میں بتانے والا موجود ہو مگر یہ نہ پوچھے اور خود اپنی صوابدید کے مطابق نماز پڑھ ڈالے۔ اگر اس کی صوابدید واقع کے مطابق نکلی تو اسکی نماز درست ہے، کیوں؟ اسلئے کہ مقصد پورا ہوگیا۔ اور اگر اس کی رائے خطا ہوگئی تو نماز نہ ہوگی، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے اقویٰ دلیل پر عمل نہ کیا جو کہ ٹھیک نہیں بلکہ خلافِ قیاس ہے۔

اب یہ سوال کہ دو دلیلوں سے کونسی دو دلیلیں مراد ہیں کہ جن میں سے ایک اقوی اور دوسری ضعیف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علاقائی طور پر واقف کار سے قبلہ کی سمت دریافت کر لینا اور حسبِ ضرورت پوچھ لینا وصول الی المقصود کی اقوی دلیل ہے جبکہ خود تحری اور سوچ بچار کرنا اگر چہ یہ بھی حصول مقصود کی دلیل ہے مگر دوم نمبر پر ہے پس اس شخص نے اقوی دلیل کو ترک کر کے دلیل ضعیف پر عمل کیا ہے جو کہ اگر چہ فی نفسہ کسی حد تک جائز ہے مگر اقوی کے مقابلے میں جائز نہیں۔

لہذا شخص موصوف کی نماز نہ ہوگی۔ (یہ ہے مصنف کے کلام کی حسب ضرورت تشریح اور وضاحت)

ترجمہ...... اسی طرح اگر کوئی شخص نابینا ہو (اور سمتِ قبلہ سے ناواقف ہو) اور اس نے لوگوں سے سمتِ قبلہ دریافت کی لیکن اسے کچھ نہ بتایا گیا پھر وہ اپنی صوابدید اور غور و فکر سے نماز پڑھ لے پھر اسے کوئی شخص جہتِ قبلہ بتائے تو وہ پڑھی ہوئی نماز نہ لوٹائے۔

تشریح

اگر کسی نابینا آدمی نے کسی سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جبکہ اس کے پاس جہتِ قبلہ بتانے والا موجود تھا مگر اس نے اس سے

مذکور میں تین قسم کے مسائل پائے جاتے ہیں۔

(۱) ایسے مسائل جن کا ذکر صرف اسی کتاب میں ہی ہے۔

(۲) ایسے مسائل جو دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن ان میں یہ صراحت نہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ہیں۔ البتہ اس میں تصریح کردی گئی۔

(۳) وہ مسائل جو دوسری کتابوں میں بھی مذکور تھے لیکن اس کتاب میں انھیں جدید انداز سے پیش کیا گیا کہ جس سے کئی جدید فائدے حاصل ہوئے۔ اس کتاب کی تقریباً تیس، چالیس شرحیں لکھی گئیں۔ جن کی پوری تفصیل ''کشف الظنون'' وغیرہ میں موجود ہے۔

۲۔ جامع کبیر...... یہ جامع صغیر کے بعد ترتیب دی گئی بڑی جامع کتاب ہے اس میں امام صاحب کے اقوال کے علاوہ قاضی ابو یوسف، اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل موجود ہے۔ متاخرین حنفیہ نے زیادہ تر اسی کتاب کے مطابق طرزِ استدلال اور طریقِ استنباط کے مطابق فقہی مسائل قائم کئے ہیں۔ بعض نامور اہلِ علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں ان میں سے بیالیس ۴۲ شرحوں کا مصنفِ کشف الظنون نے ذکر کیا ہے۔

۴۔ زیادات...... جامع کبیر لکھنے کے بعد فروع یاد آئے وہ اس میں مذکور ہیں اسی مناسبت سے اس کا نام زیادات رکھا گیا۔

۵۔ کتاب الحجج...... امام محمد اپنے عراقی شیخ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ شریف لے گئے وہاں تین سال کی مدت میں امام مالک سے کتاب مؤطا پڑھی چونکہ اہلِ مدینہ بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کرتے تھے چنانچہ امام محمد نے وہاں سے واپس آکر اپنے شیخ کی حمایت ونصرت میں یہ کتاب لکھی اس میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ سب سے پہلے اہلِ مدینہ کا اختلاف بیان کیا بعدِ ازیں حدیث، اثر، اور قیاس سے اپنے شیخ کے مذھب کی تائید وتوثیق کی۔ امام رازی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے یہ عام طبع شدہ کتاب ہے۔

۶۔ سیر صغیر و سیر کبیر...... موصوف کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے سب سے پہلے سیر صغیر لکھی۔ کہتے ہیں کہ اس کا ایک نسخہ شام کے عالم امام اوزاعی نے دیکھا انھوں نے بطورِ طعن کہا ''اہلِ عراق کو فنِ سیرت سے کیا نسبت''۔ امام محمد نے جب ان کا طعن سنا تو سیر کبیر تحریر کرنے لگے تو یہ ساٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر لاد کر خلیفہ ہارون الرشید کے پاس لے گئے۔ خلیفہ کو جب اطلاع ہوئی تو قدردانی کرتے ہوئے اپنے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اس کی سند لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نوٹ: اوپر درج کردہ کتابوں کے علاوہ امام محمد کی اور بھی تصانیف علمِ فقہ میں موجود ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ کیسانیات۔ ۲۔ جرجانیات۔ ۳۔ رقیات ۴۔ ہارونیات

لیکن یہ کتابیں آئمہ فن کی اصطلاح میں ظاہر الروایہ میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ کتاب الحجج بھی اس سلسلے سے خارج ہے۔

ضروری فائدہ

آئمہ فقہ کی اصطلاح میں حنفی روایات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ظاہر روایت (۲) نادر روایت۔

(۱) جامع صغیر (۲) جامع کبیر (۳) سیر صغیر (۴) سیر کبیر (۵) مبسوط (۶) زیادات۔ ان چھ کے علاوہ کتابیں ہیں۔ جن کا

درجہ ظاہر روایت سے کم ہے۔

۳...... امام زفر

امام ابوحنیفہ کے خصوصی اور نامور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ ہے۔ ان کی زندگی کے حالات تفص سے معلوم نہیں۔ یہ عربی نسل تھے آغاز میں علمِ حدیث کی طرف متوجہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں میں صاحب الحدیث کہلاتے تھے جیسے امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں تصریح کی ہے۔ پھر علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آخر زندگی تک اسی میں مشغول رہے آئمہ رجال نے ان کی تائید وتوثیق کی ہے۔ کہتے ہیں کہ قیاسی احکام میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ خود امام ابوحنیفہ اپنے اصحاب میں انھیں سب سے بڑا قیاس کرنے والا فرمایا کرتے تھے۔ وکیع بن الجراح ان سے استفادہ کیا کرتے تھے کچھ عرصہ قاضی بھی رہے۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

۴...... قاسم بن حصن

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں یہ بھی ایک بڑے نامور شاگرد تھے۔ چنانچہ آئمہ صحاح ستہ نے ان سے روایت لی ہے۔ حدیث وفقہ کے علاوہ عربیت و بلاغت میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ امام محمد بغرض استفادہ ان کے پاس جایا کرتے تھے خلیفہ وقت نے ان کو عہدہ قضا سپرد مجبوراً قبول کیا لیکن تنخواہ نہیں لیتے تھے امام ابوحنیفہ کو جن شاگردوں کے ساتھ خصوصی محبت تھی ان میں ایک یہ بھی شامل ہیں۔ ان کو بھی امام صاحب سے بڑی گہری عقیدت ومحبت تھی۔ چنانچہ کسی شخص نے ان سے پوچھا، آپ فقہ وعربیت کے امام ہیں ان دونوں میں سے کون سا علم وسیع ہے؟ تو جواب دیا کہ خدا کی قسم امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر تمام فنِ عربیت پر بھاری ہے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

۵...... اسد بن عمرو

بڑی عظیم شخصیت کے مالک تھے اور شان ورتبے کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام صاحب کی مجلس تصنیف میں لکھنے پڑھنے کا کام ان کے سپرد ہوا تھا۔ امام احمد ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن حصین نے ان کو قابلِ وثوق شخص قرار دیا ہے۔ ہلال رازی کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ایک دفعہ ایک شخص کو خلیفہ ہارون الرشید کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو میں نے محوِ تعجب ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ اسد بن عمرو ہیں۔ (الجواہر المضیہ) بغداد میں منصب قضا پر کام کرتے رہے ہیں ۱۱۸ھ میں وصال ہوا۔

۶...... علی بن المسعر

اسلامی دینا میں ایک نامور شخص تھے۔ چنانچہ فنِ حدیث کے اکابرین مثلاً امام اعمش، ہشام بن عروہ سے اس فن کو حاصل کیا۔ بخاری و مسلم نے ان کی روایت سے حدیثیں نقل فرمائیں۔ امام احمد وغیرہ ان کے فضل وشرف کا اعتراف کرتے تھے۔ امام سفیان ثوری نے ان کے توسل سے امام ابوحنیفہ کی کتابوں پر اطلاع پائی۔ موصل کے قاضی رہے۔ ۱۸۹ھ میں وصال فرمایا۔ (الجواہر المضیہ)

۷...... عافیہ بن یزید

امام صاحب کی مجلس شوریٰ کے ایک خصوصی رکن تھے۔ چنانچہ اس مجلس کی تکمیل ان ہی کے وجود سے ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ یہ روایت

نہور ہے کہ مجلسِ شوریٰ کے تمام ارکان اگر کسی مسئلہ پر بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیال کرتے اور طے ہونے کے بعد اس مسئلے کو قلمبند کرنے کا ادہ کرتے تو امام صاحب ارشاد فرماتے جب تک عافیہ نہ آئے کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔ اگر یہ تشریف لے آتے تو باقی اہلِ مجلس سے اس سئلے پر اکتفا کرتے تو پھر حسب اتفاق اس کو لکھ لیا جاتا۔ ورنہ اسے دوسرے دن کے لئے یونہی چھوڑ دیتے۔ علامہ ذھبی نے ان کے متعلق ھا ہے کہ وہ بہترین قاضی تھے۔

...... حبان

اہلِ علم میں زیادہ روایت کرنے والے بزرگ تھے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے حافظہ کی بہت زیادہ تعریف کرتے تھے ۱۷۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔

......منفل

موصوف حبان کے بھائی تھے۔ بہت سے آئمہ حدیث مثلاً اعمش، ہشام بن عروہ، عبدالملک بن عمیر، عاصم احول، امام ابوحنیفہ کے لے سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت پارسا اور پرہیزگار آدمی تھے۔ ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے صدمے میں ان کے ئی نے بڑا موثر مرثیہ لکھا۔ چنانچہ علامہ ذھبی نے ''میزان الاعتدال'' میں اس کے بعض اشعار نقل کئے ہیں۔ اگر شوق ہو تو وہاں ملاحظہ مائیں۔ پس یہاں انہیں نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔

......حضرت امام مالک کے حالات

موصوف کا نام مالک اور والدِ گرامی کا نام انس تھا۔ آپکے پڑدادا کا نام ابو عامر تھا۔ یہ حضور ﷺ کے صحابی تھے۔ جو جنگِ بدر کے علاوہ م غزوات میں حضور پاک ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ آپ کا نسب یمن کے ذی اصبح قبیلہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے بزرگوں میں سے ئی صاحب مدینہ منورہ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کی ولادت ۹۰ھ یا ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ موصوف نے ۱۷۹ھ میں ت پائی۔

ارت

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ دور دراز کا سفر کر کے مدینہ منورہ آئیں گے اور یہیں انہیں دینِ الٰہی صل ہوگا کیونکہ اسی جگہ سب سے زیادہ علم اور سب سے زیادہ عالم ہوگا۔ امام سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ اس حدیث کا مصداق کون ہے؟ تو ارشاد فرمایا امام مالک ہیں۔

سچا خواب

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور یہ دریافت کیا کہ بعض مسائل میں امام مالک اور امام لیث کا اختلاف دتا ہے تو ایسے موقع پر کیا کیا جائے۔ تو آپ نے اس کے خواب میں ارشاد فرمایا کہ میرے جدِ امجد ابراھیم علیہ السلام کا ورثہ صرف امام لک کو ملا ہے۔ ان کلمات کو تین مرتبہ دہرایا۔

حصولِ علم کا شوق

موصوف کو بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا سب سے پہلے عبدالرحمٰن ابن ہرمز کی خدمت میں گئے اور عرصہ دراز تک ان کی خدمت رہے اور مندرجہ ذیل آئمہ دین سے علم حاصل کیا۔ ۱۔امام زُہری ۲۔محمد بن منکدر ۳۔یحیٰ انصاری ۴۔ابوحازم ۵۔عبداللہ بن د اور اسی طرح چند دوسرے اکابرین سے دینی علوم کی تکمیل کی۔امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ امام مالک امام زُہری کے نامور اور ممتاز شاگر میں شامل ہیں۔آپ کو طلبِ علم کا اس قدر شوق تھا کہ علم کے زمانے میں صرف ایک مکان آپ کی ملکیت تھا تو آپ نے اس کی چھت تو اس کی کڑیاں فروخت کر کے کتابیں وغیرہ خریدیں۔بعدازیں اسلامی فتوحات سے آپ پر دنیاوی مال و دولت کی فراوانی ہوگئی۔

دینی علوم میں بلند پایہ

تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے امام مالک حدیث اور فقہ دونوں میں بلند پایا رکھتے ہیں اور صدقِ روایت کی بنا پر ثقہ ہیں۔اپنے اما اور ہم زمانہ اور بعد میں آنے والے لوگوں کے نزدیک ایک قابلِ قدر اور باوقار انسان ہیں۔چنانچہ بعض نے موطا امام مالک کی روای سب سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

آپ کے سلسلہ روایت کے تین طریقے ہیں۔۱۔مالک نافع اور ابن عمر ۲۔مالک زُہری، سالم اور ابن عمر ۳۔مالک، ابوالز اعرج اور ابوھریرہ۔ زیادہ تر آپ اسی سلسلہ سند سے روایت کرتے ہیں۔فقہ میں آپکے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں۔جو ربیعۃ الرائے نام سے مشہور ہیں۔آپ نے سترہ سال کی عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔اور اس وقت یہ سلسلہ شروع کیا جب ستر مشائخ مل کر آپ کو مسندِ تدریس پر بیٹھنے کی اجازت دی۔امام مالک کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔مدینہ منورہ اور باہر سے لوگ آ کے اپنی علمی پیا بجھاتے۔اور کتاب و سنت کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے۔حلقہ درس، پُر وقار، پُر ہیبت اور روح ادب ہوتا تھا۔مجلس میں برائے نام کا بھی شور و غل ہوتا نہ ہنگامہ آرائی ہوتی۔ بلکہ کسی کو شور و شرابے کی جرأت نہ ہوتی۔مجلس میں نہایت سادگی ہوتی۔اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو آ جواب دے دیتے۔مناظرہ یا تکرار کی کسی کو ہمت نہ ہوتی۔ایک کاتب حبیب نامی جو اکثر آپ کی کتابیں لکھتا رہتا وہ اکثر آپ کی کتاب پڑھ کر لوگوں کو سناتا۔لیکن اہلِ مجلس میں کوئی اس کے فعل پر تنقید کرنے کی جرأت نہ کرتا۔اگر کاتب سے کوئی غلطی ہو جاتی تو امام مالک ا کی تصریح فرمادیتے۔

طریقہ تدریس اور اشاعتِ علم

کہا جاتا ہے کہ امام مالک کی عادت تھی کہ وہ اپنی کتاب کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے۔سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس زمانہ کے دستو اور رواج کے مطابق استفادہ اور افادہ کے دو طریقے اہلِ علم میں رائج تھے۔(۱) استاد پڑھے اور شاگرد سنے۔(۲) شاگرد پڑھے اور است سنے۔امام مالک کے نزدیک یہی دوسرا طریقہ مروج تھا۔اس کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں۔ان میں سے ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ اہل عراق نے ''قرأۃ علی الشیخ'' کے طریقے کا چھوڑ دیا تھا۔اور تحصیلِ حدیث کے لئے صرف پہلے طریقے ہی کو اختیار کر لیا تھا۔یعنی استاد پڑھ اور شاگرد سنتے۔پس اس رواج کو ختم کر دینے کیوجہ سے امام مالک اور دوسرے اہلِ حجاز نے درس و تدریس کا طریقہ ثانی ہی اختیار کر لیا۔ور پرانے دور میں محدثین کے یہاں پڑھانے کا یہی طریقہ کار تھا۔کہ خود استاد شاگردوں کو پڑھ کر سناتا۔پس اسی طریقہ کو گروہ محدثین ک

یک بر بنائے اصطلاح "قرأۃ الشیخ علی التلمیذ" کہتے ہیں۔ چنانچہ امام مالک کے خصوصی شاگرد "یحییٰ بن بکیر" نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں "موطأ" امام مالک سے ۱۴ مرتبہ سنی کہ زیادہ تر امام مالک پڑھتے اور میں سنتا اور بعض دفعہ میں پڑھتا۔ اور وہ سنتے۔ (گویا اس میں امام نے محدثین کی طرز قدیم اختیار فرمائی)۔ اپنے اور بیگانے سے رویہ خودداری اور بے نیازی کے باوجود امام مالک اپنے بیگانے اہل و ال دوستوں عزیزوں اور اپنے شاگردوں سے بڑی سنجیدگی اور انتہائی حسنِ اخلاق سے پیش آتے۔ ان سے سختی، تلخی اور بے راہ روی ہرگز نہ تے بلکہ خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے ان سب کے ساتھ میل جول رکھتے۔ اور ان سے پیار و محبت کے ساتھ برتاؤ کرتے۔

م مالک کے خصوصی اوصاف

آپ خلوت میں کھایا پیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی آدمی نے آپ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ تمام دنیاوی معاملات میں صحابہ کرام کے یقے کار کا اتباع کیا کرتے تھے۔ ساری زندگی داڑھی پر خضاب نہیں لگایا اور بصورتِ بیماری آنکھوں میں سرمہ نہ لگاتے۔ اگر بوجہ مجبوری ی سرمہ لگایا تو پھر اس روز گھر سے باہر نہ نکلتے۔

ِ حدیث کے لئے خصوصی اہتمام

چونکہ امام موصوف کے دل میں حدیثِ رسول ﷺ کا بے حد ادب و احترام تھا اس لئے جب درس حدیث دینے کا ارادہ فرماتے تو بے اہتمام اور تیاری کرتے۔ چنانچہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔ سب سے پہلے غسل کرتے، لباس بدلتے اور خوشبو لگاتے۔ اور پھر آپ ، لئے ایک چوکی رکھی جاتی۔ اور قریب ہی عود اور لوبان ایک انگیٹھی میں سلگایا جاتا تاکہ حلقہ درس خوشبو سے لبریز ہو جائے اور کوئی کمی نہ ہے اور جب آپ درس حدیث کے لئے تشریف رکھتے تو آخر تک ایک ہی ہیئت اور شکل میں بیٹھے رہتے پس دورانِ درس زانو اور پہلو ے نہ بدلتے بلکہ حسبِ سابق پہلی ہی ہیئت پر تشریف فرما رہتے۔ تاکہ دورانِ درسِ حدیث بے ادبی اور بے احتیاطی نہ ہو اور مرتبہٗ یث میں کچھ فرق نہ آئے۔ اگر دورانِ درس کوئی شخص کچھ سنائے دیتا تو اسے یہ آیہ قرآنی پڑھ کر:

" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ......الخ (سورۃ الحجرات)

ترجمہ......اے! ایمان والو اپنی آوازیں اس نبی کی آواز پر بلند نہ کیا کرو" ۔ خاموش رہنے کی تاکید کرتے اور فرماتے درسِ حدیث کے وقت بولنا خود رسول گرامی ﷺ کے سامنے اپنے آواز بلند کرنا ہے۔ (مقصد یہ تھا کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں لہٰذا بے ادبی ہے)

دب کا ایک بے مثال واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ امام مالک کے حلقہ درس میں شامل ہوا جبکہ وہ طلبہٗ حدیث کو پڑھا رہے تھے۔ لہ ایک بچھو نے انہیں دس دفعہ کاٹا کہ جس کے زہریلے اثرات سے ان کے چہرے کی رنگت زرد اور ماند پڑ گئی۔ مگر آپ نے درسِ حدیث لو بدستور جاری رکھا اور پہلو تک نہ بدلا اور نہ زبان سے کوئی لغزش ہوئی۔ پھر جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے چہرہ کے تبدیل ہونے کی وجہ ریافت کی تو ارشاد فرمایا: دورانِ درس مجھے ایک بچھو نے دس مرتبہ بری طرح ڈنگ مارا تو میں نے حدیث رسول ﷺ کی عزت و عظمت اور ں کے احترام کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا اور خلاف معمول کوئی حرکت نہ کی۔ (سیرت آئمہ اربعہ۔ مصنفہ عبدالرحمٰن شوق۔ امرتسری)

مدینہ منورہ اور روضہ اطہر کا ادب

امام موصوف مدینہ حبیب ﷺ کا بے حد ادب واحترام ملحوظ رکھتے کہ قضائے حاجت کے لئے ہمیشہ حرم شریف سے باہر تشریف جاتے اور خود مدینہ طیبہ میں سوار ہو کر نہ چلتے۔ اور فرماتے جہاں حضور ﷺ آرام فرما اور محوِ استراحت ہوں وہاں سوار ہو کر چلنا اور سواری کی ٹاپوں سے اس مقدس سرزمین کو روندنے سے مجھے شرم وحیا آتی ہے۔ لھذا میں اس کو کسی طرح پسند نہیں کرتا۔ (حضور ﷺ کے معاملہ میں امام مالک کا یہ غایت درجہ ادب واحترام اور انتہائی شرافت ونجابت اور حضور ﷺ کی صحیح غلامی کا ثبوت ہے)

وضع وقطع اور لباس

موصوف نہایت نفیس اور قیمتی لباس پہنتے تھے۔ زیادہ تر سفید لباس اور خوشبو کو پسند کرتے۔ اور فرمایا کرتے جس شخص کو اللہ تعالیٰ دولت اور دوسری دنیاوی نعمتوں سے نوازے تو اس کے لئے انہیں ظاہر کرنا ضروری ہے ورنہ وہ ناشکروں میں شمار ہوگا۔ اور میں ایسے شخص کو اپنا دوست نہیں بناتا۔ آپ مونچھیں کترواتے تھے پس انہیں منڈوانا مکروہ خیال کرتے۔

اور داڑھی کے بالوں کو کترنا ناپسند کرتے تھے چنانچہ آپ دراز ریش تھے کہ وہ درازی کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارک تک پہنچتی تھی جیسا کہ بعض اکابر صحابہ کے بارے میں مروی ہے۔

جائے پیدائش

امام موصوف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں رہائش پذیر تھے جو مدینہ منورہ میں واقع تھا۔ اپنے مکان کے دروازے پر ماشاءاللہ تحریر کر رکھا تھا۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ تو اپنے مکان میں داخل ہوتے ہوئے ''ماشاءاللہ'' کہتا۔ چونکہ میری جنت میرا مکان ہے لھذا یہ چاہتا ہوں کہ جب اپنے مکان میں داخل ہوں تو یہ الفاظ مجھے یاد ہو کر میری زبان پر جاری ہو جائیں۔ (تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو جائے)

تصنیف موطأ

''موطأ'' امام مالک کی فنِ حدیث میں ایک مشہور ومعروف اور گرانقدر تصنیف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی ﷺ کی بارگاہ میں بلا شبہ مقبول ومنظور ہے کہ آج صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ روزِ اول کی طرح پر رونق اور تروتازہ اور سدا بہار ہے چنانچہ تمام مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور اہلِ علم کی زیب وزینت اور ان کے علمی مسائل کا بہترین حل اور ان کے ہاں حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

شرکاء موطأ

جب امام مالک نے ''موطأ'' کو لکھنا شروع کیا تو ان کے دور کے بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرح ''موطأ'' لکھنی شروع کی۔ پس بعض لوگوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ آپ اتنی زیادہ محنت کیوں کرتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ شریک ہو کر موطأ کی تصنیف کرتے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا ان لوگوں کی تصنیفات مجھے دکھا دو، جب آپ نے انہیں ایک نظر دیکھا تو ارشاد فرمایا زمانہ قریب میں معلوم ہو جائے گا کہ کونسا کام صرف رضائے الٰہی کے لئے کیا گیا ہے۔ چنانچہ آئندہ یہی ثابت ہوا کہ سوائے

ابی ذئب کے کوئی موطأ باقی نہ رہی اور صرف آپ کی تصنیف کردہ موطأ آج بھی اسلامی دنیا کا سرمایہ حیات ہے۔ اور لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

حضور پاک ﷺ کی خواب میں زیارت

حضرت ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی میں نے دیکھا کہ حضور پاک ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کے چاروں طرف لوگوں کا بڑا ہجوم ہے۔ اور آپ ﷺ کے سامنے امام مالک کھڑے ہیں چنانچہ حضور ﷺ کے سامنے کستوری رکھی ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر امام مالک کو عطا فرما دی اور پھر امام مالک حسب ہدایت دوسرے حاجت مندوں پر نچھاور کر رہے ہیں۔ یعنی لوگوں پر تقسیم کر رہے ہیں۔

دوسرا خواب

عبداللہ بن یوسف سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امام مالک کی خدمت میں ابنِ کثیر (جو مدینہ منورہ کے مشہور قاری ہیں) حاضر ہوئے، انہوں نے امام موصوف کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا آپ نے وہ پڑھ کر اپنے مصلّے کے نیچے رکھ دیا۔ جب سب لوگ جانے لگے تو امام مالک نے مجھے ٹھہرالیا پھر وہ رقعہ نکال کر مجھے پڑھنے کے لئے دیا۔ تو اس میں یہ خواب درج تھا۔ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ بے شمار لوگ آپ کے چاروں طرف موجود ہیں اور ہر ایک آپ ﷺ سے کچھ لینے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ آخر حضور پاک ﷺ نے ان سب سے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے منبر کے نیچے بہت بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے اور امام مالک کو یہ حکم دیا ہے کہ اسے سب لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ لھذا اب تم امام مالک کے پاس جاؤ اور ان سے اپنا اپنا حصہ وصول کرو۔ جب سب لوگ بارگاہ نبوی ﷺ سے اٹھ کر جانے لگے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھئے کہ امام مالک کیا کرتے ہیں ان میں سے کسی نے کہا وہ تو صرف حکم نبوی ﷺ کی تعمیل ہی کریں گے۔ (راوی کہتے ہیں) جب میں نے رقعہ پڑھ لیا تو امام مالک کی طرف دیکھا۔ تو وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ چنانچہ وہ بدستور روتے ہی رہے اور میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ (پس اس سے امام موصوف کی بارگاہِ نبوی ﷺ میں مقبولیت اور حضور ﷺ کی ان سے گہری محبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔)

امام مالک سے چند سوال

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن مجید کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کیا وہ مخلوق ہے یا نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے زندیق کو قتل کر ڈالو ورنہ ہزاروں فتنے اٹھ کھڑے ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے بعد اس مسئلہ کے پھیلنے سے لوگوں میں بہت بڑا فتنہ فساد پیدا ہوا۔ اہلِ سنت کے بے شمار افراد شہید ہوئے اور امام احمد کو بڑی سخت سزا دی گئی۔ انہیں بڑی بے دردی سے کوڑے مارے گئے چنانچہ وہ یہی تکلیف برداشت کرتے رہے اور پھر اسی میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ایک اور شخص آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام کے متعلق شکوہ و شکایت کرنے لگا۔ امام موصوف نے اس کے جواب میں ''سورۃ الفتح'' کی آخری آیت تلاوت فرمائی کہ جس میں ان نفوس قدسیہ کی تعریف و توصیف مذکور ہے۔ اور پھر فرمایا جو کوئی اصحابِ رسول ﷺ سے بدظن ہوا اور ان کے خلاف گفتگو کرے تو اس کے لئے سخت وعید ہے۔ (اور وہ مستحق سزا ہے)

موطأ امام مالک کے متعدد نسخے

امام مالک کے حالات میں مذکور ہے کہ آغاز میں موطأ امام مالک میں دس ہزار حدیثیں درج تھیں ۔ پھر آہستہ آہستہ آپ انتخاب کرتے رہے اور جو حدیثیں آپ کے خیال میں معتبر تھیں انھیں ثابت رکھا اور دوسری مٹا دیں ۔ یہ بھی یاد رہے کہ امام موصوف کے زمانے میں موطأ شریف کو تقریباً ایک ہزار افراد نے مل کر جمع کیا تھا اس لئے اس کے متعدد نسخے تیار ہو گئے ۔ مگر آج پورے عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے صرف چند نسخے موجود ہیں ۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنی مشہور تصنیف ''بستان المحدثین'' میں اس کی پوری تفصیل ذکر کر دی ۔ اگر شوق ہو تو وہاں ملاحظہ فرمالیں ۔

شدید آزمائش

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی طرح امام مالک پر بھی سخت آزمائش آئی چنانچہ ۱۴۷ھ میں جب آپ کی عمر ستاون ۵۷ سال کے قریب ہوئی تو آپ نے زبردستی طلاق کے نہ ہونے کے متعلق فتویٰ دیا۔ تو مدینہ منورہ کے حاکم نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اور ستر ۷۰ کوڑوں کی سزا سنائی۔ چنانچہ آپ کو گماشتوں نے اونٹ پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا اور آپ کی تشہیر کی ۔ بعدِ ازیں آپ کو ستر ۷۰ کوڑے مارے گئے کہ جن کے صدمے سے آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں سے اتر گئے جس کی وجہ سے آپ نماز میں ہاتھ نہ باندھ سکتے تھے۔ اور آخر تک یہ تکلیف رہی۔

بلند پایہ اور رفعت مرتبہ

امام مالک امت رسول کے ان برگزیدہ اور ممتاز ہستیوں میں ایک ہیں جن پر دنیائے اسلام کو بجا طور پر فخر ہے۔ اور ہمیشہ قیامت تک آنے والی نسلیں انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتی رہیں گی۔ اور کلماتِ تحسین سے یاد کرتی رہیں گی ۔ اور ان کے علم وفضل کا سورج ہمیشہ درخشاں رہے گا اور لوگ ان سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

اِکتسابِ علم اور اخذ فیض

متعدد اکابرین اور آئمہ حدیث سے آپ نے اخذ علم اور روایت حدیث کی ان سب کی تفصیل پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں کتب سیرت میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے ۔ یونہی بے شمار نامور آئمہ نے آپ سے علمی استفادہ اور روایت حدیث کی ۔ ان سب کا احاطہ بنظر اختصار نا مناسب ہے البتہ ان میں امام شافعی، سفیان ثوری، اوزاعی ۔ عبداللہ بن مبارک، محمد بن حسن اور قاضی ابو یوسف وغیرہ خاص قابل ذکر ہیں ۔ پس ان کے تلامذہ میں سے ہر ایک دنیا میں مہر تاباں بن کر چمکا اور اپنی کرنوں سے دنیا کو منور کیا۔

درس وتدریس کا آغاز

آغاز شباب یعنی ستر ہ ۱۷ سال دورِ جوانی کی عمر میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا جو مدت تک قائم رہا پس اس تسلسل میں کوئی وقفہ اور ناغہ نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ۔

دینی ہدایات

امام مالک نے لوگوں کو اسلامی اصولوں پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا کہ اسلام نے جن کاموں کے کرنے کی ترغیب دی مثلاً نماز پڑھنا، حج کرنا، جہاد کرنا اور اسی طرح ثواب کے دوسرے کام ان سب کاموں پر جو ثواب اور درجہ بتایا گیا ہے وہ عمل نبوی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ لھذا اس معاملے میں دامنِ رسالت سے وابستہ رہنا ضروری ہے۔ تاکہ غیبی امور حاصل ہوسکیں۔ پس جو کوئی ایسے علم کی تلاش میں سرگرداں ہو اور اس کے حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہے۔ تو اس پر عجائبات کا دروازہ کھل جاتا ہے جو کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا۔ امام مالک نے لوگوں کو ربیعہ کا وہ ارشاد سنایا جو اس سے پہلے لوگوں کے سامنے پیش نہ کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ربیعہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے: ''اگر کسی شخص سے نماز میں خطاء ہوجائے اور میں آداب شریعت کے مطابق اس کی نماز درست کردوں ،تو میرے خیال میں یہ ساری دنیا کی دولت اور سرمائے سے بہتر ہے اور اسی طرح اگر مجھے کسی مسئلہ یا حدیث کی روایت میں شبہ ہوجائے اور پوری رات میں اس کا حل تلاش کرتا رہوں اور پھر سویرے اٹھ کر کسی عالم کے پاس جا کر اس کی اصلاح کراؤں تو میرے نزدیک یہ ۱۰۰ سو مقبول حج سے بہتر ہے۔ اور اسی طرح امام زُہری سے بارہا یہ سنا گیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے:'' اگر مجھ سے کسی شخص کی دینی معاملات میں اصلاح ہوجائے۔ اور اس اصلاح کے بعد اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پختہ رابطہ قائم ہوجائے تو یہ کام میرے نزدیک ایک سو جہاد سے بہتر ہے''۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ امام مالک کا آخری ارشاد تھا۔

امام مالک کی وفات

امام موصوف کا جب آخری وقت ہوا تو دور دراز سے اہلِ علم اور نامور آئمہ دین آپ کے آخری دیدار کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ ہر روز تقریباً سو سوا سو ۱۰۰، ۱۲۵ کے قریب آئمہ کرام موجود ہوتے۔ امام مالک کے پاس بیٹھنے، اور ان کا دیدار کرنے کی خواہش رکھتے اور آپ کے قیمتی ارشادات سننے کی تمنا کرتے۔ چنانچہ آخری وقت آپ نے آنکھیں کھولیں اور سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''خوشی اور غم دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کا شکر ہے ہم اسی کے حکم سے دنیا میں آئے اور اسی کے حکم سے اس دارِ فانی سے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا وقت قریب ہے۔'' لوگوں نے آپ سے پوچھا اس وقت آپ کے باطن کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا: ''بے حد خوش ہوں سکون اور راحت محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی صحبت سے نوازا میرے نزدیک علمائے کرام ہی اولیاء اللہ ہیں کیونکہ انبیاء کرام کے بعد یہی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو عزیز ہیں۔ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ میری زندگی حصولِ علم اور اس کی تعلیم میں بسر ہوئی اور جو کام اللہ تعالیٰ نے ہم پر ضروری ٹھہرائے اور اس کے پیارے حبیب ﷺ نے بیان فرمائے ان کے کرنے کی سعادت نصیب ہوئی''۔ یہ آپ کے آخری کلمات تھے۔ چنانچہ امام موصوف ۱۷۹ھ میں تقریباً ۸۴ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کئے گئے۔ آپ کی وفات کے بعد جہاں جہاں لوگوں کو وفات کی اطلاع ہوئی تو ان سب لوگوں نے اپنے اپنے انداز کے مطابق اظہار افسوس کیا چنانچہ امام بصرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امام مالک پر رحم فرمائے وہ دنیا میں اپنی کوئی مثال نہیں چھوڑ کر گئے۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جنت دیکھی جب میں وہاں داخل ہوا تو وہاں مجھے امام اوزاعی اور سفیان ثوری ملے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ امام مالک کہاں ہیں؟ ان دونوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ ہم سے بہت ہی بلند و بالا مقام میں تشریف فرما ہیں۔ پھر اشارے سے مجھے ان کا بلند و بالا مقام دکھایا گیا۔

ضروری نوٹ

امام مالک کا تبع تابعین میں شمار ہوتا ہے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے وہیں پوری زندگی گزاری سوائے حج کے کہیں باہر نہیں گئے اس خیال سے کہ کہیں باہر موت نہ آجائے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انھیں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ سے موت کے متعلق دریافت کیا کہ ''میری موت کب ہوگی تا کہ مطمئن ہوکر باہر جاسکوں تو حضور پاک ﷺ نے اپنے ہاتھ کی پانچوں انگلیوں سے اشارہ کیا۔ جب بیدار ہوئے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ تو مشہور تعبیر خواب کے عالم محمد ابن سیرین کے پاس آدمی بھیجا اور ان سے حل طلب کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پانچ انگلیوں سے غیوبِ خمسہ کی طرف اشارہ ہے جنھیں قرآنِ مجید نے غیب کی کنجیاں فرمایا ہے۔ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ زندگی اور موت کا علم خصوصی غیوب میں شامل ہے عام طور پر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ اور نہ ہر آدمی اسے جان سکتا ہے۔ (مدارک التنزیل)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے علم کے بارے میں بھی یہی کچھ آیا ہے امام مالک مدینہ منورہ کے امام تھے روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر درسِ حدیث دیا کرتے تھے سنتِ نبوی ﷺ کا بہت زیادہ اتباع کیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ امام صاحب کا بے حد ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ کسی امام کا اتنا احترام نہ کرتے جتنا امام ابوحنیفہ کا کرتے۔ اور امام ابو حنیفہ بھی غائبانہ ان کی تعریف کرتے۔ اور انھیں علمِ نبوی کا وارث قرار دیتے۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ان سے بعض حدیثیں روایت کی ہیں۔ بہر حال یہ دونوں بزرگ عمر کے کچھ تفاوت کے باوجود ایک زمانے میں ہوئے ہیں۔ اور دونوں نے حسب توفیق اسلام کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور حضور ﷺ کی سچی غلامی کا ثبوت پیش کیا اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی تجلیات کی بے پایاں بارش نازل فرمائے۔

۳...... امام شافعی کے حالات

موصوف آئمہ اربعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسم گرامی محمد بن ادریس شافعی تھا۔ خود ان کا نام محمد اور والد بزرگوار کا نام ادریس تھا۔ سلسلہ نسب سادات سے وابستہ تھا۔ ۱۵۰ھ میں حجاز کی سرزمین کے شہر غزہ عسطلان میں پیدا ہوئے۔ معاشی اعتبار سے ان کے گھرانے میں غربت اور افلاس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں والدِ بزرگوار کی وفات ہوگئی تھی اور والدہ ماجدہ آپ کو مکہ مکرمہ لے آئیں اور یہیں پر پرورش پائی اور دینی علوم حاصل کئے۔ سات سال کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ جب دس سال کے ہوئے تو موطأ امام مالک یاد کرلی۔ تیراندازی کے فن میں بھی یکتائے زمانہ تھے موصوف فرماتے ہیں کہ اگر میں دس تیر ماروں تو سب کے سب ٹھیک نشانے پر لگیں گے۔ نہایت خوبصورت اور حسین انداز میں تلاوتِ قرآن کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سننے والوں پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔ خطیب بغدادی نے امام شافعی کے کسی ہم عصر بزرگ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ہم لوگ رونے کی خواہش رکھتے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے آؤ اس مطلّبی نوجوان کے پاس چل کر تلاوت کریں۔ تو جب لوگ ان کے پاس پہنچتے تو وہ خود تلاوت شروع کردیتے تو لوگوں کی حالت یہ ہوتی کہ قرآنِ مجید کی سماعت سے متاثر ہوکر رونے لگتے اور دھاڑیں مار مار کر روتے۔ قوتِ بیان میں بھی اچھا خاصہ ملکہ حاصل تھا۔ صاف اور شستہ اندازِ بیان تھا۔ چنانچہ اپنے دور کے بڑے بڑے مشاہر علماء سے بحث اور مناظرے کئے۔ لیکن کسرنفسی کا یہ عالم تھا کہ خود کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ میں نے جس سے بھی مناظرہ کیا کبھی یہ میری خواہش نہیں ہوئی کہ میرے مقابل کی خطأ ثابت ہوجائے۔

بچپن

امام شافعی نے ابتدا ہی میں علم ادب، ایام الحرب اور شعر وشاعری میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ پھر آپ مسلم بن خالد زنجی (جو مکہ مکرمہ کے امام تھے) کی خدمت میں حصول فقہ کے لئے حاضر ہوئے۔ جب تیرہ سال کے ہوئے تو امام مالک کے حلقہ درس میں مدینہ شریف میں جا کر شامل ہوئے۔ اس وقت پوری موطأ امام مالک آپ کو یاد تھی۔ پندرہ ۱۵ سال کی عمر میں آپ تمام علوم وفنون سے فارغ ہوگئے۔ چنانچہ آپ کے استاد مسلم بن خالد نے آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ لیکن آپ امام مالک سے دینی علوم مکمل کرنے کے بعد یمن چلے گئے۔ اور وہاں کے اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ پھر عراق تشریف لے گئے۔ وہاں امام محمد بن حسن سے بہت سے علمی مناظرے کئے۔

تصنیف وتالیف

موصوف کو بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ اسی جذبہ کے پیش نظر آپ نے مختلف موضوعات تفسیر، حدیث، فقہ ادب اور تاریخ کے متعلق متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ امام ابن خزیمہ سے کسی نے یہ پوچھا کہ کیا ایسی بھی کوئی سنت ہے جس کا امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہ ذکر کیا ہو۔ فرمایا ایسی کوئی سنتِ صحیحہ نہیں۔

قاضی ابو محمد حسن نے آپ کی ایک سو تیرہ ۱۱۳ کتابیں شمار کیں ہیں۔ ان میں سے بعض زیادہ مشہور یہ ہیں:

۱- کتاب الام...... یہ پندرہ جلدوں میں ہے۔ ۲- جامع کبیر مزنی۔ ۳- جامع صغیر مزنی
۴- مختصر ربیع ۵- مختصر بویطی ۶- کتاب الحرملہ
۷- کتاب الحجۃ ۸- الرسالۃ ۹- الامالی الاملاء ۱۰- مسندِ شافعی وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ الرسالۃ آپ نے علمِ اصول پر تصنیف کیا جس سے نامور علماء نے استفادہ کیا۔ امام مزنی نے پانچ سو مرتبہ اسے پڑھا تھا۔ اور ہر مرتبہ ایک جدید فائدہ حاصل کیا۔

کتاب الحجۃ عراق میں تصنیف فرمائی۔ ۱۹۹ھ میں مصر تشریف لے گئے۔ وہاں قیام کے دوران بعض جدید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جو یہ ہیں: (۱) اصول الفقہ (۲) کتاب القسامۃ (۳) کتاب الجزیۃ (۴) کتاب قتال اہل البغی

مصر کے قیام کے دوران آپ کی بے حد شہرت ہوگئی تھی۔ دور دراز سے لوگ استفادہ کے لئے حاضر ہوتے۔ بعض نے کہا ہے کہ بعض دفعہ آپ کے دروازے پر اہلِ علم کی نوسو ۹۰۰ سواریاں شمار کی گئیں۔ امام شافعی عربیت، بلاغت اور لغت کے مستند امام تھے۔ چنانچہ آئمہ عربیت نے اس کی شہادت دی۔ محمد ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ امام شافعی کو دورِ جاہلیت کے تین سو شعر یاد تھے۔ عربیت کا ایک نامور عالم اصمعی نے اشعار جاہلیت کی اصلاح امام شافعی سے کرائی۔ جبکہ اس وقت امام شافعی کی عمر بہت کم تھی۔ اہلِ حدیث کا لفظ امام شافعی کی ایجاد ہے۔ بے شمار اہلِ علم نے امام شافعی کی تعریف وتوصیف فرمائی۔ چنانچہ امام احمد نے فرمایا کہ "جو کوئی علم دین میں کچھ لکھنا چاہتا ہے تو اس کی گردن امام شافعی کے احسانات سے جھک جاتی ہے۔" چنانچہ سب سے پہلے اصولِ فقہ میں آپ نے کلام فرمایا۔ اور کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کے متعلق ایک جامع طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ حدیث کے ناسخ ومنسوخ ہونے کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ امام احمد ہمیشہ آپ کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے فرزند کے پوچھنے پر ارشاد فرمایا امام شافعی بلاتشبیہ سورج وصحت کی طرح ہے کہ کوئی آدمی ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اخلاق وعادات

موصوف میں تمام انسانی خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ بول چال، اٹھنے بیٹھنے، سیرت وکردار میں لاثانی تھے۔ لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آتے۔ بے حد سخی تھے۔ اگر کوئی قیمتی سے قیمتی چیز بطورِ تحفہ آتی تو لوگوں میں اسے تقسیم کر دیتے۔ ایک دفعہ یمن سے مکہ شریف آرہے تھے تو آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے یہ سارا سرمایہ غرباء ومساکین پر خرچ کر کے پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ ایک دفعہ آپ سواری پر جارہے تھے تو عصا ہاتھ سے گر گیا۔ ایک شخص نے بڑے ادب واحترام سے اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دیا صرف اتنی سی خدمت پر خادم سے فرمایا: "جو کچھ تیرے پاس ہے اس کو دے دے۔"

حادثۂ وفات

جب آپ مصر میں رہائش پذیر تھے تو ۳۰ رجب ۲۰۴ھ میں ۵۴ سال کی عمر پا کر نمازِ مغرب کے بعد شب جمعہ کو وفات پائی۔ پھر نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد عصر کے وقت امام موصوف کو سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کی وفات کی شب بعض اکابرین سے خواب دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ تعبیرِ خواب جاننے والوں نے یہ تعبیر بتائی کہ دنیا کے سب سے بڑے عالم کا انتقال ہوگیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کچھ دنوں بعد اطلاع آئی کہ امام شافعی کی وفات ہوگئی۔

خطرناک آزمائش

خلیفہ ہارون الرشید کو امام شافعی کے خلاف یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ امام شافعی یمن کے کچھ علوی سادات کے ساتھ مراسم اور روابط رکھتے ہیں۔ چنانچہ نجران کے والی نے محض عداوت کی بنا پر امام شافعی کے خلاف یہ افواہ پھیلا دی کہ امام شافعی ان سادات سے میل جول رکھتے ہیں جو حکومت کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ امام شافعی کو ان افراد کے ساتھ گرفتار کر کے بغداد لایا گیا۔ حسنِ اتفاق سے ان دنوں امام صاحب کے خصوصی شاگرد امام محمد بن حسن کا خلیفہ کے دربار میں اچھا خاصا رسوخ تھا۔ امام شافعی جب خلیفہ کے دربار میں پہنچے تو اپنے بچاؤ کے لئے امام محمد کا حوالہ دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ نے امام محمد سے ان کے متعلق پوچھا امام محمد نے فراخ دلی سے فرمایا کہ میں ذاتی طور پر انھیں جانتا ہوں وہ بڑے عالم ہیں۔ لہذا جن باتوں کو ان سے منسوب کیا گیا ہے ایسے آدمی سے ان کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ہارون الرشید نے امام محمد سے کہا کہ انھیں اپنے ساتھ لے جاؤ تاکہ میں ان کے متعلق غور وفکر کرسکوں۔ پس جتنے لوگ بھی بغاوت کے الزام میں یمن سے لائے گئے تھے ان میں سے صرف امام شافعی بچ سکے۔

فائدہ

یہ واقعہ ۱۸۴ھ میں پیش آیا۔ اور اس وقت امام شافعی کی عمر ۳۴ سال تھی۔ اس کے پیش آنے میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں کارفرما تھیں۔ امام مالک کے حلقہ درس سے فارغ ہونے کے بعد امام شافعی نے نجران میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی اور پوری دیانت و امانت سے وہاں کام کرنے لگے۔ بایں وجہ علم سے کچھ توجہ ہٹ گئی۔ اس آزمائش سے نجات پانے کے بعد خالص علم کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا اور باقاعدگی سے امام محمد کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ پس اس طرح اہلِ عراق کا علم انھیں حاصل ہوا اور اہلِ حجاز اور اہلِ عراق دونوں کے علوم حاصل ہوئے۔ غالباً تقریباً ۲ سال بغداد میں رہے اور امام محمد سے علمی استفادہ کیا پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور ۹ سال تک وہاں مکین رہے۔

اخلاص

کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کی کتابیں علمِ فقہ اور علمِ حدیث کی بنیاد ہیں۔ اور وہ علمِ اصول کے بانی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ میری یہ خواہش ہے کہ لوگ میری کتابوں کو پڑھ کر فائدہ اٹھائیں اور میرا نام نہ لیں۔ غور فرمایئے کہ جس شخص کے اخلاص کا یہ عالم ہو تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دنیا میں اس کا علم نہ پھیلے چنانچہ بعض لوگوں نے انھیں تیسری صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے۔ (تہذیب)

مفتی محمد تقی عثمانی کی امام شافعی کے مزار پر حاضری

موصوف لکھتے ہیں کہ:

ہم امام شافعی کے مزار پر پہنچے جہاں یہ مزار تھا وہ پورا محلّہ امام شافعی کے نام پر ''حـــارۃ الشـافعـــی'' کہلاتا ہے۔ ان کے مزار بڑی شاندار مہارت سے بنی ہوئی ہے جس کے پہلو میں مسجد بنی ہوئی ہے۔ نمازِ مغرب ادا

کرنے کے بعد ہم مزار پر حاضر ہوئے کیونکہ شب و روز ہم جیسے طالب علموں کا امام شافعی کے اقوال اور ان کی رائے سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے آپ سے محبت وعقیدت ایک طبعی امر ہے۔ مزار کے سامنے کچھ دیر بیٹھ کر سرور وسکون کی ایک عجیب کیفیت رہی۔ یہ اس فقیہ امت کا مزار تھا کہ جس کی رہنمائی سے کروڑوں مسلمان فیض یاب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ فقہ حنفی کے بعد سب سے زیادہ ان کی فقہ مشہور ہوئی۔ اور آج پوری دنیا میں ان کے ماننے والے پھیلے ہوئے ہیں۔ (جہانِ دیدہ، سفرنامہ محمد تقی عثمانی)

سچا خواب

امام شافعی کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا تم کون ہو؟ امام شافعی نے عرض کی آپ کا ایک غلام۔ ارشاد فرمایا: ''میرے قریب آؤ'' جب میں قریب گیا تو آپ ﷺ نے اپنا لعابِ مبارک میرے منہ میں ڈال کر فرمایا ''اب جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے اندر برکت پیدا کر دے۔'' اس کے بعد میں نے کیا دیکھا کہ جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگوٹھی مبارک اتار کر میرے حوالے کر دی۔

سادات کا احترام

مصنف تذکرۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ:

ایک دفعہ امام شافعی درس دے رہے تھے تو اس دوران دس مرتبہ کھڑے ہوئے، شاگردوں نے سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا باہر ایک سیّد زادہ کھیل رہا ہے جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس لئے کہ فرزندانِ رسول ﷺ کی تعظیم میں نہ اٹھنا خلاف ادب ہے۔

پیچیدہ مسئلہ اور اس کا حل

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید اور اس کی ملکہ کے درمیان کسی مسئلہ میں بحث چھڑ گئی۔ جب بحث طویل ہو گئی تو ملکہ نے جوش میں آکر خلیفہ کو دوزخی کہہ دیا۔ خلیفہ نے کہا اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ اس کہنے کے بعد دونوں پشیمان ہو گئے۔ اور اس وقت کے تمام علماء کو اس مشکل کے حل کے لئے جمع کیا۔ سب نے بیک زبان کہا کہ ''اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ خلیفہ دوزخی ہے یا جنتی۔ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ امام شافعی بھی اس محفل میں موجود تھے۔ اور اس وقت آپ کی عمر نو دس سال تھی۔ آپ کھڑے ہو گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں اور اس مشکل کو حل کرتا ہوں۔ چنانچہ سب حاضرین محوِ حیرت ہو گئے کہ اتنے بڑے پیچیدہ مسئلے کا ایک خورد سال کا بچہ کیسے جواب دے سکتا ہے۔ بہر حال ہارون الرشید کے اجازت دینے پر آپ نے اس سے پوچھا کہ آپ نے باوجود قدرت کے کیا کبھی صرف خوفِ خدا کے خوف سے گناہ چھوڑا ہے۔ خلیفہ نے کہا ہاں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہ چھوڑ دیا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ تم جنتی ہو۔ یہ سن کر تمام لوگ محوِ حیرت ہو گئے اور پوچھا کہ تم کس دلیل سے اسے جنتی قرار دے رہے ہو تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''جس شخص کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو گیا اور اس خوفِ خداوندی کی بنا پر اس نے اپنے نفس کو جذبات سے روکا تو وہ یقیناً جنتی ہے''۔ یہ استدلال سن کر تمام اہلِ علم اَش اَش کرنے لگے اور کہا جب بچپن کا یہ عالم ہے تو جوانی میں کیا

ہوگا۔ امام شافعی کی طبیعت میں سوز و گداز اور گریہ وزاری تھی۔ ابتدا ہی سے جلسہ جلوس اور دعوت وغیرہ سے متنفر تھے۔ سلیم رائی کی خدمت میں زیادہ رہتے۔ یہاں تک کہ آپ میں بے حد کمال پیدا ہوگیا۔ چنانچہ حضرت خضر نے آپ کے متعلق فرمایا کہ ''امام شافعی اساتذہ میں سے ہیں۔'' وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا گزری؟ جواب دیا میرے مالک نے مجھے کرسی پر بٹھا کر زر و جواہر مجھ پر نثار کئے۔

افادہ واستفادہ

امام شافعی نے متعدد نامور آئمہ سے علم دین حاصل کیا۔ جس کی تفصیل ان کے حالات سے معلوم ہوسکتی ہے اور بہت سے ممتاز لوگوں نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر اسلامی ممالک کے لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے کہ جنکی ایک طویل فہرست ہے یہاں اسے پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ امام شافعی میں یہ خصوصیت تھی کہ خود انہوں نے اپنا طریقہ پھیلانے کی کوشش کی اور اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھیں اور اپنی جدید کتابوں کا املأ کروایا اور اپنے خصوصی شاگردوں کو لکھوائیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے کو یہ وصف حاصل نہ ہوسکا۔ چنانچہ آخری سالوں میں آپ مصر میں رہائش پذیر ہوگئے تھے اور اہلِ مصر آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حجازی ہونے کے باوجود آپ مصری شمار ہوتے تھے۔ اگرچہ ان کے متعلق اور بھی بہت کچھ تحریر کیا جاسکتا ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر ان ہی سطور پر اکتفا کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب گرامی ﷺ کے صدقے ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ اور سب مسلمانوں کو ان کی سیرت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

۴......امام احمد کے حالات

امام موصوف ۱۶۴ھ میں دارالحکومت بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام احمد، والد کا نام محمد بن حنبل تھا۔ کنیت ابوعبداللہ لقب حنبل ہے۔ ابتدائی تعلیم سفیان بن عیینہ ابراھیم بن سعد سے حاصل کی اور مزید علوم دین حاصل کرنے کے لئے اس زمانے کے مشہور مقامات کا سفر کیا۔ مثلاً مکہ شریف، مدینہ منورہ، شام، یمن، کوفہ، بصرہ اور جزیرہ وغیرہ۔ آپ کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ آپ گروہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم نے آپ کو فقہاء میں شمار کرنے کے بجائے گروہِ محدثین میں شمار کیا۔ چنانچہ ایک لاکھ حدیثیں آپ کو یاد تھیں۔ آپ نے حدیث کا اتنا بڑا ذخیرہ اکھٹا کیا کہ بارہ آدمی اس کو بمشکل اٹھاتے تھے۔ بہت سے اہلِ علم نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اور کلماتِ تحسین سے آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی۔ چنانچہ امام ابوداؤد نے فرمایا کہ میں نے تقریباً دوسو مشائخِ حدیث کو دیکھا۔ لیکن ان سب میں امام احمد کے برابر کسی کو نہ پایا۔

امام شافعی نے فرمایا: ''بغداد میں زہد، تقویٰ اور علمِ فقہ میں امام احمد کے مساوی کوئی دوسرا نہیں۔ امام احمد بے شمار خوبیوں کا مجموعہ تھے چنانچہ سیرت نگار حضرات نے لکھا ہے کہ آپ حدیث، فقہ، زہد، تقویٰ، خداترسی، حق گوئی، عزم واستقلال میں یگانہ روزگار تھے۔

تصنیف وتالیف

درس وتدریس کے علاوہ آپ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ چنانچہ بہت سی کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱- مسندِ احمد۔ ۲- کتاب الزھد ۳- کتاب ناسخ ومنسوخ
۴- منسک کبیر ۵- منسکِ صغیر ۶- کتاب الاشربہ
۷- تاریخ فضائل صحابہ۔

ان میں سے ایک کتاب کی کئی کئی جلدیں ہیں۔ جامع کبیر کی تیس، بتیس جلدیں ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور مُسند ہے۔ جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ''بستان المحدثین'' میں لکھتے ہیں: ''یہ مسند اگرچہ خود امام احمد کی تصنیف ہے لیکن اس میں کچھ اضافے آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور ان کے شاگرد ابوبکر کی طرف سے پائے جاتے ہیں۔ اس مسند کی ترتیب وتہذیب خود امام سے واقع نہیں ہوئی بلکہ ان کے صاحبزادے نے کی۔ اس میں اٹھارہ مسند مختلف صحابہ کے عنوان سے پائے گئے۔ ان تمام مسندوں کو بہتر ۷۲ اجزاء پر تقسیم کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ مسند مذکور دراصل تیس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے اور جن ان کے صاحبزادے کے اضافوں کو ملایا جائے تو ۴۰ ہزار احادیث ہوتی ہیں۔ آپ نے ایک مبسوط بھی لکھی۔ اور حسنین کریمین کے فضائل میں بھی ایک کتاب لکھی۔ یاد رہے کہ آپ کے مسند میں بہت سی کمی بیشی ہوئی جو بعد کے لوگوں سے واقع ہوئی۔

تعالٰی و الدعاء للميت و المفترض المنفرد لا كنيه نية الفرض ما لم يقل الظهر او العصر فان نوى فرض الوقت و لم يعين اجزاه الا فى الجمعة و لا يشترط نية اعداد الركعات و لو نوى الفرض و التطوع جاز عن الفرض عند ابى يوسف رحمة اللّٰه عليه خلافاً لمحمد رحمه اللّٰه و لو افتتح المكتوبة ثم ظن انها تطوع فصلى عن نية التطوع حتى فرغ فهى تلك المكتوبة ولو كبّر ينوى التطوع ثم كبر ينوى الفرض يصير شارعاً فى الفرض و لو صلى ركعة من الظهر ثم افتتح العصر او التطوع بتكبيرة قد نقض الظهر و صح شروعه فيما كبر و كذا اذا شرع فى المكتوبة ثم كبر ينوى الشروع فى النافلة او كان منفردا فكبر ينوى الاقتداء بالامام يصير شارعا فيما كبر و ان صلى ركعة من الظهر ثم كبر ينوى الظهر فهى هى و هذا اذا نوى بقلبه او كبر بلسانه و تجزئ بتلك الركعة حتى انه لو صلى اربعا بعد ذلك على ظن ان الاُولى قد انتقضت و لم يقعد على راس الرابعة فسدت و لو نوى مكتوبتين معا فهى للتى دخل وقتها و لو نوى فائتتين معا فهى للاولى و لو نوى فائتة ووقتية معا فهى للفائتة الا ان يكون فى اخر وقت الوقتية و لا يحتاج الامام الى نية الامامة الا فى حق النساء و اما المقتدى فينوى الاقتداء ولا يكفيه نية الفرض و التيعيين وان نوى الاقتداء بالامام و لم يعين الصلوة يجزيه و كذا اذا قال نويت ان اصلى مع الامام و ان نوى صلوة الامام و لم ينو الاقتداء به لا يجزيه و ان نوى الشروع فى صلوة الامام فقد اختلف المشائخ فيه و الاصح انه يجزيه و ان نوى الجمعة و لم ينو الاقتداء بالامام جاز عند البعض و ان نوى الاقتداء بالامام و لم يخطر باله من هو صح و ان نوى الاقتداء بالامام و هو يظن انه زيد فاذا هو عمرو صح الا اذا قال اقتديت بزيد او نوى الاقتداء بزيد فاذا هو عمرو لا يصح و الافضل ان ينوى الاقتداء بعد ما قال الامام اللّٰه اكبر ليصير مقتديا بمصلٍ كذا ذكره فى المحيط

ترجمہ......مسئلہ نمبر۱......نماز کی چھ شرائط میں سے چھٹی نیت شرط ہے۔ اگر کوئی نمازی نوافل پڑھے تو اس کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے اور نماز تراویح میں بعض مشائخ کا اختلاف ہے کہ (کیا تراویح بھی مطلق نماز کی نیت سے ادا ہو جاتی

ہیں یا نہیں)۔ زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ تراویح کیلئے مطلق نماز کی نیت جائز نہیں۔ ائمہ متاخرین رحمھم اللہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ تراویح اور باقی تمام سنتیں مطلق نیت سے ادا ہو جاتی ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح کرنا جائز نہیں اور تراویح میں احتیاط یہ ہے کہ یہ تین کاموں میں سے ایک کی نیت کرے۔ تراویح یا سنتِ وقت یا قیام لیل کی اور سنتوں میں سنت کی نیت کرے اور اگر نماز وتر یا نماز جمعہ یا نماز عید پڑھنا چاہے تو نماز وتر میں صلوٰۃ وتر اور نماز جمعہ میں نماز جمعہ اور نماز عید میں صلوٰۃ عید کی نیت کرے اور نماز جنازہ میں یہ نیت کرے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرتا ہوں اور دعا اس میت کے لئے مانگتا ہوں۔

تشریح

نیت دل کے ارادے کا نام ہے اس کا اصلی تعلق دل سے ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو فعل قلب کہتے ہیں۔ امام صغیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نیت کی تعریف یہ ہے کہ جس کام کو یہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے کرنے کا ارادہ کرنا۔ عبادات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا ارادہ کرے اور اس ارادے میں انتہائی خلوص ہو چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے: "وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ "۔ یعنی لوگوں کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کریں دین اس کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔ یہاں دین سے مراد عبادت ہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ خدا کے لئے عبادت کرنے میں نیت خالص رکھیں۔ چونکہ نماز کی مختلف قسمیں ہیں اس لئے ہر قسم کے لئے الگ الگ نیت کرنا اور اس کو معین کرنا نمازی کے لئے ضروری ہے۔ سب سے عام نوافل ہیں لہذا مطلق نیت سے یہ ادا ہو جاتے ہیں۔ اور سنتیں نوافل میں شامل ہیں اگر نمازی سنتِ مؤکدہ یا غیر مؤکدہ پڑھنا چاہے تو یوں کہہ دے کہ میں نماز پڑھتا ہوں سنت کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں البتہ نماز تراویح میں ائمہ کرام رحمھم اللہ کا اختلاف ہے کہ انہیں ادا کرنے کے لئے کس نوعیت کی نیت ضروری ہے۔ ائمہ متقدمین رحمھم اللہ کی رائے یہ ہے کہ تراویح مطلق نیت سے ادا نہیں ہوتیں جب تک کہ ان کے سنت ہونے کی تعیین نہ کرے۔ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوے میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اختلاف تراویح اور سنت مؤکدہ میں ہے کہ سنت مؤکدہ نماز کی مطلق نیت سے ادا نہیں ہوتے۔ چونکہ تراویح بھی سنت مؤکدہ کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے ان میں بھی سنت تراویح کہنا ضروری ٹھہرایا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ایک مخصوص نماز ہے لہذا اس خصوصی نماز میں مخصوص نیت کی ضرورت ہے پڑھنے والا سنت کی نیت کرے یا متابعتِ رسول کی نیت کرے چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ صبح کی سنتیں نوافل کی نیت سے ادا نہیں ہوتیں بلکہ ان میں سنت یا متابعتِ رسول کی نیت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی آدمی نوافل پڑھ رہا ہو تو اس کے ساتھ تراویح کی اقتدا نہیں ہو سکتی۔ مشائخ رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ متاخرین کہتے ہیں کہ تمام سنتیں خواہ تراویح ہی کیوں نہ ہوں یہ مطلق نیت سے ادا ہو جاتی ہیں۔ صاحب ہدایہ کا یہی مسلک ہے۔ امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ لیکن مصنف کتاب امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کا تبع ہے اس لئے مصنف نے فرمایا کہ تراویح مطلق نیت سے پڑھنا جائز نہیں لہذا اختلاف کی وجہ سے احتیاط ہے کہ تراویح پڑھنے میں صرف تراویح کی نیت کرے یا سنتِ وقت یا قیام لیل کی۔ تاکہ اختلاف سے بچ جائے اور سنت پڑھنے میں بھی یہی احتیاط ہے کہ سنت کی نیت کرے یا متابعتِ رسول ﷺ کی نیت کرے اور اسی کے مطابق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز وتر پڑھنا چاہے تو صلوٰۃ وتر کی نیت کرے۔ نماز جمعہ پڑھنا چاہے تو نماز جمعہ کی نیت کرے عید پڑھنا چاہے تو نماز عید کی نیت کرے یعنی ان نمازوں کو پڑھتے وقت تعیین کرنا ضروری ہے

طلق نیت کافی نہیں۔ تمام فرائض وواجبات اور وہ نوافل جو شروع کرنے سے لازم ہو جائیں ان سب میں تعیّن ضروری ہے اور اسی طرح نمازِ جنازہ میں نیت کرتے وقت یوں کہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے اور دعا اس میت کے لئے کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ دوسری نمازوں سے ممتاز ہو جائے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۲......اگر کوئی شخص اکیلا نماز فرض پڑھنا چاہے تو اس کے لئے صرف فرض کی نیت کافی نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ ظہر یا عصر کی قید نہ لگائے لہذا اگر کسی نے فرضِ وقت کی نیت کی اور اسے معین نہ کیا تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن نمازِ جمعہ میں ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔ البتہ رکعات کی تعداد کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ اگر کسی شخص نے فرض اور نفل کی نیت کی تو یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فرض ہو گی البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح

یہ جو کہا گیا ہے کہ فرائض میں مطلق فرض کی نیت کافی نہیں جب تک اس نماز کی قید نہ لگائی جائے جو یہ پڑھنا چاہتا ہے اس لئے کہ تاکہ اس نماز کو یہ شروع کر رہا ہے وہ دوسری نمازوں سے ممتاز ہو جائے اور اس حکم میں منفرد اور غیر منفرد دونوں برابر ہیں اگر کسی شخص نے فرض وقت کی نیت کی لیکن انہیں متعین نہ کیا کہ ظہر ہے یا عصر ہے تو اگر نکلا نہ ہو تو جس کی اس نے نیت کی وہ نماز ٹھیک ہو جائے گی۔ البتہ نماز جمعہ فرضِ وقت کہنے سے وہ ادا نہ ہو گی اس لئے کہ ہمارے نزدیک فرض وقتِ ظہر ہے جمعہ نہیں البتہ نماز جمعہ نماز ظہر کا بدل ہے اور اس لئے نماز پڑھی جاتی ہے تاکہ ظہر ساقط ہو جائے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز جمعہ سے پہلے نماز ظہر پڑھ ڈالے تو اس کی نماز صحیح ہو گی البتہ دوسرے ائمہ رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے کہ اگر پڑھنے والے کے نزدیک فرض وقت جمعہ ہے تو پھر اس نیت سے نمازِ جمعہ ہو جائے گی۔ تعداد رکعات کی نیت کرنا شرط نہیں اس لئے کہ وہ معین ومعلوم ہیں۔ اگر کسی شخص نے فرض اور نفل دونوں کی اکھٹی نیت کی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس شخص کی یہ نماز نمازِ فرض ہو گی اس لئے کہ فرض میں جو قوت ہے وہ نفل میں نہیں لہذا فرض کی نیت نفل کی نیت پر غالب آ جائے گی۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ نیت میں تردد ہے اس شخص کی کوئی نماز نہ ہو گی، نہ فرض اور نہ نفل۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۳......ایک شخص نے نماز فرض شروع کی پھر اس کو گمان ہوا یہ نوافل ہیں پھر اس نے نوافل کی نیت سے نماز پڑھی اور فارغ ہو گیا (تو شرعی طور پر یہ کونسی نماز ہو گی) مصنف نے فرمایا: کہ یہ فرض نماز ہو گی اور اگر اس نے تکبیر کہہ کر نوافل شروع کئے پھر تکبیر کہہ کر فرائض کی نیت کر ڈالی تو یہ شخص فرض پڑھنے والا شمار ہو گا۔

تشریح

مصنف کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فرض کی نیت سے نماز شروع کرے پھر اسے نوافل سمجھ لے تو بھی نماز فرض ہو گی اس لئے کہ پہلی نیت کا اعتبار ہے اور نیت کرنے میں اس کا دوام ضروری نہیں۔ اگر نوافل کی نیت سے تکبیر کہے پھر فرائض کی نیت سے تکبیر کہے تو نماز فرض ہو گی اور نوافل کی نیت باطل ہو گی اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نیت مقرون ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے چونکہ یہاں مقرون فرائض کی نیت ہے لہذا وہ معتبر ہو گی۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۴......ایک آدمی نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نوافل تکبیر کہہ کے شروع کر ڈالے تو اس نے ظہر کی نماز کو توڑ دیا اور جس کی تکبیر کہی وہ نماز شروع کر دی۔ اسی طرح کسی نے فرض نماز شروع کی پھر تکبیر کہہ کر نفلی نماز شروع کر دی یا یہ شخص اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے تکبیر کہہ کر امام کیساتھ اقتدا کی نیت کر لی تو جس نماز کی اس نے تکبیر کہی وہی نماز شروع ہو جائے گی اور اگر کسی نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر تکبیر کہہ کر ظہر کی نیت کی تو یہ ظہر ہی کی نماز ہو گی اور یہ حکم اس وقت ہے جب دل سے نیت کرے اور زبان سے اللہ اکبر کہے۔

تشریح

مصنف کے کلام میں بتکبیرۃ کی جو عبارت ہے اس کا تعلق اِفْتَتَحَ فعل کے ساتھ ہے اور فرائض سے مراد کوئی بھی فرض نماز ہو خواہ پنجگانہ فرائض کی نماز ہو یا نماز جمعہ ہو اور نوافل سے مراد بھی مطلق نوافل ہیں۔ لہٰذا جس نوعیت کے بھی نوافل ہوں اور فرائض کے دوران ان کی نیت کرلے تو فرائض ختم ہو جائینگے اور نماز نفل ہو گی۔ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے پھر تکبیر کہہ کر امام کی اقتدا کر ڈالے تو اب یہ منفرد ہونے کے بجائے مقتدی ہو جائے گا اور اسکی انفرادی نماز کی حیثیت بدل جائے گی۔ اگر ایک دفعہ ظہر کی نیت کر کے پھر اللہ اکبر کہہ کر ظہر کی نیت کرے تو اس دوبارہ نیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی نماز وہی ظہر کی نماز ہو گی اور کہا جائے گا کہ یہ پہلی نماز کی نیت کی تاکید کر رہا ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہو گا جبکہ دل سے نیت کرے زبان سے اس کا اظہار کرے لیکن اگر زبان سے یوں کہہ ڈالے کہ میں نے ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت کی تو وہ پہلی رکعت باطل ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نماز پڑھنے کے دوران گفتگو کی جو کہ مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ چنانچہ الخلاصہ اور شرح نقایہ میں یہی مذکور ہے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۵......اگر زبان سے اظہار نہ کرے اور پہلے ظہر کی نیت کرنے کے بعد دوبارہ ظہر کی نیت کرے اور اس دوران اس نے ایک رکعت پڑھ لی ہو تو وہ رکعت ٹھیک ہو جائے گی یہاں تک اگر اس نے چار رکعتیں اس گمان سے پڑھیں کہ پہلی رکعت ٹوٹ گئی اور یہ چوتھی رکعت کے سرے پر نہ بیٹھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے دو فرضوں کی اکھٹی نیت کی تو ان میں سے وہ فرض ہونگے جن کا وقت موجود ہے اور اگر اس نے دو قضا فرضوں کی نیت کی تو یہ پہلی نمازِ فرض ہو گی یعنی ان دو متروکہ فرائض میں سے جو پہلا فرض ہے اس کی نیت ٹھیک ہو گی اور اگر اس نے فوت شدہ اور وقتی نماز دونوں کی نیت کی تو یہ فوت شدہ نماز کی نیت شمار ہو گی۔ مگر یہ کہ آخری وقت میں نیت ہو تو یہ وقتی نماز کی نیت ہو گی۔

تشریح

پہلی نیت کے بعد ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری نیت کرنے سے وہ پہلی رکعت بحال ہے باطل نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس شخص نے دوسری تکبیر کے بعد مستقل چار رکعتیں اس خیال سے پڑھیں کہ پہلی رکعت ضائع ہو گئی تو یہ چوتھی رکعت کے سرے پر نہ بیٹھا یعنی تیسری رکعت کے سرے پر نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ آخری قعدہ فرض ہے جو اس سے رہ گیا۔ لہٰذا اس لئے اس کی نماز نہ ہوئی۔ دو فرائض کی اکٹھی نیت کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس نے آج کی ظہر کی نیت کی اور اس کے ساتھ عصر کی نیت بھی کر ڈالی جن میں سے ظہر کا

وقت تو موجود ہے لیکن عصر کا وقت ابھی آیا نہیں تو اس صورت میں جس نماز کا وقت موجود ہے وہی نماز ادا ہوگی کیونکہ جس نماز کا وقت ہی نہیں آیا اس کی نیت کرنا بے سود ہے اور اگر اس نے دو فوت شدہ نمازوں کی اکٹھی نیت کر لی تو اس صورت میں پہلی نماز کی نیت معتبر ہوگی۔ کیونکہ وہ سابق ہونیکی وجہ سے راجح ہے اور اگر اس نے فوت شدہ اور وقتی دونوں کی نیت باندھ لی مثلاً اس طرح کہ ظہر کا وقت نکل گیا اور اس نے عصر کے وقت ظہر کی نیت کر ڈالی اور عصر کا وقت موجود ہے اس کی بھی نیت کی تو اس صورت میں فوت شدہ نماز یعنی نماز ظہر کی نیت معتبر ہوگی بشرطیکہ وقت میں کشادگی ہو۔ یہ مسئلہ خلاصہ میں المنتقیٰ کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن جامع کبیر میں ہے کہ ایسی نیت کرنے والے شخص کی کوئی نماز نہ ہوگی مگر مصنف نے المنتقیٰ کا قول اختیار کیا ہے اسی واسطے قضا شدہ نماز کے ہو جانے کا ذکر فرمایا۔ ہاں اگر وقتی نماز کا وقت آخر ہو گیا ہو تو پھر وقتی کی نیت معتبر ہوگی قضا کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام حلبی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ نمازی صاحب ترتیب ہے اس لئے کہ اگر صاحب ترتیب نہ ہو اور وقت میں گنجائش ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس کی کوئی ایک نماز صحیح نہ ہو اور اس کی وجہ دو باہم مزاحم ہونا ہے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۶......امام کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں مگر جبکہ اس کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں لیکن مقتدی اقتداء کی نیت کرے۔ صرف فرض اور تعین کی نیت کافی نہیں اگر کسی نے امام کے ساتھ اقتدا کی نیت کی لیکن نماز کو معین نہ کیا تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے کہا میں نے امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کی (تو یہ بھی کافی ہے) اور اگر کسی نے امام کی نماز کی نیت کی لیکن اقتدا کی نیت نہ کی تو یہ کافی نہیں اسی طرح جب کسی نے کہا کہ میں نے امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کی اور اگر اس نے امام کی نماز میں شروع ہونے کی نیت کی تو اس میں مشائخ رحمہما اللہ کا اختلاف ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی کافی ہے۔

شرح

مصنف نے پہلی بات یہ بیان فرمائی کہ امام کو امامت کراتے وقت امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں حتی کہ اگر یہ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی نے اس کی اقتداء کر لی تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر امام کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں تو پھر یہ امامت کی نیت کرے کیونکہ ان کی اقتداء جائز نہیں ہو سکتی جب تک امام انہیں اپنی اقتداء میں شامل نہ کر لے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور مقتدی کے لئے اقتداء کی نیت ضروری ہے اور اس کی صحت اقتدا کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ فرض اور تعین کی نیت کرے یعنی اس فرض کے معین کرنے کی نیت کرے بلکہ اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک نماز کی نیت اور دوسری اتباع امام کی نیت۔ اگر کسی نے اقتدائے امام کی نیت تو کر لی لیکن نماز کو معین نہ کیا تو اس کی نماز ٹھیک ہو جائے گی۔ امام حلبی فرماتے ہیں کہ یہ بعض کا قول ہے چنانچہ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ اس کی نماز جائز نہیں۔ یہی پسندیدہ قول ہے۔ اس لئے کہ اقتدا عام ہے جس طرح فرائض میں ہوتی ہے اسی طرح نوافل میں بھی ہوتی ہے لہٰذا جب تک وضاحت نہ کرے ٹھیک نہیں۔ مصنف نے فرمایا کہ اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ میں امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں، مصنف اس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ بعض کی یہی رائے ہے لیکن مختار قول کے مطابق یہ بھی جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے امام کی نماز کی نیت کر لی لیکن اقتداء کی نیت نہ کی تو اس کے متعلق مصنف فرماتے ہیں کہ اس طرح کی نیت کافی نہیں کیونکہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے اقتدا کی نیت شرط ہے بعض اہل علم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص امام کی تکبیر کا انتظار کرے پھر اس کی تکبیر کہنے کے

بعد تکبیر کہے تو اس کی نماز امام کے ساتھ شروع ہو جائے گی اگر چہ یہ اقتداء کا اظہار نہ بھی کرے تو بھی ٹھیک ہے کہ یہ انتظار نیت کے مقام ہو جائے گا اور اگر امام کی نماز میں شروع ہونے کی نیت کرے تو اس میں مشائخ رحمھم اللہ کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ صحت کے لئے یہ کافی نہیں لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ یہ کافی ہے۔ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے۔ امام ظہیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ وہ اتنے کلمات بڑھادے کہ میں نے امام کے نماز میں شروع ہونے کی نیت کی اور اس کے ساتھ اقتدا کرنے کی بھی، تا کہ بعض لوگوں کے اختلاف سے یہ بچ جائے اور اسی طرح اگر اسے یہ معلوم نہیں کہ امام کونسی نماز پڑھا رہا ہے اور اس امام کی نماز اور اس کے ساتھ اقتدا کی نیت کر لی تو اس کی نماز جائز ہوگی لیکن اگر اس نے امام کے پیچھے ایک نماز متعین کی لیکن امام کوئی نماز پڑھ رہا تھا تو اس صورت میں اقتدا جائز نہ ہوگی۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی نے نماز جمعہ کی نیت کی لیکن اقتدا کی نیت نہ کی تو بعض کے نزدیک جائز ہے (اس کا مفہوم یہ ہے کہ عند البعض جائز نہیں) اور اگر کسی نے اقتداء کی نیت کی لیکن اس کے ذہن میں یہ بات نہ کھٹکی کہ جس کے ساتھ یہ اقتداء کی نیت کر رہا ہے وہ کون ہے تو اقتدا صحیح ہے اور اگر اس نے کسی امام کے ساتھ اقتداء کی نیت کی اور اسے یہ گمان تھا کہ وہ زید ہے لیکن وہ زید کے بجائے عمر تھا تو اس صورت میں بھی اقتدا صحیح ہوگی، ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے زید کے ساتھ نماز پڑھنے کی اقتدا کی تو پھر وہ عمر نکلا تو اس صورت میں اقتداء صحیح نہ ہوگی اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ امام اللہ اکبر کہہ دے تو یہ اس کے بعد اقتداء کی نیت کرے تا کہ یہ نماز پڑھنے والے کا مقتدی ہو جائے۔ محیط میں اسی طرح اس کو بیان فرمایا۔

تشریح

مصنف نے نماز جمعہ کے متعلق بعض کی طرف سے جو جواز نقل کیا وہ پسندیدہ قول ہے کیونکہ جمعہ بغیر امام کے نہیں ہوتا لہٰذا اگر اقتدا نیت نہ بھی کرے تو صرف نیت کرنا ہی کافی ہے۔ دوسری بات جو مصنف نے بیان فرمائی کہ امام کے ساتھ اقتداء کی نیت کی لیکن وہ یہ نہ سمجھا کہ وہ کون ہے تو بھی اقتدا درست ہے اس لئے کہ اس کی شخصیت کو پہچاننا ضروری نہیں بلکہ اقتدا کافی ہے اور اسی طرح اگر اس نے کسی امام کے ساتھ اقتداء کی نیت کی اور اسے یہ خیال تھا کہ وہ زید ہے اور وہ عمر نکلا تو بھی اقتدا صحیح ہے اس لئے کے نیت میں زید، عمر کی کوئی قید نہیں اور تیسری صورت جس میں اقتدا کرتے وقت اس نے زید یا عمر کی قید لگائی اور پھر اس کے خیال کے خلاف ہوا تو پھر اقتدا صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس کی نیت میں کسی ایک شخصیت کی قید موجود ہے اور اس نے اسی مقید شخص کو اپنا امام بنایا، وہ امام نہ تھا اس لئے اس کی اقتدا درست نہ ہوگی اور صورت سابقہ میں چونکہ یہ قید نہ تھی لہٰذا اقتداء صحیح ہوگئی۔ امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی اقتداء کی نیت کرے۔ محیط کے حوالے سے مصنف نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا دراصل یہ صاحبین کا قول ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر سے ملی ہوئی ہو۔ ان دونوں میں فاصلہ نہ ہو۔ (یہ ہے مصنف کے کلام کی مختصر تشریح)۔

امام کے ساتھ نیت اقتداء کا بیان

و لو نوى الاقتداء حين وقف الامام موقف الامامة جاز و لو نوى الشروع في صلوة الامام و

کبر علی ظن انه قد شرع و هو لم یشرع بعد ما لم یجز شروعه و من صلّی سنین و لم یعرف النافلة من الفریضة ان ظن ان الکل فریضة جاز و ان لم یعلم لا یجوز و ان کان الرجل شاکا فی وقت الظهر فنوی ظهر الوقت فاذا الوقت قد خرج یجوز بناءً علی ان القضاء بنیة الاداء و الاداء بنیة القضاء یجوز و هذا هو المختار . و کذا ذکره فی المحیط و لو نوی فرض الیوم یجوز بلا خلاف و ان لم یعلم بخروج الوقت و من صلی الظهر و نوی ان هذا من ظهر یوم الثلثاء فتبین ان ذلک من یوم الاربعاء جاز ظهره و الغلط فی تعیین الوقت لا یضر و لو شرع فی صلوة ما علیه یظن انها سبتیة فاذا هی احدیة لا تصح و لو شرع علی ظن انها احدیة فاذا هی سبتیة تصح و المستحب فی النیة ان ینوی بقلبه و یتکلم باللسان هذا هو المختار و لو نوی بالقلب و لم یتکلم باللسان جاز بلاخلاف و الاحوط ان ینوی مقارنا للتکبیر و مخالطاله کما هو مذهب شافعی رحمة اللّٰہ علیه و ذکر فی الاجناس ان من خرج من منزله یرید الفرض بالجماعة فلما انتهی الیٰ الامام کبر و لم تحضره النیة فی تلک الساعة ان کان بحال لو قیل له ای صلوة تصلی امکنه ان یجیب من غیر تامل تجوز صلاته و الا فلا و ان تأخرت النیة و نوی بعد التکبیر لا تصح

ترجمہ: مسئلہ نمبر ا...... اگر کسی شخص نے اقتدا کی نیت کی جبکہ امام جائے امامت میں کھڑا ہو گیا تو جائز ہے اور اگر اس نے امام کی نماز شروع ہونے کی نیت کی اور اس گمان پر تکبیر کہہ دی کہ امام نماز شروع کر چکا ہے حالانکہ ابھی اس نے شروع نہ کی تھی تو اس کی نماز شروع نہ ہو گی۔

تشریح

سب سابق مصنف چند فقہی مسائل چھٹی شرط کی مناسبت سے بیان کرنا چاہتے ہیں اس میں پہلا مسئلہ اقتداء کی نیت ہے۔ اکثر مشائخ کے نزدیک اقتداء فقط جائز ہے۔ اگر چہ شروع کرتے وقت نیت کا استحصار نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام نے ابھی نماز شروع نہیں کی لیکن مقتدی یہ سمجھا کہ اس امام نے نماز شروع کر دی لہذا اس نے امام کے شروع ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر ڈالی تو امام کی نماز میں یہ شروع نہ ہوا اس لئے کہ یہ اس کی اقتدا کر رہا ہے جو ابھی نماز پڑھنے والا نہیں۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۲...... جس شخص نے کئی سال تک نماز پڑھی لیکن اسے فرض اور نفل کی کوئی پہچان نہیں۔ اگر اس نے یہ سمجھا کہ سب فرائض ہیں تو نماز جائز ہے۔ اور اگر نہ جانا تو جائز نہیں۔

تشریح

مفہوم یہ ہے کہ خود اس شخص کو کوئی پہچان اور تمیز نہیں بلکہ لوگ جس طرح کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح کرتا رہا۔ اگر اس نے یہ سمجھا کہ نمازیں اس نے پڑھیں سب فرض ہیں تو اس کا یہ عمل جائز ہے اگر چہ اسے علم نہ ہو تب بھی فرائض اس سے ساقط ہو جائینگے۔ اور اگر اسے معلوم ہو کہ کچھ فرائض ہیں کچھ سنت ہیں دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہو اور یہ فرائض کی نیت نہ کرے تو یہ جائز نہیں۔ لہذا اس پر اتنے سالوں قضا لازم ہے۔ امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو یہ گمان ہو کہ سب فرائض ہیں اگر اس صورت میں کسی نے اس کی اقتداء کی اگر یہ ایسی نماز پڑھ رہا ہو کہ جس سے پہلے سنت نہیں جیسے مغرب کی نماز تو مقتدی کی نماز صحیح ہوگی اور اگر یہ ایسی نماز پڑ رہا ہے کہ جس سے پہلے سنت ہیں جس طرح صبح اور ظہر کی نماز تو اس صورت میں مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

ترجمہ: تیسرا مسئلہ...... اگر کسی شخص کو وقتِ ظہر میں شک ہو پھر اس نے وقتِ ظہر کی نیت کی لیکن وقتِ ظہر نکل چکا تھا تو اس صورت میں بناء ہو سکتی ہے اس لئے کہ قضا ادا کی نیت سے اور ادا قضا کی نیت سے جائز ہے یہی پسندیدہ قول ہے اس مسئلہ کو محیط میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

تشریح

مصنف کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ظہر کی نماز کے وقت میں شبہ ہو جائے کہ وقت باقی ہے یا نکل گیا ہے اور یہ وقت ظہر کی نیت کر ڈالے اور حقیقت یہ ہو کہ وقت ختم ہو گیا تو اس شخص کی جو نماز ہوگی وہ قضا ہوگی لیکن اسنے تو ادا کی نیت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ قضا اور ادا، ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ظہر کے وقت یہ شخص اس طرح نیت کرے کہ میں آج ظہر کی قضا کی نیت کرتا ہوں تو اس کی یہ نماز ظہر کے وقت کی نماز ہوگی قضا نہ ہوگی۔ لہذ الفظِ قضا بول کر ادا مراد لے سکتا ہے اور ادا بول کر قضا مراد لے سکتا ہے اور یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے، جس میں کسی امام نے اختلاف نہ کیا لیکن وقتِ ظہر کی نیت کرنا جبکہ وقت نکل گیا ہو امام قاضی خان نے فتاوی میں تصریح کی ہے کہ یہ صحیح نہیں پس اس طرح کی نیت سے نماز نہ ہوگی لہذا یہ قضا بہ نیت الادا نہیں بلکہ قضا بہ نیت الادا اس صورت میں ہوگی کہ جب یہ آج کی نماز ظہر کی نیت کرے اور اسے یہ خیال ہو کہ وقت نہیں نکلا۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی شخص نے آج کے فرض کی نیت کی تو یہ بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے اگر چہ اسے وقت نکلنے کا علم نہ ہو اور جس نے نماز ظہر پڑھی اور یہ نیت کی کہ یہ منگل کے روز کی ظہر ہے پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ بدھ کا روز ہے تو اس کی ظہر جائز ہوگی البتہ دن متعین کرنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ اور اگر کسی نے وہ نماز شروع کی جو اس پر واجب تھی اس خیال سے کہ وہ ہفتے کے دن کی نماز ہے پھر جب اس نے سوچ کی تو وہ اتوار کا دن تھا تو نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر اس خیال سے نماز شروع کی کہ وہ اتوار ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ ہفتہ ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

تشریح

مفہوم یہ ہے کہ بھول کی وجہ سے اسے وقت نکل جانے کا علم نہ ہو اور فرض یوم کی نیت کرے تو جائز ہے کیونکہ فرض الیوم میں نماز وقتی اور چھوٹی ہوئی دونوں کا احتمال ہے۔ امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ مصنف کہتے ﴿ولو نوی ظهر الیوم یعنی فرض

الیوم کی بجائے ظہر الیوم کہتا) جس شخص نے آج کے دن کی نماز ظہر پڑھی یا کل کی نماز ظہر پڑھی اور اس نے روزِ منگل کی ظہر کی نیت کی کیونکہ اسے یہ خیال تھا کہ آج منگل ہے اور اسی دن کی نماز ظہر میں پڑھتا ہوں پھر معلوم ہوا یہ تو بدھ کی ظہر ہے یعنی آج تو بدھ ہے اور ظہر اس دن کی ہے تو یہ نماز ٹھیک ہو جائے گی البتہ دن کے تعین میں غلطی لگ گئی تو اس میں کوئی نقصان نہیں جبکہ فرائض کی تعین ہو جائے اگر کوئی نماز اس پر فرض تھی اور اس نے یہ خیال کیا کہ یہ ہفتے کی نماز ہے پھر غور وفکر کرنے کے بعد واضح ہوا کہ جس نماز کو اس نے شروع کیا ہے کہ وہ اتوار کی نماز ہے تو یہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ اس کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اسے وقت سے پہلے پڑھ لیا اور وقت سے پہلے نماز نہیں ہوتی جیسا کہ ظاہر ہے لیکن اگر اس کا عکس ہو یعنی یہ اتوار سمجھ کے نماز پڑھے تو درحقیقت وہ ہفتہ ہو تو یہ نماز صحیح ہوگی کیونکہ یہ واجب ہونے کے بعد ادا ہوئی ہے لہٰذا اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۵...... نمازی کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے دل میں نماز کی نیت کرے اور زبان سے اس کا اظہار کرے یہی پسندیدہ قول ہے اور اگر اس نے دل میں نیت کی اور زبان سے اس کا تلفظ نہ کیا تو یہ بھی بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے اور زیادہ احتیاط یہ ہے کہ نمازی کی نیت تکبیر مقارن ہو اور اس سے پیوستہ ہو جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

تشریح

نیت کے معنی ہیں دل سے کسی کام کا ارادہ کرنا۔ البتہ زبان سے کہنا بہتر ہے مثلاً یوں کہے کہ نویت ان اصلی صلوٰۃ کذا یعنی میں نے فلاں نماز پڑھنے کی نیت کی۔ پس دل سے نیت کرنا نماز کے لئے شرط ہے، البتہ زبان سے کہنا مستحب ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مثلاً صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی کو پسند کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبان سے کہنا بدعت ہے دل سے نیت کرے اور زبان سے اظہار نہ کرے تو تمام ائمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ اس لئے کہ نیت دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا۔ شرح طحاوی میں ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ دل اور زبان دونوں کو نماز کی نیت کرتے وقت مصروف رکھے یعنی دل کو نیت سے اور زبان کو ذکر یعنی تکبیر سے اور ہاتھوں کو رفع یعنی اٹھانے سے اور زمانے کے لحاظ سے نیت کرنے میں زیادہ احتیاط یہ ہے کہ نمازی کی نیت تکبیر سے ملی ہوئی اور اس سے پیوستہ ہو۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک تکبیر کے وقت نیت کا ہونا شرط ہے لہٰذا ہمارے نزدیک اس میں زیادہ احتیاط ہے تاکہ آدمی اختلاف سے نکل جائے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۶...... اجناس ناطفی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی اپنے گھر سے باہر نکلے، جماعت کے فرض پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو پھر جب امام تک پہنچا تو اس نے تکبیر کہہ دی اور اس وقت یا گھڑی اس کے دل میں نیت موجود نہ تھی۔ اگر اس کی حالت یہ ہو کہ اگر اس سے کہا جائے کہ تو کونسی نماز پڑھتا ہے اگر یہ بغیر سوچ و بچار کے جواب دے سکے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر نیت میں تاخیر ہو جائے اور تکبیر کہنے کے بعد نیت کرے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

تشریح

نمازی کے لئے نماز شروع کرتے وقت استحضار قلبی ہے اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ امام کے پیچھے تکبیر کہہ دے لیکن اس وقت نیت کی طرف دھیان نہ جائے تو اس کا جواز یا عدم جواز اس پر مبنی ہے کہ اس شخص کو اگر استحضار قلبی حاصل ہو اور بغیر فکر و تأمل کے یہ بتا سکے کہ میں کونسی نماز

پڑھ رہا ہوں تو نماز جائز ہوگی اور اگر سوچ بچار کے بغیر نہ بتا سکے تو نماز جائز نہ ہوگی۔ یہی مراد ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی کہ اگر کسی شخص نے وضو کرتے وقت ظہر یا عصر کی امام کے ساتھ پڑھنے کی نیت کر لی اور نیت کرنے کے بعد یہ کسی ایسے کام میں مشغول نہیں جو جواز قسم نماز نہیں ہاں البتہ چل کر امام کی جگہ تک پہنچ گیا تو اس کی نماز جائز ہے اگر چہ اس وقت استحضار نیت نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ نیت متقدمہ سے نماز ہو جاتی ہے بشرطیکہ نیت اور تکبیر کے درمیان کوئی ایسا عمل فاصل نہ ہو جو قسم نماز نہیں۔ آخری مسئلہ یہ ہے کہ اگر تکبیر کہنے کے بعد نیت کرے تو اس سے نماز جائز نہ ہوگی۔ ظاہر روایت یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز عبادت ہے اور جو کام نیت سے خالی ہو وہ عبادت نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ نیت پیوستہ نہ ہو۔ لہذا نیت متاخرہ نماز کے لئے کار آمد نہیں ہو سکتی البتہ امام کرخی کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک نیت متاخرہ سے بھی نماز جائز ہے اور نیت میں دیر کرنے کی مدت میں اختلاف ہے کہ کتنی دیر ہو۔ بعض نے فرمایا ثنا آ تک بعض کے نزدیک تعوذ تک یہ بھی کہا گیا کہ رکوع تک ایک قول یہ بھی ہے کہ رکوع سے اٹھنے تک۔ لیکن یہ سارے اقوال انتہائی بعید ہیں۔ اصل یہی ہے کہ نیت پہلے ہو اور تکبیر بعد میں ہو یا دونوں مقارن ہوں۔

فرائض نماز کا بیان

و اما الفرائض الصلوة فثمان ستّ علی الوفاق و ثنتان علی الخلاف و ھی تکبیرة الافتتاح و القیام و القرأة و الرکوع و السجود و القعدة الاخیرة مقدار التشھد و اما الخروج من الصلوة بصنعه ففرض عند ابی حنیفة رحمة الله علیه خلافا لھما و تعدیل الارکان فرض عند ابی یوسف رحمة اللّٰه علیه لحدیث ابن مسعود انه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تجزئ صلوة لا یقیم الرجل فیھا ظھره فی الرکوع و السجود و لا دخول فی الصلوة الا بتکبیرة الافتتاح و ھی قوله اللّٰه اکبر او اللّٰه الاکبر و اللّٰه الکبیر و اللّٰه کبیر و ان قال بدلا عن التکبیر اللّٰه اجل او اعظم او الرحمن اکبر او لا الٰه الا اللّٰه او تبارک اللّٰه او غیره من اسماء اللّٰه تعالیٰ اجزاه ذلک و لو افتتح باللّٰھم او قال یا اللّٰه یصح و لو قال اللّٰھم اغفرلی او اللّٰھم ارزقنی او قال استغفر اللّٰه او اعوذ باللّٰه او لا حول و لا قوة الا باللّٰه او ماشاء اللّٰه لا یصح و لو قال اللّٰه یصیر شارعا عند ابی حنیفة رحمة الله علیه و فی ظاھر الروایة لا یصیر شارعا و ان قال اللّٰه اکبار لا یصیر شارعا و ان قال فی خلال الصلوة تفسد صلاته لانه اسم الشیطان و لو قال اللّٰه اکبر بالکاف الضعیفة اختلف فیه البصریون و الکوفیون و الاصح انه یصیر شارعا و لو

ادخل المد فی الف الله کما فی قوله تعالیٰ الله اذن لکم تفسد صلاته عند اکثر المشائخ و قال محمد رحمة الله علیه بن مقاتل ان کان لا یمیز بینهما لا تفسد و لو افتتح مع الامام و فرغ من قوله الله قبل فراغ الامام من قوله الله لا یصیر شارعا و لو قال الله مع قول الامام الله او بعده و فرغ من قوله اکبر قبل فراغ الامام من اکبر لا یجوز ایضاً لانه انما یصیر شارعا بالکل فیقع الکل فرضاً ولو کبر قبل الامام مقتدیا به لا یصیر شارعا فی صلوة الامام اتفاقا و لا فی صلوٰة نفسه و قیل یصیر شارعاً بعد ما کبر الامام یعنی کبر ثانیا و نوی الشروع والاقتداء به یصیر شارعاً و قاطعاً لما کان فیه و الافضل ان تکون تکبیرة المقتدی مع تکبیرة الامام عند ابی حنیفة رحمة الله علیه و قالا یکبر بعد تکبیرة الامام و اذا شکّ المقتدی انه هل کبر قبل الامام اوبعده یحکم باکبر رایه فان استوی الظنان فانه یجزیه حملا لامره علی الصواب

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۱...... نماز کے کل فرائض آٹھ ہیں جن میں سے چھ اتفاقی ہیں اور دو اختلافی ہیں۔

متفقہ فرائض:

۱- تکبیر تحریمہ، یعنی پہلی تکبیر
۲- کھڑا ہونا
۳- قرأت کرنا
۴- رکوع کرنا
۵- سجدہ کرنا
۶- تشہد کی مقدار نماز کے آخر میں بیٹھنا

اختلافی فرائض:

۱...... اپنی کارکردگی کے ساتھ نماز سے باہر نکلنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۲...... نماز کے ارکان اطمینان سے ادا کرنا امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے چنانچہ ان کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ نماز ٹھیک نہ ہوگی کہ جس میں آدمی رکوع وسجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ رکھے اور کوئی آدمی نماز میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ پہلی تکبیر نہ کہے اور وہ یہ کہنا ہے اللہ اکبر یا اللہ الا کبر یا اللہ الکبیر اور اللہ کبیر ،اور اگر کسی نے الکبیر کی جگہ اللہ اجل واعظم یا الرحمان اکبر یا لا الہ الا اللہ یا تبارک اللہ یا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی نام ذکر کر دیا تو اسکی نماز جائز ہو جائے گی۔

تشریح

مصنف نے دوسری بحثوں سے فارغ ہو کر نماز کے اندر جو فرائض ہیں ان کا ذکر شروع کیا ہے۔ فرائض، فریضۃ کی جمع ہے اور فریضہ بمعنی فرض ہے یہاں اس سے ارکان صلوٰۃ مراد ہیں کہ جن کے پائے جانے سے نماز پائی جاتی ہے اور ہمارے تین اماموں کے نزدیک اتفاقی فرائض چھ ہیں اور اختلافی دو ہیں۔ پہلا فرض تکبیر افتتاح ہے اور اس کے فرض ہونے کی دلیل قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وربک فکبر یعنی ﴿اپنے پروردگار کی بڑائی بولئے﴾ تمام ائمہ تفسیر کے نزدیک اس سے نماز کی تکبیر افتتاح مراد ہے۔ اس کے چند نام ہیں: تکبیرۃ الافتتاح، یعنی شروع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ یعنی ایسی تکبیر کہ جس کی وجہ سے نمازی کے لئے بہت سے کام حرام ہو جاتے ہیں جیسے کھانا، پینا، بولنا وغیرہ تکبیر اولیٰ یعنی پہلی تکبیر۔ فقہاء کرام کے نزدیک تکبیر تحریمہ کو ارکان صلوٰۃ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے چنانچہ کتب فقہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ حالانکہ یہ نماز کے لئے رکن نہیں بلکہ ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک شرط ہے جو کہ ماہیت نماز سے خارج ہے لیکن شدت اتصال کی وجہ سے اس کو ارکان میں شمار کیا جاتا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے آغاز تکبیر کے وقت نجاست اٹھائی ہوئی ہو یا اس کی شرمگاہ کھلی ہو یا اس کا منہ قبلے سے پھر گیا ہو اور تکبیر کہنے سے پہلے ہی اس نے ان کاموں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تو اس کی نماز جائز ہوگی اور نماز میں شروع ہونا ہمارے نزدیک صحیح ہوگا جبکہ باقی ائمہ رحمہا اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ مقدار تشہد، آخری قعدہ کرنا باقی ارکان کی طرح یہ بھی نماز کا رکن ہے ایک تو اس لئے اس پر اجماع امت ہے دوسرا اس لئے کہ حضور ﷺ نے باقی ارکان کی طرح اسے کبھی نہیں چھوڑا البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ اس کو سنت قرار دیتے ہیں۔ فرض اختلافی دو ہیں پہلا فرض خروج بصنع المصلی، یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کے فرائض میں شامل ہے۔ علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کبیری میں لکھا ہے کہ امام صاحب سے یہ صراحتاً مروی نہیں البتہ ان کے بعض مسائل سے ان کے بعض شاگردوں نے اس طرح سمجھا ہے۔ اس کا فائدہ نوافل کی بحث میں معلوم ہوگا اور اس کے فرض ہونے کی ایک یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ یہ دوسرے فرائض تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اور جس فرض تک آدمی جس شے کے بغیر نہ پہنچ سکے وہ شے بھی فرض ہوتی ہے۔ تعدیل ارکان کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی نماز کے ارکان کو پوری تسلی اور اطمینان سے اور سکون قلبی سے ادا کرے جس کی کم مقدار ایک تسبیح ہے یعنی ہر رکن ادا کرنے کے بعد ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرے۔ تعدیل ارکان امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور باقی تین اماموں کے نزدیک فرض ہے اور اس کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی منقولہ روایت ہے کہ جس کا ذکر ترجمہ کتاب میں آ گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پیش کردہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے اور کسی ظنی چیز کے ساتھ فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ نیز خبر ظنی کی زیادت علی الکتاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہ درحقیقت نسخ کتاب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے صرف رکوع سجود کا اثبات ہوتا ہے۔ تعدیل ارکان کا ثبوت نہیں ہوتا گویا یہ کتاب اللہ سے زائد مفہوم ہے کہ جس کا الحاق کتاب اللہ کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک آدمی نے تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھی تو آپ نے اسے ہر مرتبہ دہرانے کا حکم دیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بھی تعدیل ارکان کی فرضیت پر استدلال کیا ہے لیکن ہمارے دوسرے دو ائمہ رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے وجوب مراد ہے یعنی آپ نے فرمایا کہ تیری نماز نہیں ہوئی یعنی کامل نماز نہیں ہوئی۔ اس طرح کے دوسرے دلائل اور ان کے جوابات مبسوط کتابوں میں موجود ہیں وہاں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں یہاں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مصنف نے تکبیر تحریمہ کے لئے مختلف کلمات ذکر کئے ہیں ان سے پہلا جملہ یعنی اللہ اکبر اتفاقی جملہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور دوسرے

میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور تیسرے اور چوتھے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلماتِ مذکورہ میں سے کسی ایک کو اچھی طرح ادا کر سکتا ہے تو پھر تبدیلی جائز نہیں لیکن طرفین کے نزدیک اگر اللہ اکبر کی جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے کوئی نام ذکر کرتا ہے مثلاً اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر یالا الہ الا اللہ یا تبارک وغیرہ کہتا ہے تو یہ ٹھیک ہے۔امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کا ذکر کرے کہ جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو سکے مثلاً الرحمٰن یا الخالق یا الرزاق یا عالم الغیب والشھادہ یا القادر علی کل شی ء تو کوئی حرج نہیں۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۲......اگر کسی نے اللّٰھم کے ساتھ نماز شروع کی یا اس نے یا اللہ سے نماز شروع کی تو یہ صحیح ہے اور اگر اس نے کہا اللھم اغفرلی یا اللھم ارزقنی یا اس نے کہا استغفر اللہ یا اعو ذبا للہ یالا حول ولا قوۃ الا با للہ یاماشآء اللہ تو نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر اس نے کہا اللہ" تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شروع ہو جائے گی لیکن ظاہر روایت میں فرمایا کہ یہ شخص نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا اور اگر اس نے کہا اللہ اکبار تو پھر بھی نماز شروع نہ ہوگی اور اگر اس نے یہ نماز کے درمیان میں کہا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ یہ شیطان کا نام ہے اور اگر اس نے کہا اللہ اکبر کاف ضعیف کے ساتھ تو اس میں بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ شخص نماز شروع کرنے والا ہو جائے گا اور اگر اس نے لفظ آللہ کے الف میں مد داخل کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے آللّٰہ اَذِنَ لَکُمْ (یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اذن دیا ہے) تو اس صورت میں بھی اکثر مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی البتہ امام محمدؒ بن مقاتل نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا شخص ہے جو ان باتوں میں تمیز نہیں کر سکتا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر اس نے نماز شروع کرتے وقت تکبیر کی جگہ اللّٰھم یا یا اللہ کہہ دیا تو نماز شروع ہو جائے گی۔اس لئے کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتوقیر ہے لیکن اللّٰھم میں کوفیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اللّٰھم کہنے سے نماز شروع نہ ہوگی اس لئے کہ ان کے نزدیک اللّٰھم مخفف ہے یا اللہ امنا بخیر یعنی اے اللہ ہمیں بھلائی کے ساتھ امن دے تو اس میں گویا اللّٰھم اغفرلی کی طرف سوالیہ معنی موجود ہے لیکن یہاں بصریوں کا مذہب صحیح ہے کہ ان کے نزدیک اللّٰھم کا معنی صرف یا اللہ ہے اور اگر اس نے تکبیر کی بجائے اللّٰھم اغفرلی یعنی اے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے یا اللّٰھم ارزقنی یعنی اے اللہ مجھے رزق دے یا استغفر اللہ کہہ دیا یعنی میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں یا اعوذ باللہ یالا حول ولا قوۃ الا باللہ ،یاماشآء اللہ وغیرہ کہہ دیا تو اس کی نماز کا آغاز نہ ہوگا،اس لئے کہ ان کلمات سے محض تعظیم مقصود نہیں بلکہ ان میں صراحتاً یا اشارۃً سوال موجود ہے۔

تشریح

امام حلبی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے نماز شروع کرتے وقت بسم اللہ کہہ دیا یا اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے نام کا ذکر کیا کہ جس کا اطلاق مخلوق پر بھی ہو سکتا ہے جیسے رحیم ،حکیم ،کریم تو اس سے بھی نماز کا آغاز نہ ہوگا لیکن کفایہ میں ہے کہ زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے ہر نام سے نماز شروع ہو جاتی ہے۔ امام کرخی نے یہاں بیان فرمایا اور مرغینانی اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور اگر اس نے نماز کے آغاز کے لئے صرف اللہ کہہ دیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ شارع فی الصلوٰۃ ہو جائے گا۔ حسن بن زیاد نے امام کے حوالے سے یہی روایت نقل کی۔ لیکن ظاہر روایت اس کے خلاف ہے اس میں یہ ہے کہ اس کی نماز شروع نہ ہوگی اور الخلاصہ میں صرف نام کے ذکر کرنے کو مکروہ کہا ہے اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ الکافی میں ہے کہ اگر کسی نے نماز شروع کرتے وقت اللہ کہہ دیا تو شیخین کے نزدیک وہ نماز شروع کرنے والا ہو جائے گا کیونکہ یہ خالص تعظیم ہے اور اگر کسی نے اللہ اکبار حرف با اور را کے درمیان الف مد داخل کیا تو نماز شروع نہ ہوگی۔ اور اگر دوران نماز ایسے کہہ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ بعض کے نزدیک یہ شیطان کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کبر حرکت کے ساتھ طبل کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ نماز شروع ہو جائے گی کیونکہ یہ الف مد نہیں بلکہ الف اشباہ ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے اللہ اکبر نرم سانس سے نرم کاف کے ساتھ کہہ دیا جس طرح بعض گنوار کہہ دیا کرتے ہیں تو اس میں بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ شخص نماز کو آغاز کرنے والا ہو جائے گا۔ امام حلبی لکھتے ہیں، کہ بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف صرف اللّٰھم میں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں رہا نرم کاف تو اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ محیط میں مذکور ہے البتہ مصنف کو اس لئے مغالطہ لگ گیا کہ صاحب محیط نے نرم کاف کے مسئلہ کے بعد اللّٰھم کا مسئلہ ذکر کیا تھا اور اس میں اختلاف بیان کیا تھا تو مصنف نے یہ سمجھا کہ دونوں میں اختلاف ہے اور اگر اس نے لفظ اللّٰہ میں مد داخل کر دی جیسا کہ قرآن مجید میں مد کے ساتھ آیا ہے تو اکثر مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ نماز کا آغاز کرنے والا بھی نہ ہوگا اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو اندیشۂ کفر ہے۔ لیکن محمد بن مقاتل نے عوام کی سہولت کے پیش نظر فرمایا کہ اگر اس شخص کو مد غیر مد میں تمیز نہیں تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور استفہام کا دوسرا معنیٰ بھی ہو سکتا ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس قسم کی جہالت پر اپنے آپ کو برقرار رکھنا ٹھیک نہیں۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۳...... اور اگر کسی نے امام صاحب کے ساتھ نماز شروع کی لیکن امام کے لفظ اللہ کہنے سے پہلے یہ لفظ اللہ کہہ کر فارغ ہو گیا تو یہ امام کے ساتھ نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا اور اسی طرح اس نے لفظ اللہ امام کے ساتھ یا امام کے بعد کہہ دیا لیکن اکبر کہہ کر امام کے کہنے سے پہلے فارغ ہو گیا تو بھی نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے مجموعی طور پر ذکر کو شروع کر دیا پھر سب فرضیت کے طور پر واقع ہو جائے گا اور اگر اس نے امام کی تکبیر کہنے سے پہلے اس کی اقتداء کرتے ہوئے اس نے تکبیر کہہ دی تو یہ شخص بالاتفاق نہ تو امام کی نماز میں شروع متصور ہوگا اور نہ اپنی نماز میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنی نماز شروع کرنے والا ہو جائے گا اور اگر اس نے امام کی تکبیر کہنے کے بعد دوبارہ تکبیر کہہ دی اور نماز شروع کرنے کی نیت کر ڈالی اور اس کے ساتھ اقتداء کی نیت کر لی تو یہ شخص یقیناً نماز شروع کرنے والا سمجھا جائے گا اور جو کچھ اس نے پہلے کیا اس کا قاطع متصور ہوگا۔

تشریح

یہاں مصنف امام کے ساتھ نماز پڑھنے اور اس کی اقتداء میں شامل ہونے کا طریقہ بتا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ صورتیں بیان فرماتے ہیں کہ جن کی وجہ سے نمازی امام کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس باب میں پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے امام کے

ساتھ نماز شروع کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس سے غلطی یہ ہوگئی کہ ابھی امام لفظ اللہ سے فارغ نہ ہوا تھا کہ یہ فارغ ہوگیا تو اس شخص کی نماز امام کی اقتداء میں نہ ہوگی۔ زیادہ ظاہر روایت میں یہی مذکور ہے۔ اگر چہ اس کا اکبر کہنا امام کے اکبر کہنے کے بعد ہو کیونکہ صرف ایک کلمے کا اعتبار نہیں جب تک کہ مجموعہ نہ ہو۔ دوسری صورت اس نے لفظ اللہ تو امام کے لفظ اللہ کہنے کے ساتھ یا اس کے بعد کہا لیکن اکبر کہنے میں امام سے پہلے فارغ ہوگیا تو اس صورت میں بھی اس کو امام کی معیت حاصل نہ ہوگی لہذا یہ امام کے ساتھ پڑھنے والا شمار نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ میں جو جملہ اللہ اکبر ہے اس میں جو دو کلمات ہیں ان کا الگ الگ اعتبار نہیں بلکہ دونوں کو ملا کر مجموعی طور پر اعتبار ہے تو پھر اس صورت میں گویا اس نے مجموعی طور پر امام سے پہلے کہہ دیا۔ پس اس سبقت کی وجہ سے یہ معیتِ امام سے محروم رہ گیا۔ امام حلبی صغیری میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ امام رکوع میں چلا گیا تو اس نے حالتِ قیام میں لفظ اللہ تو کہہ دیا لیکن اکبر کہتے کہتے یہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوگیا تو اس کی نماز شروع نہ ہوگی کیونکہ تکبیر تحریمہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حالتِ قیام میں ہو۔ بعض اساتذہ سے یہ سنا گیا ہے کہ اگر کسی نے جلدی میں امام کے ساتھ رکوع میں ملنے کے لئے حالتِ قیام میں صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں شامل ہوگیا لیکن رکوع کی الگ تکبیر نہ کہی صرف ایک مرتبہ ہی کہی تو یہ تکبیر رکوع کی شمار نہ ہوگی بلکہ تکبیر تحریمہ شمار ہوگی اور اس کی نماز ٹھیک ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ابھی امام صاحب نے تکبیر نہ کہی اور اس نے پہلے ہی اقتداء کی نیت کرتے ہوئے تکبیر کہہ دی تو یہ کسی نماز میں شامل نہ ہوگا۔ نہ امام کی نماز میں اور نہ اپنی نماز میں۔ کہتے ہیں کہ یہ نادر روایت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنی نماز شروع کرنے والا ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور پہلا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے پہلی مرتبہ امام کے تکبیر کہنے سے پہلے تکبیر کہہ دی لیکن بعد میں امام کی تکبیر کہنے کے بعد دوبارہ تکبیر کہہ دی اور اس سے امام کی نماز میں شامل ہونے اور اقتداء کا ارادہ کیا تو یہ یقیناً امام کے ساتھ شامل متصور ہوگا اور پہلے جو کچھ کیا اسے کالعدم قرار دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۴...... زیادہ بہتر ہے کہ مقتدی کا تکبیر کہنا امام کی تکبیر کے ساتھ ہو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مؤقف ہے۔ لیکن صاحبین نے فرمایا کہ یہ امام کی تکبیر کہنے کے بعد تکبیر کہے اور جب مقتدی کو یہ شک پڑ جائے کہ آیا اس نے امام کی تکبیر سے پہلے یا اس کی تکبیر کے بعد تکبیر کہی تو اس کی غالب رائے کے مطابق فیصلہ دیا جائے۔ اور اگر کسی طرف اس کا رجحان غالب نہ ہو بلکہ دونوں خیال برابر ہوں تو پھر بھی اس کی نماز جائز ہوگی تا کہ اس کے معاملے کو صواب پر محمول کیا جا سکے۔

تشریح

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ تکبیر میں جس کو افضل قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں عبادت میں اور امام کے ساتھ شامل ہونے میں جلدی کی جائے اگر چہ اس میں مشقت زیادہ ہے لیکن یہ طریقہ افضل ہے اور صاحبین امام کی تکبیر کہنے کے بعد مقتدی کو تکبیر کہنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کو افضل بتاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ اشتباہ بالکل ختم ہو جائے اور تکبیر کی ابتدا، انتہا اس آدمی کی اقتداء میں ہو جو نماز پڑھ رہا ہے۔ امام کبیری لکھتے ہیں کہ دونوں باتیں بغیر کراہت کے صحیح ہیں۔ اب یہ مسئلہ کہ مقتدی تکبیر اولی کے ثواب کو

کب پاسکتا ہے تو اس کے بارے میں قول وسیع یہ ہے کہ امام کے سورۂ فاتحہ کے فارغ ہونے سے پہلے اگر تکبیر کہہ دے تو تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا۔ اور جس صورت میں اسے امام کے ساتھ یا بعد تکبیر کہنے میں شک ہو جائے اور کسی ایک طرف غالب گمان نہ ہو تو اگر چہ اس کی نماز ہو جائے گی تاہم بہتر یہ ہے کہ پھر دوبارہ تکبیر کہہ دے تا کہ شک بالکل ختم ہو جائے۔

دوسرا فرض (قیام)

و الثانية القيام و لو صلى الفريضة قاعدا مع القدرة على القيام لا تجوز و ان عجز المريض عن القيام يصلى قاعدا يركع و يسجد فان لم يستطع الركوع و السجود اومىٰ برأسه لهما ايماء و جعل السجود اخفض من الركوع و لا يرفع الىٰ وجهه شيئا ليسجد عليه لقوله صلى الله عليه وسلم لمريض اذا قدرت ان تسجد على الارض فاسجد و الا فاوم برأسك و لو كانت الوسادة على الارض فسجد عليها جاز فان لم يستطع القعود استلقى على ظهره و جعل رجليه الىٰ القبلة فاومىٰ بهما و ان استلقى على جنبه الايمن و وجهه الىٰ القبلة و اومى جاز فان لم يستطع الايماء برأسه أُخِّرَت عنه . و فى رواية سقطت عنه و لا يومى بعينه و لا بقبله ولا بحا جبيه ثم اذا برئ ان كان يعقل الصلوة حالة المريض يلزمه القضاء على الرواية الاولىٰ و الا فلا كالمغمىٰ عليه ان كان اقل من يوم وليلة قضى وان كان الاغماء اكثر من يوم وليلة سقطت عنه . و ان قدر على القيام دون الركوع و السجود لم يلزمه القيام و ذكر فى الذخيرة ان قدر على القيام و الركوع دون السجود لم يلزمه القيام و عليه ان يصلى قاعدا بالايماء واكثر المشائخ على انه يخير ان شاء صلى قائما بالايماء و ان شاء صلى قاعدا بالايماء رجل فى حلقه جراحة تسيل اذا صلى بالركوع و السجود يصلى قاعداً بالايماء شيخ كبير اذا قام فى الصلوة سلس البول او به جراحة تسيل و ان جلس لا تسيل يصلى جالساً و كذا لو سجد سال بوله او انفلت ريحه يصلى قاعداً بالايماء و لو كان بحال لو صلى قاعدا يسيل و لو صلى مستلقياً لا يسيل يصلى قائما بالركوع والسجود ولو كان بحال لو صلے قائما ضعف عن القراءة يصلے قاعده بقراءة يعنى الشيخ الذى لا يقدر على القراءة بالقيام اصلاً و لو كان بحال لو صلى منفرداً يقدر على القيام و لو صلى

مع الامام لا یقدر یشرع قائما ثم یقعد فاذا حان وقت الرکوع یقوم و یرکع ثم المریض یقعد فی الصلوۃ من اولھا الیٰ اٰخرھا کما یقعد فی التشھد و علیہ الفتویٰ و فی الذخیرۃ امرأۃ خرج راس ولدھا و خافت فوت الوقت توضأت ان قدرت و الا تَیَمَمتُ و جعلت رأس ولدھا فی قدر او حفیرۃ و صلت قاعدۃ برکوع و سجود فان لم تستطعھما تؤمی ایماء رجل شلّت یداہ و لیس معہ احد یُوضّیہ او یممہ فانہ یمسح وجھہ و ذراعیہ علی الحائط و یصلی فانظر و تامل فی ھذہ المسائل ھل تجد فیھا عذراً لتاخیر الصلوۃ و اویلاہ لتارکھا

ترجمہ: مسئلہ نمبرا...... نماز کے فرائض میں سے دوسرا فرض قیام ہے۔ اگر کسی شخص نے بیٹھ کر فرض نماز پڑھی باوجود یہ کہ اسے کھڑا ہونے کی طاقت تھی تو یہ جائز نہ ہوگی اور اگر بیمار کھڑا ہونے سے عاجز ہو جائے تو یہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع سجدہ کرے اور اگر رکوع سجدہ بھی نہ کر سکے تو پھر دونوں کیلئے اپنے سر سے اشارہ کرے البتہ اشارہ کرنے میں سجدہ رکوع سے زیادہ پست ہو اور اپنے چہرے تک کسی چیز کو نہ اٹھائے کہ اس پر سجدہ کرے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بیمار سے ارشاد فرمایا: جب تو زمین پر سجدہ کر سکتا ہے تو اس پر سجدہ کر ورنہ اپنے سر سے اشارہ کر اور اگر تکیہ زمین پر رکھا ہو اور اس نے اس پر سجدہ کیا تو جائز ہے اگر بیمار بیٹھ نہ سکے تو اپنی پشت کے بل لیٹ جائے اور دونوں پاؤں قبلہ کی طرف کر ڈالے اور اسکے ساتھ رکوع سجدہ کیلئے اشارہ کرے اور اگر دائیں کروٹ کے بل لیٹے اور اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ کرے تو جائز ہے اور اگر اپنے سر سے اشارہ نہ کر سکے تو نماز مؤخر کر دی جائے اور ایک روایت میں آیا ہے اس سے نماز ساقط ہو جائیگی لیکن یہ اپنی دونوں آنکھوں یا اپنے دل اور اپنے ابروؤں کے ساتھ اشارہ نہ کرے۔

تشریح

مصنف نے نماز کے جن داخلی فرائض کا اجمالاً شمار کیا تھا اب ان میں سے دوسرے فرض کا ذکر کرتے ہیں کہ نماز کا دوسرا فرض قیام ہے یعنی سیدھا کھڑا ہو کر نماز پڑھنا نماز کی دو قسمیں ہیں، فرض اور نفل فرائض بغیر کسی مجبوری کے بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا البتہ نوافل پڑھنے میں گنجائش ہے۔ اگر بیمار حقیقتاً قیام نہ کر سکے یا حکماً قیام کرنے سے معذور ہو اسکی صورت یہ ہے کہ یہ نماز کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہے لیکن اسے فرض کے اضافے یا دیر سے تندرست ہونیکا خطرہ ہے یا کھڑا ہونے کی صورت میں اسے شدید تکلیف ہوتی ہے تو اس کے لئے حدیث نبوی کے مطابق حکم ہے کہ یہ بیٹھ کر نماز پڑھے البتہ رکوع سجدہ کرے۔ چنانچہ عمران بن حصین آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں جس کو مسلم شریف کے علاوہ باقی پانچ کتابوں میں ذکر کیا اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے مرض بواسیر تھا میں نے حضور ﷺ سے نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کروٹ کے بل لیٹ کر پڑھے یہ بھی نہ ہو سکے تو چت لیٹ کر پڑھے۔ آئمہ فقہ لکھتے ہیں کہ اگر قیام سے تکلیف ہو لیکن شدید تکلیف نہ

ہوتو قیام نہ چھوڑے اس لئے کہ یہ ارشاد خداوندی ن بنا. یہ فرض ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ قُومُوا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۔ یہاں تو مواصیغہ امر ہے جو وجوب کے قیام پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے نماز کے باہر قیام فرض نہیں تو پھر لامحالہ اس قیام سے مراد نماز میں قیام ہے اور قیام کی تعریف یہ ہے کہ جب کھڑا ہو اور ہاتھ پھیلائے تو اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا القنوت طول القیام فی الصلوٰۃ ۔ یعنی نماز میں دیر تک کھڑے رہنا قنوت ہے۔ (عنایہ)

اگر کوئی شخص عصا یا خادم کے سہارے قیام کرسکتا ہے تو پھر بھی اسے نہ چھوڑے چنانچہ امام حلوانی فرماتے ہیں کہ قیام نماز میں ضروری ہے حتی کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ پورے قیام پر قادر نہ ہو تو جس قدر قادر ہے اتنا قیام کرے مثلاً ایک آدمی صرف تکبیر تحریمہ بحالت قیام کرسکتا ہے تو اسے چاہئے کہ کھڑے ہوکر یہی کردے پھر بیٹھ جائے ۔ یہ جو کہا گیا کہ سجدہ کرنے کیلئے اپنے چہرے تک تکیہ وغیرہ نہ اٹھائے اس کی دلیل مسند بزاز اور بیہقی میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بیمار کی بیمار پرسی کی تو اسے دیکھا کہ وہ تکئے پر نماز پڑھ رہا ہے تو ﷺ نے اس سے تکیہ لے کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اگر طاقت رکھتا ہے تو زمین پر نماز پڑھ یعنی سجدہ کر ورنہ اشارے سے ادا کر اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست ہونا چاہئے ۔ اس باب میں مصنف نے جو روایت ذکر فرمائی وہ روایت بالمعنیٰ ہے اور اگر اس نے کسی چیز کو منہ تک اٹھایا اور اس پر سجدہ کیا اگر اس نے اپنے سر کو پست کیا تو صحیح ہے اور اسکی یہ نماز اشارے سے ہوگی اور یہ مسئلہ کہ اگر تکیہ زمین پر ہو اور یہ اس پر سجدہ کرے تو جائز ہے تو اس کے لئے شرط یہ ہے اگر تکیہ ٹھوس ہو کہ سجدہ کرتے وقت زمین کا احساس ہو تو اسکی نماز رکوع سجدے سے ہوگی ورنہ اشارے سے شمار ہوگی ۔ ذخیرہ کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ شخص چت لیٹ کر قبلہ کی طرف پاؤں پھیلائے اور رکوع سجدہ کا اشارہ کرے اسکی صورت یہ ہے کہ یہ اپنے کندھوں کے نیچے تکیہ رکھے تاکہ یہ سر کے ساتھ اچھی طرح اشارہ کرسکے اور اگر کسی سہارے بیٹھ سکے تو بیٹھ جائے تو پھر چت لیٹ کر نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں اور پہلو کے بل لیٹنا یہ بھی جائز ہے لیکن اگر قدرت ہو تو پیٹھ کے بل لیٹنا زیادہ بہتر ہے ۔ اگر اشارہ بھی نہ کرسکے تو پھر ادائیگی نماز کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ نماز مؤخر ہو جائیگی یعنی طاقت لوٹنے تک نماز میں تاخیر کرے لیکن اگر سمجھتا بوجھتا ہے تو نماز ساقط نہ ہوگی اور دوسری روایت یہ ہے کہ نماز بالکل ساقط ہو جائیگی ۔ سقوط نماز کا مطلب ہے کہ اگر ایک رات دن یہ معذور ہو تو پھر نماز ساقط ہوگی ۔ مصنف نے فرمایا کہ عاجز اور مریض کیلئے اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن اشارے کے لئے یہ شرط ہے کہ سر کے ساتھ اشارہ کرے لھذا آنکھوں یا دل یا ابروں سے اشارہ نہ کرے یہی ظاہر روایت ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آنکھوں اور ابروں کے ساتھ بھی اشارہ کرسکتا ہے البتہ دل کے ساتھ نہ کرے اور امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دل سے بھی اشارہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۲...... جب بیمار تندرست ہو جائے اگر بیماری کی حالت میں نماز کی اہمیت کو سمجھتا تھا تو پہلی روایت کے مطابق اس پر قضا کرنا لازم ہے ورنہ نہیں اس شخص کی طرح کہ جس پر رات دن سے کم بے ہوشی طاری ہوگئی ہو اور اگر رات دن سے زیادہ بے ہوشی طاری ہو تو اس سے نماز ساقط ہو جائے گی۔

تشریح

مصنف دوسرا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ مریض کے صحت یاب ہونیکی صورت ذکر کرکے اس کے متعلق فقہی فیصلہ بیان فرماتے

ہیں کہ اگر مریض صورت مرض میں عقل رکھتا ہے لیکن سر سے اشارہ نہیں کرسکتا تو پہلی روایت یعنی نماز کی تاخیر والی روایت کے مطابق جب ٹھیک ہوجائے تو نماز قضا کرے اس لئے کہ وہ ساقط نہیں ہوئی اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ بیماری کے دوران نماز کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا اور حالت مرض میں اس سے کچھ نمازیں رہ گئی ہیں تو دوسری روایت یعنی نماز ساقط ہونے والی روایت کے مطابق تندرست ہونے کی صورت میں اس پر قضا لازم نہ ہوگی۔ مصنف نے اس کو اس شخص کے مسئلہ پر قیاس کیا جو بے ہوش ہوجائے۔ بے ہوشی میں فیصلہ یہ ہے کہ اگر ایک رات دن سے کم ہو تو جو نمازیں رہ گئی ہیں انہیں قضا کرے اور اگر بے ہوشی شب و روز سے زیادہ ہو تو نماز ساقط ہوگی قضا لازم نہیں۔ یہی حال اس بیمار کا ہے جو سر سے اشارہ نہیں کرسکتا۔ اگر ایک دن رات سے زیادہ عاجز ہو اور نماز کی اہمیت بھی نہ سمجھ سکے تو نماز ساقط ہوگی اور اگر عقل رکھتا ہے تو نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ زمانہ قدرت تک مؤخر ہوگی۔ صاحب ہدایہ اور صاحب منافع نے فرمایا یہی صحیح ہے اور دوسری روایت کہ جس میں آیا ہے کہ مریض ایک رات دن سے زیادہ اشارہ کرنے سے عاجز ہوگیا لیکن نماز کے بارے میں عقل رکھتا ہے تو جب تندرست ہوجائے تو اس پر قضا لازم نہیں۔ امام قاضی خان اور صاحب محیط نے اس کو صحیح قرار دیا اور شیخ الاسلام اور فخر الاسلام نے اس کو پسند کیا ہے البتہ صاحب ہدایہ نے جس بات کی تصحیح کی وہ زیادہ صحیح ہے دونوں کے دلائل کتب مبسوط میں موجود ہیں یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔

فائدہ

ایک رات دن سے اضافہ کا مفہوم امام صاحب کے نزدیک گھنٹوں کے حساب سے ہے مثلاً چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ بھی زیادہ ہو جائے گا تو قضا ساقط ہوجائیگی لیکن امام محمد کے نزدیک اس کا حساب اوقات کے اعتبار سے ہے اگر پانچ نمازوں سے ایک نماز بھی زیادہ ہوجائے تو قضا ساقط ہوجائے گی ورنہ نہیں۔ مبسوط اور ذخیرہ میں اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد امام محمد کے قول کی تصحیح کی ہے کیونکہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے اور یہ زیادہ احتیاط کی بات ہے۔ اسکی مثال کتب فقہ میں یہ دی گئی ہے کہ ایک آدمی زوال کے وقت بے ہوش ہوا اور دوسرے دن کے زوال کے بعد تک بے ہوش رہا تو شیخین کے نزدیک قضا ساقط ہوجائے گی۔ لیکن امام محمد کے نزدیک جب تک ظہر کا وقت نہ نکلے قضا ساقط نہ ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے جب مدت مذکور میں بیمار کو کسی وقت بھی افاقہ نہ ہو لیکن اگر بیمار کو کسی وقت افاقہ ہوجائے اور اس میں اس کا مرض ہلکا ہوجائے مثلاً صبح کے وقت اسے افاقہ ہوجائے پھر اس کے بعد بے ہوش ہوجائے تو پھر اس صورت میں پہلی بے ہوشی کا اعتبار نہ ہوگا لیکن اگر مریض کے افاقے کا وقت معلوم نہ ہو البتہ اچانک اسے افاقہ ہوگیا پھر بے ہوشی طاری ہوگئی تو شرعاً اس افاقے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے قریب یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی نشئی اشیاء استعمال کرنے سے ایک رات دن سے زیادہ وقت عقل نہ رہی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب وہ ٹھیک ہوجائے تو اس پر قضا لازم ہے جبکہ امام محمد لزوم قضا کے قائل نہیں۔

ترجمہ: مسئلہ ۳:...... اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہو لیکن رکوع سجدہ نہ کرسکے تو ایسے شخص پر قیام لازم نہیں ذخیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر قیام و رکوع کرسکے لیکن سجدہ نہ کرسکے تو اس صورت میں بھی اس پر قیام لازم نہیں لهٰذا اس پر ضروری ہے کہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے اور اکثر مشائخ کی رائے یہ ہے کہ اسے اختیار ہے خواہ کھڑے ہوکر اشارے سے نماز پڑھے یا بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

تشریح

مصنف کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بیمار کو قیام پر قدرت ہے لیکن رکوع، سجدے پر قدرت نہیں یعنی اگر وہ کھڑا ہو تو رکوع سجدہ نہیں کرسکتا تو ایسے شخص پر قیام لازم نہیں بلکہ اس کے لئے بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے البتہ اس میں امام زفر اور باقی تین اماموں کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک کھڑے ہو کر اشارہ کرنا ضروری ہے۔ ذخیرہ کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ایک آدمی کھڑا بھی ہوسکتا ہے اور قیام کی حالت میں رکوع بھی کرسکتا ہے لیکن سجدہ نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے مصنف کی عبارت علیہ ان یصلی قاعداً بالایماء اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بیٹھنا لازم ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اسے اختیار ہے چاہے کھڑے ہو کر اشارہ کرے یا بیٹھ کر اشارہ کرے لہٰذا مصنف کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ یوں کہتے ولہٗ ان یصلی قاعداً بالایماء تو زیادہ بہتر ہوتا۔ بیٹھ کر اشارہ کرنا زیادہ اچھا ہے اس لئے کہ وہ سجدے کے قریب ہے۔ زاہدی نے بیان کیا کہ یہ کھڑا ہو کر رکوع کے لئے اشارہ کرے اور بیٹھ کر سجدے کے لئے اشارہ کرے اور اگر اس نے اس کا الٹ کیا تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۴:...... اگر کسی آدمی کے گلے میں زخم ہوا گر رکوع سجدے سے نماز پڑھے تو زخم بہتا ہے یہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

مسئلہ نمبر ۵:...... ایک بوڑھا معمر آدمی ہے جب کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کا پیشاب جاری ہو جاتا ہے اور اس کے جسم پر زخم بھی ہے جو بہنے لگتا ہے اگر بیٹھ جائے تو نہیں بہتا تو شرعی حکم یہ ہے کہ یہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اسی طرح اگر یہ سجدہ کرے تو پیشاب بہتا ہے یا ریح خارج ہوتی ہے تو یہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے اور اگر ایسی حالت ہو کہ اگر بیٹھے تو زخم بہتا ہے اور اگر پیٹھ کے بل لیٹ کر نماز پڑھے تو زخم نہیں بہتا تو یہ کھڑے ہو کر رکوع سجدے سے نماز پڑھے اور اگر ایسی حالت ہو کہ اگر یہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو کمزوری کی وجہ سے یہ قرأت نہیں کرسکتا تو اس صورت میں یہ بیٹھ کر قرأت کرے۔

تشریح

عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر رکوع سجدہ کرنے کی صورت میں زخم بہنے لگتا ہے تو رکوع سجدے سے نماز نہ پڑھے بلکہ اشارہ کرتے ہوئے نماز پڑھے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ عمر رسیدہ بوڑھے کے لئے مسئلے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر نماز میں کھڑا ہونے سے پیشاب اترنے کا خطرہ ہو یا زخم بہنے کا خوف ہو اور بیٹھنے میں یہ دونوں خطرات نہ ہوں تو یہ بیٹھ کر رکوع سجدہ کر کے نماز پڑھے اس کے علاوہ کوئی تیسری صورت جائز نہیں۔ یونہی اگر یہ سجدہ کرے تو پیشاب بہنے لگے یا ریح جاری ہو جائے تو بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے اور اس کی وجہ وہی ہے جو پہلے گزر چکی اور اگر ایسی حالت ہو کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے پیشاب نکلے یا زخم بہنے لگے اور اگر یہ چت لیٹ جائے تو دونوں میں سے کسی کا خطرہ نہ ہو تو اس صورت میں یہ کھڑے ہو کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھے اس لئے کہ بغیر کسی عذر کے چت لیٹ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور عذر یہ ہے کہ نماز کی حالت میں یہ بے وضو ہو جائے لھٰذا یہاں اس صورت کو ترجیح دی گئی جس میں ارکان ادا ہو سکتے ہیں۔ امام محمد سے ایک نادر روایت ہے کہ یہ اضطجع کی حالت میں نماز پڑھے اور شرمگاہ کا ننگا ہو جانا ان تمام صورتوں میں حدث کا قائم مقام ہے اگر کھڑا ہونے کی حالت میں قرأت نہ کرسکے اور بیٹھ کر قرأت کرنے پر قادر ہو تو یہ بیٹھ کر قرأت کے ساتھ نماز پڑھے اس لئے کہ بغیر قرأت

کہ نماز پڑھنا حدث کے ساتھ نماز پڑھنے کے مترادف ہے جو بغیر کسی عذر کے جائز نہیں لیکن بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۶:...... اگر کوئی شخص زیادہ بوڑھا ہو کہ کھڑا ہونے کی حالت میں بالکل قرأت نہ کر سکے اور اگر ایسی حالت ہو کہ اگر یہ تنہا نماز پڑھے تو قیام پر قادر ہو لیکن اگر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو قیام پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ یہ بوڑھا کھڑے ہو کر نماز شروع کرے پھر بیٹھ جائے جب رکوع کا وقت آئے تو یہ کھڑا ہو کر رکوع کرے اور بیمار آدمی نماز میں اول سے لیکر آخر تک اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد میں بیٹھتا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

تشریح

شیخ فانی کے متعلق مصنف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ نماز میں کھڑا ہو جائے تو قرأت کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر قرأت کے ساتھ نماز پڑھے لیکن اگر ایسی صورت پیش آئے کہ اگر یہ کھڑا ہو تو کچھ قرأت کر سکے لیکن پوری قرأت نہ کر سکے تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جس قدر کھڑے ہو کر قرأت کر سکتا ہے کرے اور باقی قرأت بیٹھ کر کرے۔ امام حلبی فرماتے ہیں کہ شیخ فانی کی قید اتفاقی ہے کیونکہ یہ مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے اور انفرادی صورت میں نماز پڑھنے والا قیام کر سکتا ہے لیکن امام کے ساتھ نماز پڑھے تو قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ بحالت قیام نماز شروع کرے پھر بیٹھ جائے اور جب رکوع کا وقت آئے تو کھڑے ہو کر رکوع کرے ورنہ یہ تنہا نماز پڑھے اس لئے کہ قیام فرض ہے اور جماعت سنت ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مؤقف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور اس پر کسی چیز کا اعادہ نہیں۔ رہا یہ سوال یہ کسطرح نماز میں بیٹھے اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ تشہد کی طرح بیٹھے بشرط قدرت، امام زفر کا بھی یہی مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ نماز میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے۔ امام محمد نے امام ابوحنیفہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی کہ جس طرح بیٹھ سکتا ہے بیٹھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تشہد کے علاوہ جس طرح چاہے بیٹھے البتہ تشہد میں باقی نمازوں کی طرح بیٹھے لیکن پہلی بات زیادہ ظاہر ہے اور مجبوری میں جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷...... ذخیرہ میں ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت عورت کی حالت یہ ہو کہ اس کے شکم سے بچے کا سر باہر آ گیا اور اسے نماز کے وقت جانے کا اندیشہ ہو تو اگر وہ طاقت رکھتی ہے تو وضو کرے ورنہ تیمم کرے اور اپنے بچے کے سر کو کسی ہانڈی یا گڑھے میں رکھے اور بیٹھ کر رکوع سجدے کے ساتھ نماز پڑھے اور اگر رکوع سجدہ کی استطاعت نہ ہو تو اشارے سے نماز پڑھے۔

تشریح

اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز اس حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتی ہاں اگر بچے کے جسم کا زیادہ حصہ باہر آ جائے تو پھر نفاس کے خون کی وجہ سے نماز ساقط ہو جاتی ہے آئمہ فقہ لکھتے ہیں کہ بچہ باہر آنے سے پہلے جو خون آتا ہے وہ خون استحاضہ ہے جو مانع صلوٰۃ نہیں۔

مسئلہ نمبر ۸...... کسی آدمی جس کے دونوں ہاتھ شل ہوں اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جو اسے وضو یا تیمم کرائے تو یہ شخص کسی دیوار سے اپنے ہاتھوں اور چہرے کا مسح کرے اور نماز پڑھے۔ اے کتاب پڑھنے والے دیکھئے اور

اس قسم کے مسائل میں غور و فکر کیجئے۔ کیا ان مسائل میں تاخیر صلوٰۃ کے لئے کوئی عذر اور گنجائش ہے پھر کتنا افسوس ہے ان لوگوں پر جو بلاوجہ نماز چھوڑ دیتے ہیں۔

تشریح

جب چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرے تو تیمم کی نیت کرے اور اس نیت سے نماز پڑھے لہٰذا ایسے شخص کے لئے پھر بھی نماز چھوڑنا اس میں تاخیر کرنا بشرطیکہ وضو یا تیمم پر قادر ہو جائز نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ذرہ بھر بھی نماز پڑھنے کا امکان ہو تو اسے چھوڑنے کی گنجائش نہیں۔ آئمہ کرام کے تحریر کردہ مسائل میں اگر غور و فکر کیا جائے اور گہری سوچ کی جائے تو بغیر عجز تام کے تاخیر صلوٰۃ کی بھی گنجائش نہیں چہ جائیکہ نماز ترک کردی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف تارک صلوٰۃ پر واویلا کر رہے ہیں کہ کتنا غافل ہے بے خبر اور ناعاقبت اندیش ہے کہ نماز چھوڑ کر وہ بلائے عظیم اور خدا کے عذاب الیم کو دعوت دے رہا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک نہیں بے شمار اور سینکڑوں مقامات پر نماز پڑھنے اور اسے قائم رکھنے کی تاکید آئی ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ و اتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیّ۔ یعنی ان لوگوں کے بعد ایسے ناخلف آئے کہ جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانی کے پیروکار ہوئے عنقریب وہ گمراہی سے ملیں گے تفسیر میں آئمہ تفسیر نے مختلف تفسیریں ذکر فرمائی ہیں۔ نماز ضائع کرنے کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ لوگ اس کے واجب ہونے کا عقیدہ نہ رکھتے تھے اور ایک یہ ہے کہ انہوں نے نماز چھوڑ دی تھی اور اسکی حفاظت کا اہتمام نہ کرتے تھے اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ اوقات نماز میں تاخیر کرتے تھے اور غیّ کی تفسیر بھی مختلف ہے بعض نے اس کی تفسیر شر سے کی ہے جبکہ بعض نے گمراہی سے کی ہے اور حسن بصری نے فرمایا اس سے عذاب طویل مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے کہ جس میں حرارت زیادہ ہوگی اور اسکی گہرائی کا بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دوزخ کے مختلف کنوؤں کا نام ہے کہ دوزخیوں کا پیپ وغیرہ وہاں جمع ہوگا۔ (لباب التفاسیر)

اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ نے نماز کا ذکر فرمایا اور اس سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی حفاظت کی تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور، برہان اور نجات ہوگی اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی تو اس کے لئے نہ کوئی نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ الغرض اس سلسلے میں کتاب و سنت کے بے شمار ارشادات موجود ہیں۔ استفادہ کرنے والے کیلئے ایک بھی کافی ہے اور جو معاند اور منکر ہو اس کے لئے ایک دفتر بھی بے کار ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

عذر کی حالتوں میں نماز کا بیان

مقدار قرأت کا بیان

و ان صلی الصحیح بعض صلاته قائما فحدث به مرض یُتمّها قاعدا یرکع و یسجد او یؤمی ان لم یستطعهما او مستلقیاً ان لم یستطع القعود و ان صلی اول صلاته قاعداً

لمرضٍ ثم صحّ بنی علی صلاته قائما عند هما و قال محمد رحمة اللّٰه علیه یستقبل الصلوة و ان صلی بعض صلوته بایماء ثم قدر علی الرکوع و السجود یستانف بالاتفاق . و یجوز االتطوع قاعداً بغیر عذر و ان افتتح التطوع قائما ثم اعیی فلا بأس ان یتوکأ علی عصاً او علیٰ حائط او یقعد و یجوز صلوة التطوع علی الدابة ایماء للمسافر بالاتفاق و للمقیم عند ابی حنیفة رحمة اللّٰه علیه اما الفرائض فیجوز ایضا بالاعذار التی ذکرنا ها فی فصل التیمم و کذا شیخ رکب دابة و لم یقدر علی النزول او امرأة لیس معها محرم یصلیان علیها . و المصلی علی الدابة یؤمی بالرکوع و السجود و یجعل السجود اخفض من الرکوع کالمصلی قاعداً بالایماء و لو سجد علی شئ وضع عنده او علی سرجه لا یجوز لان الصلوة علی الدابة انما شرعت بالایماء و لو کانت علی سرجه نجاسة لا تمنع و قیل تمنع و لو صلی فی السفینة قاعداً من غیر عذر تجوز عند ابی حنیفة رحمة اللّٰه علیه و قالا لا تجوز الا من عذر و الثالثة القراءة و هی تصحیح الحروف بلسانه بحیث یُسمع نفسه و قیل اذا صح الحروف یجوز و ان لم یُسمع نفسه و القراءة فرض فی جمیع رکعات النفل و الوتر فی الفرض فی ذوات الرکعتین و اما ذوات الاربع ففرض القراءة انما هو فی الرکعتین بغیر عینهما و الافضل ان یقرأ فی الاولیین و فی الاُخریین مخیّر ان شاء قرأ و ان شاء سبح و ان شاء سکت و القراءة افضل و اما التقدیر فالفرض قراءة اٰیةٍ واحدة و ان کانت قصیرة نحو قوله تعالیٰ : ثُمَّ نَظَرَ ۝ و هذا عند ابی حنیفة رحمة اللّٰه علیه و عندهما ثلٰث اٰیات قصار او اٰیة طویلة و اما اذا قرأ اٰیة هی کلمة نحو قوله تعالیٰ : مُدْهَامَّتَان ۝ او حرف نحو قٓ وصٓ و نٓ فقد اختلف المشائخ فیه و الاصح انه لا یجوز و ان قرأ اٰیة طویلة نحو اٰیة الکرسی و اٰیة المداینة فقرأ البعض فی رکعة و البعض فی الاخری فقد اختلفوا فیه ایضاً و الاصح انه لا یجوز علی قول ابی حنیفة رحمة اللّٰه علیه و الذی لا یحسن ان یقرأ الا اٰیة قصیرة لا یلزمه التکرار عنده و عندهما یلزمه التکرار ثلٰث مرات

مسئلہ نمبرا:......اگر کسی تندرست آدمی نے نماز کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر ادا کیا پھر اس کو مرض لاحق ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پوری

کرے رکوع اور سجدہ کرے اگر ان کی طاقت نہیں رکھتا تو اشارہ کرے اور بیٹھ بھی نہیں سکتا تو پیٹھ کے بل لیٹ جائے اور اگر اس نے مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی پھر یہ تندرست ہو گیا تو پچھلی نماز کی پہلی پر کھڑے ہو کر بنیاد رکھے۔ شیخین کے نزدیک یہی ہے لیکن امام محمد نے فرمایا کہ از سر نو نماز پڑھے اور اگر اس نے کچھ نماز اشارے سے پڑھی پھر رکوع سجدہ کرنے پر قادر ہو گیا تو اس صورت میں بالاتفاق نئے سرے سے نماز پڑھے۔

تشریح

مصنف کی پہلی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی صحت یاب آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے مرض یا کوئی اور عذر لاحق ہو جائے کہ اس کے لئے بیٹھنا کسی حد تک جائز ہو تو اس شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر رکوع سجدے پر قادر ہے تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کر کے نماز پوری کرے اور اگر رکوع سجدہ بیٹھ کر نہیں کر سکتا تو اشارے سے نماز پڑھے یا پیٹھ کے بل یا پہلو کے بل لیٹ جائے اور اپنی گنجائش کے مطابق نماز پوری کرے۔ دوسری عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز کا کچھ حصہ بیٹھ کر رکوع سجدہ کرتے ہوئے کسی مرض کی وجہ سے پورا کیا پھر دوران نماز یہ ٹھیک ہو گیا اسے قیام کی قدرت حاصل ہو گئی تو اپنی نماز پر بنیاد رکھے اور اسے شیخین کے نزدیک کھڑا ہو کر پورا کرے جبکہ امام محمد کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے اس لئے کہ ان کے نزدیک کھڑے کی اقتداء بیٹھے ہوئے کے ساتھ جائز نہیں لیکن شیخین کے نزدیک جائز ہے۔ اسی طرح قیام کی بنیاد قعود پر نہیں رکھی جا سکتی تیسری عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز کا بعض حصہ اشارے کی صورت میں ادا کیا پھر یہ بیٹھے یا کھڑے رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا تو بالاتفاق از سر نو نماز پڑھے کیوں اس لئے کہ جو رکوع سجدہ کر سکتا ہے اسکی اقتداء اشارہ کرنے والے کے ساتھ جائز نہیں، اسی طرح بناء بھی جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲:...... بغیر کسی مجبوری کے نوافل بیٹھ کر پڑھنے جائز ہیں اور اگر اس نے کھڑے ہو کر نوافل شروع کئے تھے پھر تھک گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ لاٹھی یا کسی دیوار پر ٹیک لگائے یا بیٹھ جائے اور نوافل سواری پر پڑھ لینا جائز ہیں۔ مسافر کیلئے اشارے سے نفل بالاتفاق جائز ہے اور مقیم کیلئے بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح

نوافل کے مسئلہ میں امت کا اجماع ہے چنانچہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے البتہ اس سے صبح کی سنت مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ وہ بغیر کسی عذر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا۔ بعض لوگوں نے نماز تراویح کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تراویح بغیر عذر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے نوافل میں تھک جانا عذر ہے لہٰذا اگر تھکاوٹ لاحق ہو جائے تو یہ بالاتفاق کسی چیز پر سہارا کرنا چاہے تو جائز ہے اور مکروہ نہیں لیکن اگر اس نے بغیر عذر سہارا کیا تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور یہ مسئلہ کہ کھڑے ہو کر نوافل شروع کرے اور پھر بغیر عذر بیٹھ جائے تو اس طرح کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک کراہت سے خالی نہیں۔ فخر الاسلام نے اس بات کو اختیار کیا کہ بغیر کراہت ایسا کرنا جائز ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا جائز نہیں۔ یہ حکم اس وقت ہے جب یہ نوافل کی پہلی یا دوسری رکعت میں بیٹھ جائے لیکن اگر یہ پچھلی دو رکعتوں میں بیٹھ جائے تو قرین قیاس تو یہ ہے کہ یہ صورت صاحبین کے نزدیک جائز ہونی چاہئے البتہ ظہر اور جمعہ کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور تیسری عبارت کا مفہوم یہ ہے۔ اگر کسی شخص نے بیٹھ کر نوافل شروع کئے پھر کھڑا ہو گیا تو یہ بغیر کسی

اختلاف کے جائز ہے اس لئے کہ قائم کی اقتداء قاعد کے ساتھ نوافل میں بالاتفاق جائز ہے۔ سواری پر نوافل پڑھنے کا مصنف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے تو اسکی وضاحت یہ ہے کہ مسافر بالاتفاق سواری پر نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقامی بھی ایسا کرسکتا ہے اور سواری کے لئے قبلہ رخ ہونا شرط نہیں بلکہ جس طرف بھی سواری کا رخ ہو تو جائز ہے لیکن مقامی کے لئے شہر سے باہر ہونا ضروری ہے اور خارج مصر کا مطلب یہ ہے کہ شہر کی حدود ختم ہو جائے جمہور اہل علم کا یہی مؤقف ہے لیکن امام مالک اس باب میں مسافر ہونا شرط قرار دیتے ہیں امام ابو یوسف کے نزدیک شہر کے اندر بھی بغیر کراہت کے ایسا کرنا جائز ہے لیکن امام محمد کے نزدیک اگر چہ جواز ہے لیکن کراہت ہوگی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہر میں اس طرح نہیں کیا جاسکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بیرون شہر مسافر کیلئے سواری پر نوافل بالاتفاق جائز ہیں یعنی ہمارے تینوں اماموں کی رائے کے مطابق ٹھیک ہے۔ البتہ مقامی آدمی میں اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک بیرون شہر ہونے کی صورت میں اس کے لئے جواز ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک شہر کے اندر بھی جائز ہے اور امام محمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر چہ یہ جائز ہے لیکن اس میں کراہت ہوگی۔ امام حلبی کہتے ہیں کہ مصنف کا امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقامی کے لئے بغیر کسی تفصیل کے قول ذکر کرنا ٹھیک نہیں بلکہ مذہب امام کی تشریح کرنی چاہئے تھی اب یہ صورت رہ گئی کہ اگر کسی نے بیرون شہر نوافل شروع کئے پھر فراغت سے پہلے شہر آ گیا تو اس صورت کا کیا حکم ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ انہیں سواری پر ہی اشارے سے پورا کردے اور بعض نے فرمایا کہ زمین پر اتر کر پورا کرے اکثر آئمہ کا یہی خیال ہے اور اگر نوافل شروع کرنے کے بعد اترا جبکہ یہ فارغ ہونے سے پہلے سوار تھا تو بنا کرسکتا ہے اور رکوع سجدے سے انہیں پورا کرے اور اگر نوافل کا کچھ حصہ اس نے اترنے کی صورت میں پڑھا پھر سوار ہو گیا تو ان پر بنیاد نہیں رکھ سکتا امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں از سر نو نوافل پڑھے امام محمد سے بھی اسی طرح مروی ہے البتہ امام زفر سے روایت ہے کہ دونوں صورتوں میں بنا کرسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر۳:...... رہا یہ کہ فرائض کا کیا حکم ہے تو فرائض بھی بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ کچھ ایسے عذر ہوں جن کو ہم نے فصل تیمم میں بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح بوڑھا آدمی جانور پر سوار ہو لیکن وہ اترنے پر قادر نہیں یا کوئی عورت ہے جس کے ساتھ محرم نہیں تو یہ دونوں سواری پر نماز پڑھیں۔ سواری پر نماز پڑھنے والا اشارے سے رکوع سجدہ کرے البتہ سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ پست ہو اس نمازی کی طرح جو اشارے سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اگر اس نے کسی ایسی چیز پر سجدہ کیا جو اس کے پاس سواری پر رکھی ہوئی تھی یا زین پر سجدہ کیا تو یہ جائز نہیں اسلئے کہ سواری پر نماز اشارہ کرنے کی صورت میں مشروع ہوئی ہے اور اگر جانور کی زین پر نجاست ہو تو وہ نماز سے نہیں روکتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ روکتی ہے اور اگر اس نے کشتی میں بیٹھ کر بغیر کسی عذر نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے لیکن صاحبین نے فرمایا کہ بغیر عذر جائز نہیں۔

تشریح

مصنف نے بحث تیمم میں جن اعذار کا ذکر فرمایا ان کی تفصیل یہ ہے مرض پیدا ہونے یا اضافہ ہونے کا خطرہ ہو یا دشمن یا درندے کا ڈر ہو یا نیچے کیچڑ ہو جہاں نماز نہ پڑھ سکے اگر اسے اپنی جان یا اپنے چوپائے کا درندے یا چور سے خطرہ ہو یا نیچے اتنا کیچڑ ہو کہ چہرہ ڈوب جائے اور کوئی خشک مکان نہ پائے یا یہ بیمار ہو کہ اترنے چڑھنے سے اضافہ مرض کا اندیشہ یا دیر سے تندرست ہونے کا امکان ہو تو ان ساری

صورتوں میں سواری پر اشارہ کر کے فرض نماز پڑھ سکتا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ سواری کو قبلہ رخ کر کے کھڑا کرے بشرطیکہ ایسا ممکن ہو ورنہ جس طرح گنجائش ہو نماز پڑھے۔

بوڑھے آدمی کے سوار ہونے کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ اتر جائے تو سوار نہ ہو سکے یا اترنے پر قادر نہ ہو اور عورت کے ساتھ محرم نہ ہو وہ بخود اترنے یا چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی تو یہ دونوں اپنی سواری ہی پر نماز پڑھیں۔ اسی طرح اگر سواری منہ زور ہو اس کے قابو سے باہر ہو پھر بھی یہی حکم ہے اور ان ساری صورتوں میں عذر زائل ہونے کے بعد نماز کا اعادہ نہیں۔ سواری پر رکوع سجدے کا اشارہ اس میں یہ اہتمام ہونا چاہئے کہ سجدہ رکوع سے زیادہ پست ہو جیسا کہ بیمار بیٹھ کر اشارہ کرتے ہوئے نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے سوار کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے پاس رکھی ہوئی چیز پر سجدہ کرے یا سواری کی زین پر سجدہ کرے بلکہ اس کے لئے اشارہ کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ سواری پر اشارے سے نماز شروع ہوئی ہے لھذا اس نماز میں کوئی اور صورت اختیار نہیں کی جاسکتی۔ اگر سواری کی زین پر بہت سی نجاست ہو یا اسکی دورکابوں میں تو یہ اکثر علماء کے نزدیک مانع صلوٰۃ نہیں البتہ بعض نے کہا ہے کہ یہ مانع صلوٰۃ ہے لیکن پہلی بات ظاہر روایت ہے۔

مسئلہ نمبر ۴:......نماز کا تیسرا فرض قرأت ہے اور قرأت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی زبان سے حروف کو صحیح ادا کرے بشرطیکہ اسے خود سنے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب صحیح حروف پڑھ ڈالے تو پھر نماز جائز ہے۔ اگر چہ خود نہ سنے نوافل اور وتر کی ساری رکعتوں میں قرأت فرض ہے لیکن فرائض کی صرف دو رکعتوں میں فرض ہے اگر چار رکعتوں والے فرائض ہوں تو حرف دو رکعتوں میں بغیر تعین کے قرأت فرض ہے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرے اور پچھلی دو رکعتوں میں پڑھنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو قرأت کرے اگر چاہے تسبیحات پڑھے اگر چاہے تو چپ رہے لیکن قرأت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح

نماز کے اندر جو تیسرا فرض ہے وہ قرأت ہے اور قرأت کی تعریف میں اور اسکی حد امتیاز میں ہمارے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے امام ہندوانی اور امام فضلی فرماتے ہیں کہ قرأت یہ ہے کہ اپنی زبان کو حرکت دے کر حروف کو صحیح ادا کرے یعنی صحت الفاظ کے ساتھ پڑھے اور جو کچھ پڑھے اسے خود سنے لیکن اگر اس نے بغیر سنے حروف کی تصحیح کر ڈالی تو یہ قرأت نہ ہوگی اس لئے کہ حرف زبان کو ہلانا جو بغیر آواز ہو یہ قرأت نہیں کہلاتا اس لئے کہ کلام اس مفہوم کا نام ہے جو سنا جائے اور امام کرخی کے نزدیک صرف تصحیح حروف کافی ہے اگر سماع نہ ہو اس لئے کہ قرأت زبان کا فعل ہے اور اس فعل کی ادائیگی کیلئے صرف اقامت حروف کافی ہے سماع کی ضرورت نہیں کیونکہ سماع، سامع کا فعل ہے قاری کا نہیں۔ (کبیری برحاشیہ صغیری)

محیط میں ہے کہ شیخین کا قول زیادہ صحیح ہے اور الکافی میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ قرأت اس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک کان نہ سنیں اور قریب والا نہ سنے۔ لھذا ہر وہ معاملہ جو نطق سے تعلق رکھتا ہے جیسا طلاق، عتق، استثناء ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ سجدہ تلاوت کا واجب ہونا اور اس طرح کے دوسرے مسائل شیخین کے نزدیک جب تک خود اور قریب والا نہ سنے صحیح نہ ہونگے۔ نوافل کی ساری رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور یونہی نماز وتر میں اس لئے کہ وہ بھی سنت سے مشابہ ہیں اگر فرائض کی صرف

دو رکعتیں ہوں تو ان دونوں میں قرأت فرض ہے جس طرح صبح اور جمعہ کی نماز اور اگر چار رکعتیں ہوں جس طرح ظہر عصر اور عشاء اور اگر تین رکعتیں ہوں جس طرح مغرب تو ان کی صرف غیر معین دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے خواہ پہلی دو رکعتیں ہوں یا پچھلی دو یا پہلی اور تیسری یا پہلی اور چوتھی یا دوسری اور تیسری یا دوسری اور چوتھی الغرض صرف دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے خواہ وہ کسی صورت سے دو رکعتیں بن جائیں اور امام شافعی کے نزدیک فرائض کی ساری رکعتوں میں قرأت فرض ہے امام مالک کے نزدیک اکثر رکعتوں میں فرض ہے امام زفر کے نزدیک صرف ایک رکعت میں اور بعض کے نزدیک قرأت فرض نہیں بلکہ مستحب ہے چنانچہ محمد ابن علی حضرت عمر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی اور قرأت نہ کی۔ زید ابن ثابت سے روایت ہے کہ قرأت سنت ہے۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ نماز میں قرأت کرنے کا ذکر آیا ہے اور وہ ایک رکعت میں بھی قرأت ہو تو مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

مصنف نے فرمایا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا زیادہ بہتر ہے چنانچہ قدوری نے شرح مختصر کرخی میں اسی طرح بیان کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہ کی ہو تو ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر کرے تو مکروہ ہے اگر بھول کر کرے تو سجدہ سہو نکالے اس لئے کہ پہلی دو رکعتیں قرأت کیلئے متعین ہیں لھذا ان میں قرأت کرنا واجب ہے۔ اگر پہلی دو میں قرأت کر چکا ہے تو پچھلی دو میں اسے اختیار ہے چاہے قرأت کرے چاہے تین مرتبہ تسبیحات پڑھے چاہے اتنی مقدار چپ رہے بعض نے کہا ہے کہ ایک تسبیح کی مقدار چپ رہے لیکن ان میں بھی قرأت کرنا زیادہ بہتر ہے اور چپ رہنے سے تسبیحات پڑھنا بہتر ہے صرف فاتحہ پڑھنا سنت ہے اور بعض نے کہا مستحب ہے۔ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ کے حوالے سے روایت کیا کہ پچھلی دو رکعتوں میں بھی قرأت کرنا واجب ہے لھذا اگر اس نے بھول کر چھوڑ دی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ کمال ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی پس اس ترجیح کی بناء پر صرف تسبیحات یا سکوت پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔

(نماز میں کتنی مقدار قرأت کرنی چاہئے؟)

مسئلہ نمبر ۵:......رہی یہ بات کہ قرأت کتنی مقدار ہو؟ نماز میں صرف ایک آیت اگر چہ چھوٹی ہو پڑھنا فرض ہے جیسے اللہ کا یہ ارشاد! ثـم نـظر امام ابوحنیفہ کا یہی مؤقف ہے اور صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھے لیکن جب یہ کوئی ایسی آیت پڑھے جو ایک کلمہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مـدھـا متٰن یا ایسی آیت پڑھے جو ایک حرف ہو جیسے ق یاص یان تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں اور اگر اس نے ایک لمبی آیت پڑھی جیسے آیۃ الکرسی یا آیۃ مـدانیۃ اس کا بعض حصہ ایک رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا تو اس میں بھی آئمہ کا اختلاف ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح کرنا امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ناجائز ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہے جو صرف ایک آیت اچھی طرح پڑھ سکتا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لئے ایسی آیت کا تکرار لازم نہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی آیت کو تین مرتبہ تکرار سے پڑھے۔

تشریح

مصنف اس میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں نماز میں کتنی مقدار قرأت کرنا فرض ہے تو اس کے بارے میں یہ وضاحت کرتے ہیں کہ نماز کی جن رکعتوں میں قرأت فرض ہے ان میں ایک آیت پڑھنا ضروری ہے خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی چنانچہ اسکی مثال ترجمے میں آچکی ہے۔

زیادہ ظاہر روایت میں امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔البتہ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ اتنی مقدار قرأت کر سکتا ہے جس پر قرآن کا اطلاق ہو سکے اور کسی کے خطاب کے مشابہ نہ ہو پس اس روایت کے مطابق ثمّ نظر پر اکتفا کرنا جائز نہیں صاحبین کا جو موقف ہے امام صاحب سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے تین چھوٹی آیتوں کی مثال جس طرح ثم نظر ثمّ عبس و بسر .ثمّ ادبر واستکبر۔لمبی آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو۔صاحبین کا قول احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ الاسراء میں بیان فرمایا۔ایسی آیت جو ایک ہی کلمہ ہو یا ایک ہی حرف ہو جنکی مثالیں عبارت میں آگئی ہیں۔بعض کے نزدیک ہر حرف پوری آیت ہے۔

اس سلسلے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک جواز ہے اور بعض اس کو جائز نہیں کہتے اور زیادہ صحیح قول ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ ان حروف کو الگ الگ پڑھنے والے کو قاری نہیں کہا جاتا۔طویل آیت جس طرح آیت الکرسی جو کہ سورہ بقرہ تیسرے پارے میں مذکور ہے کتب روایات میں جس کے بے شمار فضائل آئے ہیں اور آیت مدائنہ جو یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین اذا اجل مسمی سے آخر تک ہے یہ بھی سورۂ بقرہ کے آخر میں آتی ہے اگر اس قسم کی آیتوں کے دو حصے کر کے آدھا آدھا دو رکعتوں میں پڑھے تو اس میں بھی فقیہ کرام کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ جائز نہیں کیونکہ دو حصے کرنے سے دونوں حصے آیت سے کم ہو جاتے ہیں لیکن امام صاحب اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور صاحبین کے نزدیک بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ تین آیتوں سے بڑھ جاتی ہے۔ایک آیت کے تکرار کو امام صاحب ٹھیک نہیں کہتے جبکہ صاحبین کے نزدیک درست ہے۔امام حلبی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف ایک آیت کے پڑھنے پر قادر ہو اگر وہ اس کے ایک نصف کو دو مرتبہ یا زیادہ مرتبہ تکرار سے پڑھے تو امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں اور اگر کوئی شخص تین آیتیں پڑھ سکتا ہے اگر وہ ان کا تکرار کرے تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

رکوع کا بیان

و الرابعة الركوع و هو طأطأة الرأس و ان طأطأ رأسه قليلا و لم يعتدل ان كان الىٰ الركوع اقرب جاز و ان كان الىٰ القيام اقرب لا يجوز رجل انتهى الىٰ الامام و هو راكع فكبر و هو الىٰ الركوع اقرب فصلاته فاسدة رجل احدَبُ بلغت حد و بته الىٰ الركوع يخفض رأسه في الركوع و ذكر في عيون الفتاوىٰ اذا ادرك الامام بعد ما سجد الامامُ سجدة فركع و سجد سجدتين تفسد صلاته و لو ادرك الامام بعد ما ركع و هو في السجدة الاولىٰ فركع و سجد لا تفسد لان زيادة ما دون الركعة غير مفسدة و اذا ركع المقتدى قبل الامام فرفع رأسه قبل ان يركع الامام لم يجز الركوع و ان ادركه الامام في الركوع اجزاه و اذا انتهى الىٰ الامام و هو راكع فكبر و وقف حتى رفع الامام رأسه لا يصير مُدرِكا لتلك الركعة و ركنية الركوع متعلقة بادنى ما يطلق عليه اسم الركوع لغة عند ابى حنيفة رحمة الله عليه و محمد رحمهما الله و ذكر في الشرح انه ان لم يقل

ثلث تسبیحات او لم یمکث مقدار ذلک لا یجوز رکوعہ و کذلک رکنیۃ السجود و ذکر فی زاد الفقھاء ان ادنیٰ تسبیحات الرکوع و السجود الثلث و الاوسط خمس مرات و الاکمل سبع مرات

پہلا مسئلہ......نماز کا چوتھا فرض رکوع ہے اور وہ لغت میں سر کو جھکانا اور پست کرنا ہے اگر کسی نے اپنے سر تھوڑا سا جھکایا اور اعتدال نہ کیا (یعنی اسکا سر اور سرین برابر نہ ہوئے) اگر وہ حد رکوع کے زیادہ قریب ہے تو اسکا رکوع جائز ہے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہے تو جائز نہیں۔

دوسرا مسئلہ......ایک آدمی امام تک اس وقت پہنچا کہ وہ رکوع کر رہا تھا پھر وہ تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو گیا اگر اس نے تکبیر ایسی حالت میں کہی کہ وہ رکوع کے زیادہ قریب ہو گیا ہے تو اسکی نماز فاسد ہو گئی۔

تیسرا مسئلہ......ایک شخص کبڑا تھا کہ اسکا کبڑا پن رکوع کی حد تک تھا تو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا سر رکوع میں زیادہ پست کرے۔

تشریح

مصنف اس بحث میں نماز کے چوتھے فرض رکوع کو بیان کرنا چاہتے ہیں پچھلے صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ نماز کے جو اتفاقی فرائض ہیں ان میں چوتھا فرض رکوع ہے جو نماز کے ارکان میں سے ایک رکن کی حیثیت رکھتا ہے یعنی اجزائے صلوٰۃ میں شامل ہے۔ائمہ لغت نے اس کے معنیٰ طاطاۃ الراس لکھے ہیں یعنی صرف سر کو جھکانا لیکن فقہاء کی اصطلاح میں سر کو جھکانے کے ساتھ پشت کو ٹیڑھا کرنا بھی شامل ہے۔اسلئے کہ لغت کے موضوع سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔اسی لئے آگے مصنف نے ارشاد فرمایا ان طاطا راسہ قلیلا ای قدر اقلیلا و لم یعتدل ای لم یصل الی حد الاعتدال من الرکوع یعنی اگر کسی نمازی نے تھوڑی سی مقدار اپنا سر جھکایا اور رکوع کیلئے جو حد اعتدال ہے اس تک نہ پہنچا اگر یہ شخص قیام کی بہ نسبت رکوع کامل کیطرف زیادہ قریب ہو تو اسکا رکوع جائز ہوگا۔اسلئے کہ قریب من الشیء کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس شی کا حکم ہے اور اگر یہ قیام کے زیادہ قریب ہو یعنی اس نے اپنی پشت ٹیڑھی نہ کی ہو بلکہ تھوڑا سا سر جھکایا ہو باوجودیکہ اس کے دونوں کندھوں کا میلان موجود ہو تو رکوع جائز نہ ہوگا اس لئے کہ یہ راکع نہیں بلکہ قائم ہے۔

دوسرے مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی ایسے وقت امام کے پاس پہنچا کہ وہ حالت رکوع میں تھا تو صحیح مسئلہ یہ ہے کہ یہ سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کی تکبیر کہتے ہوئے امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔یعنی تکبیر تحریمہ کہا یعنی تکبیر تحریمہ کیلئے ضروری ہے کہ کہنے والا اسے حالت قیام میں کہے اور اگر اس شخص نے جلدی میں جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں شمولیت کی صورت یہ پیدا ہوئی کہ یہ بہ نسبت قیام کے رکوع کے زیادہ قریب ہو گیا تو اسکی نماز فاسد ہے کیوں؟ اسلئے کہ یہ شخص صحیح طریقہ سے نماز شروع نہیں کر سکا اسلئے کہ تکبیر تحریمہ کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ محض حالت قیام میں ہو چونکہ یہ ضرورت نہیں پائی گئی اسلئے نماز نہ ہوئی۔

تیسرے مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص کبڑا ہو۔جسمانی ساخت کے اعتبار سے بظاہر حالت رکوع میں نظر آئے تو اسکے لئے ضروری

ہے کہ وہ حقیقتاً اپنا سر رکوع میں اپنے کبڑا پن کی بہ نسبت پست کرے تاکہ قیام سے رکوع کیطرف اسکا منتقل ہونا صحیح قرار پائے۔

چوتھا مسئلہ......عیون الفتاویٰ میں مذکور ہے جب کوئی شخص امام کے ایک سجدہ کر لینے کے بعد امام کو پائے پھر اس نے پہلے رکوع کیا پھر دو سجدے کئے تو اسکی نماز فاسد ہوگئی اور اگر اس نے امام کو رکوع کرنے کے بعد پایا جب کہ امام پہلے سجدے میں تھا تو اس شخص نے رکوع کیا اور سجدہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اسلئے کہ ایک رکعت سے کم اضافہ مفسد صلاۃ نہیں۔

تشریح

پہلی صورت میں نماز فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے امام کی اقتداء کرنے کی بجائے انفرادی طور پر نماز کی ایک رکعت شروع کردی حالانکہ اس کیلئے امام کی اقتداء ضروری تھی جسکا تقاضا یہ ہے کہ جس حالت میں بھی امام تھا یہ اسکے ساتھ شریک ہوجاتا اور دوسری صورت کی وضاحت یہ ہے کہ اس نے اگرچہ اکیلے رکوع کیا اور اسکا یہ رکوع کرنا نماز کی رکعت میں شمار نہیں لیکن اسکا یہ اضافی عمل ایک رکعت سے کم ہے جو نماز کیلئے مفسد نہیں۔

پانچواں مسئلہ......اگر مقتدی نے رکوع کیا پھر امام کے رکوع کرنے سے پہلے ہی سر اٹھالیا تو اسکا رکوع جائز نہ ہوگا اور اگر اس نے امام کو رکوع میں پالیا تو اسکا رکوع ٹھیک ہوگیا۔ جب کوئی شخص امام کے پاس ایسے وقت پہنچا کہ وہ رکوع میں تھا تو یہ تکبیر کہہ کر کھڑا رہا، حتیٰ کہ امام نے اپنا سر رکوع سے اٹھالیا تو یہ شخص اس رکعت کو پانے والا نہیں۔

تشریح

پہلی صورت کی وضاحت یہ ہے کہ مقتدی کیلئے اقتداء امام کی صورت میں اتباع امام ضروری ہے لھذا نماز کا کوئی کام بھی امام کی معیت میں کرنا ضروری ہے پہلے یا پیچھے کرنے سے وہ کام بے سود ہوگا۔ اسلئے اگر مقتدی امام کے رکوع کرنے سے پہلے رکوع کرکے فارغ ہوجائے تو اس رکوع کے عدم جواز میں کوئی شبہ نہیں لھذا اگر اس نے دوبارہ رکوع میں جاکر امام کے ساتھ شمولیت حاصل کرلی تو اسکی نماز ٹھیک ہوجائیگی ورنہ فاسد ہوگی۔ مصنف کی آئندہ عبارت کا یہی مفہوم ہے مگر امام زفر کے نزدیک پھر بھی نماز درست نہ ہوگی لیکن ہمارے باقی آئمہ کے نزدیک اسکی نماز ہوجائیگی اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع نہ پائے تو وہ مدرک رکعت نہیں بلکہ مسبوق ہے اسی طرح اگر کسی نے تکبیر کہہ کر رکوع کیا لیکن جونہی یہ رکوع میں پہنچا تو امام نے اپنا سر اٹھالیا اور وہ قیام کے قریب پہنچ گیا تو پھر بھی مدرک رکعت نہیں۔ البتہ امام زفر فرماتے ہیں کہ یہ مدرک رکعت ہوگیا۔

فائدہ

اگر کوئی شخص امام کو حالت رکوع میں پائے تو اسے دو تکبیریں کہہ کر امام کے ساتھ حالت رکوع میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اسکیلئے ایک ہی تکبیر کافی ہے البتہ بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر امام رکوع کر رہا تھا تو اسکے ساتھ شامل ہونے والے نے جلدی میں ایک ہی تکبیر کہی اور اس تکبیر سے تکبیر رکوع کا ارادہ کیا اور تکبیر تحریمہ کا ارادہ ترک نہ کیا تو بھی ٹھیک ہے البتہ اس کی یہ تکبیر تکبیر تحریمہ شمار ہوگی البتہ اسکی نیت لغو ہوجائیگی بشرطیکہ تکبیر حالت قیام میں کہی ہو۔

چھٹا مسئلہ......رکوع کے رکن ہونے کا تعلق اسی بات سے ہے کہ جس پر ادنیٰ طور پر رکوع کے نام کا اطلاق کیا جاسکے تو وہ

رکوع کہلائیگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کا یہی موقف ہے اور شرح میں بیان کیا گیا۔ اگر یہ شخص تین تسبیحات نہ کہے یا اتنی مقدار نہ ٹھہرے تو اسکا رکوع جائز نہیں اور سجدے کی رکنیت کا بھی یہی مفہوم ہے زادالفقہاء میں بیان کیا گیا کہ رکوع سجدے کی تسبیحات کا معمولی درجہ تین ہے اور درمیانہ درجہ پانچ ہے اور زیادہ کامل درجہ سات مرتبہ تسبیحات ہیں۔

شرح

طرفین کے نزدیک رکنیت رکوع کا معمولی درجہ **ما یطلق علیه اسم الرکوع** ہے یعنی معمولی طور پر جس پر رکوع کا اطلاق ہو سکے سے رکوع کہا جائیگا لیکن جو لوگ اطمینان اور اعتدال رکوع وسجدے کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں انکے نزدیک وجود رکوع کیلئے یہ صورت ٹھیک نہیں۔

مصنف کے کلام میں ذکر فی الشرح سے شرح اسبیجابی مراد ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ رکوع کیلئے ضروری ہے کہ اس میں تین تسبیحات ہوں یا اتنی مقدار ٹھہرے ورنہ رکوع نہ ہوگا۔ امام حلبی صغیری میں اسکے ذیل میں لکھتے ہیں۔ **هذا قول شاذ کقول ابی مطیع البلخی بفرضیة التسبیحات الثلاث فی الرکوع والسجود حتیٰ لو نقص واحدۃً لا تجوز رکوعهٗ ولا سجودهٗ** یعنی اسبیجابی نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک شاذ، غیر معتبر قول ہے۔ جس طرح ابو مطیع بلخی نے یہ کہہ دیا کہ رکوع وسجدے میں تین تسبیحات فرض ہیں اگر ایک بھی کم ہوگئی تو رکوع سجدہ نہ ہوگا۔ رکنیت رکوع کی طرح سجدے کی رکنیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اسکا معمولی درجہ **ما یطلق علیه اسم السجود** ہے اور وہ زمین پر پیشانی رکھ دینا ہے۔

مصنف نے زادالفقہاء کے حوالے سے رکوع وسجدے کی تسبیحات کے جو تین درجے قائم کئے ہیں اسکی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اسے تین مرتبہ ''**سبحان ربی العظیم**'' کہنا چاہئے اور یہ تسبیحات رکوع کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور جب کوئی سجدہ کرے تو اسے بھی تین مرتبہ ''**سبحان ربی الاعلیٰ**'' کہنا چاہئے اور یہ بھی ادنیٰ درجہ ہے۔ یہاں ادنیٰ سے مراد وہ درجہ ہے کہ جس سے سنت حاصل ہو جائے اسی لئے تین سے کم تسبیحات کہنا مکروہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تین ادنیٰ درجہ ہے اور جب طاق مرتبہ کہنا ہے تو اوسط پانچ ہے اور کمال سات ہے۔ اور منفرد نمازی جتنی چاہے تسبیحات پڑھ سکتا ہے البتہ امام تین تسبیحات سے اضافہ نہ کرے تاکہ لوگ تنگ نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو ان کے نمازیوں کی شکایت کرنے پر طویل نماز پڑھانے سے روک دیا تھا اور فرمایا تھا **افتانٌ یا معاذ** یعنی اے معاذ تو لوگوں کو فتنے میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اور خود حضور ﷺ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ آپ درمیانے انداز سے نماز پڑھایا کرتے تھے مگر تکمیل ارکان کا ضروری خیال رکھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز طویل پڑھانے کا ارادہ کرتا ہوں مگر چھوٹے بچوں کے رونے کی آوازیں مجھے اس کام سے باز رکھتی ہیں۔ اسی خیال سے کہ کہیں ان کی مائیں نماز کے معاملے میں فتنے میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا امام کو میانہ روی سے نماز پڑھانی چاہئے تاکہ لوگ دلبرداشتہ ہو کر نماز ہی نہ چھوڑ دیں یا کہیں اور نہ چلے جائیں تو مساجد کی رونق میں فرق آ جائے گا اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم اور راہِ اعتدال پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

سجدہ کا بیان

و الخامسة السجدة و هي فريضة تتأدى بوضع الجبهة و الانف و القدمين و اليدين و الركبتين و ان وضع جبهته دون انفه جاز بالاجماع و ان كان ذلك من غير عذر يكره و ان وضع انفه دون جبهته فكذلك عند ابي حنيفة رحمة الله عليه و قالا لا يجوز بالانف الا اذا كان بجبهته عذر و لو وضع خدّه او ذقنه لا يجوز و ان كان من عذر بل يؤمي و وضع اليدين و الركبتين ليس بواجب عندنا خلافاً لزفر و الشافعي رحمهما الله و لو سجد و لم يضع قدميه على الارض لا يجوز و لو وضع احدهما جاز و يكره و لو سجد بسبب الزحام على فخذه جاز و هو قول ابي حنيفة رحمه الله و ان سجد على ركبتيه لا يجوز و ان سجد على ظهر رجل و هو في الصلوة يجوز و ان سجد على ظهر رجل ليس في الصلوة لا يجوز و لو كان موضع السجود ارفع من موضع القدمين مقدار لبنتين منصوبتين جاز و الا فلا و اراد باللبنة لبنة بخارا و هي ربع ذراع و لو سجد على كور عمامته او فاضل ثوبه او على شئ طاهر جاز خلافا للشافعي رحمه الله و لو بسط كمه او ذيله على شئ نجس فسجد عليه لا يجوز و قيل في رواية يجوز و لو وضع كفيه او بسط خرقة على شئ طاهر للحر او للبرد او للتراب و سجد على ذلك جاز و الكلام في الكراهة و ان سجد على الثلج ان لم يلبّده و كان يغيب وجهه و لا يجد حجمه لم يجز و ان لبده جاز و على هذا اذا القي الحشيش فسجد عليه ان لبده جاز و الا فلا و كذا اذا سجد على التبن او المحلوج و ان لم يستقر جبهته لا يجوز و لو سجد على الارز و الجاورس او على الذرة لا يجوز و لو سجد على الحنطة او الشعير يجوز اما الارز و المحلوج اذا كان في الجوالق جاز و سئل نصير بن يحييٰ عمن يضع جبهته على حجر صغير هل يجوز ام لا قال ان وضع اكثر جبهته على الارض يجوز و الا فلا كذا في المحيط و ان لم يضع ركبتيه في السجدة على الارض يجوز و هو المختار

ترجمہ: پہلا مسئلہ:......نماز کا پانچواں فرض سجدہ ہے۔ نماز کے دیگر فرائض کی طرح سجدہ بھی فرض ہے۔ پیشانی، ناک، دو قدم، دو ہاتھ۔ دو گھٹنے زمین پر رکھنے سے یہ ادا ہوتا ہے۔ اگر اس نے پیشانی زمین پر رکھی لیکن اپنی ناک زمین سے نہ لگائی تو سجدہ بالاتفاق جائز ہے اگر یہ کام بغیر کسی عذر ہو تو مکروہ ہے اگر اس نے اپنی ناک زمین پر رکھی لیکن پیشانی نہ رکھی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے لیکن صاحبین نے فرمایا کہ صرف ناک زمین پر لگانے سے سجدہ نہیں ہوتا ہاں مگر اس حالت میں جب پیشانی میں کچھ عذر ہو اور اگر اس نے اپنے رخسار یا ٹھوڑی زمین پر رکھی تو سجدہ جائز نہیں اگر چہ کسی عذر سے ہو۔ لہٰذا اس صورت میں اشارہ کرے (اور سجدہ کے اشارے سے نماز ادا کرے)۔

تشریح

اس بحث میں مصنف نماز کے فرائض میں سے سجدے کی تفصیل کرنا چاہتے ہیں۔ سجدے کی لغوی تعریف یہ ہے کہ پیشانی زمین پر رکھنا۔ امام حلبی فرماتے ہیں کہ زمین سے مراد عام ہے خواہ سطح زمین ہو یا اس کے متصل کوئی چیز ہو جیسے تخت پوش وغیرہ اور اس میں بھی ضروری ہے کہ یہ قیام اور رکوع کی حد سے بالکل نکل جائے اور اس میں کمال یہ ہے کہ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دے۔

شرعی سجدے میں ضروری ہے کہ اسکے سات اعضاء زمین سے مس ہوں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "امرت ان اسجد علیٰ سبعة اعظم" یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور وہ یہ ہیں پیشانی، ناک اس میں شامل ہے، دو ہاتھ، دو گھٹنے، اور دو قدموں کے اطراف، اگر کسی نے ناک کے علاوہ صرف پیشانی زمین پر رکھی تو بالاتفاق سجدہ ہو جائیگا۔ اسلئے کہ ان دونوں کی ہڈی ایک ہے لیکن ایسا کرنا بغیر مجبوری کے مکروہ ہے۔ کتاب "مزید" اور "مفید" میں اسی طرح مذکور ہے۔ لیکن "تحفہ" اور "البدایہ" میں بیان کیا گیا کہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ لیکن پہلی بات زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو ناک اور پیشانی زمین پر لگاتے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ناک زمین سے لگائی مگر پیشانی نہ لگائی تو اس صورت میں بھی سجدہ جائز ہے اگر بغیر کسی عذر ایسا کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے البتہ صاحبین نے فرمایا کہ صرف ناک پر سجدہ جائز نہیں۔ ہاں اگر پیشانی میں کوئی عذر ہو تو اسکی گنجائش ہے، اسد بن عمرو نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کی۔ زاہدی میں ہے کہ مصنف نے ناک کا ذکر کیا جس سے اس طرف اشارہ کیا کہ ناک کے پورے بانسے پر سجدہ جائز نہیں۔ کیونکہ عربی میں الانف ناک کے سخت حصے کو کہتے ہیں لیکن اس میں ہڈی شامل نہیں۔ کفایۃ المجالس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص ناک کا بانسا زمین پر رکھے تو سجدہ نہ ہوگا لیکن اگر ناک کی ہڈی رکھے تو پھر سجدہ ہو جائیگا اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے سجدہ کرتے ہوئے رخسار یا ٹھوڑی زمین پر رکھی تو بالاتفاق سجدہ نہ ہوگا اگر چہ ایسا کرنا کسی عذر کی وجہ سے ہو۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا عذر پیدا ہو جائے تو یہ اشارے سے سجدہ کرے لیکن رخسار یا ٹھوڑی پر سجدہ نہ کرے کیونکہ عذر کی وجہ سے سجدہ کرنا ساقط ہو گیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲......زمین پر دو ہاتھوں اور دو گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک لازم نہیں البتہ امام زفر اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے اگر کسی نے سجدہ کیا لیکن دو قدم زمین پر نہ رکھے تو سجدہ جائز نہیں اور دو میں سے ایک رکھا تو جائز ہے مگر مکروہ

ہے اگر بھیڑ اور رش کی وجہ سے اپنی ران پر سجدہ کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن اگر گھٹنوں پر سجدہ کیا تو جائز نہیں اگر کسی نمازی نے کسی ایسے شخص کی پیٹھ پر سجدہ کیا جو نماز میں شامل نہیں تو ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر جائے سجدہ دو قدموں کے مقام سے اونچی ہو یعنی دو کھڑی اینٹوں کی مقدار ہو تو سجدہ جائز ہے ورنہ نہیں اینٹ سے مراد بخارا کی اینٹ ہے جسکی مقدار چوتھائی ہاتھ ہے۔

تشریح

مصنف کے کلام میں واجب سے مراد فرض ہے بلکہ ہمارے نزدیک سنت مراد ہے امام زفر اور امام شافعی کا اسمیں اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا لگانا فرض ہے اگر کسی نے ہاتھ اور گھٹنے اٹھائے رکھے تو شیخین کے نزدیک سجدہ نہ ہوگا۔ امام احمد کا بھی یہی مؤقف ہے لیکن ہمارے نزدیک سجدہ ان کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔ اسکی پوری تفصیل کبیری میں موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ صرف زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے باقی چیزیں اس میں شامل نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے دونوں قدم یا ان میں سے ایک قدم زمین پر نہ رکھا تو پھر بھی سجدہ نہ ہوگا بعض نے فرمایا کہ اگر ان میں سے ایک رکھے تو سجدہ ہو جائیگا لیکن کراہت ہوگی اسکی مثال اس طرح ہے جس طرح ایک قدم پر کھڑا ہو بعض نے کہا ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں۔ امام تمرتاشی نے بیان فرمایا کہ دو ہاتھ اور دو قدم عدم فرضیت میں برابر ہیں اکمل نے فرمایا کہ یہی حق ہے لیکن امام حلبی لکھتے ہیں کہ امام موصوف سے ایسی نقل، عقل و نقل کے خلاف ہے بعید ہے اور قدم رکھنے سے مراد اسکی انگلیاں رکھنی ہیں اگر چہ ایک انگلی ہو۔ اگر اس نے ایک انگلی رکھی یا بغیر انگلیوں کے قدم کی پشت رکھی اگر انگلیوں سمیت پشت رکھی تو سجدہ صحیح ہے ورنہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وضع الاصابع سے مراد انگلیوں کا قبلہ رخ کرنا ہے تا کہ ان پر اعتماد ہو جائے ورنہ قدم کی پیٹھ رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا اعتبار نہیں اس بات کو کسی قدر سمجھنا ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ ان پر ہجوم کی وجہ سے سجدہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر اس کے اندر کوئی ایسا عذر ہو کہ ران بغیر یہ کسی چیز پر سجدہ نہ کر سکے تو مختار قول کے مطابق اپنی ران پر سجدہ کر سکتا ہے لیکن بعد عذر ایسا کرنا جائز نہیں۔ خلاصہ میں یہی مذکور ہے۔ اگر اس نے زمین پر ہتھیلی رکھ کر اس پر سجدہ کیا تو صحیح قول کے مطابق یہ جائز ہے اگر چہ عذر نہ ہو۔

مصنف نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ران پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ دو اماموں سے اس بارے میں مخالفت مروی نہیں اگر کسی نے اپنے دو گھٹنوں پر سجدہ کیا تو عذر ہوے نہ ہو یہ جائز نہیں۔ زاہدی نے امام حسن بن زیاد کے حوالے سے یہ فرمایا اگر کوئی عذر ہو تو ران پر یا گھٹنوں پر سجدہ کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اگر اس نے کسی ایسے شخص کی پیٹھ پر سجدہ کیا کہ وہ ساجد کی نماز میں شامل ہے تو سجدہ جائز ہے اور اگر کسی ایسے شخص کی پشت پر سجدہ کیا جو نماز میں شامل نہیں تو سجدہ نہ ہوگا اس لئے کہ جب نماز میں اشتراک ہو تو ضرورت پیدا ہوتی ہے ورنہ نہیں اور یہ جواز ہجوم اور رش کی صورت میں ہے ویسے نہیں۔ اس سلسلے میں آخری بات جو مصنف نے بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ اگر مقام سجدہ مقام قدمین سے اونچا ہو اور بلندی دو کھڑی اینٹوں کی مقدار ہو تو سجدہ جائز ہے اگر اس سے زیادہ ہو تو جائز نہیں اور اینٹوں سے مراد بخارا کی اینٹیں ہیں ان کی مقدار چوتھائی ہاتھ ہے اور چوڑائی چھ انگلیوں کی مقدار ہے تو پھر دو کھڑی اینٹوں کی بلندی نصف ہاتھ کی مقدار ہے جو بارہ انگلیاں بنتی ہیں۔ زاہدی میں ہے کہ اگر بیمار دکان پر سجدہ کرے تو جائز ہے جس طرح

درست کرے تو ٹھیک ہے۔

مسئلہ نمبر۳......اگر کسی نے پگڑی کے پیچ پر یا اپنے زائد کپڑے پر یا کسی پاک چیز پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔اور اگر اس نے اپنی آستین یا اپنے دامن کو کسی ناپاک چیز پر پھیلا یا پھر اس پر سجدہ کیا تو یہ جائز نہیں اور ایک روایت میں کہا گیا کہ جائز ہے اور اگر اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں رکھیں یا کسی پاک چیز پر کوئی کپڑا پھیلایا اور اس پر سجدہ کیا تا کہ گرمی یا سردی یا مٹی سے بچ جائے تو یہ جائز ہے البتہ اس کے مکروہ ہونے میں کلام ہے۔

شرح

مصنف کے کلام میں کور عمامۃ سے پگڑی کے بل مراد ہیں جب یہ پگڑی کو گھمائے اور اسے سر پر لپیٹے تو اس وقت کہا جاتا ہے کار لعمامۃ و کوّ رھا اذا ادارھا ولنھا وھذہ العمامۃ عشرۃ اکوارِ ای ادوار یعنی اس نے اپنی پگڑی کو گھمایا اور اپنے سر پر لپیٹا اور یہ پگڑی دس پیچ ہے۔فاضل کپڑے سے مراد وہ ہے جسے اس نے پہنا ہوا س مسئلے میں امام شافعی اور امام احمد کا اختلاف ہے ان دونوں کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں۔ہمارے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے کہ طبرانی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ حضور ﷺ اپنی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔حسن بصری فرماتے ہیں کہ لوگ پگڑیوں پر اور ٹوپیوں پر سجدہ کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی جس کے زائد حصے سے گرمی سردی سے بچاؤ کیا کرتے تھے۔

امام حلبی لکھتے ہیں کہ پگڑی کے پیچ پر سجدہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس پر یہ سجدہ کیا وہ پیشانی سے متصل ہو لیکن اگر اس نے کسی ایسی چیز پر سجدہ کیا جو پیشانی کے اوپر سے اتصال رکھتی ہے تو سجدہ جائز نہیں اور اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے سجدے میں زمین کا حجم محسوس کرے جس طرح روئی پر سجدہ کرنا۔ان ساری باتوں کے باوجود اگر بغیر کسی عذر کے اس نے اس طرح کیا تو مکروہ ہے چنانچہ تجنیس میں فرمایا کہ اس میں ترک تعظیم ہے لہٰذا ایسا نہیں کرنا چاہئے۔دوسری صورت میں سجدہ جائز نہیں زیادہ صحیح قول یہی ہے اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جائز ہے امام مرغینانی نے اس کی تصحیح کی لیکن یہ ٹھیک نہیں۔اگر اس نے کسی پاک جگہ دوبار سجدہ کر لیا تو نماز ٹھیک ہو جائیگی تیسری صورت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس نے دونوں ہتھیلیاں یا کپڑا کسی پاک چیز پر بچھایا تو گرمی سردی سے بچنے کیلئے ان پر سجدہ کیا اور مٹی سے محفوظ ہونے کیلئے ایسا کیا تو یہ صورت جائز ہے البتہ مکروہ ہے۔ہتھیلیوں پر بغیر کسی عذر سجدہ کرنا مکروہ ہے کپڑے پر سجدہ کرنا صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔

امام حلبی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد حرام میں اپنے کپڑے پر سجدہ کیا تو انہیں کسی آدمی نے روکا تو امام صاحب نے فرمایا کہ تو کہاں سے آیا ہے اس نے کہا کہ میں خوارزم کا رہنے والا ہوں امام نے فرمایا کیا تمہارے شہروں میں ایسا نہیں کرتے کیا وہ بردی پر نماز نہیں پڑھتے اس نے کہا ہاں تو امام صاحب نے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ گھاس پر نماز پڑھنی تو جائز ہو اور کپڑے پر جائز نہ ہو۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو پاک چیز زمین پر بچھائی جائے اس پر بغیر کراہت سجدہ ہو سکتا ہے۔البتہ امام مالک کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو چیز از قسم زمین نہ ہو اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔جیسے کھال،ٹاٹ اور روئی اور کتان سے بنی ہوئی چیزیں۔ان کے نزدیک ان چیزوں پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔عبارت میں ہتھیلی کے ساتھ طاہر کی قید لگائی گئی تو یہ قید ہتھیلی کے لئے ضروری ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ کسی پاک چیز پر ہتھیلی رکھے لیکن اگر کپڑا وغیرہ کسی نجس چیز پر بچھایا اور نجاست کے اثرات اس تک نہ پہنچے تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے۔چنانچہ اسکی

پوری تفصیل نجاست کی بحث میں گزر چکی۔ گرمی سردی سے بچاؤ کے لئے کپڑا بچھانا اس میں کوئی حرج نہیں۔ مٹی سے بچنے کیلئے کپڑا بچھانے کی دو صورتیں ہیں اگر اس نے کپڑا بچھایا کہ پگڑی اور کپڑے کو مٹی نہ لگے تو مکروہ نہیں اور اگر اس لئے بچھایا کہ پیشانی بچ جائیں باوجود یکہ اسے کوئی نقصان نہیں تو ایسا کرنا مکروہ ہے جو کوئی جُبہ وغیرہ پر نماز پڑھے تو اس کے کندھوں کا حصہ پاؤں کے نیچے رکھے اور اس کے دامن پر سجدہ کرے کیونکہ اس میں زیادہ عجز و انکسار ہے۔

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی نے برف پر سجدہ کیا اگر وہ جمی ہوئی نہ ہو اور اس میں اس کا سر ڈوب جائے اور یہ اس کا حجم یا ٹھوس پن نہ پائے تو سجدہ جائز نہیں اور اگر وہ جم گئی ہے تو سجدہ جائز ہے اسی کے مطابق اگر گھاس ڈالے اور اس پر سجدہ کیا اگر اسکی تہ بند ہوگئی ہے اور سخت چیز کی طرح ہوگیا ہے کہ جس سے سجدہ کرنا آسان ہے تو یہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح جب کسی نے خشک گھاس یا دھنی ہوئی روئی پر سجدہ کیا اگر اسکی پیشانی برقرار نہ ہوئی تو سجدہ جائز نہیں اگر کسی نے چاول یا باجرہ یا کنگنی پر سجدہ کیا تو عام حالات میں جائز نہیں اور اگر اس نے گندم یا جو پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ چاول یا دھنی ہوئی روئی جب کسی بوری میں ہوں تو اس پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ امام نصیر بن یحیٰی سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ جو اپنی پیشانی سجدہ کرنے کے لئے کسی چھوٹے پتھر پر رکھتا ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر پیشانی کا زیادہ حصہ زمین پر ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اسی طرح محیط میں مذکور ہے۔ اگر کسی نے اپنے دونوں گھٹنے سجدے میں زمین پر نہ رکھے تو جائز ہے یہی پسندیدہ قول ہے۔

تشریح

یہاں مصنف چند فقہی مسائل اس بحث کی مناسبت سے ذکر کرتے ہیں۔ پہلی صورت برف پر سجدہ کرنا جس کے بارے میں مصنف نے ان لم یلبدہ کی قید لگائی جس کا مطلب یہ ہے کہ برف کے اجزاء ایک دوسرے میں گھس کر یک جان نہ ہوگئے ہوں اور سجدہ کرنے والا اس کا حجم نہ پائے یعنی اس کا جسم ٹھوس اور سخت نہ ہو جائے تو اس پر سجدہ جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں پیشانی زمین پر برقرار نہیں رہتی۔ اور اگر اجزائے برف مل جل کر ٹھوس بنا دیں تو پھر سجدہ جائز ہے۔ گھاس خواہ خشک ہو یا تر اگر وہ تہ بہ تہ ہو کر ایسی صورت اختیار کرے گی نمرے کی صورت ہو گیا ہو کہ پیشانی رکھنے والے کی پیشانی نیچے نہ گھس جائے تو سجدہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ اس طرح کی چیزوں میں یہی حکم ہے۔

اور اس میں ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس پر سجدہ کرنا چاہے وہ ٹھوس اور سخت قسم کی ہو کہ سجدہ کرنے والے کی پیشانی اس پر ٹک جائے تو ایسی چیز پر سجدہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ چاول اور باجرہ اور کنگنی وغیرہ اگر ڈھیر کی صورت میں موجود ہوں تو ان پر سجدہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ نرم اور لیس دار ہوتے ہیں پس ان پر پیشانی ٹھہر نہیں سکتی جبکہ سجدہ میں پیشانی کا ٹھہرنا ضروری ہے اور اس کے مقابل گندم اور جو پر سجدہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ ان کے جو دانے ہیں ان میں کسی قدر سختی اور باہم اتصال ہوتا ہے اس لئے ان پر سجدہ کرنے کی گنجائش ہے اگر کنگنی اور دھنی ہوئی روئی بوری میں ہوں تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان میں حرکت اور تـخـلـخـل نہ ہو کہ پیشانی اس میں گھس جائے تو سجدہ ٹھیک ہے۔ چھوٹے پتھر پر پیشانی رکھنے کے بارے میں امام موصوف نے جو کچھ بیان فرمایا کہ پیشانی کا زیادہ حصہ زمین پر اور کچھ حصہ پتھر پر ہو تو اس پر سجدہ جائز ہے اس لئے کہ وہ بھی از قسم زمین ہے ورنہ نہیں۔ طول میں پیشانی کی حد ایک کنپٹی سے لے کر

دسری تک ہے اور عرض میں ابرو کے نیچے سے لے کر کھوپڑی کے کنارے تک ہے۔

نماز کا چھٹا فرض قعدہ آخیر کا بیان

و السادسة القعدة الاخيرة و قدر الفرض مقدار قراء ة التشهد و تظهر فرضيتها في هذه المسائل الاولىٰ رجل صلى الظهر خمسا و لم يقعد على رأس الرابعة بطلت فرضيته و تحولت صلاته نفلا و يضم السادسة و الثانية المسافر اذا اقتدى بالمقيم في فائتة لا يصح لان القعدة الاولى فرض في حق المسافر فيكون كاقتداء المفترض بالمتنفل و الثالثة اذا تذكر بعد تمام الصلوة سجدة التلاوة فعاد اليها ارتفعت القعدة حتى انه لو لم يقعد قدر التشهد بعد ما سجد فسدت صلاته و الرابعة اذا نام في القعدة الاخيرة كلها فلما انتبه بفرض عليه ان يقعد قدر التشهد و ان لم يقعد فسدت صلاته لان الافعال في الصلوة حالة النوم لا تحتسب كما اذا قرأ نائما او ركع او سجد نائما و هذه المسألة يكثر وقوعها لا سيما في التراويح و الناس عنها غافلون –

ترجمہ:

نماز کے اندرونی فرائض میں سے چھٹا فرض آخری قعدہ ہے یعنی نماز میں آخری مرتبہ بیٹھنا ہے۔

پہلا مسئلہ:......اس قعدہ میں مقدار فرض بقدر تشہد قرأت کرنا ہے اور اسکا فرض ہونا ان مسائل یعنی درج ذیل مسائل میں ظاہر ہوتا ہے۔

ا۔پہلا......ایک شخص نے نماز ظہر کی پانچ رکعت پڑھ ڈالیں اور چوتھی رکعت کے سرے پر نہ بیٹھا تو اسکی نماز کی فرضیت باطل اور اسکی ساری نماز فرائض کے بجائے نفل ہوگئی۔لھذا وہ شخص پانچ رکعتوں کیساتھ ایک اور چھٹی رکعت ملائے (تا کہ اسکے چھ رکعت نوافل ہو جائیں)۔

۲۔دوسرا......اگر کوئی مسافر فوت شدہ نماز میں کسی مقیم شخص کی اقتداء کرے تو یہ صحیح نہوگی۔اس لئے کہ قعدہ اولیٰ درحق مسافر فرض ہے (اس لئے کہ وہ مسافر کے حق میں دوگانہ کیصورت میں آخری قعدہ ہونیکی وجہ سے فرض کی حیثیت رکھتا جبکہ مقامی کے حق میں وہ واجب ہونیکی حیثیت رکھتا ہے) تو پھر یہ اقتداء ایسی ہوگی جیسے فرض پڑھنے والا نفل ادا کرنیوالے کی اقتداء کرے۔

۳۔تیسرا...... جب کسی شخص کو نماز پوری کرنیکے بعد سجدہ تلاوت یاد آیا اور وہ سجدہ تلاوت کرنیکی طرف لوٹا تو اسکا قعدہ ختم

ہوگیا۔ پھر اگر وہ شخص سجدہ تلاوت کرنے کے بعد مقدار تشہد نہ بیٹھا تو اسکی نماز فاسد ہوگئی۔

۴۔ چوتھا......اگر کوئی شخص پورے آخری قعدہ میں سوگیا۔ پھر جب وہ بیدار ہوا تو اسپر لازم ہے کہ وہ بقدر تشہد قعدہ کرے یعنی اتنی مقدار بیٹھے۔ اگر وہ نہ بیٹھا تو اسکی نماز فاسد ہوگئی اس لئے کہ سونے کی حالت میں نماز کے جتنے کام ہیں وہ شمار نہیں ہوتے۔ پس اسکی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح کوئی شخص سوئے ہوئے قرأت کرے یا رکوع یا سجدہ کرے (تو اس حال میں یہ سارے کام نماز میں شمار نہ ہونگے بالکل اسی طرح قعدہ بھی نماز میں شمار نہ ہوگا) یہ مسئلہ زیادہ تر واقع ہوتا ہے خصوصاً نماز تراویح میں اکثر، بیشتر پیش آتا ہے مگر لوگ اس سے بے خبر اور ناواقف ہیں (لھذا اسکو یاد رکھنا ضروری ہے)

تشریح

نماز کے اندرونی فرائض میں سے چھٹا فرض نماز کا آخری قعدہ ہے جو نماز کے آخر میں کیا جاتا ہے اگر چار رکعت والی نماز ہو تو اس میں دو قعدے ہونگے ایک پہلا قعدہ اور ایک دوسرا قعدہ۔ یہ دوسرا آخری قعدہ قرار پائیگا۔ اس قعدہ میں تشہد کی مقدار قرأت کرنا فرض ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اصحابی سے ارشاد فرمایا کہ جب تونے یہ کہا یا یہ کام کیا تو تیری نماز پوری ہوگئی یہاں آپ نے نماز کے پورا ہونے کو دو چیزوں میں سے کسی ایک پر موقوف رکھا۔ پہلی چیز کہ زبان سے کلمات تشہد پڑھنا دوسری چیز اتنی مقدار بیٹھنا۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشہد پڑھنا یا اتنی مقدار بیٹھنا ان دونوں میں سے جو بھی نمازی نے کیا فرض ادا ہوگیا اور تشہد سے مراد التحیات سے لے کر عبدہٗ و رسولہٗ تک پڑھنا ہے ایسا نہیں کہ جیسا بعض لوگوں نے سمجھا کہ لفظ شہادتین کہنا ہے۔ آخری قعدہ کی فرضیت کا ثمرہ چند مسائل میں ظاہر ہوتا ہے جنہیں مصنف نے ایک ترتیب سے شمار کیا ہے۔ پہلا مسئلہ ایک آدمی نے ظہر کی چار رکعتوں کی بجائے پانچ پڑھ ڈالیں یعنی پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا اور چوتھی رکعت کے سرے پر نہ بیٹھا تو اسکی فرض نماز نوافل میں بدل جائیگی لھذا اسے چاہئے کہ ان پانچ رکعتوں کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے تاکہ چھ نفل ہوجائیں۔ فرائض کا نوافل سے بدل جانا شیخین کے نزدیک ہے۔

لیکن امام محمد اس سے اختلاف رکھتے ہیں ان کے نزدیک اصل ہی سے نماز باطل ہوگئی اور وہ نماز ہونے کی حیثیت سے نکل گئی۔ اسکی وجہ کہ امام محمد کے نزدیک اگر کسی نماز کا وصف باطل ہوجائے تو وہ اصل ہی سے باطل ہوجاتی ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک بطلان وصف بطلان تحریمہ کو چاہتا ہے یعنی جب وصف باطل ہوتو نماز کی تکبیر تحریمہ باطل ہوگئی اور جب نماز کی تکبیر تحریمہ ہی باقی نہ رہی تو نماز کس طرح باقی رہ سکتی ہے۔ مغرب اور صبح کی نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسرا مسئلہ کہ کسی مسافر نے مقامی امام کی اپنی فوت شدہ نماز میں اقتداء کی تو یہ اقتداء صحیح درست نہیں کیونکہ پہلا قعدہ مسافر کے حق میں فرض ہے جبکہ مقیم کے حق میں ایسا نہیں تو اس صورت میں مسافر کا اسکی اقتداء کرنا اس طرح ہوگا جس طرح فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرے اور ظاہر ہے کہ یہ صورت جائز نہیں مصنف نے مسافر کی نماز میں فوت شدہ نماز کی قید اسلئے لگائی کہ اگر مسافر وقتی نماز میں اقتداء کرے تو اس کی اقتداء صحیح ہے اسلئے کہ امام کی اقتداء کی وجہ سے اس کے فرض چار ہوگئے لیکن ایسا وقت میں ہوسکتا ہے وقت گزر جانے کے بعد نہیں ہوسکتا۔

تیسرا مسئلہ......ایک نمازی نے پوری نماز پڑھ لینے کے بعد سجدہ تلاوت جو اس کے ذمے رہ گیا تھا اسے یاد کیا پھر وہ آخری قعدہ کرلینے کے بعد سجدہ تلاوت کی طرف لوٹا تو اس کا قعدہ باطل ہوگیا لھذا اگر سجدہ تلاوت کرنے کے بعد دوبارہ قعدہ نہ کرے تو اسکی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ نماز کا ایک ضروری فرض آخری قعدہ رہ گیا۔

چوتھا مسئلہ......ایک نمازی پورے آخری قعدہ میں سورہا پھر بیدار ہوا تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ بقدر تشہد بیٹھے اور اگر نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہوگئی۔

اس لئے کہ نیند کی حالت میں جتنے افعال نماز میں شمار نہیں ہوتے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اختیار سے نہیں ادا ہوتے بلکہ غیر شعوری طور پر ادا ہو جاتے ہیں۔اسکی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی شخص حالت نوم میں قرأت کرے یا قیام کرے یا رکوع کرے تو ان سب کاموں کا نماز میں شمار نہ ہوگا۔امام حلبی لکھتے ہیں کہ قیام ،قرأت ،رکوع ،سجود اس میں تو یہی متفقہ بات ہے کہ یہ سب حالت نوم میں ادا بھی ہوں تو نماز میں شمار نہیں۔لیکن آخری قعدہ کے بارے میں بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ حالت نوم میں ادا کیا جائے تو اس کا اعتبار ہے لیکن زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ وہ بھی اس حالت میں معتبر نہیں اس لئے کہ وہ دوسرے افعال کی طرح اجزاء صلوٰۃ ہے لھذا اسے بغیر اختیار ادا کرنا معتبر نہیں امام حلبی فرماتے ہیں کہ حالت نوم میں نماز کے بعض افعال کا ادا کرنا بسا اوقات ہو جاتا ہے خاصکر موسم گرما کی نماز تراویح میں اکثر و بیشتر اس طرح ہو جایا کرتا مگر لوگ اس باریک مسئلہ سے بالکل بے توجہ اور غافل ہیں۔لھذا اس طرف انہیں متوجہ ہونا چاہئے تاکہ نماز میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی واقع نہ ہو۔

(نماز کا ساتواں فرض،)نماز سے خروج کا بیان اور اس پر مبنی مسائل

و السابعة الخروج من الصلوة بفعل المصلي فرض عند ابی حنيفة رحمة الله عليه خلافا لهما حتى ان المصلي اذا حدث عمداً بعد ما قعد قدر التشهد او تكلم او عمل عملاً ينافي الصلوة تمّت صلاته بالاتفاق و ان سبقه الحدث من غير عمد منه في هذه الحالة فكذلك عند هما و قال ابو حنيفة رحمة الله عليه يتوضأ و يقعد و يخرج من الصلوة بفعله قصد او يبتني على هذا مسائل المتيمم اذا راى الماء بعد ما قعد قدر التشهد او كان ماسحاً على الخف فانقضت مدة مسحه او خلع خفيه بعمل يسير او كان امّياً فتعلم سورة او عاريا فوجد ثوبا او مومياً فقدر على الركوع و السجود او تذكر ان عليه صلوة قبل هذه الصلوة او احدث الامام القاری فاستخلف اميا او طلعت عليه الشمس في صلوة الفجر او دخل وقت العصر في الجمعة او كان ماسحاً على الجبيرة فسقطت عن برء او كان صاحب عذر فانقطع عذره ففي هذه المسائل فسدت صلوته عند ابی حنيفة رحمة الله عليه و قالا تمت صلوته

ترجمہ: پہلا مسئلہ:......نماز کے اندرونی فرائض میں سے ''ساتواں فرض'' نمازی کا اپنے کام کے ساتھ نماز سے باہر نکلنا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض ہے لیکن صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے

بعد کوئی نمازی دیدہ دانستہ بے وضو ہو جائے یا اس نے کوئی ایسی بات کر ڈالی یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے (تو ان ساری صورتوں میں) اسکی نماز بالاتفاق پوری ہوگئی۔ اگر چہ اسے اس حالت میں حدث عارض ہو جائے۔ صاحبین کا یہی مؤقف ہے۔ لیکن امام صاحب نے فرمایا (وہ اس صورت میں) وضو کرے اور بیٹھ کر خود اپنے فعل کیساتھ نماز سے باہر نکلے۔ اور اسپر آئندہ چند مسائل مبنی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۲۔ دوسرا مسئلہ:...... تیمم کرنیوالے نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھ لیا۔

۳۔ تیسرا مسئلہ:...... ایک آدمی نے موزوں پر مسح کیا پھر اسکے مسح کی مدت پوری ہوگئی۔

۴۔ چوتھا مسئلہ:...... ایک شخص نے معمولی کام سے اپنے دونوں موزے اتار ڈالے۔

۵۔ پانچواں مسئلہ:...... ایک آدمی ان پڑھ تھا۔ پھر اس نے کوئی سورت سیکھ لی (اور وہ اسکا عالم ہوگیا)۔

۶۔ چھٹا مسئلہ:...... ایک شخص ننگا تھا پھر اس نے کپڑے پائے (یعنی کپڑے مل گئے)۔

۷۔ ساتواں مسئلہ:...... ایک آدمی اشارہ سے نماز پڑھ رہا تھا کہ وہ رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر ہوگیا۔

۸۔ آٹھواں مسئلہ:...... کسی شخص کو دوران نماز یاد آیا کہ اس سے پہلے اسکے ذمے نماز رہ گئی ہے۔

۹۔ نواں مسئلہ:...... کوئی قاری بے وضو ہوگیا اور اس نے اپنی جگہ کسی ان پڑھ کو خلیفہ بنالیا۔

۱۰۔ دسواں مسئلہ:...... ایک آدمی نماز فجر پڑھ رہا تھا کہ دوران نماز سورج طلوع ہوگیا۔

۱۱۔ گیارہواں مسئلہ:...... نماز جمعہ ہو رہی تھی کہ اسمیں نماز عصر کا وقت داخل ہوگیا۔

۱۲۔ بارہوں مسئلہ:...... کسی نے زخم کی پٹی پر مسح کیا اور وہ پٹی زخم ٹھیک ہو جانیکی وجہ سے گرگئی۔

۱۳۔ تیرہواں مسئلہ:...... ایک شخص معذور اور صاحب عذر تھا کہ اسکا وہ عذر ختم ہوگیا۔ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک افراد مذکورہ کی نماز فاسد ہوگئی جبکہ صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہوگئی۔

نماز کا آٹھواں فرض تعدیل ارکان

واجبات کا بیان

و الثامنة تعديل الاركان عند ابی یوسف فرض و عندهما رحمهما الله من الواجبات و ما سواه من الواجبات تعيين قرائة الفاتحة و القرائة فى الاولیين و الاقتصار فيهما على مرة و تقديمها على السورة و ضم السورة او ما يقوم مقامها من الأيات اليها و الجهر فيما يجهر و المخافتة فيما يخافت و قرائة القنوت فى الوتر و قرائة التشهد فى القعدتين و فى رواية فى القعدة الاخيرة فقط و القعدة الاولىٰ و سجدة التلاوة و سجدة

السھو و تکبیرات العیدین و الانتقال من الفرض الیٰ الفرض

ترجمہ: نماز کے جملہ فرائض میں سے آٹھواں فرض ارکان نماز کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا۔امام ابو یوسف کے نزدیک (اس حدیث کیوجہ سے) فرض ہے (جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے)۔لیکن شیخین کے نزدیک یہ نماز کے واجبات میں سے ہے اوراس کے علاوہ نماز میں باقی واجبات ہیں، جو یہ ہیں:-

نمبر ا: سورۃ فاتحہ کو نماز کے لئے معین کرنا۔نمبر ۲: پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا۔نمبر ۳: دونوں رکعتوں میں ایک مرتبہ سورۃ پڑھنے پر اکتفا کرنا۔نمبر ۴: سورۃ فاتحہ کو کسی سورۃ سے پہلے پڑھنا۔نمبر ۵: کوئی سورۃ یا چند آیتیں سورۃ فاتحہ سے ملانا یا اس جیسے آیات کا ملانا۔نمبر ۶: اور مقام جہر میں اونچی آواز سے پڑھنا اور اخفاء میں آہستہ آواز سے پڑھنا۔نمبر ۷: نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھنا۔نمبر ۸: دونوں قعدوں (پہلا اور آخری) میں تشہد (التحیات عبدہ ورسولہ تک) پڑھنا۔نمبر ۹: اور ایک روایت صرف آخری قعدہ میں تشہد پڑھنا۔نمبر ۱۰: قعدہ اولیٰ۔نمبر ۱۱: سجدہ تلاوت ادا کرنا۔نمبر ۱۲۔سجدہ سہو نکالنا۔نمبر ۱۳: دو عیدوں کی تکبیریں کہنا۔نمبر ۱۴: ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف جانا۔

تشریح

مصنف نے اتفاقی فرائض ذکر کرنے کے بعد دو اختلافی فرائض کا ذکر فرمایا ہے۔پہلا اختلافی فرض امام ابوحنیفہ کے نزدیک نمازی کا اپنے اختیار سے نماز سے باہر نکلنا ہے۔اور دوسرا اختلافی فرض امام ابو یوسف کے نزدیک تعدیل ارکان ہے۔یہ دونوں اختلافی فرض بعض کے نزدیک فرائض میں شمار ہیں۔جبکہ عام فقہاء کرام کے نزدیک واجبات میں شامل ہیں۔تعدیل ارکان کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے ہر رکن کو نماز پڑھنے والا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے۔امام ابو یوسف کے نزدیک یہ فرائض صلوٰۃ میں شامل ہے۔

ارکان نماز کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا تکمیل ارکان کیلئے ضروری ہے۔چنانچہ کمال ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ قومہ، جلسہ وغیرہ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا واجب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر دوام فرمایا۔بعض نے اس سلسلے میں شدت اختیار کی۔حتیٰ کہ اگر انکو بھول کر چھوڑ دے تو سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔اور اگر دانستہ چھوڑ دے تو شدید کراہت ہے۔دوسری بات ہمارے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنی واجب ہے جبکہ دوسرے تین اماموں کے نزدیک فرض ہے۔دونوں کے دلائل وشواہد بڑی اور مبسوط کتابوں میں مذکور ہیں۔

چند الفاظ کی تشریح

۱-	الثامنة	آٹھواں۔
۲-	تعدیل	یہ باب تفعیل کا مصدر ہے اسکا مجرد "عدل" ہے جس کا معنیٰ دو چیزوں میں برابری اور مساوات برتنا۔
۳-	ارکان	یہ رکن کی جمع ہے اور رکن کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا جزء، اور تعدیل الارکان" کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے اجزاء میں برابری اور مساوات اختیار کرنا یعنی ٹھہر ٹھہر کر پورے سکون اور اطمینان سے انہیں ادا کرنا۔
۴-	تعیین	کسی چیز کو معین اور مقرر کرنا۔

۵- اولیین — یہ اولیٰ کا تثنیہ ہے یعنی دو پہلی رکعات۔

۶- اقتصار — اکتفاء کرنا۔

۷- مرّۃ — ایک مرتبہ۔

۸- تقدیم — کسی چیز کو آگے کرنا۔ مصدر باب تفعیل سے۔

۹- ضم — ملانا۔ یہ باب نصر ینصر کا مصدر ہے۔

۱۰- سورۃ — قرآن مجید کا وہ حصہ جسکا اول و آخر اور مستقل نام ہو۔

۱۱- آیات — یہ آیت کی جمع بمعنیٰ نشانی قرآن مجید کا چھوٹا طلب خیز حصہ۔

۱۲- الجھر — بلند آواز۔

۱۳- المخافۃ — آہستہ آواز۔

۱۴- التشھد — اول سے عبدہٗ ورسولہٗ تک بیٹھ کر نماز میں دعائیہ مخصوص کلمات پڑھنا۔

۱۵- قعدتین — یہ قعدہ کا تثنیہ ہے بمعنیٰ ایک مرتبہ بیٹھنا۔ یہاں نماز میں بیٹھنا مراد ہے۔

۱۶- قعدہ اولیٰ و اخیرہ — اگر دو سے زائد رکعات والی نماز ہو تو پہلی دفعہ بیٹھنے کو قعدہ اولیٰ اور آخری بیٹھنے کو قعدہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔

۱۷- سجدہ تلاوت — قرآن مجید میں ۱۴ آیات ایسی ہیں کہ جنکے پڑھنے سے سامع اور قاری دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اسے آئمہ فقہ سجدہ تلاوت کہا کرتے ہیں۔

۱۸- سجدۃ السھو — یعنی اگر نماز بھول جائے اصلاح نماز کے لیے سجدہ کرنا سجدہ سہو کہلاتا ہے۔

۱۹- تکبیرات — یہ تکبیرۃ کی جمع ہے اور تکبیر کے معنیٰ ہیں اللہ اکبر کہنا۔

۱۰- العیدین — یہ عید کا تثنیہ ہے یہاں دو عیدوں سے چھوٹی اور بڑی عید مراد ہے جو اسلام میں پورے سال میں دو مرتبہ آتی ہے پس چھوٹی عید کو عید الفطر اور بڑی عید کو عید الاضحیٰ کہا جاتا ہے۔

۲۱- الانتقال — ایک محل سے دوسرے محل کی طرف جانا۔ "انتقال" کہلاتا ہے۔

۲۲- فرض — اسلام کا اعلیٰ اور قطعی حکم کہ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

۲۳- واجب — درجہ دوم حکم جس میں فرض کی طرح قطعیت نہ ہو۔

بقیہ تشریح عبارت

مصنف علیہ الرحمۃ نے تعدیل ارکان (جس کو امام ابو یوسف کے نزدیک بر بنائے بعض دلائل فرض ہے) جیسا کہ عام کتب فقہ میں اختلاف مذکور ہے۔ اب اسکے بعد مصنف نماز کے عام واجبات ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱- سورۃ فاتحہ پڑھنا۔

۲۔ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا۔

۳۔ پہلی دو رکعتوں میں ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھنا۔لھٰذا اگر ہر رکعت میں فاتحہ کا تکرار کرے تو دانستہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر بھول کر ایسا کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔مصنف نے پہلی دو رکعتوں کی قید گائی کیونکہ پچھلی دو رکعتوں میں عدم تکرار فاتحہ واجب نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر پچھلی رکعتوں میں فاتحہ کو مکرر پڑھے تو سجدہ سہو لازم نہیں اور اگر جان بوجھ کر تکرار کیا تو جب تک لوگوں پر گراں نہ ہو یا رکعت طویل نہ ہو تو اسوقت تک مکروہ نہیں۔

۴۔ فاتحہ کا سورۃ سے پہلے پڑھنا۔اسکی دلیل ہمیشہ اس طرح کرنا منقول ہے۔

۵۔ کوئی سورۃ یا چند آیت سورۃ فاتحہ سے ملانا احناف کے نزدیک یہ واجب ہے جبکہ باقی تین اماموں کے نزدیک یہ سنت ہے۔

۶۔ مقام جھر میں اونچی آواز سے قرأت کرنا جیسے کہ نماز فجر، مغرب اور عشاء میں۔اور مقام اخفاء میں آہستہ آواز میں قرأت کرنا جیسا کہ ظہر عصر میں۔

۷۔ نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھنا۔یاد رہے کہ یہاں دعاء قنوت سے مطلق دعا مراد ہے خواہ کوئی بھی دعا ہو لھٰذا اگر مروجہ دعاء قنوت کے علاوہ کوئی اور دعا بھی پڑھے تو یہ ٹھیک ہے۔البتہ مخصوص دعاء کا پڑھنا یہ سنت ہے (جو یہ، نیزہ)۔

۸۔ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا یہی ظاہر روایت ہے۔جبکہ نادر روایت میں یہ ہے کہ آخری رکعت میں تشہد پڑھنا واجب ہے جبکہ پہلے پڑھنا سنت ہے۔لیکن علامہ خلوی لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح ظاہر روایت کے مطابق یہ ہے کہ دونوں تشہد واجب ہیں۔

۹۔ نماز میں پہلی مرتبہ بیٹھنا۔

۱۰۔ سجدہ تلاوت ادا کرنا۔یہ خود بھی واجب ہے اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی جائے تو پھر نماز میں اسکا ادا کرنا واجب ہے۔حتیٰ کہ اگر اپنے محل سے تاخیر کی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

۱۱۔ اگر نماز میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو اسکے تدارک کیلئے سجدہ سہو کرنا۔

۱۲۔ چھوٹی اور بڑی عید کی تکبیریں کہنا۔یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ تکبیرات عیدین سے زائد تکبیریں مراد ہیں۔جو کہ عند الاحناف چھ ہیں۔رہی تکبیر اولیٰ تو وہ فرض ہے اور رکوع، سجود کی تکبیریں سنت ہیں البتہ دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر بھی واجب ہے اور اسکی وجہ اسکا متصل بالواجب ہونا ہے۔

۱۳۔ ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف جانا۔یعنی جس فرض کو یہ ادا کر رہا ہے اسکے بعد دوسرے فرض کی طرف منتقل ہونا یہ بھی نماز کے واجبات میں سے ہے۔جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اگر اس نے دو رکوع کئے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے۔اسلئے کہ یہ ایک فرض سے غیر فرض کی طرف منتقل ہوگیا ہے کیونکہ ایک رکوع کرنے کے بعد اسپر سجدہ کرنا فرض تھا اور یہی حکم ہے جب اس نے تین سجدے کئے یا یہ دوسری رکعت میں کھڑا ہونے کے بجائے بیٹھ گیا۔یا چوتھی میں بیٹھ کر پھر کھڑا ہوا تو ان ساری صورتوں میں اس پر سجدہ سہو نکالنا ضروری ہے۔

ضروری نوٹ......یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ نماز میں بلحاظ ترتیب چار کام فرض ہیں:۔

وہ کام جو نماز میں وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں یا ہر رکعت میں قیام اور رکوع۔ اور وہ کام جو متعدد ہیں جیسے نماز کی رکعات یا ہر رکعت میں متعدد ہیں جیسے سجدہ تو ان سب میں ترتیب شرط ہے۔ لہٰذا اگر انہیں بے ترتیب ادا کیا تو اعادہ ضروری ہے اور سجدہ سہو لازم ہے (کبیری)

صفت نماز کا بیان

و اما صفة الصلوة فهو انه اذا اراد الرجل ان يدخل فى الصلوة نوى و اخرج يديه من كميه ثم كبر و رفع يديه مع التكبير و ذكر فى الهداية انه يرفع يديه او لا ثم يكبر حتى يحاذى بابهامه شحمتى اذنيه و يفرج اصابعه لاكل التفريج و يوجه بطن كفيه نحو القبلة و المرأة ترفع يديها حذاء ثدييها و المقتدى يكبر تكبيرا مقارنا بتكبير الامام عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ و عندهما رحمهما الله تعالىٰ يكبر بعد تكبير الامام و الخلاف فى الافضليّة و لا يترك رفع اليدين ثم يضع يمينه على يساره و يقبض بيده اليمنى رسخ يده اليسرى ويضعهما تحت السرة و المرأة تضعهما تحت ثدييها

ترجمہ...... فصل۔ نماز کی صفت کے بیان میں۔ جب کوئی شخص نماز میں داخل ہونا چاہے تو نماز کی نیت کرے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی آستینوں سے باہر نکالے اور پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے۔ اور تکبیر کے ساتھ ہی دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ہدایہ میں ذکر کیا گیا کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر تکبیر کہے۔ یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھے اپنے دونوں کانوں کے نرم حصے کے برابر کرے۔ اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو کسی حد تک کشادہ رکھے۔ اور اپنے دونوں ہتھیلیوں کے باطن کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ اور عورت نیت کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر اٹھائے۔ اور مقتدی امام کی تکبیر سے ملاتے ہوئے تکبیر کہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے اور صاحبین کے نزدیک امام کے تکبیر کہنے کے بعد تکبیر کہے۔ اور یہ افضلیت میں اختلاف ہے جواز میں نہیں۔ اور اس موقع پر دونوں ہاتھ اٹھانا نہ چھوڑے۔ (اگر اس نے اس کے چھوڑنے کی عادت بنالی تو گناہگار ہوگا۔) پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ اور اپنے دائیں ہاتھ کو پونچے سے بائیں ہاتھ کے پونچے کر پکڑے۔ اور دونوں ہاتھ زیرِ ناف رکھے اور عورت اپنے دونوں ہاتھ چھاتی پر رکھے۔

چند الفاظ کی تشریح

۱۔ کُمٌّ	آستین	۲۔ کَبَّرَ	اس نے اللہ اکبر کہا۔
۳۔ یُحاذِی	وہ برابر کرے۔	۴۔ شَحمَۃٌ	کان کا نرم حصہ۔

٥- تَفرِیج کشادہ کرنا۔ ٦- بَطنَ کَفَّیہ ہتھیلیوں کا اندرونی حصہ۔

٧- مَنکَبٌ کاندھا۔ ٨- مقارن ملانے والا۔

٩- اِعتادَ اس نے عادت بنالی۔ ١٠- یأثِمُ وہ گناہگار ہوگا۔

١١- وَضعٌ رکھنا۔ ١٢- یَمینٌ دائیں۔

١٣- یَسار بائیں۔ ١٤- قَبضٌ پکڑنا۔

١٥- رسغ پونچا۔ ١٦- اَلسُّرَۃُ ناف۔

١٧- ثَدیٌ عورت کی چھاتی۔

تشریح

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس فصل میں باقاعدہ نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے اندازِ کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ پس اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور نماز میں داخل ہونا چاہے تو شرائطِ سابقہ قبل از نماز کی رعایت کرتے ہوئے سب سے پہلے کام نیت کر کے نماز میں داخل ہونا ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ کُرتے یا چُغے کی آستینوں سے باہر نکالے۔ ہاتھوں کا آستینوں سے باہر نکالنا یہ نماز میں فرض نہیں بلکہ آدابِ نماز میں شامل ہے۔ لہذا اس کو فرض قرار دینا قانونِ فقہ سے غفلت پر مبنی ہے۔ دوسری بات نماز کی نیت کرنا اور تکبیرِ اولیٰ کہنا اور دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے۔ پہلے دونوں کام فرض اور شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جبکہ ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر کے ساتھ ہو۔ لہذا آگے پیچھے نہ ہو۔

صاحبِ ہدایہ نے اولاً وَضَعَ اور ثانیاً تکبیر کہنے کا ذکر فرمایا ہے۔ دونوں کا ایک ساتھ ہونا بہت سے فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: شیخ الاسلام مصنف تحفہ، قاضی خان۔ اور دوسرے آئمہ کرام۔ زائدی نے امام بقالی سے نقل کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اولاً تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔ یہ صاحب ہدایہ کے مذہب کے برعکس ہے۔ اگر ہمیشہ بلا عذر ہاتھ نہ اٹھائے تو گناہگار ہوگا۔ لیکن کبھی کبھی ایسا کرنے سے گناہ نہیں۔ دونوں ہاتھوں کو کانوں کے نرم حصے تک اٹھانا امام قاضی خان نے لکھا ہے کہ دونوں انگوٹھوں کے سرے نرم گرشت کو مَس کریں۔ لیکن دوسرے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھائے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ہاتھوں سے اگر دو ہتھیلیاں مراد ہوں تو انھیں کاندھوں کے مقابل کرنے سے انگوٹھوں کے اطراف نرم گوشت تک پہنچ جائیں گے۔ اور انگلیوں کے کشادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ بالکل کشادگی ہو اور نہ بالکل انضمام۔ بلکہ انھیں علیٰ حسب عادت چھوڑ دے۔ اور اٹھاتے وقت ہتھیلیوں کا اندرونی حصے قبلہ رُخ کرے تاکہ اقبال کی تکمیل ہو جائے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر ہتھیلی کا رُخ دوسری ہتھیلی کی طرف کرے۔ اور عورت نماز کی نیت کرتے وقت یعنی اللہ اکبر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھائے۔ کیونکہ اس کے لئے زیادہ ساتر یہی ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آزاد عورت کے لئے حکم ہے۔ رہی باندی تو وہ مرد کی طرح ہے۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے ایک روایت میں کہا ہے کہ عورت مرد کی طرح ہے۔ لیکن صحیح پہلی بات ہے۔

رہی یہ بات کہ مقتدی کس طرح تکبیر کہے تو اس میں امام اعظم اور ان کے صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب سبقت کے قائل ہیں

جبکہ صاحبین تقدیم وتاخیر کے۔اور یہ اختلاف جواز میں نہیں بلکہ افضلیت میں ہے۔نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا حضور ﷺ کے اس عمل کی وجہ سے ہے کہ جس میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو تھامے رکھتے۔لیکن امام مالک کے نزدیک حالت قیام میں ہاتھوں کو چھوڑ دینا ہے۔ہاتھ رکھنے میں سنت یہ ہے کہ وضع اور قبض دونوں کرے۔یعنی دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی پر رکھے۔اور انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے حلقہ بنائے اور باقی انگلیوں کو کلائی پر پھیلائے رکھے۔ہاتھ باندھنے میں ہمارے نزدیک مردوں کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ زیر ناف ہاتھ رکھیں۔جبکہ امام شافعی کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا مروی ہے۔اور ایک روایت امام مالک اور امام احمد سے بھی یہی ہے۔اور عورت ہاتھ چھاتیوں کے نیچے رکھے کیونکہ یہی اس کے لئے پردہ پوشی کا ذریعہ ہے۔

قاعدہ: آئمہ فقہ کے نزدیک یہ قیام کہ جس میں ذکر مسنون ہو اس میں ہاتھوں کا باندھنا سنت ہے۔اور جس کے قیام میں ذکر مسنون نہ ہو اس قیام میں ہاتھوں کو کھول کر لٹکائے رکھنا سنت ہے۔اور شیخین کا یہی مذہب ہے۔جبکہ امام محمد کے نزدیک ہر ایسے قیام کا یہی حکم ہے جس میں قرأت ہو۔بس اس کا فائدہ یہ ہے کہ ثناء پڑھتے وقت اور اسی طرح دعاءِ قنوت کے وقت اور نمازِ جنازہ میں شیخین کے نزدیک وضع الیدین ہے۔جبکہ امام محمد کے نزدیک یہ صورت نہیں۔اور رکوع اور سجدے کے درمیان قومہ میں اور تکبیرات عیدین میں بالاتفاق ارسال ہے۔

قاعدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول کر دونوں سلام پھیرے۔جیسا کہ کتب فقہ سے اور قاعدہ مذکورہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔چنانچہ آج کل بہت سے لوگ اس قاعدہ سے بے خبر یا بے توجہ ہیں۔چنانچہ اکثر کو نمازِ جنازہ میں ہاتھ باندھے سلام پھیرتے ہوئے دیکھا گیا۔اللہ تعالیٰ دین فہمی کی توفیق عطا فرمائے۔اور استقامتِ دین پر عمل پیرا ہونے کی ہمت دے۔

ثناء کا بیان

ثم یقول سبحانک اللّٰهم الیٰ اٰخره وان زاد وجلّ ثناؤک لا یمنع و ان سکت لا یومر به ویقول " اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوَاتِ و الارضِ حنیفاً و ما اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ عند ابی یوسف رحمه اللّٰه فی روایة یقول قبل التکبیر و فی روایة بعد التکبیر و عندهما رحمهما اللّٰه تعالیٰ یقول قبل الافتتاح یعنی قبل النیة و لا یقول بعد النیةقبل التکبیر بالاجماع ثم یتعوذ اما التعوذ فتبع للثناء عند ابی یوسف رحمة اللّٰه علیه حتی یاتی به المقتدی و فی العیدین یاتی به قبل التکبیرات بعد الثناء و المسبوق یأتی بالثناء اذاادرک الامام حالة المخافتة ثم اذا قام الیٰ قضاء ما سبق یأتی به ایضا کذا ذکره فی الملتقط

ترجمہ......پھر نمازی سبحانک اللّٰهم آخر ثنا تک پڑھے۔اور اگر جلّ ثناؤک زیادہ کرے تو نہ روکا جائے اور اگر خاموش ہو جائے تو اسے یہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے۔اور یہ دعائیہ کلمات کہے کہ بے شک میں نے اپنا منہ اس کی طرف کر دیا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔سب سے الگ ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

کلمات مذکورہ امام ابو یوسف کے نزدیک کہے پھر ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ سے پہلے کہے۔ اور ایک روایت میں بعد تکبیر کے مٰنی ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک نماز شروع کرنے سے پہلے کہے۔ یعنی نیت کرنے سے پہلے۔ اور نیت کرنے کے بعد تکبیر سے پہلے بالا جماع نہ کہے۔ پھر اَعُوذُ بـاللّٰہ آخر تک پڑھے۔ اور یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ثنا کے تابع ہے۔ یہاں تک کہ مقتدی اسے پڑھے، اور دو عیدوں میں ثنا کے بعد تکبیرات سے پہلے ادا کرے۔ اور مسبوق مقتدی جب امام کو خاموشی کی حالت میں پائے تو ثنا ادا کرے۔ اور پھر جب گذشتہ نماز کو قضا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو پھر ثنا پڑھے۔ کتاب المُلتَقط میں اسی طرح اس کے مصنف نے بیان کیا ہے۔

چند الفاظ کی تشریح

۱- سبحانک پاک ہے تیری ذات۔ ۲- جلّ ثناؤک تیری تعریف بڑی ہے۔

۳- حَنِیف سب سے الگ تھلگ۔ ۴- الاِفتتاحُ شروع کرنا۔

۵- یَتعوّذُ اَعُوذ باللّٰہ کہنا۔ ۶- تبعٌ تابع۔

۷- الثّنا سبحانک اللّٰھم پڑھنا ۸- مسبوق وہ مقتدی جو کچھ رکعتیں ہو جانے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو

۹- ما سَبَقَ گذشتہ نماز۔

تشریح

مصنف مرحوم نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نمازی قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ باندھنے کے بعد یہ دعائیہ کلمات جسے ثنا کہا جاتا ہے پڑھے۔ اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمدِکَ و تَبَارَکَ اسْمُکَ و تَعَالیٰ جَدُّکَ وَ لَا اِلٰہَ غَیرُکَ۔ چنانچہ کتب روایت میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ اور اکابر صحابہ اس موقع پر یہی پڑھتے تھے مصنف فرماتے ہیں کہ جلّ ثناؤکَ کے زائد کلمات اگر نمازی کہہ دے تو اسے منع نہ کیا جائے اور اگر نہ کہے تو اسے ان کے پڑھنے کا پابند نہ کیا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشہور روایات میں یہ کلمات نہیں آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب بحر الرائق نے فرمایا کہ صرف نمازِ جنازہ میں ان کلمات کا اضافہ کرے۔ پھر نمازی ثنا پڑھنے کے بعد یا اس سے پہلے یہ دعائیہ کلمات کہے:

اِنِّیْ وَجَّھتُ وَجھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلوٰتِیْ و نُسُکِی وَ مَحیَایَ و مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○

امام شافعی کے نزدیک ان ہی کلمات پر اکتفا کرے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ اِنِّی وَجَّھتُ تکبیر اور نیت سے پہلے پڑھے۔ اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ تکبیر کے بعد پڑھے۔ اور طرفین کے نزدیک توجہ کے کلمات اگر چاہے تو نماز شروع کرنے سے پہلے کہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ نیت سے پہلے کہے۔ لیکن نیت کے بعد تکبیر سے پہلے بالا جماع نہ کہے اور یہی صحیح ہے۔ تا کہ نیت اور تکبیر میں فاصلہ نہ ہو۔ اور قیدِ اجماع لگانے سے معلوم ہوا کہ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر اور نیت سے پہلے پھر نماز شروع کرنے کے بعد اَعُوذُ باللّٰہ پڑھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : فَاِذَا قَرَأْتَ القرآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ۔

ضروری قاعدہ

قرآن کلمات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کے بعد اَعُوذُ بِاللہِ پڑھا جائے جیسا کہ حرفِ فا سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض اہلِ ظاہر کا یہی مذہب ہے۔ لیکن حدیث کی تفصیل کے مطابق یہ صحیح نہیں چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ "کَانَ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَعَوَّذُ یَقُولُ القراٰتْ" یعنی حضور ﷺ تلاوتِ قرآن سے پہلے اَعُوذُ باللہ پڑھا کرتے تھے۔ پس فَإِذَا قَرأتَ القرآنَ کی نحوی ترکیب یہ ہے کہ فَإِذَا عَرَضْتَ اَنْ تَقرأَ القرآنَ۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ تعوذ کے کلمات کس طرح پڑھے۔ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک اَسْتَعِیذُ باللہ کہے۔ فقیہ ابو جعفر کا یہی خیال ہے لیکن باقیوں کے نزدیک اَعوذُ باللّٰہ کہے اور اس کا محل آغازِ نماز ہے۔ لہٰذا اگر کسی سے تعوذ رہ گیا یہاں تک کہ اگر اس نے سورۃ فاتحہ پڑھ لی تو پھر تعوذ نہ پڑھے۔ کذا فی الخلاصۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ مکمل کرنے سے پہلے ہی یاد آ گیا تو اَعوذُ باللہ پڑھے۔ اور از سرِ نو فاتحہ دُہرائے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف کے نزدیک تعوذ ثنا کے تابع ہے۔ لہٰذا جو شخص ثنا پڑھے وہ تعوذ ضرور پڑھے خواہ قرأت کرے یا نہ کرے کیونکہ یہ دفعِ وسوسے کے لئے ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، لہٰذا امام کے علاوہ مقتدی بھی اس کو ادا کرے اور دو عیدوں میں ثنا کے بعد اور تکبیراتِ زوائد سے پہلے ادا کرے۔ کیونکہ یہ ثنا کے تابع ہے لیکن طرفین کے نزدیک تعوذ قرأت کے تابع ہے۔ لہٰذا جو تلاوتِ قرآن کرے وہ تعوذ پڑھے۔ پس اس صورت میں مقتدی پر تعوذ نہیں۔ کیونکہ اس پر قرات نہیں بخلاف امام کے کہ اس پر تعوذ ہے۔ لہٰذا دونوں تکبیر کے بعد تعوذ پڑھیں۔ کیونکہ قرأت بعد میں ہوتی ہے۔ رہا مسبوق مقتدی تو وہ طرفین کے نزدیک جب بقیہ نماز ادا کرنے کھڑا ہو تو اس وقت تعوذ پڑھے۔ کیونکہ اس کیلئے یہی محلِ قرأت ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک دو مرتبہ پڑھے۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی، جیسا کہ مصنف نے وَالمَسْبُوق سے یہی صراحت فرمائی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ نماز کو ادا کرنے کیلئے جب مسبوق اٹھتا ہے تو اس کیلئے یہ ایک نیا تحریمہ ہے۔

ضروری قاعدہ

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا کہ مسبوق دو مرتبہ تعوذ پڑھے۔ یہ صاحب خلاصہ کا اختیار کردہ مذہب ہے جب کہ باقی کتابوں میں یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک مسبوق صرف نماز شروع کرتے وقت تعوذ پڑھے۔ لیکن مصنف نے طرفین کا قول نقل نہیں کیا بلکہ صرف امام ابو یوسف کے قول پر اکتفا کیا۔ کیونکہ مصنف کے نزدیک یہی صحیح ہے صاحب خلاصہ کی اتباع کرتے ہوئے۔ لیکن پسندیدہ قول طرفین کا ہے اور اسی کو امام قاضی خان و صاحبِ ہدایہ اور اس کے شُراح اور اَکافی اور اکثر کتابوں کے مصنفین نے اختیار کیا ہے۔ لہٰذا یہی پسندیدہ اور مختار قول ہے۔

ثناء سے متعلق مسائل

و اذا ادرک الامام و هو یجهر یستمع و ینصت و قال بعضهم یأتی بالثناء عند سکتات الامام کلمة کلمة و عن الفقیه ابی جعفر اذا ادرک الامام فی الفاتحة یثنی بالاتفاق ذکره فی الذخیرة اما فی الجمعة و العیدین اذا کان بعیداً عن الامام فقد اختلف

المتاخرون فیه و ان ادرک فی الرکوع یتحری ان کان اکبر رایه انه لو اتی به یدرک الامام فی شیٔ من الرکوع یأتی به قائما و الا یرکع ویتابع الامام و کذا اذ الحدث فی السجدة الاولیٰ ولا یاتی بالرکوع بالرکوع و لا یکون مدرکا لتلک الرکعة ما لم یشارک الامام فی الرکوع کله او فی مقدار تسبیحة و فی الذخیرة و ان سوّی ظهره فی الرکوع صار مدرکا سواء قدر علی التسبیح او لم یقدر و ان ادرک فی القعدة قال بعضهم یکبر و یقعد و قال بعضهم یأتی بالثناء ثم یقعد و لا یتعوذ الا بعد الثناء

ترجمہ......اور جب امام کو (مقتدی ایسی حالت میں پائے کہ) وہ بلند آواز سے قرأت پڑھ رہا ہو تو یہ ثنا نہ پڑھے بلکہ خاموشی سے اس کی قرأت سنے۔ بعض نے فرمایا کہ امام کے سکتوں میں ایک ایک کلمہ کر کے ثنا پڑھے۔ اور فقیہ ابو جعفر سے روایت ہے کہ (جب مقتدی) امام کو سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے پائے تو بالاتفاق ثنا پڑھے۔ اس کو مصنف ذخیرہ نے کتاب ذخیرہ میں بیان فرمایا۔ رہی یہ بات کہ نمازِ جمعہ اور عیدوں کی نماز میں جبکہ امام سے دور ہو تو کیا کرے؟ اس میں آئمہ متاخرین کا اختلاف ہے۔ (مراد یہ ہے کہ جواب مختلف ہے پس بعض جواز اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں لہذا ثناء پڑھنے نہ پڑھنے دونوں میں اس کو اختیار ہے) اور اگر امام کو حالتِ رکوع میں پائے تو یہ غور و فکر کرے۔ پس اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر اس نے بحالتِ قیام ثنا پڑھی تو امام کو حالتِ رکوع میں پائے گا تو کھڑے کھڑے ثناء پڑھ کر (امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے) ورنہ (امام کے ساتھ) رکوع کرے۔ اور یہ اس رکعت کو پانے والا شمار ہو گا جب تک کہ پورے رکوع یا ایک تسبیح کی مقدار (امام کے ساتھ) رکوع میں شریک نہ ہو۔ ذخیرہ میں ہے کہ اگر مقتدی نے اپنی پشت (امام کے ساتھ) برابر کر دی تو اس نے (دریں صورت) رکوع پالیا۔ خواہ اس حالت میں (امام کے ساتھ رکوع کرتے ہوئے) تسبیح پڑھ سکے یا نہ پڑھ سکے (پس دونوں صورتوں میں اس کو رکوع مل گیا) اور اگر امام کو قعدہ میں پائے تو بعض نے فرمایا کہ فوراً اللہ اکبر کہہ کر اس کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اور بعض نے فرمایا کہ اولاً ثناء پڑھے۔ پھر قعدہ میں بیٹھے۔ اور " اعوذ باللہ " ثناء کے بعد پڑھے۔

بعض الفاظ کی تشریح

۱- اِدراک یہ باب افعال کا مصدر ہے اس کی ماضی اور مضارع۔ اَدْرَکَ یُدْرِکُ ہے۔ جس کا معنی ہے پالینا۔

۲- اِمام مَا یُؤَمُّ بہ وہ جس کی اِقتداء کی جائے۔ اس کی جمع " آئمة " ہے۔

۳- یستمع غور سے سنے۔ اس کا مصدر اِستماع از باب اِفتعال بمعنی کسی بات کو پورے غور و فکر سے سننا۔

۴- ینصت خاموش ہو جائے۔ ۵- سکتات یہ سکتہ کی جمع ہے بمعنی وقفہ اور سکوت۔

۶- یثنی وہ ثناء پڑھے۔ ۷- یتحری غور وفکر کرے۔

۸- اکثر رأی غالب گمان۔ ۹- اِستواء سیدھا کرنا۔

۱۰- ظھر پشت۔ ۱۱- لا یتعوذُ اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

تشریح

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں ثناء کے متعلق چند مسائل بیان فرمائے ہیں:-

پہلا مسئلہ...... اگر امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے والا امام کو حالتِ قیام میں جہری قرأت کرتے ہوئے پائے تو وہ ا صورت میں ثناء کے متعلق کیا کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ ثناء پڑھنے کے بجائے خاموش ہو کر امام کی قرأت سنے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم "جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش ہو کر اسے غور سے سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" لیکن بعض آئمہ کی رائے یہ ہے کہ جب امام قرأ کرتے ہوئے کہیں وقفہ کرے اور ٹھہرے تو یہ امام کے ان وقفوں میں ایک ایک یا دو دو کلمے ثناء کے پڑھے۔ تاکہ فرض اور سنت دونوں ک رعایت ہو سکے۔ فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کو فاتحہ پڑھتے ہوئے پائے تو بالاتفاق ثناء پڑھے۔ لیکن اگر امام کو سور پڑھتے ہوئے پائے تو امام محمد کے نزدیک ثناء نہ پڑھے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ثناء پڑھنے کا جواز ہے۔

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ ذخیرہ میں مذکور ہے لیکن بظاہر آیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ اطلاق نص کی بنا پر زیادہ صحیح یہ ہے کہ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے دوران مقتدی ثناء نہ پڑھے۔ (کبیری)

دوسرا مسئلہ...... نمازِ جمعہ اور عیدین میں جب کہ مقتدی امام سے دور کھڑا ہو کہ امام کی آواز اسے نہ سنائی دے تو اس صورت میں ثنا پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں متاخرین علماء کا اختلاف ہے۔ علامہ حلبی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف اسی طرح ہے کہ جس طرح خطبہ پڑھے ہوئے اگر مقتدی دور ہو تو اس کے لئے خاموش رہنے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ دور والے کے لئے قرأت اور ذکر جائز ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر بھی خاموش رہنا احترامِ خطبہ کی وجہ سے واجب ہے لہٰذ ثناء کے بارے میں بھی یہی صحیح ہے کہ وہ دور ہونے کے باوجود نماز شروع کرتے وقت ثناء نہ پڑھے۔

تیسرا مسئلہ...... اگر رکوع میں امام کو پائے تو پھر کیا حکم ہے۔ اگر رکوع مل جانے کی توقع ہو تو حالتِ قیام میں ثناء پڑھ کر رکوع میں شامل ہو۔ تاکہ اسے دونوں فضیلتیں مل جائیں۔ اور اگر ادراک رکوع کی توقع نہ ہو تو پھر ثناء چھوڑ دے بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تاکہ یہ رکعت مل جانے کی وجہ سے فضیلت جماعت حاصل ہو جائے۔

چوتھا مسئلہ...... اگر امام کو پہلا سجدہ میں پائے تو پھر کیا کرے۔ اس میں بھی وہی سابقہ حکم ہے کہ اگر سجدہ مل جانے کی غالب توقع ہو تو ثناء پڑھ کر سجدے میں شامل ہو ورنہ ثناء چھوڑ دے اور پہلے سجدے میں شامل ہو جائے تاکہ دونوں سجدوں کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ مصنف نے سجدہ کو پہلے سجدے سے مقید کیا اس لئے کہ اگر دوسرے میں امام کو پائے تو ثنا چھوڑ دے تاکہ اسے کثرت مشارکت حاصل ہو جائے۔

پانچواں مسئلہ...... اگر امام کو رکوع کے بعد پائے تو ثناء نہ پڑھے کیونکہ اس صورت میں یہ مُدرکِ رکعت نہیں لہذا یہ امر زائد میں اشتغال ہے جو ٹھیک نہیں۔

چھٹا مسئلہ...... اگر مقتدی امام کے ساتھ رکوع میں شریک نہ ہو تو ایسی صورت میں اس سے یہ رکعت فوت ہوگئی۔ کیونکہ پورے رکوع یا اس کے کسی حصے میں شرکت کرنے والا اس رکعت کو پانے والا ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم امام کو حالت رکوع میں پاؤ تو تم نے نماز کی رکعت پالی۔ اور اگر تم امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہوئے تو تم سے نماز کی یہ رکعت رہ گئی۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ نماز پڑھنے آؤ تو ہم سجدے میں ہوں تو ہمارے ساتھ سجدے کرو لیکن اسے رکعتِ نماز شمار نہ کرو۔

ساتواں مسئلہ...... ذخیرہ میں فرمایا کہ اگر مقتدی حالتِ رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے خواہ تسبیحات پڑھ سکے یا نہ پڑھ سکے تو شرکت فی الرکوع کی وجہ سے اسے رکوع مل گیا۔ اور رکوع پانے کی وجہ سے وہ رکعت کا پانے والا شمار ہو گیا۔

آٹھواں مسئلہ...... اگر کسی نے امام کو پہلے یا آخری قعدے میں پایا تو وہ ثناء کے بارے میں کیا کرے اس میں دو قول ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر بغیر ثناء پڑھے امام کے ساتھ قعدے میں شامل ہو جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ پہلے ثناء پڑھے پھر قعدے کرے لیکن پہلا قول زیادہ بہتر ہے تا کہ اسے زیادہ مشارکت حاصل ہو جائے۔

نواں مسئلہ...... ثناء پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ متوارث ہے۔

دسواں مسئلہ...... اگر کسی نے تکبیر کہہ کر اعوذ باللہ پڑھا لیکن ثناء بھول گیا تو اعادہ نہ کرے۔ اور اسی طرح اگر تکبیر کہی اور قرأت شروع کر دی۔ ثناء، تعوذ، تسمیہ یہ تینوں رہ گئیں تو دوبارہ نہ پڑھے۔ کیونکہ ان کا محل گزر گیا۔ اور اس پر سجدہ سہو بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ سنت ہیں اور ترک سنت میں سجدہ سہو نہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے۔

تسمیہ اور مقدار قرأت کا بیان

ثم یسمی فیأتی بها فی اول کل رکعة لان اکثر المشائخ علی هذا اما الامام اذا جهر فلا یأتی بها و اذا خافت یأتی بها و اما التسمیة عند ابتداء السورةٌ عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه لا یأتی بها و عند محمد رحمة اللّٰه علیه یأتی بها اذا خافت ثم یقرا الفاتحة و اذا قال الامام وَ لاَ الضَّآلِّیْنَ یقول اٰمین و المؤتم یقولها و یخفونها ثم یضم سورة او ثلٰث اٰیات فان قرأ اٰیة او اٰیتین لم یخرج عن حد الکراهة و ان قرا ثلٰث اٰیات خرج عن حد الکراهة و لم یدخل فی حد الاستحباب لان الواجب ضم السورة او الاٰیات الیها

ترجمہ...... ثناء پڑھنے کے بعد پھر بسم اللہ شریف پڑھے بلکہ اسے ہر رکعت کے شروع میں پڑھے۔ کیونکہ اکثر مشائخ اسی

کے قائل ہیں۔لیکن امام جب اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو تو بسم اللہ نہ پڑھے۔لیکن جب وہ آہستہ قرأت کر رہا ہو تو بسم اللہ پڑھے۔لیکن سورۃ کے شروع کرتے وقت امام صاحب کے نزدیک بسم اللہ نہ پڑھے۔لیکن جب امام خفیہ قرأت کر رہا ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسم اللہ شریف پڑھے۔پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور جب امام وَ لَا الضَّآلِّیْنَ کہے وہ آمین بھی کہے (لیکن آہستہ کہے) اور مقتدی بھی آہستہ آہستہ کہیں۔پھر فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ یا تین آیتیں ملائیں اگر اس نے ایک یا دو چھوٹی آیتیں پڑھیں تو یہ مکروہ ہونے کی حد سے نہ نکلا۔اور اگر اس نے تین آیتیں پڑھیں (یا ایک بڑی آیت تین کے برابر پڑھی) تو یہ کراہت سے نکل گیا۔لیکن ابھی تک مستحب کی حد میں داخل نہیں ہوا۔اس لئے کہ اس پر واجب فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ یا چند آیات ملانا ہے۔

چند الفاظ کی تشریح

١- يُسَمِّي بسم اللہ شریف پڑھے۔ ٢- مُخَافَتْ آہستہ پڑھنا۔

٣- يُخفُون آہستہ پڑھیں۔ ٤- قَصِيْرَةٌ چھوٹی آیت۔

٥- تَعْدِلُ برابر ہو۔

تشریح

مصنف نے عبارت مذکورہ میں پانچ مسئلے بیان فرمائے ہیں:

پہلا مسئلہ...... ہر رکعت شروع کرتے وقت بِسمِ اللہ شریف پڑھنے کا حکم۔مشہور یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔لیکن امام زیلعی نے شرح میں ذکر کیا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس موقع پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔امام زاہدی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر موقع پر بسم اللہ بھول کر رہ جائے تو سجدہ سہو سے تدارک ہوگا۔

بِسمِ اللہ شریف کے متعلق تحقیق

اس کے بارے میں آئمہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ یہ پورے قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔البتہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے لئے اسے اتارا گیا۔لیکن یہ کسی معین سورۃ کا جز نہیں۔سوائے اس بسم اللہ کے جو سورۃ نمل میں آئی ہے۔لیکن امام شافعی کے نزدیک یہ فاتحہ اور ہر سورۃ کا جز ہے۔

نتیجہ...... آئمہ حنفیہ کے نزدیک اسے نماز میں آہستہ پڑھا جائے گا۔ہاں اگر حافظ قرآن ختمِ قرآن کے موقع پر ایک دفعہ اسے بلند آواز سے پڑھ سکتا ہے۔خواہ کہیں بھی پڑھے۔البتہ امام شافعی کے نزدیک اسے سورۃ فاتحہ یا دوسری سورتوں کے ابتدا میں جہراً پڑھنا چاہیے علامہ حلبی نے کبیری میں لکھا ہے کہ بسم اللہ شریف کے متعلق درج ذیل اختلافات ہیں:-

١) اس کا پڑھنا سنت ہے یا واجب اکثر آئمہ کا خیال یہ ہے کہ یہ سنت ہے جبکہ امام زیلعی نے اسے واجب قرار دیا۔

٢) کیا یہ ہر سورۃ کا جز ہے یا نہیں۔ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ کسی سورۃ کا جز نہیں۔البتہ امام شافعی اسے ہر سورۃ کا جز قرار

دیتے ہیں۔

۳) تیسرا اختلاف یہ ہے کہ اسے نماز میں کس جگہ پڑھا جائے۔ امام اعظم سے ایک روایت ہے کہ اسے شروع نماز میں پڑھا جائے لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر رکعت کی ابتدا میں پڑھا جائے۔

۴) چوتھا اختلاف یہ ہے کہ اسے کس طرح پڑھا جائے۔ ہمارے اور امام احمد کے نزدیک اسے آہستہ پڑھا جائے۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک اسے بلند پڑھا جائے۔ چنانچہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے وصال تک بلند آواز سے بسم اللہ شریف نہیں پڑھی۔ دلائل کی زیادہ تفصیل بڑی کتابوں میں موجود ہے۔

دوسرا مسئلہ...... امام جہری نمازوں میں اسے جہراً نہ پڑھے۔ بلکہ آہستہ نمازوں کی طرح اسے دل میں پڑھے۔ اور تنہا نماز پڑھنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

تیسرا مسئلہ...... ہر سورۃ کی ابتدا میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد بسم اللہ شریف کا پڑھنا امام صاحب کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اس موقع پر اسے جہراً یا سراً نہ پڑھے۔ اور امام ابو یوسف کی بھی رائے یہی ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک خفیہ نمازوں میں سورۃ کے شروع میں اسے خفیہ طریقے سے پڑھے۔

چوتھا مسئلہ...... سورۃ فاتحہ ختم کرنے کے بعد امام اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔ اس لئے کہ یہ سنت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا اٰمَنَ الامامُ فَاٰمِنُو فانّه مَن وافَقَ تأمينه الملائكة غُفِرَ لَه الذَنبُ"

"لیکن لوگو! جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو گیا اسے اگلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔"

امام اور مقتدی اور اکیلا نماز پڑھنے والا اس کو آہستہ کہے اس لئے کہ یہ دعا ہے۔ اور اصل دعا میں اخفا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اُدْعُوْ رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً"۔ یعنی اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور آہستہ پکارو۔ بہت سے اکابرین جن میں عبداللہ بن مسعود، ابراہیم نخعی علقمہ وغیرہ شامل ہیں فرماتے ہیں چار کام امام و مقتدی آہستہ کریں اور وہ یہ ہیں: (۱) تعوذ۔ (۲) تسمیہ۔ (۳) آمین۔ (۴) رَبَّنَا لَکَ الحَمْدُ البتہ امام شافعی آمین بالجہر کے قائل ہیں۔

پانچواں مسئلہ...... سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ یا تین چھوٹی آیتیں ملائے۔ اگر ایک یا دو چھوٹی آیتیں پڑھے تو ترکِ واجب کی وجہ سے کراہت تحریمی ہوگی۔ اور اگر تین چھوٹی آیتیں یا ایک یا دو ایسی آیتیں جو تین کے برابر ہوں پڑھے تو کراہت تحریمی نہ ہوگی۔ بلکہ حدِ استحباب میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے کراہت تنزیہی ہوگی۔ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ یا چند آیات ملانا پہلی رکعتوں میں واجب ہے۔

قرأت میں مستحب سورتوں کا بیان

و المستحب ان يقرأ في السفر حالة الضرورة بفاتحة الكتاب و اى سورة شاء و في حالة الاختيار يقرأ في الفجر سورة البروج ...

دون ذلک و فی المغرب بالقصار جداً و فی الحضر اذا خاف فوت الوقت یقرأ قدر ما لا تفوته الصلوۃ و ان لم یخف فوت الوقت یقرأ فی الفجر باربعین او خمسین او ستین اٰیۃ و فی الظھر مثلہ او دونہ و فی العصر و العشاء کذلک و قال القدوری یقرأ فی الفجر بطوال المفصل و فی الظھر کذلک و فی العصر و العشاء باوساط المفصل و فی المغرب بقصار المفصل اما الطوال فمن سورۃ الحجرات الیٰ سورۃ البروج و اما الاوساط فمن سورۃ بروج الی سورۃ لم یکن واما القصار فمن سورۃ لم یکن الیٰ اٰخر القراٰن

ترجمہ...... مستحب ہے کہ نمازی حالت سفر میں مجبوری اور ضرورت کے وقت سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو بھی سورۃ (پڑھنا چاہئے) تو پڑھے۔

تشریح

مراد یہ ہے کہ سنت تین صورتیں ہیں۔

یہ کہ سفر میں بحالت مجبوری یعنی خطرہ ہو یا کام وغیرہ میں جلدی ہو یا قافلہ جانے کا اندیشہ ہو تو ان سب صورتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی بھی سورۃ پڑھ ڈالے۔ یا کہیں سے چند آیات چھوٹی سی سورۃ کی مقدار پڑھ ڈالے۔ تو یہ حالت ضرورت ہے۔

ترجمہ...... اور سفر میں بحالت اختیار نماز فجر میں سورت بروج یا اس جیسی کوئی سورۃ پڑھے۔ اور نماز ظہر میں بھی اسی طرح۔ عصر اور عشاء میں اس سے کم مقدار کی سورتیں پڑھے۔ جبکہ نماز مغرب میں بلاشبہ قِصار مفصل سورتیں پڑھے۔

تشریح

سفر میں حالت اختیار اور عدم ضرورت کی صورت میں نماز فجر میں سورۃ البروج اور اس کی مانند سورتیں پڑھے۔ اور نماز ظہر کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ نماز عصر اور عشاء میں اس سے کم مقدار کی سورتیں پڑھے مثلاً الطارق اور الشمس وغیرہ۔ اور نماز مغرب میں قِصار مفصل سورتیں پڑھے مثلاً سورۃ العصر اور الکوثر وغیرہ۔

ترجمہ...... اور گھر میں جب وقت نکلنے کا خطرہ ہو تو اتنی مقدار قرأت پڑھے کہ جس سے نماز فوت نہ ہو۔ اور اگر وقت جانے کا خوف نہ ہو تو پھر نماز فجر میں چالیس یا پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھے۔ اور ظہر کی نماز میں اتنی آیات یا اس سے کم پڑھے اور نماز عصر اور عشاء میں اسی طرح پڑھے۔

تشریح

اگر وقت جانے کا خطرہ نہ ہو تو ادنیٰ سنت یہ ہے کہ نمازِ فجر میں چالیس آیتیں پڑھیں اور اوسط یہ ہے کہ پچاس یا ساٹھ پڑھے۔ اور اعلیٰ یہ ہے کہ ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نمازِ فجر میں سورۃ کہف پڑھا کرتے تھے اور کبھی سورۃ

الصفات اور کبھی ساٹھ سے سو آیتیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ کبیری میں علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھتے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز میں سورۃ الصّفٰت سے امامت کروایا کرتے تھے۔ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن آپ ﷺ فجر میں پہلی رکعت میں الم تنزیل الکتٰب اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر پڑھا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ صبح کی نماز میں کم از کم چالیس 40 آیتیں اور زیادہ سے زیادہ سو آیتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور 40 آیتوں سے کم روایت ضرورت پر مبنی ہے۔ اور ظہر کی نماز مقامی طور پر ادا کرتے تو صبح کی نماز کی طرح یا کچھ کم قرأت کرتے۔ اور بعض اوقات ضرورت کے وقت اس سے کم مقدار کی سورۃ بھی پڑھتے۔ ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر شوق رکھنے والے مقتدی ہوتے تو آپ سو آیتیں پڑھتے اور سست ہوتے تو (40) چالیس اور درمیانے ہوتے تو 50 سے ساٹھ 60۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر راتیں چھوٹی ہوتیں تو 40 اور راتیں لمبی ہوتیں تو 100 اور درمیانی ہوتیں تو درمیانی قرأت کرتے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیتوں کے لمبا، چھوٹا ہونے کا لحاظ رکھتے۔ اور نماز ظہر میں نماز فجر کی طرح قرأت کرتے۔ یا کچھ کم مقدار میں قرأت کرتے۔ آپ کا یہی معمول تھا بعض اوقات حالت اختیار میں نماز ظہر میں دو رکعتوں میں 20 آیتیں پڑھتے اور عصر میں بھی 20 آیتیں پڑھتے۔ اور نماز عصر میں بھی اسی طرح قرأت مروی ہے۔ یعنی ایک روایت میں نماز فجر سے کم قرأت کرتے۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ نماز عشاء میں " وَ التّین و الزیتونِ " پڑھتے۔

مصنف قدوری نے فرمایا کہ نماز فجر کی ہر رکعت میں طِوال مفصل سورتیں پڑھے۔ اور اسی طرح ظہر میں پڑھے اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھے اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھے۔

تشریح

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ طِوال اور قِصار حرف اول کے زیر کے ساتھ ہے اور طویلہ اور قصیرہ کی جمع ہے۔ ظہر کی نماز میں بھی طوال مفصل پڑھے۔ اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھے۔ اور نماز مغرب میں قِصار مفصل پڑھے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مغرب کی نماز میں قِصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور صبح کی نماز میں طِوالِ مفصل سورتیں پڑھو۔

رہی یہ بات کہ طِوال مفصل کہاں سے کہاں تک ہے۔ تو سورۂ حجرات سے سورۃ البروج تک طِوال مفصل ہے اور سورۃ البروج سے سورۃ لم یکن تک اوساط مفصل ہے۔ اور لم یکن سے آخرِ قرآن تک قِصار مفصل ہے۔

تشریح

جمہور علماء کرام اسی کے قائل ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ طوال مفصل سورۃ الکھف سے شروع ہوتی ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ الفتح سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ القتال سے اور یہ بھی کہا گیا کہ الجاثیہ سے اور یہ بھی مروی ہے کہ سورۃ حجرات سے سورۃ العبس تک اور اوساط والضحیٰ تک اور قصار آخر تک ہیں۔ اور تنہا نماز پڑھنے والا ان تمام مسائل میں امام کی طرح ہے۔

طوالت رکعت کا بیان

کیفیت رکوع اور تسبیحات کا بیان

و يطيل الامام فى الفجر الركعة الاولى على الثانية و ركعة الظهر و ما سواهما سواء و قال محمد رحمه الله احب الىّ ان يطيل الاولى على الثانية فى الصلوات كلها و اما اطالة الركعة الثانية على الاولى فمكروه باجماع ان كانت بثلث ايات او فوقها و ان كانت اٰية او اٰيتين لا تكره و اما فى السنن و النوافل فيستوى بين الركعتين الا اذا كان مرويا او ما ثورا فيصلى كما جاء فى الرواية و الاثر فلمافرغ من القراءة يخر راكعا يكبر تكبيرا و ينبغى ان يكون ابتداء تكبيره عند اول الخرور و الفراغ منه عند الاستواء و قال بعضهم اذا تم القراءة حالة الخرور لا بأس به بعد ان يكون ما بقى من القراءة حرفا او كلمة و الاول اصح و يضع على ركبتيه ويفرج اصابعه و يبسط ظهره و لا يرفع رأسه و لا ينكسه و يقول فى ركوعه سبحان ربى العظيم ثلثا و ذلك ادناه و ان زاد فهو افضل ى يختم على وتر و ان اقتصر على مرة او ترك جازت صلاته و يكره ذلك

ترجمہ......امام نماز فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے دراز کرے۔اور ظہر کی دو رکعتیں اور باقی نمازوں کی رکعتیں قرأت میں برابر ہوں۔امام محمدؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب نمازوں کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی ہو۔لیکن دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبا کرنا بالاتفاق مکروہ ہے۔بشرطیکہ تین یا تین سے زائد آیتوں تک ہو۔اور اگر ایک دو آیتیں زیادہ ہوں تو مکروہ نہیں۔

تشریح

یاد رہے کہ یہ درازی بالاجماع سنت ہے تا کہ سونے والے لوگ پہلی رکعت کو امام کے ساتھ پالیں۔اس لئے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے۔اور یہ درازی پہلی رکعت میں قدرے مسنون پر دو ثلث کے مطابق ہو،جبکہ دوسری رکعت میں ایک ثلث کی مقدار ہے۔اگر آیتیں چھوٹی یا لمبی ہوں تو ان کا اعتبار کیا جائے ورنہ کلمات و حروف کا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی رکعت میں ۳۰ آیتیں اور دوسری رکعت میں ۱۰ یا ۲۰ آیتیں پڑھے۔اور اگر پہلی رکعت میں ۴۰ آیتیں اور دوسری میں صرف ۳ آیتیں پڑھے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔اس لئے کہ یہ اولیٰ ہونے کا بیان ہے۔ظہر اور باقی نمازوں کی رکعات قرأتِ مسنون میں برابر ہوں۔چنانچہ شیخینؒ کے نزدیک سوائے نمازِ فجر کے کسی دوسری

نماز کی پہلی رکعت دوسری سے طویل نہ ہو۔اور یہی سنت ہے۔حضرت امام محمد کا یہ ارشاد ہے کہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ سب نمازوں کی پہلی رکعت دوسری سے طویل ہو۔تا کہ نمازی آسانی سے امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شامل ہو جائے۔اس لئے کہ لوگوں کے اوقات صبح کی طرح دنیاوی کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں۔لیکن دوسری رکعت کا پہلی سے طویل ہونا اگر تین، چار آیتوں سے ہو تو بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر ایک دو آیتیں ہوں تو کراہت نہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے آخری دو سورتوں سے نماز پڑھائی حالانکہ پچھلی سورۃ کی پہلی سے ایک آیت زیادہ ہے۔قنیہ میں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں والعصر اور دوسری میں الھمزہ پڑھے تو کراہت ہوگی۔کیونکہ پہلی کی دو آیتیں ہیں اور دوسری کی ۹ آیتیں ہیں۔اور زیادہ اضافہ مکروہ ہے۔امام محمد کا یہ اختلاف نماز جمعہ اور عیدین کے علاوہ ہے کیونکہ جمعہ اور عیدین میں وہ دونوں رکعتوں کے مساوی ہونے کے قائل ہیں۔

ترجمہ......رہا یہ کہ سنتوں اور نفلوں میں کیا کرے تو اس میں حکم یہ ہے کہ دونوں رکعتیں برابر ہوں مگر یہ کہ مروی یا منقول ہو تو پھر جس طرح روایت یا اثر میں آیا ہے اسی طرح پڑھے۔

تشریح

مروی کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ سے روایت ہو اور ماثور کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ سے مروی ہو۔چنانچہ آگے اس کی فعلِ کراہت میں کچھ تفصیل آئے گی۔

ترجمہ......پھر جب تلاوت کرنے سے فارغ ہو تو اللّٰہُ اکبرُ کہتے ہوئے رکوع کرتے ہوئے پست ہو جائے۔اور مناسب یہ ہے کہ اس کی تکبیر کا آغاز جھکنے کی ابتدا سے ہو۔اور فراغت اس وقت ہو جب یہ رکوع میں ٹھیک برابر ہو جائے۔اور بعض نے کہا ہے کہ جب یہ جھکنے کی حالت میں قرأت پوری کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔بشرطیکہ قرأت کا ایک حرف یا ایک کلمہ رہ گیا ہو۔لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

تشریح

مصنف کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ قرأت اور رکوع میں کوئی دیر نہ ہو۔امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ کبھی میں قرأت سے رکوع میں آتا ہوں اور کبھی ایسا نہیں کرتا۔یکبّر تکبیرا کا مفہوم یہ ہے کہ تکبیر رکوع کے مقارن ہو۔چنانچہ مصنف کی آئندہ عبارت اس کی صراحت کرتی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے تکبیر کہے اور پھر رکوع کرے۔اور بعض مشائخ کا یہ کہنا ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے قرأت کا ایک آدھ حرف یا ایک آدھ کلمہ پورا کرنا اس میں کوئی حرج نہیں۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ زیادہ کلمات رکوع میں پورے نہ کرے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رکوع کے بعد تکبیر کہہ سکتا ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو پہلے تکبیر کہتے۔

ترجمہ......پھر نمازی اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے۔اور اپنی انگلیاں کشادہ رکھے اور اپنی پیٹھ کو پھیلائے اور اپنا سر نہ اونچا ہو نہ نیچے ہو۔اور رکوع میں تین مرتبہ کہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور یہ معمولی مقدار ہے اور اس پر

اضافہ کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ لیکن طاق مرتبہ تسبیحات کہے۔ اور اگر ایک مرتبہ پر اکتفا کرے یا بالکل نہ کہے تو نماز جائز ہو گی لیکن مکروہ ہوگی۔

تشریح

رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑے اور اس طرح معلوم ہو کہ جیسے گھٹنوں کو ہاتھوں کا لقمہ بنا رہا ہے۔ اور بالکل اپنی انگلیاں کشادہ رکھے۔ صرف اسی حالت میں انگلیاں کشادہ رکھنے کا حکم ہے جبکہ حالتِ سجدہ میں انگلیاں جوڑنے کا حکم ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کہتے وقت اور تشہد میں بیٹھتے وقت انگلیاں اپنے حال پر چھوڑ دے یعنی ان میں تکلفِ ضم اور تفریج نہ ہو۔ اور رکوع میں اپنی پیٹھ اس طرح پھیلائے کہ اس کا سر چوتڑوں سے برابر ہو۔ نہ اونچا ہو اور نہ پست۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ اس قدر برابر رکھتے کہ اگر اس پر پانی بہایا جائے تو ٹھہر جائے۔ اور رکوع کرنے کے وقت نہ سر بہت پست ہوتا اور نہ زیادہ اونچا۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ دونوں ٹخنے جوڑ رکھیں اور انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور یہ سب کچھ مردوں کے حق میں ہے۔ لیکن عورت اس حالت میں تھوڑی سی پست ہو اور اپنی انگلیوں کو جوڑ رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور سمٹ کر رکوع کرے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ ساتر ہے۔ اور تین مرتبہ تسبیحات رکوع کہنا حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو ۳ مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے اور یہ معمولی درجہ ہے اور اگر سجدہ کرے تو تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ بھی معمولی درجہ ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادۃ علی الادنیٰ افضل ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ طاق مرتبہ تسبیحات کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ طاق عدد کو پسند کرتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ " اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ وِترٌ و یُحِبُّ وترا " بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے۔ اور رکوع میں صرف ایک مرتبہ تسبیح کہے یا بالکل چھوڑ دے تو بھی نماز جائز ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔ اور اگر دو مرتبہ کہے تو پھر بھی مکروہ ہوگی اس لئے کہ سنت میں خلل پیدا ہو جانے کی وجہ سے۔

نوٹ: معمولی درجہ تین۔ اوسط پانچ اور اعلیٰ سات اور نو ہے۔

چند مفردات کی وضاحت

۱-	مستحب	بہتر، وہ کام جو موجبِ ثواب ہو اور نہ کرنے سے گناہ نہ ہو۔ پسندیدہ کام۔	۲-	یقرأ	پڑھے۔
۳-	دُون	کم۔	۴-	جدٌّ	یقینی بات۔
۵-	فوت الوقت	وقت کا گزر جانا۔	۶-	لا تفوتُ	وہ فوت نہ ہو۔
۷-	لم یخف	نہ ڈرے۔	۸-	اربعین	چالیس۔ خمسین، پچاس سنین، ساٹھ۔
۹-	طِوال مفصل	بڑی سورتیں۔	۱۰-	اوساط	درمیانی۔
۱۱-	قِصار	چھوٹی۔	۱۲-	یُطیل	من الاطالۃ لمبا کرنا۔
۱۳-	رکعتا الظہر	ظہر کی دو رکعتیں۔	۱۴-	سواء	برابر ہونا۔

۱۵- اَحَبُّ اِلَیَّ — مجھے زیادہ محبوب ہے۔

۱۶- فوق — اوپر۔

۱۷- لا تکره — زیارت مکروہ نہیں۔

۱۸- سُنَن — سنت کی جمع ہے۔طریقہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا طریقہ اور طرزِ عمل۔

۱۹- نوافل — یہ نفل کی جمع ہے۔اس کے معنی ہیں زائد۔ یہاں فرض وغیرہ سے زائد نماز مراد ہے۔

۲۰- یستوی — برابر کرے۔

۲۱- روی — روایت شدہ چیز۔

۲۲- ماثور — منقول۔

۲۳- اثر — نقل۔

۲۴- یخرُّ — من الخرور۔گرنا یعنی رکوع کے لئے جھکنا اور پست ہونا۔

۲۵- راکع — رکوع کرنے والا۔

۲۶- مُکَبِّر — تکبیر کہنے والا۔

۲۷- الاستواء — برابر ہونا۔

۲۸- اَتم — من الاتمام پورا کرنا۔اَتمّ پورا کرے۔

۲۹- لاباس — کچھ حرج نہیں۔

۳۰- مابقی — جو کچھ رہ گیا۔

۳۱- اَصَحُّ — صیغہ اسم تفضیل یعنی زیادہ صحیح۔

۳۲- یضع — وہ رکھے۔الوضع رکھنا۔

۳۳- یدیه — اس کے دونوں ہاتھ۔یدٌ کا تثنیہ ہے۔

۳۴- رکبتیه — اس کے دونوں گھٹنے۔یہ رکبۃ کا تثنیہ ہے۔

۳۵- یفرج — وہ کشادہ رکھے التفریج کشادہ رکھنا۔

۳۶- اصابعٌ — انگلیاں۔اس کا واحد اِصبعٌ ایک انگلی۔

۳۷- یبسط — وہ پھیلائے۔بسط پھیلانا۔اور دراز کرنا۔

۳۸- ظهر — پشت۔اس کی جمع ظہور ہے۔

۳۹- رفع رأس — سر اونچا رکھنا۔

۴۰- نکس رأس — سر پست کرنا۔مراد یہ ہے کہ رکوع میں سر نہ تو اونچا اور نہ پست ہو بلکہ سر اور چوتڑ برابر ہوں۔

۴۱- سُبحان ربی العظیم — بڑا عظمت والا پروردگار ہر عیب سے پاک ہے۔

۴۲- ادنیٰ — بہت کم درجہ۔

۴۳- یختم — وہ ختم کرے۔

۴۴- وتر — طاق عدد۔

۴۵- اِقتصر — وہ اکتفاء کرے۔

۴۶- مرّۃ — ایک مرتبہ۔

۴۷- تَرَکَ — اس نے چھوڑ دیا۔ترک،اس کا مصدر ہے بمعنی کسی چیز کو چھوڑ دینا۔

۴۸- جازت من الجواز — جائز ہونا۔

و روی عن ابی مطیع البلخی رحمه اللّٰه ان تسبیح الرکوع و السجود رکن حتی لو ترکه لا یجوز صلاته–

ترجمہ......یعنی ابو مطیع بلخی سے روایت ہے کہ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات (بوجہ) رکن ہونے کے ضروری ہیں لہٰذا اگر انہیں چھوڑ دے تو نماز نہ ہوگی۔

اقول......مصنف صغیری علامہ حلبی فرماتے ہیں یہ قول شاذ ہے مراد یہ ہے کہ عام قانون کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار اور باعثِ استناد نہیں۔(صغیری صفحہ ۱۷۰)

تسبیحات کو طویل کرنے کا حکم

و لا ینبغی للامام ان یطیل التسبیح علی وجہ یمل بہ القوم لانہ سبب التنفیر و انہ مکروہ –

ترجمہ......یعنی امام کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اس قدر تسبیحات کو طول دے کہ اس کے پیچھے لوگ بے چین اور دل برداشتہ ہو جائیں اس لئے کہ یہ عام لوگوں کو متنفر کرنے کا سبب ہے لہٰذا مکروہ ہے۔

اقول......مفہوم یہ ہے کہ قدر مسنون کے مطابق تو تسبیحات وغیرہ پڑھے ہاں البتہ اس سے طول نہ دے بشرطیکہ لوگ طوالت پر خوش نہ ہوں اور اگر راضی ہوں تو کچھ حرج نہیں۔(مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا لہٰذا درمیانی روش اختیار کرے)تطویل مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے عموماً لوگ جماعت میں شامل ہونے سے متنفر اور دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور ترکِ جماعت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح جماعت کے ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ تنہا نماز پڑھنے سے باجماعت نماز پڑھنا ستائیس ۲۷ درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ (جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے۔)

فائدہ: سنت سے کم مقدار تسبیحات اور قرأت نہ کرے اگر چہ لوگ تنگ ہوں کیونکہ وہ اس میں معذور نہیں۔(لہٰذا ان کا اِتباع نہ کرے بلکہ سنت کا خیال رکھے۔)

چند الفاظ مذکورہ کی تشریح

۱- رکن کسی چیز کا جز۔اس کی جمع ارکان ہے۔ ۲- یُمِلُّ تنگ کر دے۔ملال تنگ دل ہونا۔
۳- تنفیر نفرت دلانا۔ ۴- سبب ذریعہ۔

رکوع کو طویل کرنے کا حکم

و لو اطال الامام الرکوع لادراک الجائی لا تقرباً للہ فھو مکروہ و لا یکفر و لو اطال تقرباً للہ فلا بأس بہ–

ترجمہ......اگر امام رکوع طویل کرے تا کہ آنے والا (امام کے ساتھ) رکوع میں شامل ہو جائے لیکن ایسا کرنا تقرب

الٰہی کے لئے نہ ہو تو مکروہ ہے لیکن اس فعل سے کافر نہ ہوگا۔ اور اگر ایسا کرنا قربت الٰہی کے لئے ہو تو کچھ حرج نہیں۔

چند مفردات

۱- اَطالَ اس نے دراز کیا۔ الاطـــالة دراز کرنا۔ ۲- الجائی صیغہ اسم فاعل بمعنی آنے والا۔

۳- اِدراک پالینا۔ ۴- تقرب باللّٰہ اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنا۔

تشریح

اگر امام آنے والے کے لئے رکوع طویل کر دے تا کہ وہ شامل ہو جائے لیکن ایسا کرنا تقرب الٰہی اور حصول ثواب کے لئے نہ ہو بلکہ ویسا ہی کرے تو کراہت تحریمی ہوگی۔ اور اس پر امر عظیم کا اندیشہ ہے لیکن کفر نہیں۔ کیونکہ اس نے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر آنے والے کو نہ پہچانے تو طوالت رکوع میں کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ لوگوں پر بوجھ نہ ہو۔ النہر الفائق میں ہے کہ تقرب الی اللہ کے لئے ایسا کرنا بالاتفاق مکروہ نہیں۔ اگر امام اس لئے قرأت لمبی کرتا ہے تا کہ لوگ پہلی رکعت میں شامل ہو جائیں تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔ اور اگر کسی آنے والے کے لئے رکوع تقرب الی اللہ کی خاطر دراز کیا جائے بشرطیکہ اسکے دل میں سوائے تقرب کے کوئی خیال نہ آئے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس طرح کا معاملہ بہت کم پیش آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام اسے مسئلہ امر سے تعبیر کرتے ہیں۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ چنانچہ امام صاحب سے مروی ہے کہ ایسا کرنے والے پر کفر کا اندیشہ ہے۔

تحمید و تسمیع کا بیان

و قال بعضهم يطيل التسبيحات ثم يرفع رأسه و يقول سمع اللّٰه لمن حمده و ان كان مقتديا يأتي بالتحميد و لا يأتي بالتسميع عندنا و ان كان منفردا يأتي بهما و اما الامام فيأتي بالتحميد ايضا على قولهما و في رواية يقول اللّٰهم ربنا لك الحمد و لا يزيد على هذا –

ترجمہ......یعنی اور بعض نے کہا ہے کہ دیر تک تسبیحات پڑھتا رہے پھر اپنا سر اٹھائے یعنی رکوع سے سر اٹھائے اور کہے سَمِعَ اللّٰهُ لمن حمده (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔) اگر مقتدی ہو تو صرف تحمید کہے پر اکتفا کرے یعنی رَبَّنَا لَکَ الحمدُ کہے اور تسمیع یعنی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حمده نہ کہے۔ اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو پھر دونوں کہے۔ رہا امام تو وہ تسمیع کے ساتھ تحمید بھی کہے۔ اور یہ صاحبین کے قول کے مطابق ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ کہے اَللّٰھمَ رَبَّنَا لَکَ الحمدُ۔ اور اس سے اضافہ نہ کرے۔

چند کلمات کی تشریح

۱- تَحْمِیْدَ یعنی تعریف کرنا مراد ربَّنَا لَکَ الْحَمْدَ کہنا ہے۔

۲- تَسْمِیْعَ سنانا یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کہنا۔

۳- مُنْفَرِدُ تنہا نماز پڑھنے والا۔

۴- لَا یَزِیْدُ زیادہ نہ کرے۔

تشریح

بعض کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ صرف تسبیحات کے الفاظ کو لمبا کرے لیکن انکی تعداد میں اضافہ نہ کرے اس میں اور پہلے کلام میں کوئی فرق نہیں۔ پھر رکوع پورا کرنے کے بعد اپنا سر اٹھائے اور سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور امام اس حالت رفع میں سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ امام حلبی لکھتے ہیں کہ یہاں سماع سے مراد قبول کرنا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ جب حضور اقدس اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھاتے تو طویل کلمات ارشاد فرماتے جن میں سمع اللہ لمن حمدہ بھی شامل ہے۔ اگر نمازی مقتدی ہو تو صرف تحمید کہے اللّٰھم ربنا لَکَ الْحَمْدَ کہنا بہتر ہے لیکن مقتدی ہمارے نزدیک تسمیع نہ کہے البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اذا قال الامام سمع اللّٰہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد۔ اور اگر نمازی منفرد ہو تو دونوں کہے۔ چنانچہ ہدایہ میں یہی مذکور ہے۔ پس اسکے خلاف بھی مروی ہے لیکن اسکا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر امام ہو تو وہ تسمیع اور تحمید دونوں کہے۔ صاحبین کا یہ قول ہے۔ اور امام حسن بن زیاد نے ایک روایت میں امام ابوحنیفہ سے یہی نقل کیا ہے۔ ظاہر روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صرف تسمیع کہنے پر اکتفا کرے تحمید نہ کہے۔ لیکن بہت سے متاخرین نے صاحبین کے قول کو اختیار کیا ہے یعنی تسمیع اور تحمید دونوں کو جمع کرے اور یہی اہل مدینہ کا قول ہے۔ پوری تفصیل علامہ حلبی نے شرح کبیر میں کر دی۔ بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ امام ربَّنَا لَکَ الْحَمْدَ پر اکتفا کرے اس سے مزید کچھ نہ کہے لیکن امام کے حق میں یہ کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ کسی روایت میں صاحبین یا امام ابوحنیفہ سے امام کے حق میں تحمید پر اکتفا کرنا مروی نہیں۔ تو پھر اسکا مفہوم یہ ہوا کہ مصنف کی اس عبارت میں کاسب سے سہواً التقدیم تاخیر واقع ہوگئی۔ اور اسکا محل پہلے ہے۔ اور یہ ضمیر منفرد کی طرف راجع ہے۔ یعنی اگر نمازی منفرد ہو تو تسمیع اور تحمید ایک روایت کے مطابق دونوں کہے۔ اور ایک روایت کے مطابق صرف تحمید کہے اور اس پر اضافہ نہ کرے۔

قومہ کا بیان

و یرسل الیدین فی القومۃ کذا قال الصدر الشھید فی واقعاتہ و ذکر السید الامام فی الملتقط انہ یاخذ بیدہ و فی صلوۃ الجنازۃ و وقت الثناء و القنوت یاخذ علی قول اکثر المشائخ و فی تکبیرات العیدین یرسل

ترجمہ......اور رکوع کر بعد سیدھا کھڑا ہوتے وقت دونوں ہاتھ کو کھلا چھوڑ دے چنانچہ صدر الشہید نے اپنے واقعات میں

اسی طرح فرمایا ہے۔اور ملتقط میں سید امام نے بیان کیا ہے کہ اس موقع پر ہاتھوں کو پکڑے اور نماز جنازہ میں ثناء پڑھتے وقت اور دعا قنوت پڑھتے وقت اکثر مشائخ کے قول کے مطابق ہاتھوں کو تھامے رکھے۔البتہ دوعیدوں کی زائد تکبیریں کہتے وقت ہاتھوں کو چھوڑ دے۔

چند الفاظ کی تشریح

۱- یُرْسِلُ چھوڑ دے۔ ۲- القومة رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔

۳- یَأخُذُ وہ پکڑے۔ ۴- تکبیرات یہ تکبیرۃ کی جمع ہے اللہ اکبر کہنا۔

تشریح

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو ہاتھوں کو لٹکائے رکھے۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔امام حسام الدین نے جو صدر الشہید کے لقب سے مشہور و معروف ہیں انھوں نے اپنے واقعات میں اسی طرح ذکر کیا اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔لیکن ملتقط میں مذکور ہے کہ حالتِ قومہ میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے۔لیکن یہ قول نادر اور غریب ہے۔اور پوری نمازِ جنازہ اور ثناء پڑھتے وقت اور نمازِ وتر کی دعا قنوت میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو تھامے رکھے۔اکثر مشائخ کا یہی قول ہے۔چنانچہ شیخین کا یہی قول ہے۔اس لئے کہ ان کے نزدیک جس قیام میں ذکر مسنون ہو ہاتھ باندھنے سنت ہیں۔لیکن امام ابوحفص فضلی کے خیال میں ان سارے مقامات میں ہاتھوں کو کھلا رکھنا امام محمد کے قول کی وجہ سے مختار ہے۔اس لئے کہ امام موصوف نے فرمایا کہ جس قیام میں قرأت ہو وہاں ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔جبکہ شیخین کے نزدیک خشوع اور تعظیم کی وجہ سے ہاتھ باندھنا مناسب ہے۔رہی بات کہ دوعیدوں کی زائد تکبیروں میں ارسال یدین بالاتفاق ہے کیونکہ ان میں کوئی ذکر مسنون نہیں۔

سجدہ کا بیان

فاذا اطمأنَّ قائما كبّر بالخرور و سجد و يضع ركبتيه اولا ثم يديه ثم وجهه بين كفيه على الارض و يبدى ضبعيه عن جنبيه و يجافى بطنه عن فخذيه و المرأة تنخفض فى سجودها و تلزق بطنها بفخذيها و يقرأ فى سجوده سبحان ربى الاعلىٰ ثلثا و ذلك ادناه و ان زاد فهو افضل و يترك على وتر ثم يرفع رأسه و يقعد و يضع يديه علىٰ فخذيه فاذا اطمأن قاعداً كبر و سجد ثانيا و ان رفع رأسه قليلا ثم سجد ان كان الىٰ السجود اقرب لا يجزيه و ان كان اقرب الىٰ الجلوس جاز و هو الاصح و ذكر فى الملتقط انه يجزيه فاذا فرغ من السجدة ينهض قائما و لا يقعد و لا يعتمد بيده على الارض الا من عذر

ترجمہ...... جب نمازی کھڑا ہونے کی حالت میں اطمینان اور سکون سے ہو جائے تو سجدہ کرنے کے لئے نیچے جاتے ہوئے اللہ اکبر کہے اور زمین پر پہنچ کر سجدہ کرے۔ (اس ترتیب سے زمین پر اعضاء رکھے) سب سے پہلے دو گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر اپنا چہرہ دو ہتھیلیوں کے درمیان زمین پر رکھے۔ اور دونوں بازو اپنے دونوں پہلوں سے دور رکھے۔ اور اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے دور کر کے رکھے۔ اور عورت اپنے سجدے میں پست ہو جائے اور اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے جوڑے۔ اور مرد اپنے سجدے میں تین مرتبہ کہے سُبحان ربی الاعلیٰ۔ (یعنی میرا بلند و بالا پروردگار پاک ہے۔) اور یہ کم مقدار ہے۔ اور اگر اس سے بڑھائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن طاق عدد پر اکتفا کرے پھر اپنا سر سجدے سے اٹھائے اور بیٹھ جائے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھے۔ اور جب بیٹھتے ہوئے اسے اطمینان ہو جائے تو تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرے۔ اور اگر اس نے اپنا تھوڑا سا سر اٹھایا پھر سجدہ کیا اگر یہ حالت سجدے کے قریب تھی تو سجدہ جائز نہ ہوگا۔ اور اگر جلسے کے زیادہ قریب ہے تو جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور ملتقط میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سجدہ ہو جائے گا۔ پھر جب سجدے سے فارغ ہو جائے تو بغیر سہارا لئے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور نہ بیٹھے اور نہ زمین پر دونوں ہاتھوں سے ٹیک لگائے ہاں جب عذر ہو۔

چند الفاظ کی تشریح

۱-	اِطْمَأَنَّ	نمازی کو اطمینان اور سکون ہو جائے۔	۲-	الخرور	گر جانا۔
۳-	یُبْدِی	دور رکھے۔	۴-	ضبعیه	دونوں بازو۔ یہ ضبع کا تثنیہ ہے۔
۵-	جَنبیه	دونوں پہلو۔ یہ جَنبٌ کا تثنیہ ہے۔	۶-	یُجافی	دور رکھے۔
۷-	بطنٌ	پیٹ۔	۸-	فخذیه	اس کی دو رونیں۔ یہ فخذ کا تثنیہ ہے
۹-	تخفض	پست کرے۔	۱۰-	تلزق	جوڑے اور پیوست کرے۔
۱۱-	قَلیلٌ	تھوڑا۔	۱۲-	اَقْرَبُ	زیادہ قریب۔
۱۳-	ینهضُ	اٹھ کھڑا ہو۔			
۱۴-	و لا یعتمد بِیَدَیه	دونوں ہاتھوں سے ٹیک نہ لگائے۔ مراد یہ ہے کہ ہاتھوں پر سہارا نہ کر کے اٹھے بلکہ بلا سہارا اٹھ کھڑا ہو۔			

تشریح

جب نمازی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد پورے اطمینان سے سیدھا کھڑا ہو جائے یعنی سر اٹھانے سے اعضاء میں جو اضطراب پیدا ہو گیا تھا وہ سکون پذیر ہو جائے۔ اور پھر یہ سجدے کے لئے نیچے جاتے ہوئے تکبیر کہے مراد یہ ہے کہ تکبیر کہ ابتدا اور انتہا خُرور کی ابتدا کے ساتھ ہو۔ اور زمین پر اعضاء رکھنے میں وہی ترتیب معتبر ہے جس کا مصنف نے اپنے کلام میں ذکر فرمایا۔ مصنف کی عبارت یَقَعُ میں بعض

نخوں میں بغیر حرف واؤ ہے اور بعض میں حرف واؤ کے ساتھ ہے۔ پہلی صورت میں سَجَدَ کی تفسیر ہے اور دوسری صورت میں حرف تفسیر ہے۔ اور سنت کے مطابق کیفیت سجدہ کا بیان ہے۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو دونوں گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔ اور دو ہتھیلیوں کے درمیان اپنا مبارک چہرہ رکھتے۔ اور مصنف کی عبارت یُبْدِیُ اس کا معنی ہے یُظْهِرُ یعنی اپنے دونوں بازوؤں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے ظاہر کر کے رکھے۔ اس لئے کہ حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو سجدے کرے تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھ دے اور اپنی کہنی کو دور کرے۔ اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے دور رکھے۔ مردوں کے لئے یہ ہی سجدہ کرنے کا طریقہ ہے۔ البتہ عورت کے سجدہ کرنے کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ وہ سجدہ کرتے وقت انتہائی پست ہو جائے اور اپنی رانوں سے اپنے پیٹ کو جوڑ رکھے۔ کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ستر پوشی کا سبب ہے۔ اور مرد سجدے میں کم از کم تین مرتبہ تسبیحات کہے۔ چنانچہ عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ " فَسَبِّح باسم ربک العظیم اتری تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اسے اپنے رکوع میں رکھ لو۔ اور جب فسبح باسم ربک الاعلیٰ اتری تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے اپنے سجدہ میں رکھ لو۔ پس اس سے سجدے اور رکوع کی تسبیحات مراد ہوئیں۔ اور رکوع اور سجدے میں طاق مرتبہ تسبیحات کہے۔ اور پھر پہلے سجدے سے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اور ٹھیک بیٹھ جائے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر اس طرح رکھے کہ جس طرح تشہد میں رکھتا ہے۔ اور جب بیٹھنے کی حالت میں اطمینان ہو جائے اور مضطرب اعضاء ساکن ہو جائیں تو دوسرے سجدے کے لئے تکبیر کہتے ہوئے جائے۔ علامہ حلبی کہتے ہیں کہ تکبیر انتقالات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اس لئے کہ اس کا حق ادا کیا جا سکے۔ بلکہ ادائیگی حق میں اس کی شان اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ فرشتوں نے کہا ما عَبَدْنَاکَ حق عبادک۔

مسئلہ: اگر کسی نے پہلے سجدے سے تھوڑا سا سر اٹھایا لیکن سیدھا ہو کر نہ بیٹھا اور دوسرے سجدے میں چلا گیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس صورت میں یہ شخص بیٹھنے کی بہ نسبت سجدے کے زیادہ قریب ہے یا ایسا نہیں تو اس صورت میں اس کا نہ سر اٹھانا صحیح ہوا نہ دوسرا سجدہ۔ لیکن ملتقط میں یہ مذکور ہے کہ اس صورت میں بھی اس کا سجدہ ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے بیان فرمایا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے اور محیط میں یہ ذکر آیا ہے کہ یہ شخص قعود کی بہ نسبت سجدے کے زیادہ قریب ہو تو یہ سجدے ہی شمار ہو گا۔ اور اس صورت میں اس کا ایک ہی سجدہ ہو گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر اس نے ہوا گزرنے کی مقدار سر اٹھایا تو قیاس کے مطابق اس کا سجدہ ہو گیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اس کی تصحیح فرمائی اور یہ ہی ظاہر ہے۔ لیکن اسی پر اکتفا کرنا شدید مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں جس پر دوام فرمایا اس کی مخالفت ہے۔ نمازی جب دوسرے سجدے سے فارغ ہو جائے تو بغیر بیٹھنے کے سیدھا کھڑا ہو جائے اور زمین سے اٹھتے وقت بالکل ٹیک نہ لگائے۔ ہاں اگر معذور ہو تو الگ بات ہے۔

فائدہ: دوسرے سجدے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر اٹھنا اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ سنت نہیں اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ دوسری رکعت کے لئے اپنے دونوں قدموں کے سینے پر اٹھ کھڑے ہوتے اور بالکل نہ بیٹھتے۔ چنانچہ امام شامی سے روایت ہے کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما اور دیگر اصحاب رسول ﷺ بغیر بیٹھے ایک دم سیدھا کھڑے ہو جاتے۔ اور اسی طرح نعمان سے روایت ہے کہ میں بے شمار اصحاب

رسول کو دوسرے سجدے سے فراغت کے بعد ایک دم سیدھا کھڑا ہوتے پایا۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نمازی کو اٹھتے وقت ہاتھوں سے ٹیک لگانے سے منع فرمایا۔ لہٰذا جس روایت میں آپ کا ٹیک لگا کر اٹھنا مروی ہے وہ آپ ﷺ کے بڑھاپے کی حالت پر مبنی ہے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسری رکعت کا بیان

و یفعل فی الرکعة الثانیة مثل ما فعل فی الاولیٰ الا انه لا یستفتح و لا یتعوذ و لا یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولیٰ عندنا۔

ترجمہ...... پھر نمازی دوسری رکعت میں بھی وہی کام بجالائے جو اس نے پہلی رکعت میں سرانجام دیئے تھے مگر یہ کہ ثناء نہ پڑھے اور تعوذ (اعوذ باللہ) بھی نہ کہے۔ اور سوائے پہلی تکبیر (تکبیر تحریمہ) کے اپنے ہاتھ بھی نہ اٹھائے ہمارے نزدیک۔

تشریح

مفہوم یہ ہے کہ جو اقوال و افعال اس نے پہلی رکعت میں کیے وہی دوسری رکعت کی ادائیگی کے وقت بھی کرے۔ مراد یہ ہے کہ دونوں رکعت ایک ہی طرح ادا کرے پس دونوں میں کچھ تفاوت ہے ہاں البتہ اس دوسری رکعت میں ثناء اور تعوذ اور دونوں ہاتھوں کا تکبیر تحریمہ کی طرح اٹھانا نہیں۔ ثناء تعوذ نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں محل ابتدائے نماز یا آغاز قرأت سے (جو گزر گیا ہے) اور عدم رفع کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سوائے چند مخصوص مقامات مثلاً آغاز قنوت اور تکبیرات عیدین، استلام حجر اسود اور صفا و مروہ عرفہ اور مزدلفہ میں دعا مانگتے وقت ہاتھ اٹھائے اور دونوں ہاتھوں کے اندرونی حصہ کو آسمان کی طرف کرکے دعا مانگے اور ان سب مقامات میں رفع یدین کا حکم ہے پس ان کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں۔ پھر انہوں نے نماز پڑھی تو صرف پہلی مرتبہ تکبیر تحریمہ کے موقع پر ہاتھ اٹھائے۔ (کبیری)

لیکن امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک رکوع کی طرف جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا چاہئے چنانچہ صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یونہی آیا ہے۔ فریقین کے دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

چند الفاظ کی وضاحت

۱- **یفعل** وہ کرے۔

۲- مثل مانند اور اسی جیسا کام۔ ترکیب۔ لفظ مثل، مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے اور حرف ما مصدریہ ہے پس تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ فعلاً مثل الفعل فی الاولیٰ۔ (فائدہ) بعض نے لکھا ہے کہ فعل اور عمل اگر چہ دونوں بمعنی کام ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ "عمل" اختیار سے کام کرنے کو کہتے ہیں جبکہ فعل عام ہے۔

۳- لا یستفتح وہ ثناء نہ پڑھے۔ الاستفتاح الثناء۔

۴- لا یتعوذ اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

۵- لا یرفع یدیہ اپنے دونوں ہاتھ نہ اٹھائے۔ رفعٌ اٹھانا۔

۶- تکبیر اولیٰ پہلی تکبیر۔ (جو تکبیر نماز شروع کرتے وقت کہی جاتی ہے۔ پس اس کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور تکبیر استفتاح بھی کہتے ہیں)

قعدۂ اولیٰ کا بیان

فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية فى الركعة الثانية افترش رجله اليسرىٰ و جلس عليه و نصب اليمنى نصبا و يوجه اصابعه نحو القبلة و يضع يديه على فخذيه و يفرج اصابع لاكل التفريج ثم يتشهد و يقول اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ وَ الطَّيِّبَاتُ الىٰ عَبْدُه وَ رَسُوْلُهٗ و لا يزيد على هذا فى القعدة الاولى فان زاد قال بعض المشائخ رحمهما الله عليه ان قال " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰىٓ اٰلِ مُحَمَّدٍ" ساهياً يجب عليه سجدتا السهو و عن ابى حنيفة رحمه الله ان زاد حرفا فعليه سجدتا السهو و اكثر المشائخ رحمهما الله على هذا

ترجمہ...... جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔ اور اپنی انگلیوں کا قبلہ کی طرف رُخ کرے اور دونوں رانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ اور اپنی انگلیوں کو کسی قدر کشادہ رکھے لیکن بالکل کشادگی نہ ہو پھر عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک تشہد پڑھے۔ پہلے قعدے میں اس سے اضافہ نہ کرے۔ اگر اس نے اضافہ کیا تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب " اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰیٓ اٰلِ مُحَمَّدٍ " بھول کر کہہ دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اگر ایک حرف بھی زیادہ کرے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ اور اکثر مشائخ کا یہی قول ہے۔

چند الفاظ کی تشریح

۱- اِفْتَرَشَ وہ بچھائے۔ ۲- الرِّجْلُ الْيُسْرىٰ بایاں پاؤں۔
۳- يَنْصِبُ نصباً کھڑا کرنا۔ ۴- نحو الْقِبْلَةِ قبلہ کی طرف۔
۵- التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ ساری قوی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ۶- الصَّلَوٰتُ بدنی عبادتیں۔
۷- الطَّيِّبَاتُ مالی عبادتیں۔ ۸- زاد بڑھادے۔
۹- سَاهِي بھولنے والا۔

تشریح

یہاں انگلیوں سے پاؤں کی انگلیاں مراد ہیں۔ یعنی اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف کرے۔ ہمارے نزدیک دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہی ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قعدوں میں تَوَرُّک ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک پہلا قعدہ ہمارے قول کے مطابق ہے۔ جبکہ دوسرا قعدہ امام مالک کے قول کے مطابق ہے۔ تورُّک کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو آگے کرے اور دوسرے کو کھڑا رکھے اور اپنے چوتڑوں پر بیٹھے۔ ہمارے نزدیک تشہد میں بیٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کی انگلیاں اپنے رانوں پر کسی قدر کشادگی سے رکھے لیکن بالکل کشادگی نہ ہو لیکن امام شافعی کے نزدیک بائیں ہاتھ کی انگلیاں کشادہ رکھے جبکہ سوائے انگلی شہادت کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو سمیٹ کر رکھے۔

قعدے میں اشارہ کرنے کی بحث

س: کیا تشہد میں بیٹھ کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے یا نہ کرے؟

ج: اس میں ہمارے آئمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ خلاصہ اور دوسری کتابوں میں فرمایا کہ اشارہ نہ کرے اور اسی کی تصیح فرمائی۔ شارحینِ ہدایہ نے فرمایا کہ اشارہ کرے۔ ملتقط وغیرہ میں یہی آیا ہے۔ اشارہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ شہادت دینے کے وقت انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے دائیں ہاتھ سے حلقہ بنائے۔ اور دوسری دو چھوٹی انگلیوں کو سمیٹ رکھے اور انگلی شہادت سے اشارہ کرے دوسری صورت یہ ہے کہ یعنی درمیانی انگلی اور دوسری دو چھوٹی انگلیوں کو سمیٹ رکھے اور انگوٹھے کا سرا انگلی وسطیٰ کے کنارے پر رکھے اور شہادت کے وقت انگلی اٹھائے اور اثبات کے وقت رکھ دے۔ اور دو انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔ جب مذکورہ طریقے پر بیٹھے تو عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ تک کلماتِ تشہد پڑھے۔ اور یہ کلمات شہادت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور ﷺ نے نقل کردہ روایت کے مطابق ہیں۔ علامہ حلبی کبیری میں لکھتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق ہیں۔ اور پہلے قعدہ میں صرف اسی قدر الفاظ پڑھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا طرزِ عمل یہی روایات میں آیا ہے۔ اگر الفاظِ تشہد سے کچھ اضافہ کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک اگر کلمات درود "اَللّٰھُمَّ

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وَّ علیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ" تک بھول کر پڑھے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ امام حسن بن زیاد کی امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے کہ اگر تشہد سے ایک حرف بھی اضافہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے۔ مصنف نے فرمایا کہ اکثر مشائخ کا یہی قول ہے۔ خلاصہ وغیرہ میں آیا ہے کہ اگر " اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ " کہے تو سجدہ سہو لازم ہو جائے گا اور پہلی صورت میں اگر " وَّ علیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ " کا اضافہ کرے تو پھر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اکثر مشائخ صحیح روایت کے مطابق اسی کے قائل ہیں۔

تیسری رکعت کا بیان

فاذا اقام الیٰ الثالثة لا یعتمد بیدیه علی الارض و ان اعتمد فلا بأس به و ان کانت الصلوة فریضة فهو مخیَّر فی ما بعد الاُوْلَیَیْن بین ان یقرأ وبین ان یسبح وبین ان یسکت والقراءة افضل فان قراء یقرأ الفاتحة فحسب و لا یزید علیه شیئا فان ضم السورة ساهیا یجب علیه سجدتا السهو فی قول ابی یوسف رحمه اللّٰه و فی ظاهر الروایة لا یجب

ترجمہ...... پھر جب تیسری رکعت پڑھنے کے لئے اٹھے تو پھر اپنے ہاتھوں سے زمین پر ٹیک نہ لگائے اور اگر ہاتھوں پر سہارا کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر نماز فرض ہو تو پہلی دو رکعتوں کے بعد نمازی کو اختیار ہے۔ کہ صرف قرأت کرے۔ دوسری یہ کہ تسبیحات پڑھے۔ تیسری یہ کہ خاموش رہے لیکن قرأت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اگر قرأت کرے تو صرف سورۃ فاتحہ پڑھے۔ پس یہ کافی ہے اور اس پر کوئی اور اضافہ نہ کرے۔ پھر اگر فاتحہ کے ساتھ بھول کر کوئی سورۃ ملائے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ جبکہ ظاہر روایت میں واجب نہیں۔

چند الفاظ کی تشریح

۱- مُخَیَّرٌ اختیار دیا ہوا۔ ۲- یَسْکُتُ خاموش رہے۔

۳- فَحَسْبُ یہی کافی ہے۔ ۴- ضَمٌّ ملانا۔

۵- لَا یَجِبُ واجب نہیں۔

تشریح

جب نمازی تیسری رکعت پڑھنے کے لئے اٹھے تو زمین پر سہارا کئے بغیر اٹھ کھڑا ہو اس لئے کہ حدیث پاک میں اس موقع پر زمین پر ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اگر اس نے سہارا کر لیا تو پھر بھی مضائقہ نہیں۔ اور حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جب

کوئی عذر نہ ہوتو مکروہ ہے۔اور اس اٹھنے کے وقت تکبیر کہے جیسا کہ صحیح حدیث میں صراحتاً وارد ہوا ہے۔اور اگر یہ نماز فرض ہو یعنی ثلاثی اور رُباعی ہوتو پھر پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنے کے بعد اب اسے تین باتوں میں سے کسی ایک کے کرنے کا اختیار ہے۔ایک یہ کہ قرأت کرے۔دوسری یہ کہ تسبیحات پڑھے۔تیسری یہ کہ خاموش رہے۔البتہ قرأت کرنا سب سے بہتر ہے۔جیسا کہ فرائض کی بحث میں گزر چکا۔مصنف کے کلام میں فَحَسْبُ کا مفہوم یہ ہے کہ صرف فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرے۔اور یہ کلمہ سکون سین کے ساتھ ضمہ پر مبنی ہے جس کا معنی فقط ہے۔اور فاتحہ شریف پر کوئی چیز کا اضافہ نہ کرے۔کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا متواتر یہی عمل رہا ہے۔اگر فاتحہ کے ساتھ بھول کر سورۃ ملادی تو قاضی ابو یوسف کے قول کے مطابق سجدہ سہو واجب ہو گا۔کیونکہ رکوع میں تاخیر ہوگئی۔لیکن زیادہ ظاہر روایت میں وُجوب سجدہ نہیں۔اس لئے کہ دونوں رکعتوں میں بغیر تقدیر قرأت مشروع ہے اور صرف فاتحہ پر اکتفا کرنا سنت ہے واجب نہیں۔

نفل نماز کا بیان

واما اذا كانت الصلوة سنة او نفلا فليبتدئ كما ابتدأ في الركعة الاولىٰ يعني انه يأتي بالثناء و التعوذ لان كل شفع من النفل صلوة على حدة و يقعد في القعدة الاخيرة مثل ما قعد في الاولىٰ –

ترجمہ......لیکن جب نماز سنت یا نفل ہوتو پھر تیسری رکعت کو اسی طرح شروع کرے جس طرح پہلی رکعت کو شروع کیا تھا۔یعنی تیسری رکعت میں بھی ثناء اور تعوذ پڑھے کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے۔اور آخری قعدہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح پہلے قعدہ میں بیٹھا تھا۔

چند الفاظ کی تشریح

۱- يَبْدأُ شروع کرے۔ ۲- يَاتِي ادا کرے اور لائے۔

۳- شَفعٌ جُفت۔ ۴- يقعدُ بیٹھے۔

تشریح

یہاں سنت سے مراد سنتِ راتبہ ہے اور نوافل سے مراد غیر راتبہ ہے۔ثناء اور تعوذ پڑھے یعنی رفع یدین نہ کرے۔اور ان کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ نوافل کی دو رکعت مستقل نماز ہے۔اور یہ بھی آئمہ نے فرمایا کہ پہلے قعدہ میں درود شریف بھی پڑھے۔لیکن سنت ظہر اور جمعہ میں ایسا نہ کرے کیونکہ وہ ایک ہی نماز ہے۔ہدایہ کی بعض شُروح میں ہے کہ سنتِ ظہر اور جمعہ میں پہلے قعدہ میں درود شریف نہ پڑھے۔اور جب تیسری رکعت کے لئے اٹھے تو ثنا بھی نہ پڑھے۔قنیہ میں ہے کہ ظہر کی سنتوں کے پہلے قعدہ میں اگر بھول کر درود شریف پڑھ لیا تو سجدہ سہو کے وجوب میں دو قول ہیں۔ایک میں سجدہ سہو واجب ہے جبکہ دوسرے میں واجب نہیں اور اس کی تفصیل علامہ حلبی کی شرح کبیر میں موجود ہے۔

قعدوں میں بیٹھنے کا بیان

والمرأة تقعد على اليتها اليسرى في القعدتين و تخرج رجليها من الجانب الايمن و يتشهد فاذا تم التشهد يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم و يستغفر لنفسه و لوالديه ان كانا مؤمنين و لجميع المؤمنين و المؤمنات و يدعو بالدعوات الماثورة او بما يشبه الفاظ القران و لا يدعو بما يشبه كلام الناس نحو قوله اللّٰهم اكسني او اللّٰهم زوّجني فلانة حتى لو قال في وسط الصلوٰة تفسد صلوته و روى عن بعض المشائخ انه قال لا يقول و ارحم محمدا او اكثر المشائخ على انه يقول للتوارث و يقول و رحمت و لا يقول و ترحمت و ان قال و ترحمت بالتخفيف فهو خطأ و لو قال و ترحمت بالتشديد يجوز و لا يقول في الحالين ربنا انك حميد مجيد بخلاف انك حميد مجيد و لو قال لا بأس به

ترجمہ...... اور عورت دونوں قعدوں میں اپنی بائیں سُرین پر بیٹھے اور دائیں طرف سے اپنے دونوں پاؤں باہر نکال دے۔ اور تشہد پڑھے۔ (یعنی نمازی کلمات تشہد پڑھے)۔ اور پھر جب تشہد پورا ہو جائے تو پھر حضور ﷺ پر درود شریف پڑھے۔ اور اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے جبکہ وہ دونوں مسلمان ہوں تو بخشش کی دعا مانگے۔ اور باقی سارے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بھی اس دعا میں شامل کرے۔ اور اس موقع پر منقولہ دعائیں پڑھے۔ اور ایسے کلمات سے دعا مانگے جو الفاظِ قرآن سے مشابہ ہوں۔ اور ایسے کلمات سے دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام سے مشابہت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ یہ کہنا کہ اے اللہ! مجھے لباس پہنا دے۔ یا یہ کہنا کہ اے اللہ! میرا فلاں عورت سے نکاح کر دے۔ یہاں تک کہ اگر نماز کے درمیان ایسے کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور بعض مشائخ سے یہ روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا (کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے دوران) وَ ارْحَمْ مُحَمَّداً نہ کہے۔ (یعنی محمد ﷺ پر رحم فرما) لیکن اکثر مشائخ فرماتے ہیں کہ منقول ہونیکی وجہ سے ایسا کہہ سکتا ہے۔ اور یہ کہے کہ (وَرَحِمْتَ) اور یہ نہ کہے کہ تَرَحَّمْتَ اور اگر تَرَحَمْتَ تخفیف سے کہے تو یہ غلط ہے۔ اور اگر تَرَحَّمْتَ تشدید سے کہے تو جائز ہے۔ اور دونوں حالتوں میں رَبَّنَا اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ نہ کہے۔ اور اگر کہہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

چند الفاظ کی تشریح

۱- المرأة عورت۔ ۲- اِلْیَۃ سُرین۔ ۳- جانب الایمن سیدھی جانب۔ ۴- یستغفر بخشش مانگے۔ ۵- یدعو دعا مانگے۔

۶- دعوات ماثورۃ ... منقول دعا۔،۷- یشبہ جومشابہت رکھے۔،۸- اَکْسُنِیْ مجھے کپڑے پہنادے۔،۹- زَوِّجْنِی میری شادی کردے۔،۱۰- حمید مجید تعریف والا، بزرگی والا۔

تشریح

عورت دونوں قعدوں میں ایک خاص انداز کے مطابق بیٹھے جو مصنف کے قول میں مذکور ہے اور آخری قعدے میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھے یہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔ اور جمہور کا بھی یہی خیال ہے۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔ البتہ پوری زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ جب بھی حضور ﷺ کا ذکر آئے تو امام طحاوی کے نزدیک واجب ہے۔ جبکہ امام کرخی کے نزدیک ہر مرتبہ ضروری نہیں۔ اور امام طحاوی نے فرمایا کہ یہی صحیح اور پسندیدہ قول ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب میرا ذکر ہو تو وہ مجھ پر ضرور درود بھیجے۔ درود شریف کے باب میں کئی احادیث اور روایات مروی ہیں۔ اور ایک ہی مجلس میں حضو ﷺ کا ذکر بار بار آئے تو کافی میں فرمایا کہ صحیح قول کے مطابق ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا لازم ہے۔ لیکن بار بار پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن اگر ایک مجلس میں تکرار سے آیت سجدہ تلاوت ہوئی تو سجدہ تلاوت ایک ہی بار ادا کیا جائے گا۔ اور اگر ایک مجلس اور بہت سی مجالس میں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی تکرار سے لیا گیا تو ہر مجلس میں مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی تعریف واجب ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو اس کی قضا نہیں۔ اور تشہد پڑھنے کے بعد پسندیدہ قول یہ ہے کہ آدمی یہ درود شریف پڑھے کہ:

" اللّٰهم صَلِّ علىٰ محمدٍ وَّ علىٰ اٰلِ محمدٍ كما صَلَّيْتَ على ابراهيمَ و على اٰلِ ابراهيمَ اِنَّكَ حميد مجيد اور اللّٰهم بارِكْ علىٰ محمدٍ وَّ علىٰ اٰلِ محمدٍ كما بارَكْتَ علىٰ اِبرَاهيمَ و على اٰلِ ابراهيمَ اِنَّكَ حميد مجيد"

یعنی اے اللہ! محمد ﷺ پر درود (رحمت) بھیج اور ان کی آل پر بھی جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت بھیجی۔ بے شک تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔

اے اللہ! محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو قابل تعریف اور برگزیدہ ہے۔

س: درود شریف کے کلمات مذکورہ میں حرف کاف برائے تشبیہ جو مشبہ اور مشبہ بہ کو چاہتا ہے۔ پس صلوٰۃ النبی مشبہ اور صلوٰۃ ابراہیم مشبہ بہ ہے۔ اور مشبہ بہ اقوی من المشبہ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ صلوٰۃ بر ابراہیم صلوٰۃ بر نبی سے اقویٰ ہوئی حالانکہ یہ شانِ رسول ﷺ کے خلاف ہے اور مسلمات کے منافی اور متضاد ہے۔

ج-۱ یہاں تشبیہ نفسِ صلوٰۃ میں ہے۔ قدرِ صلوٰۃ میں نہیں جیسا کہ " كُتب عليكم الصيام كما كُتب على الذين من قبلكم " میں ہے اور آیت " اِنَّا اَوحَينَا اِليک كما اَوحَينَا اِلىٰ نوح " میں ہے۔

ج-۲ یہاں تشبیہ صرف آل کی طرف راجع ہے نہ کہ حضور اقدس ﷺ کی طرف چنانچہ علامہ شامی نے اس بحث میں چند جواب ذکر فرمائے

ہیں۔ان میں سے بعض یہ ہیں۔ و الثالث ان المطلوب صلوٰۃ یتخذ اللہ تعالیٰ بھا نبینا (ﷺ) خلیلاً کما اتخذ ابراھیم علیہ السلام خلیلاً وقد استجاب اللہ تعالیٰ دعاء عبادہ فاتخذہ اللہ تعالیٰ خلیلاً ایضاً ففی حدیث الصحیحین و لکن صاحبکم خلیل الرحمن۔ (شامی جلداول صفحہ ۳۸۰)

یعنی یہاں صلوٰۃ سے مطلق صلوٰۃ مراد نہیں بلکہ وہ صلوٰۃ مراد ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمارے نبی ﷺ کو اپنا خلیل بنائے جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا قبول فرمائی اور حضور اقدس ﷺ کو اپنا خلیل بنایا جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔لوگو! تمہارا ساتھی رحمٰن کا خلیل ہے۔

چند دوسرے جواب بحوالہ شامی:۔

۱) حضرت ابراہیم کا تذکرہ،ان کے باپ ہونے کی وجہ سے،اور تشبیہ فی الفضائل بالأباء مرغوب فیہ ہوا کرتی ہے۔

۲) تمام رسولوں میں ان کی شان بلند و بالا ہے۔اور وہ بقایا انبیائے کرام سے علی الراجح افضل ہیں۔

۳) معالم دین میں ہم ان کے موافق ہیں۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے " مِلَّۃَ ابیکم ابراھیم "۔

۴) پچھلے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل باقی رکھا گیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:" و اجعل لی لسان صدق فی الأخرین ٥ اور ہمیں ان کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا. " ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً ٥

یہ سب باتیں ان کے ذکر اور وجہ شبہ پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ عام طور پر متعارف ہے۔علامہ شامی نے اس اشکال کا یہ بھی جواب دیا ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ دائماً مشبہ بہ اقویٰ من المشبہ ہو بلکہ بعض اوقات دونوں مساوی ہوا کرتے ہیں جبکہ بعض اوقات مشبہ بہ ادنیٰ من المشبہ ہوا کرتا ہے۔ادنیٰ کی مثال جیسے:

" مثلُ نورہٖ کمشکوٰۃ " (قال الشامی) این یقع نور المشکوٰۃ من نورہٖ تعالیٰ . و فیہ ایضاً انَّ ھذا من غیر الغالب فان المشبہ بہ قد یکون مساویاً للمشبہ او ادنیٰ منہ لکنہ یکون اوضح لکونہ حسیاً مشاھداً . او لکونہ مشھوراً فی وجہ الشبہ فالاول نحو مثل نورہ کمشکوٰۃ و این یقع نور المشکوٰۃ من نورھن تعالیٰ والثانی کما ھنا وفان تعظیم ابراھیم و آلہ بالصلوٰۃ علیھم واضح بین اھل الملل ، فحسن التشبیہ لذالک و یؤیدہ ختم ھذا الطلب بقولہ فی العالمین و تمامہ فی الحلیۃ و ایضا قال فی شرح الکبیر للجلی لان المشبہ بہ لا یلزم ان یکون اعلیٰ من المشبہ او مساویاً بل قد یکون ادنیٰ منہ فی مثل قولہ تعالیٰ مثل نورہ کمشکوٰۃ و سبب وقوعہ کون المشبہ مشھوراً فھو من باب الحاق غیر المشھور بالمشھور لا الناقص بالکامل و الدافع ان القدر الحاصل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ ازید مما حصل لغیرہ (اھ) (کبیری برحاشیہ صغیری صفحہ ۱۷۶)

قال فی رد المحتار ذیل ھذا البحث ان القدر الحاصل من الصلوٰۃ لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم و لأٰلہ اعلیٰ من الحاصل لابراھیم علیہ السلام و آلہ بدلالۃ روایۃ النسائی . من صلیٰ علیَّ واحداۃً صلی اللہ علیہ عشر صلوات و حط عنہ عشر سیأت و رفعت لہ عشر درجات و لم یرد فی حق ابراھیم او غیرہ مثل

ذلک - (اھ) (فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۳۸۰)

اوپر کی تمام درج کردہ عبارات کا خلاصہ مفہوم درج ذیل نتائج اور فوائد ہیں:

۱) اکثر اوقات مشبہ اور مشبہ بہ میں علاقہ علو ہوگا یعنی مشبہ بہ زیادہ تر مشبہ سے اعلیٰ ہوگا مگر یہ کوئی لازم اور کلیہ نہیں بلکہ بعض اوقات ثانی (مشبہ بہ) اول (مشبہ) سے ادنیٰ اور انقص ہوتا ہے اور گاہے دونوں میں مساوات ہوتی ہے۔ پس اول کی مثال جیسے مثل نورہ کمشکوٰۃ الخ یہاں دیکھئے مثل نورہ مشبہ اور "کمشکوٰۃ" اس کے لئے مشبہ بہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں مشبہ بہ ادنیٰ وانقص من المشبہ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور اور نورِ مشکوٰۃ میں کیا مناسبت ہوسکتی ہے۔ پھر تشبیہ اس بنا پر دی گئی کہ مشبہ بہ زیادہ واضح ہے یعنی حسی اور مشاہد ہے۔ پس اس کی مثال وہی گذشتہ مثال ہے۔ یا وجہ یہ ہوگی کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں زیادہ مشہور ہو۔ اس کی مثال جیسے صلوٰۃ بر ابراہیم وآلہ تمام ادیان اور ان کے ماننے والوں میں زیادہ مشہور ومعروف ہے پس تمام اہل جہان اس کو جانتے اور بلا تفریق مانتے ہیں پس تشبیہ بر بنائے شہرت ہے باوجودیکہ صلوٰۃ بر محمد وآلہ میں قوت وعظمت اور استحقاق رحمت زیادہ ہے جیسا کہ حدیث سنن نسائی سے عیاں ہے۔ جو کسی پر نہاں اور پنہاں نہیں۔ لہٰذا یہاں الحاق ناقص بالکامل نہیں بلکہ الحاق غیر مشہور بالمشہور ہے۔ کہ صلوٰۃ ابراہیم وبر آل ابراہیم مشہور در جہاں وبر اہل ادیان ہے جبکہ صلوٰۃ بر نبی وآلہ ﷺ اس قدر مشہور نہیں بلکہ اس کی بہ نسبت معرض خفاء میں ہے۔ پس یہ ہے دونوں میں وجہ تشبیہ۔

س: تمام انبیائے کرام میں صرف حضرت ابراہیم کو تشبیہ میں بروجہ تخصیص کیوں ذکر کیا گیا؟

ج: درمختار اور اس کے حاشیہ شامی میں اس کے تین جواب حسب ترتیب دیئے گئے:

پہلا جواب...... الاول انه سلّم علینا لیلة المعراج حیث قال ابلغ امتک منی السلام ۔ یعنی چونکہ شب معراج جناب ابراہیم نے بواسطہ نبی کریم ہمیں سلام پہنچایا جس کا یہ جواب ہے۔

دوسرا جواب...... و الثانی انه سمانا المسلمین کما اخبرنا عنه تعالیٰ بقوله هو سماکم المسلمین من قبل ای بقوله ربنا و اجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک و العرب من ذریته و ذریة اسماعیل (علیهما السلام) فقصدنا اظهار فضله مجازاةً علی هٰذین الفصلین منه۔

تیسرا جواب...... و الثالث ان المطلوب صلوٰة یتخذ اللّٰه تعالیٰ بها نبینا صلی الله علیه وسلم خلیلاً کما اتخذ ابراهیم علیه السلام خلیلاً و قدا ستجاب اللّٰه تعالیٰ دعاء عباده فاتخذه اللّٰه تعالیٰ خلیلاً ایضاً ۔ (درمختار وشامی جلد اول صفحہ ۳۸۰ وکبیری برحاشیہ صغیری صفحہ ۱۷۶)

جواب ثانی کا خلاصہ...... حضرت ابراہیم نے امت محمدیہ کو مسلمان قرار دیا اور انکے امت مسلمہ کی صورت میں ظاہر ہونے کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم کو (ابو المسلمین) فرمایا پس تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے والد بزرگوار کو اپنی نماز میں سلام بھیج کر یاد فرمائیں اور کسی قدر ان کا حق یاد کریں۔

جواب ثالث کا خلاصہ...... حضور اقدس ﷺ پر ایسی صلوٰۃ بھیجنا جو آپ کو درجہ خلیل تک پہنچائے جیسا انہیں درجہ عالیہ عطا فرمایا ہمارے

رسول گرامی ﷺ کو بھی یہی مرتبہ عالیہ عطا ہو۔ چنانچہ لوگوں کی دعاؤں سے وہ درجہ و مرتبہ آپ کو عطا ہو گیا۔ اس وجہ سے جناب ابراھیم کا دوران درود ذکر کیا گیا۔ یہ ہیں تخصیص بر ذکر ابراہیم کی تین وجوہات۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حبیب و خلیل (دونوں پر صلوٰۃ وسلام ہو) کے فیوضات و برکات سے نوازے۔ آمین!

دوسرا مسئلہ...... پھر اپنے اور اپنے ماں باپ کے لئے بخشش کی دعا مانگے بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں اور باقی تمام مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی دعائے مغفرت کرے۔ اور جو دعائیں منقول ہیں وہ مانگے یا جو قرآن مجید کے الفاظ سے مشابہت رکھتی ہیں وہ مانگے۔ لیکن جو بندوں کی باتوں سے مشابہت رکھتی ہیں وہ دعائیں نہ مانگے جیسا کہ یہ کہنا کہ اے اللہ مجھے لباس پہنا دے۔ میرا نکاح کر دے۔ اور اگر اس نے ایسا نماز کے اندر کہا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

تشریح

حضور ﷺ پر ہدیہ درود بھیجنے کے بعد اپنے اور اپنے والدین اور باقی تمام مسلمانوں کے لئے بخشش کی دعا مانگے۔ مثلاً یوں کہے " ربنا اغفرلیَ و لِوالدی و للمؤمنین یوم یقوم الحساب " یعنی اے ہمارے پروردگار مجھے اور میرے والدین اور تمام مسلمانوں کو روزِ قیامت بخش دے۔ نیز جو دعائیں حضور اقدس ﷺ سے مروی ہیں وہ مانگے۔ مثلاً یہ دعا مانگے: اللّٰھم اغفرلی ما قدمت و ما اخرت و ما سررت و ما اعلنت و ما اسرفت و ما انت اعلم به منی انت المقدم و انت المؤخر لا اله الا انت علی کل شیٔ قدیر . اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً و لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔

یعنی اے اللہ میرے اگلے پچھلے اور ظاہر باطن گناہ بخش دے اور وہ بھی جو مجھ سے زیادتی ہوئی اور وہ بھی جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو پہلے ہے تو پیچھے ہے تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور تو ہر چیز پر پوری طاقت رکھنے والا ہے، اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کئے اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ پھر اپنے پاس کی خصوصی بخشش سے مجھے نواز دے اور مجھ پر رحم فرما اور بے شک تو ہی سب کچھ بخشنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔ اور ایسے الفاظ کے ساتھ دعا مانگے جو قرآنی الفاظ کے مشابہ ہوں مثلاً یہ دعا مانگے " ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الأخرۃ حسنة و قنا عذاب النار " اور ربنا لا تُزِغ قلوبنا بعد اذْ ھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمة انک انت الوھاب۔

پس انہیں پڑھتے وقت دعا کا ارادہ کرے نہ کہ تلاوت قرآن پاک کا پھر یہ قرآن سے مشابہ ہوں گے لیکن قرآن نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ انھیں جُنبی اور حیض و نفاس والی عورت بھی پڑھ سکتی ہے۔ اور بندوں کے کلام کے مشابہ دعائیں نہ مانگے یعنی ایسے کلمات سے دعا نہ کرے جن کا بندوں سے مانگنا محال نہیں۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا کہ یوں نہ کہے کہ اے اللہ مجھے کپڑے پہنا دے یا میرا فلاں عورت سے نکاح کر دے یا مجھے دنیاوی مال دے۔ اور اگر اس نے ایسے کلمات دورانِ نماز کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اگر آخری قعدے کے بعد کہے تو نماز فاسد تو نہ ہوگی لیکن ترک سلام کیوجہ سے ناقص ہو جائے گی۔ کیونکہ سلام پھیر کر نماز سے باہر ہونا واجب ہے اور اس کے علاوہ نماز سے خروج نماز کے منافی ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک دُنیاوی امور کی دعائیں مانگنا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ ترجمہ عبارت......اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ نمازی حضور ﷺ پر درود بھیجتے وقت وَ ارحم محمداً نہ کہے کیونکہ اس سے حضور اقدس ﷺ کے حق میں تقصیر کا وہم ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مشائخ کی رائے یہ ہے کہ متاوارث ہونے کی وجہ سے یوں کہہ سکتا ہے کہ اس لئے کہ حدیث میں آیا کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تشہد میں بیٹھے تو یوں کہے: "اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ وَّ علیٰ اٰلِ محمدٍ وبارِک علیٰ محمدٍ وَّ علیٰ اٰلِ محمدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ و بَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ علیٰ اِبْرٰاھیمَ و علی اٰلِ ابراھیمَ اِنَّکَ حمید مجید" بعض نے یہ کہا ہے کہ ارحم محمدا کے یہ معنی ہیں کہ امت محمد پر رحم فرما تو پھر قصور کا مرجع امت ہوگی۔

ترجمہ......جب نمازی اِرْحَمْ محمداً کہے تو پھر رَحِمْتَ کہے اور ترحمت نہ کہے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پہلے اِرْحَمْ کہا اور تَرْحَمْ نہیں کہا لیکن یہ روایت حدیث کے خلاف ہے۔)

ترجمہ......اور اگر تَرْحَمْتَ سکون را سے کہے تو یہ غلط ہے۔ اور اگر رَحِمْتَ اور تَرَحَّمْتَ تشدید کے ساتھ کہے تو جائز ہے کیونکہ لغت میں ان کا معنی صحیح ہے۔

ترجمہ......اور علیٰ اٰلِ ابراھیمَ دو مرتبہ کہنے کے بعد رَبَّنَا اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ کا تکرار نہ کرے اور اگر یوں کہہ دے تو کوئی حرج نہیں یعنی مکروہ نہیں اگرچہ نہ کہنا بہتر ہے۔

فائدہ: بعض نسخوں میں یہ عبارت مذکور ہے لَا یَقُوْلُ فی العالمین ربنا انک حمید مجید جس کا ترجمہ یہ ہے کہ درود شریف کے کلمات کے ساتھ فی العالمین ربنا انک حمید مجید نہ کہے۔ لیکن علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ بعض روایات میں اس کا اضافہ آیا ہے۔

رفع سبابہ سلام اور اذکار بعد اسلام کا بیان

و یشیر بالسبابة اذا انتهی الی الشهادتین و قال فی الواقعات لا یشیر فان اشار یعقد الخنصر و البنصر و یحلق الوسطی بالابهام فاذا فرغ من الادعیة یسلم عن یمینه و یقول السلام علیکم و رحمة الله و لا یقول فی هذا السلام و برکاته کذا ذکر فی المحیط و ینوی بالتسلیمة الاولی من هو عن یمینه من الملائکة و المؤمنین و عن یساره مثل ذلک و قال بعضهم ینوی الحفظة و قال بعضهم ینوی جمیع من معه من الملائکة لانه اختلف الاخبار قیل ان مع کل مؤمن خمسا من الملائکة و قیل ستون و قیل مائة و ستون و ینوی المقتدی امامه فی التسلیمة الاولیٰ ان کان عن یمینه او بحذائه و فی الاخری ان کان عن یساره و ینبغی ان یکون منتهی بصره فی قیامه الی

موضع سجوده و في الركوع الى ظهر قدميه و في السجود الى ارنبة انفه و في قعوده الى حجره و السنة للامام في السلام ان تكون التسليمة الثانية اخفض من الاولى و من المشائخ من قال يخفض الثانية فاذا تمت صلوٰة الامام فهو مخيّر ان شاء انحرف عن يساره و ان شاء انحرف عن يمينه و ال شاء ذهب الى حوائجه و ان شاء استقبل الناس بوجهه هذا اذا لم يكن بحذائه مصلٍّ سواء كان المصلى في الصف الاول او الصف الاخير و الاستقبال الى المصلى مكروه و هذا اذا لم يكن بعد المكتوبة تطوع فان كان بعدها تطوع يقوم الى التطوع و يكره تاخير السنة عن اداء الفريضة فاذا قام لا يتطوع في مكانه بل يتقدم او يتأخر او ينحرف يمينا او شمالا او يذهب الى بيته فيتطوع ثمه و من المشائخ من قال ان كان اماما يتطوع عن يسار المحراب و قال شمس الآئمة الحلوائي هذا اذا لم يكن في قصده الاشتغال بالدعاء فان كان له ورد يقضيه بعد المكتوبة فانه يقوم عن مصلاه فيقضي ورده قائما وان شاء جلس في ناحية المسجد فيقضي وردهٗ ثم يقوم الى التطوع كلاهما مروى عن الصحابة رضى الله عنهم و ما ذكره في ابتداء المسألة دليل على كراهية تاخير السنة و ما ذكره في اخرها دليل على الجواز ذكره في المحيط

ترجمہ...... جب (توحید و رسالت) کی گواہی پر پہنچے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرے۔ اور واقعات میں فرمایا کہ اشارہ نہ کرے۔ اور اگر اشارہ کرنا چاہے تو پھر دو چھوٹی انگلیوں سے عقد بنائے (مراد یہ ہے کہ انہیں اپنی ہتھیلی سے جوڑے رکھے) اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے (پس اس طریقہ سے انگشت شہادت سے اشارہ کرے) پھر جب دعائیں پڑھنے سے فارغ ہو جائے۔ تو اپنی دائیں طرف سلام پھیرے۔ اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اس سلام میں (وبرکاتہ) کا اضافہ نہ کرے۔ اسی طرح محیط میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس دائیں طرف والے پہلے سلام میں (اس طرف جو ملائکہ اور مسلمان ہوں) ان کی نیت کرے اور بائیں طرف والے سلام میں بھی اسی طرح (مومنوں اور فرشتوں کی) نیت کرے۔

اور بعض نے فرمایا کہ محافظ فرشتوں کی نیت کرے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ جتنے فرشتے ہیں ان سب کی نیت کرے۔ کیونکہ فرشتوں کی تعداد میں روایات مختلف ہیں کہا گیا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ فرشتے موجود رہتے ہیں۔ اور یہ

بھی کہا کہ ساتھ ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ (۱۶۰) ہوتے ہیں اگر مقتدی اپنے امام کی دائیں جانب یا اس کے مقابل ہو تو پہلے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر امام کی بائیں طرف ہو تو دوسرے سلام میں اس کا ارادہ کرے۔

نمازی دورانِ نماز اپنی نگاہیں کہاں رکھے: مناسب یہ ہے کہ حالتِ قیام میں جائے سجدہ پر نگاہ رکھے اور رکوع میں دونوں قدموں کی پشت پر اور سجدے میں اپنے ناک کی گھوڑی پر اور قعدے میں اپنی گود پر۔

مسئلہ...... امام کے لئے سنت یہ ہے کہ پہلے سلام سے دوسرا سلام پھیرتے وقت آواز پست کردے۔ لیکن بعض مشائخ نے فرمایا کہ سلام میں آواز پست نہ کرے۔

جب امام کی نماز پوری ہو جائے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو اپنی بائیں جانب مُڑ جائے اور اگر چاہے تو دائیں طرف پھر جائے اور اگر چاہے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے چلا جائے۔ اور اگر چاہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے۔ بشرطیکہ اس کے مقابل کوئی نمازی نماز پڑھنے والا نہ ہو خواہ پہلی صف میں ہو یا دوسری صف میں۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ فرائض کے بعد نوافل (سنت) نہ ہوں۔ اور اگر فرائض کے بعد سنت ہوں تو انھیں پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو، کیونکہ فرض پڑھنے کے بعد سنت پڑھنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ اگر سنت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اس جگہ سنت نہ پڑھے بلکہ آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں مُڑ جائے۔ یا اپنے گھر میں جا کر نوافل ادا کرے۔

اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر امام ہے تو محراب کی بائیں جانب ہو کر نوافل پڑھے۔ امام شمس الآئمہ حلوانی نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ امام کے ارادے میں دعائیں پڑھنی نہ ہوں۔ لیکن اگر فرائض پڑھنے کے بعد وہ کوئی وظیفہ پڑھنا چاہتا ہے تو اپنی جائے نماز سے اٹھ کھڑا ہو اور کھڑے کھڑے اپنا ورد پڑھے اور اگر چاہے تو مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ جائے اور پھر وہاں اپنا ورد پورا کرے۔ اور پھر نوافل پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے اور یہ دونوں باتیں صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ لہٰذا شروع مسئلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ سنتیں دیر سے پڑھنے کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور جو کچھ آخر میں بیان کیا گیا وہ جواز کی دلیل ہے۔ اس کو محیط میں بیان فرمایا۔

تشریح

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں ترتیب کتاب کے مطابق چند مسائل بیان فرمائے ہیں:

پہلا مسئلہ...... تشہد میں اشارہ کرنا ہے؟ جس میں مصنف نے دو قول ذکر فرماتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اشارہ کرے اور دوسرا یہ کہ اشارہ نہ کرے۔ لیکن پہلی بات پسندیدہ ہے۔

اشارہ کرنے کا طریقہ...... اگر اشارہ کرنا چاہے تو سب سے پہلے اپنے ہاتھ کی دو چھوٹی انگلیوں کو جوڑ رکھے پھر درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ جوڑ کر حلقہ بنائے۔ اگر چاہے تو اس طرح اشارہ کرے۔

دوسرا مسئلہ...... تشہد میں آخری دعائیں پڑھنے کے بعد سلام پھیرے۔ اور سلام دائیں اور بائیں دونوں طرف پھیرے اور دونوں میں بَرَکَاتُہ کا اضافہ نہ کرے۔

سلام میں کن لوگوں کا ارادہ کرے...... آئمہ کرام کے نزدیک پہلے سلام میں دائیں طرف والے فرشتوں اور مسلمان نمازیوں کا ارادہ کرے اور بائیں طرف بھی اسی طرح ارادہ کرے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ محافظ فرشتوں کا ارادہ کرے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کے ساتھ جتنے فرشتے حاضر باش ہوتے ہیں ان کا ارادہ کرے۔

فائدہ...... سلام کی دو قسمیں ہیں ایک سلام خروج یعنی ایسا سلام جس کی وجہ سے آدمی نماز سے باہر ہو جائے۔ اور دوسرا سلام سلامِ تشہد یعنی وہ سلام جو تشہد پڑھتے وقت حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ پس اس سلام خروج میں علیکم کا اضافہ کرے اور دائیں بائیں پھیرتے وقت فرشتوں اور ان مسلمانوں کا ارادہ کرے جو نماز میں اس کے ساتھ شریک ہیں۔

ضروری نوٹ...... ان دونوں سلاموں میں پہلا سلام تحیۃ اور خروج من الصلوٰۃ کے لئے ہے کہ دوسرا سلام تحیت میں ساری قوم کو برابر کرنے کے لئے ہے۔ اور یہ دونوں سلام صحیح قول کے مطابق واجب ہیں۔ حرف اَلسَّــلام کہنے سے آدمی نماز سے نکل جاتا ہے اور اس کا نماز سے نکل جانا عَلَیْکُم پر موقوف نہیں۔ محافظ فرشتوں سے مراد خصوصاً وہ ملائکہ ہیں جو انسانی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ بعض اہلِ علم کے قول کے مطابق صرف انھیں سلام دیا جائے۔ جبکہ بعض کے خیال کے مطابق سارے فرشتوں کو خواہ محافظ ہوں یا نہ ہوں سلام میں شامل کیا جائے۔ روایات میں فرشتوں کی تعداد میں اختلاف مروی ہے۔ چنانچہ بعض کا خیال یہ ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ پانچ فرشتے ہیں ایک اس کی دائیں طرف جو اس کی نیکیاں لکھتا ہے۔ دوسرا بائیں طرف جو اس کی برائیاں لکھتا ہے۔ ایک اس کے آگے جو اسے بھلائیوں کی تلقین کرتا ہے اور ایک اس کے پیچھے ہے جو ناگوار امور دفعہ کرتا ہے۔ اور ایک اس کی پیشانی کے رُوبرو ہے جو درود شریف لکھتا ہے اور حضور ﷺ تک پہنچاتا ہے۔ بعض روایتوں میں ساٹھ کی تعداد آئی ہے اور بعض میں ایک سو ساٹھ کی۔ بعض میں دو کی تعداد مروی ہے چونکہ تعداد میں اختلاف ہے اس لئے بلاتعیین سلام پھیرتے وقت سب کا ارادہ کرے۔

تیسرا مسئلہ...... اگر مقتدی امام کی دائیں طرف یا اس کے برابر ہو تو دوسرے لوگوں کے ساتھ مقتدی امام کا ارادہ بھی کرے۔ امام ابو یوسف کا یہی خیال ہے۔ لیکن امام محمد نے امام اعظم سے جو روایت نقل فرمائی تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا مقتدی دونوں سلام میں امام کا ارادہ کرے۔ اور اگر مقتدی امام کی بائیں جانب ہو تو اس میں امام کا ارادہ کرے۔ اور امام بھی فرشتوں اور قوم کا دونوں سلاموں میں ارادہ کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بالکل ارادہ نہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے سلام میں ارادہ کرے۔ اور تنہا نماز پڑھنے والا سوائے فرشتوں کے کسی اور کا ارادہ نہ کرے۔

چوتھا مسئلہ...... نمازی بحالتِ نماز اپنی نگاہ کہاں ٹکائے۔ مصنف نے تفصیل سے ان مقامات کی نشاندہی فرمادی کہ جس کے لئے تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور مقاماتِ مذکورہ پر نگاہیں ٹکانا تقاضائے خشوع ہے کیونکہ عاجزی اور خشوع کرنے والا اپنی نگاہوں کو اصلِ خلقت پر باقی رکھتا ہے۔ اور نگاہوں کی فطرت کا یہی تقاضا ہے۔ اور مناسب یہ ہے کہ حالتِ قیام میں نماز دو قدموں کے درمیان چار انگلیوں کی مسافت پر ہو اور سنت یہ ہے کہ پہلے سلام سے دوسرا سلام کسی قدر آہستہ ہو۔ کیونکہ بلند آواز سے سلام کرنے سے مقصود لوگوں کو اطلاع دینا ہے اور یہ مقصد پہلے سلام سے پورا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دوسرے میں زیادہ جہر کی ضرورت نہیں۔ کتاب کی عبارت میں یہاں کچھ

غیر صحیح الفاظ بھی نقل ہو گئے ہیں۔ جن کے اعادے کی ضرورت نہیں کیونکہ صحیح وہی ہے جو ذکر کر دیا گیا ہو۔

جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو پھر کس طرح بیٹھے

فراغتِ نماز کے بعد امام کے بیٹھنے کی مختلف صورتیں مصنف نے بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ بائیں طرف ہو کر بیٹھے۔ اس صورت میں قبلہ دائیں طرف ہوگا۔ دوسری صورت یہ کہ دائیں طرف ہو کر بیٹھے تو قبلہ بائیں طرف ہوگا۔ یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیثِ مسلم کے مطابق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ ہی دائیں طرف کو معمول بنا لے۔ بلکہ گاہے گاہے دونوں کو اختیار کرے۔ چنانچہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "لوگو تم میں سے کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنی نماز میں شیطان کو حصہ دار ٹھہرائے اور یہ سمجھے اور اعتقاد رکھے کہ دائیں طرف کے بغیر بیٹھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ میں نے بسا اوقات حضور ﷺ کو بائیں طرف مڑ کر بیٹھتے دیکھا ہے۔ اور امام کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کسی ضروری کام کے لئے اٹھ کر چلا جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ فراغت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو صحابہ کرام کی طرف رُخ کر کے بیٹھ جاتے۔ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر اپنے مصلی پر سورج چڑھنے تک بیٹھے رہتے اور لوگ اس موقع پر کچھ پرانی باتیں دورِ جہالت کی کرتے اور ہنستے اور کسی قدر حضور ﷺ بھی مسکراتے۔

ایک ذیلی بحث

جب امام لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے تو اس بات کا ضرور خیال رکھے کہ اس کے سامنے کوئی پہلی یا دوسری صف میں نماز پڑھنے والا نہ ہو۔ اگر کوئی نمازی ہو تو امام دائیں، بائیں مڑ کر بیٹھے کیونکہ مقتدی کی طرف منہ کرنا شرعاً مکروہ ہے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس استقبال اور انحراف میں اختلاف ہے۔ تعداد کا کوئی تعین نہیں۔ جیسا کہ بعض ناواقف لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ اس وقت ہے جب جماعت میں دس آدمی نہ ہوں۔

دوسری ذیلی بحث

یہ حکم اس وقت ہے جب فرائض کے بعد نوافل نہ ہوں جیسے صبح اور عصر کی نماز۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں جیسا کہ نمازِ فجر اور عصر تو ایسی نمازوں میں قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر نماز کے بعد نوافل ہوں تو پھر معمولی تاخیر کے بعد انھیں پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ صرف اتنی تاخیر کرے کہ جس میں اَللّٰھم اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَام پڑھ سکے۔ چنانچہ فرض ادا کرنے کے بعد سنت پڑھنے میں تاخیر مکروہ ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ سے اتنی ہی دیر بیٹھنا ثابت ہے۔ (جب امام سنت پڑھے تو کہاں کھڑا ہو) مسئلہ یہ ہے کہ جب امام نوافل پڑھنے کھڑا ہو تو جہاں فرض ادا کئے ہیں وہیں کھڑا نہ ہو بلکہ کچھ آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں ہو جائے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں امام نے فرائض پڑھے ہیں وہیں نوافل نہ پڑھے حتیٰ کہ جگہ بدل ڈالے۔ یا نوافل پڑھنے کے لئے اپنے گھر چلا جائے کیونکہ حضور ﷺ سنت اور نفل گھر میں ادا کیا کرتے تھے۔ لہذا تمام نوافل میں بہتر یہ ہے کہ گھر میں جا کر پڑھے بشرطیکہ وہاں کوئی مانع نہ ہو۔

مسئلہ...... جس مشائخ نے امام کے لئے دائیں جانب مڑ کر بیٹھنا متعین کیا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو تو وہ

محراب کی بائیں جانب نوافل پڑھے۔ کیونکہ محراب کی بائیں جانب نمازی کی دائیں جانب ہوگی۔

ایک ذیلی بحث

اگر نماز کے بعد نوافل ہوں تو یہ فوراً اٹھ کر پڑھے یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس کا ارادہ خصوصی اوراد و وظائف میں مشغول ہونے کا نہ ہو۔ لیکن اگر کچھ خصوصی وظائف پڑھنے کا یہ عادی ہو تو پھر جائے نماز سے اٹھ کھڑا ہو اور کھڑے کھڑے اوراد و وظائف کو پورا کرے۔ اور چاہے تو مسجد کے کسی گوشے میں بیٹھ کر وہاں اوراد و وظائف پڑھ ڈالے اور پھر نوافل اٹھ کر پڑھے۔ یہ دونوں باتیں یعنی کھڑے کھڑے وظائف پڑھنا یا کسی گوشے میں بیٹھ کر پڑھنا صحابہ کرام سے مروی ہے۔ لیکن جو کچھ ابتداءِ مسئلہ میں ذکر کیا گیا کہ سنتیں پڑھنے میں تاخیر نہ کرے یہ تاخیر سنت کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور امام شمس الآئمہ نے جو کچھ بیان فرمایا کہ وظائف پڑھ کر سنتیں ادا کرسکتا ہے یہ صرف جواز کی دلیل ہے۔ پھر اس کا مفاد یہ ہے کہ ہمیشہ تاخیر کو معمول نہ بنائے لیکن کبھی کبھی اس طرح کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ پہلا کلام محیط میں بیان کیا گیا۔

علامہ حلبی کا فیصلہ

اگر بیانِ کراہت سے کراہتِ تنزیہی مراد ہو تو پھر یہ کلام شمس الآئمہ کے کلام کے قریب ہو جائے گا۔ کیونکہ انھوں نے فرمایا کہ سنت اور فرض کے دوران اگر وظائف پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔ اور یہ کلمہ لا بـأس اس کی دلیل ہے کہ اس طرح نہ کرنا بہتر ہے۔ اور اگر کہا تو سنت ساقط نہ ہوگی۔ آئمہ کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر فرض پڑھنے کے بعد باتیں کرے تو سنت ساقط نہ ہوگی لیکن ان کا ثواب کم ہو جائے گا۔ لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ سنت ساقط ہو جائے گی۔

اَقُـوْل ......راقم نے اپنے بزرگ اساتذہ سے یہ سنا اور دیکھا ہے کہ وہ پہلی سنتیں پڑھنے کے بعد فرض پڑھنے تک کلام نہیں کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ بعض آئمہ کے نزدیک سنتیں دوبارہ پڑھنے کا حکم ہے تاہم زیادہ صحیح یہ ہے کہ سنتیں ہوگئیں لیکن ان کے ثواب میں کمی آگئی لہٰذا فرائض سے پہلی سنتوں کے بعد ادائیگی فرائض تک دنیاوی باتیں نہ کرے۔ اگرچہ جواز ہے لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فجر کی سنت پڑھتے تو اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ مؤذن کے اطلاع دینے تک لیٹ جاتے۔ (اللہ تعالیٰ سنتِ نبوی کے مطابق چلنے کی توفیق دے۔ آمین)

روی عن عائشة رضی اللّٰه عنها انها قالت کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اذا صلی رکعتی الفجر فان کنت مستیقظة فحدثنی و الا اضطجع حتی یؤذن بالصلوٰۃ -- اھ (صغیری صفحہ ۱۸۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سنت پڑھنے کے بعد قبل فرائض پڑھنے کے کلام کرنا جائز ہے۔ مگر یہ کہا جائے مراد ضروری کلام ہے۔ تاکہ حدیث مذکور اور کلام مشائخ میں ایک گونہ مطابقت اور موافقت پیدا ہو جائے۔

چند الفاظ واردہ کی وضاحت

ا: یشیر ... من الاشارة، یعنی اشارہ کرے مراد تشہد کے وقت انگشتِ شہادت سے نفی اور اثبات کے وقت اشارہ کرنا جو شرعی مسئلہ ہے۔ ۲: السبابة ... انگلی شہادت، سبٌّ کے معنی گالی دینا، چونکہ دورِ جہالت میں لوگ اگر کسی کو گالی دینا اور برا کہنا چاہتے تو اس وقت اس انگلی سے اشارہ کر کے گالی

دیتے پس اس وجہ سے اس کا نام " سبابة " گالی والی انگلی۔ اب اس کا نام انگشت شہادت اور انگلی توحید ہو گیا ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا یہی اسلامی نام لینا چاہئے۔ ۳: شهادتين ... لفظِ شہادت کا تثنیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اقدس ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا۔ ۴: يعقد ... یہ عقد سے بنا ہے، جس کا معنی باندھنا اور گرہ لگانا یہاں ضم اور جوڑ رکھنا مراد ہے۔

۵: الخنصر ، البنصر ... ہاتھ کی سب سے آخری چھوٹی الخنصر اور اس کے ساتھ والی انگلی البنصر کہلاتی ہے ترتیب وار نام یہ ہیں: الابهام انگوٹھا، السبابة انگشت شہادت، الوسطى درمیانی انگلی۔ البنصر اس کے ساتھ چھوٹی انگلی۔ الخنصر سب سے آخری چھوٹی انگلی۔

۶: يحلق ... حلقہ اور گھیرا بنائے۔، ۷: الادعية ... یہ دعا کی جمع ہے۔ ۸: ينوى ... نیت اور ارادہ کرے۔، ۹: الحفظة ... نگہبانی کرنے والے۔ ۱۰: اخبار ... یہ خبر کی جمع ہے بمعنی احادیث۔، ۱۱: خمسة پانچ۔ ۱۲: ستون ... ساٹھ۔، ۱۳: حذاء ... برابر اور مقابل۔ ۱۴: منتهى بصر ... حدِ نگاہ۔، ۱۵: ظهر قدمين دو قدموں کی پشت۔ ۱۶: حجر ... گود، اس کی جمع " حجور " ہے۔، ۱۷: اخفض ... زیادہ پست اور آہستہ۔ ۱۸: مخير ... اختیار دیا ہوا۔، ۱۹: انحراف ... مڑ جانا اور پھر جانا۔ ۲۰: حوائج ... یہ حاجت کی جمع بمعنی ضروریات۔، ۲۱: استقبال ... منہ کرنا۔ ۲۲: مكتوبة ... فرض۔، ۲۳: تطوع ... نفل، فرض سے زائد نماز، خواہ سنت ہو یا محض نفل۔

۲۴: يتقدم ... تقدم، آگے ہونا۔، ۲۵: يتاخر ... تاخر، پیچھے ہونا۔ ۲۶: ينحرف ... انحراف، مڑ جانا۔، ۲۷: يمين ... دائیں جانب۔ ۲۸: شمال ... بائیں جانب۔، ۲۹: يذهب ... چلا جائے۔ ۳۰: ثمة ... وہاں، اس جگہ۔، ۳۱: قصد ... ارادہ کرنا۔ ۳۲: ورد ... کچھ مخصوص دعائیں اور کلمات پڑھنا۔، ۳۳: يقضى ... ادا کرے۔ یہ کلمات اضداد میں سے بعض دوسرے کلمات اضداد کی طرح ۳۴: مُصلیً ... جائے نماز۔، ۳۵: ناحية ... کنارہ، گوشہ۔ ۳۶: كراهية ... ناپسندیدہ ہونا، یعنی ناپسندیدہ کام۔

فرض کے بعد جگہ بدلنے یا نہ بدلنے کا حکم

و اما المقتدى و المنفرد فان لبثا مكانهما جاز بغير الكراهية و ان قاما الى التطوع فى مكانهما جاز و الاحسن ان يتطوعا فى المكان الأخر

ترجمہ...... یعنی مقتدی اور منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) اگر وہیں (فرائض کی جگہ) دونوں ٹھہر جائیں تو بغیر کراہت جائز ہے۔ اور اگر اسی جگہ اٹھ کر نوافل پڑھیں تو بلا شبہ جائز ہے لیکن زیادہ اچھا یہ ہے کہ (اس جگہ سے ہٹ کر) کسی دوسری جگہ سنت اور نوافل پڑھیں۔

تشریح

مصنف کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ مقتدی اور منفرد جہاں فرض پڑھیں وہیں ٹھہرے رہیں تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اور اگر اسی جگہ اٹھ کر نوافل وغیرہ پڑھیں تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ جائے فرائض سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ نوافل پڑھیں۔ یعنی یا آگے ہو جائیں یا پیچھے یا دائیں یا بائیں پھر جائیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز سے فارغ ہو

جائے تو کیا وہ آگے پیچھے ہو جانے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے عاجز نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جب جماعت ہو جائے تو صفیں توڑ کر بیٹھیں تا کہ آنے والوں کو فرائض جماعت کا اشتباہ پیدا نہ ہو۔

نماز میں مکروہات کا بیان

فصل فی ما یکره فی الصلوٰة و ما لا یکره فیها یکره للمصلی ان یغطی فاه الا عند التثاؤب والادب ان یکظم فاه ان قدر و ان لم یقدر فلا بأس بان یضع یده او کمه علی فمه و یکره الاعتجار و هو ان یلفّ بعض العمامة علی راسه و یجعل طرفا منه شبه المعجر للنساء و یلفّ حول وجهه و قال بعضهم ان یشدّ حول راسه بالمندیل و یبدی هامته و یکره العقص اراد به ان یجعل شعره علی هامته و یشده بصمغ او یلفّ ذوابتیه حول راسه کما یفعله النساء فی بعض الاوقات او یجمع شعره کله من قبل القفاء و یمسکه بخیط او بخرقة کیلا یصیب الارض اذا سجد و یکره وضع الید علی الارض قبل الرکبة اذا سجد و رفعها قبلها اذا قام الا من عذر و یکره ان ینقر نقر الدیک و ان یقعی اقعاء الکلب و هو ان یضع الیتیه علی الارض و ینصب فخذیه و قیل ان ینصب یدیه امامه نصبا و الاول اصح

ترجمہ...... **فصل** - ان کاموں کے بیان میں جو نماز میں مکروہ اور مکروہ نہیں۔ نمازی کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنے منہ کو بھینچے رکھے مگر جماہی لینے کے وقت اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر یہ قدرت رکھتا ہے تو اس موقع پر یہ اپنے منہ کو بند رکھے، اور اگر طاقت نہیں رکھتا تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے یا آستین رکھے۔ اور اعتجار کی صورت بنا لینا مکروہ ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ اپنی پگڑی کا کچھ حصہ اپنے سر پر لپیٹ دے۔ اور کچھ حصہ اپنے چہرے کے آس پاس لپیٹ دے۔ اور اس کا ایک کنارہ عورتوں کے معجر کے مشابہ کر دے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے سر کے آس پاس رومال لپیٹ ڈالے لیکن اپنی چوٹی ننگی چھوڑ دے۔

اور عقص بھی مکروہ ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے بال اپنی چوٹی پر جمع کر دے اور انھیں کسی گوند سے جوڑ دے۔ یا اپنی دونوں زلفوں کو اپنے سر کے آس پاس لپیٹ ڈالے جیسا کہ بعض اوقات عورتیں کیا کرتی ہیں۔ اور اپنے سارے بالوں کو گدی کی طرف جمع کر دے اور کسی دھاگے سے یا کپڑے سے انھیں باندھ رکھے۔ تا کہ سجدہ کرنے میں زمین تک نہ پہنچے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے جبکہ سجدہ کرے اور جب اٹھے تو انہیں پہلے اٹھائے ہاں مگر کسی مجبوری سے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ مرغ کے دانے چگنے کی طرح نماز پڑھے اور کتے کی طرح بیٹھے

اوراس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سُرین زمین پر لگائے اور دونوں رانیں کھڑی رکھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے آگے کھڑے رکھے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

چند الفاظ کی تشریح

۱: یُغَطِّی ... بند رکھے۔ ۲: التثاؤب ... جماہی لینا۔ ۳: یکظم ... بند رکھے۔ ۴: فاہ ... اپنا منہ۔ لغات رشیدی نے کَظم کے یہ معنی کئے ہیں کہ خشم فروخوردن، یعنی غصہ ضبط کرنا۔ ۵: المعجر ... وہ کپڑا جو عورتیں اپنے سر پر بھی لپیٹتی ہیں یہ مِنْبَر کے وزن پر ہے۔ ۶: المندیل ... رومال۔ ۷: ھامۃ ... سر کی چوٹی۔ ۸: العقص ... کسی چیز کو بٹنا، اور بالوں کو گوندھنا۔ ۹: صِمغ ... گوند۔ ۱۰: لفافہ ... لپیٹنا۔ ۱۱: ذوائب ... زلفیں۔ ۱۲: القفاء ... گدی۔ ۱۳: اِمساک ... روکنا۔ ۱۴: خیط ... دھاگہ۔ ۱۵: خرقۃ ... کپڑے کا کوئی حصہ ۱۶: نقر الدیک ... مُرغ کا دانے چگنا۔ ۱۷: اِقْعاء الکلب ... کتے جیسا بیٹھنا۔

تشریح مسائل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس فصل میں مکروہ اور غیر مکروہ کاموں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نماز میں کچھ ایسے کام ہیں جو مکروہ ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں اور کچھ ایسے افعال ہیں جو مکروہ نہیں اس کی ایک طویل فہرست ہے جو آئمہ فقہ نے ذکر فرمائی ہے۔

☆ مثلاً پہلا کام جو نماز میں مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ نمازی نماز پڑھتے ہوئے اپنا منہ یا اپنی ناک بند رکھے امام قاضی خان نے اسی طرح بیان فرمایا۔ ہاں اگر اس دوران جماہی کا غلبہ پیدا ہو تو منہ بند رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس موقع پر اس کی صورت یہ ہے جو نماز پڑھتے ہوئے ادب کی حیثیت رکھتی ہے جب کہ جماہی کا غلبہ پیدا ہو اور اسے روکنے پر قدرت ہو تو اپنا منہ کھولنے سے روک رکھے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اذا تثاوَبَ اَحَدُکم فی الصلوٰۃ فَلْیَکظم ما استطاع فان الشیطان یدخل فی فیہ ''یعنی جب تم میں سے کسی کو نماز میں جماہی آئے تو وہ حسبِ قدرت منہ بند رکھے کیونکہ اس موقع پر شیطان اندر داخل ہونا چاہتا ہے۔ اور اگر دفاع کی طاقت نہ ہو تو پھر اس طرح کرے کہ اپنا ہاتھ یا اپنی آستین منہ پر رکھے تاکہ بالکل منہ کھل نہ جائے۔ اور بدزیب اور بدنُما صورت نہ پیدا ہو جائے۔

☆ اور اسی طرح انگڑائی لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ غفلت اور سُستی کی دلیل ہے اور اعتجار کی صورت اختیار کرنا بھی مکروہ ہے۔ اور اس کی تصویر یہ ہے کہ پگڑی کا کچھ حصہ سر پر اور کچھ چہرے کے آس پاس لپیٹ دے۔ اور ایک حصہ اس کا عورتوں کے کپڑے کی طرح لٹکائے رکھے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اعتجار یہ ہے کہ اپنے سر کے آس پاس رومال سے باندھے اور درمیان کی چوٹی کو ننگا چھوڑ دے۔ فتاویٰ قاضی خان میں یہی مذکور ہے۔ کیونکہ یہی عورتوں کے لپیٹنے کے مشابہ ہے۔ اور اس کی وجہ کراہت تشبّہ بنساء ہے۔

☆ اور بالوں میں عقص کی صورت اختیار کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی چوٹی پر بالوں کو جمع کر کے گوند سے جوڑ دے۔ یا بالوں کی دونوں زلفوں کو سر کے آس پاس لپیٹ دے جیسا کہ عورتیں بعض اوقات کرتی ہیں۔ یا اپنے سارے بالوں کو گدی کی طرف اکٹھا کر کے دھاگے یا کسی کپڑے کے ٹکڑے سے باندھ دے تاکہ سجدے کے وقت زمین تک نہ پہنچے۔ علامہ حلبی کہتے ہیں کہ یہ سب کام اگر نماز سے پہلے کئے تو مکروہ ہیں۔ یعنی اگر اس شکل پر نماز پڑھی تو کراہت ہوگی اور اگر ان میں سے کوئی

کام دوران نماز کیا تو عمل کثیر ہونے کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''انه صلى الله عليه وسلم نهى ان يصلى الرجل و راسه معقوص ''یعنی حضور ﷺ نے مرد کو اس حال میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا جبکہ اس کے سر کے بال گوندھے ہوئے ہوں۔

☆ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ نمازی سجدہ کرتے وقت زمین پر گھٹنے لگنے سے پہلے ہاتھ رکھے اور سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھوں کے اٹھانے سے پہلے گھٹنے اٹھائے۔ ہاں اگر کوئی عذر اور مجبوری ہو تو کوئی حرج نہیں اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نماز میں معمول یہ تھا کہ جب سجدہ کرنے ارادہ فرماتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے اور اٹھتے وقت اس کا الٹ کرتے اور دو ہتھیلیوں کے درمیان پیشانی رکھتے۔ چنانچہ حضرت مصعب فرماتے ہیں:

كُنّا نَضَعُ اليدين قبل الرُّكبتين " فامر رسول الله ﷺ ان نَضَعَ الركبتين قبل اليدين - (کبیری)

یعنی ہم گھٹنے رکھنے سے پہلے ہاتھ رکھتے تو حضور ﷺ نے ہمیں اس طریقہ سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ہم ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھیں۔

☆ اور نماز کے مکروہات میں سے یہ بھی ہے کہ نمازی مُرغ کے دانے چُگنے کی طرح سجدہ کرے۔ کیونکہ اس طرح کرنے میں اعتدال اور اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ چنانچہ مُسند امام احمد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نهانى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثلاثة عن نقر كنقر الديك و اقعاء كاقعاء الكلب و التفات كالتفات الثعلب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح روایت میں اقعاء کلب کو عقبۃ الشیطان فرمایا ہے۔ نماز میں کُتے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سُرین زمین پر لگائے اور ٹانگیں کھڑی رکھے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں ہاتھ کھڑے رکھے۔ اور دونوں سرین اپنی ایڑیوں پر رکھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سامنے کھڑے رکھے۔ لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ پہلی صورت زیادہ بہتر ہے المستصفی میں کُتے کی طرح بیٹھنا ہاتھ کھڑا رکھنے میں ہے اور انسان کا اقعاء یہ ہے کہ دونوں گھٹنے سینے تک کھڑے کردے۔

و ان يفترش ذراعيه افتراش الثعلب و ان يرفع يديه عند الركوع و عند رفع الراس من الركوع و ان يسدل ثوبه و هو ان يضعه على كتفيه ثم يرسل اطرافه و فى القدورى هو ان يجعله على راسه او كتفيه ثم يرسل اطرافه من جوانبه و لو صلى فى قباء او مطرف او باراني ينبغى ان يدخل يديه فى كميه و يشد القباء بالمنطقة احترازا عن السدل و عن الفقيه ابى جعفر انه كان يقول اذا صلى مع القباء و هو غير مشدود الوسط فهو مسىء و يكره ان يكف ثوبه او يرفعه كيلا يتترب و يكره ما هو من اخلاق الجبابرة و يكره ان يصلى فى ازار واحد الا من عذر و ان يصلى حاسرا راسه تكاسلا او تهاونا و لا باس اذا فعله تذللا و خشوعا و يكره ان يصلى فى ثياب البذلة و المهنة

ترجمہ......اور نماز میں مکروہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں بازو اس طرح بچھائے جیسے لومڑی بچھاتی ہے۔ اور یہ کہ اپنے دونوں ہاتھ رکوع سے سر اٹھاتے وقت اٹھائے اور اپنے کپڑے میں سدل اختیار کرے کہ اسے اپنے دونوں کندھوں پر رکھے اور پھر اس کے کناروں کو لٹکا دے اور قدوری میں ہے کہ سدل کرنے کی صورت یہ ہے کہ کپڑا اپنے سر یا اپنے دونوں کندھوں پر ڈال دے پھر ہر طرف سے اس کے کنارے لٹکا دے۔ اور اگر کوئی شخص صیبہ میں یا نقشی ریشمی چادر میں یا بارانی کپڑے میں نماز پڑھے تو مناسب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ آستینو ں میں داخل کرے۔ اور جُبّے کو کمر سے باندھ دے۔ سدل سے پرہیز کرتے ہوئے۔ اور فقیہ ابو جعفر سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی جبہ پہن کر نماز پڑھے جبکہ اس کا کمر بند کھلا ہو تو وہ گناہگار ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ آدمی اپنے کپڑے کو سمیٹے یا اٹھائے رکھے تا کہ وہ خاک آلودنہ ہو اور نماز میں وہ کام بھی مکروہ ہے جو جابر اور متکبر لوگوں کی عادات میں سے ہو۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ ایک تہبند میں نماز پڑھے مگر کسی عذر سے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھے سستی اور بے ہمتی سے۔ اور اس میں کچھ حرج نہیں کہ جب ایسا عاجزی اور فروتنی سے کرے۔ اور مکروہ ہے کہ کوئی شخص پرانے اور بوسیدہ کام کاج کے کپڑوں میں نماز پڑھے۔

چند مفردات کی تشریح

۱: اِفتراش ... بچھانا۔ ۲: ثَعلب ... لومڑی۔ ۳: سَدَل ... کپڑا لٹکانا۔ ۴: اَطراف ... کپڑے کے کنارے۔ ۵: قُبا ... جُبہ۔ ۶: مُطرَّف ... چوکور ریشمی کپڑا کہ جس کے نقشی کنارے ہوں۔ ۷: بارانی ... وہ کپڑا جو بارش سے بچنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ ۸: مُسِیئٌ ... گناہگار۔ ۹: مشدود الوسط ... درمیان سے باندھا ہوا ہو۔ ۱۰: المنطقة ... کمر بند۔ ۱۱: یتترب ... خاک آلود ہو جائے۔ ۱۲: اِزار ... تہ بند۔ ۱۳: حاسر ... کھولنے والا، یعنی وہ جس کا سر ننگا ہو۔ ۱۴: تکاسل ... سستی، اور کاہلی۔ ۱۵: تهاون بے پرواہی یعنی اس کو ضروری کام نہ سمجھے۔ ۱۶: تَذَلّل ... عاجزی، خشوع، دل کا جھکاؤ۔ ۱۷: البِذْلَة ... میل کچیل سے آلود کپڑے۔ ۱۸: المهنة ... خدمت، کام کاج کے کپڑے۔

تشریح

گذشتہ کلام کی طرح اس میں بھی چند ایسے امور کا ذکر فرمایا گیا جو دورانِ نماز مکروہ ہیں مثلاً پہلا کام جو مکروہ ہے وہ حالتِ سجدہ میں اس طرح بچھ جانا ہے جیسے لومڑی بیٹھے ہوئے بچھ جاتی ہے۔ پچھلے دو کام اور یہ تیسرا کام آنحضرت ﷺ کے روکنے کی وجہ سے منع ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ نمازی رکوع میں جاتے ہوئے یا اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اس لئے کہ آئمہ احناف کے نزدیک یہ زائد کام ہے۔ لیکن صحیح قول کے مطابق اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہ جنسِ صلوٰۃ میں سے ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ سے مکحول کی ایک روایت کے مطابق یہ آیا ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور نماز میں سَدَل یعنی بغیر پہنے کپڑا لٹکائے رکھنا مکروہ ہے۔ اور مصنف نے اپنے کلام میں اس کی مختلف صورتیں ذکر فرمائی ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ سدل یہ ہے کہ کسی کپڑے کو اپنے سر یا کاندھے پر ڈال دے

اوراس کے دونوں کناروں کو لٹکائے رکھے۔ یہ ساری سدل کی صورتیں ہیں۔ جو شرعاً ممنوع ہیں۔ اس لئے کہ عربی لغت کے مطابق سَدَل کے معنی ہیں ڈھیلا کرنا اور چھوڑ دینا۔ اور اسلامی قانون کے مطابق بغیر پہننے کے کپڑے لٹکا دینا سدل کہلاتا ہے۔ اور اس کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ارشادات میں اس سے منع فرمایا جیسا کہ ابوداؤد میں مذکور ہے۔

مُطَرَّف...... (اس میں پہلا حرف میم مضموم ہے اور حرف راء پر فتحہ ہے) علامہ حلبی نے اس کی یہ تعریف کی ہے "ثوبٌ مربّع من خزٍ لـه اعلام" یعنی ریشمی چوکور کپڑا جس کے نقشی کنارے ہوں۔ بارانی وہ کپڑا جسے بارش سے بچاؤ کے لئے استعمال کیا جائے۔ ان دونوں کے متعلق مصنف کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا لباس پہن کر نماز پڑھے تو دونوں ہاتھ اسکی آستینوں میں ڈال دے اور کمر بند سے جبہ کو باندھ دے تاکہ سدل کی صورت پیدا نہ ہو۔ اور اگر اس نے آستینوں میں ہاتھ نہ ڈالے تو بعض نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں۔ لیکن بہت سے آئمہ جن میں صاحب خلاصہ، بزازی، اور امام قاضی خان شامل ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ اس صورت میں کراہت ہوگی اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اس پر سدل کی تعریف صادق آتی ہے۔ امام ابوجعفر ہندوانی سے روایت ہے کہ اگر کوئی جبہ پہن کر نماز پڑھے اور اس کا کمر بند کھلا ہو تو گنا ہگار ہوگا اگر چہ ہاتھ آستینوں میں ڈالے ہوں۔

مناسب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صورت ہو جس میں بٹن نہ باندھے ہوں۔ کیونکہ یہ سدل کے مشابہ ہے اور اگر بٹن باندھے ہوں تو یہ دوسرے کپڑوں کی طرح ہے۔ اور اس میں کراہت ہے کہ آدمی نماز میں خاک آلود کپڑے کو سمیٹے اور اپنے آگے اور پیچھے سے سجدہ کرتے وقت اٹھائے۔ یا اس میں ہاتھ ڈالے یا خاک آلود ہونے سے بچائے۔ اور اسی طرح نماز میں کوئی ایسا کام کرنا جو جابروں اور متکبر لوگوں کی عادات میں سے ہو اپنے اندر کراہت رکھتا ہے۔ کیونکہ نماز مقامِ تواضع اور محل تذلل اور خشوع ہے لہذا جبر و تکبر اس کے منافی ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے کہ آدمی ایک ازار میں یا ایک شلوار میں نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جبکہ اس کے کاندھوں پر کچھ نہ ہو ہاں اگر عذر ہو مثلاً کوئی دوسرا کپڑا نہ پائے تو گنجائش ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ ننگے سر سستی اور بے پرواہی سے نماز پڑھے یعنی اپنے خیال میں نماز کو کوئی قابل اہتمام نہ سمجھے ہاں اگر تذلل اور خشوع کے سبب ننگے سر پڑھتا ہے تو ٹھیک ہے کیوں کہ نماز میں عاجزی کرنا ہی مقصود ہے۔ اور مصنف کے قول لا بـأس سے اس طرف اشارہ ہے کہ بہتر ہے کہ ننگے سر نماز نہ پڑھے کیونکہ اس میں ترکِ زینت ہے کہ جس کے حالتِ نماز میں اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، ارشاد خداوندی ہے: "خُذُوا زینتکم عند کل مسجدٍ"۔ یعنی ہر سجدے کے وقت زیب و زینت اختیار کرو۔ مراد یہ ہے کہ عمدہ لباس پہن کر نماز پڑھو۔ اور اپنے مقام ستر کو کھلا رہنے سے بچاؤ۔ پس اسی کے مطابق غیر محفوظ پُرانے اور بوسیدہ لباس اور کام کاج کے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ چنانچہ اہلِ علم و فضل فرماتے ہیں کہ جس لباس کو آدمی پہن کر بازار یا مجالس نہ جا سکے تو ایسے لباس میں بارگاہِ خداوندی میں حاضری نہ دے۔ یہ مناسب نہیں کہ آدمی جس لباس میں دُنیاوی محفلوں میں اور لوگوں کے ہجوم میں تو نہ جائے بلکہ اچھا لباس پہن کر اہتمام سے جائے لیکن نماز کے وقت معمولی لباس میں نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو انتہائی بے مُروّتی کی نشانی ہے۔

نوٹ...... آج کل عموماً پڑھے لکھے لوگ اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباً اولاً تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور اگر بعض پڑھتے بھی ہیں تو انتہائی بے پرواہی اور بے احتیاطی سے ننگے سر نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور انھیں روکنے پر سینکڑوں بہانے تراش لیتے ہیں۔ اور عموماً یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ کیا ننگا سر ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ بس اس قسم کے بہانے انھیں نفس اور شیطان نے سکھا دئے ہیں۔ حق یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی عجز و انکسار اور اپنے آپ کو بھول کر حاضری دے۔ اور پھر بھی ڈرتا رہے کہ کیا خبر اس نے میری حاضری قبول فرمائی یا نہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس عجز و نیاز کی بنا پر حاضری دینے والے کا کام بن جائے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسوۂ رسول ﷺ اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!

و المستحب ان یصلی فی ثلثة اثواب قمیص و ازار و عمامة و عن ابی حنیفه انه کان یلبس احسن ثیابه للصلوٰة و المرأة تصلی فی قمیص و خمار و مقنعة و یکره ان یرفع راسه او ینکسه فی الرکوع و ان یعبث بثوبه او بشیٔ من جسده و ان یفرقع اصابعه او یشبک بین اصابعه و ان یجعل یدیه علی خاصرته و ان یقلّب الحصی الا ان لا یمکنه السجود فیسویه مرة او مرتین وفی اظهر الروایتین انه نسویه مرة وان یتربع الا من عذر و ان یغمض عینیه و ان یلتفت یمینا و شمالا و ان یسجد علی کور عمامته و ان یتنحنح قصدا یعنی اختیارا اذا کان صوتا لا حرف له و کذا لو کان له حرف واحد و اما السعال المدفوع الیه فلا یکره و الاحسن ان یدفع سعاله ان قدر و ان یرد السلام بیده او راسه و ان یحمل الصبی فی صلاته و ان یتنخم قصدا و ان یضع فی فمه دراهم او دنانیر بحیث لا یمنع عن القراءة و ان منعه عن اداء الحروف افسدها و ان ینفخ نفخا لا یسمع صوته وان یبتلع ما بین اسنانه ان کان قلیلاً و ان کان کثیرا زائداً علی قدر الحمصة تفسد و ان یجهر بالتسمیة و التامین و ان یتم القراءة فی الرکوع

ترجمہ:

۱) مستحب یہ ہے کہ نمازی تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ جو یہ ہیں: کُرتہ، تہبند (شلوار)، پگڑی۔ اور امام صاحب سے روایت ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے سب سے عمدہ کپڑے پہنے۔ اور عورت ان کپڑوں میں نماز پڑھے۔ ۱: کُرتہ ۲: چادر ۳: سر پر بندھی ہوئی اوڑھنی۔

۲) مکروہ ہے کہ رکوع میں اپنا سر اونچا یا نیچے کرے (بلکہ سرینوں کے ساتھ برابر رکھے)۔

۳) اور یہ بھی مکروہ ہے کہ اپنے کپڑے یا جسم سے کھیلے۔

۴) اور یہ بھی مکروہ ہے کہ اپنی انگلیاں چٹخائے۔ اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے۔ (اس کو تشبیک کہتے ہیں)۔

) اور دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں پر رکھے۔

) اور کنکریاں الٹ پلٹ کرے۔ مگر یہ کہ سجدہ نہ کر سکے تو ایک یا دو مرتبہ انہیں برابر کر دے۔ لیکن زیادہ ظاہر روایت میں ہے کہ انہیں صرف ایک ہی مرتبہ برابر کرے۔

) اور یہ کہ گوٹ (چارزانو) مار کر بیٹھے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔ (تو بیٹھ سکتا ہے)۔

) اور یہ کہ اپنی آنکھیں بند کرے۔

) اور یہ کہ دائیں اور بائیں دیکھے۔

) اور یہ کہ پگڑی (یا رومال) کے پیچ پر سجدہ کرے۔

) اور یہ کہ گلا صاف کرے ارادے یا اختیار سے (یعنی کھانسے) بشرطیکہ اس آواز سے کوئی حرف نہ پیدا ہو۔ یا ایک آدھ حرف پیدا ہو۔ لیکن وہ کھانسی جس کا دفاع کیا جا سکے وہ مکروہ نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ کھانسی روکے اور اس کے دفاع کی کوشش کرے۔ اگر طاقت رکھتا ہے۔

۱۴) اور یہ کہ اپنے ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دے۔

۱۵) اور یہ کہ اپنی نماز میں کوئی بچہ اٹھائے۔

۱۶) اور یہ کہ ارادی طور پر ناک صاف (جھاڑے) کرے۔

۱۷) اور یہ کہ اپنے منہ میں درہم یا دینار (اشرفیاں) رکھے جبکہ وہ اسے قرأت کرنے سے نہ روکیں اور اگر حروف ادا کرنے سے روکیں تو ایسا کرنا نماز کو توڑ دے گا۔

۱۸) اور یہ کہ ایسے طریقہ سے پھونک مارے کہ آواز نہ سنائی دے۔

۱۹) اور یہ کہ جو کچھ دانتوں میں اٹکا ہوا ہو اسے نگل جائے جبکہ تھوڑا ہو۔ اور اگر چنے کی مقدار سے (کسی قدر) زیادہ ہو تو نماز (اس عمل سے) ٹوٹ جائے گی۔

۲۰) اور یہ کہ اونچی (بلند) آواز سے بسم اللہ شریف اور آمین کہے۔

۲۱) اور یہ کہ رکوع میں جا کر قرأت پوری کرے۔ (یہ سب کام نماز میں مکروہ ہیں)

چند الفاظ کی وضاحت

۱: عمامة ... پگڑی۔ ۲: خمار ... بڑی چادر۔ ۳: المقنعة ... (قیل فی ضبط الاعراب حرف المیم بالکسر ثوبٌ یُوضع علی الرأس و یُربط تحت الحنک۔ یعنی وہ کپڑا جو سر پر رکھا جائے اور تھوڑی کے نیچے باندھ دیا جائے۔ ۴: تنکیس ... از باب تفعیل، جھکانا اور پست کرنا۔ ۵: یعبث ... من العبث، کھیلنا اور بے فائدہ کام کرنا ... ۶: یفرقع ... من الفرقعة انگلیاں دبا کر ان سے آوازیں نکالنا۔ یعنی انگلیاں چٹخانا۔

۷: یشبک ... من التشبیک، انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا۔ ۸: اصابع ... انگلیاں اس کا واحد اِصْبَعٌ ہے۔ ۹: حاصرۃ ... پہلو
یُقلّب ... کسی چیز کو الٹ پلٹ کرنا۔ تقلیب، مصدر باب تفعیل ہے۔ کسی چیز کو اوپر نیچے کرنا۔ ۱۱: یُسوی ... من التسویۃ، برابر کرنا۔ یُس
وہ برابر کرے۔ ۱۲: یتربع ... من التربع گوٹ مار کر بیٹھنا۔ ۱۳: یغمض ... من الغمض وہ آنکھیں بند کرے۔ غمض مصدر بند کر
۱۴: یتنحنح ... وہ کھانسے۔ (تا کہ گلہ صاف ہو جائے)۔ ۱۵: صوت ... آواز جمع اصوات۔ ۱۶: سُعال ... کھانسی درفارسی سُر
۱۷: یحمل ... وہ اٹھائے۔ حمل کسی چیز کو اٹھانا۔ ۱۸: الصّبی ... بچہ۔ جمع صِبیان وغیرہ۔ ۱۹: یتنخم ... وہ ناک صاف کرے۔ تنخ
ناک جھاڑنا۔ ۲۰: دراھم و دنانیر ... ان کا واحد درھم ودینار۔ درھم چاندی اور دینار سونے کا سکہ پرانے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ آج
اگرچہ بعض عربی چھوٹے ممالک میں رائج ہے مگر سونے اور چاندی کا نہیں بلکہ عام نوٹ کی طرح کاغذ کا رائج ہے۔ اہل لغت نے "درھم" کا وزن
سہ ونیم ماشہ نزد اکثر یعنی ساڑھے تین ماشہ لکھا ہے۔ اور شرعی طور پر اس کی چوڑائی ہتھیلی کے برابر قرار دی ہے۔ "درھم" چاندی کا سکہ جس کا وزن
اونس ہوتا ہے۔ یہ یونانی زبان کا کلمہ ہے۔ (المنجد عربی اردو صفحہ ۳۲۱)

۲۱: نفخ ... پھونک مارنا۔ ۲۲: یَبْتَلِع ... وہ نگل جائے۔ ۲۳: اسنان ... یہ سن کی جمع ہے بمعنی دانت۔ ۲۴: الحمصۃ ... چنے کا
۲۵: التّامین ... آمین کہنا۔ ۲۶: الحصیٰ ... سنگ ریزے۔ یہ حصاۃ کی جمع ہے۔ ۲۷: یلتفت ... مڑ کر دیکھے۔ ۲۸: کَدر ... کسی چ
کے بَل اور پیچ۔

تشریح عبارت مذکورہ

۱- تین کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن اگر کسی ایسے بڑے کپڑے میں نماز پڑھے کہ جس سے اپنا سارا بدن ڈھانپ لے تو
بھی جائز ہے لیکن مستحب نہیں۔ عورت کے لباس کے متعلق خلاصہ میں آیا ہے مرد کی طرح وہ بھی تین کپڑے میں البتہ پگڑی کے
بجائے یہاں اوڑھنی ہے۔ اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ ازار میں زیادہ ستر ہے۔ اور اوڑھنی چادر کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا عورت کے
لئے تین کپڑوں کے استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ ایک خمار اس کو سر پر رکھا جاتا ہے اور تھوڑی کے نیچے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ دوسرا القن
یہ الخمار سے کچھ بڑا ہوتا ہے کہ تھوڑی سے کچھ بچ جاتا ہے۔ اور الخمار ان دونوں سے بڑا ہوتا ہے جس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے
اور اس کے کنارے پیٹھ یا سینے پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

۲- نمازی رکوع کرتے ہوئے نہ سر کو اونچا رکھے اور نہ بالکل جھکائے رکھے۔ کیونکہ یہ سنت طریقہ کے خلاف ہے۔

۳- عَبث وہ کام ہے کہ جس کی غرض صحیح نہ ہو نیز وہ کام ہے جس پر بالکل کوئی فرض نہ ہو چنانچہ امام کدوری سے یہی مروی ہے۔ اور یہ
بھی کہا گیا کہ عبث وہ کھیل ہے جس میں لذت نہ ہو اور لعب وہ کھیل ہے جس میں لذت ہو۔

۴- اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف
جائے تو اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے، کیونکہ وہ حالتِ نماز میں ہے۔ لہٰذا مسجد کو جاتے وقت یا
وہاں نماز کے انتظار میں بیٹھتے وقت یہ کام نہ کرے اس لئے کہ وہ حالتِ نماز میں شمار ہے۔

- نماز پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ پہلوؤں پر نہ رکھے۔اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔
- یعنی اگر زمین پر کنکریاں ہوں اوران پر نماز پڑھنا دُشوار ہوتو ایک آدھ مرتبہ انھیں ٹھیک کردے لیکن بلاوجہ ایسا نہ کرے یہی زیادہ صحیح ہے۔چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھتے ہوئے کنکریوں کو مَس نہ کرو اگر ایسا کرنا پڑ جائے تو ایک دفعہ کی گنجائش ہے۔
- اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنا سنت کے خلاف ہے۔لیکن حالتِ نماز میں اس طرح نہ بیٹھے لیکن بیرونِ نماز بیٹھنے کی گنجائش ہے۔چنانچہ حضور ﷺ سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنا مروی ہے۔لیکن دوزانو بیٹھنا اس میں اظہارِ تواضع ہے۔
- نماز پڑھتے ہوئے دونوں آنکھیں بھی بند نہ رکھے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔
- یعنی حالت نماز میں اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس حرکت سے منع فرمایا کہ اس طرح کرنے سے شیطان آدمی کی نماز سے کچھ چھین لیتا ہے۔گویا شیطان کا نمازی کی نماز میں عمل دخل ہو جاتا ہے۔اور التفات میں آئمہ کرام نے یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ اگر سینہ موڑ کر اِدھر اُدھر دیکھے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔اور اگر بغیر سینہ پھیرے آنکھوں کے کنارے سے دیکھے تو کوئی کراہت نہیں۔

۱- اس طرح کرنا اس لئے ٹھیک نہیں کہ پیشانی کے بجائے سجدہ اس کپڑے پر ہوتا ہے حالانکہ سجدہ کرنے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی پیشانی سے سجدہ کرے۔

- اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت ایسا نہ کرے اگر کوئی مجبوری ہو تو الگ بات ہے۔اور گلا صاف کرنے کے لئے کھانسنے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ آواز ہو لیکن کوئی حرف پیدا نہ ہو دوسری یہ کہ ایک آدھا حرف ظاہر ہو جائے ان دونوں صورتوں میں کھانسنے کی اجازت ہے لیکن اگر دو یا زیادہ حروف پیدا ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔لیکن اگر بے قرار ہو کر کھانستا ہے تو مکروہ نہیں۔اور اسی طرح اگر ضرورت کی وجہ سے کھانستا ہے جبکہ گلے میں بلغم اٹک جائے جس کی وجہ سے یہ قرأت نہ کر سکے یا امام ہونے کی صورت میں آواز نہ بلند کر سکے تو ان دونوں صورتوں میں کوئی کراہت نہیں۔

☆ زیادہ اچھا یہ ہے کہ اگر کھانسی روکنے کی قدرت رکھتا ہو اور روکنے سے کوئی نقصان پیدا نہ ہو تو کھانسی روکے اور اگر روکنے سے کوئی نقصان پیدا ہو یا اس طرف دِل کا دھیان ہو جائے تو پھر بہتر یہ ہے کہ نہ روکے۔

۱۲- اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مصنوعی طور پر جواب ہے اور اگر حقیقی جواب ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی جیسا کہ زبان سے جواب دے۔لیکن اگر مصنوعی ہو تو نماز مکروہ ہو گی اور اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کرے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۱۳- اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے نماز کی طرف دھیان نہیں رہتا۔

۱۴- ارادتاً اس طرح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر عذر ایسا کرے۔

۱۵- اس کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بلا فائدہ شُغل ہے اور اگر یہ کام اسے قرأت کرنے سے روک دے جبکہ اس نے قدرے جواز قرأت نہیں کی تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ قرأت کرنا فرض ہے۔

۱۶- اور اگر آواز حروف پر مشتمل سنائی دے یعنی دو یا زیادہ حَرف معلوم ہو جائیں تو نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ مکروہ ہو جائے گی۔

۱۷- اور یہی حکم ہے جبکہ چنے کی مقدار ہو۔

۱۸- اور یہی حکم ہے ثناء اور تعوذ پڑھنے کا اس لئے کہ یہ سنت کے مخالف ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار کام آہستہ کرے، ایک تعوّذ، دوسرا تسمیہ، تیسرا آمین کہنا اور چوتھا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد آمین بالجہر کے قائل ہیں۔

۱۹- اس کی وجہ یہ ہے کہ قرأت کا یہ محل نہیں اور اگر اس نے ایسا کیا تو یہ قرأت بے محل ہوگی اور یہ ٹھیک نہیں۔

و ان یعدّ الأی او التسبیح او السورة یعنی ان یعد بالاصابع عند ابی حنیفة و قالا لا باس به ثم من مشائخنا من قال لا خلاف فی التطوع انه لا یکره و منهم من قال الخلاف فی التطوع لا فی المکتوبة و قال ابو جعفر فیهما یکره و فی الخاقانیة ان غمز بروؤس الاصابع لا یکره و فی موضع اٰخر لو احتاج الیها کما فی الصلوٰة التسبیح عدها اشارة بالانامل او بقلبه و یکره ان یتکئ علی حائط او علی عصا لا من عذر و ان یخطو خطوات بغیر عذر هذا اذا وقف بعد کل خطوة و ان لم یقف تفسد ان کان بغیر عذر و یکره التمایل علی یمناه مرة و علی یسراه اخری . و یکره اخذ القملة او البرغوث و قتله او دفنه و لا باس بقتل الحیة و العقرب قالوا اذا لم یحتج الی المشی و المعالجة فاما اذا احتاج فمشی او عالج تفسد

ترجمہ...... اور امام صاحب کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کوئی نمازی، آیات یا تسبیحات یا کسی سورۃ کو ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کرے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ نوافل میں اختلاف نہیں کیونکہ اس میں اس طرح کرنا مکروہ نہیں۔ لیکن ان میں سے بعض نے فرمایا کہ نوافل میں اختلاف ہے فرائض میں نہیں۔ امام ابوجعفر نے فرمایا کہ ایسا کرنا دونوں میں مکروہ ہے۔ فتاویٰ خاقانیہ میں ہے کہ انگلیوں کے پوروں سے شمار کرنا مکروہ نہیں۔ اور اس میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اگر تسبیحات شمار کرنے کی ضرورت ہو تو جیسا کہ صلوٰۃ التسبیح میں تو اس میں انھیں اشارہ سے شمار کیا یا دل میں بغیر اشارہ کرنے کے یاد رکھا تو ان دونوں صورتوں میں مکروہ نہیں۔

تشریح

یعنی آیات اور تسبیحات اور کسی سورت کو جب اسے نماز میں تکرار سے پڑھے تو امام صاحب کے نزدیک اس وقت کراہت ہوگی جب انگلیوں سے شمار کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک اس طرح شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مسنون قرأت کے کرنے کی اسے ضرورت ہے۔ بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ نوافل میں شمار کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ یعنی یہ بالاتفاق مکروہ نہیں۔ لیکن بعض کے

خیال کے مطابق یہ بھی مکروہ ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نوافل میں شمار کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہے۔ لیکن فرائض میں اختلاف نہیں، ان میں شمار کرنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ فقیہ ابوجعفر ہندوانی نے اس طرح کہہ کر مسئلہ واضح کر دیا کہ دونوں میں خواہ فرائض ہوں یا نوافل شمار کرنا مکروہ ہے۔ لیکن فتاوئ خاقانیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر انگلیوں کے پوروں سے شمار کرے جبکہ وہ ہیئتِ سنت کے مطابق رکھی ہوئی ہوں مکروہ نہیں۔ اور اس کے دوسرے مقام میں یہ فرمایا کہ اگر صلوٰۃ التسبیح کی طرح تسبیحات شمار کرنے کی احتیاج ہو تو اس نے اشارے سے انھیں شمار کیا یا دل میں بغیر اشارہ کرنے کے انھیں یاد رکھا تو اس کی کسی قدر گنجائش ہے۔

ترجمہ...... اور نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ کسی دیوار یا کسی لاٹھی پر ٹیک لگائے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔ (غیر عذر کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عذر ہو تو گنجائش ہے۔ جیسا کہ بحث قیام میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے) اور یہ بھی مکروہ ہے کہ نمازی بغیر کسی عذر کے حالتِ نماز میں چلے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب ہر قدم کے بعد کھڑا ہو جائے اور اگر نہ کھڑا ہو تو بغیر عذر ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح

اگر یہ کام کسی عذر سے ہو تو مکروہ نہیں جیسا کہ اگر کسی نمازی کا دوران نماز وضو ٹوٹ جائے تو وہ وضو کرنے کے لئے چلا یا سانپ یا بچھو مارنے کے لئے، امام سرخسی کے قول کے مطابق اس نے چلنا اختیار کیا (تو دونوں صورتوں میں کراہت نہیں) تو یہ کراہت بھی اس صورت میں ہوگی کہ یہ ہر قدم کر بعد کھڑا ہو جائے۔ اور اگر کھڑا نہ ہوا اور لگاتار تین قدم چلے تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ یہ نماز میں عملِ کثیر کا مرتکب ہوا۔

خلاصۂ کلام...... یہ ہے کہ اگر نمازی کا چلنا کسی عذر کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد اور مکروہ نہ ہوگی اور اگر بغیر کسی عذر ہو تو پھر تین قدم بغیر وقفہ چلے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر تین قدم وقفہ کر کے چلے تو نماز فاسد ہونے کی بجائے مکروہ ہوگی۔

ترجمہ...... اور یہ بھی مکروہ ہے کہ نمازی کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب میلان کرے۔ (اس لئے کہ یہ کام حالتِ نماز میں بے فائدہ ہونے کے علاوہ عاجزی اور فروتنی کے خلاف ہے)۔

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ جُوں اور پسو پکڑ کر اسے مارے اور اسے دفن کر دے۔ اور سانپ اور بچھو کے مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اسے لگاتار چلنے اور وار کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ لیکن اگر ضرورت ہو اور یہ لگاتار بغیر وقفہ چلے، یا اسی طرح وار کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح

خلاصہ میں مذکور ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ حالتِ نماز میں جُوئیں نہ مارے بلکہ انھیں سنگریزوں میں دبا دے۔ لیکن امام محمد نے فرمایا کہ میرے نزدیک انھیں دفن کرنے سے مار ڈالنا زیادہ اچھا ہے۔ اور دونوں کاموں میں کچھ حرج نہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دونوں کام مکروہ ہیں۔ امام محمد کا قول بہتر ہے۔ بشرطیکہ جُوں اسے کاٹے تا کہ اس کے خشوع میں فرق نہ آئے۔ اور شیخین کے قول کا مفہوم

یہ ہے کہ اس کے بغیر کاٹے اسے پکڑے۔

اور نماز میں سانپ اور بچھو مارنے میں کوئی حرج نہ ہونے کی وجہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ نماز میں سانپ یا بچھو نظر آئیں تو انھیں ما ڈالو۔ اور بعض مشائخ نے اس میں اس طرح مطابقت پیش کی ہے کہ اگر لگا تار تین قدم چلنے اور تین مرتبہ وار کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے تو انھیں مار ڈالا جائے۔ اور اگر یہ دونوں ضرورتیں پیش آئیں تو نہ مارے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے نماز میں جنگ کرنا۔ امام سرخسی نے مبسوط میں یہ بیان کر کے فرمایا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ یہ شریعت کی طرف سے ایک رخصت ہے۔ جس طرح بے وضو ہونے کی صورت میں چلنے کی اجازت ہے۔ اور حدیث کا اطلاق اس کی تائید کرتا ہے۔ اور زیادہ صحیح نماز کا فساد ہے مگر ضرورت کی وجہ سے اس حالت میں فسادِ نماز کی اجازت ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی مظلوم فریاد رس یا کوئی مقام ہلاکت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی فریاد کر رہا ہو تو اس حالت میں اس کی امداد و فریاد رسی ضروری ہے۔ اور اسی طرح جب اس کا سامان ضائع ہونے کا خطرہ ہو کہ جس کی قیمت ایک درہم ہو خواہ اس کا اپنا ہو یا کسی دوسرے کا تو اس حال میں اس کے لئے اس کے تحفظ کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی بحث کی پوری تفصیل علامہ حلبی کی شرح کبیری میں مذکور ہے۔

چند مفردات اور الفاظ واردہ کی تشریح

۱- یعُدُّ ... وہ شمار کرے۔ عدّ مصدر بمعنی شمار کرنا۔ ۲- ای ... یہ آیت کی جمع ہے۔ ۳- خانیۃ ... فتاویٰ قاضی خان۔ ۴- انامل ... انگلیوں کے پورے۔ یہ انملۃ کی جمع ہے۔ ۵- الاتکاء ... کسی چیز پر سہارا، اور ٹیک لگانا۔ ۶- حائط ... دیوار "حیطان" اس کی جمع ہے۔ ۷- عصا ... لاٹھی اس کی جمع "عصیّ" ہے۔ ۸- یخطو ... وہ قدموں سے چلے۔ ۹- خطوات قدم، اس کا واحد "خطوۃ" ہے۔ ۱۰- وقف ... وہ ٹھہر جائے۔ وقوف ٹھہرنا اور کھڑا رہنا۔ ۱۱- تمائل ... دائیں اور بائیں جھکنا۔ ۱۲- یمناہ، یسراہ ... اس کا دایاں اور اس کا بایاں۔ پس اس سے نمازی مراد ہے۔ ۱۳- القملۃ ... جوں۔ ۱۴- البرغوث ... پسّو۔ در فارسی کیک گویند۔ ۱۵- الحیۃ ... سانپ۔ حیات جمع۔ ۱۶- عقرب ... بچھو، جمع عقارب۔ ۱۷- المعالجۃ ... کام کرنا، علاج کرنا۔

...... ویکرہ ترک الطمانینۃ فی الرکوع و السجود

ترجمہ ...... اور رکوع اور سجدہ میں ترکِ اطمینان مکروہ ہے۔

تشریح

مراد یہ ہے کہ رکوع کرنے کے بعد قومہ یعنی سیدھا کھڑا ہو جانا پورے سکون، اطمینان اور اعتدال سے ایک تسبیح کی مقدار واجب ہے اور اسی طرح دو سجدوں کے درمیان جلسہ یعنی کسی قدر بیٹھ جانا واجب ہے۔ اور اس کو چھوڑ دینا ترک واجب یا ترک سنت مؤکدہ ہے اور یہ سب مکروہ ہے۔

و تکرار السورۃ فی الفرض اذا کان قادرا علی قراءۃ سورۃ اخری

یعنی فرائض میں کسی ایک سورۃ کو تکرار سے پڑھنا (مکروہ ہے) بشرطیکہ کسی اور سورت کے پڑھنے پر قدرت رکھتا ہو۔

تشریح

اگر کسی دوسری سورت کے پڑھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو دوسری رکعت میں بربنائے ضرورت تکرار سورت مکروہ نہیں۔ اور یہ حکم بھی اس وقت ہے جبکہ ارادی طور پر ایسا کرے اور اگر بلاقصد ایسا ہو جائے تو کراہت نہیں۔ مثلاً پہلی رکعت "سورۃ الناس" پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں اسے دوبارہ پڑھ لینا مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ اور مخلص نہیں۔

و لا یکرہ فی التطوع

ترجمہ......اور نوافل میں تکرار سورت مکروہ نہیں۔

اقول......خواہ تکرار سورت ایک رکعت میں ہو یا دو رکعتوں میں (دونوں صورتیں مکروہ نہیں)۔

قال......و یکرہ تطویل الرکعۃ الاولیٰ علی الثانیۃ فی التطوع الا اذا کان مرویا او ماثورا

ترجمہ......اور نوافل کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل کرنا مکروہ ہے۔ مگر جب کہ حضور ﷺ سے روایت ہو یا منقول ہو۔

تشریح

اقول......یعنی نوافل کی دوسری دو رکعتوں میں ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ لیکن اگر حضور ﷺ سے ایسا کرنا روایت کیا گیا ہو یا کسی صحابی رسول ﷺ سے نقل کیا گیا ہو تو پھر کراہت نہ ہوگی۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نماز وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھی۔ اگرچہ اس میں پہلی رکعت بنسبت دوسری رکعت کے طویل ہے مگر ایسا کرنے میں مروی ہونے کی وجہ سے کراہت نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

لو طوّل الاولیٰ علی الثانیۃ فی التراویح لا باس بہ بل المختار ذالک عند الامام محمد رحمہ اللہ و عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ التسویۃ بین الرکعتین کما فی الظهر و العصر عندهما فعلم ان ما قال هنا فیہ خلاف محمد (اھ)

اگر نماز تراویح کی پہلی رکعت کو دوسری سے دراز کرے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ یہ صورت امام محمد کے نزدیک پسندیدہ مختار) ہے لیکن شیخین (امام اعظم اور امام ابو یوسف) کے نزدیک نماز کی دونوں رکعتیں برابر اور مساوی ہوں۔ جیسا کہ نماز ظہر اور عصر میں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ یہاں فرمایا اس میں امام محمد علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے لہذا یہ متفقہ مسئلہ نہیں۔

توضیح المفرد

ا: تکرار ... کسی سورت کو مکرر پڑھنا۔ مراد یہ ہے کہ دوبارہ پڑھنا جیسا کہ محفل مشاعرہ میں کسی پسندیدہ شعر پر اہل محفل سے یہ صدا اٹھتی ہے کہ (مکرر مکرر) یعنی اس کو دوبارہ پڑھو۔

و تطویل الثانیـــة فی جمیع الصلوات مکروه

ترجمہ......: یعنی دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا (لمبا کرنا) ساری نمازوں میں مکروہ ہے۔

تشریح

یہ طوالت فرائض اور نوافل دونوں میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نوافل میں مکروہ نہیں۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ نوافل میں جو گنجائش ہے وہ فرائض میں نہیں۔ وہ یہ کہ نفل ایک اختیاری نماز ہے کہ جس میں آدمی کی کسی حد تک مرضی اور اختیار چل سکتا ہے جبکہ فرض ایک متعین مقرر اور غیر اختیاری نماز ہے کہ جس میں آدمی کو کوئی اختیار اور اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ چونکہ دونوں میں یہ واضح اور بین فرق ہے لہذا نوافل میں دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنے کی گنجائش ہے۔ پس مکروہ نہیں۔ علامہ حلبی شرح کبیر میں فرماتے ہیں:

اذا لم یکره اطالة الثانیة علی الاولیٰ فی التنفل لم تکره اطالة الاولیٰ و الاصح کراهة اطالة الثانیة علی الاولیٰ فی النفل ایضاً الحاقا له بالفرض فیما لم یرد فیه تخصیص من التوسعة کجوازه قاعداً بلا عذر و نحوه و اما اطالة الثالثة علی الثانیة لمضی ما قبلها فقد یکره لانه شفع اٰخر (۱۵) (صغیری شرح منیۃ المصلی)

یعنی جب دوسری رکعت کو پہلی سے طویل کرنا مکروہ نہیں تو پھر پہلی رکعت کی طوالت بھی مکروہ نہ ہوگی۔ رہا تیسری رکعت کو پہلی اور دوسری رکعت سے دراز کرنا تو قطعاً مکروہ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نوافل کی ہر دو رکعت ایک مستقل نماز ہے کما تقرر فی محله۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ ثانیہ کو اولیٰ سے طویل نوافل بھی میں مکروہ ہے (جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ الحاق نوافل بالفرض کیا (لہذا دونوں میں حکم کراہت ہے) ہاں جس بات میں تخصیص بالوسعہ وارد ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ جیسے بغیر کسی عذر بیٹھ کر نوافل پڑھنا۔ چونکہ یہ وارد ہے اس لئے اس میں علی خلاف الفرض ایسا کرنے کی وسعت (اور گنجائش) ہے۔ یہ ہے عبارت مذکورہ بالا کی کسی قدر تفصیل۔

مکروہات مفسدات کا بیان

ویکره نزع القمیص و القلنسوة و لبسهما بعمل یسیر و یکره ان یشم طیبا و ان یرمی بزاقه او نخامته و ان یروح بثوبه او بمروحة مرة او مرتین و ان روّح ثلث مرّات متوالیات تفسد و ان یرفع کمیه الی المرفقین و ان لا یضع یدیه فی موضعهما الا من عذر و ان یقرأ القراٰن فی غیر حالة القیام و ان یترک التسبیحات فی الرکوع و السجود و ان ینقص من

ثلث تسبیحات و ان یاتی بالاذکار المشروعة فی الانتقالات بعد تمام الانتقال و فیه کراهتان ترکها عن موضعه و تحصیلها فی غیر موضعه و یکره ان یمسح عرقه او التراب عن جبهته فی اثناء الصلوٰة او فی التشهد قبل السلام و لا باس للمتطوع المنفرد ان یتعوّذ من النار او یسأل الرحمة عند اٰیة الرحمة او یستغفر و ان کان فی الفرض یکره و اما الامام و المقتدی فلا یفعل ذلک فی الفرض و لا فی النفل

ترجمہ......(۱) اور کرتہ اور ٹوپی اتارنا پھر انہیں تھوڑے عمل سے پہن لینا مکروہ ہے۔(۲) اور کوئی خوشبو سونگھنا مکروہ ہے۔ (۳) اور منہ سے لعاب دھن ڈالنا اور ناک جھاڑنا۔(۴) اپنے کپڑے یا پنکھے سے ایک یا دو مرتبہ ہوا لینا۔ اور اگر لگا تار تین مرتبہ ایسا کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۵) اور اپنی دونوں آستینیں کہنیوں تک اوپر چڑھانا۔(۶) اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی جگہ نہ رکھنا مگر کسی عذر کی وجہ سے (ایسا کرے تو گنجائش ہے)(۷) اور سوائے حالتِ قیام کے قرآن مجید پڑھنا۔(۸) اور رکوع وسجدہ کی تسبیحات بالکل چھوڑ دینا یا تین مرتبہ سے کم کر دینا۔(۹) اور جواذکار وقت الانتقال مشروع (جائز) ہیں انھیں بعد الانتقال ادا کرنا۔ پس اس میں دو کراہت ہیں ایک انہیں اپنی جگہ سے چھوڑ دینا۔ دوسری یہ کہ انہیں غیر محل میں ادا کرنا۔ نماز کے دوران یا تشہد میں اپنی پیشانی سے پسینہ یا مٹی پونچھنا۔(صاف کرنا) اور یہ سلام پھیرنے سے پہلے ہو مکروہ ہے۔ اور نفل پڑھنے والے کے لئے کچھ حرج نہیں کہ (نفل پڑھتے ہوئے) دوزخ کی آگ سے پناہ مانگے یا آیۂ رحمت کے وقت رحمت کا سوال کرے یا اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے۔ اور اگر ایسا فرائض میں کرے تو مکروہ ہے۔ رہا امام اور مقتدی تو وہ فرض اور نفل (دونوں) میں ایسا نہ کریں۔

چند مفردات کی وضاحت

۱: نزعَ ... نکالنا (اور اتارنا)۔ ۲: لبس ... پہننا۔ ۳: یسیر ... تھوڑا۔ ۴: یشمّ ... وہ سونگھتا ہے۔ الشم سونگھنا۔ ۵: طِیب ... خوشبو۔ ۶: یرمی ... وہ پھینکتا ہے۔ رمیٌ پھینکنا۔ ۷: بُزاق ... تھوک۔ (لعاب دھن)... ۸: نخامة ... ناک کی ریزش۔ ۹: یروح ترویح پنکھا جھلنا۔ ۱۰: مروحة ... پنکھا۔ ۱۱: متوالیات ... لگاتار، یہ متوالیہ کی جمع ہے۔ ۱۲: کمیه ... دو آستینیں۔ اس کا کُم بمعنی آستین ہے۔ ۱۳: مرفقین ... مرفق کا تثنیہ ہے دو کہنیاں۔ ۱۴: موضع ... جگہ۔ ۱۵: عرق ... بفتح الاول، پسینہ ۱۶: تراب ... مٹی۔ ۱۷: جبهة ... پیشانی اس کی جمع جباہ ہے۔ ۱۸: مسح ... پوچھنا۔ ۱۹: اَثناء ... درمیان... ۲۰: متطوع نفل پڑھنے والا۔ ۲۱: یتعوذ ... پناہ مانگے۔ ۲۲: یستغفر ... بخشش مانگے، استغفار بخشش مانگنا۔

تشریح

۱) اگر اتارنا اور پہننا تھوڑے سے عمل سے ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن زیادہ عمل سے ہو تو نماز فاسد ہو جائیگی اور عمل کثیر کی تعریف یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے یہ کام کرے یا اسے دیکھنے والا نماز میں نہ کہے۔ (کبیری)

۲) مصنف صغیری یہ لکھتے ہیں (یشم) حرف شین کے زبر کیساتھ اور طیب ،حرف طاء کے زبر کے ساتھ ہے۔ والمعنیٰ ذو رائحہ طیبۃ یعنی اچھی خوشبو والا۔ یہ حکم اس وقت سے جب ارادی طور پر سونگھے اور اگر بلا ارادہ اسکی ناک میں خوشبو پہنچ جائے تو کراہت نہیں۔ (صغیری)

۳) بزاق بروزن غراب ہے منہ کا پانی جب اس سے خارج ہوتو "بزاق" اور جب تک منہ میں رہے "رفیق" کہلاتا ہے (نخامہ) حرف نون کے پیش کے ساتھ ہے۔ زور کی سانس لینے سے جو بلغم (کشید کی وجہ سے) ناک یا سینہ سے حلق تک پہنچ جائے اسے "نخلہ" کہا جاتا ہے۔ یہ اس وقت مکروہ ہے جب اسکے نکالنے میں اضطرار نہ ہوں اور اگر اضطرار ہو مثلاً کھانسی یا نحخ ضرورت سے خارج ہو جائے تو مکروہ نہیں۔

نوٹ

فی البخاری انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قام احدکم الی الصلوٰۃ فلا یبصق امامہ فانما یناجی اللہ مادام فی مصلاہ ولو عن یمینہ فان عن یمینہ ملکاً فلیبصق عن یسارہ او تحت قولہ وفی روایۃ تحت قدمہ الیسریٰ .وایضاً فی الصحیحین البزاق فی المسجد خطیئۃ و کفارتھا دفنھا (شرح کبیر). و فی الشرح الصغیر فلا یکرہ الرمی تحت قدمہ الیسریٰ اذا لم یکن فی المسجد والاولیٰ ان یاخذ بطرف ثوبہ– (اھ) (صغیری صفحہ ۱۸۸)

یعنی بخاری شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے ہو تو اپنے آگے نہ تھوکے اس لئے جب تک وہ اپنے مصلّٰی پر ہے تو اللہ تعالٰی سے مناجات کرتا ہے۔۔ اور اپنی دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ اسکی دائیں طرف فرشتہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اگر تھوکنا چاہے تو اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے نیز بخاری مسلم دونوں میں مروی ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اسکا کفارہ اسے زمین میں دبا دینا ہے، علاّمہ حلبی صغیری میں فرماتے ہیں۔ بائیں قدم کے نیچے تھوکنا مکروہ نہیں جبکہ مسجد نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ایسی کاروائی ہرگز نہ کرے اس لئے کہ یہ اس کے تقدس کے خلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے کپڑے میں اسے جذب کردے۔ چنانچہ بخاری و مسلم دونوں میں یہ آیا ہے جیسا کہ اسکی صراحت کردی گئی۔

۴) پنکھے یا کپڑے سے ایک دو مرتبہ ہوا لینا درجۂ کراہت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ یہ حالتِ نماز کے مناسب نہیں۔ اور تین یا اس سے زائد بار لگاتار ایسا کرے تو نماز فاسد اور ختم ہو جائے گی کیونکہ عمل کثیر پایا گیا جو نماز کے منافی ہے۔

۵) کہنیوں یا ان سے کچھ کم بھی آستین اوپر کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر نماز میں ایسا کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اس لئے کہ عمل کثیر پایا گیا۔

نوٹ...... اکثر لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں چنانچہ انھیں دیکھا گیا کہ آستینیں اوپر کئے ہوئے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ اور بعض اپنی آستینیں کہنیوں سے کچھ تھوڑی سی اوپر کر کے بلا کھٹکا نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اگر انھیں منع کیا جائے تو یہ عذر لنگ پیش کر دیتے ہیں کہ ما دون المرفقین میں کوئی حرج نہیں لہذا انھیں علامہ حلبی کی اس عبارت کذا ما دون المرفقین عند ظھور الکفین سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ لہذا اپنے سابق رویہ کو بدل دینا چاہے۔ تاکہ بلا کراہت درست ہو۔

۶) قیام، رکوع، سجدہ اور تشہد میں سنت کے خلاف ہاتھوں کو رکھنا کیونکہ قیام میں سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھے

اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز میں یونہی کیا۔

کما روی عن وائل بن حجر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یدہ الیمنیٰ علی ظھر کفہ الیسریٰ و عن علی رضی اللّٰہ عنہ انہ کان یفعل کذالک و استحسن مشائخنا التحلیق وھو ان یحلق بالابھام و الخنصر علی الرسغ بعد الوضع و المرأۃ تضع علی صدرھا و لا تقبض بل تضع کفھا الایمن علی ظاھر کفھا الایسر . و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان من السنۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ

(کبیری بر حاشیہ صغیری)

- یعنی حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر (زیر ناف) رکھا اور فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں پر زیر ناف رکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے مشائخ نے (اس موقع پر) حلقہ بنانے کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ رکھنے کے بعد انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے پونچے پر حلقہ بنائے یعنی گھیر رکھے۔ اور عورت سینے پر ہاتھ رکھے لیکن انہیں نہ پکڑے بلکہ صرف دائیں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ دے۔

۱- رکوع میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو پکڑے رکھے۔ یوں معلوم ہو کہ گھٹنوں کو ہاتھوں کا لقمہ بنا رہا ہے۔

۲- دونوں سجدوں میں اپنے سر کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھے کہ اگر اس کے کانوں پر پانی ڈالا جائے تو ہاتھوں کی پشت پر پڑے۔ رانوں اور بازؤوں کو پیٹ سے دور رکھے اور بازؤوں کو زمین سے اٹھائے رکھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے بازؤوں کو اس قدر بلند رکھتے کہ اگر بکری کا بچہ درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مرد کشادہ انداز میں سجدے کرے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک آدھ تسبیح کی مقدار بیٹھے (اس کو آئمہ کرام جلسہ کہتے ہیں) ورنہ ترکِ تعدیل کی وجہ سے دو سجدے شمار نہ ہونگے لہذا ان باتوں کا اچھی طرح خیال رکھے تاکہ نماز بطریق سنت ادا ہو۔

۴- اور تشہد میں دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر بغیر قبض و بسط رکھے۔ یہ ہے ہاتھوں کو اپنی جگہ اور اپنے محل میں رکھنے کا مفہوم۔ عورت خوب سمٹ کر اپنے اعضاء جوڑ کر سجدہ کرے کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ساتر ہے۔

۷) غیر حالتِ قیام یعنی رکوع سجدہ اور قعدہ میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیحات بالکل نہ پڑھنا یا تین دفعہ سے کم پڑھنا پس اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ سب کام سنت کے مخالف ہیں چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من قال فی رکوعہ " سبحان ربی العظیم " ثلاثا فقد تم رکوعہ و ذالک ادناہ و من قال فی سجودہ " سبحان ربی الاعلیٰ " ثلاثا فقد تم سجودہ و ذالک ادناہ** یعنی جس نے اپنے رکوع میں تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" پڑھا تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ معمولی درجہ ہے۔ اور جس نے سجدے میں تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہا تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ بھی ایک معمولی درجہ ہے لہذا اس سے کم پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: اگر مقتدی کے تین مرتبہ تسبیحات پڑھنے سے پہلے امام نے رکوع سے اپنا سر اٹھالیا تو مقتدی کیا کرے۔ ایک روایت یہ ہے کہ تین مرتبہ تسبیحات پورا کر کے سر اٹھائے لیکن صحیح یہ ہے کہ تسبیحات پوری کرنے کی بجائے امام کا اتباع کرے اور اس کے ساتھ سر اٹھائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تسبیحات رکوع اور سجدہ سنت ہیں اور امام کا اتباع واجب ہے لہذا اعلیٰ وجہ سے ادنیٰ چھوڑ دے۔

مسئلہ: لیکن اگر مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے ہی امام سلام پھیر دے تو مقتدی اس کا اتباع نہ کرے یعنی اس کے ساتھ سلام پھیرے بلکہ پورا تشہد پڑھ کر سلام پھیرے بایں وجہ تشہد واجب ہے۔ لہذا دونوں برابر ہونے کی وجہ سے اتباع امام کو ترجیح نہیں بلکہ تشہد پڑھنے کو ترجیح ہے کیونکہ ذاتی اور خارجی کا فرق ہے۔

مسئلہ: اگر مقتدی تشہد کی دعائیں پڑھ رہا ہو کہ امام نے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں انہیں چھوڑ دے اور امام کے اتباع میں اس کے ساتھ سلام پھیر دے۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں (والناس عنہ غافلون) یعنی لوگوں کی اس مسئلہ کی طرف توجہ نہیں جس کی وجہ سے احتیاطی اور گڑ بڑ ہو جاتی ہے لہذا اہل علم سے ایسے مسائل کی تحقیق کرنی چاہئے۔

۸) جواز کار وقت الانتقال مشروع اور جائز ہیں انھیں بعد الانتقال ادا کرنا شرعاً مکروہ ہے۔ مثلاً حد رکوع تک پہنچ کر "اللہ اکبر" کہنا۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا اس لئے کہ سنت یہ ہے کہ رکوع کی طرف آغاز کرتے ہوئے تکبیر شروع پھر رکوع تک پہنچنے پر اسے ختم کرے خلاصہ یہ کہ ابتداء ذکر انتقال کے وقت۔ اور انتہائے ذکر وقت انتہائے انتقال ہو ورنہ کراہت ہوگی مصنف فرماتے ہیں کہ اس میں بجائے ایک کراہت کے دو کراہت ہیں۔ ایک اپنے محل میں ترک ذکر۔ دوم غیر محل میں تحصیل ذکر۔

۹) نماز پڑھتے ہوئے یا بحالت تشہد اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنا یا مٹی جھاڑنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ ایک بے فائدہ اور بے سود عمل ہے۔ اور اگر اس طرح کرنے میں حصول فائدہ ہو تو مکروہ نہیں۔ مثلاً پسینہ یا مٹی وغیرہ آنکھوں میں باعث تکلیف اور موجب الم ہو پھر انھیں صاف کرنا تا کہ آنکھوں کے لئے موجب ایذا نہ ہوں جائز ہے پس کراہت نہ ہوگی۔ اور اس میں حصول فائدہ اطمینان اور رفع شغلِ قلب ہے۔ لیکن اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایسا کرے تو کراہت نہیں اس لئے کہ حدیث پاک میں آیا ہے آنحضرت ﷺ نماز ختم کرنے کے بعد اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی صاف کیا کرتے تھے۔ اور پھر یہ دعائیہ کلمات پڑھتے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ الرحمن الرحیم اللّٰھم اذھب عنی الھم و الحزن ○ یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہی بے حد رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اے اللہ! مجھ سے فکر اور غم دور کر دے۔

۱۰) اگر کوئی تنہا نماز نفل پڑھے تو آیت نار پڑھتے ہوئے اس سے پناہ مانگے (مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ یا اللہ! تو مجھے اس سے پناہ دینا اور اس کے عذاب سے مجھے محفوظ رکھنا) یونہی جب آیت رحمت کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سے رحمت اور اس کی نعمتوں کا سوال کرے اور عفو و مغفرت کی آیات پڑھنے پر اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت طلب کرے اور یوں بارگاہ ایزدی میں عرض کرے: "اللّٰھم ارزقنی جنتک و رحمتک" پس نماز نفل پڑھنے والے کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ لیکن فرائض ادا کرنے والے کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس کے لئے بھی اجازت ہے۔ لیکن امام اور مقتدی فرائض اور نوافل دونوں میں ایسا نہ کریں کیونکہ انھیں اس طرح کرنے کی اجازت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بوجہ قوم اپنی نماز زیادہ طویل نہیں کر سکتا۔ اور مقتدی اس کے تابع اور اس کے زیر اتباع ہے۔ لہذا وہ بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

نوٹ...... یہاں نوافل سے وہ نوافل مراد ہیں جو جماعت سے ادا کئے جاتے ہیں جیسے نماز تراویح۔

و لا باس بان يصلي الى ظهر رجل قاعد يتحدث او يصلي و بين يديه مصحف معلق او

سیف معلق او علی بساط فیه تصاویر و لا یسجد علی التصاویر و یکره ان یسجد علیها و یکره ان تکون فوق راسه فی السقف او بین یدیه او بحذائه تصاویر او صورة موضوعة معلقة و اما اذا کانت مقطوعة الراس یعنی اذا لم یکن له راس او کان فمحاه بخیط او کانت صغیرة لا تبدو للناظر فلا یکره و لا باس بان یصلی علی الطنافس و اللبود و سائر الفرش ان کان المفروش رقیقا و الصلوٰة علی الارض و ما انبته الارض افضل و لا باس بان یکون مقام الامام فی المسجد و سجوده فی الطاق و یکره ان یقوم فی الطاق و یکره ان ینفرد فی مکان هوا علی من مکان القوم اذا لم یکن بعض القوم معه و اذا انفرد بالمکان الاسفل اختلف المشائخ فیه و یکره للمقتدی ان یقوم خلف الصف وحده الا اذا لم یجد فرجة و کذا یکره للمنفرد ان یقوم فی خلال الصف فیصلی فیخالفهم فی القیام و القعود

ترجمہ......اور کچھ حرج نہیں کہ ایسے شخص کی پشت کے پیچھے نماز پڑھے جو بیٹھے باتیں کر رہا ہو۔ یا ایسی شکل میں نماز پڑھے کہ اس کے آگے قرآن مجید آویزاں ہو یا کوئی تلوار لٹکی ہوئی ہو یا ایسے فرش پر نماز پڑھے جس میں تصویریں ہوں جبکہ ان تصویروں پر سجدہ نہ کرے کیونکہ ان پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ (مکان کی) چھت میں اس کے سر کے اوپر یا اس کے سامنے یا اس کے برابر تصویریں ہوں۔ یا کوئی رکھی ہوئی یا لٹکی ہوئی تصویر ہو۔ لیکن اگر تصویر سر بریدہ (سر کٹا ہوا ہو) یا اس کا سر ہی نہ ہو یا وہ دھاگے میں سلی ہوئی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے کے لئے نمایاں نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ اور اس میں کچھ حرج نہیں کہ خاص نوع کے بچھونوں یا عام طرح کے فرشوں اور نمدوں پر نماز پڑھے جبکہ وہ باریک اور پتلے ہوں۔ لیکن خالص اور سادی زمین یا اس کی اگائی ہوئی چیزوں یعنی گھاس پات پر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور کچھ مضائقہ نہیں کہ امام مسجد میں کھڑا ہو لیکن سجدہ محراب میں کرے۔ لیکن مکمل محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور مکروہ ہے کہ امام کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جو قوم کی جگہ سے بلند ہو بشرطیکہ اس کے ہمراہ بعض لوگ نہ ہوں۔ لیکن اگر امام تنہا اور اکیلا کسی پست جگہ کھڑا ہو جائے (تو شرعی طور پر کیا حکم ہے) تو اس میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے اور مقتدی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ اکیلا صف کے پیچھے کھڑا ہو جائے۔ مگر جبکہ صفوف میں کوئی سوراخ (اور کشادگی) نہ پائے (تو پھر اس کے لئے تنہا کھڑا ہونے کی گنجائش ہے) اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی منفرد صف کے درمیان کھڑا ہو جائے۔ پھر وہ نشست اور برخاست (قیام و قعود) میں لوگوں کی مخالفت کرے۔

چند الفاظ اور مفردات کی وضاحت

۱: ظھر ... پیٹھ جمع ظھور ۔ ۲: یتحدث ... وہ باتیں کررہا ہو۔ حدیث: بات اور گفتگو۔ ۳: بین یدیه ... اس کے ہاتھوں کے آگے یعنی اس کے سامنے۔ ۴: مصحف ... قرآن مجید۔ جمع مصاحف ۔۵: سیف ... تلوار۔ جمع سیوف۔ ۶: معلّق ... لٹکی ہوئی چیز۔ اس کا مصدر تعلیق ہے بمعنی کسی چیز کو لٹکانا۔ ۷: بساط ... بچھونا۔ ۸: تصاویر ... اس کا واحد تصویر ہے (فوٹو)۔ ۹: فوق ... اوپر۔ ۱۰: السقف جمع سقوف چھت۔ ۱۱: حذاء ... مقابل، برابر۔ ۱۲: موضوعة ... رکھی ہوئی چیز۔ ۱۳: مقطوعة الرأس ... جس کا سر کٹا ہوا ہو ۱۴: مخاط ... سلی ہوئی۔ ۱۵: خیط ... دھاگہ۔ ۱۶: لا تبدو ... ظاہر نہ ہو۔ بُدو ظھور۔ ۱۷: طنافس ... واحد طنفسة کنارہ دار چاندنیاں۔ ۱۸: لبود ... واحد لبده، نمدہ۔ ۱۹: فُرُش ... واحد، فرش بچھونا۔ ۲۰: رقیق ... پتلا اور باریک۔ ۲۱ مقام ... کھڑا ہونے کی جگہ۔ ۲۲: ینفرد ... وہ اکیلا ہو، انفراد: تنہا ہونا۔ ۲۳: اسفل ... بہت نیچے۔ ۲۴: خلف ... پیچھے۔ ۲۵ فرجة ... سوراخ، کشادگی۔ ۲۶: خِلال ... درمیان۔ ۲۷: یُخالف ... وہ مخالف ہو۔ ۲۸: طاق ... محراب۔

تشریح

مصنف کے کلام میں قاعد کی قید احترازی نہیں بلکہ من حیث الغلبۃ ہے یعنی اکثر اوقات یہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص بیٹھے مصروف گفتگو ہوتا ہے کہ کوئی قاصد نماز اس کی پشت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگتا ہے اس لئے مصنف نے ''رجل کو قاعد'' کی قید دے کر مقید فرمایا ورنہ ''قائم اور نائم'' دونوں کا یہی حکم ہے۔ لہٰذا ان سب میں بلحاظ حکم کوئی فرق نہیں۔

س: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تصلوا خلف النائم ولا المتحدث (ذکرہ الحلبی فی شرحہ الکبیر) یعنی سوئے ہوئے اور باتیں کرنے والے کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا اس میں کچھ حرج نہیں حدیث مذکور کے خلاف ہونے کہ وجہ سے قابل اعتبار اور موجب عمل نہیں۔

ج: بخاری اور مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ مروی ہیں: کان رسول الله ﷺ یُصلی مِن صلوٰة اللیل کلھا و انا معترضة بینه و بین القبلة فاذا اراد ان یوتر ایقظنی فاوترت " روياه في الصحيحين (و هو يقتضي) انها كانت نائمة و ما روى البزار عن ابن عباس انه ﷺ قال نهيت ان اصلي الىٰ النيام و المتحدثين فمحمول على ما اذا كانت لهم اصوات يخاف منه التغليظ او الشغل و في النائمين اذا خاف ظهور شئ يضحكه۔ (کبیری بر حاشیہ صغیری صفحہ ۱۸۹)

یعنی مائی صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ رات کو نماز پڑھتے جبکہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چوڑائی میں لیٹی ہوتی۔ پھر جب آپ نماز وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگاتے تو پھر میں نماز وتر پڑھتی۔ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ مائی صاحبہ حضور اقدس ﷺ کے آگے سوئی ہوتیں اس سے معلوم ہوا کہ خلف النائم کوئی نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ مسند بزار میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سونے والوں اور باتیں کرنے والوں کے پیچھے ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ اور اس نوع کی دوسری روایات اس پر محمول ہیں کہ جب ان سے ایسی آوازیں نکلیں کہ جن سے تغلیظ یا شغل قلب کا خطرہ ہو۔ نیز

سوئے ہوئے لوگوں میں جب کسی مضحکہ خیز چیز کے ظہور کا اندیشہ ہو۔ تو پھر ان کے پیچھے ہو کر نماز نہ پڑھے۔

خلاصہ جواب اور مفہوم کلام

اولاً منفی روایات بوجہ ضعف اور عدمِ تقابل روایات صحیح قابل استدلال نہیں۔ ثانیاً: انسانی کمزوری کے پیش نظر ناگفتہ اور قابل نفرت حالات پر مبنی ہیں لہذا دونوں میں کچھ تعارض اور تضاد نہیں کیونکہ دونوں الگ الگ محل اوقات اور اشخاص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

قول فیصل

اس کو معمول بنانا اچھا نہیں لیکن اگر کبھی کبھار اتفاقاً ایسا ہو جائے تو کچھ مضائقہ اور حرج نہیں۔ (ھذا ما عندی و اللّٰہ اعلم بالصواب)

قولہ...... یتحدث

اقول...... صیغہ واحد اس لئے لایا گیا کہ ان لوگوں کی تردید اور نفی ہو جائے جو" بحضرۃ المتحدثین و النائمین" کے قائل ہیں پس مصنف نے یتحدث فرما کر ان کی تردید فرمائی کہ اگر ایک متحدث اور نائم ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے لہذا حکم مذکور جماعت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ فرد واحد کو بھی شامل ہے اور اس پر جماعت کی طرف سے یہی حکم ہے۔

۱ مصنف صغیری اور کبیری علامہ حلبی اپنی شروح (چھوٹی اور بڑی) میں لکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص منہ کئے بیٹھا ہو تو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں تشبہ بعبادۃ الاوثان ہے جو اسلامی مزاج کے خلاف ہے چنانچہ مسند بزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ متوجہ آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔ اور یہ حکم بالاعادۃ ازالۂ کراہت کے لئے تھا کیونکہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو اس کا یہی حکم ہے لہذا افساد صلوٰۃ کے لئے ایسا نہیں فرمایا گیا۔ (کبیری بر حاشیہ صغیری صفحہ ۱۸۹)

ہاں اگر دونوں کے درمیان کوئی تیسرا شخص پیٹھ کئے بیٹھا ہو تو پھر کراہت نہ ہوگی۔ (وجہ یہ ہے کہ سبب کراہت زائل ہو گیا ہے)

۲ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی کسی نے پرستش نہیں کی۔ کبیری میں ہے کہ اس وھم کا ازالہ ہے کہ تلوار آلہ جنگ اور میدان جنگ کارزار میں کام آتی ہے لہذا عجز و نیاز کے موقع پر اس کی طرف منہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اور مصحف کی طرف منہ کرنے سے تشبہ باہل الکتاب ہے لہذا کراہت ہوگی۔ پس اس کا یہ جواب دیا چونکہ دونوں کی عبادت نہیں ہوئی لہذا دونوں کی طرف منہ کرنے سے کراہت نہیں ہوگی۔

۳ اگر ایسے بچھونے پر نماز پڑھے کہ جس میں تصویریں ہوں لیکن ان تصویروں پر سجدہ نہ کرے تو کراہت نہ ہوگی مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر چہ ان پر سجدہ نہ کرے تو بھی کراہت ہوگی۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تصویریں کسی جاندار کی ہوں تو کراہت ہوگی۔ اور اگر کسی غیر جاندار کی ہوں جیسے درخت وغیرہ تو پھر بالاتفاق کراہت نہ ہوگی۔ اگر چہ ان پر سجدہ کرے۔

تصاویر کے الگ الگ صورتوں کے مختلف احکام

۱۔ اگر کسی جاندار کی تصویر ہو اور اس پر نمازی سجدہ کرے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ تشبہ بالعبادت ہے۔

۲۔ اگر تصویر اس کے آگے رکھی ہو تو کراہت ہوگی۔

۳۔ اگر اس کے سر کے اوپر چھت میں لٹکی ہوئی ہو یا اس کے سامنے قریب رکھی ہوئی ہو یا اس کے برابر میں ہو تو ان ساری صورتوں میں کراہت ہوگی۔ اور اسی طرح اگر تصویر رکھی ہوئی ہو یا اسکے قریب لٹکی ہوئی ہو تو کراہت ہوگی کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے اور اگر تصویر اسکے اس کے پیچھے رکھی ہو تو پھر اس میں کراہت نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس کی توہین پائی جاتی ہے۔

۴۔ اگر تصویر کا بالکل مسدنہ ہو یا ہو مگر اسے کسی دھاگے کے جال سے بن کر مٹا دیا گیا ہو یا تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو اس کے اعضاء کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے تو پھر ان تینوں صورتوں میں خواہ آگے ہو یا سر کے اوپر یا کسی حد تک اس کے قریب ہو تو کراہت نہ ہو گی۔ کیونکہ ان صورتوں میں اس کی عبادت کا احتمال نہیں۔

نوٹ...... علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ کسی تصویر کے چہرے کو کسی طریقے سے مٹا دیا جائے تو پھر اس کا حکم سر کٹی ہوئی تصویر کی طرح ہوگا۔ لیکن اگر اس کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں اور اس کی گردن میں دھاگہ باندھ دیا جائے تو پھر اس کا حکم باقی تصویروں کی جیسا ہے۔

مسئلہ...... اگر کسی تکیہ یا بچھونے پر تصویریں ہوں اگرچہ ایسا کرنا مکروہ ہے تاہم انھیں استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اور تہہ بند یا سُترے پر تصویریں ہوں تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ اور اسی طرح کسی کپڑے پر تصویروں کا ہونا خواہ ان میں نماز پڑھے یا نہ پڑھے مکروہ ہوگا۔ اگر ہاتھ میں تصویر ہو اور نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ مستور ہوگی۔

اقول ...... یہ کہنا کہ اگر ہاتھ میں تصویر ہو تو کراہت نہ ہوگی موجب اعتراض ہے کیوں اس لئے کہ وہ اس صورت میں نماز میں سنت کے مطابق ہاتھ نہیں رکھ سکتا۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ کراہت نہ ہو۔ اور یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں کہ تصویر والے تکیہ یا بچھونے کو استعمال کرنے میں حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ حدیث نسائی کے خلاف ہے کہ جس میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اندر آنے کا ارشاد فرمایا تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آپ کے گھر میں ایسا پردہ ہے جس میں تصویریں موجود ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کھڑے تکیے پر تصویریں ہوں یا پردے پر موجود ہو تو کراہت ہوگی کیونکہ اس صورت میں انکی تعظیم ہے اور اسی طرح اگر انگوٹھی پر تصویر ہو تو اسکا اس کا استعمال مکروہ ہے۔ نیز اگر کسی دوسرے کے گھر میں تصویر دیکھے تو اسے مٹا دینے کی اجازت ہے۔ اور ہاتھ میں تصویر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ سے لٹکی ہوئی نہ ہو کہ اس نے ہاتھ سے پکڑی ہوئی ہو۔

قولہ...... لا باسَ بالصلوٰۃ علی الطنافس

طنافس کا واحد طنفسۃ ہے۔ اس کے معنی ہے نقشی کنارے والا بچھونا۔ مصنف کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ خاص اور عام بچھونوں اور نمدوں پر نماز ہو سکتی ہے جبکہ وہ اتنے باریک ہوں کہ سجدہ کرنے والا حالتِ سجدہ میں زمین کے حجم کو محسوس کرے۔ لیکن صرف سادی ننگی زمین پر سجدہ کرنا یا ایسی شئے پر جو زمین کی پیداوار ہو سجدہ کرنا جیسے چٹائی اور بوریاں زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ عجز و انکسار کے زیادہ قریب ہے۔ نیز اس میں حضرت امام مالک کے مذہب کی رعایت بھی ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز زمین کی جنس میں سے نہ ہو تو اس پر سجدہ

کرنا مکروہ ہے۔

قولــہ و لا باسَ بان یکون مقام الامام...... الخ

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی امام کے دونوں قدم مسجد میں یعنی محراب میں کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں اور امام کا اسطرح نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہونا کہ اسکے دونوں قدم محراب سے باہر ہوں لیکن وہ سجدہ محراب میں ہوں یعنی وہ مکمل محراب میں کھڑا ہو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔ کہ وہ اپنے امام کو ایک مخصوص جگہ کھڑا کرتے ہیں۔ علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ کبیری میں اس پر بحث مذکور ہے۔

قـــولہ...... یکرہ ان ینفردَ الامام

عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر امام تنہا کسی اونچی جگہ کھڑا ہو اور مقتدی کسی نیچی جگہ کھڑے ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ لیکن اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ موجود ہوں تو پھر کراہت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس صورت میں مشابہت نہ پائی جائے گی اور اگر امام کسی پست جگہ کھڑا ہو تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ اس صورت میں کراہت نہیں۔ اس لئے کہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے امام کو کسی بلند جگہ کھڑا کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کراہت ہوگی کیونکہ اس صورت میں بھی امام کی تحقیر ہے حالانکہ امام ہونے کی صورت میں اس کی تعظیم ہونی چاہئے۔ رہا یہ سوال کہ بلندی کتنی مقدار تک ہو تو اس میں زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی مقدار ہو۔ اور یہی قابلِ اعتماد ہے۔

قولـــــہ ......یکرہ للمقتدی الخ

یعنی کسی مقتدی کو اکیلا صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب صف میں اپنے کھڑا ہونے کے لئے کوئی جگہ پائے۔ اگر جگہ نہ پائے تو پھر تنہا صف کے پیچھے کھڑا ہونے کی اجازت ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ جب صف میں جگہ نہ پائے تو امام کے رکوع کرنے تک انتظار کرے اگر اس دوران کوئی شخص آجائے تو اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے ورنہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو جائے لیکن صف میں سے کسی شخص کو پیچھے نہ کھینچے۔ کہ اس زمانے میں غلبہ جہالت کی وجہ سے فتنے فساد کا غالب امکان ہے۔

قولـــــہ ...... کذا یکرہ للمنفرد الخ

عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے خواہ فرض ہوں یا نوافل تو اسے مقتدیوں کی صف کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ قیام، قعود اور رکوع سجدے میں با جماعت نماز پڑھنے والوں کی مخالفت کرے گا جو کہ ٹھیک نہیں۔

وہ مقامات جہاں نماز پڑھنا مکروہ اور غیر مکروہ ہے

و یکـــرہ الصلوٰۃ فی طریق العامۃ و یکرہ فی الصحراء من غیر سترۃ اذا خاف المرور بین یدیہ و یکرہ فی معاطن الابل و المزبلۃ و المجزرۃ و المغتسل و الحمام و الـمقبرۃ و عـلـی سـطـح الـکعبۃ و ذکر فی الفتاوی اذا اعد موضعا فی الحمام لیس فیہ تمثال و

صلی فیہ لا باس بہ و کذا فی المقبرۃ اذا کان فیھا موضع اعدللصلوٰۃ و لیس فیہ قبر

ترجمہ......اور عام راستوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اور جنگل میں بھی بغیر سُترہ کھڑا کرنے کے نماز مکروہ ہے۔جبکہ اپنے آگے سے کسی گزرنے والے کا خطرہ ہو۔اور اسی طرح اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ اور گائیوں کے کھڑا ہونے کی جگہ اور ذبح خانہ اور جہاں غسل کیا جائے۔اور حمام اور قبرستان اور کعبہ شریف کی چھت پر (ان تمام مقامات میں) نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اور فتاووں میں ذکر کیا گیا کہ اگر حمام میں کوئی پاک جگہ تیار کی گئی کہ جس میں تصویریں نہ ہوں تو وہاں نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں اور یونہی اگر قبرستان میں کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی کہ اس جگہ کوئی قبر نہ ہو تو پھر قبرستان میں بھی بلا کراہیت نماز پڑھ سکتا ہے۔

چند الفاظ کی تشریح

۱: الطریق ... راستہ۔ ۲: الصحراء ... جنگل۔ ۳: المرور ... گزرنا۔ ۴: معاطن ... اس کا واحد معطن ہے یعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۵: المذبلۃ ... لید گوبر ڈالنے کی جگہ۔ ۶: مجزرۃ ... جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ۔ ۷: مُغتسل ... غسل کرنے کی جگہ۔ ۸: مقبرۃ ... قبرستان۔ ۹: اِعداد ... تیار کرنا۔

تشریح

۱- لوگوں کے عام راستے میں نماز پڑھنا اس لیے مکروہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مقامات پر نماز نہ پڑھو۔ان میں ایک راستے کا بھی ذکر فرمایا۔

۲- جنگل اور بیابان میں بھی سُترہ کھڑا کئے بغیر نماز مکروہ ہے کیونکہ نمازی کے آگے سے کسی کے گزرنے کا امکان ہے۔

۳- اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے میں کراہت ہے ایک تو اس لئے کہ وہ جگہ ناپاک ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اونٹ ایک شریر جانور ہے۔اس کے باڑے میں اطمینان سے کوئی نمازی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

۴- ذبح خانے میں بھی نماز نہ پڑھے۔اس لئے کہ زیادہ تر وہ ناپاک ہوتے ہیں۔

۵- اور غسل خانوں میں بھی نماز کا اہتمام نہ کرے۔اور حمام میں بھی نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں مستقل پانی کی بہتات ہوتی ہے۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام کو شیطان کا گھر قرار دیا ہے۔

۶- اور کعبے کی چھت پر نماز نہ پڑھے کیونکہ اس میں اس کی بے ادبی اور توہین ہے۔

۷- اگر حمام میں کوئی پاک صاف جگہ نماز کے لئے بنائی گئی ہو اور وہاں تصویریں بھی نہ ہوں تو پھر وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔اور اسی طرح اگر قبرستان میں کوئی پاک صاف جگہ نماز کے لئے بنائی گئی اور وہاں کوئی قبر بھی نہ ہو تو پھر قبرستان میں بھی بلا کراہت نماز ہو سکتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ عام قبرستان میں نماز نہ پڑھے لیکن اس خصوصی جگہ جو اسی مقصد کے لئے بنائی گئی اس جگہ اگر نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

و یکرہ ان یقرأ کلمۃ او کلمتین من سورۃ ثم یترک و یبدأ من سورۃ اُخری و یکرہ للامام ان یؤمّ قوما و ھم لہ کارھون بخصلۃ و ان یثقل علیھم بالتطویل و ان یعجلھم عن اکمال السنۃ و ان یلجئھم الی الفتح و علیہ ان یقرأ ما تیسر من القراٰن و ان عرض لہ شیٔ انتقل الی ایۃ اخریٰ و یرکع ان کان قد قرأ ما یکفیہ و یکرہ ان یمکث فی مکانہ بعد ما سلم فی صلوتہ بعدھا سنۃ الا قدر ما یقول اللّٰھم انت السلا م و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام و بہ ورد الاثر

ترجمہ......(۱) کسی سورت کے ایک یا دو کلمے پڑھ کر اسے چھوڑ دینا پھر کوئی دوسری سورت شروع کر دینا مکروہ ہے۔(۲) اور امام کے لئے مکروہ ہے کہ ایسے لوگوں کی امامت کرائے کہ جو اسے کسی عادت کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں۔(۳)(اور یہ بھی مکروہ ہے کہ) امام اتنی طویل نماز پڑھائے کہ ان پر بوجھ ڈالے۔اور سنت مکمل کرنے سے نماز پڑھانے میں جلدی کرے۔اور انھیں (نماز میں)(۴) لقمہ دینے پر مجبور کرے کیونکہ امام پر اتنی ہی مقدار قرآن مجید پڑھنا ضروری ہے جو آسان ہو۔اور اگر کوئی عارضہ پیش آئے تو کسی (۵) دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے (اگر کسی آیت کے پڑھنے میں رک جائے تو کسی دوسری جگہ سے شروع کر دے) یا رکوع میں چلا جائے اگر نماز جائز ہونے کے لئے بقدر کفایہ قرأت کر چکا ہے۔۶ مکروہ ہے کہ امام سلام پھیرنے کے بعد وہیں ٹھہر جائے جبکہ اس نماز کے بعد سنت ہوں مگر اتنی دیر ٹھہر سکتا ہے کہ جس میں صرف **اللّٰھم انت السلام و منک السلام تبارکت و تعالیت یا ذا الجلال و الاکرام** (اے اللہ! تو سلام ہے اور تیری ہی طرف سے سلام ہے تو بڑی برکت والا اور بڑی بلندی رکھتا ہے۔اے بزرگی اور عزت والے پروردگار) پڑھ ڈالے کیونکہ حدیث (اثر) میں اسی کے مطابق وارد ہوا ہے۔

چند قابل تشریح الفاظ

۱: **الابتداء** ... شروع کرنا، ۲: **یؤمّ** ... وہ امامت کرے۔۳: **کارھون** ... کراہت کرنے والے، ۴: **یثقل** ... وہ بوجھ ڈالتا ہے۔۵: **یُعجّل** ... یہ تعجیل سے بنا ہے جس کے معنی جلدی کرنا ہیں، ۶: **یلجئہ** ... وہ بے قرار کرتا ہے۔۷: **عُرِض** ... پیش آئے۔ ۸: **یَمْکُث** ... وہ ٹھہرتا ہے۔۹: **سَلَّم** ... اس نے سلام دیا، ۱۰: **تَبَارَکْتَ** ... تو بابرکت ہے۔۱۱: **تعالیتَ** ... تو بلند ہے۔

تشریح

۱ اگر کسی سورت کے ایک یا دو کلمے پڑھے پھر بغیر کسی عذر کے اسے چھوڑ کر دوسری سورت شروع کر دے یا کسی سورت کی ایک آیت چھوڑ کر دوسری شروع کر دے۔اور دونوں کے درمیان میں کچھ حصہ چھوڑ دے۔ یہ دونوں طریقے مکروہ ہیں۔لیکن اگر ایک آیت پڑھنے کے بعد دوسری متصل آیت پڑھنے سے عاجز ہو جائے جبکہ سنت کے مطابق قرات پوری نہ ہوئی ہو تو اس سورت کی جگہ کی

دوسری آیت کو پڑھنا مکروہ نہیں۔ اوراسی طرح ایک سورت کے کچھ کلمات پڑھنے کے بعد دوسری شروع کر دینا اگر عذر ہو تو مکروہ نہیں۔ اوراس میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اگر قصداً ایسا کرے۔ اوراگر بغیر ارادے کے ایسا ہوگیا اوراس نے یاد کیا تو قنیہ کی روایت کے مطابق اسے واپس لوٹنا چاہئے اوراگر نہ لوٹا تو ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے پھر بھی کراہت نہ ہوگی۔ اور یہی حکم ہے کہ ایک رکعت میں یا دو رکعت میں ایک ہی سورت کو بار بار پڑھنے کا۔ ہاں اگر بلا ارادہ ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ورنہ کراہت ہوگی۔

۲ اگر کسی امام سے لوگ نفرت کرتے ہوں اور وہ اس کے باوجود لوگوں کا امام ہے تو ایسے امام کو لوگوں کی امامت مکروہ ہے۔ بشرطیکہ کراہت کسی قابلِ نفرت عادت کی وجہ سے ہو۔ یا اس وجہ سے ہو کہ ان میں امام مذکور سے بہتر آدمی قابلِ امامت موجود ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں کراہت ہوگی۔ اوراگر لوگوں کی نفرت کسی خاص شرعی سبب کی بنا پر نہ ہو تو پھر امامت مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ بلا سبب نفرت محض خواہشات کی پیروی ہے۔ جس کا نقصان نفرت کرنے والے کی طرف راجع ہے امام کو کوئی نقصان نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ تین آدمی ہیں کہ جنکی نماز ان کے کانوں تک بھی نہیں پہنچتی۔ ایک بھاگا ہوا غلام جب تک لوٹ کر نہ آئے۔ دوسرا وہ عورت جس سے شوہر ناراض ہو۔ تیسرا وہ امام کہ لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ تین آدمیوں کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کی نفرت کے باوجود نماز پڑھائے اور دوسرا وہ شخص جو اس وقت نماز پڑھے جب وقت رخصت ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنائے۔ (کبیری)

۳ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ قدر سنت سے زیادہ لمبی قرأت کرنا اور دیر تک اذکار میں مشغول رہنا۔ اگر امام اس طرح کرے تو لوگوں پر نماز طویل ہونے کی وجہ سے ثقیل ہو جائے گی۔ اور وہ اتنی طویل نماز سے دل برداشتہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اتنی طویل نماز پڑھانے سے منع کیا تھا۔ اور ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو فتنے میں نہ ڈالو۔

۴ اوراسی طرح رکوع سجدے کی تسبیحات اور تشہد کے پڑھنے میں اتنی جلدی کرنا کہ تکمیل سنت نہ ہو سکے مکروہ ہے۔

۵ اگر امام نے قدرے سنت کے مطابق قرأت کر چکا ہے تو پھر اگر کسی آیت کے پڑھنے میں رک جائے تو رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر قدرے مسنون کے مطابق قرأت نہیں ہوئی اور رکاوٹ پیدا ہوگئی تو کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے لیکن لوگوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے ورنہ کراہت ہوگی۔ کیونکہ امام پر واجب ہے کہ جتنا قرآن مجید پڑھنا آسان ہو اسی قدر پڑھے۔

۶ اور جس جگہ نماز فرض پڑھی ہو اگر نماز کے بعد سنت ہوں تو فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد زیادہ دیر اس جگہ نہ ٹھہرے۔ بلکہ صرف اتنی مقدار بیٹھے کہ جس میں فرائض کی مختصر دعا مانگے۔ لہٰذا اگر وہیں زیادہ دیر بیٹھا رہے تو کراہت ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر فرائض کی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو جائے یا مسجد کے کونے میں بیٹھ کر کلمات ورد پڑھے تو امام حلوانی کے قول کے مطابق کراہت نہ ہوگی۔

و یکره تقدیم العبد و الاعرابی و الاعمیٰ و الفاسق و ولد الزنیٰ فان تقدموا جاز اراد بالاعرابی الجاهل و یکره التنفل قبل صلوٰة العید و بعدها فی الجبانة و یتنفل فی مسجده او بیته و یکره ان یدخل فی الصلوٰة و قد اخذه غائط او بول و ان کان

الاهتمام بهما يشغله عنها يقطعها و ان مضى عليها اجزاه و قد اساء و كذا ان اخذه بعد الافتتاح و يكره ان يكون قبلة المسجد الىٰ المخرج او الىٰ الحمام او الىٰ قبر و ان صلّٰى في بيته و قبلته الىٰ الحمام فلا باس بى و يكره المرور بين يد المصلى اذا لم يكن عنده حائل نحو السترة او الاسطوانة و نحوهما

ترجمہ:

☆ غلام، دیہاتی، نابینا اور بدکار اور حرام زادے کو امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر یہ خود آگے ہو جائیں تو جائز ہے اور یہاں دیہاتی سے اَن پڑھ مراد ہے۔

☆ نمازِ عید سے پہلے اور اس کے بعد عیدگاہ میں نوافل پڑھنے مکروہ ہیں۔ ہاں البتہ اپنی مسجد یا اپنے گھر میں نوافل پڑھ سکتا ہے۔

☆ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز شروع کرے کہ اسے پیشاب پاخانے کا غلبہ ہو۔ اور اگر ان کی حاجت اور غلبہ اسے نماز پڑھنے سے مشغول کر دے تو نماز توڑ ڈالے۔ اور اگر کسی غلبہ کے وقت اس نے نماز پڑھ ڈالی تو یہ ہو جائے گی مگر یہ گناہگار ہوگا۔ اور یہی حکم ہے اگر نماز شروع کرنے کے بعد قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئے۔

☆ مکروہ ہے کہ مسجد کا قبلہ بیت الخلاء یا حمام کی طرف ہو یا قبر کی طرف ہو۔ اور اگر اپنے گھر میں نماز پڑھے اور اس کا قبلہ حمام کی طرف ہو تو کوئی حرج نہیں۔

☆ نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے۔ جبکہ اس کے آگے کوئی آڑ سُترہ یا ستون یا ان دونوں جیسی کوئی چیز نہ ہو۔

چند الفاظ کی وضاحت

۱: تقديم ... آگے کرنا۔ ۲: عبد ... غلام۔ ۳: اَعْرابى ... دیہاتی (ان پڑھ)۔ ۴: اَعْمىٰ ... نابینا۔ ۵: فاسق .. نافرمان یعنی شرعی پابندی سے آزاد۔ ۶: ولد الزنا ... وہ بچہ جو حرام کاری سے پیدا ہوا ہو۔ ۷: تَقَدّموا ... وہ خود آگے ہو گئے۔ ۸: الجبانة ... عیدگاہ۔ ۹: غائط ... پاخانہ۔ ۱۰: بولٌ ... پیشاب۔ ۱۱: اهتمام ... حاجت، ضرورت۔ ۱۲: اَسَا وہ گناہگار ہوا۔ ۱۳: مَخْرج ... بیت الخلاء۔ ۱۴: حائل ... پردہ، آڑ۔ ۱۵: سترہ ... وہ چیز جو نمازی کی حفاظت کے لئے اس کے آگے کھڑی کی جائے۔ ۱۶: الاسطوانة ... ستون۔

تشریح

افراد مذکورہ میں سے پہلا شخص، غلام ہے اس کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ عموماً غلام مولا کی خدمت کی وجہ سے اَن پڑھ ہوتے ہیں۔ اور ان پڑھ آدمی قابل امامت نہیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ غلام اَن پڑھ نہیں بلکہ قابل قدر عالم ہے تو پھر کراہت نہ ہوگی۔ دوسرا شخص اَعرابی یعنی دیہاتی اور خانہ بدوش جو زیادہ تر صحرا نشین ہوا کرتے ہیں۔ اس کی امامت مکروہ ہونے کی وجہ وہی سابقہ وجہ ہے۔ اور

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس کی نظر نہ ہو۔ اس کی امامت کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ گندگی سے نابینا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بچ نہیں سکتا۔ اور ٹھیک قبلہ رُخ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ چوتھا شخص فاسق ہے لفظِ فسق سے بنا ہے اور فسق کے معنی ہیں نکل جانا فاسق وہ بدنصیب آدمی ہے جو شرعی حدود و قیود سے نکل جائے اور دینی معاملات کی پرواہ نہ کرے ظاہر ہے کہ ایسے آزاد منش کی امامت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جب وہ امورِ دین کی پرواہ نہیں کرتا تو نماز کے اقوال و افعال کی کیسے پرواہ کرے گا۔ لہٰذا ایسے بے اعتبار آدمی کو امام نہیں بنانا چاہئے۔ پانچواں شخص حرام زادہ ہے کہ جس کی بدکار ماں بر بنائے بدکاری اس کو دنیا میں لانے کا سبب بنی۔ اس کو امام نہ بنایا جائے ایک تو اس لئے کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تعلیم و تربیت کا کوئی کفیل نہیں۔ لہٰذا اس میں بھی جہالت موجود ہے جو اسے امام بننے سے روکتی ہے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ عالم ہے تو پھر کراہت نہ ہوگی۔ اور اس کے پیچھے کراہت کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ لوگ اس کو باعزت نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ چونکہ یہ لوگوں کی نظروں میں گرا ہوا ہے اس لئے اس کو باعزت مقام پر نہیں کھڑا کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ سب لوگ خود جائے امامت پر کھڑے ہو جائیں تو ان کے پیچھے اگرچہ نماز ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی۔ لیکن امام مالک اور امام احمد کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

امام محمد کے نزدیک اعرابی سے اَن پڑھ مراد ہے کہ جس کا دامن علم سے خالی ہو۔

☆ نمازِ عید سے پہلے نوافل علی الاطلاق مکروہ ہیں خواہ عید گاہ میں پڑھے جائیں یا گھر میں البتہ نمازِ عید ہو جانے کے بعد عید گاہ میں اور اسی طرح کمیٹی کی حدود میں نوافل مکروہ ہیں۔ البتہ مسجد محلہ یا گھر میں پڑھ سکتا ہے لہٰذا وہاں پڑھنے میں کچھ حرج نہیں۔

☆ اگر پیشاب، پاخانے کی حاجت ہو تو اس کی موجودگی میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی موجودگی میں اور قضائے حاجت کے وقت نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر ان کی شدت کی وجہ سے نماز پڑھنے میں دل نہ لگے، خشوع وغیرہ پیدا نہ ہو تو نماز توڑ ڈالے۔ اور ان سے فارغ ہو کر صحیح طور پر نماز ادا کرے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔ ورنہ اسی حالت میں نماز پڑھ ڈالے۔ اور اگر پیشاب، پاخانے کی شدت کے باوجود نماز پڑھ ڈالے اگرچہ نماز ہو جائے گی لیکن یہ گناہگار ہوگا کیونکہ اس حالت میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد قضائے حاجت کی شدت ہوئی تو اس میں بھی یہی ہے کہ نماز توڑ دے اور فراغت کے بعد ادا کرے۔ اور اگر نماز نہ توڑے تو مع الکراہت جائز ہوگی۔

☆ اگر مسجد کی جانب قبلہ کی طرف بیت الخلاء یا حمام ہو یا کوئی قبر ہو تو نماز ٹھیک نہیں کیونکہ ان حالات میں نماز مکروہ ہوگی۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہوگی کہ نمازی اور ان مقامات میں کوئی دیوار وغیرہ نہ ہو۔ اور اگر دیوار ہو تو کراہت نہ ہوگی۔ اور اگر یہ اپنے گھر میں نماز پڑھے اور اس کے قبلہ کی جانب حمام ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ مسجد کی صورت میں کراہت کی وجہ مسجد کا احترام ہے۔ جو باقی جگہ موجود نہیں۔ لیکن اگر نجاست اس کے قریب پڑی ہو تو گھر میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ صورت احترامِ نماز کے مناسب نہیں لہٰذا پرہیز کی جائے۔

☆ نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے بشرطیکہ اس کے آگے کوئی آڑ، سترہ، دیوار یا ستون وغیرہ نہ ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو جائے کہ اس طرح کرنے سے اسے کتنا گناہ ہوگا تو وہ چالیس دن، یا مہینے یا سال کھڑا رہے تو اس کے لئے گزرنے سے بہتر ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جس کی راوی

ابوالنصر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے لفظ ''اربعین'' فرمایا لیکن مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس لفظ سے ۴۰ دن، مہینے یا سال مراد ہیں۔یعنی ''اربعین'' (چالیس) ایک مبہم عدد ہے جب تک اس کی تمیز ذکر نہ کی جائے تو واضح نہیں ہو سکتا لہٰذا اس صورت میں (چالیس) سے دن، مہینے اور سال مراد ہو سکتے ہیں۔

فائدہ

اگر نمازی کو یہ خطرہ ہو کہ حالت نماز میں میرے سامنے سے کوئی آدمی یا جانور وغیرہ گزریں گے۔تو اسے اپنی نماز کی حفاظت کے لئے اپنے آگے کوئی چیز رکھنی چاہئے۔کہ جسے فقہی اصطلاح میں سترہ کہا جاتا ہے۔یا کسی ستون یا کسی درخت یا کسی دیوار کی آڑ میں نماز پڑھے تا کہ گزرنے والا بھی گناہگار نہ ہو اور اس کی نماز میں بھی فرق نہیں آئے۔اب اس میں اختلاف ہے کہ کتنی مسافت سے آدمی گزرے تو نمازی کے آگے سے گزرنا قرار پائے گا۔اس باب میں اگر چہ متعدد اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ نمازی کے مقام سجدہ سے گزرنا مراد ہے۔اور احتیاط اس میں ہے کہ جہاں تک انسانی نگاہ کا تعلق ہے اگر نمازی اسے اپنی جائے سجدہ پر پابند رکھے تو اس کے باوجود جس حد تک اس کی بینائی پہنچے وہاں تک کوئی شخص نہ گزرے اور اس کے بعد سے گزرنا جائز ہے۔(روشنی، پابندی کے باوجود کچھ آگے تک پھیل جاتی ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے اس کے پھیلاؤ تک نہ گزرے اور اس کے بعد سے گزر سکتا ہے۔)

نوٹ......علامہ حلبی نے اس بحث کے اختتام پر چند ضروری فقہی مسائل بیان فرمائے ہیں قارئین کے فائدے کے لئے یہاں ہم انھیں درج کئے دیتے ہیں:

پہلا مسئلہ......اگر کوئی شخص خشوع والوں کی طرح نماز پڑھے کہ اس کی نگاہ حالت قیام میں جائے سجدہ سے آگے نہ بڑھے اس لئے کہ اس کی نگاہ گزرنے والے پر نہ پڑے اگر چہ کوئی گزرے تو کراہت نہ ہوگی۔صاحب نہایہ نے اس کو بیان فرمایا اور فخر الاسلام کا یہی اختیار کردہ موقف ہے جبکہ عام موقف علامہ سرخسی کا اختیار کردہ ہے (کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا گناہگار ہوتا ہے)

دوسرا مسئلہ......اگر کوئی شخص دکان یعنی کسی چبوترے پر نماز پڑھ رہا ہو تو کراہت اس وقت ہوگی جب نمازی اور گزرنے والے کے اعضاء ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور نمازی کھلی فضا میں ہو ہدایہ وغیرہ میں یہی مذکور ہے۔اور اگر کوئی مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو مسجد کی دو صورتیں ہیں مسجد چھوٹی ہے یا بڑی۔اگر چھوٹی ہو تو علی الاطلاق گزرنا مکروہ ہے۔اور اگر بڑی ہو تو بعض نے اسے چھوٹی کے حکم میں رکھا ہے۔کہ دیوار قبلہ کے درمیان میں سے نہ گزرے۔اور بعض نے کہا ہے کہ بڑی مسجد کھلی فضا کی طرح ہے۔جائے سجود کے آگے سے گزر سکتا ہے۔یا تقریباً پچاس قدم کے بعد گزرے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ پہلی صف اور دیوارِ قبلہ کی مقدار کے درمیان سے گزر سکتا ہے۔علامہ ابن ہمام نے النہایہ کی بات کو ترجیح دی ہے۔(یعنی اسے صحیح اور قابل عمل قرار دیا ہے)

تیسرا مسئلہ......سُترہ کی مقدار کیا ہونی چاہئے۔آئمہ فقہ نے لکھا ہے کہ سترہ انگلی جتنا موٹا اور ایک ہاتھ جتنا لمبا نمازی اپنے سامنے کھڑا کرے اور اسے ایک اَبرو کے مقابل رکھے دو آنکھوں کے درمیان نہ رکھے۔اور اگر اس نے اپنے سامنے لاٹھی ڈال دی اور اسے گاڑا نہیں یا لکیر کھینچ دی تو کیا یہ دونوں صورتیں سترے کا کام دیں گی۔بعض نے کہا ہے کہ یہ ٹھیک ہے جبکہ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ یہ صورت سترہ نہیں۔لہٰذا یہ سترہ کے قائم مقام نہیں۔اب اگر لکیر کھینچے تو کیسے کھینچے۔اس میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ محراب کی طرح ہلالی

لکیر کھینچے۔ دوسرا یہ کہ دائیں جانب سے بائیں جانب چوڑائی میں لکیر کھینچے۔ اگر کوئی لکڑی وغیرہ ہو تو اسے لمبائی کی صورت میں رکھے کہ چوڑائی میں۔ اور اگر کوئی گزرنا چاہے تو نمازی اسے اپنے درمیان سے ہٹائے۔ اشارہ کرے یا تسبیح پڑھے۔ اور اگر امام کے آگے سترہ ہو تو وہ قوم کے لئے کافی ہے۔ اگر کہیں گزرنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر سترے کی ضرورت نہیں۔ اور حاجت نہیں (کیونکہ مقصد اس کے بغیر حاصل ہے لہٰذا اس کا حصول تحصیل حاصل ہے۔)

چوتھا مسئلہ...... امام زاہدیؒ کی قنیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کی آخری صف میں کھڑا ہو گیا اور اس کے اور دوسری صفوں کے درمیان جگہ خالی رہ گئی تو بعد میں آنے والا اس نمازی کے آگے سے گزر سکتا ہے تاکہ وہ صفوں میں اتصال پیدا کرے۔ اور اس گزرنے والے کو گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ کھڑے ہونے والے نے خود حرمت نفس کا خیال نہیں کیا۔ (لہٰذا اس کی توقیر و حرمت ختم ہو گئی ہے)

چند فروعات

☆ نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھانا اور جب سامنے کھانا آ جائے تو نماز پڑھنا اور امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھانا یا سجدہ میں سر رکھنا اور کسی کا اس حال میں نماز پڑھنا کہ اس کے آگے آگ کا تنور یا چولہا بھڑک رہا ہو لیکن اگر شمع چراغ یا قندیل روشن ہو تو کوئی حرج نہیں (البتہ پہلی ساری صورتوں میں نماز مکروہ ہوگی) فتاویٰ حجت میں مذکور ہے کہ بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے چراغ کی طرف منہ نہ کرے۔

☆ حالتِ سجدہ میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو جہت قبلہ سے موڑنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح کسی سنت یا واجب کی مخالفت کرنا اپنے اندر کراہت رکھتا ہے۔

☆ خزانۃ الفقہ میں ہے کہ حصولِ نماز کے لئے دوڑنا اور چھلانگ لگانا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو کانوں سے اوپر تک اٹھائے۔ یا دونوں ہاتھ کندھوں کے نیچے رکھے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ سلام سے پہلے سجدہ سہو نکالے۔ آئمہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سجدے میں دونوں قدموں کو ڈھانپنا مکروہ ہے اور سر باندھ کر نماز پڑھنے کو بھی بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض اس کراہت کے قائل نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

☆ آستینیں چڑھا کر نماز شروع کرنا بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ صاحب قنیہ نے کہا ہے کہ یہ احتیاط ہے۔ البتہ اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں ننگی ہوں یہ مطلب نہیں کہ آستینیں کہنیوں یا بازوؤں تک اوپر کی جائیں کیونکہ اس طرح کرنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ (جیسا کہ پہلے صراحتاً ذکر کیا گیا ہے)

☆ کسی غیر کی زمین میں نماز پڑھنا اس کے مالک کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے پس اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر مسلمان کی زمین ہو اور اس میں فصل وغیرہ کاشت نہ کی گئی ہو تو مکروہ نہیں۔

☆ ایک شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے اور اس کے سامنے دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ غیر کی زمین ہو اور دوسرا یہ کہ راستہ ہو۔ تو اس میں کس کو اختیار کرے۔ آئمہ فقہ فرماتے ہیں کہ اگر زمین میں فصل ہو یا کسی کافر کی ہو تو زمین سے راستے میں نماز پڑھنا بہتر ہے (کیونکہ اس میں بہ نسبت زمین کے تھوڑا نقص ہے۔) اور اگر نماز میں والدین میں سے کوئی بلائے تو انھیں جواب نہ دے۔ ہاں اگر

کوئی مظلوم فریاد کرے یا کوئی اجنبی آدمی چھت سے گرنے والا ہو تو ان دو صورتوں میں نماز توڑ دے اور ان کی دادرسی کرے۔ یہ صغیری کے ذکر کردہ چند مسائل جنھیں ناظرین کے استفادے کے لئے سپردِ قلم کر دیا تا کہ فائدہ عام ہو جائے۔

سنن نماز کا بیان

فصل فی السنن اولها الاذان و رفع اليدين مع التكبير و نشر الاصابع و جهر الامام بالتكبير و الثناء و التعوذ و التسمية و التامين و الاخفاء بهن اماما كان او مقتديا و وضع اليمين على الشمال تحت السرة للرجال او على الصدر للمرأة و التكبيرات التى يؤتى بها فى خلال الصلوٰة و تسبيحات الركوع و السجود و اخذ الركبتين فى الركوع مُفرّجاً اصابعه و افتراش رجله اليسرى و القعود عليها و نصب اليمنىٰ نصباً و الصلوٰة على النبى بعد التشهد فى القعدة الاخيرة و الدعاء بما يشبه الفاظ القرآن و الاشارة بالمسبحة عند الشهادتين فى بعض الروايات كما ذكرنا و قيل قرأة الفاتحة فى الاخريين فى الفرائض و الخروج بلفظ السلام و السلام عن يمينه و يساره و قيل هذه الافعال ادب و ما ذكر مما سوى ذلك ادب

ترجمہ:

☆ پہلا مسئلہ۔ فصل سنتوں کے بیان میں۔ ان میں سے (پہلی سنت) اذان ہے۔ دوسری (سنت) تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے اور اس موقع پر انگلیوں کو پھیلانا ہے (تیسری سنت) امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا۔ چوتھی سنت ثناء پڑھنا۔ پانچویں سنت اُعُوذ باللہ کہنا۔ چھٹی سنت بسم اللہ پڑھنا۔ ساتویں سنت آمین کہنا۔ اور ان تینوں کو آہستہ پڑھنا خواہ امام ہو یا مقتدی۔

☆ مردوں کے لئے سنت ہے کہ وہ نیت کرنے کے بعد اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھیں اور عورتیں ہاتھ سینے پر رکھیں۔

☆ ان تکبیروں کو ادا کرنا جو نماز کے درمیان آئیں اور رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھنا۔

☆ رکوع میں اپنے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا بشرطیکہ انگلیاں کشادہ ہوں۔

☆ تشہد میں بیٹھنے کے بعد دائیں پاؤں کو کھڑا کرنا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا سنت ہے۔

☆ آخری قعدے میں تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا۔

☆ اور ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگنا جو قرآنی الفاظ کے مشابہ ہوں۔ یعنی ان جیسے ہوں۔

☆ اور پہلی شہادت کے وقت اشارہ کرنا بعض روایت کے مطابق جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

☆ یہ بھی کہا گیا کہ فرائض کی پچھلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

☆ لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے باہر نکلنا۔ اور نمازی دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان میں سے بعض کام مستحب ہیں۔ اور ان کے علاوہ جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ بلا شبہ مستحب ہیں۔

بعض الفاظ کی تشریح

ا: سنن ... یہ سنت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں طریقہ یہاں اس سے حضور ﷺ کا مبارک طریقہ مراد ہے۔ ۲: اذان ... اسم مصدر بمعنی تاذین ہے، جس کا معنی اعلان کرنا۔ یہاں خصوصی الفاظ کے ساتھ مخصوص اوقات میں نماز کے وقت کے لئے آگاہ کرنا۔ ۳: رفع الیدین ... دونوں ہاتھوں کا اٹھانا۔ ۴: نشر الاصابع ... انگلیاں پھیلانا۔ ۵: جھر الامام ... امام کا آواز بلند کرنا۔ ۶: تکبیر ... بڑائی بولنا یہاں اللّٰہ اکبر کہنا مراد ہے۔ ۷: ثناء ... تعریف سبحانک اللّٰھم الخ مراد ہے۔ ۸: تعوذ ... اعوذ باللّٰہ الخ پڑھنا۔ ۹: التسمیۃ ... نام لینا بسم اللّٰہ الخ پڑھنا مراد ہے۔ ۱۰: التأمین ... آمین کہنا۔ ۱۱: الاخفاء ... آہستہ کہنا۔ ۱۲: السُرّۃ ... ناف۔ ۱۳: الصدر ... سینہ۔ ۱۴: المرأۃ ... عورت۔ ۱۵: یُؤتیٰ بھا ... وہ ادا کی جائیں۔ ۱۶: خِلال ... درمیان۔ ۱۷: رکبتین ... یہ رکبۃ کا تثنیہ ہے جس کے معنی ہیں دو گھٹنے۔ ۱۸: مفرج کشادگی کرنے والا۔ ۱۹: اصابع ... انگلیاں واحد اِصْبع ہے۔ ۲۰: افتراش ... بچھانا۔ ۲۱: رجل یسریٰ ... بایاں پاؤں۔ ۲۲: نصب الیمنیٰ دائیں پاؤں کو کھڑا کرنا۔ "نصب" کسی چیز کو کھڑا کرنا۔ یہ ماقبل سے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ۲۳: یشبہ ... وہ مشابہت رکھے ۲۴: ذکرنا ... ہم نے بیان کیا۔ ۲۵: اخریین ... یہ اُخریٰ کا تثنیہ ہے پچھلی رکعت یعنی دو آخری رکعات۔ ۲۶: یمین، یسار ... دایاں بایاں۔ ۲۷: ادب ... مستحب۔

تشریح

☆ پہلا مسئلہ......: جس میں چند اجزاء ہیں۔ (پہلا جز) اذان ہے۔ مصنف نے اس فصل کو سنتوں کے بیان کرنے کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ یہاں سنت سے وہ قول اور فعل مراد ہے جو نماز میں سنت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ ان میں پہلی سنت اذان ہے۔ علامہ حلبی نے (اذان کے شعار اسلام ہونے کی وجہ سے) اس کے لئے اپنی بڑی اور چھوٹی شرح میں چند فقہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ ان کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق ہم انھیں اس شرح میں تحریر کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والے حضرات کی اسلامی معلومات میں اچھا خاصہ اضافہ ہو جائے: 1۔ پانچ وقتہ نماز کے لئے اذان دینا اور اسی طرح نمازِ جمعہ کے لئے اہتمام کرنا یہ سنت موکدہ ہے۔ لیکن واجبات جیسے دو عیدوں کی نماز اور نوافل جیسے سورج گہن کی نماز ان کے لئے اذان مسنون نہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کئی مرتبہ حضرت ﷺ کے پیچھے نمازِ عید بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔ اور اسی طرح حدیث میں کسوفِ شمس کے لئے نماز کا ذکر آتا ہے لیکن اس میں بھی اذان اور اقامت کا ذکر نہیں۔

☆ اگر کسی کی چند نمازیں قضا ہو گئیں تو جب انھیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہے تو پہلی نماز کے لئے اذان اور اقامت پڑھے۔ لیکن دوسری نمازوں کے ادا کرتے وقت اسے اختیار ہے چاہے ہر نماز کے لئے اذان اور امامت کہے یا صرف اقامت پر اکتفاء کرے۔

بشرطیکہ یہ لگاتار پڑھی جائیں۔

☆ اگر کوئی شخص گھر میں اکیلے نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے۔اور مسافر کا بھی یہی حکم ہے۔البتہ مسافر کے لئے انھیں چھوڑ دینا مکروہ ہے۔جیسا کہ پانچ وقتہ نمازوں کی جماعت کے لئے اذان واقامت نہ کہنا مکروہ ہے۔ہاں البتہ عورتیں اگر اکیلی ہوں اور باجماعت نماز پڑھنا چاہیں یا معذور لوگ شہر میں جمعہ پڑھنے کی بجائے ظہر پڑھنا چاہیں تو ان دونوں کے لئے اذان واقامت نہیں ہے۔کیونکہ ان کے لئے باجماعت نماز ادا کرنا ٹھیک نہیں۔

☆ اذان دینے کا طریقہ محتاج تعارف نہیں ہے۔کیونکہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں میں عملی طور پر یہ مشہور و معروف ہے۔ہاں البتہ احناف اور دوسرے آئمہ کا اذان کے ایک مسئلہ میں اختلاف ہے۔اور وہ ترجیع ہے۔ہمارے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں جبکہ دوسرے بعض اماموں کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے اور ترجیع کی وضاحت یہ ہے کہ اذان دینے والا پہلی مرتبہ شہادتین میں اپنی آواز کو ذرا پست رکھے۔پھر بعد میں خوب زور لگا کر اپنی آواز کو اچھی طرح بلند کرے۔چنانچہ بعض روایتوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔چنانچہ ایک صحابی حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں ترجیع پائی جاتی ہے۔لیکن ہمارے امام صاحب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ترجیع اذان میں نہیں بلکہ تعلیمِ اذان میں ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے بعض انصار ومہاجرین نے خواب میں ایک فرشتے کو اذان دیتے ہوئے سنا کہ جس کی اذان میں ترجیع نہیں تھی۔یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں ترجیع نہیں حالانکہ وہ حضور اقدس ﷺ کے نامی گرامی مؤذن ہیں۔حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں انھوں نے سینکڑوں مرتبہ اذان دی۔پھر ان کی اذان میں کسی نے ترجیع کا سوال نہیں اٹھایا۔اس سے معلوم ہوا کہ ترجیع کا محل تعلیمِ اذان ہے عمل اذان نہیں۔

فائدہ

اذان کا آغاز کیسے ہوا اور اس کا پسِ منظر کیا ہے۔کُتب روایات اور اصحاب تاریخ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں لوگوں کو نماز کے لئے اس طرح جمع کیا جاتا کہ ایک آدمی بلند آواز سے الصلوٰۃ جامعۃ کے کلمات پکارتا اور لوگ نماز کے لئے جمع ہو جاتے۔پھر اس بارے میں لوگ جمع ہوئے کہ نمازوں کے لئے لوگوں کو کس مستند طریقے کے ساتھ آگاہ کیا جائے۔کچھ لوگوں نے آگ جلانے کا مشورہ دیا اور بعض نے بگل بجانے کا لیکن ان دونوں کاموں پر اتفاق رائے نہ ہوا۔چنانچہ ایک صحابی عبداللہ ابن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص بگل اٹھایا ہوا ہے تو حضرت عبداللہ نے اس سے کہا کہ کیا یہ بگل / ناقوس تو بیچتا ہے۔اس نے کہا تم ناقوس کو کیا کروگے۔فرمایا اعلان نماز کیلئے ہم اسے استعمال کریں گے۔اس نے کہا میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں۔تو انھوں نے فرمایا کہ وہ کیا ہے۔تو اس نے اسی حالت میں انھی پوری اذان، موجودہ اذان کے مطابق پڑھ کر سنائی، اور پھر کچھ دیر بعد اقامت کے الفاظ سنائے۔ پھر جب یہ صحابی بیدار ہوئے تو انھیں پورا واقعہ اذان واقامت کا یاد تھا۔اور ایک روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زید نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میں نے خواب میں ایک سبز پوش آدمی کو آسمان سے اترتے دیکھا کہ وہ مدینہ شریف کی کسی دیوار پر کھڑا ہو گیا اور اذان کے دو دو کلمات اس نے کہے۔پھر بیٹھ گیا۔ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ

یہ ہماری مروجہ اذان کی طرح کلمات تھے۔ پھر جب اس صحابی نے حضور ﷺ کے سامنے ذکر کئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال رضی اللہ کو سکھادے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے لگے تو حضرت عمر فاروق اپنے گھر میں تھے کہ انھوں نے کلماتِ اذان جلدی سے باہر آئے تو حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی "پروردگارِ عالم کی قسم ہے کہ جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ میں نے بھی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ لیکن عبداللہ بن زید مجھ سے سبقت لے گئے۔ تو حضور ﷺ نے اس پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

(کبیری بر حاشیہ منیہ

اس سے چند فوائد معلوم ہوئے:

۱: اعلانِ اوقات کے لئے ابتدائی صورت اور دوسرے مرحلہ میں سوچ بچار اور مشورہ اور تیسرے مرحلہ میں موجودہ اذان کی تعیین۔

۲: اذان کا اجراء صرف خوابوں ہی پر مبنی نہیں بلکہ وحی الٰہی کے مطابق شروع ہوئی۔ البتہ اس کی تائید خوابوں سے بھی ہوئی۔ اور حضور نے دیکھے ہوئے خوابوں کی تصدیق فرمائی۔ چنانچہ قرآن مجید کے بعض مقامات میں اذان کا ذکر آیا ہے جب کہ سورۃ الجمعۃ میں اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مذکور ہے اذان اور اقامت کی اسلام میں یہ تاریخی حیثیت ہے۔ (اور مدینہ منورہ میں اذان اور اقامت باقاعدگی سے اجراء ہوا)۔

۳: صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کا دو مرتبہ اضافہ کرنا سنت ہے۔

فائدہ: ایک دفعہ حضرت بلال حضور ﷺ کو نماز کے وقت سے آگاہ کرنے کے لئے آپ کے کاشانۂ نبوت پر پہنچے تو "الصلوٰۃ خیر من النوم" ارشاد فرمایا۔ حضور پاک ﷺ نے یہ کلمات سن کر ارشاد فرمایا کہ ان کو صبح کی اذان میں رکھ دو۔ (اِجْعلها فی اذان الفجر) جس کی وجہ سے صبح کی اذان میں ان کا کہنا سنت ہو گیا ہے۔

۴: ہمارے نزدیک اقامت اذان کی طرح ہے پس دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ البتہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اقامت کے الفاظ ایک ایک مرتبہ ہیں۔ صرف قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہے۔ اذان اور اقامت میں سنگل اور ڈبل کلمات کا فرق یعنی اذان میں کلمات ڈبل ہیں جبکہ اقامت میں کلمات سنگل نہیں۔

فائدہ: ہمارے امام حضرت امام اعظم کے نزدیک کتب روایات کی چھان بین کی وجہ سے اذان حضرت بلال کی اقامت حضرت ابو محذورہ کی معتبر ہے کیونکہ حضرت بلال کی اذان میں ترجیع نہیں لیکن اقامت کے الفاظ دو بار کی بجائے صرف ایک بار ہیں۔ اور حضرت ابو محذورہ کی اذان میں ترجیع ہے لیکن اقامت کے کلمات دو مرتبہ ہیں۔

۵: بہتر یہ ہے کہ اذان دینے والا طریقہ سنت سے باخبر ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بہتر ہیں وہ اذان دیں۔ لہٰذا جاہل اور فاسق اور غیر ذی عقل بچہ کی اذان مکروہ ہے۔ بعض نے علی الاطلاق بچے کی اذان کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جبکہ ظاہر روایت کے مطابق اگر بچہ صاحب تمیز اور صاحب عقل ہو تو اس کی اذان مکروہ نہیں۔

۶: اذان کے کلمات بگاڑ کر اذان دینا مکروہ ہے اور بگاڑنا یہ ہے کہ الفاظ صحیح طریقے سے مخرج کے مطابق ادا نہ کئے جائیں البتہ جس کی آواز بلند اور خوبصورت ہو اسے اذان کے لئے مقرر کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اذان میں تحسین صوت اور تزیین کلمات شرعاً مطلوب

ہے لہذا خوش گلو آدمی اذان دے۔ اور اذان اور اقامت پڑھتے وقت قبلہ رُخ ہونا چاہئے۔ لہذا قبلہ رُخ نہ ہونا مکروہ ہے۔ البتہ حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے وقت اپنا منہ دائیں بائیں کرنا اذان اور اقامت میں مستحب ہے۔ اور جب مؤذن کسی مینار میں اذان دے اور اس کی آواز باہر نہ جائے تو وہ دورانِ اذان مینار میں گھوم سکتا ہے۔ اور اذان دیتے وقت اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالے رکھے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہی حکم دیا تھا۔ کیونکہ اس سے آواز بلند ہوتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اذان اقامت کے دوران باتیں نہ کرے اگر بات ہو جائے تو پھر انھیں دوبارہ پڑھے۔

۷: مؤذن حالتِ اذان میں سلام کا جواب نہ دے اور نہ چھینک کا جواب دے۔ اور نہ بیٹھ کر اذان دے۔ اور نہ حالتِ سواری میں اذان دے۔ ہاں اگر مسافر ہو تو گنجائش ہے۔ اور مسافر کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ اقامت نیچے اتر کر پڑھے۔ البتہ مسافر کے لئے سواری پر اذان دینا (جس طرف بھی اس کی سواری کا منہ ہو) جائز ہے (اگر مجبوری ہو ورنہ نیچے اتر کر اذان دے)۔

۸: جُنبی کے لئے اذان دینا مکروہ ہے لیکن بے وضو کے لئے مکروہ نہیں۔ اور جنابت کی حالت میں اذان ہوئی تو دوبارہ پڑھی جائے لیکن اقامت کا اعادہ نہیں اس لئے کہ اذان کا تکرار موجود ہے۔ جبکہ اقامت تکرار نہیں۔ (کذا فی الھدایۃ) اور مشہور یہ ہے کہ اقامت بلا وضو مکروہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکروہ نہیں۔ بہر حال ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

۹: درج ذیل لوگوں کی دی ہوئی اذان دوبارہ پڑھی جائے:
(۱) جو نشے میں مست ہو۔ (۲) دیوانہ اور غیر ذی عقل بچہ۔ (۳) اگر کوئی شخص اذان و اقامت پڑھتے ہوئے مر گیا یا بے ہوش ہو گیا یا بے وضو ہو گیا یا اس کی زبان رُک گئی تو ان ساری صورتوں میں ازسرِ نو اذان و اقامت پڑھی جائے۔ اور اگر اذان اور اقامت میں کلمات آگے پیچھے کر دیئے تو ان میں ترتیب کر دے نئے سرے سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۰: غلام، اَن پڑھ، نابینا اور حرام زادے کی اذان اگر چہ جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ اذان اور اقامت پڑھتے وقت بار بار آواز کو سنوارنے کے لئے کھانسنا نہیں چاہئے۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو تو گنجائش ہے۔

۱۱: اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے۔ جبکہ اقامت جلدی پڑھے اگر اس کا الٹ کیا تو ٹھیک نہیں۔ بلکہ اس صورت میں دوبارہ اقامت کہے۔

۱۲: ایک آدمی دو مسجدوں میں اذان نہ دے اس لئے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۱۳: آئمہ متاخرین کے نزدیک تھویب مستحسن ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے بعد پھر اعلان کیا جائے۔ اور تھویب کے۔ لئے کوئی الفاظ مقرر نہیں بلکہ جو بھی لوگوں میں متعارف ہو اس کے مطابق تھویب ہو سکتی ہے۔ مثلاً الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہے یا درود و سلام پڑھے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جو لوگ عوام کے کاموں میں زیادہ تر مشغول ہوتے ہیں انھیں اذان کے بعد دوبارہ تھویب کی صورت میں آگاہ کریں۔ جیسے بادشاہ اس کا نائب، قاضی اور مُفتی۔ اور اذان اقامت میں کسی شخص کا انتظار نہ کرے۔ نیز اذان اور اقامت میں کچھ دیر وقفہ کرے۔ اذان دینے کے فوراً بعد اقامت کہنا مکروہ ہے۔ عام نمازوں میں دو رکعتوں سے چار رکعت پڑھنے تک وقفہ کرے یعنی اذان ہونے کے بعد چار رکعت کی مقدار وقفہ کر کے اقامت پڑھے۔ لیکن نمازِ مغرب میں معمولی وقفہ بھی کافی ہے۔ چنانچہ امام صاحب علیہ الرحمۃ کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کا وقفہ۔ اور صاحبین کے نزدیک معمولی بیٹھنے کے بعد

اقامت پڑھ ڈالے۔ یہ اختلاف جواز میں نہیں بلکہ افضلیت میں ہے۔

۱۴: نماز کے وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں۔ البتہ قاضی امام ابو یوسف اور آئمہ کے نزدیک نماز فجر میں گنجائش ہے۔ لہٰذا اگر وقت سے پہلے اذان ہوئی تو وقت ہونے پر دوبارہ پڑھی جائے۔

۱۵: اذان سننے والے کے لئے مناسب ہے کہ وہ مؤذن کے ساتھ کلمات اذان دہراتا رہے۔ البتہ فلاحین کے وقت "لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ" کہے۔ اور الصلوٰۃ خیر من النوم کہتے وقت "صدقت و بررت" کہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جواب واجب ہے جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ اجابت کی دو صورتیں ہیں ایک اجابت بالقدم دوسری اجابت باللسان۔ پہلی واجب ہے اور دوسری مستحب ہے۔ اور یہی زیادہ تر ظاہر ہے۔ اور اقامت کا جواب بالاتفاق مستحب ہے۔

۱۶: تجنیس میں ہے کہ اذان سننے کے وقت باتیں کرنا مکروہ نہیں۔

فائدہ: راقم نے بعض اکابرین سے یہ سنا ہے کہ اگر اذان ہوتے ہوئے باتیں کی جائیں تو نزع کے وقت تکلیف ہوگی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسوقت باتوں سے پرہیز کرے۔

۱۷: اگر کئی اذانیں سنے تو پہلی کا جواب دے۔ خواہ مسجد محلہ کی ہو یا کسی دوسرے محلہ کی۔

۱۸: اگر کوئی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے، اور اس نے دورانِ تلاوت اذان سنی تو وہ تلاوت سے رُک جائے اور غور سے اذان سنے۔ امام رُستغفنیؒ نے کہا کہ اگر تلاوت کنندہ مسجد میں ہو یا اپنے گھر میں ہو لیکن اگر کسی دوسری مسجد میں اذان شروع ہو تو یہ تلاوت بند نہ کرے بلکہ جاری رکھے۔

فائدہ عظیمہ

آئمہ اربعہ کی فقہ میں یہ لکھا ہے اور علامہ شامی نے بحث اذان میں صراحتاً لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اذان میں حضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر اپنے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے شہادت انگلی سمیت چوم کر اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس طرح کرنا مستحب ہے اور موجب خیر و برکت ہے۔ چنانچہ پہلی شہادت رسالت پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے وقت الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللّٰہ" کہے۔ اور دوسری شہادت پر قُرّۃُ عینی بک یا رسولَ اللّٰہ " کہے۔ اور پھر یہ الفاظ پڑھے اللّٰھم مَتِّعْنِی بالسمع و البصر - حدیث شریف میں اس کے فضائل و محاسن کے بارے میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اس طرح کیا میں اسے صفوف قیامت میں تلاش کر کے اپنے ساتھ جنت میں لے جاؤں گا۔ اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ یہ دکھتی آنکھوں کا مُجرب روحانی علاج ہے۔ چنانچہ بہت سے اکابرین نے اس پر اپنے تجربات اور مشاہدات پیش کئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنے محبوب نبی ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کے پیشِ نظر اس عمل کو ضرور اپنانا چاہئے۔ کُتب روایات میں جیسا کہ آئمہ فقہ نے نقل کیا ہے۔ اس باب میں بہت سی روایات مروی ہیں۔ بعض نے ان پر ضعیف ہونے کی جرح کی ہے تاہم مضر نہیں اس لئے کہ سینکڑوں اکابرین علماء نے فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز لکھا ہے۔ اور یہ مسئلہ حدیث یا فقہ حنفی میں ہی مذکور نہیں بلکہ دوسرے تین اماموں کی کتب فقہ میں بھی صراحتاً مذکور ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت نے اس پر ایک قابلِ قدر رسالہ "مُنِیرُ العَینَین" کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔ اور اس عاجز خادمِ اہلسنت نے بھی اس موضوع

پر ایک رسالہ بنام " جلاء العینین بتوسل تقبیل الابھامین " لکھا ہے۔ اگر شوق ہو تو مطالعہ فرمائیں۔

نوٹ...... اذان اور اقامت کے کتب حدیث میں بہت سے فضائل اور محاسن صاحب وحی کی زبانی مروی ہیں۔ اگر مضمون طویل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان سب کو یہاں درج کیا جاتا اگر آپ چاہیں تو کتب روایات میں دیکھ سکتے ہیں۔

دوسرا جز...... تکبیر تحریمہ کے وقت " اللہ اکبر " کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھانا۔ اور اس موقع پر انگلیاں اپنے حال پر چھوڑنا۔ یہ تیسرا جز ہے۔ چوتھا جز امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا۔ اور اسی طرح " سمع اللہ لمن حمدہ " کہنا۔ اور آخر میں سلام پھیرنا۔ پانچواں: ثناء یعنی "سبحانک اللّٰھم " آخر تک پڑھنا۔ چھٹا: اعوذ باللہ کہنا۔ ساتواں بسم اللہ کہنا۔ آٹھواں آمین کہنا۔ اور نواں ان چاروں کو آہستہ کہنا۔ خواہ کوئی بھی نماز پڑھنے والا ہو۔ امام ہو مقتدی ہو منفرد ہو۔

مسئلہ ۲...... مرد نماز پڑھتے ہوئے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھے۔ اور عورتیں ہاتھوں کو سینے پر رکھیں۔

مسئلہ ۳...... جو تکبیرات نماز کے دوران ادا کی جاتی ہیں۔ مثلاً رکوع اور سجدہ کرتے وقت یا ان سے سر اٹھاتے وقت، یا قیام کی طرف لوٹتے وقت اور اسی طرح تسبیحات رکوع اور سجود یہ سب سنت ہیں۔ رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا بشرطیکہ انگلیاں کشادہ ہوں۔ بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا، نماز میں دونوں قعدے ادا کرتے وقت بشرطیکہ دونوں میں انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور عورت کے لئے اس حالت میں ''تَوَرُّک'' سنت ہے۔ اٹھارہویں سنت یہ ہے کہ آخری قعدے میں تشہد پڑھنے کے بعد حضور ﷺ پر درود پڑھنا۔ اور انیسویں سنت یہ ہے کہ آخر نماز میں الفاظِ قرآنی کے مشابہ دعا مانگنا، یا منقول دعائیں پڑھنا۔ بیسویں سنت یہ ہے کہ تشہد میں پہلی شہادت کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا یعنی لا الٰہ کے وقت انگلی اٹھائے اور الا اللہ کے وقت رکھ دے۔ جیسے کہ صفتِ صلوٰۃ میں اس کی تفصیل آگئی۔ اور اکیسویں سنت یہ ہے کہ فرائض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا۔ جیسا کہ ظاہر روایت میں آیا ہے۔ بعض نے اس کو واجب اور بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ بائیسویں لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے باہر ہونا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سنت نہیں بلکہ واجب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نمازی کا دائیں، بائیں سلام پھیرنا سنت ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جن کاموں کو ہم نے سنت قرار دیا وہ درحقیقت مستحب ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ سوائے چند کاموں کے باقی سب سنت ہیں اور مصنف نے بحث صفت الصلوٰۃ میں جن کاموں کے فرض اور واجب ہونے کی صراحت نہیں کی اور انھیں یہاں بھی ذکر نہیں کیا وہ مستحب ہیں۔ جیسے تکبیر کہتے وقت آستین سے ہاتھ باہر نکالنا علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ نماز میں دونوں ہاتھوں کا رکھنا اور دونوں گھٹنوں کے بحالتِ سجدہ یہ سنت ہے اور اسی طرح بازؤوں کو ظاہر کرنا۔ اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھنا۔ اور انگلیوں کو قبلہ رُخ رکھنا یہ سارے کام سنت ہیں۔ حالانکہ مصنف نے ان سب کو یہاں ذکر نہیں کیا۔

نوافل کا بیان

فصل فی النوافل اعلم ان اسنة قبل الفجر رکعتان و اربع قبل الظھر و رکعتان بعدھا و اربع قبل العصر و رکعتانَ بعد المغرب و اربع قبل العشاء و اربع بعدھا و ان شاء

ركعتين و ما ذكرنا قبل العصر و العشاء مستحب و في المحيط ان تطوّع قبل العصر باربع و قبل العشاء باربع فحسن لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليهما و قبل الجمعة اربع و بعدها اربع و عند ابي حنيفة و ابي يوسف ستة و الافضل عندنا ان يصلي اربعًا ثم ركعتين

ترجمہ...... یہ فصل نفلوں کے بیان میں ہے۔

جان لیجئے کہ فجر سے پہلے دو رکعت سنت ہیں۔ اور نمازِ ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں۔ اور نماز عصر سے پہلے چار رکعت (سنت غیر موکدہ) ہیں۔ اور نماز مغرب کے بعد دو رکعت سنت ہیں۔ اور نماز عشاء سے پہلے چار اور بعد میں بھی چار رکعت سنت ہیں۔ اگر چاہے تو دو رکعت پڑھے۔ اور جو کچھ ہم نے نمازِ عصر اور عشاء سے پہلے ذکر کیا وہ رکعتیں مستحب ہیں۔ "محیط" میں ذکر کیا گیا کہ اگر نماز عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے اور اسی طرح نمازِ عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھے تو بہتر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان دونوں کو ہمیشہ نہیں کیا۔ اور نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت ہیں اور اس کے بعد بھی چار ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت ہیں۔ اور ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھے اور پھر دو رکعت ادا کرے۔

چند الفاظ کی وضاحت

ا: نوافل ... اس کا واحد نافلة ہے اور اس کا معنی اضافہ۔ ۲: تطوع ... نفل پڑھنا۔ ۳: لم یواظب ... اس نے ہیشگی نہ کی۔ ۴: ست چھ۔ ۵: اربع ... چار۔

تشریح

عربی لغت میں نفل کے معنی ہیں زیادت۔ اور شریعت میں وہ عبادت جو فرض واجب نہ ہو۔ لہذا نفل کا لفظ سنت مستحب اور غیر مقید نوافل کو شامل ہے۔ صبح کی دو سنتیں باقی تمام سنتوں میں زیادہ قوی مؤکد ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ بغیر کسی عذر کے انھیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ حدیث میں ان کی بڑی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ صبح کی سنتوں کے علاوہ کسی نفلی کام کی اتنی پابندی اور رعایت نہ کرتے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔ نیز مائی صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صبح کی دو رکعتیں دنیا کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو اپنے گھر میں صبح کی سنتیں پڑھے اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو جائے گی اور اس کا ایمان پر خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر دشمن تمہیں ہانک رہے ہوں تو پھر بھی ان دو سنتوں کو نہ چھوڑو۔ ان دو سنتوں کے بعد کن سنتوں کا تاکید کا ذکر ہے۔ بعض نے کہا کہ مغرب کی دو سنتیں۔ پھر ان کے بعد نماز ظہر کے بعد والی دو سنتیں پھر عشاء کے بعد والی دو سنتیں۔ پھر ظہر سے پہلے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ صبح کی سنتوں کے بعد ظہر کی پہلی سنتیں ہیں۔ اور باقی برابر ہیں۔ نماز ظہر سے پہلے چار رکعت اور بعد میں دو رکعت اس لئے ہیں کہ حضور ﷺ اسی طرح پڑھتے تھے۔ نماز عصر سے

پہلے چار رکعت اگر چاہے تو دو بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور یہ عصر کی سنتیں مستحب ہیں مؤکد نہیں۔ چنانچہ امام ترمذی یہ حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے۔ اور نماز مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنا۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے رات دن میں فرائض کے علاوہ بارہ رکعتیں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر تیار ہو جاتا ہے۔ چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ عشاء سے پہلے چار رکعت مستحب ہیں۔ اور عشاء کے بعد چار رکعت بھی مستحب ہیں۔ اور چاہے تو دو بھی پڑھ سکتا ہے۔ لیکن یہ دو سنت مؤکدہ ہیں۔ اور نماز عصر اور نماز عشاء سے پہلے جو رکعات ہیں وہ مستحب ہیں۔ اور عشاء کے بعد بھی چار رکعت مستحب ہیں۔ البتہ دو رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں۔ اور نماز ظہر کے بعد بھی چار رکعت مستحب ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد رسول ﷺ ہے کہ جس نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار رکعت حفاظت سے پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آتشِ دوزخ حرام کردی۔

مسئلہ..... نماز ظہر کے بعد چار رکعت ایک سلام سے بھی پڑھ سکتا ہے اور دو سے بھی۔ لیکن ایک سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور نماز عشاء کے بعد ایک سلام سے ادائیگی زیادہ بہتر ہے۔ امام صاحب کا یہی مذھب ہے البتہ صاحبین کے نزدیک دو سلاموں سے ادا کرے۔ ور نماز مغرب کے بعد چھ رکعت مستحب ہیں کہ جنہیں صلوٰۃ الاوّبین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور گرامی نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے نماز مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنے والے لوگوں میں شمار ہوگا۔ پھر آپ نے آیت کا یہ حصہ تلاوت فرمایا کہ "انہ کان للاوابین غفورا" یعنی جو لوگ پروردگار عالم کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ انھیں بخش دیتا ہے۔ صاحب محیط کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ عصر اور عشاء سے پہلی چار رکعتیں اگر چہ سنت مؤکدہ نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے انھیں ہمیشہ ادا نہیں فرمایا تاہم انھیں پڑھنا اچھا کام ہے۔ اور نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت یہ سنت مؤکدہ ہیں اس لئے کہ پہلی چار رکعت آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور بعد والی چار رکعت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نمازِ جمعہ پڑھے تو اسے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنی چاہئیں۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ لہٰذا اختلاف سے بچنے کے لئے ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھے اور پھر دو رکعتیں۔

مسئلہ..... اگر کوئی شخص صبح کی دو سنتیں یا دوسری سنتیں مؤکدہ چھوڑ دے تو کیا گناہگار ہوگا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ گناہگار ہوگا اور دوسرا یہ ہے کہ گناہگار نہیں ہوگا۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر چہ گناہ گار نہیں ہوگا تاہم درجات وثواب سے محروم ہو جائے گا اور قابلِ ملامت ہوگا بشرطیکہ انھیں جائز سمجھے۔ اور اگر توہین وتخفیف کرے تو پھر کافر ہو جائے گا۔

نماز چاشت

و اما سبحة الضحیٰ فقد وردت الاحادیث فیها من الرکعتین الیٰ اثنا عشر رکعة ثم الافضل فی صلوٰة اللیل و النهار اربع رکعات بتحریمة واحدة عنده و قالا فی اللیل رکعتان و الزیادة علی ثمان رکعات لیلا و علی اربع رکعات نهارا مکروهة بالاجماع

ترجمہ......اور رہی چاشت کی نماز (کہ وہ کتنی رکعات ہیں) تو اس کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ دو رکعت سے لے کر بارہ رکعات تک ہیں۔ پھر رات دن کے نوافل میں امام صاحب کے نزدیک بہتر اور افضل یہ ہے کہ ایک تحریمہ (نیت) سے چار رکعات پڑھے جبکہ صاحبین نے فرمایا کہ رات کے نوافل (یعنی رات کو جو نوافل پڑھے جائیں) وہ ایک تحریمہ سے دو رکعت ہوں اور اگر اضافہ کرنا چاہے تو ایک تحریمہ سے آٹھ رکعات تک پڑھ سکتا ہے۔ اور دن کو چار رکعات سے اضافہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے۔

چند الفاظ واردہ کی وضاحت

۱: سبحة ... نفل۔ ۲: ضحیٰ ... چاشت۔ ۳: تحریمة ... حرام کرنا مراد نماز کی پہلی تکبیر ہے۔ اس کو تحریمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نمازی پر اس کے کہنے کے بعد بہت سے کام مثلاً کھانا، پینا، اور کلام وغیرہ کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ ۴: اجماع ... اتفاق۔

تشریح بعض امور

۱۔ نماز چاشت مستحب ہے۔ ۲۔ اس کا وقت سورج بلند ہونے سے زوال یعنی سورج ڈھلنے تک ہے۔ اور وقت مختار، چوتھائی حصہ دن گزر جائے۔

فضائل ومحاسن

کتب حدیث میں اس کے متعدد فضائل اور فوائد آئے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی (یارسول اللہ) مجھے وصیت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا اگر تم دو رکعت نماز چاشت پڑھو گے تو تمہارا نام غافلوں میں نہ درج ہوگا۔ اگر اس کی چار رکعت پڑھو گے تو عبادت گزاروں میں شمار ہو گے۔ اگر چھ رکعت پڑھو گے تو اس دن کوئی گناہ تمہارا تعاقب نہ کرے گا۔ اور اگر آٹھ رکعات پڑھو گے تو "قانتین" میں شامل ہو گے۔ (قنوت، فرمانبرداری) اگر دس رکعات پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں گھر تیار کرے گا۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے جو نماز چاشت بارہ رکعات ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل تیار کرے گا۔

☆ شب وروز کے عام نوافل میں امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ ایک سلام اور تحریمہ سے صرف چار رکعات پڑھے۔ یہی افضل ہے۔ امام صاحب کے دو شاگردوں کے نزدیک رات کی نماز میں بہتر یہ ہے کہ ایک سلام سے دو رکعت پڑھے اور امام شافعی کے نزدیک رات اور دن کے نوافل میں دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ اور رات کے نوافل میں آٹھ سے زائد رکعات اور دن کے نوافل میں چار سے زیادہ رکعات ایک سلام سے مکروہ ہیں۔ لیکن مبسوط میں شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا گیا کہ آٹھ سے زیادہ مکروہ نہیں۔ حضور ﷺ رات کو آٹھ رکعت تہجد پڑھا کرتے تھے۔ گویا تہجد کی کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت ہیں۔

نفلی روزے اور نماز کی قضاء کا بیان

من شرع فی صلٰوۃ التطوع او فی الصوم التطوع ثم افسدھا فعلیه قضاؤھما و ان

شرع بنية الاربع ثم قطع لا يلزمه الا شفع خلافا لابی یوسف قالوا هذا فی غير السنن اما اذا شرع فی الاربع قبل الظهر ثم قطع يلزمه اربع و ان شرع فی اربع و لم يقعد علی الثانية فسدت عند محمد و زفر و يقضی الاولیین و قالا لا تفسد و كل ركعتين اذا افسدهما فعليه قضاؤهما دون ما قبلهما و لو افتتح قائما ثم قعد من غير عذر جاز و ان نذر صلوٰة و لم يقل قائما او قاعدا يلزمه قائما و ان صلی قاعدا قيل يجوز قياساً و طول القيام افضل من كثرة عدد الركعات

ترجمہ...... جس شخص نے نوافل شروع کیے یا نفلی روزہ رکھا پھر انھیں توڑ دیا تو اس پر دونوں کی قضالازم ہے۔ اور چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی پھر اسے ختم کر دیا تو اس پر صرف دو رکعتوں کی قضا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے وہ چار کی قضالازم قرار دیتے ہیں۔ آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم نماز سنت کے علاوہ ہے۔ لہٰذا اگر اس نے ظہر کی پہلی چار سنتیں شروع کیں پھر انھیں توڑ دیا تو اس پر چار لازم ہیں۔ اور اگر چار رکعتیں شروع کیں اور دوسری پر نہ بیٹھا تو امام محمد اور امام زُفر کے نزدیک نماز فاسد ہو گئی۔ لہذا پہلی دو رکعتوں کی قضا کرے اور شیخین نے فرمایا کہ نماز فاسد نہ ہو گی اگر کوئی شخص دو رکعتوں کو شروع کر کے توڑ دے تو اس پر ان دونوں کی قضا ہے۔ ان سے پہلے کی قضا نہیں۔ اگر کھڑے ہو کر نماز شروع کی اور پھر عذر کی وجہ سے بیٹھ گیا تو جائز ہے۔ یعنی نوافل میں اس طرح کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے نماز کی مَنت مانی اور کھڑے یا بیٹھے کی صراحت نہ کی تو اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا لازم ہے۔ اور اگر اس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو کہا گیا کہ قیاس کی بنا پر یہ جائز ہے۔ اور نماز میں دیر تک کھڑا ہونا بہت سی رکعات پڑھنے سے بہتر ہے۔

چند الفاظ کی وضاحت

۱: شَرَعَ ... ان نے کام شروع کیا۔ ۲: التَطوع ... نفل۔ ۳: اَفْسد ... اس نے فاسد کر دیا۔ ۴: شفع ... دو رکعت۔
۵: اِفْتَتَحَ ... اس نے کام شروع کیا۔ ۶: نذر ... اس نے مَنت مانی۔ ۷: طول القیام ... دیر تک کھڑا رہنا۔

بعض مقامات کی تشریح

۱) نفلی نماز یا نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دینے سے ہمارے اور امام مالک کے نزدیک قضا واجب ہے۔ اکثر صحابہ سے یہی مروی ہے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق، ابن عباس اور بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہی روایت ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک قضا واجب نہیں۔ اور قضا کی وجہ یہ ہے کہ کسی کام کو شروع کرنے سے وہ آدمی کے ذمہ لازم ہو جاتا

ہے۔اور کسی واجب کام کو چھوڑ دینے سے قضا واجب ہو جاتی ہے۔

۲) دوسرا مسئلہ......اگر چار رکعت پڑھنے کی نیت سے نوافل شروع کئے اور دو رکعت پوری کرنے سے پہلے انھیں فاسد کر دیا تو اس صورت میں صرف دو رکعت کی قضا لازم ہوگی (اس کی وجہ یہ ہے کہ دو رکعت نوافل میں مستقل نماز ہے لہذا پہلی دو رکعتوں میں فساد اثر انداز ہوا لہذا وہی دو رکعت قضا کرے) لیکن امام ابو یوسف کا اس میں مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد سے اختلاف ہے لہذا ایک روایت کے مطابق وہ چار رکعت قضا کرے گا۔اگر اِتمام شفع سے پہلے انھیں فاسد کیا پھر اس میں دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ قیام الی الثالث سے پہلے ایسا ہوا تو امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک شفع کی قضا لازم ہے جبکہ طرفین کے نزدیک کچھ لازم نہیں۔ دوم یہ کہ قیام الی الثلث کے بعد ایسا ہوا تو پھر سب کے نزدیک صرف شفع کی قضا لازم ہے۔

۳) اگر چار کی نیت سے نوافل شروع کئے پھر توڑ دیئے صرف دو کی قضا لازم ہوگی۔لیکن یہ حکم سنت مؤکدہ کے علاوہ ہے۔جیسے عصر اور عشاء کی سنت۔لیکن اگر اس نے سنت راتبہ یعنی ظہر سے پہلی چار سنتیں یا جمعہ سے پہلے یا بعد والی سنتیں شروع کیں پھر پہلی دو میں یا پچھلی دو میں توڑ ڈالیں تو سب کے نزدیک چار کی قضا لازم ہوگی۔کیونکہ یہ سنت ایک ہی سلام سے جائز ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان میں پہلے قعدے میں درود نہیں۔اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء نہیں کیونکہ یہ ساری ایک ہی نماز ہے۔

۴) اگر کسی نے سنت غیر مؤکدہ یا نوافل چار کی نیت سے شروع کئے لیکن پہلا قعدہ چھوڑ دیا تو امام محمد اور امام زفر کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس سے پہلا قعدہ جو فرض ہے وہ رہ گیا ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نوافل کی دو رکعتیں مستقل نماز ہے۔ہر دو کے بعد قعدہ فرض ہے۔لہذا یہ مذکورہ اماموں کے نزدیک صرف پہلی دو رکعتیں قضا کرے۔کیونکہ آخری دو صحیح ہو گئیں ہیں۔لیکن شیخین کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی لہذا کسی شے کے قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔

فقہی قاعدہ

نوافل کی دو رکعتیں اگر کوئی شخص انھیں شروع کر کے توڑ دے تو اس پر صرف ان دو کی قضا لازم ہے۔ماقبل مابعد کی لازم نہیں۔اس لئے کہ نوافل کی دو رکعتیں مستقل نماز ہیں۔ہاں امام ابو یوسف کے نزدیک جب چار کی نیت سے شروع کرے اور پہلے قعدے سے پہلے انھیں فاسد کرے تو اس پر چار کی قضا لازم ہوگی۔

۵) اگر حالتِ قیام میں نوافل شروع کئے پھر بغیر کسی عذر کے بیٹھ گیا یعنی کوئی ایسا عذر نہ تھا جو نوافل میں بیٹھنے کی اجازت دیتا تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک اس کا بیٹھنا اور نماز پڑھنا صحیح ہے۔البتہ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

۶) ایک شخص نے نماز پڑھنے کی منت مانی لیکن یہ تصریح نہیں کی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا یا بیٹھ کر تو اس صورت میں نماز کھڑے ہو کر ادا کرنا لازم ہے۔کیونکہ جہاں مطلق کلام مذکور ہو اس سے مراد کلام کا اعلیٰ فرد ہوتا ہے۔اور یہاں اعلیٰ فرد قیام ہے۔لیکن اس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو کہا گیا ہے کہ اس کی نماز ٹھیک ہوگی اور نذر اس کے ذمے سے ساقط ہوگی۔گویا اس صورت کو نذر نہ ماننے کی صورت پر قیاس کیا گیا۔الکافی میں ذکر کیا گیا ہے کہ صورتِ مذکورہ میں نذر ماننے والے پر کھڑے ہو کر ادا کرنا لازم نہیں۔مگر جبکہ اس نے قیام کی تصریح کی ہو اور یہی صحیح ہے۔

۷) ہمارے نزدیک طویل قیام کثرتِ رکعات سے افضل ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دیر تک بحالتِ قیام قرأت کرتا رہے پس طویل قیام کی وجہ سے صرف دو رکعت پڑھے۔ جبکہ کسی دوسرے نے مختصر قرأت کرنے کی وجہ سے اتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھ لیں تو یہ دو رکعتیں جو طویل قیام کے ساتھ پڑھی گئیں ان چار رکعتوں سے بہتر ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ طویل قیام میں قرأت زیادہ ہوتی ہے زیادہ رکوع وسجود میں ذکر اور تسبیحات زیادہ ہوں گی اور ظاہر ہے کہ قرأت باقی اذکار سے افضل ہے۔

ادائیگی سنت کا بیان

ثم السنة فی سنة الفجر ان یاتی بها فی بیته او عند باب المسجد و ان لم یمکنه ففی المسجد الخارج و ان کان المسجد واحدا فخلف اسطوانة و نحو ذلک هذا اذا کان بعد الشروع فی الفریضة و اما قبل شروعهم فی الفریضة یأتی بها فی ای موضع شاء و اما السنن التی بعد الفریضة فان تطوع فی المسجد فحسن و فی البیت افضل لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یصلی جمیع السنن و الوتر فی البیت

ترجمہ پھر صبح کی سنت پڑھنے میں طریقہ یہ ہے کہ انہیں گھر میں پڑھے یا مسجد کے دروازے کے پاس پڑھے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر مسجد سے باہر پڑھے۔ اور اگر مسجد ایک ہی ہو تو کسی ستون، کسی آڑ کے پیچھے ادا کرے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس نے نمازِ صبح شروع ہونے کے بعد سنت پڑھنے کا ارادہ کیا۔ اور اگر فرائض شروع ہونے سے پہلے سنت پڑھنا چاہتا ہے تو پھر جس بھی مناسب جگہ پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن فرائض کے بعد جو سنت ہیں۔ اگر انہیں مسجد میں ادا کرے تو اچھا ہے۔ لیکن گھر میں ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ سے یہ روایت مذکور ہے کہ آپ کا معمول یہ تھا کہ تمام سنتیں اور وتر گھر میں ادا کیا کرتے تھے۔

چند الفاظ کی وضاحت

۱: بیتٌ ... گھر۔ ۲: بابُ المسجد ... مسجد کا دروازہ۔ ۳: لَمْ یُمکِن ... ممکن نہ ہو۔ ۴: حَسَن ... اچھی بات۔

۵: رُوِیَ ... روایت کی گئی۔

تشریح

یہاں سنت سے سنتِ مؤکدہ مراد ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ صرف صبح کی سنت ہی کے بارے میں نہیں۔ بلکہ دوسری تمام سنتِ مؤکدہ کا یہی حکم ہے۔ پس جو سنتِ مؤکدہ نماز سے پہلے ہیں ان کے ادا کرنے کا مصنف طریقہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر نماز فرض شروع ہو جائے تو فرائض کی صف میں کھڑے ہو کر سنت نہ پڑھے اور بغیر کسی آڑ کے صف کے پیچھے بھی نہ پڑھے۔ اب یہ سوال کہ کہاں

پڑھے تو اس کی چند صورتیں مصنف نے یہاں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی یہ کہ اپنے گھر میں پڑھے۔ یہ سب سے بہتر ہے دوسری یہ کہ مسجد کے دروازے کے قریب پڑھے بشرطیکہ وہاں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ ہو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو اگر جماعت اندر ہو رہی ہو تو یہ باہر سنتیں پڑھے۔ اگر باہر جماعت کھڑی ہو تو اندر پڑھے۔ بشرطیکہ وہاں دو مسجدیں ہوں جنھیں موسمِ گرما اور موسمِ سرما کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اور اگر ایک ہی مسجد ہو تو پھر کسی آڑ کے پیچھے پڑھے۔ مثلاً ستون، درخت، دیوار یا اور کوئی ایسی آڑ ہو جو سنت پڑھنے والے کے درمیان حائل ہو۔ لہذا بغیر کسی آڑ کے صف کے پیچھے سنتیں پڑھنا مکروہ ہے اور فرائض کی صف میں کھڑے ہو کر پڑھنا شدید مکروہ ہے۔ اور یہ حکم اور قیود اس وقت ہے جبکہ فرائض کی جماعت کھڑی ہوگئی ہو۔ لیکن اگر ابھی فرائض شروع نہیں ہوئے تو پھر جہاں بھی مناسب ہو پڑھ لے۔

فائدہ: مصنف نے سنتِ فجر کی قید لگائی، اس لئے کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے تو دوسری سنتیں پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ انھیں چھوڑ دے۔ البتہ صبح کی سنتیں کیونکہ زیادہ تاکیدی ہیں اس لئے اگر فرائض کی جماعت ہو رہی ہو تو پھر بھی انہیں پڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے تشہد میں شامل ہونے کی امید ہو۔ اگر یہ امید نہ ہو تو انھیں بھی چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ اب یہ سوال کہ اگر سنتِ فجر رہ گئی تو پھر کیا کرے۔ تو اس میں شیخین کی رائے یہ ہے کہ اب ان سنتوں کی کوئی قضا نہیں۔ سورج چڑھنے سے پہلے بھی کیونکہ اس وقت نوافل مکروہ ہیں اور سورج چڑھنے کے بعد بھی اس لئے کہ وقت نکل جانے کے بعد صرف فرائض وواجبات کی قضا ہے۔ لیکن سنتوں کی قضا مروی نہیں۔ لیکن اگر پوری نماز یعنی سنت اور فرض دونوں رہ جائیں تو پھر حکم یہ ہے کہ زوال سے پہلے ان دونوں کو قضا پڑھے۔ لیکن زوال کے بعد پھر صرف صبح کے فرائض کی قضا ہے لیکن سنتوں کی نہیں۔ ہاں البتہ ہمارے آئمہ میں سے امام محمد کی رائے یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات بہت زیادہ پسند ہے کہ اگر یہ اکیلی سنتیں رہ جائیں تو سورج چڑھنے کے بعد زوال سے پہلے انھیں قضا کرے۔ چنانچہ ہمارے مُلکی علماء کا یہی معمول ہے اور وہ لوگوں کو اسی کی ترغیب بھی دیا کرتے ہیں۔ رہی باقی سنتِ مؤکدہ تو ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر وہ اکیلی رہ جائیں یا فرائض کے ساتھ رہ جائیں تو بالاتفاق ان کی قضا نہیں۔ اگر جمعہ کی پہلی چار سنتیں رہ جائیں تو انھیں نمازِ جمعہ کے بعد ادا کرے خواہ دو رکعت سے پہلے پڑھے یا بعد میں پڑھے۔ اور یہ قضا نہیں بلکہ اپنے وقت سے ہٹ کر وقت ہی میں ادا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: مستحب ہے کہ صبح کی سنتوں میں مختصر قرأت کرے اگر ہو سکے تو پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے کیونکہ حضور ﷺ سے یہی مروی ہے۔ آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ سنتِ فجر میں تاخیر کرے یعنی انھیں فرائض کے قریب پڑھے یا انھیں اول وقت میں پڑھ ڈالے۔ کون سا عمل بہتر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث کی روشنی میں دوسری بات قابلِ ترجیح ہے۔

مسئلہ: فرائض کے بعد جو سنت ہے۔ ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر انھیں مسجد میں ادا کرے تو اچھا ہے لیکن گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ تمام نوافل کا یہی حکم ہے۔ ہاں تراویح اور تحیۃ المسجد کے لئے مسجد بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ تمام سنت اور وتر اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سوائے فرائض کے میری اس مسجد میں آدمی کا اپنے گھر میں نوافل پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ بعض مشائخ نے مغرب کی سنتیں مسجد میں مکروہ قرار دی ہیں۔ جبکہ بعض نے کہا ہے کہ صرف سنتیں پڑھ سکتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نوافل مسجد میں حسن ہیں اور گھر میں احسن ہیں۔ جیسا کہ مصنف نے بھی یہی

فرمایا۔ اور فقیہ ابو جعفر اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لیکن اگر گھر میں جا کر مشغول ہو جانے سے ان کے رہنے کا اندیشہ ہو تو پھر مسجد میں ہی ادا کرے تو بہتر ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ اور اگر یہ خطرہ نہ ہو تو پھر گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

نماز تراویح کا بیان

و من السنن التراويح فاقامتها بالجماعة سنة ايضا على سبيل الكفاية حتى لو ترك اهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة و قد اساؤا فى ذلك و ان تخلف فرد من افراد الناس و صلى فى بيته فقد ترك الفضيلة و ان صلوا فى بيتهم بالجماعة لم ينالوا فضل لجماعة كما فى المسجد و هكذا فى المكتوبات

ترجمہ......اور سنتوں میں نمازِ تراویح ہے۔ اسے جماعت سے ادا کرنا سنتِ کفایہ ہے۔ اگر سب اہلِ محلہ نماز تراویح باجماعت پڑھنا چھوڑ دیں تو انھوں نے سنت چھوڑ دی۔ اور اس بارے میں گناہگار ہوئے۔ لیکن لوگوں میں سے کسی شخص نے نمازِ تراویح مسجد میں باجماعت نہ پڑھی اور اپنے گھر میں پڑھ لی تو اگرچہ وہ تارکِ سنت نہیں تاہم تارکِ فضیلت ضرور ہے۔ اگر لوگ اپنے گھروں میں تراویح باجماعت پڑھیں تو جو مسجد میں باجماعت پڑھنے کا ثواب ہے گھر میں باجماعت پڑھنے کا وہ ثواب نہیں۔ اور یہی فرائض پڑھنے کا ہے۔

لفاظ واردہ کی تشریح

:تراویح ... ترویحه کی جمع ہے جس کے معنیٰ میں آرام کرنا ہیں تراویح کی ہر چار رکعت کو ترویحہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ ہر چار رکعتوں کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے۔ ۲: اِقامتها ... یعنی نماز تراویح کو قائم کرنا۔ یہ ایک جامع لفظ ہے جس کا مفہوم ایک آدھی سطر میں بیان نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس کے لئے ایک آدھا صفحہ درکار ہے۔ مختصر طور پر اس کے معنیٰ ہیں پوری پابندی سے ٹھیک وقت پر نماز تراویح ادا کرنا۔ ۳: سنت كفاية ... سنت کے معنیٰ ہیں طریقہ یہاں اس سے حضور ﷺ کا طرزِ عمل مراد ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں: ۱۔سنتِ عین، ۲۔ دوسری سنت کفایہ ہے۔ اور جو سب پر لاگو ہو وہ پہلی قسم ہے۔ اور جو بعض کے ادا کرنے سے سب سبکدوش ہو جائیں دوسری قسم ہے۔ ۴: اَساؤُوا ... وہ گناہگار ہوئے۔ ۵: تَخَلّف ... وہ پیچھے ہٹ گیا۔ ۶: لم يَنالوا ... انھوں نے نہ پایا۔ ۷: مکتوبات ... فرائض، یہ مکتوبہ کی جمع ہے لکھی ہوئی چیز۔

تشریح

۱۔ سنتِ مؤکدہ میں سے ایک مشہور و معروف سنت نماز تراویح ہے۔ صحیح قول کے مطابق مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور یہ بیس رکعتیں ہیں۔ راشد خلفاء نے اس کو پوری پابندی سے ہمیشہ ادا کیا۔ اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو اختیار کرو۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ: لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر ماہِ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام سنت ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے آنحضرت ﷺ سے استقبال

رمضان کے متعلق جو جامع وعظ تھا اس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ماہِ رمضان میں مسجد میں تشریف لاکر رات کو نماز پڑھی تو لوگوں نے آپ کی اقتداء کی پھر دوسرے دن نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے۔ پھر تیسری رات لوگ جمع ہوئے اور آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے۔ سویرے ارشاد فرمایا کہ رات کو میں نے تمہارا ذوق شوق دیکھا۔ اور میں اس لئے باہر نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز میرے بار بار پڑھنے سے فرض نہ ہو جائے۔ اس سے آپ ﷺ کے ترک کی وجہ معلوم ہو گئی۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ سوال بھی رفع ہو گیا کہ حضور پاک ﷺ نے ایک دو دن نماز تراویح پڑھی اور پڑھائی اور پھر اس کا اہتمام نہیں کیا لہٰذا تراویح سنتِ مؤکدہ کیسے ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ تو نوافل کے قبیلے سے ایک نماز ہے۔ اگر کسی کو وقت اجازت دے تو وہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اس کی پابندی اور شدید اہتمام جیسا کہ رمضان میں ہمارے ہاں کیا جاتا ہے ٹھیک نہیں۔ تو اس سوال کا خلاصۂ جواب یہ ہے کہ...... آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ پڑھنا چاہتے تھے لیکن اندیشہ فرضیت کی بنا پر آپ نے دوام ترک کر دیا اور یہ آپ کا اپنے غلاموں کے ساتھ غایت درجہ رحم و کرم اور اندازِ شفقت ہے کہ ہر موقع پر سیاہ کارامت کی عاجزی و کمزوری ملحوظ خاطر رہی۔ بس آپ کے چھوڑ دینے کا فلسفہ اور ترکِ دوام کی وجہ افتراض تراویح ہے۔ یہ وجہ نہیں کہ آپ کو اس نماز سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ نماز تو آپ کی محبوب عبادت ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا "جُعِلَتْ قرة عيني في الصلوٰة" ۔ یعنی کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ گویا عملاً آپ نے چند دن نمازِ تراویح پڑھی لیکن قولاً ہمیشہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور پھر خلفاء ثلاثہ نے اپنے اپنے دور میں اس کے پڑھنے اور اہتمام کرنے کی بڑی تاکید فرمائی۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ نے جماعتِ تراویح کا اہتمام کر کے اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ فرائض اور وتر پڑھایا کرتے اور نماز تراویح کی امامت کے لئے سب سے بڑے قاری صحابی حضرت ابی بن کعب کو مقرر فرمایا۔

فائدہ

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر پوری دنیا میں اکثریت کا عمل ہے۔ ہمارے امام کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ جبکہ دوسرے آئمہ کے نزدیک بیس رکعات سے زیادہ ہیں۔ بہر حال آٹھ پر کسی کا عمل نہیں۔ نماز تراویح کی کتنی رکعات ہیں بیس رکعات ہیں یا آٹھ یا ان سے زیادہ۔ اس پر ہر دور کے قابل قدر علماء نے قلم اٹھایا ہے اور عمدہ اور شاندار قسم کی تحقیقات پیش فرمائی ہیں۔ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ان میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ یہاں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ کے طفیل موقع دیا اور عمرِ فانی نے وفا کی تو اس موضوع پر انشاء اللہ مستقل کتاب اور رسالہ لکھا جائے گا۔

۲۔ گھر میں نماز تراویح پڑھنا اگر پورے اہتمام اور رعایتِ سنت کے ساتھ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک افضل ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی کا بھی ایک یہی قول ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا نامور عالم ہو کہ جس کے مسجد میں آنے سے لوگوں کا اضافہ ہو جائے تو پھر اسے مسجد میں جا کر نمازِ تراویح پڑھنی چاہیے۔

۳۔ نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور اسے باجماعت ادا کرنا سنتِ کفایہ ہے۔ اور سنت کفایہ کا مفہوم یہ ہے کہ سب چھوڑ دیں تو سب گناہگار ہونگے اور اگر بعض ادا کریں اور بعض نہ کریں تو کوئی گناہگار نہیں مثلاً اکثر لوگ مسجد میں جا کر باجماعت نماز تراویح ادا

کریں اور لوگوں میں کوئی ایک شخص گھر میں ہی ادا کرے تو اس صورت میں اس سے فضیلت رہ گئی جبکہ سنت پر عمل ہو گیا لہذا وہ گناہگار نہیں ہوا۔ علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ مصنف نے اپنے کلام میں فـرد من افراد الناس فرمایا۔ اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ عام آدمی کے لئے ترک جماعت کی گنجائش ہے۔ لیکن جو مقتدا اور امام ہونے کی حیثیت رکھتا ہو یہ لوگ اس کی شخصیت کو نمایاں حیثیت دیتے ہیں تو ایسے شخص کے لئے مسجد میں نہ جانا اور گھر ہی میں نماز تراویح پڑھنا مناسب نہیں۔

فائدہ: علامہ حلبی کبیری میں لکھتے ہیں کہ بعض صحابۂ کرام اور تابعین کے بارے میں آیا ہے کہ مسجد میں جانے کی بجائے گھر میں نمازِ تراویح پڑھ لیتے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) عبداللہ ابن عمر۔ (۲) سالم۔ (۳) قاسم۔ (۴) ابراھیم۔ (۵) نافع۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

گویا ان کے نزدیک تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ سنت کو نہیں چھوڑ سکتے اگر چہ یہ لوگ بعد والوں کی نسبت سے اکابر اور مقتدا ہیں لیکن اپنے زمانے کی حیثیت سے یہ اکابرین میں شمار نہیں ہوتے اس لئے کہ ان سے بڑے اکابر موجود تھے۔

۴۔ اگر گھر میں اہتمام کر کے جماعت سے نماز پڑھی جائے تو جماعت کا ثواب ضرور ہوگا لیکن جو فضیلت مسجد میں نماز با جماعت کی ہے وہ گھر میں نہیں۔ فرائض کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ جس عبادت میں جماعت مشروع ہو تو مسجد میں جو جماعت کا ثواب ہے اتنا دوسری جگہ نہیں۔ ہاں اگر مسجد میں ایسا امام متعین ہو جو نماز با جماعت میں سنن وواجبات اور آداب کی پرواہ نہ کرتا ہو اور گھر میں کوئی متقی پرہیز گار امام نماز پڑھائے تو پھر گھر کی جماعت مسجد کی جماعت سے افضل ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ ایسے امیر ہونگے جو وقت ضائع کر کے نماز پڑھائینگے۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ بروقت اپنی نماز ادا کرلیں اور فتنے سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ بھی پڑھ لیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا درجۂ قبولیت عطا فرمائے گا۔

اوقات تراویح اور نیت تراویح کا بیان

و الاحتياط في النية ان ينوى التراويح او قيام الليل او سنة الوقت لان المشائخ قد اختلفوا في جواز اداء السنة بنية النفل قال بعض المتقدمين لا يجوز و هو قول ابى حنيفة رحمه الله قال بعض المتأخرين يجوز كمن صلى ركعتين بنية صلوٰة الليل ثم تبين انه كان طلع الفجر قال بعضهم ينوب عن سنة الفجر و هو قولهما و ان شك في طلوع الفجر لا ينوب بالاتفاق و ان نوى في التراويح صلوٰة مطلقة فحسب قالوا الاصح انه لا يجوز و وقته بعد العشاء و لا يجوز قبلها و هو المختار

ترجمہ......نماز تراویح کی نیت کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ نیت کرتے وقت تراویح یا قیام اللیل یا سنت وقت کی نیت

کرے۔ (کیوں؟ اس لئے کہ) مشائخ کرام نے نفل کی نیت سے ادائے سنت کے جائز ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ آئمہ متقدمین نے فرمایا کہ یہ صورت جائز نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا یہی قول ہے۔ اور بعض متاخرین نے فرمایا کہ صورت مذکورہ جائز ہے۔ یہ اس کی طرح ہے کہ جس شخص نے صلوٰۃ اللیل کی نیت سے دو رکعت پڑھیں۔ بعدازیں اس پر واضح ہوا کہ صبح طلوع ہوگئی تھی (یعنی نماز تہجد کا وقت نہ رہا کیونکہ صادق چڑھ گئی اب اس کی یہ دو رکعت جو رات سمجھ کر پڑھی گئیں کس زمرہ میں شمار ہونگی) پس اس فیصلہ کے لئے بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ سنت فجر کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ اور صاحبین کا یہی قول ہے۔ اور اگر اسے طلوع فجر میں شک ہے تو پھر سب کے نزدیک وہ سنتوں کے قائم مقام نہ ہوگی۔ اگر کسی شخص نے نماز تراویح کی نیت میں صرف مطلق نماز کی نیت کی تو کافی ہے لیکن آئمہ کرام نے فرمایا کہ یہ صورت جائز نہیں۔ نماز تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے لہذا عشاء سے پہلے درست نہیں۔ اور یہی پسندیدہ قول ہے۔

چند الفاظ کی لغوی تحقیق

۱: نیت ... دل سے کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔ النیة هی ارادة القلب کما قالوا ۔ لہذا اعضاء کے ساتھ کام کرنے کو "عمل" کہتے ہیں۔ فعل اور عمل میں فرق یہ ہے کہ ارادی کام کو عمل اور مطلق کام کو فعل کہتے ہیں جیسا کہ بعض اکابرین نے صراحت فرمائی ہے۔ ۲: ینوی ... وہ ارادہ اور نیت کرے۔ ۳: تراویح ... اس کا واحد ترویحه بمعنی آرام وراحت کرنا۔ نماز تراویح کی چار رکعت کو "ترویحہ" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد تراویح ادا کرنے والے کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرتے ہیں۔ ۴: قیام اللیل ... رات کو کھڑا ہونا۔ مراد یہ ہے کہ عبادت کے لئے کھڑا ہونا گویا کہ جز (قیام) کر کے پورا کل (عبادت) مراد لی جاتی ہے۔ اور عربی زبان میں متعارف ہے اور اسی کو مجاز کہتے ہیں۔ ۵: سنة الوقت ... وقت متعارف کی سنت۔ ۶: مشائخ یہ خلاف قیاس "شیخ" کی جمع۔ قیاس کے مطابق اس کی جمع "شیوخ" ہے عربی لغت کے مطابق شیخ کے معنی بوڑھا، عمر رسیدہ اور اصطلاحا اس کے معنی ہیں کسی فن میں مہارت اور تجربہ رکھنے والا، یہاں اسی مناسبت سے اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔

فائدہ عجیبہ

میں نے اپنے ماہر اور بزرگ اساتذہ سے سنا ہے کہ اگر:

☆ ایک سو عالم کے ذہن کو جمع کیا جائے تو ایک "فاضل" تیار ہوگا۔

☆ اور ایک "محقق" ایک سو فاضل کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ اور ایک "مدقق" ایک سو محقق کی جگہ رکھتا ہے۔

☆ اور ایک سو مدقق سے ایک "علامہ" تیار ہوتا ہے۔

☆ اور ایک سو "علامہ" سے ایک شیخ بنتا ہے۔

☆ اور سینکڑوں شیوخ جمع ہوں تو تب کہیں جا کر ایک عام "مجتہد" تیار ہوگا۔

☆ اور اگر کئی مجتہد یکجا ہوں تو تب کہیں ایک ''مجتہد مطلق یا امام'' معرض وجود میں آئے گا۔

اب اس سے مراتب علم اور فوقیت کا اندازہ کر لیجئے پس آئمہ اور فقہاء کے بلند و بالا اور وہم و گمان سے برتر مقام پر نظر رکھتے ہوئے انصاف کیجئے کیا ہر کس ناکس بھلا ان کے مراتب عالیہ اور درجات رفیعہ تک کیسے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی کسی کو زیبا اور مناسب نہیں کہ ان کے باریک اور مخفی مسائل اور ماخذِ استدلال کو سرسری اور سطحی نظر سے سمجھ سکے چہ جائیکہ ان پر زبان طعن اور انہیں موردِ الزام ٹھہرائے پس اس کے لئے یہی غنیمت ہے کہ ان کے اخذ کردہ نتائج پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا مجتہد کی گفتار اور اس کی روش استدلالی کو سمجھنا ہی بڑی غنیمت اور خوش بختی ہے۔

اس کلام سے یہ بھی بخوبی معلوم ہو گیا کہ زمانہ حال میں ایک معمولی سمجھ رکھنے والے اور ادنیٰ پڑھے لکھے کو کئی سطریں بڑے بڑے چوٹی کے القاب و اسماء سے نوازنا کہاں کی دانشمندی اور خدمت علم و دین ہے بلکہ علم و دیانت کے ساتھ سراسر بے انصافی اور انتہائی جو اللہ تعالیٰ کے حضور کبھی معاف نہیں ہوگا لہٰذا سوچ کر قدم رکھنا چاہئے۔

فائدہ عربیہ

یہاں جو لفظ مشائخ استعمال کیا گیا بلکہ اس کے علاوہ اس کتاب منیہ یا دوسری کتب فقہ میں اس کا ورود ان لوگوں کے لئے کیا گیا ہے جو قانون فقہ میں اچھی خاصی دسترس اور مہارت تامہ رکھتے ہیں اور اجتہاد کے مختلف مراتب و درجات میں سے کسی نہ کسی درجہ پر فائز ہیں اور کسی ایک فقہی مسئلہ پر اتفاقِ رائے رکھتے ہیں۔

دوسری بات...... یہ بھی اساتذہ سے منقول ہے کہ اگر کتب فقہ میں لفظ شیخ آئے تو اس سے امام ابو حنیفہ اور قاضی امام ابو یوسف مراد ہیں اور اگر علم کلام میں آئے تو امام ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی مراد ہیں۔ اگر کتب منطق و فلسفہ میں آئے تو شیخ ابو نصر فارابی اور شیخ ابو علی سینا مراد ہیں۔ اگر کتب عربیہ و بلاغت میں آئے تو شیخ عبد القاهر جرجانی اور اس کے دوسرے ہمنوا مراد ہیں۔ اگر کتب حدیث میں آئے تو بخاری اور مسلم مراد ہیں۔ اور اس مراد کا صرف اتنا ہی مفہوم ہے اکثر یہی مراد لئے جاتے ہیں لہٰذا کبھی دوسرے حضرات مراد ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ قاعدہ مذکورہ اکثر یہ ہے کہ کلیہ نہیں تاکہ کہیں خلاف سے اس پر زد پڑے۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ''شیخ القرآن اور شیخ الحدیث'' کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا ماہر اور ان کے معانی میں تجربہ اور مہارت رکھنے والا۔ اس لئے کہ اگر کسی علم اور فن کی طرف اس لفظ کی نسبت ہو تو ماہر فن مراد ہوتا ہے۔ نہ کے کچھ اور۔

۶: **طلوع الفجر** ... صبح چڑھنا۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ صبح کاذب ۲۔ صبح صادق۔ یہاں دوسری مراد ہے کیونکہ وقت کا تعین اسی سے ہوتا ہے نہ کہ اول سے۔ اور دونوں کی الگ الگ تعریف ہے چنانچہ صبح کاذب کی یہ تعریف ہے کہ: **و هو البياض المستطيل الذى يبدو فى الافق طولاً و يكون بعده ظلمة . و الثانى هو البياض المعترض فى الافق** (اھ) حواشی کنز وغیرہ

۷: **ينوب من النيابة** ... یعنی وہ قائم مقام ہو۔ ۸: **الاصح** ... زیادہ صحیح۔ ۹: **صلوة مطلقة** ... وہ نماز جس میں کسی وصف کی قید نہ ہو جیسے فرض، واجب اور سنت وغیرہ۔ ۱۰: **المختار** ... پسندیدہ قول۔ ۱۱: **وتر** ... طاق یہ جفت کا مقابل ہے جو عدد برابر تقسیم ہو جیسے چار، چھ، آٹھ وغیرہ اسے جفت کہتے ہیں۔ اور جو برابر تقسیم نہ ہو سکے بلکہ اس کی تقسیم میں کسر واقع ہو اسے عدد طاق کہتے ہیں جیسے ۳، ۵، ۷ وغیرہ

۔یہاں وتر سے ایک مخصوص نماز مراد ہے جو حنفیہ کے نزدیک تین رکعت دو قعدوں اور ایک سلام سے ادا کی جاتی ہے۔۱۲: یعید ... وہ لوٹائے۔اس کا مصدر " اعادۃ " ہے بمعنی لوٹانا۔۱۳: ترویحۃ ... اس کا تثنیہ ترویحتان ہے یعنی دو ترویح۔اور اس کی جمع تراویح ہے ۔نماز تراویح کی چار رکعات کو ترویحۃ کہا جاتا ہے۔اس لئے کہ ترویحہ کے معنی ہیں آرام کرنا اور راحت پانا چونکہ ہر چار رکعات کے بعد نمازی کچھ دیر کے لئے وقفہ کر کے آرام کرتے ہیں اس لئے اس کو ترویحہ کہا جاتا ہے۔۱۴: استراحۃ ... آرام کرنا، راحت طلب کرنا ۔۱۵: استراح ... اس نے آرام طلب کیا۔استراحت، مصدر کی ماضی ہے۔۱۶: تعدیل ... عدل کرنا۔باب تفعیل کا مصدر ہے یعنی آرام واطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر قرأت کرنا۔۱۷: شکوا ... یعنی نمازیوں نے شک کیا اور انھیں تردد ہوا۔

تشریح

آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ مطلق نفل یا مطلق صلوٰۃ کی نیت سے کیا سنت ادا ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ بعض متقدمین کے نزدیک جائز نہیں۔امام صاحب کا قول یہی ہے۔لیکن عام متاخرین اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صلوٰۃ اللیل کی نیت سے نماز پڑھے پھر فراغت کے بعد اسے معلوم ہو کہ صبح طلوع ہوگئی ہے تو اس میں اکثر متاخرین کا فیصلہ یہ ہے کہ ادا کردہ دو رکعت صبح کی سنت ہو جائیں گی۔ چنانچہ صاحبین کا یہی قول ہے بلکہ ہمارے تمام آئمہ سے یہی ظاہر روایت منقول ہے۔ جبکہ پہلی روایت امام صاحب سے غیر ظاہر روایت ہونے کے علاوہ شاذ ہے۔(اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ اللیل کی نیت سے نماز سنت ہو سکتی ہے) اگر صورت مذکورہ میں کسی شخص کو صبح طلوع ہونے میں شک ہو جائے تو پھر ادا کردہ دو رکعت صبح کی سنت کے قائم مقام نہ ہوں گی۔اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔کیونکہ یقین شک سے ساقط نہیں ہوتا۔اور اگر کسی نے نماز تراویح میں مطلق صلوٰۃ کی نیت کی یعنی اسے کسی صفت کے ساتھ معین نہ کیا، یعنی سنت نفل کی کوئی قید نہ لگائی تو بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت جائز نہیں۔چنانچہ امام قاضی خان نے اسی کو اختیار کیا ہے۔لیکن صاحب ہدایہ نے جواز کے قول کو اختیار کیا ہے۔اور یہی مختار ہے۔

نماز تراویح کے وقت کا تعین

تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے خواہ نماز وتر سے پہلے ہو یا بعد ہو۔لہذا نماز عشاء سے پہلے نماز تراویح پڑھنا جائز نہیں۔اور پسندیدہ قول ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تراویح ایک ایسی نماز ہے جو عشاء کے بعد مشروع ہے لہذا سنتِ عشاء کی طرح نماز عشاء کے تابع ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ پوری رات نمازِ تراویح کا وقت ہے۔تیسرا قول اس کا وقت عشاء اور وتر کے درمیان ہے نمازِ وتر کے بعد جائز نہیں۔اور صحیح قول پہلا ہے۔

ادائیگی تراویح کا بیان

و لو صلى العشاء بامام و صلى التراويح و الوتر بامام اٰخر ثم علم ان الامام الاول قد صلى العشاء على غير وضوء يعيد العشاء و التراويح و ان فاتته ترويحة او ترويحتان ذكر في الذخيرة اختلف المشائخ في زماننا قال بعضهم يوتر مع الامام ثم يقضي و قال

بعضهم يصلي التراويح المتروكة ثم يوتر و اما الاستراحة فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة فان استراح على خمس تسليمات قال بعضهم لا باس به و قال اكثر المشائخ لا يستحب و الافضل تعديل القراء ة بين التسليمات و ان صلى قاعدا بغير عذر جاز من غير كراهة و ان كان الامام قاعدا بغير العذر و القوم قائمين جاز و لا يستحب و لو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة و قد قعد على رأس كل ركعتين جاز و لا يكره لانه اكمل ذكره في المحيط و ان شكوا انهم صلوا تسع تسليمات او عشر تسليمات ففيه اختلاف و الصحيح انهم يصلون بتسليمة اخرى فرادى

ترجمہ......اگر کسی شخص نے نماز عشاء ایک امام کے پیچھے پڑھی اور نماز وتر اور تراویح دوسرے امام کے پیچھے۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ پہلے امام نے نماز عشاء بے وضو پڑھائی تو اس صورت میں وہ شخص نماز عشاء اور تراویح دونوں کو لوٹائے۔ اور اگر کسی کی چار رکعت یا آٹھ رکعتیں (ایک ترا ویحہ یا دو ترویحے) فوت ہوگئیں تو (اس صورت کے متعلق) ذخیرہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے کے مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض نے فرمایا کہ شخص مذکور پہلے امام کے ساتھ نماز وتر ادا کرے پھر متروکہ تراویح پڑھے۔ لیکن بعض نے کہا کہ جو تراویح رہ گئیں وہ پہلے پڑھے پھر نماز وتر ادا کرے۔

نماز تراویح میں کب وقفہ کرے......رہی بات یہ کہ نماز تراویح میں وقفہ استراحت کب ہو تو (اس کے متعلق مصنف فرماتے ہیں کہ) نمازی دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے۔ اگر کسی نے پانچ سلاموں پر استراحت کی تو بعض نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ اس طرح کرنا مستحب نہیں۔ امام کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ سلاموں کے درمیان ٹھہرتے ہوئے آرام سے قراءت کرے۔ اگر بغیر کسی عذر بیٹھ کر پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھا ہو تو اس کے پیچھے لوگ کھڑے ہوں تو جائز ہے لیکن ایسا کرنا مستحب نہیں۔ اور اگر ساری تراویح ایک سلام سے پڑھے لیکن ہر دو رکعت کے سرے پر بیٹھے تو جائز ہے۔ اور یہ صورت مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں نماز زیادہ کامل ہوئی۔ چنانچہ "المحیط" میں اس کو بیان فرمایا۔ اور اگر لوگوں کو اس میں شک ہو گیا کہ انھوں نے نو مرتبہ سلام پھیرا ہے یا دس مرتبہ تو اس صورت میں اگر چہ فقہائے کرام کا اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ لوگ ایک اور سلام کے لئے تنہا تنہا نماز پڑھیں)۔

چند الفاظ کی وضاحت

۱: وِتر ... طاق، یہاں اس سے مراد ایک مخصوص نماز ہے۔ ۲: یُعید ... لوٹائے۔ ۳: فاتت ... وہ چیز فوت ہوگئی یا رہ گئی۔ ۴: یوتر ... نماز وتر پڑھے۔ ۵: استراحت ... آرام کرنا۔ ۶: ترويحة ... نماز تراویح کی چار رکعتیں۔ ۷: استراح ... اس نے آرام کیا۔ ۸: تعديل القراءة ... آرام اور اطمینان سے قراءت کرنا۔ ۹: شکّ ... انھوں نے شک کیا۔ ۱۰: فرادیٰ ... تنہا تنہا ہونا۔

تشریح

پہلا مسئلہ......اس مسئلہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ماہِ رمضان میں دو اماموں کے پیچھے نماز پڑھی تو ایک نے نماز عشاء پڑھائی دوسرے نے نماز تراویح اور وتر پڑھائے۔ فراغت کے بعد نمازی کو کسی نہ کسی طریقے سے یہ علم ہوگیا کہ نماز عشاء نہیں ہوئی یا اس لئے کہ امام نے بے وضو پڑھائی یا کسی اور وجہ سے، تو اس صورت میں نماز عشاء اور تراویح دونوں دوبارہ پڑھی جائے۔ تراویح کے دوبارہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت عشاء کی طرح عشاء کے تابع ہے رہی نماز وتر تو امام صاحب کے نزدیک اس کا اعادہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز وتر عشاء کے تابع نہیں بلکہ ایک مستقل نماز ہے۔ رہی بات کہ نماز عشاء نماز وتر سے پہلے پڑھی جاتی ہے تو اس کی وجہ دونوں میں ترتیب ہے ایک کا دوسرے کے تابع ہونا نہیں۔ لہٰذا اگر ترتیب ساقط ہو جائے اور نماز عشاء میں فساد پیدا ہو جائے تو صرف نماز عشاء کا اعادہ ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص نے نماز ظہر اور عصر پڑھی پھر اسے معلوم ہوا کہ نماز ظہر نہیں ہوئی تو اس صورت میں وہ صرف ظہر قضا کرے گا نہ کہ عصر۔ ہاں البتہ صاحبین کے نزدیک نماز عشاء کے ساتھ نماز وتر کا بھی اعادہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک وتر عشاء کے تابع ہیں۔

دوسرا مسئلہ......کیا نماز تراویح نماز وتر کے بعد ہو سکتی ہے؟

اس کے متعلق مصنف نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کا ایک ترویحہ یا دو ترویحے یعنی چار یا دس سے زائد رکعات تراویح کی امام کے ساتھ رہ جائیں تو ان کے قضا کی کیا صورت ہے۔ کیا وتر سے پہلے قضا ہوگی یا ان کے بعد۔ تو کتاب الذخیرہ میں اس کا یہ جواب دیا کہ اس میں ہمارے زمانے کے مشائخ کا اختلاف ہے کچھ تو کہتے ہیں کہ وتروں کی جماعت میں شامل ہو جائے۔ پھر بعد میں قضا شدہ تراویح ادا کرے۔ لیکن بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ پہلے متروکہ تراویح پڑھے اور پھر وتر ادا کرے۔ خلاصہ کلام: پہلی صورت میں تراویح کو نماز وتر کے تابع نہیں کیا گیا۔ بلکہ نماز وتر کے بعد بھی ان کا پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ مسئلہ اولیٰ پر مبنی ہے کہ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے۔ خواہ نماز وتر سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ اور دوسرا مسئلہ اس قاعدے پر مبنی ہے کہ نماز تراویح کا وقت عشاء اور وتر کے درمیان ہے۔ لہٰذا تراویح نماز مکمل ہونے سے پہلے وتر جائز نہیں۔

تیسرا مسئلہ......نماز تراویح کی کتنی رکعات کے بعد وقفہ کرنا چاہئے؟

جب نمازی پوری چار رکعات ادا کرنے سے فارغ ہو جائے تو اتنی دیر وقفہ کرے اس وقفہ میں اسے اختیار ہے خواہ خاموش بیٹھا رہے یا تسبیحات تراویح پڑھے۔ یا کلمے شریف کا ذکر کرے۔ یا تلاوت قرآن مجید کرے یا انفرادی طور پر نماز نفل پڑھے۔ اور اتنی دیر انتظار کرنا اہل حرمین کی عادت کی وجہ سے مستحب ہے۔ چنانچہ اہل مکہ کی عادت یہ ہے کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کرتے ہیں اور دوگانہ طواف ادا کرتے ہیں۔ اور اہل مدینہ کا معمول ہے کہ وہ اس وقفہ میں چار رکعات نوافل ادا کرتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ......اگر دس رکعتوں کے بعد پانچ سلاموں پر وقفہ کرے تو بعض مشائخ کے نزدیک کوئی حرج نہیں لیکن اکثر مشائخ کا ارشاد ہے کہ یہ مستحب نہیں۔ یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لئے کہ جو کام عبادت میں شامل نہ ہو اس کو شامل عبادت کرنا مکروہ ہے۔ علامہ حلبی صغیری میں لکھتے ہیں کہ بعض ناسمجھ لوگوں نے جو یہ طریقہ ایجاد کر رکھا ہے کہ دو رکعت تراویح پڑھنے کے بعد انفرادی طور پر دو رکعت نوافل پڑھتے ہیں تو ان کا ایسا کرنا یقیناً بدعت ہے۔ کیونکہ اس میں امام اور صف کی مخالفت لازم آتی ہے۔

پانچواں مسئلہ...... تراویح پڑھنے والے کو دو رکعتوں میں مساوی طور پر قراءۃ کرنی چاہئے اور یہی تعدیل قراءت ہے تا کہ ایک رکعت دوسری سے زیادہ لمبی نہ ہو۔ اور امام کے لئے ایسا کرنا افضل ہے تا کہ قلب میں تشویش پیدا نہ ہو۔

چھٹا مسئلہ...... اگر بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر تراویح پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر امام بغیر عذر بیٹھ جائے اور لوگ کھڑے ہوں تو یہ بھی بلا کراہت جائز ہے لیکن مستحب نہیں۔

ساتواں مسئلہ...... اگر ساری تراویح ایک سلام سے پڑھ ڈالے، بشرطیکہ دو رکعت پڑھنے کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھے تو جائز ہے۔ اور امام صاحب کے مذہب کے مطابق صحیح ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک اس صورت میں صرف ایک سلام یا دو رکعتیں ہوں گی۔ اور ظاہر روایت کے مطابق چار سلام یعنی آٹھ رکعات ہوں گی۔ اور مصنف کا یہ کہنا کہ صورت مذکورہ مکروہ نہیں۔ بلکہ اس میں تکمیل ہے تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ محیط میں اس کے خلاف مذکور ہے۔ کہ یہ صورت مکروہ ہے۔ اس لئے کہ صرف تکلیف اور مشقت میں کمال نہیں جب تک کہ اتباع نہ ہو۔

مسئلہ...... اگر ایک آدمی سلام کی صورت میں تشہد کی مقدار دو رکعت پڑھنے پر نہ بیٹھے تو امام صاحب کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ صرف دو رکعتیں ہوں گی۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اصلاً نماز نہ ہوگی بلکہ فاسد ہوگی۔

آٹھواں مسئلہ...... اگر امام اور لوگوں کو اس میں شک ہو گیا کہ آیا انھوں نے نو سلاموں کے ساتھ اٹھارہ رکعت پڑھی ہیں یا دس سلاموں کے ساتھ ۲۰ رکعت تو اس صورت میں مشائخ میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ دو اور رکعت پڑھ لی جائیں جبکہ بعض کا خیال یہ ہے کہ مزید دو رکعت نہ پڑھی جائیں۔ تا کہ نماز تراویح میں مزید جماعت کی زیادت نہ ہو۔ لیکن مصنف کے قول کے مطابق صحیح یہ ہے کہ دو مزید رکعتیں پڑھی جائیں یعنی ایک سلام کا اضافہ کیا جائے لیکن یہ دو رکعتیں انفرادی طور پر لوگ پڑھیں تا کہ یقیناً تراویح کی تکمیل ہو جائے۔ اور زائد نوافل کی جماعت بھی لازم نہیں آئے۔

تراویح میں مقدار قرأت اور نابالغ کی امامت کا بیان

و ذكر في الملتقط يقرأ في التراويح مقدار ما لا يؤدّي الٰى تنفير القوم و في الفتاوى و يقرأ في كل ركعة ثلثين اية حتى يقع به الختم ثلٰث مرات و قال بعضهم يقرأ في كل ركعة عشر ايات و هو الصحيح و به يحصل السنة و هو الختم مرة واحدة و لو ام في التراويح ثم اقتدىٰ بـاٰخر في تلك الليلة لا يكره له و اذا بلغ الصبي عشر سنين فام البالغين في التراويح يجوز و ذكر في بعض الفتاوى انه لا يجوز و هو المختار و ان صلى اربع ركعات بتسليمة واحد ة و لم يقعد على رأس الركعتين يجزى عن تسليمة واحدة و هو المختار و اذا فرغ من التشهد ينظر ان علم انه يثقل القوم لا يزيد الدعوات الماثورة و لو تذكر تسليمة بعد الوتر قال ابو بكر محمد بن الفضل لا

یصلون بجماعة و قال الصدر الشهید یجوز ان یصلی بالجماعة و لو سلم الامام علی رأس رکعة ساهیا فی الشفع الاول ثم صلی ما بقی علی وجهها قال مشائخ بخاریٰ یقضی الشفع الاول و قال مشائخ سمرقند علیه قضاء الکل

ترجمہ......(تراویح میں کتنی مقدار قراءت کی جائے): ملتقط میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز تراویح میں اتنی مقدار قرأت کرے کہ جس سے لوگوں میں نفرت پیدا نہ ہو۔ (۱) اور فتاویٰ میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھے۔ تا کہ تین مرتبہ قرآن مجید ختم ہو جائے۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھے اور یہی صحیح ہے۔ اور اس سے سنت حاصل ہو جائے گی اور وہ ایک مرتبہ ختمِ قرآن ہے۔ (۲)۔ اور کسی نے نماز تراویح میں امامت کرائی اور پھر اسی رات کسی دوسرے کی اقتداء کی تو یہ مکروہ نہیں۔ (۳)۔ جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو بالغ لوگوں کی نماز تراویح میں امامت کرائے تو جائز ہے۔ لیکن فتاویٰ میں ذکر کیا گیا کہ یہ جائز نہیں اور یہی پسندیدہ قول ہے۔ (۴)۔ اگر کسی نے ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھیں اور دو رکعت کے آخر میں نہ بیٹھا تو یہ صرف ایک سلام شمار ہوگا یعنی دو رکعت ہوں گی اور یہی پسندیدہ قول ہے (۵)۔ اور جب امام تشہد پڑھنے سے فارغ ہو جائے یعنی عَبْدُہٗ و رَسُوْلُہٗ تک پڑھ چکے تو غور کرے (یعنی طویل دعائیں پڑھنے میں) اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس طرح کرنا لوگوں پر گراں ہوگا تو منقولہ دعاؤں میں اضافہ نہ کرے (۶)۔ اگر نمازِ وتر کے بعد اسے دو رکعت یاد آئیں تو مشائخ کا اختلاف ہے۔ ابو بکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ مزید جماعت کے ساتھ کچھ نہ پڑھے۔ اور صدر الشہید نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جماعت سے پڑھ لیں (۷)۔ اگر امام نے بھول کر ایک رکعت کے سرے پر پہلی دو رکعتوں میں سلام پھیر دیا پھر باقی ماندہ نے کو اپنے طریقے پر پڑھا تو مشائخ بخاریٰ نے فرمایا کہ پہلی دو رکعتوں کی قضا کرے۔ لیکن مشائخ سمرقند نے فرمایا کہ اس پر سب کی قضا لازم ہے۔

چند الفاظ واردہ کی وضاحت

۱:الملتقط ... یہ احناف کا گرانمایہ اور قابل قدر فتاویٰ ہے جو امام ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ نے مسائل فتاویٰ میں جمع کیا ہے۔ (کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۱۸۱۳) ناصر الدین بن یوسف ابو القاسم الشهید الحسینی السمر قندی امام عظیم القدر قوی العلم اوحد اوانه فی الادب ، مجتهد زمانه له تصنیفات کثیرة المنافع (الیٰ ان قال) عند ذکر الملتقط فی الفتاویٰ للامام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف الحسینی السمر قندی المتوفی سنة ست و خمسین خمسمائة (۵۵۶). و فی طبقات القاری محمد بن یوسف العلوی ابو القاسم السمر قندی عالم بالتفسیر و الحدیث و الفقه و الوعظ مات سنة ست و خمسین و خمسمائة و قیل قُتل صبراً بسمر قند و کان یبسط لسانه فی حق الآئمة و العلماء و هو صاحب النافع (المراد به الکتاب) (۵۱) (قال الجامع) اسمه محمد بن یوسف کما صرح به صاحب الکشف فی مواضع لکن قد وقع من الاختلاف فی تاریخ وفاته. و ذکر اقوالاً مختلفةً فی تاریخ وفاته منها سنة ست و خمسین و ستمائة. (۶۵۶) (۵۵۶) (ولد ۱۲۶۴ھ توفی ۱۳۰۴ھ) (الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة ص ۲۲۰ لمولانا عبد الحی اللکهنوی -

۲: تنفیر ... مصدر باب تفعیل، نفرت کرنا۔ دل برداشتہ ہونا۔، ۳: یؤدی ... ادا کرنا، وہ پہنچائے۔۴: ثلاث مرات ... تین مرتبہ۔۵: عشر آیات ... دس آیتیں۔۶: امّ ... اس نے امامت کرائی۔، ۷: اقتدیٰ ... اس نے اقتداء کی۔۸: الصبی ... بچہ یعنی نابالغ بچہ۔، ۹: البالغین ... حد بلوغ تک پہنچنے والے جس کی حد ۱۵ یا ۱۸ سال ہے۔۱۰: تسلیمۃ واحدۃ ... ایک سلام، اس سے دو رکعت مراد ہیں اس لئے کہ ایک رکعت عندالاحناف زمرۂ نماز میں شامل نہیں۔۱۱: یثقل ... ثِقل، بوجھ مراد یہ ہے کہ لوگ طویل دعاؤں کو بوجھ سمجھیں اور برداشت نہ کریں۔۱۲: دعوات ماثورۃ ... منقولہ دعائیں جو کتاب وسنت میں وارد ہوئیں ہیں۔۱۳: تذکر ... اس نے یاد کیا۔۱۴: ساھی بھولنے والا، سہو سے بنا ہے۔۱۵: شفع ... جفت، دو رکعت۔۱۶: قضاء الکل ... سب کی قضا، یعنی پہلی اور پچھلی رکعات کی قضا کرے۔

(۱) مفہوم یہ ہے کہ نماز تراویح میں اتنی طویل قراءت نہ کرے کہ نمازی دل برداشتہ ہو جائیں اور جماعت میں شامل ہونے سے بیزار ہو جائیں لہذا یہ انداز اور طرزِ عمل ٹھیک نہیں چنانچہ بعض نے کہا کہ نماز مغرب کی مقدار مختصر قراءت کرے۔ وجہ یہ کہ نوافل فرائض سے اخف (زیادہ ہلکے) ہیں لہذا ان میں زیادہ خفیف فرائض کا لحاظ اور اعتبار کیا جائے گا اور وہ فرائض مغرب ہیں پس ان کے مطابق مختصر قراءت کرے۔

قال قاضی خان: ھنا غیر صحیح لان بھذا القدر لا یحصل الختم و الختم فی التراویح مرۃ واحدۃ سنۃ کذا قال الصدر الشھید

یعنی یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے نماز تراویح میں ایک دفعہ ختم قرآن مجید نہ ہوگا۔ حالانکہ ایک دفعہ ختم قرآن مجید سنت ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز عشاء کی طرح قراءت کرے کیونکہ تراویح نماز عشاء کے تابع ہیں۔ لیکن فتاوی میں بعض اہل علم سے نقل کیا گیا ہے۔ ہر رکعت میں تیس آیات پڑھے تا کہ تین مرتبہ قرآن مجید پڑھ جا سکے۔ اور بعض نے کہا ہے اور امام حسن بن زیاد کی امام صاحب سے ایک روایت ہے) ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھے اور یہی صحیح ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس صورت میں تخفیف قراءت بھی اور ایک ختم قرآن مجید بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تراویح کی مجموعی رکعات چھ سو ہیں۔ اور قرآن مجید کی مجموعی آیات چھ ہزار سے کچھ اوپر (لہذا دس آیات ہر رکعت میں پڑھنے سے ایک مرتبہ ختم ہو جائے گا)

نوٹ ...... کبیری میں ہے:

فلا یخفیٰ ما فی المتن من التامل و لعلّ لفظ الثلاثین وقع سھواً من الکاتب انما ھو عشر آیات فان ظاھر قولہ حتی یقع بہ الختم یدل علیہ والا فوقوع الختم لیس موقوفاً علی قراۃ الثلاثین لحصولہ بالعشر (اھ)

چند ضروری مسائل

۱- ایک دفعہ ختم قرآن نماز تراویح میں سنت ہے لہذا لوگوں کی سستی اور غفلت کی وجہ سے نہ چھوڑا جائے۔ (ھدایہ ودیگر کتب)

۲- اگر کسی محلہ کا امام ختم قرآن نہ کرے تو کسی دوسری مسجد میں چلا جائے۔

۳- رمضان شریف کی ستائیسویں ۲۷ رات، ختم قرآن مجید مستحب ہے۔

۴- اگر ختم قرآن مجید کے بعد کچھ دن (رمضان شریف کے) رہ جائیں تو اب کیا کرے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اب تراویح پڑھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کی مشروعیت صرف ختم قرآن مجید کے لئے تھی۔ اور جب وہ ہو گیا تو اب تراویح کی ضرورت نہ رہی لیکن بعض کا خیال ہے کہ ختم شریف کے بعد بھی نماز تراویح پڑھے۔ البتہ ان میں جس قدر قرآن مجید پڑھ سکے پڑھے۔ (یعنی تلاوت میں اس پر کوئی پابندی اور قید نہیں)

۵- کیا امام فرائض کے لئے الگ قراءت اور نماز تراویح کے لئے الگ قرأت کرے یا دونوں کو مخلوط کر دے۔ کچھ حصہ فرائض میں پڑھے اور کچھ تراویح میں پڑھے۔ امام ابوبکر اسکاف سے جب یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے درج ذیل جواب دیا۔

جو طریقہ لوگوں کے لیے آسان اور خوش تر ہو وہ اختیار کرے۔ مطلب یہ کہ اس معاملہ میں لوگوں کی رعایت کرے پس اگر وہ الگ الگ قراءت پسند کریں تو اسے اختیار کرے۔ اگر کم وقت صرف ہونے کی وجہ سے اختلاط قراءت چاہیں تو اسے اپنائے۔ اور قوم پر ثقل اور بوجھ نہ ڈالے۔

۶- جب امام تشہد سے فارغ ہو جائے تو مزید آگے بڑھے یا صرف اس پر اکتفاء کرے۔ یہ بھی ان سے پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ اس میں لوگوں کا لحاظ رکھے۔ اگر جانتا ہے کہ اضافہ بر تشہد قوم کو ناگوار اور باعثِ ثقل نہیں تو پھر درود شریف اور استغفار کا اضافہ کرے ورنہ نہیں یعنی نہ کرے۔ لیکن پہلی رکعت کے شروع میں ثناء ضرور پڑھے۔ لیکن ہدایہ کی شروح میں ہے کہ تشہد میں درود شریف نہ چھوڑے یعنی ضرور پڑھے۔

۷- اگر غلطی سے کوئی سورت یا آیت رہ گئی اور اس نے بعد والی آیت پڑھ ڈالی تو درستگی موقع پر اولاً متروکہ آیات پڑھے۔ پھر تلاوت کردہ آیات دوبارہ (اعادہ) پڑھے تاکہ مصحف کی ترتیب کے مطابق قراءت ہو جائے۔

۸- نماز تراویح میں ''خوشخوان'' امام نہ بنایا جائے بلکہ ''درست خوان'' کو امامت کے لئے آگے کیا جائے کیوں؟ اس لئے کہ خوش الحان امام کا دل خشوع، خضوع اور تفکر و تدبر کی بجائے حُسنِ صَوت میں مشغول و مصروف ہوگا اور مقتدیوں پر بھی یہی چیز اثر انداز ہوگی (جو روحِ نماز کے منافی ہے) (لا ینبغی ان یقدم فی التراویح الخوشخوان بل یقدم الدرستخوان) صغیری صفحہ ۲۰۹۔

۹- اگر ایک امام مسجد قرآن مجید غلط اور بگاڑ کر (لحـــان) پڑھتا ہو۔ یا دوسرا مسجد کا امام قراءت میں تخفیف کرتا ہو اور حسن انداز سے پڑھتا ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ یہ شخص دوسری اچھی جگہ چلا جائے۔ (کل منقول از صغیری صفحہ ۲۰۹)

مسئلہ......۲ ایک شخص نے نماز تراویح میں لوگوں کو امامت کرائی۔ پھر فرض میں نوافل کی نیت سے کسی دوسرے شخص کی اقتداء کی تو یہ مکروہ نہیں۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جس نے نماز فرض میں امامت کرائی۔ پھر فرض میں نوافل کی نیت سے کسی دوسرے شخص کی اقتداء کی (تو جس طرح یہ صورت جائز ہے اسی طرح پہلی صورت بھی جائز ہے کیونکہ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ لہٰذا دونوں کا جواز بھی بلاشبہ ہے۔) عدم کراہیۃ کی وجہ یہ ہے کہ نماز تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت اس وقت مکروہ ہوگی جب امام اور مقتدی دونوں نفل پڑھنے والے ہوں اور نوافل کی جماعت بر سبیل تداعی ہو (اگر دونوں یا ایک شرط نہ پائی جائے تو کراہیت نہ ہوگی) اور آئمہ فقہ کے مطابق تداعی یہ ہے کہ تین سے زائد بہت لوگ جمع ہو کر باجماعت نوافل پڑھیں۔ لہذا اگر ایک یا دو آدمی ہوں تو بصورت

جماعت کراہت نہ ہوگی۔اور تین میں مشائخ کا اختلاف ہے اور چار میں بالا تفاق کراہت ہے۔ (الکافی وغیرہ)

مسئلہ......اگر ایک مسجد میں دومرتبہ نماز تراویح کی امامت کرائے یا اگر ایک مسجد میں دومرتبہ مقتدی ہو کر نماز تراویح پڑھے تو کراہت ہوگی۔(مراد یہ ہے کہ ایسا عمل مکروہ ہے جو ٹھیک نہیں) لیکن اگر دو مسجدوں میں ایسا کرے تو اس میں اختلاف بین الآئمہ ہے۔

۳؎ نابالغ بچہ خواہ دس سال کا ہو یا کچھ کم اور زیادہ ہو تو اس کی امامت اور اس کے پیچھے بالغ لوگوں کی اقتداء کرنے کی صحت اور عدم صحت کی بیان کرنا چاہتے ہیں۔اگر نماز فرض ہو تو بالا تفاق نابالغ کی امامت درست نہیں۔ چنانچہ اس پر ہمارے آئمہ کرام کا اتفاق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ فرائض میں عدم بلوغ اور غیر مکلف ہونے کی وجہ سے متنفل ہے لہٰذا اگر فرائض میں اس کی اقتداء کی گئی تو اقتداء مفترض بالمتنفل اور اقتداء قوی بالضعیف لازم آئے جو بلاشبہ نا جائز ہے۔رہا یہ کہ کیا نوافل میں (مثلاً تراویح، نماز سے قبل اور بعد کی سنت راتبہ مؤکدہ، نماز عید، نماز وتر جو اُن دونوں کو واجب قرار دینے کی بجائے سنت قرار دیتے ہیں (یونہی نماز کسوف، خسوف اور نمازِ استسقاء وغیرہ) امامت نابالغ جائز ہے؟ اس میں آئمہ کرام کے دو قول ہیں:

۱۔مشائخ بلخ ۲۔مشائخ ماوراء النہر یعنی مشائخ بخاریٰ اور سمرقند۔پس مشائخ بلخ جائز کہتے ہیں۔اور دوسرے (مشائخ بخاریٰ و سمرقند) وہ اس صورت کو نا جائز قرار دیتے ہیں۔

و قال الحلبی فی الکبیر جوزہ مشائخ بلخ و لم یجوزہ مشائخ ماوراء النھر قال ابو المکارم نقلاً عن الخلاصۃ و بقول مشائخ بلخ نأخذ. وفی النھایۃ الاختلاف راجع الیٰ صلوٰۃ الصبی ھل صلوٰۃ ام لا

یعنی علامہ ابراہیم بن محمد حلبی کبیری شرح منیہ میں فرماتے ہیں کہ مشائخ بلخ نے امامت صبی کو جائز قرار دیا ہے۔جبکہ مشائخ ماوراء النہر نے اس کو نا جائز قرار دیا ہے۔شیخ ابوالمکارم نے خلاصہ کے حوالہ سے فرمایا کہ ہم مشائخ بلخ کا قول لیتے ہیں یعنی ان کے فتویٰ کو اختیار کرتے ہیں۔اور صاحب نہایہ نے فرمایا کہ اختلاف مذکور ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ کیا بچہ کی نماز، درحقیقت نماز ہے یا نہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک وہ نماز ہی نہیں بلکہ اسے تخلقاً نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر مراہقہ (قریب البلوغ لڑکی) بغیر دوپٹہ اوڑھے نماز تو جائز ہے (کیونکہ یہ اخلاقی نماز ہے شرعی نہیں) اور بعض کہتے ہیں کہ صلوٰۃ ابھی صلوٰۃ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مراہق لڑکا دوران نماز قہقہہ لگائے تو اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا جائے گا۔اور بعض نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان مطلق نوافل میں اس اختلاف کو قرار دیا ہے چنانچہ امام ابو یوسف کے نزدیک بالغ شخص نوافل میں نابالغ بچہ کی اقتداء نہیں کرسکتا۔جبکہ امام محمد جواز کے قائل ہیں۔اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ کسی نماز (خواہ فرض ہو یا نفل) میں اقتداء البالغ بالصبی جائز نہیں اس لئے کہ نابالغ کے نوافل، بالغ کے نوافل سے کم درجہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں توڑنے سے بالاجماع قضا لازم نہیں۔اور قوی کی کسی ضعیف پر بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ہاں البتہ کوئی بچہ کسی دوسرے بچہ کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ بچپنے میں دونوں برابر ہیں۔کمافی الھدایۃ وشرح ملتقیٰ۔پہلی بات (جواز) نصیر بن یحییٰ کا قول ہے جب کہ دوسرا (عدم جواز) شمس الآئمہ سرخسی کا اختیار کردہ ہے، اور دلائل وہی سابقہ ہیں۔

۴؎ درمیانی قعدہ نہ کرنے کی وجہ سے شیخین کے نزدیک چار رکعت مذکورہ ایک سلام یعنی صرف دو رکعت شمار ہونگی۔یہی قول مختار اور صحیح ہے۔وجہ یہ ہے کہ نوافل میں ہر قعدہ خواہ پہلا ہی ہو مستقل ہونے کی وجہ سے فرض ہے اور ترکِ فرض مفسد نماز ہے۔لہٰذا آخری دو

رکعت نہ ہوئیں اس لئے چار رکعت دو ہی شمار ہوئیں۔ اور ایک ضعیف قول (مروی بہ قیل) یہ ہے کہ سوائے امام محمد کے باقی دو کے نزدیک دو سلام یعنی چار رکعت شمار ہوئیں۔ اور اگر دو رکعت کے بعد بیٹھا اور تشہد پڑھا تو بالاتفاق دو سلام یعنی چار رکعات ہوئیں۔

فائدہ عجیبہ

کسی مرد کا کسی عورت کی اقتداء کرنا علی الاطلاق جائز نہیں اس لئے کہ عورتوں کو تقدیم (آگے کرنے) کی بجائے پیچھے کرنا بحکمِ حدیث ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم : "اخروھن من حیث اخرھن اللہ"۔ یعنی عورتوں کو پیچھے رکھو جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا۔ اور خنثیٰ مشکل (جس کا مرد اور عورت ہونا واضح نہ ہو) کسی خنثیٰ اور عورت کی اقتداء نہ کرے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ مرد ہو (تو پھر عورت کی اقتداء لازم آئے گی) لیکن قنیہ بروایت ہشام ہے کہ اقتداء خنثیٰ بالخنثیٰ اگرچہ قیاساً ٹھیک نہیں تاہم استحساناً درست ہے۔ ایک سنت پڑھنے والا دوسری سنت پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے، مثلاً سنت نماز پڑھنے والا تراویح پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اور اسی طرح ظہر کی پہلی سنت پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے۔ مثلاً سنت عشاء پڑھنے والا تراویح پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح ظہر کی پہلی سنت پڑھنے والے کی ظہر کی پچھلی سنت پڑھنے والا اقتداء کر سکتا ہے۔ (شرح ملتقی الابحر)

دوسرا مسئلہ...... بالغ مرد اور عورتوں کا کسی غیر بالغ بچہ کی اقتداء کرنا درست نہیں اور اس کے عدم جواز پر حدیث متعارف اور مشہور علی الالسنہ واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رُفِعَ العمل عن ثلاثة عن الصبی حتی یبلغ و عن النائم حتی یستیقظ و عن المجنون حتی یفیق . و یشھد له قول ابن و ابن مسعود (کبیری بر حاشیہ صغیری) کما ذکر فی الکتب۔

۵ مفہوم یہ ہے کہ اگر امام جانتا ہے کہ تشہد پڑھنے کے بعد اگر دعائیں پڑھنے میں اضافہ کیا تو لوگوں پر ناگوار اور ثقیل ہوگا تو مزید دعائیں نہ پڑھے اگرچہ وہ منقولہ و مرویہ دعائیں ہوں۔ پس مصنف علیہ الرحمہ نے اس طرح ذکر کرنے سے اشارہ کیا ہے کہ درود شریف ضرور پڑھے لیکن صرف اسی قدر کہنے پر اکتفاء کرے اللّٰھم صل علی محمد و علیٰ آل محمد کیونکہ امام شافعی کے نزدیک اسی قدر فرض اور ہمارے نزدیک بھی اسی قدر سے سنت ادا ہو جائے گی۔

۶ اگر نماز وتر پڑھ لینے کے بعد لوگوں کو خیال اور یاد آیا کہ دو رکعت تراویح رہ گئیں ہیں تو اب کیا کریں۔ مشائخ حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ شیخ ابو بکر محمد بن فضل کے نزدیک یہ متروکہ دو رکعت تراویح با جماعت نہ پڑھیں کیونکہ یہ اپنے محل سے فوت ہو گئی۔ اور تراویح کی جماعت اپنے محل میں مشروع ہے (ہاں اگر انفرادی طور پر پڑھیں تو گنجائش ہے) لیکن صدر الشہید نے فرمایا کہ اس موقع پر اس دوگانہ کو با جماعت پڑھنے کی گنجائش اور جواز موجود ہے کیونکہ اس کا وقت موجود ہے اس لئے کہ پوری رات اس کا وقت ہے خواہ نماز وتر پہلے ہو یا بعد یہی مختار ہے۔ اور " یجوز ان یقال " کے اضافہ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس میں آئمہ کرام سے کوئی روایت مروی نہیں بایں وجہ یہ شاذ ہے مگر متاخرین نے اس کو اختیار کیا ہے لہٰذا یہ قول اظہر اور مختار ہے۔ حیث قال الحلبی فی الشرحین قول الصدر الشھید اظھر لانه بناء علی القول المختار فی وقتھا۔ (صفحہ ۲۱۰ صغیری و کبیری بر حاشیہ)

۷ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی امام نے دو رکعت نماز تراویح پڑھتے ہوئے ایک رکعت پر بھول کر سلام پھیر دیا اور باقی نماز حسب

دستور پڑھتا رہا (لیکن اس شفع مذکور کا اعادہ نہ کیا) تو اس میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ مشائخ بخاریٰ فرماتے ہیں کہ صرف شفع اول کی قضا ہے۔ باقی نماز ٹھیک ہوگئی ہے لہذا صرف اسی میں فساد پیدا ہوا۔ اور یہ فساد بعد والی نماز پر اثر انداز نہیں ہوا لہذا فقط اسی کو دوبارہ پڑھے۔ لیکن مشائخ سمرقند کا فیصلہ یہ ہے کہ پوری نماز کی قضا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شفع اول کی پہلی رکعت میں جو سہواً سلام پھیرا گیا وہ تمام اشفاع (دو، دو رکعت) پر اثر انداز ہوا لہذا ساری نماز میں حرمت پیدا ہوگئی۔ اور ہر شفع کے سرے پر ترک قعدہ اور اوساط پر قعدہ لازم آیا جس کی وجہ سے پوری نماز فاسد ہوگئی لہذا سب کا اعادہ کرے۔

مصنف علیہ الرحمہ نے اس صورت میں (سلام بالسہو کی) قید لگائی اس لئے کہ اگر سلام دانستہ (عمداً) پھیرا یا سلام بالسہو کے بعد کوئی کام منافی نماز کیا ہو (جیسے کلام وغیرہ) تو اس صورت میں صرف شفع اولی کی اجماعاً ہوگی کیونکہ باقی نماز درست ہوگئی لہذا اس میں کوئی نقص ورخرابی پیدا نہیں ہوئی۔ اور اس سے ایک مزید بات معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ امام کو پوری نماز کی تکمیل تک یہ یاد نہ آئے کہ اس نے شفع اول یں سہواً سلام پھیر دیا تھا لیکن اگر اسے یہ علم ہو جائے کہ اس نے رکعت اول میں سہواً سلام پھیر دیا تھا تو پھر اس صورت میں پہلی دو رکعتوں کے علاوہ باقی ساری نماز ٹھیک ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں امام کا سلام پھیرنا عمداً ہوگا نہ کہ سہواً۔ تا کہ خرابی پیدا ہو یہ ہے مصنف علیہ لرحمۃ کے کلام کی تشریح جو علامہ حلبی کی دونوں چھوٹی اور بڑی شرح سے مستفاد اور معلوم ہوئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصــــواب

چند ضروری مسائل

علامہ حلبی نے احکام مذکورہ بیان کرنے کے بعد فروع کے عنوان سے یہاں نماز وتر اور تراویح کے چند مسائل ذکر فرمائے ہیں۔ یہاں ہم انہیں ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱- اگر کسی شخص سے چند رکعات تراویح رہ جائیں اور امام نماز وتر پڑھانے کھڑا ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ یہ جماعت وتر میں شامل ہو جائے اور بعد میں متروکہ تراویح پڑھ ڈالے۔

۲- اگر نماز عشاء باجماعت امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوئی ہو البتہ تنہا پڑھ لی ہو تو پھر تراویح اور نماز وتر میں امام کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں تو تراویح اور نماز وتر میں شامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ پہلی بات صحیح ہے۔

۳- اگر لوگوں نے نماز عشاء کی جماعت چھوڑ دی ہو تو ان کے لئے باجماعت تراویح پڑھنا جائز نہیں۔

۴- بغیر مجبوری نماز تراویح بیٹھ کر نہ پڑھے لیکن اگر اس طرح کر لیا تو جائز مع الکراہت ہے۔

۵- اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو پچھلے کھڑے ہو کر پڑھیں تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک ٹھیک نہیں۔

۶- نمازیوں کے لئے یہ کام مکروہ ہے کہ امام کی قراءت کے وقت بیٹھے رہیں۔ اور جب وہ رکوع میں جانا چاہے تو وہ اس میں شامل ہو جائیں۔ یہ انداز اور طریقہ اچھا نہیں ہے۔ اور غلبۂ نیند کے وقت بھی نماز نہ پڑھے۔ جب تک کہ ٹھیک بیدار نہ ہو۔

۷- اگر کسی کو یہ خیال ہوا کہ امام نماز تراویح پڑھا رہا ہے تو یہ اس کے ساتھ شامل ہو گیا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ نماز وتر پڑھا رہا ہے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ امام کے ساتھ تین رکعات پوری کرے پھر چوتھی رکعت بعد میں اٹھ کر پڑھے۔ اور اگر اس نے انہیں فاسد کر دیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔

وتر کا بیان

و الوتر ثلٰث ركعات يقرأ الفاتحة و السورة في جميع ركعاتها و يقنت في الثالثة قبل الركوع في جميع السنة خلافا للشافعي رحمه الله و لا يصلي بجماعة الا في رمضان و المسبوق يقنت مع الامام و لا يقنت بعدها و ان شك انه في الثانية او الثالثة يقنت مرتين لان تكرار القنوت في موضعه مكروه كما في المسألة الاولىٰ و في المسألة الثانية لم يقع احدهما في موضعه و ذكر في الذخيرة ان قنت في الاولىٰ و في الثانية ساهيا لم يقنت في الثالثة و بينهما فرق و هل يصلي على النبي صلى الله

وسلم فی اخر القنوت ام لا قال الفقیه ابو اللیث یصلی و ذکر فی بعض الفتاوی لا باس بان یصلی و هل یجهر الامام بالقنوت قال محمد بن الفضل یخافت کذا جرت العادة فی مسجد ابی حفص الکبیر البخاری و قال صاحب الذخیرة برهان الدین استحسنوا الجهر فی بلاد العجم لیتعلموا و ذکر فی شرح الاسبیجابی یکون ذالک الجهر دون القراء ة و اما المقتدی فهو مخیّر ان شاء قنت و ان شاء امن و ان شاء سکت کله مروی علی الاختلاف بین ابی یوسف رحمه اللّٰه و محمد رحمه اللّٰه و ان قنت او امّن لا یرفع صوته بالاتفاق

ترجمہ......(نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں اس کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے)
ہمارے نزدیک نماز وتر کی ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہیں۔ اور اس میں دو قعدے ہیں۔ پہلا اور دوسرا۔ اور اس نماز میں مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھے۔ چنانچہ مُسند امام ابوحنیفہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے یہی روایت مذکور ہے۔

ترجمہ......اور پورا سال نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قُنوت پڑھے۔ اور اس نماز کو صرف رمضان شریف میں باجماعت ادا کرے۔ برخلاف امام شافعی کے۔

تشریح......نماز وتر میں ہمارا امام شافعی کے ساتھ دو مقامات میں اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قنوت رکوع سے پہلے ہے جبکہ ان کے نزدیک رکوع کے بعد ہے۔ دوسرا اختلاف کہ ہمارے نزدیک پورا سال نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھی جائے جبکہ امام شافعی کے نزدیک صرف رمضان شریف کے آخر میں قنوت پڑھی جائے۔

فائدہ......عام قنوت جو ہمارے ہاں مروجہ اور متعارفہ ہے کہ سب لوگ اس کو پڑھتے ہیں اس کے عربی کلمات یہ ہیں:
اللّٰهم اِنّا نستعینک و نستغفرک و نشهد بک و نتوب الیک و نؤمن بک و نتوکل علیک و نثنی علیک الخیر کله نشکرک و لا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک اللّٰهم ایاک نعبد و لک نصلی و نسجد الیک و نسعی و نحفد و نرجوا رحمتک و نخشی عذابک ان عذابک بالکفار ملحق –

ترجمہ......اے اللہ! بے شک ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے گناہوں کی آپ سے بخشش چاہتے ہیں اور ہم آپ سے راہِ ہدایت طلب کرتے ہیں۔ اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ پر یقین رکھتے ہیں اور آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور سب بھلائیوں میں آپ کی تعریف کرتے ہیں آپ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ناشکری نہیں کرتے اور جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے ہم اس سے الگ رہتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے۔ لئے نماز پڑھتے ہیں اور

ہم سجدہ کرتے ہیں اور ہم تیری طرف دوڑتے ہیں اور ہم خوشی سے تیری عبادت شروع کرتے ہیں اور ہم تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تیرا عذاب کافروں سے ملنے والا ہے۔

اور مذکورہ دعا کے آخر میں صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النبي و آله و سلم کہہ ڈالے۔ دوسرا قنوت جو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰهم اهدی فیمن هدیت و عافنی فیما عافیت و تولنی فیما تولیت و بارک لی فیما اعطیت و قنی شرّ ما قضیت فانک تقضی و لا یقضیٰ علیک انه لا یذل من والیت و لا یعز من عادیت تبارکت ربّنا و تعالیت ۔

ترجمہ...... اے اللہ! تو مجھے ہدایت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے ہدایت بخشی۔ اور مجھے عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت عطا فرمائی۔ اور میرا ولی بن جا ان میں جن کا تو ولی ہوا۔ اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت پیدا فرما دے۔ اور جس بات کا تو نے فیصلہ کیا اس کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔ کیونکہ تو فیصلہ کرتا ہے لیکن تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً تو جس سے دوستی رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ اور جس سے دشمنی رکھتا ہے وہ باعزت نہیں ہو سکتا۔ اے ہمارے پروردگار! تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند و بالا ہے۔

نوٹ...... اوپر کے دونوں قنوتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ دونوں پڑھے ورنہ ان میں سے ایک پڑھے اور آخر میں حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا اضافہ کرے۔ اور جو شخص قنوت نہ پڑھ سکے وہ تین مرتبہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یا تین تین مرتبہ: اللّٰهم اغفرلی یا ربّ ۔ تکرار کے ساتھ کہہ ڈالے تو قنوت کے قائم مقام ہو جائے گا۔

مسئلہ...... نماز وتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ لیکن امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت پڑھے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ اگر ملک میں کوئی عام حادثہ یا فتنہ اور مصیبت پیدا ہو جائے تو پھر صبح کی نماز میں امام قنوت نازلہ پڑھے۔ اور رمضان شریف کے علاوہ وتر باجماعت ادا نہ کرے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ماہِ رمضان کے علاوہ وتر باجماعت مکروہ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ بالکل جائز نہیں۔ اور ماہِ رمضان میں بھی بعض نے کہا ہے کہ تنہا نماز وتر پڑھنا بہتر ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ باجماعت ادا کرنا افضل ہے۔ لیکن جماعت وتر، جماعت تراویح کی طرح سنت نہیں۔ یعنی اگرچہ دونوں سنت ہیں لیکن دونوں کے سنت ہونے میں فرق ہے۔

ترجمہ...... اور مسبوق مقتدی امام کے ساتھ قنوت پڑھے اور اس کے بعد قنوت نہ پڑھے۔

تشریح...... مقتدی کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم مسبوق مقتدی ہے۔ اور یہ وہ ہے کہ جس کی کچھ نماز امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ جائے یعنی ایک، دو رکعت کے بعد جماعت میں شامل ہوا ہو۔ اس کے متعلق حکم ہے کہ جب امام آخری رکعت میں قنوت پڑھے گا تو اس وقت یہ بھی اس کی معیت میں قنوت پڑھ ڈالے۔ لیکن اس کے بعد قنوت نہ پڑھے۔ کیونکہ اس نے محل قنوت میں قنوت پڑھ لیا ہے۔ اور جب ایک دفعہ قنوت پڑھ لیا جائے تو پھر یہ نہ پڑھا جائے۔ کیونکہ اس میں تکرار نہیں۔

ترجمہ...... اور اگر کسی کو شک پڑ گیا کہ وہ نماز وتر کی دوسری رکعت میں ہے یا تیسری میں تو یہ دو مرتبہ قنوت پڑھے کیونکہ

قنوت کا تکرار کرنا اپنے محل میں مکروہ ہے جیسا کہ تم نے پہلے مسئلے میں ملاحظہ فرمایا اور دوسرے مسئلے میں ان میں سے ایک اپنے محل میں واقع نہیں ہوا۔

تشریح......اس مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز وتر کی تیسری یا دوسری رکعت میں شک ہو گیا اور دونوں باتوں میں سے کسی پر غالب گمان نہ آیا تو اس صورت میں اپنی نماز کی کم رکعتوں پر بنیاد رکھے۔لہٰذا وہ رکعت پڑھے جس میں اسے شک پیدا ہوا اور بیٹھے اور پھر دوسری رکعت پڑھے۔تو اس صورت میں مذکورہ دونوں رکعتوں میں قنوت پڑھے یعنی اس رکعت میں بھی قنوت پڑھے جس میں اسے شک پیدا ہوا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہی اس کی تیسری رکعت ہو۔اور اس میں بھی قنوت پڑھے جو اس نے شک کے بعد پڑھی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہی تیسری رکعت ہو کیونکہ قنوت کا تکرار اپنے محل میں مکروہ ہے۔جیسا کہ مسئلہ اولیٰ میں۔اور مسئلہ ثانیہ میں مصنف کی عبارت (لم یقع احدهما فی موضعه) اگرچہ کتاب کی بعض نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔بلکہ صحیح عبارت یہ ہے (لم یقع الا احدهما فی موضعه) یعنی ان میں سے ایک قنوت اپنے محل میں واقع ہوا۔اور ظاہر ہے کہ دوسرا قنوت بے موقع ہو گیا۔

ترجمہ......ذخیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر پہلی اور دوسری رکعت میں بھول کر قنوت پڑھ لیا تو پھر تیسری رکعت میں قنوت نہ پڑھے اور ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔دونوں مذکورہ مسئلوں میں فرق ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلا مسئلہ شاک (یعنی شک کرنے والا) کے متعلق ہے جبکہ دوسرا مسئلہ ساھی (بھولنے والا) کے بارے میں ہے۔اور چونکہ یہ دو الگ الگ شخص ہیں لہذا حکم بھی الگ الگ ہوگا کہ پہلے کے لئے تکرار قنوت جائز ہے جبکہ دوسرے کے لئے تکرار کرنے کا حکم نہیں،اور اس کی وجہ کہ ایک تکرار کرے اور دوسرا تکرار نہ کرے یہ ہے کہ بھولنے والے شخص نے محل قنوت سمجھ کر قنوت پڑھا لہذا تکرار قنوت نہیں لیکن شک کرنے والے کے خیال میں بوجہ تردد یہ چیز نہ تھی لہذا اس کے لئے تکرار قنوت کا جواز ہے۔

قول فیصل......جیسا کہ ابو حفص کبیر ابو علی نسفی اور صدر الشہید کا مختار موقف یہ ہے کہ شاک اور ساھی دونوں تکرار قنوت کریں اور یہی صحیح ہے چنانچہ صغیری صفحہ ۲۱۲ میں ہے:

و فی الخلاصة عن الصدر الشهید ان الساهی ایضاً یقنت ثانیا (و هو کالشاک) و هو الاوجه و قد حققناه فی الشرح (الکبیر و هو المراد من الشرح)

اور مشائخ بلخ کے نزدیک شاک کے لئے تکرار قنوت نہیں گویا شاک اور ساھی دونوں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی دونوں کے لئے تکرار قنوت نہیں۔اگر یہ صورت ہو تو پھر دونوں مسئلوں میں فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(صغیری وکبیری بر حاشیہ صفحہ ۲۱۲)

ترجمہ......کیا آخر قنوت میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھے یا نہیں؟ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرمایا درود شریف پڑھے۔اور بعض فتاووں میں ذکر کیا گیا کہ درود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قنوت کو درود شریف پر ختم کرے کیونکہ یہ سنت دعا ہے یعنی دعا مانگتے وقت سنت ہے کہ اس کے خاتمہ پر درود شریف پڑھے۔فقیہ ابو اللیث کے کلام کا یہی مطلب ہے اور مفہوم ہے چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے قنوت میں درود شریف مذکور ہے فقیہ موصوف کے

کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ درود شریف پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے جبکہ بعض فتاووں کی عبارت لا بــأس سے معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف پڑھنا اولیٰ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر قنوت میں پڑھا گیا تو پھر تشہد میں نہ پڑھے۔ کبیری میں ہے کہ امام قاضی خان نے اس قول پسند نہیں کیا حیث قال:

اذا صلّی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القنوت قالوا لا یصلی علیہ فی القعدۃ الاخیر ففی قولہ (قالوا) اشارۃ الیٰ عدم استحسانہ و الیٰ انہ غیر مروی عن الآئمۃ کما قلنا (کبیری برحاشیہ صغیری صفحہ ۲۱۲)

خلاصہ مفہوم...... جب حضور اقدس پر قنوت میں درود شریف پڑھ لیا گیا تو پھر دوبارہ آخری قعدہ میں نہ پڑھا جائے یہ لوگوں نے کہا ہے مگر امام قاضی خان نے لفظ قـالـوا سے اس کے ضعیف غیر مستحسن اور غیر مروی عن الآئمہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ (خلاصہ کلام) یہ ہے کہ دونوں جگہ درود شریف پڑھے اور اسے کسی جگہ بھی نہ چھوڑے۔ نیز اگر پہلے تشہد میں سہوا درود شریف پڑھا گیا تو پھر آخری قعدہ میں پڑھے۔ قال الحلبی و ھو قول لا دلیل علیہ فلا یعتبر یعنی یہ ایک غیر معتبر قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

ترجمہ...... کیا امام بلند آواز سے قنوت پڑھے یا آہستہ آواز سے پڑھے؟ امام محمد بن فضل نے فرمایا کہ قنوت آہستہ پڑھے کیونکہ امام ابوحفص بخاری کی مسجد میں یہی عادت رائج ہے۔ لیکن امام برھان الدین صاحب ذخیرہ نے فرمایا کہ بلاد عجم میں اونچی آواز سے قنوت پڑھنے کو اہل دانش نے مستحسن کہا ہے تا کہ عام لوگ قنوت سیکھ لیں۔ اور شرح اسیجابی میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قنوت کا جہر قراءت کے جہر سے کم ہونا چاہئے۔ (اھ)

قنوت کے جہر اور اخفاء میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ کچھ جہر کے قائل ہیں اور کچھ اخفاء پر عامل ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اختلاف مذکور امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان پایا گیا ہے کہ ایک جہر کے قائل جبکہ دوسرے اخفاء کو پسند کرتے ہیں دونوں میں ترجیح اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ قنوت آہستہ پڑھا جائے چنانچہ اکثر آئمہ فقہ کی یہی رائے ہے چنانچہ صاحب ہدایہ اور صاحب محیط اور ان دو کے علاوہ متعدد اکابرین نے موقف اخفاء کو پسندیدہ ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قنوت دعا، ثناء اور ذکر ہے اور ان میں اخفاء افضل ہے جب کہ ثناء اور آمین وغیرہ دوسرے اذکار میں دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ادعــوا ربـکـم تـضـرعـا و خفیۃ...... الخ یعنی اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر آہستہ پکارو۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: و اذکـر ربـک فـی نفسک تضرعا و خفیۃ و دون الجھر من القول یعنی اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور آہستہ اپنے دل میں یاد کرو۔ (اور یہ یاد) زبان سے بے آواز نکالتے ہوا اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: خیر الذکر الخفی یعنی بہتر ذکر آہستہ ہے۔

خلاصہ کلام...... قنوت میں جہر کی بجائے اخفاء افضل ہے۔

تشریح مفردات

ا: مسبوق — آگے کیا ہوا۔ فقہی طور پر مقتدیوں کی چند اقسام ہیں پس اس میں سے ایک قسم مسبوق ہے کہ جس کی کچھ نماز امام کے ساتھ رہ گئی ہو یعنی مثلاً وہ ایک دو رکعت کے بعد امام کے ساتھ شامل ہوا ہو۔ ۲: مرتین ...... دوبار، مرۃ کا تثنیہ ہے۔ ۳: لـم یقع احدھما فـی موضعہ — شراح کی نشان دہی کے مطابق عبارت مذکورہ کچھ ٹھیک نہیں کیونکہ اس کا مفہوم درست نہیں لہٰذا عبارت یوں ہونی چاہئے

لم یقع الا احدھما فی موضعہ یعنی ان میں سے صرف ایک اپنے محل میں واقع ہوئی۔ ۴: یصلی درود شریف پڑھے۔ یہاں صلوٰۃ کے معنی ہیں درود شریف پڑھنا۔ ۵: الفقیہ ابو اللیث— قال الفاضل اللکھنوی الھندی فی تراجم الحنفیۃ عند ذکر ترجمتہ ھو نصر بن محمد بن احمد بن ابراھیم ابو اللیث الفقیہ السمرقندی المشھور بامام الھدیٰ اخذ عن ابی جعفر الھندوانی عن القاسم الصفار عن نصیر بن یحییٰ عن محمد بن سماعۃ عن ابی یوسف و لہ تفسیر القرآن و النوازل و العیون و الفتاویٰ و خزانۃ الفقہ و بستان العارفین و شرح الجامع الصغیر و تنبیہ الغافلین و غیر ذالک . و ذکر صاحب مدینۃ العلوم وفاتہ لیلۃ الثلاثاء لاحدیٰ عشرۃ لیلۃ خلت من جمادی الأخرۃ سنۃ ثلاث و تسعین و ثلاث مائۃ . (۵۱) اقول فی وفاتہ اقوال آخر . ۱: ۳۷۵ (ذکر صاحب الکشف) ۳۷۳ ایضا ذکرہ ، ۳۸۳ ھو ذکرہ عند ذکر تصانیفہ و عن اللکنوی انہ مات سنۃ ۳۷۳ . قال الفاضل المذکور قد طالعت من تصانیفہ البستان و تنبیہ الغافلین و خزانۃ الفقہ و کلھا مفیدۃ . (۵۱)

یعنی فقیہ ابو اللیث کا اسم گرامی نصر بن محمد... الخ ہے ابو اللیث کنیت ہے یہ سمرقند کے رہنے والے فقیہ امام الہدیٰ کے لقب سے لوگوں میں مشہور تھے ان کے اساتذہ در اساتذہ چار بزرگ ہوئے ہیں:۔ ۱۔ ابو جعفر ہندوانی، قاسم صفار۔ ۳۔ نصیر بن یحییٰ۔ ۴۔ محمد بن سماعۃ۔ ۲۔ اور چار واسطوں سے قاضی امام ابو یوسف کے شاگرد ہوئے ہیں۔ مصنف مدینۃ العلوم نے ان کی تاریخ وفات کے متعلق ذکر کیا ہے کہ فقیہ موصوف کی وفات ۳۹۳ھ ۱۱ جمادی الثانی شب منگل کو ہوئی۔ اور صاحب الکشف نے ان کی مختلف تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے درج ذیل مزید اقوال ذکر کئے ہیں:

۱:۔ ۳۷۵ھ، ۲:۔ ۳۷۳ھ، ۳:۔ ۳۸۳ھ لیکن علامہ لکھنوی نے سن وفات ۳۷۳ھ تحریر فرمائی ہے۔ موصوف نے متعدد مفید تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ مثلاً: تفسیر قرآن مجید، النوازل، العیون الفتاویٰ، خزانۃ الفقہ، بستان العارفین، شرح جامع صغیر، تنبیہ الغافلین۔ فاضل لکھنوی لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی بعض کتابیں (بستان، تنبیہ اور خزانۃ الفقہ) مطالعہ کیں۔ سب کو مفید اور نفع بخش پایا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ الیٰ یوم القیامۃ)۔

۶: یجھر من الجھر آواز بلند کرنا۔ ۷: یخافت من المخافتۃ آہستہ اور خفیہ آواز سے پڑھنا۔ ۸: استحسنوا... انہوں نے اچھا کیا۔

۹: دون کم۔ ۱۰: مخیّر وہ جس کو اختیار دیا گیا۔ ۱۱: امَّن وہ آمین کہے۔ ۱۲: سکت وہ خاموش رہے۔ سکوت، چپ رہنا۔

۱۳: مرویٌّ اسم مفعول، مصدر روایت بمعنی روایت کیا ہوا۔ ۱۴: لا یرفع من الرفع بلند کرنا یعنی وہ اپنی آواز بلند نہ کرے۔

رہا یہ کہ جہر اس لئے کیا جائے کہ ناواقف لوگ سیکھ جائیں تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ نماز، تعلیم اور تعلم (سیکھنا اور سکھانا) کا مقام نہیں تا کہ ایسا کیا جائے۔

مسئلہ..... منفرد شخص کو جہر اور اخفاء دونوں میں اختیار ہے یعنی جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے لیکن اس کے لئے بھی اخفاء افضل اور بہتر ہے۔ اور جو لوگ جہر کے قائل ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ جہر قنوت جہر قراءت سے کم ہوتا کہ رکن اور غیر رکن میں بلحاظ صفت فرق ہو جائے۔

رہا مقتدی تو اسے اختیار ہے اگر چاہے قنوت پڑھے، چاہے آمین کہے یا بالکل خاموش رہے۔ پس امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان جو اختلاف ہے یہ سب کچھ اس کی بنا پر روایت کیا گیا ہے۔ اور اگر مقتدی قنوت پڑھے (یا امام کے پڑھنے پر) آمین کہے۔ تو دونوں صورتوں میں بالاتفاق اپنی آوز بلند نہ کرے (بلکہ قراءت قنوت اور آمین دونوں آہستہ

کہے۔)

مقتدی آہستہ قنوت پڑھے۔ اکثر آئمہ کا یہی موقف ہے۔ امور ثلاثہ (قنوت، آمین، سکوت) میں مقتدی کو جو اختیار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ اس کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے:

۱۔ امام ابو یوسف کے نزدیک قنوت پڑھے لیکن امام محمد کے نزدیک صرف آمین کہے۔

۲۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ خاموش رہے یا سکوت اور قراءت میں اسے اختیار ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک اسے اختیار ہے خواہ قراءت کرے یا آمین کہے۔

۳۔ امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے۔ اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ "ملحق" تک قنوت پڑھے پھر خاموش ہو جائے۔ امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ قنوت پڑھے لیکن جب دعا تک پہنچے تو آمین کہے۔

مسئلہ: جب نماز فجر میں امام قنوت پڑھے تو عند الطرفین مقتدی اس کا اتباع نہ کریں بلکہ خاموش کھڑے رہیں۔ یہی زیادہ ظاہر ہے لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ قنوت پڑھیں یعنی اس کا اتباع کریں۔ اس لئے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور مجتہد فیہ مسائل میں امام کی متابعت کرنی چاہئے جیسے تکبیرات عیدین میں لیکن حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ یہ موقع قنوت منسوخ ہے اور امر منسوخ میں کوئی متابعت نہیں۔ جیسے اگر امام نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر کہے تو متابعت نہیں اس لئے کہ وہ منسوخ ہے۔

نتیجہ...... آئمہ کرام کے اختلاف سے معلوم ہوا کہ قنوت وتر میں متابعت صحیح ہے۔ (کذا فی الکافی ھذا کلہ منقول من الکبیری للحلبی ابراھیم بن محمد۔

اقول و باللہ التوفیق فی دعوی النسخ کلام فلیتأمل لیظھر لک الحال و علیک الانصاف فی المقال

اور جب مقتدی قنوت پڑھے یا آمین تو آواز بلند نہ کرے بلکہ آہستہ آواز رکھے۔ تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور اصل پر عمل کرے کیونکہ دعاؤں میں اصل، اور افضل اخفاء ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت اور اقوال آئمہ و مشائخ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر و بیشتر مسائل گزر چکے ہیں چنانچہ گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمالیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: اگر سونے سے پہلے، وتر پڑھ لئے پھر رات کو نماز پڑھنے اٹھا تو دوبارہ وتر نہ پڑھے اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(لا وتر من فی لیلۃ) رواہ علی بن علی قال الترمذی حدیث حسن غریب

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نماز وتر کے بعد بیٹھ کر دو ہلکی رکعتیں پڑھتے پس دونوں میں سوۃ زلزال اور سورۃ الکافرون پڑھتے۔ چنانچہ امام ترمذی نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے حوالے سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نماز وتر کے بعد بیٹھتے ہوئے دو مختصر رکعتیں پڑھتے۔ (زاد ابن ماجہ خفیفتین و ھو جالس) یعنی امام ترمذی نے صرف دو رکعتیں فرمایا مگر ابن ماجہ میں یہ اضافہ فرمایا کہ بیٹھ کر دو مختصر رکعات ادا فرماتے۔ نیز حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو بعد میں دو رکعات پڑھ لیا کرے پھر اگر رات کو اٹھ کر صلوٰۃ اللیل پڑھی تو ٹھیک ہے ورنہ یہ رکعتیں اس کے لئے ہو جائیں گی۔ مراد یہ ہے کہ نماز تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ (کبیری بر حاشیہ صغیری صفحہ ۲۱۳)

تکملہ

مصنف علیہ الرحمہ نے بعض منقول نوافل کا ذکر نہیں کیا اس لئے علامہ حلبی ابراھیم بن محمد رحمہ اللہ نے تکمیل کتاب کے پیش نظر (تتمات من النوافل) کے عنوان سے انہیں ذکر فرمایا ہے۔ لہذا ہم بھی علامہ موصوف کے اتباع میں انہیں ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ ایک تو قارئین فائدہ اٹھائیں اور دوم یہ کہ زیر ترتیب شرح کی تکمیل اور اتمام ہو جائے اور تحریر مسائل میں کوئی کمی نہ رہے۔

۱......صلوٰۃ الکسوف (سورج گہن کی نماز) پڑھنے کا طریقہ اور کیفیت

اگر سورج کو بحکم الٰہی گہن ہو جائے تو خطیب یعنی وہ عالم جو لوگوں کو نماز جمعہ پڑھاتا ہو بغیر اذان اور اقامت کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے کہ باقی نمازوں کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع ہو۔ اور دونوں میں طویل قراءت کرے۔ یعنی سورۃ بقرہ جیسی طویل سورتیں پڑھے۔ اور امام صاحب کے نزدیک قراءت آہستہ کرے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے قراءت کرے۔ پھر نماز سے فراغت کے بعد سورج صحیح ہونے تک دعا مانگتا رہے۔ اور اگر خطیب موجود نہ ہو تو پھر لوگ بغیر جماعت کے تنہا نماز پڑھیں۔ اور جب چاند گہن ہو جائے تو اس موقع پر بھی دو رکعت بغیر جماعت نماز پڑھی جائے۔ اور اسی طرح جب شدید اندھیرا یا آندھی آجائے اور لوگ گھبرا جائیں تو نماز پڑھیں تاکہ اس کی برکت سے پریشانی دور ہو جائے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ چنانچہ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سورج گہن کے موقع پر دو رکعت نماز چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ ادا فرمائی۔ ہمارے امام نے اس کا یہ جواب دیا کہ طویل رکوع کی وجہ سے بعض لوگوں کو دو رکوع کا شبہ لگ گیا۔ یہ نماز بالاتفاق جماعت کے ساتھ بلا کراہت مشروع ہے۔ لہذا اس کے جواز اور مشروعیت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

۲......نماز استسقاء

جب خشک سالی ہو جائے اور بارش بند ہو جائے اور لوگوں کی شدید ضرورت کے باوجود بارانِ رحمت نہ ہو تو اس موقع پر لوگ کھلے میدان میں جا کر دو رکعت نماز پڑھیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بارش برسنے کی دعا مانگیں۔ امام صاحب کے نزدیک اس نماز میں جماعت مسنون نہیں۔ بلکہ لوگ انفرادی طور پر نماز پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے امام کے نزدیک استسقاء صرف دعا واستغفار کا نام ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک امام یا اس کا نائب اس موقع پر لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے۔ جن میں بلند آواز سے قراءت کرے۔ ایک روایت میں جہر قراءت کا ذکر ہے اور دوسری میں اخفاء کا۔ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام محمد کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔ مشہور روایت میں یہ آیا ہے کہ نماز کے بعد دو خطبے پڑھے جائیں۔ اور ایک خطبہ کا ذکر بھی آتا ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک نماز عید کی طرح دو خطبے ہیں۔ اور امام ابو یوسف سے بھی مشہور یہی ہے کہ دو خطبے ہیں۔ اور دوسری مشہور روایت میں بھی دو خطبے مروی ہیں۔ خطبہ دیتے وقت زمین پر کھڑا ہو۔ منبر پر نہ جائے۔ اور عصا یا تلوار وغیرہ پر ٹیک لگائے۔ اور امام اپنی چادر پلٹ دے۔ یعنی اوپر والی طرف نیچے اور نیچے والی طرف اوپر کردے یا دائیں بائیں کردے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک قلب رداء نہیں۔ اور امام ابو یوسف سے مختلف روایات ہیں۔ اور سنت یہ ہے کہ لگاتار تین روز تک نماز استسقاء پڑھنے کے لئے جائیں۔ بشرطیکہ

بارش نہ ہوئی ہو۔اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر پاپیادہ جائیں اور نادم وشرمسار ہوکر توبہ واستغفار کرتے ہوئے جائیں۔اور لوگوں کے حقوق ادا کریں۔اور جانے سے پہلے صدقہ خیرات دیں۔اور پہلے تین روزے رکھیں حضور ﷺ سے اس موضوع پر مختلف روایات مروی ہیں۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ذکر آتا ہے۔اور حضرت انس کی روایت میں یہ آیا ہے کہ روز جمعہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو اس نے بارش کے لئے درخواست کی۔تو آپ ﷺ نے اسی حالت میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی۔اس میں نماز کا ذکر نہیں بلکہ دعا مانگنے کا ذکر آیا ہے۔پس یہی امام صاحب کا محل استدلال ہے لیکن آپ کے نزدیک نماز سنت نہیں ہاں اگر پڑھیں تو منع نہیں بلکہ مباح ہے۔اس موقع دعا میں وہ کلمات دہرائے جو حضور ﷺ سے مروی ہیں۔جب نماز استسقاء پڑھنے کے لئے جائے تو بچوں اور جانوروں کو بھی ساتھ لے جائے۔لیکن کافر ساتھ نہ جائیں کیونکہ وہ محل رحمت نہیں بلکہ موجب لعنت ہیں۔اور قابل دعا بھی نہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: **و ما دعاء الكافرين الا فى ضلاله ۔**

۳......نماز تحیۃ الوضو

یعنی وضو کرنے کے بعد دو رکعت شکرانہ وضو ادا کرے۔

۴......تحیۃ المسجد

اگر مسجد میں داخل ہو جائے اور وقت مکروہ نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد کے ارادے سے پڑھے۔اور اگر وقت مکروہ ہو تو تسبیحات پڑھنے پر اکتفاء کرے۔اگر مسجد میں گیا اور نماز فرض میں امام کی اقتداء کی پھر تحیۃ المسجد پڑھنے کی ضرورت نہیں۔دن میں صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھے بار بار پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

۵......نماز اوّابین

نماز مغرب کے بعد بھی چند رکعت نماز نوافل ہیں۔۴ اور ۶ اور ۲۰ تک۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے نماز مغرب کے بعد بیس رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک گھر تعمیر کر دیتا ہے۔

۶......نماز استخارہ

جب کسی شخص کو کوئی مشکل پیش آئے اور اس کے حل کی کوئی صورت نہ ہو اور یہ تردد ہو کہ وہ کیا طریقہ اختیار کرے۔لیکن کوئی ایک طریقہ اختیار کرنے پر اسے اطمینان نہ ہو اس موقع پر وہ دو رکعت صلوٰۃ الاستخارہ کی نیت سے پڑھے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کرنے کی تعلیم دیتے۔جیسے قرآن مجید کی سورتیں سکھاتے۔نماز سے فراغت کے بعد درج ذیل دعا مانگے:

اللّٰھم انی استخیر ک بعلمک و استقدر ک بقدرتک و اسئلک من فضلک العظیم . فانک تقدر و لا اقدر و تعلم و لا اعلم و انت علّام الغیوب اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی و معاشی و عاقبۃ امری (او قال عاجل امری و آجله) فاقدرہ لی و یسّرہ لی ثم بارک لی فیه و ان کنت

تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی و معاشی و عاقبۃ امری (او قال عاجل و آجلہ) فاصرفہ عنّی و اصرفنی عنہ و اقدر لی الخیر حیث کان ثم رضنی بہ - (اھ)

ترجمہ......اے اللہ! میں تیرے علم کے مطابق تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ قدرت طلب کرتا ہوں۔ اور تیری ذات سے بڑے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ اس لئے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ اور تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا۔ اور سب پوشیدہ باتوں کو تو ہی جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، معاش اور انجام کار میں میرے لئے بہتر ہے یا فرمایا کہ اس وقت یا آئندہ اور اس کو میرے مقدر کر دے اور میرے لئے آسان کر دے۔ پھر میرے لئے اس میں برکت پیدا فرما دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے میرے دین، میری معیشت اور انجام کار میں برا ہے اس وقت اور آئندہ اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے پھیر دے اور میرے لئے جہاں بھی ہو بھلائی مقدر فرما دے پھر مجھے اس سے راضی کر دے۔

ضروری ہدایات

۱) فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب دعا پڑھنے والا ھـذا الامـر کہنے لگے تو اس موقع پر بجائے اس کے اپنی حاجت کا نام لے۔ (فتاویٰ شامی) نیز اوْ قال میں لفظ اوْ راوی کی طرف سے شک کے لئے آیا ہے لہذا یہ دونوں کو جمع کرے۔ اور یوں کہے وَ عَاقِبَۃُ امْرِی وَ عَاجِلِ امْرِی وَ آجِلِہٖ ۔ (غُنیہ)

۲) جو کام شرعی طور پر مقرر ہیں ان میں استخارہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ تعیین وقت کے لئے ہو سکتا ہے۔ (غُنیہ)

۳) بہتر ہے کہ اس دعا کے اول آخر سورۃ فاتحہ اور درود شریف پڑھے۔ اور پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھے۔ لیکن بعض مشائخ سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ ما یشاء ،و یختار یعلنون تک پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَۃٍ تک پڑھے۔ (غُنیہ)

۴) بہتر یہ ہے کہ سات بار استخارہ کرے اس لئے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تو کسی کام کا استخارہ کرے تو سات بار استخارہ کیا کر۔ اور پھر غور کیا کر کہ تیرے دل میں کیا گزرا ہے۔ لہذا اسی میں خیر ہے۔ بعض مشائخ سے مروی ہے کہ دعاء مذکورہ پڑھ کر باوضو قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے سو رہے۔ اگر خواب میں سفیدی یا سبزی نظر آئے تو وہ کام بہتر ہے۔ اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو وہ کام اچھا نہیں لہذا اس سے پرہیز کرے۔ (شامی)

۵) جب تک کسی طرف رائے نہ ٹھہرے نہیں اس وقت تک استخارہ کرتا رہے۔

۷......صلوٰۃ التسبیح

کتب روایات میں اس نماز کے بے شمار فضائل و محاسن اور خوبیاں وارد ہوئی ہیں۔ ہر دور میں مشائخ اور بزرگانِ دین کا یہ معمول رہی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ نماز اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی۔ اور تعلیم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اگر ہو سکے تو ہر روز ایک دفعہ پڑھو، ورنہ جمعہ کے دن ایک بار پڑھو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک دفعہ پڑھو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو سال میں ایک دفعہ پڑھو۔ اور

اگر یہ بھی مشکل ہو تو پوری زندگی میں ایک مرتبہ پڑھ لو۔اس مبارک نماز کے پڑھنے کا طریقہ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت کے مطابق یہ ہے:

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

جب تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نمازی ثنا سے فارغ ہو جائے تو پھر یہ کلمات پندرہ بار کہے: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ پھر اعوذ باللہ، بسم اللہ، الحمد اور کوئی سورۃ پڑھنے سے فارغ ہو کر وہی تسبیح ۱۰دس بار پڑھے پھر رکوع میں جائے اور دس بار وہی تسبیح پڑھے۔پھر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد جب کہ تسبیح و تحمید سے فارغ ہو جائے تو تسبیح مذکور ۱۰دس بار کہے۔پھر سجدے میں ۱۰دس مرتبہ پڑھے۔پھر دوسرے سجدے میں ۱۰دس مرتبہ پڑھے۔اور دونوں سجدوں کے درمیان دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے۔پس اسی طرح چار رکعت پوری کرے۔ ہر رکعت میں پچھتر ۷۵ بار تسبیح ہو جائے گی۔اور چار رکعات میں تین سو۳۰۰ تسبیحات ہو جائیں گی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ رکوع، سجدے کی تسبیحات کے بعد مذکورہ تسبیحات پڑھے۔

ہدایات

۱) صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعات ہیں۔حضرت ابن عباس کی ہدایت کے مطابق پہلی رکعت میں اَلتَّکَاثُر دوسری میں وَ الْعَصْر اور تیسری میں الکافرون اور چوتھی میں اخلاص پڑھے اور بعض نے کہا ہے کہ سورۂ حدید، دوسری میں حشر، تیسری میں صف اور چوتھی میں تغابن پڑھے۔

۲) اگر کہیں تسبیحات رہ جائیں تو دوسرے موقع پر انہیں پڑھ ڈالے مثلاً رکوع یا قومہ میں رہ جائیں تو سجدہ میں کہہ دے۔اور اگر پہلے سجدے میں رہ جائیں تو دوسرے میں کہہ لیں۔

۳) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان نماز میں سلام سے پہلے درج ذیل دعائیہ کلمات پڑھے۔(شامی)

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَ اَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَ مُنَاصِحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃِ وَ عَزْمَ اَھْلِ الصَّبْرِ وَ جِدَّ اَھْلِ الخشیۃ و طلب اھل الرغبۃ و تعبد اھل الورع و عرفان اھل العلم حتی اخافک ، اللّٰھم انی اسئلک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملاً استحق بہ رضاک و حتی اناصحک بالتوبۃ خوفا منک و حتی اخلص لک النصیحۃ حُبًّا لک و حتی اتوکل علیک فی الامور حسن ظنٍ بک سبحان خالق النور ٥ (ردالمحتار)

ترجمہ......اے اللہ! میں آپ سے ہدایت پانے والوں کی توفیق کا سوال کرتا ہوں اور یقین کرنے والوں کے اعمال اور توبہ کرنے والوں کی خیر خواہی اور صبر کرنے والوں کی پختگی اور خوف کھانے والوں کی کوشش اور رغبت کرنے والوں کی طلب اور پرہیزگاروں کی عبادت اور علم والوں کی معرفت تا کہ میں آپ سے ڈرنے لگوں اے اللہ! میں آپ سے ایسے خوف کی التجا کرتا ہوں جو مجھے آپ کی نافرمانیوں سے روک رکھے۔تا کہ میں آپ کی فرمانبرداری کے ساتھ ایسا کام کروں جس کی وجہ سے میں آپ کی خوشنودی کا مستحق ہو جاؤں اور تا کہ آپ کے خوف سے خالص توبہ کروں تا کہ آپ کی محبت کی وجہ سے آپ کے لئے خیر خواہی خالص کروں اور تمام کاموں میں آپ پر بھروسہ کروں آپ پر اچھا گمان کرتے ہوئے۔پاک ہے روشنی کا پیدا کرنے والا۔

تحیۃ الوضو

صحیح مسلم میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے پھر مکمل اخلاص سے ظاہر و باطن سے متوجہ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ مسلم شریف کی دوسری روایت ہے جس کے راوی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اس میں کچھ اضافی الفاظ آئے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مکمل وضو کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن سویرے حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ بلال کس نیک عمل کی وجہ سے تو جنت میں مجھ سے آگے آگے جا رہا تھا۔ کیونکہ رات میں جنت میں گیا تو میں نے تیرے پاؤں کی آواز اپنے آگے سنی۔ حضرت بلال نے عرض کی کہ میں جب آذان کہتا ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ اور جب بھی وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کر لیتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے۔

بقیہ تحیۃ المسجد

۱) جو کوئی مسجد میں جائے اس کے لئے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کے ارادے سے پڑھنا سنت ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی کسی مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرے۔

۲) اگر ایسے وقت مسجد میں گیا کہ بوجہ کراہت وقت نوافل نہیں پڑھ سکتا مثلاً طلوع فجر یا بعد نماز عصر تو وہ شخص تحیۃ المسجد نہ پڑھے بلکہ ذکر و اذکار مثلاً تسبیح سبحان اللہ، تہلیل لا الہ الا اللہ اور درود شریف میں مشغول ہو جائے تو مسجد شریف کا حق ادا ہو جائیگا۔ (فتاویٰ شامی)

۳) اگر فرض، سنت یا اور کوئی نماز مسجد میں جاتے ہی ادا کر لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گئی اگر چہ اس کی نیت نہ کی ہو۔ لیکن اس نیابت میں شرط یہ ہے کہ داخل ہوتے ہی فوراً کوئی نماز ادا کر لی جائے تو پھر الگ تحیۃ المسجد پڑھنے کی ضرورت ورنہ تاخیر کی صورت میں کوئی اور نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام نہ ہوگی لہذا دریں صورت تحیۃ المسجد بھی پڑھے۔ (شامی)

۴) بہتر یہ ہے کہ جب مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد ادا کرے اور پھر بیٹھے۔ اور اگر بیٹھ گیا تو یاد آنے پر پھر اٹھ کر پڑھے کیونکہ بغیر پڑھے یہ ساقط نہیں ہوتی۔ (درمختار وغیرہ)

۵) اور ہر روز ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے۔ ہر بار پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

۶) اگر کوئی شخص بے وضو مسجد میں داخل ہوا یا اور کوئی وجہ ہے کہ تحیۃ المسجد نہیں پڑھ سکتا تو اس صورت میں چار مرتبہ کلمات ذیل پڑھ ڈالے۔ (درمختار) سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ پس اس کے لئے یہی کافی ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۲۱)

مسئلہ...... غسل کرنے کے بعد بھی دو رکعت نماز مستحب ہے۔ اگر وضو کرنے کے بعد فرض وغیرہ پڑھ لئے تو یہ تحیۃ الوضو کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ (فتاویٰ شامی)

نماز اشراق

جامع ترمذی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز فجر باجماعت پڑھ کر سورج چڑھنے اور بلند ہونے تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ہوتا ہے۔

نماز چاشت

اس کی کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ اور یہی افضل ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل تیار فرمائے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)۔ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ اور ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر دو رکعت نمازِ چاشت پڑھے تو یہ سب کی طرف سے صدقہ ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو کوئی ہمیشہ نماز چاشت کی دو رکعت پڑھے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

مسئلہ: نماز چاشت کا وقت...... اس کا وقت سورج بلند ہونے سے زوال یعنی سورج ڈھلنے تک ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ جب ایک چوتھائی دن چڑھ جائے تو پھر نماز پڑھے۔ (شامی، عالمگیری)

نماز سفر اور واپسیٔ سفر

جب کوئی شخص سفر کرنے کا ارادہ کرے تو اس وقت اپنے گھر اہل وعیال میں دو رکعت نماز پڑھے۔ چنانچہ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص نے اپنے اہل وعیال کے پاس ان دو رکعتوں سے کوئی چیز بہتر نہ چھوڑی جو اس نے سفر کرتے وقت پڑھی۔"

جب آدمی سفر سے بخیر وعافیت واپس لوٹے تو سنت ہے کہ وہ سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نوافل پڑھے۔ چنانچہ مسلم شریف میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ معمول تھا کہ سفر سے چاشت کے وقت واپس تشریف لاتے پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ اور پھر کچھ دیر وہیں مسجد میں تشریف رکھتے اور آنے والے ساتھیوں سے میل ملاقات کرتے۔ اتنی دیر گھر والوں کو بھی واپسی کی اطلاع ہو جاتی۔ اور ہر شوق رکھنے والا آپ کی زیارت کے لئے رواں دواں ہو جاتا۔ اور آپ سے ملاقات کرنے میں سبقت کرتا۔ یہی سنت ہے۔

مسئلہ: جب مسافر کسی منزل میں ٹھہرنا چاہے تو قیام سے پہلے دو رکعت نفل پڑھے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ (شامی)

صلوٰۃ اللیل...... یعنی رات کی نماز

نماز عشاء کے بعد جو نوافل پڑھے جائیں ان کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں۔ اور رات کی نماز دن کی نماز سے بہتر ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرائض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ اور طبرانی شریف میں بھی مرفوعاً روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات میں کچھ نماز پڑھنی چاہئے اگر چہ تھوڑی ہی دیر کیوں نہ ہو کہ جتنی دیر میں بکری کا دودھ نکال دیتے ہیں۔

نماز تہجد

صلوٰۃ اللیل کی ایک اعلیٰ قسم نماز تہجد ہے۔ اس کا وقت نماز عشاء کے بعد رات کو جب سو کر اٹھیں تو یہ نماز پڑھیں۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ سونے سے پہلے جو نوافل پڑھے جائیں وہ تہجد میں شمار نہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص عشاء کے وقت سو جائے اور پھر اٹھ کر قضا پڑھے تو وہ نماز تہجد نہ ہوگی۔ (فتاویٰ شامی)

مسئلہ: نماز تہجد کی کم سے کم دو رکعت ہیں۔ اور حضور ﷺ سے آٹھ رکعت تک ثابت ہیں۔ متعدد کتب روایات میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی رات میں بیدار ہوا اور اپنے گھر والوں کو بھی جگائے تو پھر دونوں دو دو رکعت پڑھیں تو ان کا کثرت سے یاد کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ (نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، مستدرک حاکم)

بخاری و مسلم میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ہر پچھلی رات آسمان دنیا پر خاص تجلی فرماتا ہے۔ اور اہل دنیا کو ندا کرتا ہے کہ ہے کوئی دعا مانگنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی حاجت مانگنے والا کہ میں اس کی حاجت قبول کروں۔ ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ بخاری و مسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے حضرت داؤد آدھی رات تک سوتے، تہائی رات تک عبادت کرتے، پھر رات کے آخری حصے میں آرام فرماتے۔

جامع ترمذی، ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم میں عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بہت زیادہ لوگ حاضر خدمت ہوئے میں نے بھی حاضری دی اور حضور ﷺ کے چہرہ انور کے غور سے دیکھا اور جان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہوسکتا۔ میں نے پہلی بات جو حضور ﷺ سے سنی وہ یہ تھی کہ: اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو اور جب لوگ سو جائیں تو رات کے وقت نماز پڑھو تو سلامتی سے جنت میں داخل ہو جائے گے۔

بیہقی کی روایت میں قیامت کے دن ان لوگوں کو اعلان کر کے بلایا جائے گا جو رات کو بیدار رہ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ پھر انھیں بغیر حساب جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

نماز صلوٰۃ الحاجت

امام ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب حضور ﷺ کو کوئی ضروری کام پیش آتا تو آپ اس موقع پر دو یا چار رکعت نماز پڑھتے۔ (اس نماز میں کونسی سورتیں پڑھے) پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے۔ اور باقی تین رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ ایک رکعت میں سورۃ اخلاص اور دوسری رکعت میں سورۃ الفلق اور تیسری رکعت میں سورۃ الناس پڑھے۔ اور یہ سب سورتیں ایک ایک بار پڑھے۔ پس اس نماز کی شب قدر کی چار رکعتوں جیسے اہمیت ہے۔

۱) (مشائخ کرام کا تجربہ) مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ نماز پڑھی تو اس کی برکت سے ہماری حاجتیں پوری ہوئیں۔

۲) حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی کوئی حاجت اللہ تعالیٰ یا انسان کی طرف ہو، پھر وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور حضور ﷺ پر

درود بھیجے اور پھر یہ دعائیہ کلمات پڑھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَ الْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَ لَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَ لَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط

ترجمہ......اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بُردبار اور کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے بڑے عرش کا مالک ہے، اس خدا کے لئے تعریف ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رحمت کے اسباب مانگتا ہوں اور آپ کی بخشش کے ذرائع طلب کرتا ہوں اور ہر نیکی سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں۔ تو میرے لئے کوئی گناہ نہ چھوڑ مگر اس کو بخش دے۔ اور کوئی غم نہ چھوڑ مگر اسے دور کر دے۔ اور جو حاجت تیری رضا کے موافق ہو اسے پورا کر دے اے سب رحم کرنے والوں سے بڑے مہربان۔

۲) بعض کتب روایات مثلاً جامع ترمذی، ابن ماجہ اور طبرانی میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیجئے کہ وہ مجھے عافیت دے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے حق میں دعا مانگوں، اگر تو چاہے تو صبر کر کیونکہ یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ تو اس نے عرض کی کہ ''آپ دعا فرمائیں۔ حضور پاک ﷺ نے اسے حکم دیا کہ ''اچھی طرح وضو کرو اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اَتَوَسَّلُ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ .

ترجمہ......اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور توسل کرتا ہوں اور آپ کے نبی محمد ﷺ کے ذریعہ سے جو نبی رحمت ہیں آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کے ذریعے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔ یا اللہ! میرے حق میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرمایئے۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم وہاں سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ وہ نابینا صاحب ہمارے پاس آئے اور یوں معلوم ہوا کہ کبھی وہ نابینا تھے ہی نہیں۔ (یعنی آنحضرت ﷺ کی توجہ اور برکت سے وہ بالکل صحت یاب ہو گئے)

صلوٰۃ توبہ

بہت سی کتب روایات مثلاً ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کسی بندے سے گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو کر کے نماز پڑھے پھر توبہ استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔'' پھر آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جو لوگ کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں، پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے اور اپنے کئے پر جانتے ہوئے نہ ڈٹ جائیں (ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمدہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں)

فائدہ عجیبہ

صلوٰۃ الرغائب یعنی ماہ رجب کی پہلی شب جمعہ اور لیلۃ البرأۃ یعنی شعبان کی پندرہویں شب اور شب قدر میں بھی نوافل ادا کئے جاتے ہیں۔ بعض لوگ ان راتوں کے نوافل باجماعت ادا کرتے ہیں۔ لیکن فقہائے کرام نے نوافل کی جماعت مکروہ قرار دی ہے۔ اس لئے نوافل باجماعت ادا کرنے سے پرہیز کیجئے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ عیدین اور پندرہویں شعبان کی رات اور رمضان شریف کی آخری دس راتیں اور ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں، ان سب میں شب بیداری مستحب ہے۔ اور رات کا اکثر حصہ جاگنا بیداری میں شامل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ عید کی راتوں میں نماز عشاء باجماعت پڑھے ورپھر صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرے تو اس کے لئے یہ طریقہ شب بیداری کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے آدھی رات عبادت کی، اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے آخری رات عبادت کی۔ اس دور کا مسلمان اسی پر اکتفا کرے تا کہ عید کے دن نمازِ عید اور قربانی میں فرق نہ آئے۔ (بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ ۳۱، ۳۲)

علامہ حلبی فائدے کے طور پر آخر بحث میں لکھتے ہیں کہ باجماعت نوافل ادا کرنا علی السبیل التداعی مکروہ ہے۔ لیکن وہ نوافل مستثنیٰ ہیں جن میں جماعت مشروع ہے۔ جیسے نماز استسقاء، صلوٰۃ التراویح وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الرغائب، صلوٰۃ البراءۃ اور صلوٰۃ القدر ان تینوں کو باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اور اس بارے میں جو احادیث نقل کی جاتی ہیں وہ حافظ ابن جوزی وغیرہ کی تصریح کے مطابق ہیں۔ چنانچہ پوری تفصیل کبیری شرح منیہ میں مذکور ہے۔

فائدہ...... اگر کوئی شخص نفل پڑھنا چاہے تو وہ نوافل کی نذر مانے اور پھر انھیں ادا کرے تو شرف الآئمہ مکی نے فرمایا کہ نفل منذور بے منذور نوافل سے بہتر ہے۔ کیونکہ نذر ماننے سے ایک گونہ پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

مفسدات نماز

فصل فیما یفسد الصلوٰۃ اذا تکلم بکلام الناس ناسیاً او عامداً تفسد بشرط ان یکون مسموعاً لنفسہ و ان لم یصحح حروفہ او یکون مصححا و ان لم یسمع و ان نام فتکلم او ضحک تفسد وان ان فی صلوتہ او تاوَّہ او بکی فارتفع بکائوہ فان کان من ذکر الجنۃ او النار لم یقطعھا و ان کان من وجع او مصیبۃ یقطعھا لا فرق بین قولہ اُوْہ و بین قال اٰہ و قال ابو یوسف فی روایۃ اخری لا تفسد فی اٰہ و اُف و تُف و فی الملتقط اذا لسعتہ الحیۃ او العقرب فقال بسم اللہ الرحمن الرحیم تفسد عند محمد خلافا لابی یوسف و روی عن محمد ان کان المریض لا یملک نفسہ لا تفسد کما لو تجشی او عطس فارتفع صوتہ و حصل بہ حروف لم تفسد ذکرہ فی الخانیۃ و فی الذخیرۃ اذا

قال المریض یارب او قال بسم اللہ لما یلحقہ من المشقۃ لا تفسد و لو اجاب بلا الہ الا اللہ او اخبر بما یسّرہ او بما یسوءہ او یعجبہ فقال سبحان اللہ او قال الحمد للہ او قال لا حول و لا قوۃ الا باللہ تفسد عندھا خلافا لابی یوسف رحمہ اللہ و ذکر القاضی الامام فخر الدین فی قولہ اجاب بلا الہ الا اللہ یعنی قیل لہ ھل الہ غیر اللہ فقال لا الہ الا اللہ و لو اراد اعلامہ انہ فی الصلوٰۃ لا تفسد و لو عطس فقال الحمد للہ لا تفسد و لو عطس اٰخر فقال الحمد للہ یرید استفہامہ تفسد و ان عطس فی الصلوٰۃ فقال اٰخر یرحمک اللہ فقال المصلی اٰمین تفسد

ترجمہ......فصل ان کاموں کے بیان میں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے...... جب کوئی شخص نماز میں بھول کر، یا جان بوجھ کر بات کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ بشرطیکہ اسے خود سنے۔ اگر چہ حروف کی صحت نہ کرے۔ یا حروف صحیح ادا کرے لیکن خود نہ سنے۔

تشریح

یہاں بولنے سے یعنی کلام سے کلامِ نحوی مرادنہیں۔ بلکہ حروف کا تلفظ مراد ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بھول کر کلام کرنے یا نماز کی اصلاح کے لئے بولنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن ہمارے نزدیک مطلق کلام، خواہ دانستہ ہو یا بھول کر ہو نماز کے لئے مفسد ہے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "نماز میں بندوں کے کلام کی گنجائش نہیں، یہ تو صرف، تسبیح، تکبیر تو تلاوتِ قرآن کا نام ہے۔ حضور پاک ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے چھینک ماری تو دوسرے نے چھینک کا جواب دیا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور ﷺ نے اسے سمجھایا کہ نماز میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں) مصنف فرماتے ہیں کہ جو کلام نماز کے لئے مفسد ہے اس کے لئے دو شرطوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ یا تو حروف صحیح ادا کرے یا جو کچھ کہتا ہے اسے سنے۔ لہذا اگر تصحیح حروف یا سماعِ حروف نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن الحقائق میں مذکور ہے کہ جو کلام مفسد صلوٰۃ ہے اس کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ وہ سنائی دے لہذا صحیح یہ ہے کہ تصحیح حروف بھی ہو اور سماع بھی ہو تب نماز میں فساد پیدا ہوگا۔

اگر کوئی شخص سو گیا پھر اس نے بات کی یا ہنس پڑا تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔

عام فتاووں میں یہی لکھا ہے لیکن فخر الاسلام نماز فاسد نہ ہونے کے قائل ہیں۔ اگر کوئی اپنی نماز میں رویا یا اسنے افسوس کیا، یا بلند آواز سے گریہ وزاری کی کہ رونے کہ وجہ سے اس کی آواز بلند ہو گئی، اگر یہ سب کچھ جنت یا دوزخ کے ذکر کرنے کی وجہ سے ہوا تو نماز ختم نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے یہ سب کچھ درد یا مصیبت کی وجہ سے کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور کسی کہنے والے کے قول "اوہ" اور "آہ" میں کوئی فرق نہیں۔ اور امام ابو یوسف نے ایک دوسری روایت میں فرمایا

کہ اُہ، اف، اور تُف میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اقوال مذکورہ میں اگر جنت، دوزخ کے تذکرے سے ایسا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ رحمت اور معافی کی دعا ہے۔ اور اگر یہ کسی دکھ درد یا مصیبت کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایک طرح کی شکایت ہے۔ گویا یہ بارگاہِ رب العزت میں عرض کرتا ہے کہ مجھے تکلیف ہے یا مجھے کوئی مصیبت پہنچ گئی۔ تو اس صورت میں نماز فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں جیسا کلام ہے۔ البتہ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ اگر اسے شدید تکلیف اور درد ہو اور یہ اس پر قابو نہ پا سکے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ مصنف فرماتے ہیں کہ اوہ اور اہ دونوں میں حکم کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور وہ ظاہر روایت ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ آیا ہے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر کسی کی زبان سے اہ، اف اور تف نکل گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں کلام تین حرفوں سے مرکب ہوتا ہے تو ان کے نزدیک ایک حرف کلام نہیں۔ اور اگر دو حرف ہوں ان میں ایک زائد ہو تو وہ بھی کلام نہیں۔ لیکن اگر تین حرف ہوں خواہ زائد ہوں یا غیر زائد یا دو حرف غیر زائد ہوں تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ...... انیین پست آواز سے رونا۔ تـاوّہ : اس میں حرف ہمزہ مفتوح ہے۔ اور واؤ مشدد مفتوح ہے۔ جس کے معنی آہ کرنا ہے۔ اُوْ: حرف ہمزہ مضموم اور واؤ ساکن ہے۔ اٰہْ ہمزہ ممدودہ ہے۔ اَہ ہمزہ مفتوحہ مکسور ہے۔ اُف اور تُف دونوں حرف مُخفف سے ہیں۔

فتاوی ملتقط میں ہے اگر کسی نمازی کو سانپ یا بچھو نے کاٹا تو اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا، تو امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ اور امام محمد سے ایک روایت اسی طرح مذکور ہے کہ اگر بیمار اپنی ذات پر قابو نہ پاتے ہوئے کہہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسا کہ اگر کسی نے ڈکار مارا یا چھینک ماری اور آواز بلند ہوگئی اور حروف پیدا ہو گئے تو فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

مصنف نے فسادِ نماز کے متعلق صرف امام محمد کا ذکر فرمایا۔ لیکن خلاصہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد دونوں کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ درد کی وجہ آہ وزاری کرنا ہے۔ اور امام محمد سے دوسری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بیمار بے قابو ہو کر شدت درد کی وجہ سے بسم اللہ شریف کہہ دے یا آہ وزاری کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کی رائے بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز سے آدمی رُک نہ سکے وہ معاف ہے مصنف نے دوسرے مسئلہ سے اس کی مثل ذکر فرمائی دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز پر آدمی قابو نہ پا سکے اور بے اختیار ہو تو اس میں بالاتفاق فسادِ نماز کا حکم نہیں۔

ذخیرہ میں ہے کہ جب کوئی بیمار "یَا رَبِّ" کہے یا بسم اللہ شریف پڑھ ڈالے اس تکلیف کی وجہ سے جو لاحق ہوگئی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ کر کسی سوال کا جواب دیا یا اسے خوش کن خبر بتائی گئی یا غمگین بات سے اطلاع دی گئی یا حیران کن بات سے آگاہ کیا گیا تو سننے والے نے ان سب کے جواب میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہہ دیا یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھا، یا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اس کی زبان سے نکلا تو ان سب باتوں میں طرفین کی نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔

اقول...... ذخیرہ سے جو کچھ نقل کیا گیا اس میں علی الاطلاق نماز فاسد نہ ہونے کا ذکر ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ عدمِ فساد والا قول

امام ابو یوسف کی رائے ہے۔لیکن طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔اور دوسرے مسئلہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی نے نمازی سے کہا کہ کیا اللہ تعالٰی کے ساتھ اور خدا ہیں تو اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر اس سوال کا جواب دیا یعنی اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خدا نہیں۔یا کسی نمازی کو خوش کن بات کی اطلاع دی گئی یا غمگین کرنے والی بات سے آگاہ کیا گیا یا اسے تعجب خیز بات بتائی گئی تو اس نے تعجب خیز بات کے جواب میں "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کہہ دیا۔اور مسرت بخش بات کے جواب میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور غمگین بات کے جواب میں لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا تو اس میں بھی طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ سارے کلمات ذکر ہیں لہذا ان کے کہنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔اسکے جواب میں طرفین نے فرمایا کہ بے شک کلماتِ مذکورہ ذکر ہیں لیکن یہاں کہنے والے نے ذکر کے ارادے سے نہیں کہا بلکہ اس کا منشا جواب دینا ہے۔پھر اس حیثیت سے یہ کلام الناس کی طرح ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ لوگوں جیسی باتیں کرنا مُفسدِ صلوٰۃ ہیں۔

قاضی امام فخر الدین نے کہنے والے کے اس قول میں یعنی امام محمد کے قول میں کہ اس نے کسی شخص کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر اس کے سوال کا جواب دیا، بیان کیا کہ اس سے یہ سوال کیا گیا تھا کیا اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خدا ہے تو اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر سمجھایا اور جواب دیا کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خدا نہیں۔

(اگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے کا یہ مقصد ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی)۔اور اگر اس کا یہ ارادہ ہو کہ یہ دوسرے کو آگاہ کر رہا ہے کہ یہ نماز میں مشغول ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر کسی نے چھینک ماری اور الحمد للہ کہہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اگر کسی دوسرے نے چھینک ماری اور اس نے الحمد للہ کہہ دیا تو اس کا مقصد اسے سمجھانا تھا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اگر نمازی نے نماز میں چھینک ماری تو کسی دوسرے نے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہا تو نمازی نے آمین کہہ دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اقول ...... امام فخر الدین جو قاضی خان کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے جامع صغیر میں امام محمد کے اس قول کی تشریح فرمائی کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے نے هَل اله غير الله کا جواب دیا۔پھر سوال کا جواب دینے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی۔اور اگر اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ کر دوسرے کو بتایا کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو یہ جواب نہیں دے سکتا۔تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔اس لئے کہ حدیث پاک میں یہ آیا ہے کہ جب کسی کو کوئی عارضہ پیش آئے اور وہ نماز میں ہو تو وہ تسبیح پڑھے۔تو گویا اس نے حدیث مذکور پر عمل کیا۔اور اسی طرح اگر کسی نے نمازی کو کسی مصیبت کی اطلاع دی تو اس نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا تو کہا گیا ہے کہ بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی وہی سابق اختلاف ہے۔اور اگر نمازی نے حالتِ نماز میں چھینک ماری اور خود الحمد للہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔کیونکہ یہ جملہ اس کے کہنے سے محلِ ثناء سے خارج نہیں ہوا اور اس میں خطاب بھی نہیں۔امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ اگر اس نے دل میں حمد پڑھی بغیر اسکے کہ ہونٹ حرکت کریں تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اگر زبان کو دخل دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔لیکن پہلی بات ظاہر ہے۔

مسئلہ: اس موقع پر حکم یہ ہے کہ چھینک مارنے والا خاموش رہے ہاں البتہ دل میں تعریف کرے تو کوئی حرج نہیں۔اور اگر کسی شخص نے

چھینک ماری اور نمازی نے الحمد للہ کہہ کر اسے سمجھایا کہ تو الحمد للہ کہہ دے اور یہ کہہ کر اسے یاد دلایا تو اس صورت میں کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس کا مقصد دوسرے کو سمجھانا ہے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ مصنف کا یہ مسئلہ ہدایہ وغیرہ اور دوسری کتابوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان میں یہ مذکور ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن زاہدی کی قنیہ میں امام صاحب کی ایک روایت نقل کی گئی کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور قول فیصل یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ الحمد للہ جواب دینے میں متعارف اور مشہور نہیں۔ لہذا یہ اپنے معنی ثناء دینے میں اپنے محل میں قائم رہا۔ ہاں اگر نمازی نے چھینک مارنے والے سے کہا کہ یرحمک اللہ تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ شاذ روایت امام ابو یوسف میں یہ مذکور ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ (لیکن یہ قابل عمل نہیں) اگر کسی شخص نے نماز میں چھینک ماری اور کسی دوسرے نے اسے یرحمک اللہ کہا تو چھینک مارنے والے نمازی نے آمین کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ یہ جواب ہے۔

مسئلہ: فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر چھینک مارنے والے نمازی کے پہلو میں کوئی دوسرا نمازی کھڑا ہو تو کسی ایسے شخص نے جو نماز میں شامل نہیں یرحمک اللہ چھینک مارنے پر کہہ دیا تو دونوں نمازیوں نے اس پر آمین کہہ دیا تو اس صورت میں چھینک مارنے والے نمازی کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے جواب دیا۔ لیکن دوسرے نمازی کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس کا آمین کہنا جواب نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

نماز میں لقمہ دینے کا بیان

و ان فتح علی من لیس معه فی الصلوٰة تفسد صلوته و ان فتح علی امامه قیل ان فتح بعد ما قرأ مقدار ما یجوز به الصلوٰة تفسد و الصحیح انه لا تفسد و ان انتقل الامام الی اٰية اخری ففتح علیه بعد الانتقال تفسد صلوٰة الفاتح و ان اخذ الامام تفسد صلوٰة الكل و ان فتح غیر المصلی علی المصلی فاخذ بفتحه تفسد

ترجمہ...... اگر کسی نمازی نے ایسے آدمی کو لقمہ دیا جو نماز میں اس کے ساتھ شامل نہ تھا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اپنے امام کو لقمہ دیا اور صورتِ حال یہ تھی کہ اس نے اس وقت امام کو لقمہ دیا جب وہ اتنی مقدار قراءت کر چکا تھا کہ جس سے نماز جائز ہوتی ہے تو اس صورت میں لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر امام کسی دوسری آیت کی طرف چلا گیا تو اس نے انتقال کے بعد اسے لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر کسی غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور نمازی نے اس کا لقمہ لے لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

اقول...... جو نماز میں شامل نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہو۔ دوسری یہ کہ وہ خارجِ نماز ہو۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس نے دوسرے امام کو لقمہ دیا۔ اور نماز فاسد ہونے کی وجہ اس میں تعلیم و تعلم ہے۔ اور

یہ دونوں کلام ناس میں شامل ہیں۔ اگر اس نے لقمہ دینے کا ارادہ کیا تو یہ حکم ہے لیکن اگر اس نے قراءت کا ارادہ کیا تھا اور قاری کو لقمہ دیا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اصل کتابوں میں فساد کے لئے تکرار شرط ہے یعنی بار بار لقمہ دینا۔ لیکن جامع صغیر میں یہ شرط نہیں اور یہی صحیح ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے امام کو لقمہ دیا جبکہ وہ مقدار جواز قراءت کر چکا تھا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے اس کے لقمے کو قبول کر لیا تو قیاس کے مطابق سب کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن صحیح یہ ہے کہ نماز کسی کی فاسد نہ ہوگی نہ لقمہ دینے والے کی اور نہ لینے والے کی۔ جبکہ امام نے اس کے قول کو لے لیا ہو۔ اور یہ بر بنائے استحسان ہے۔ کیونکہ اس میں نماز کی اصلاح ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ لقمہ نہ دے اور امام کی زبان پر ایسے کلمات جاری ہو جائیں جو کہ مفسد صلوٰۃ ہیں تو یہ بات قطعاً ٹھیک نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ امام کو ضرورت کے وقت اسے لقمہ دیا جائے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے سورۃ مؤمنین نماز میں پڑھی تو ایک کلمہ رہ گیا۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے اندر ابی بن کعب موجود نہیں تو لوگوں نے عرض کی کہ ہاں وہ موجود ہیں تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تو نے مجھے لقمہ کیوں نہ دیا۔ انھوں نے عرض کی کہ شاید میں سمجھا کہ یہ کلمہ منسوخ ہو گیا ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منسوخ ہو گیا ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا۔ اور صحیح یہ ہے کہ مقتدی لقمہ دینے کا ارادہ کرے قراءت کا ارادہ نہ کرے۔ کیونکہ مقتدی کے لئے قراءت منع ہے، جبکہ لقمہ دینا منع نہیں۔

تیسرا مسئلہ...... یہ ہے کہ امام قراءت کرتے وقت رُک گیا پھر اس نے قرآن مجید کا کوئی دوسرا حصہ شروع کر دیا تو امام کے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے کے بعد مقتدی نے اسے لقمہ دیا تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس حال میں امام نے اس کا قول قبول کیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اب لقمہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس مسئلہ میں عام مشائخ کا یہ قول ہے کہ نماز کسی کی فاسد نہ ہوگی اور یہی صحیح ہے جیسا کہ الکافی میں مذکور ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مقتدی لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اور امام لوگوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔ بلکہ اگر قراءت مقدار جواز ہو گئی تو رکوع کر لے ورنہ کسی دوسری آیت کی طرف چلا جائے۔ ہدایہ میں یہی مذکور ہے۔ محقق ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرمایا کہ رکوع کرنے کا کب موقع ہوتا ہے اس میں ایک قول یہ ہے کہ جب قراءت مقدار جواز نماز ہو جائے۔ اور بعض نے کہا کہ جب قراءت مستحب پڑھی جائے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد مقدار واجب ہے۔

چوتھا مسئلہ...... اگر کسی غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور اس نے لقمہ قبول کر لیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کہ یہ غیر سے سیکھنا ہے اور یہ تلقن من الخارج ہے جو کہ بعض حالات میں مفسد صلوٰۃ ہے۔

وان اكـل او شـرب عامدا او نا سيا تفسد و كذا العمل الكثير و كل عمل يشار الناظر انه ليس فى الصلوٰة فهو كثير وقال بعضهم كل عمل يعمل باليدين عرفا فهو كثير وذكر فى الملتقط انه لا يعتبر فى فساد الصلوٰة عمل اليدين.................ولكن يعتبر القلة والكثرة

ترجمہ...... اگر نمازی نے دانستہ یا بھول کر حالت نماز میں کچھ کھالیا یا پی لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

اقول...... نماز کے فاسد ہونے کی وجہ عمل کثیر ہے اور بھول جانا نماز میں عذر نہیں۔ کیونکہ حالتِ نماز نماز کو یاد دلانے والی ہے۔ لیکن روزہ میں یہ حکم نہیں۔ وہاں بھول کر کھانے، پینے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور شے کے کم زیادہ ہونے میں بھی فرق نہیں۔ بشرطیکہ اس کے دانتوں میں اٹکی ہوئی کوئی چیز نہ ہو۔ لہذا اس نے اگر باہر سے ایک تل کا دانہ بھی لے کر کھالیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور یہی حکم ہے نماز میں زیادہ کام کرنے کا۔ اور اسی طرح ہر کام کہ جس میں دیکھنے والا اس شک میں پڑ جائے کہ کام کرنے والا نماز میں نہیں تو ایسا کام بھی عمل کثیر میں شامل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہر کام جو رواج میں دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے وہ عمل کثیر ہے۔ لیکن الملتقط میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کے توڑنے میں دو ہاتھوں سے کام کرنے کا اعتبار نہیں بلکہ واقع میں کم اور زیادہ کا اعتبار ہے۔

اقول...... اگر کوئی کام نماز کے اعمال میں شامل نہ ہو اور نماز کی اصلاح کے لئے بھی نہ ہو اور زیادہ کام ہو تو وہ عمل کثیر ہونے کی وجہ مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ اور عمل کثیر کی ایک اور تعریف بھی ہے کہ جو کام عادتاً دو ہاتھوں سے کیا جائے تو وہ عمل کثیر ہے اگر چہ اسے ایک ہاتھ سے بھی کرنا چاہے تو کر سکے۔ لیکن جو کام عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جائے تو وہ عمل قلیل ہے۔ بشرطیکہ مکرر نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تعریف ہاتھ کے کاموں سے مخصوص ہے جبکہ پہلی عام ہے۔ فتاویٰ ملتقط میں بیان کیا گیا (بعض نے یہاں محیط کا ذکر کیا ہے) کہ نماز کے فاسد ہونے میں دو ہاتھوں سے کام کرنے کو دخل نہیں بلکہ دراصل قلت اور کثرت کا اعتبار ہے۔ یعنی دیکھنے والا اسے زیادہ گمان کرے۔ یا دو ہاتھوں سے کیا جانے والا کام ایک ہاتھ سے کیا جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ خود نمازی جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔ اور اکثر مشائخ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ نمازی کے ذمہ پر اس کو چھوڑ دینا امام اعظم کے نزدیک زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ امام صاحب ایسے مواقع میں اسی طریقہ کو پسند کرتے ہیں۔

و لو ادّهن راسه او سرح شعره تفسد و لو كان الدهن فى يده فمسه براسه لا تفسد و ان حملت المرأة صبيا فارضعته تفسد و ان مصّ صبى ثدى امرأة تصلى ان خرج منه اللبن تفسد و الا فلا و ان صافح بيده يريد السلام تفسد و ان رفع العمامة من رأسه و وضع على الارض او رفع من الارض و وضع على رأسه او نزع القميص او تعمّم بيد واحدة لا تفسد ولكن يكره ولو ضرب انسانا بيد واحدة او بسوط تفسد كذا ذكره فى المحيط و ذكر فى الذخيرة المصلى على الدابة اذا ضربها لاستسراع السير تفسد و بعض المشائخ قالوا اذا ضربها مرة او مرتين لا تفسد و ان ضربها ثلث مرات متواليات تفسد و بعض مشائخنا قالوا اذا كان معه سوط هشها به و فى نسخة فيها هابه او نخسها لا تفسد و لو هدى به الىٰ الطزيق و ضربها

تفسد و ان حرک رجلا لا علی الدوام لا تفسد و ان حرک رجلیه تفسد و قال بعضهم ان حرک رجلیه قلیلاً لا تفسد و روی عن ابی بکر من قال له کم صلیتم فاشار المصلی بیدہٖ انهم صلوا رکعتین لا تفسد و ان کتب ما یستبین حروفه ان کان اقل من ثلث کلمات لا تفسد و ان زاد علی ذالک تفسد

ترجمہ:

۱- اگر نمازی نے اپنے سر میں تیل لگایا یا اپنے بالوں میں کنگھی کی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر (پہلے ہی سے) تیل اس کے ہاتھ میں تھا تو پھر تیل اپنے سر پہ لگایا (مَلا) تو (اس صورت میں) نماز فاسد نہ ہوگی۔

۲- اگر کسی عورت نے بچے کو اٹھایا۔ پھر اسے دودھ پلایا نماز فاسد ہو جائے گی کہ بچہ نے اس کا پستان چُوسا اگر اس سے دودھ خارج ہوا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور دودھ باہر نہ نکلا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۳- اگر نمازی نے اپنے ہاتھ سے (کسی سے مصافحہ کیا) تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۴- اگر اپنے سر سے پگڑی اٹھائی (اتاری) پھر زمین پر رکھ دی یا زمین سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ دی۔ یا اپنا کرتہ اتار ڈالا۔ یا ایک ہاتھ سے پگڑی سر پر باندھی (تو ان تمام مذکورہ صورتوں میں) نماز فاسد نہ ہوئی لیکن مکروہ ہوئی۔

۵- اور اگر ایک ہاتھ یا کوڑے سے کسی شخص کو مارا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یونہی محیط میں مذکور ہے۔

۶- ذخیرہ میں بیان کیا گیا کہ اگر کوئی نمازی کسی جانور پر سوار ہو۔ پھر اسے چابک مارا تا کہ وہ تیز رفتار ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر ایک دومرتبہ مارا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اگر لگاتار تین دفعہ مارا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض مشائخ نے فرمایا اگر اس کے پاس کوڑا تھا کہ جس سے جانور کو ہانکا۔ اور ذخیرہ کے بعض نسخوں میں ہے کہ اسے دوڑنے پر آمادہ کیا یا اسے ٹھونکا لگایا تو نماز (اوپر کی تمام صورتوں میں) فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر اس سے جانور کو راہ دکھایا اور اسے مارا تو نماز فاسد ہو جائے گی

۷- اور اگر ایک پاؤں کو حرکت دی لیکن گاہے گاہے ایسا کیا نہ کہ دائما تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر دونوں پاؤں کو متحرک کیا (یعنی دونوں پاؤں ہلائے) تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن بعض (اہل علم) نے فرمایا اگر دونوں پاؤں معمولی طور پر متحرک کیے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۸- امام ابوبکر سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ جس سے کہا گیا "تم نے کتنی رکعت نماز پڑھی؟ تو نمازی نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے سمجھایا کہ انہوں نے (دو رکعت نماز پڑھی ہے) تو اس طرح کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

۹- اگر نمازی نے ایسے انداز سے (سیاہی سے کاغذ وغیرہ پر) لکھا کہ حروف بالکل واضح اور نمایاں طور پر نظر آ گئے (لیکن تین کلمات سے کم تھے) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر تعداد مذکور سے زائد ہوں تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۱- **اقول فی التشریح** - اگر نمازی نے اپنے سر پر تیل لگایا خواہ برتن سے لیا یا اس کے ہاتھ میں تھا یا ایک ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھ سے لگایا نیز تیل لگانے میں عموم ہے خواہ سر پر لگائے، خواہ داڑھی پر یا جسم کے کسی حصے پر تو یہ ساری صورتیں برابر ہیں۔ اور اسی طرح اس نے اپنے بالوں میں کنگھی کی۔ یہاں بھی عموم ہے سر کے بالوں میں کنگھی کرے یا داڑھی کے بالوں میں، مذکورہ سب صورتوں کا جواب یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اسی طرح اگر اس نے سرمہ لگایا، یا عرق گلاب لے کر اپنے جسم کے کسی حصے پر لگایا تو اس صورت میں بھی نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر تیل اس کے ہاتھ میں ہو اور اپنے سر پر لگائے یا جسم کے کسی حصے پر دوسرے ہاتھ میں لئے بغیر لگائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہ عمل قلیل ہے۔ لیکن پہلی صورت میں عمل کثیر تھا۔ اس لئے فسادِ نماز کا حکم دیا گیا۔

۲- اس صورت میں نماز فاسد ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ کہ یہ عمل کثیر ہے۔ کہ بچے کو اٹھانا اور پھر اسے دودھ پلانا عملِ کثیر میں شامل ہے۔ اور اگر عورت نماز پڑھ رہی تھی تو بچے نے اس کی چھاتی منہ میں لے کر دودھ چوسا، اگر اس کے دودھ چوسنے سے دودھ نکل آیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں بچے کو دودھ پلانا ہے اور یہ عمل کثیر ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ جو کام مفسدِ صلوٰۃ ہو اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ اختیاری ہو۔ مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کو دھکیلا۔ وہ اس کے دھکیلنے کی وجہ سے بے قابو ہو کر چند قدم چل پڑا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ تو اسی طرح کسی شخص نے نمازی کو اٹھا کر جانور پر بٹھایا، یا جہاں وہ نماز پڑھتا تھا اس مقام سے اسے نکالا تو ان دونوں صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ حالانکہ ان دونوں صورتوں میں مفسدِ نماز اختیاری نہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ فسادِ نماز کے لئے کسی کام کا اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ اور اگر عورت کی چھاتی سے دودھ برآمد نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن اس میں ایک یا دو مرتبہ چوسنا مراد ہے۔ اگر بچے نے تین مرتبہ دودھ چوسا تو نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ دودھ خارج نہ ہو۔ امام قاضی خان نے یونہی ذکر کیا ہے۔

۳- اگر کسی نمازی نے اپنے ہاتھ سے کسی آدمی سے مصافحہ کیا اور اس مصافحہ سے اس کا مقصد سلام دینا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ نماز میں کسی کو سلام دینا جائز نہیں۔

۴- یہ مسئلہ صرف پگڑی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ٹوپی کو بھی شامل ہے۔ اگر یہ سارے کام اس نے بغیر تکرار کے ایک ہاتھ سے کئے تو نماز فاسد ہونے کے بجائے مکروہ ہوگی۔ بشرطیکہ بلا عذر ہو۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ پگڑی اتارنے اور رکھنے میں وجہ عدم فساد ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ ایک معمولی عمل ہے۔ رہا ٹوپی اتارنے اور رکھنے کا مسئلہ تو اس میں یہ کہنا کہ نماز فاسد نہیں ہوتی کچھ پیچیدہ سی بات ہے۔ اس لئے کہ یہ کام غالباً دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دونوں ہاتھ آستینوں میں ہوں۔ نیز دیکھنے والا اس کو نماز میں گمان نہیں کرتا۔ (لہٰذا اس میں احتیاط یہی ہے کہ فسادِ صلوٰۃ کا حکم دیا جائے) رہا پگڑی باندھنا تو کتب فتاویٰ میں اس کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا گیا اور یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ کام ایک ہاتھ سے نہیں ہو سکتا۔ اور یہی حکم ہے جب عورت اپنے سر پر دوپٹہ

اوڑھے۔ اگر پگڑی کے پیچ کھل جائیں تو ایک مرتبہ انھیں ٹھیک کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ کام ایک ہاتھ سے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مصنف کے کلام میں بھی یہی مفہوم مراد لینا چاہئے

مسئلہ: اگر سردی اور گرمی کے ڈر سے کسی نے اپنے سر پر پگڑی رکھی تو کراہت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہ عذر پر مبنی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کے کپڑے یا پگڑی پر نجاست لگ جائے تو اس وجہ سے وہ انھیں اتار دے تو کراہت نہ ہوگی۔

مسئلہ: فتاویٰ حجت میں مذکور ہے کہ اگر عمل قلیل سے ٹوپی یا پگڑی زمین پر گر جائیں تو انھیں اٹھائے، تو ننگے سر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ لیکن اگر پگڑی کے پیچ کھل جائیں اور اس کے اٹھانے میں عمل کثیر کی احتیاج ہو تو پھر نہ اٹھائے۔

۵- اس صورت میں فسادِ نماز کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جھگڑا کرنا ہے۔ یا دوسرے کو ادب سکھانا ہے یا اس سے سیکھنا ہے۔ اور یہ سب کام عملِ کثیر میں داخل ہونے کی وجہ سے مفسدِ صلوٰۃ ہیں۔

۶- اس مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ اگر اس نے گھوڑے وغیرہ کو تیز رفتاری کے لئے مارا اور ایڑ لگائی، خواہ ایک ہی دفعہ مارا ہو جیسے کسی انسان کو مارنا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن بعض مشائخ نے ایک دو مرتبہ مارنے میں نماز فاسد نہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر ایک رکعت میں تین مرتبہ لگاتار مارے جیسا کہ خلاصہ میں یہ قید لگائی گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

اور وجہ فساد یہ ہے کہ اگر چہ ضرب یہاں عمل قلیل ہے لیکن وہ تکرار سے عمل کثیر ہو جاتا ہے۔ مگر انسان کو مارنا اگر چہ ایک مرتبہ ہو وہ مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ کیونکہ کسی انسان کے حق میں ضرب سیکھنے سکھانے اور اعلام کا مفہوم ادا کرتی ہے جو کہ مفسد نماز ہے۔

قاعدہ

جو کام ایک ہاتھ سے انجام پائے وہ عمل قلیل میں شمار ہے۔ لیکن اگر اس میں تکرار ہو جائے تو وہ عمل کثیر ہو جائے گا۔ نیز اگر جانور کو دوڑانے کے لئے یا اسے راستہ دکھانے کے لئے لاٹھی مارے تو نماز فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل قلیل ہے۔ لیکن اگر اس کام میں تکرار پیدا ہو جائے تو پھر عمل کثیر ہو جائے گا۔ اور اگر راستہ دکھانے کے لئے جانور کو کوڑا لگایا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں تعلیم اور ضرب دونوں ہیں اور یہ عمل کثیر ہے۔

۷- اگر نمازی ایک رکعت میں ایک یا دو مرتبہ ایک پاؤں کو حرکت دے کر جانور کو تیز رفتار کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ عملِ قلیل ہے۔ لیکن اگر دونوں پاؤں متحرک کرے تو دونوں ہاتھوں پر اعتبار کرتے ہوئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر دونوں پاؤں معمولی متحرک رکھے کہ بغیر غور و فکر کے عام آدمی کو معلوم نہ ہو سکے تو اس صورت میں بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی بشرطیکہ تکرار نہ ہو۔

۸- امام ابوبکر کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ نمازی نے ہاتھ کی دو انگلیوں سے یا تین انگلیوں سے اشارہ کر کے پوچھنے والے کو، دو یا تین رکعتوں کے بارے میں سمجھایا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ عمل قلیل ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

۹- کتابت کی پہلی صورت میں نماز فاسد نہ ہونے کی وجہ عمل قلیل ہے۔ اور اگر نمازی نے ایسے انداز سے لکھا کہ حروف نمایاں نہ ہوئے

مثلاً ہوا پر لکھنا، یا پانی پر لکھنا یا خوشہ سے کپڑے پر لکھنا (ان تینوں صورتوں میں تحریری حروف نمایاں نہیں ہوتے اور نہ دکھائی دیتے ہیں اور اگر سیاہی سے کپڑے یا کسی اور چیز پر لکھے تو حروف نمایاں ہو کر دکھائی ہیں)۔ پس پہلی صورت میں الفاظ تین حروف سے کم ہوئے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر تین یا تین حروف سے زیادہ ہوں تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ عمل کثیر پایا گیا۔ اور اگر غیر نمایاں طور پر لکھا تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ مکروہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے بے فائدہ کام کیا۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ غیر نمایاں طور پر لکھنے میں یہ قید ملحوظ رہے کہ کثرت سے ایسا نہ کرے کہ دیکھنے والا یہ خیال کرے یہ نماز میں نہیں ہے۔

و فی الملتقط اذا قال المصلی مثل ما قال المؤذن تفسد و فی الخاقانية ان اذن يريد به الاذان تفسد و قال ابو يوسف لا تفسد ما لم يقل حَيَّ علی الصلوٰة و لو سمع اسم الله فقال جل جلاله او سمع اسم النبی صلی الله عليه وسلم فقال صلی الله عليه وسلم ان اراد اجابته تفسد و ان لم يرد به الجواب لا تفسد و لو انشاء شعرا او خطبة و لم يتكلم بلسانه لا تفسد و قد اساء و لو رد السلام بيده او برأسه او طُلِبَ منه شئ فاومی برأسه ای قال نعم او لا لا تفسد و لو قال اللّٰهم اكرمنی او قال انعم علیّ او اصلح امری او قال اللّٰهم ارزقنی العافية او قال اللّٰهم اغفر لی و لوالدیّ و للمؤمنين و المؤمنات لا تفسد و لو قال اللّٰهم اغفر لاخی ففيه اختلاف المتأخرين و لو قال اللّٰهم اغفر لعمّی تفسد و لو قال اللّٰهم ارزقنی رؤيتک او جنتک او حج بيتک لا تفسد بالاجماع و لو قال اللّٰهم ارزقنی دابة او كرما او قال اقض دينی تفسد و لو نظر الیٰ الكتاب و فهم ان نظر غير مستفهم لا تفسد بالاجماع و ان نظر مستفهما ذكر فی الملتقط تفسد و فی الاجناس لا تفسد عند ابی يوسف و به اخذ مشائخنا و ان قرأ من المصحف او من المحراب تفسد عند ابی حنيفة خلافا لهما و لو اخذ حجرا فرمیٰ به تفسد و لو كان معه حجر فرمی به لا تفسد و قد اساء و فی الاجناس ان رمیٰ باطراف اصابعه واحدا لا تفسد و لو حک جسده مرة او مرتين لا تفسد و لكن يكره و كذا اذا فعل مرارا غير متواليات لا تفسد و لو فعل مرارا متواليات تفسد هذا اذا رفع يده فی كل مرة و اما اذا لم يرفع فی كل مرة فلا تفسد و ذكر فی

الاجناس اذا قتل القملة مرارا ان قتل متدارکا تفسد و ان کان بین القتلات فرصة لا تفسد و الکف عنه افضل و کذا الوروح بثوبه او بمروحة مرة او مرتین و لو تنحنح یرید به اعلامه انه فی الصلوٰة و سمع حروفه او تنحنح لتحسین الصوت متعمدا تفسد عند ابی حنیفة و ابی یوسف کذا ذکره فی الاجناس و لو استاذن رجل المصلی فجهر بالقراء ة او قال الحمد للّٰہ و اللّٰہ اکبر لا تفسد

ترجمہ:

(۱) فتاویٰ ملتقط میں ہے کہ جب نمازی نے اس طرح کیا، جس طرح مؤذن نے کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر اس نے اذان دی۔ جبکہ وہ صرف اذان کا ارادہ رکھتا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جب تک حَیَّ علی الصلوٰۃ نہ کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۲) اور اگر نمازی نے اللہ تعالیٰ کا نام سنا تو جَلَّ جَلَالُہ کہہ دیا، یا حضور ﷺ کا نام سنا اور علیہ السلام کہا اگر اس نے جواب دینے کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر جواب کا ارادہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۳) اگر نمازی نے اپنے دل میں شعر یا خطبہ تیار کیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ بلکہ یہ گنا ہگار ہوگا۔

(۴) اگر اس نے اپنے ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا، یا اس سے کوئی چیز مانگی گئی تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا یعنی ہاں کہا یا نہیں۔ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۵) اور اس نے کہا اے اللہ! مجھے عزت دے، یا کہا مجھ پر احسان کر۔ یا میرے کام کی اصلاح فرما۔ یا کہا اے اللہ! مجھے عافیت دے۔ یا کہا اے اللہ! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور تمام مردوں اور عورتوں کو بخش دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر کہا اے اللہ! میرے بھائی کو بخش دے تو اس میں متاخرین کا اختلاف ہے اور اگر کہا اے اللہ میرے چچا کی مغفرت کر دے تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اگر اس نے کہا اے اللہ! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما، یا اپنی جنت عطا فرما، یا اپنے گھر کی زیارت نصیب فرما تو ساری صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ بالاجماع

(۶) اگر اس نے کہا اے اللہ! مجھے سواری کا جانور، یا انگور دے، یا میرا قرض ادا فرما، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۷) اور اگر اس نے کسی کتاب کو دیکھا اور سمجھ گیا جو کچھ اس میں ہے۔ اگر سمجھنے کے لئے اس نے نہ دیکھا تھا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر سمجھنے کے لئے دیکھا تو فتاویٰ ملتقط میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز فاسد ہوگئی۔ لیکن اجناس میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ اور ہمارے مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۸) اور اگر اس نے مصحف یا محراب سے کچھ پڑھا تو ابو حنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک

نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۹) اور اگر اس نے پتھر لیا اور اسے پھینکا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر اس کے پاس پتھر موجود تھا اور پھر اسے پھینکا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن یہ گناہگار ہوگا۔ اور اجناس میں ہے کہ اگر اس نے اپنی انگلیوں کے پوروں سے ایک مرتبہ پتھر پھینکا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۱۰) اگر اس نے ایک یا دو دفعہ اپنے جسم کو کھجلایا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔ اور یہی حکم ہے جب کئی بار جسم کھجلائے بشرطیکہ لگاتار نہ ہو۔ اور کئی بار لگاتار کھجلائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب ہر دفعہ اپنا ہاتھ اٹھائے۔ اور اگر ہر دفعہ ہاتھ نہ اٹھائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۱۱) اجناس میں بیان کیا گیا کہ جب نمازی کئی بار "جوں" مارے، اگر اس نے لگاتار ماریں تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر مارنے کے درمیان کچھ وقفہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن اس کام سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔

(۱۲) اور اسی طرح اس نے اپنے کپڑے یا پنکھے سے ایک یا دو مرتبہ ہوا حاصل کی۔

(۱۳) اور اگر نمازی نے کھانسی کی یعنی گلا سنوارا، اس سے اس کا مقصد دوسرے کو آگاہ کرنا تھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے لیکن حروف سنے گئے یا اس نے آواز ٹھیک کرنے کے لئے گلا سنوارا تو شیخین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اسی طرح اجناس میں مذکور ہے۔

(۱۴) اگر کسی شخص نے نماز پڑھنے والے سے اجازت مانگی تو نمازی نے بلند آواز سے قراءت کی یا کہا، **الحمد للہ** یا کہا **اللہ اکبر** تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

اقول فی التوضیح

۱) اگر نمازی مؤذن کے الفاظ دہرائے تو امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ بشرطیکہ اس نے کلماتِ مؤذن کے جواب دینے کا فیصلہ کیا۔ البتہ امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک **حَیَّ علی الصلوٰۃ یا حَیَّ علی الفلاح** نہ کہے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور دوسری صورت فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی، نماز پڑھنے کے دوران اذان دے اور اس کا مقصد اس اذان سے لوگوں کو نماز کے وقت سے آگاہ کرنا ہو تو اس صورت میں بھی امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن امام ابو یوسف کا یہاں بھی اختلاف سابق کی طرح اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اذان وقت سے آگاہ کرنا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ذکر ہے۔ البتہ اس میں **حَیَّ علی الصلوٰۃ** اور **حَیَّ علی الفلاح** خطاب ہے۔

فائدہ: علامہ حلبی کبیری میں لکھتے ہیں کہ کلام کی تین قسمیں ہیں:-

۱) عین اور معنی دونوں خطاب ہوں۔ تو اس صورت میں نماز بالاتفاق فاسد ہو جائے گی۔ خواہ کلام دانستہ ہو یا بھول کر۔

۲) عین اور معنیٰ دونوں خطاب اور کلام نہ ہوں تو اس صورت میں بھی بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر چہ کلام بے محل ہو۔ جیسے کسی نے رکوع، سجدے یا تشہد میں قرأت کی۔ ان ساری صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

۳) جس کا عین ذکر ہو اور معنیٰ کلام ہو یعنی جواب کے قائم مقام ہو۔ تو اس میں ہمارے آئمہ کا اختلاف ہے اگر کسی نے اس طرح کا کلام کیا تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف فسادِ نماز کے قائل نہیں۔ اسی قاعدے پر چند مسائل متفرع ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ کسی نمازی نے اللہ تعالیٰ کا نام نماز میں سنا تو جَلَّ جلالہ کہہ دیا یا حضور ﷺ کا نام سنا تو "علیہ السلام" کہہ دیا، یا بادلوں کا گرجنا سنا، یا بجلی کڑکی تو تسبیح پڑھی۔ یا چھینک مارنے والے کا جواب دیا یا اِنَّا لِلّٰه پڑھا تو ان سب مسائل میں طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن امام ابو یوسف کے اجتہاد کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی۔

نمازی نے اللہ تعالیٰ کا نام سنا تو جل جلالہ یا باقی الفاظِ تعظیم کہہ دیا۔ یا حضور ﷺ کا نام سنا تو درود شریف پڑھا۔ اگر اس کا مقصد جواب تھا تو اس ارادے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر جواب مقصود نہ تھا بلکہ اپنے طور پر ثناء وصلوٰۃ کا ارادہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اس سے نماز میں اس کے خلاف کوئی چیز صادر نہیں ہوئی۔

۳) کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اگر صرف دل میں اشعار یا خطبے کا تصور کرے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ صرف اعمال قلب پر نماز کے فاسد ہونے کا مدار نہیں۔ جب تک کہ زبان سے تلفظ نہ ہوں۔ لیکن اتنی سی حرکت پر بھی یہ شدید گناہگار ہوگا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے خشوع و خضوع رہ گیا جو کہ نماز میں کسی حد تک مقصود ہے۔ دوسری وجہ نماز سے ہٹ کر کسی دوسری چیز میں اپنے دل کو لگانا ہے۔

۴) اس نمبر کا حاصل یہ ہے کہ اگر نمازی اپنے ہاتھ یا اپنے سر سے اشارہ کر کے سلام کا جواب دے یا اس سے کوئی چیز مانگی گئی تو اس نے سر یا آنکھوں یا ابروؤں سے اشارہ کیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہاں یا نہیں۔ تو ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ صرف اشارہ ہے الفاظ نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے نمازی کو درہم دکھا کر کہا کہ کیا یہ کھرا ہے؟ تو نمازی نے ہاں یا نہیں کا اشارہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ عملِ کثیر نہیں۔

مسئلہ: ذخیرہ میں ہے کہ حالتِ نماز میں نمازی سے گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فنادته الملائكة و هو قائم يصلي في المحراب یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی جب کہ وہ عبادت میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر نمازی، نمازی سے گفتگو کر سکتا ہے۔

مسئلہ: احکام القرآن میں ہے کہ نمازی سر کے اشارے سے جواب دے سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر نمازی سے کہا گیا کہ آگے ہو جا اور وہ آگے ہو گیا، یا صف میں کوئی شگاف تھا تو نمازی کی جانب سے کوئی آدمی داخل ہوا اور نمازی نے اسے کشادگی کر کے جگہ دی تو ان دونوں صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے حالتِ نماز میں غیر خدا کا حکم مانا اور اس میں بہتر

یہ ہے کہ یہ کچھ دیر ٹھہر جائے اور پھر اپنی مرضی سے آگے، پیچھے ہو جائے مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور نماز بھی فاسد نہ ہو گی۔

۵) اس بات میں قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا مطالبہ مخلوق سے محال ہو تو اس کی دعا مانگنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ "اللّٰھم ارزقنی" کہنا اس باب سے ہے کہ اس بات کا مطالبہ مخلوق سے محال نہیں۔ لہٰذا یہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہ ہو گی بشرطیکہ مطلق ہو۔ اور اگر اس میں مال وغیرہ کی قید ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اللّٰھم انعم علیّ وغیرہ، تو اس قسم کے الفاظ میں صاحب محیط کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور مسلک مختار یہ ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں موجود ہو تو اس کے دُہرانے سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ یا جو کسی ایک میں موجود نہیں تو پھر اس میں اعتبار سابقہ قاعدے کا ہے۔ اور اگر نمازی نے کہا کہ میرے بھائی کو بخش دے۔ تو اس میں متاخرین اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ یعنی بعض فسادِ صلوٰۃ کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور اگر اس نے کہا کہ میرے چاچا یا ماموں کو بخش دے تو بالاتفاق نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نظیر قرآن و حدیث میں نہیں اور اس کا مطالبہ مخلوق سے محال نہیں اور اگر اس نے دیدارِ باری تعالیٰ، یا جنت یا حج بیت اللہ کا سوال کیا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہو گی۔ کیونکہ ان چیزوں کا مطالبہ مخلوق سے نہیں ہو سکتا۔

۶) چھ نمبر کی صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ ان چیزوں کا مطالبہ مخلوق سے محال نہیں۔

۷) اس میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس نے مکتوب کو سمجھنے کے ارادے سے دیکھا تو فتاویٰ ملتقط کے مطابق نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام محمد سے یہی مروی ہے۔ اور اگر اس نے ویسے ہی مکتوب کو دیکھا اور اس کا مقصد اسے سمجھنا نہ تھا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔

نوٹ

الکافی میں ہے کہ امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف فسادِ صلوٰۃ کے قائل نہیں۔ اور یہ مسئلہ یمین پر مبنی ہے۔ کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کا خط نہیں پڑھے گا۔ پھر اگر اس نے دیکھا اور سمجھ گیا تو امام محمد کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک حنث نہ ہو گا۔ لیکن اس باب میں صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق نماز فاسد نہ ہو گی۔ لہٰذا یہ مسئلہ یمین سے الگ ہے۔ علامہ حلبی اجناس کے حوالے پر لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ نماز بالاتفاق فاسد نہ ہو گی۔ ہدایہ اور کافی میں یہی مذکور ہے۔

۸) اگر نمازی نے مصحف یا محراب سے قرآن مجید پڑھا تو امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ جبکہ ان کے دو شاگرد فسادِ نماز کے قائل نہیں البتہ ان کے نزدیک نماز مکروہ ہو گی۔ کیونکہ اس میں اہلِ کتاب سے مشابہت ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک فساد کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عمل کثیر ہے۔ اور دوسرا اس میں تعلم ہے اور وہ بھی عمل کثیر ہے۔ اب رہی یہ بات کہ تھوڑا یا زیادہ پڑھنے میں کچھ فرق ہے تو امام صاحب کے نزدیک کچھ فرق نہیں۔ لیکن بعض نے کہا کہ جب تک فاتحہ کی مقدار نہ پڑھے، نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور بعض کا خیال یہ ہے کہ حکم فساد ایک آیت پڑھنے پر ہے۔ اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ اور یہ حکم اس صورت پر ہے کہ یہ حافظ نہ ہو۔ یعنی جو کچھ اس نے پڑھا اسے یاد نہ ہو۔ اور اگر حافظ ہو تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہو گی۔

۹) علامہ صغیری لکھتے ہیں کہ پہلی صورت میں اس لئے نماز فاسد ہو گی کہ عمل کثیر ہے۔ اور دوسری صورت میں عدمِ فساد عمل قلیل ہونے کی وجہ ہے۔ لیکن یہ گناہگار ہو گا کیونکہ حالتِ نماز میں یہ دوسری طرف مشغول ہوا۔

مسئلہ......اگر نمازی کے پاس پتھر تھا اور اس نے کسی انسان کو مارا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح آدمی کو ہاتھ یا لاٹھی سے ماریں تو ان دونوں صورتوں میں فسادِ صلوٰۃ ہے کیونکہ یہ جھگڑے میں داخل ہے۔

انگلیوں کے پوروں سے پتھر کا مفہوم یہ ہے کہ ایک پتھر پھینکا تو نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ مکروہ ہوگی۔ اور اگر دو پتھر پھینکے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عمل قلیل ہے۔ اور اگر کمان سے تیر پھینکا تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں عمل کثیر ہو جائے گا۔

(۱۰) اور اگر کئی مرتبہ جسم کھجلائے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ لگاتار نہ ہو اور ایک رُکن میں بھی نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور کئی مرتبہ لگاتار ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ عمل کثیر ہے۔ اور خلاصہ میں ہے کہ ہاتھ اٹھانے یا نہ اٹھانے کا بھی اس میں دخل ہے۔ یعنی تین بار لگاتار کھجلانے میں ہر بار ہاتھ اٹھائے تو نماز فاسد ہوگی۔ لیکن اگر ہر مرتبہ ہاتھ نہ اٹھائے تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ وہ ایک ہی مرتبہ کھجلانا ہے۔

(۱۱) اس نمبر کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جُوں کو متعدد بار مارے یا متعدد جوئیں ایک بار مارے، اور یہ کام لگاتار کرے، یعنی دو کے قتل میں وقفہ نہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر قتلات میں وقفہ ہو یعنی ایک رکن کی مقدار وقفہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن اس سے پرہیز کرنا افضل ہے۔

(۱۲) اور یہی حکم ہے پنکھے یا کپڑے سے ہوا لینے کا اور اگر ایک یا دو مرتبہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور لگاتار کئی مرتبہ ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(۱۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی نے گلا اس لئے سنوارا اور وہ کھانسنے لگا کہ وہ دوسرے کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ لیکن اس کے اُخ اُخ کرنے کے حروف سنائی دیئے یا اس نے دانستہ تحسینِ صوت کے لئے کھانسی کی۔ یعنی وہ مجبور تو نہ تھا محض آواز سنوارنے کے لئے۔ تو امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ چنانچہ تمام کتبِ فقہ میں یہی مذکور ہے۔ لہذا اجناس کا امام صاحب کے ساتھ امام ابو یوسف کا ذکر کرنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ صحیح امام ابو حنیفہ اور امام محمد ہیں۔ اور یہ قول بالفساد، امام اسماعیل زاہد کا قول ہے۔ اور صاحب ہدایہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ اور دوسرے کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ محقق ابن ہمام نے فرمایا کہ بس یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ اگر تحسینِ صوت کے لئے حلق سنوارا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ پھر اگر عذر سے ایسا کیا یعنی مجبور تھا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں بچنے کا امکان نہیں۔ اور یہی حکم ہے کہ اس میں تھوک جمع ہونے کی وجہ سے گلا سنوارا تو پھر فسادِ نماز کا حکم نہ ہوگا۔

(۱۴) مفہوم یہ ہے کہ نمازی نے کلمات مذکورہ بلند آواز سے اس لئے کہے کہ آنے والے کو یہ علم ہو جائے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ لہذا وہ اُسے اجازت نہیں دے سکتا۔ تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر تسبیح کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نماز میں کسی کو کوئی عارضہ پیش آجائے تو اسے تسبیح پڑھنے چاہئے۔ تاکہ مشکل رفع ہو جائے۔ اور اسے اطمینان اور تسلی ہو جائے بلکہ دونوں مطمئن ہو جائیں۔

و ان قَبَّلَتِ المصلّیَ امرأته و لم يقبّلها هو فصلاته تامة و ان قبلها هو بشهوة او بغير

شهــــوة فسدت المصلى اذا وسوسه الشيطان فقال لا حول و لا قوة الا بالله ان كان ذلك في امر الأخر لا تفسد و ان كان في امر الدنيا تفسد كذا ذكره في الذخيرة المصلى اذا اراد ان يسلِّمَ على غيره ساهيا فقال السلام فتذكر فسكت تفسد و ذكر في الذخيرة المشى في الصلوٰة اذا كان مستقبل القبلة لا تفسد اذا لم يكن متلاحقا و لم يخرج من المسجد و في الفضاء ما لم يخرج من الصفوف و بعض المشائخ قالوا في رجل رأى فرجة في الصف الثاني فمشى اليها لا تفسد و لو مشى الىٰ الصف الثالث تفسد هذا كله اذا لم يكن مستدبر القبلة و اما اذا استدبر القبلة فسدت كما اذا استدبر القبلة على ظنّ انه رَعُفَ ثم تبيّن انه لم يكن رَعُفَ فسدت و ان لم يخرج من المسجد و لو مضغ العلك او الهليلج تفسد و لو ابتلع ما بين اسنانه ان كان زائدا على قدر الحمصة تفسد و ان كان اقل من قدر الحمصة لا تفسد و لا صومه ايضاً

ترجمہ:

۱- اگر کسی نمازی کو اس کی عورت نے بوسہ دیا لیکن نمازی نے اسے بوسہ نہ دیا تو نمازی کی نماز پوری ہوگئی۔ اور اگر نمازی نے اسے شہوت یا بغیر شہوت کے بوسہ دیا تو نمازی کی نماز فاسد ہوگئی۔

۲- جب کسی نمازی کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تو اس نے لَا حَولَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ دیا۔ اگر اس کا تعلق امرِ آخرت سے ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر اس کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی یونہی اس کو ذخیرہ میں بیان کیا گیا۔

۳- اگر کسی نمازی نے دوسرے کو بھول کر سلام دینے کا ارادہ کیا اور کہا ''السلام'' پھر اسے یاد آ گیا اور خاموش ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۴- ذخیرہ میں بیان کیا گیا کہ نماز میں چلنا اگر جانب قبلہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ بشرطیکہ پے در پے نہ ہو۔ اور مسجد سے باہر نہ نکلے۔ اور کھلی فضا میں حکم یہ ہے کہ جب تک صفوں سے باہر نہ جائے۔

۵- بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے دوسری صَف میں کشادگی دیکھی تو وہ اسے بھرنے کے لئے چلنے لگا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر تیسری صف کی طرف چل کر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور یہ سب حکم اس وقت ہے جبکہ یہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے والا نہ ہو۔ لیکن اگر اس نے قبلہ کی طرف پیٹھ کردی تو نماز فاسد ہوگی۔ اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے

جس نے قبلہ سے پیٹھ پھیری اس گمان سے کہ اس کی نکسیر پھوٹ پڑی۔ پھر اس پر واضح ہوا کہ اس کی نکسیر جاری نہیں ہوئی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی اگر چہ مسجد سے باہر نہ نکلے۔

۶- اگر کسی نمازی نے دنداسہ یا ہلیلہ چبایا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۷- جو کچھ دانتوں میں اٹکا ہوا ہے اگر اسے نگل لیا، بشرطیکہ چنے کی مقدار سے زیادہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر چنے کی مقدار سے کم ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اس صورت میں اس کا روزہ بھی فاسد نہ ہوگا۔

تشریح الفاظ

۱:... قَبَّلَتْ ... عورت نے بوسہ دیا، ۲: لَمْ يُقَبِّلْ ... مرد نے بوسہ نہ دیا۔ ۳:... المشي ... چلنا، ۴: مستقبل القبلة ... قبلہ طرف منہ کرنے والا۔ ۵: متلاحق ... پے در پے اور لگا تار کام کرنے والا، ۶: الفضا ... کھلا میدان۔ ۷: فرجة ... کشادگی ۸: مستدبر القبلة ... قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے والا۔ ۹: استدبر ... اس نے پیٹھ کی، ۱۰: رَعُفَ ... اس کی نکسیر پھوٹ پڑی ۱۱: مَضَغَ ... اس نے چبایا، ۱۲: العلک ... دنداسہ۔ ۱۳:... هَلِيلَج ... ہلیلہ، ۱۴: اِبْتَلَعَ ... اس نے نگل لیا۔ ۱۵: اسنان دانت یہ سن کی جمع ہے، ۱۶: الحمصة ... چنے کا دانہ۔ ۱۷: اَقَلَّ ... کم ہو۔

اقول شرحا

۱) اس صورت کی وضاحت یہ ہے کہ مرد نماز پڑھ رہا تھا تو عورت نے اسے بوسہ دیا لیکن مرد نے نہ تو اسے بوسہ اور نہ اس میں شہوت ابھار پیدا ہوا۔ تو اس صورت میں مرد کی نماز پوری ہو گئی۔ اس میں کوئی نقص پیدا نہ ہوا۔ لیکن اگر مرد نے عورت کو بوسہ دیا خواہ شہوت ہو یا نہ ہو تو نماز فاسد ہو گئی۔ اس لئے کہ عملِ کثیر پایا گیا۔ کیونکہ اس حالت میں جس نے اسے دیکھا وہ اسے نماز پڑھنے والا نہیں سمجھ سکتا۔ اور اگر نماز پڑھنے والی عورت نے اپنے شوہر کو بوسہ دیا، خواہ شہوت موجود ہو یا نہ ہو عورت کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کو طلاق رجعی ہو گئی تو مرد نے شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھا تو مرد رجوع کرنے والا ہو جائے گا۔ لیکن اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی پسندیدہ قول ہے۔

۲) اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ اگر شیطان کا وسوسہ امرِ آخرت کے متعلق ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر امرِ دنیا کے متعلق ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔

۳) اگر نمازی نے بھول کر کسی کو سلام دینے کا ارادہ کیا اور صرف لفظ " السلام " بولا اور اسے خیال آ گیا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں اور پھر وہ خاموش ہو گیا اور اس نے علیکم نہ کہا تو اس صورت میں بھی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خطاب اور جواب کے طور پر السلام کہا۔ اور حکم یہ ہے کہ خطاب یا جواب کے طور پر کلمات ذکر پڑھے جائیں تو وہ کلام الناس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک نماز نہیں فاسد ہونی چاہئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ارادے سے کلماتِ ذکر میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

۴) نمازی اگر حالتِ نماز میں چلنے لگے تو اس میں دو شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور اس کے قدم لگا تار نہ ہوں۔ اگر

مسجد میں ہو تو مسجد سے باہر نہ نکلے۔ تو ان شرائط کے پائے جانے کی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر کھلے میدان میں ہو تو باقی شرائط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متعینہ صفوف سے باہر نہ جائے۔ علامہ حلبی اس کی صورت یہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی نماز میں سمتِ قبلہ چلے اور اس کے چلنے میں تدارک نہ ہو یعنی ایک صف کی مقدار چلے اور پھر رُکن کی مقدار کھڑا ہو جائے۔ پھر ایک صف کی مقدار چلے اور اسی طرح بہت سی صفوں کی مقدار چلتا رہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہاں اگر مسجد سے نکل گیا یا صفوں سے آگے بڑھ گیا تو پھر فسادِ نماز کا حکم دیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ دو صفوں کی مقدار لگا تار چلتا رہا یا مسجد سے نکل گیا یا کھلے میدان میں جو صفیں بچھی ہوئی تھیں ان سے آگے بڑھ گیا تو ان ساری صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک نمازی کھلے میدان میں تھا لیکن اس کے سامنے جانب قبلہ کوئی صف نہ تھی تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ جب تک مقامِ سجدہ سے تجاوز نہ کرے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر یہ متجاوز ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ضروری تنبیہ

عورت کے لئے ''گھر'' ابو علی نسفی کے نزدیک مسجد کی طرح ہے جبکہ دوسرے اہلِ علم کے نزدیک جنگل اور بیابان کی طرح ہے۔

۵) اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نمازی نے اپنی صف کی بہ نسبت دوسری صف میں جو اس سے آگے تھی، اس میں اور صف میں کوئی چیز حائل نہ تھی۔ کوئی کشادگی دیکھی اور اس نے چل کر اسے پُر کر دیا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر یہ تیسری صف کی طرف چل کر گیا جس کی حالت یہ تھی کہ اس کے اور تیسری صف کے درمیان کوئی اور صف تھی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ خواہ اس کی رفتار لگا تار ہو یا لگا تار نہ ہو۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ نمازی قبلہ شریف سے پیٹھ نہ پھیرے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ قبلہ کی طرف چلے، یا دائیں بائیں چلے یا الٹے پاؤں چلے۔ لیکن اگر اس نے قبلہ سے پیٹھ پھیر دی تو نماز فاسد ہو گئی۔ خواہ تھوڑا چلا یا زیادہ یا بالکل نہ چلا ہو۔ اس کی مثال میں مصنف نے دوسرا مسئلہ پیش کیا! کہ نکسیر یا حدث کے خیال سے اس نے قبلہ کی طرف سے پیٹھ پھیری تو نماز فاسد ہو گئی۔ اگرچہ مسجد سے باہر نہ ہوا ہو کیونکہ یہ بلا ضرورت استدبارِ قبلہ ہے جو مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

۶) چبانے میں شرط یہ ہے کہ تین مرتبہ چبائے۔ اور اگر اس نے ھلیلہ چبایا نہیں لیکن کچھ تھوڑا سا حلق سے اتر گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور یہی حکم شکر وغیرہ کا ہے۔

۷) دانتوں میں اٹکی ہوئی چیز چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو پھر نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر چنے کی مقدار سے کم ہے تو نماز فاسد ہوگی نہ روزہ۔

مسئلہ: اگر کسی نے کوئی میٹھی چیز کھائی اور اس کے منہ میں مٹھاس کا ذائقہ رہ گیا اور اس نے نماز شروع کی تو اس مٹھاس والے تھوک کو نگل گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس کی مقدار بہت کم ہے۔

بعض مسائل متعلقہ

تمہید

علامہ حلبی نے گزشتہ بحث کے اختتام پر کچھ مسائل تکمیل بحث کے طور پر فروع کے عنوان سے یہاں ذکر کئے ہیں۔ ہم انہیں یہاں برائے فائدہ

درج کرتے ہیں:

۱- اگر کسی نمازی نے دورانِ نماز پھونکا۔ اگر غیر مسموع ہو تو اگرچہ نماز فاسد نہ ہوگی تاہم مکروہ ہوگی۔ لہذا پرہیز کیا جائے۔ اور اگر مسموع ہو یعنی اس میں حروف ہجی پیدا ہو جائیں مثلاً اُف، تُف وغیرہ تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۲- اگر چھینک ماری اور اس میں حروف پیدا ہو گئے جیسے اصہب وغیرہ تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ حالت اضطراری غیر اختیاری ہے۔

۳- اگر کسی نمازی نے ڈکار ماری جبکہ حروف پیدا ہو گئے بشرطیکہ (حتی الامکان) اس کا دفاع کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور یہی حکم اس جمائی کا ہے کہ جس میں حروف پیدا ہو گئے ہوں۔ اور اگر دفاع نہ کیا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ فتاویٰ قاضی خان میں عدمِ فساد کو علی الاطلاق ذکر کیا گیا ہے یعنی اس کو دفاع وغیر دفاع کی قید لگائے بغیر ذکر کیا گیا جبکہ "الکافی" میں قید مذکور ذکر کی ہے۔ پھر دونوں کا الگ الگ حکم بیان کیا مراد یہ ہے کہ دفاع کی صورت میں عدم فساد اور عدم دفاع کی صورت میں فسادِ نماز کا ذکر فرمایا۔ (کذا قال الحلبی)

۴- اگر کسی نے دروازے پر دستک دی تو نمازی نے کہا (من دخله كان آمناً) یعنی جو کوئی اندر داخل ہو اس کے لئے امن ہے) اس سے نمازی کا ارادہ اجازت تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یونہی اگر اس سے کہا گیا (مِنْ أَيْنَ جِئْتَ) یعنی تو کہاں سے آیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا (بئرٍ معطلة و قصرٍ مشيد) یعنی ویران کنوئیں اور چونہ کئے ہوئے محل سے۔ اور اسی طرح اس سے کہا گیا (مَا مَا لَكَ) یعنی تیرا مال کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا (الخيل و البغال و الحمير) یعنی گھوڑے، گدھے اور خچر۔ اگر اس کا ارادہ جواب تھا تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

۵- اگر اس کی زبان کلمہ "نعم" یا فارسی میں "آرے" (ہاں) کہہ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ اکثر اوقات نماز کے علاوہ اس کی زبان پر لفظ مذکور جاری ہو جاتا ہو وجہ فساد یہ ہے کہ لفظ مذکور اس کا اپنا کلام ہے۔ اور اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ قرآنی الفاظ میں سے ہے۔ (کذا فی الفتاویٰ)

۶- اگر تورات، انجیل کا کوئی ایسا حصہ پڑھا جو ذکر نہ ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کوئی شعر پڑھا اگرچہ اس میں ذکر ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۷- اگر دانتوں سے خون نکلا اور اسے نگل لیا۔ بشرطیکہ پُر دہن نہ ہو۔ یونہی ملاء الفم سے کم قے ہوئی یعنی آنے لگی پھر واپس الی الجوف ہو گئی جبکہ وہ اس کے روکنے پر قادر نہ تھا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوئی۔ (نتیجہ) اگر شرائط مذکورہ میں سے سب یا کوئی مفقود ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسے کہا جاتا ہے (اذا وجد الشرط وجد المشروط و اذا لا فلا) مشہور قاعدہ مسلمہ عند اہل العلم ہے۔

۸- اگر چراغ کی بتی اٹھائی، یا چادر گرائی یا کوئی معمولی چیز ایک ہاتھ سے اٹھائی یا کوئی بچہ یا کوئی کپڑا اپنے کاندھے پر اٹھایا (تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی)۔

۹- اگر کسی جانور پر سوار ہوا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر جانور سے نیچے اترا تو فاسد نہ ہوگی (اور یہ عمل کثیر اور قلیل پر مبنی ہے۔

(الرکوب من الکثیر و النزول من القلیل)۔

۱۰- اگر دروازہ بند کیا تو نماز فاسد ہوگئی۔اور اگر کھولا تو فاسد نہ ہوگی۔اسی طرح اگر کرتہ پہنا تو نماز جاتی رہی ہاں اگر کشادہ ہو کہ ایک ہاتھ سے پہن سکے تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی۔اور یہی حکم کرتہ اتارنے کا ہے۔

۱۱- اگر جانور کو لگام دی یا اس پر زین رکھی یا اس سے زین اتاری (تو ان صورتوں میں نماز فاسد ہوگئی اور اگر کسی جانور کو روک رکھا یا اس کے منہ سے لگام نکالی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۲- اگر تہبند باندھا یا شلوار پہنی تو نماز ٹوٹ گئی اور اگر یہ دونوں اتارے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

نماز میں بے وضو ہو جانے اور خلیفہ و استخلاف کے بعض احکام

پہلی بات: جو کوئی نماز میں بے وضو ہو جائے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ ایک دم وضو کرنے چلا جائے۔بشرطیکہ امور ذیل کو ملحوظ رکھے:

۱) حدث سماوی ہو ۲) اس کے جسم سے پیدا ہو۔ ۳) موجب وضو ہو۔ ۴) کسی غیر ضروری کام میں مشغول نہ ہو۔

۵) کوئی کام منافی نماز نہ کیا ہو مثلاً کلام وغیرہ اور نہ کوئی ایسا کام اسے عارض ہوا ہو (اگر مسجد میں انتظام وضو ہو تو پھر باہر نہ جائے ورنہ باہر جا کر وضو کرے پھر جب واپس آئے تو اپنی پہلی نماز پر آئندہ پڑھی جانے والی نماز کی بنیاد رکھے یعنی جہاں سے نماز چھوڑی وہیں سے آکر شروع کرے مثلاً، ایک رکعت پہلے پڑھ لی تو اب اس کے شمار سے دوسری رکعت شروع کر کے اس طرح اپنی دو رکعت پوری کرے لہذا سابقہ نماز پچھلی نماز میں شمار (محسوب) ہوگی۔آئمہ فقہ اسی کو "بناء علی الصلوٰۃ" کہتے ہیں۔لیکن آئمہ ثلاثہ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ وہ "بناء الصلوٰۃ" کے قائل نہیں۔لہذا ان کے ہاں اس کے جواز کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں۔

ہمارے آئمہ کرام اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

من اصابہ قیٔ او رعاف او قلس او مذی فلینصرف و لیتوضأ ثم لیبن علی صلوتہ وھو فی ذالک لا یتکلم و فی روایۃ ثم لیبن علی صلوتہ ما لم یتکلم (اھ)

ھذا من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنھا رواہ ابن ماجۃ و الدار قطنی و صحح البیھقی ارسالہ و اخرج ابن ابی شیبۃ موقوفاً علی ابی بکر و عمر و ابن عمر و سلمان الفارسی رضی اللہ عنھم اجمعین . (قال الحلبی نقلاً عن ملتقی الا نحر) و کفیٰ بھم قدرۃ علی ان صحۃ ارسال الحدیث عندنا و عند الجمھور فیحمل ذالک الحدیث علی العمد (الذی استدل بہ الآئمۃ الثلاثۃ بروایۃ الترمذی عن علی بن طلق (رضی اللہ عنہ) قال النبی ﷺ اذا قاء احدکم فی الصلوٰۃ فلیصرف و لیعد الصلوٰۃ (اھ)

و لہ ان الحدیث ینافی الصلوٰۃ لتفویت شرطھا و لا فرق بین الابتداء و البقاء فی الزوم اشتراط الطھارۃ و المشی و الانحراف یفسد انھا ایضا فصار کالحدث العمد (اھ) کبیری صفحہ ۲۲۹ بر حاشیہ صغیری)

خلاصہ مفہوم

بقاء الصلوٰۃ کی ہمارے نزدیک دلیل یہ ہے کہ اگر دورانِ نماز نقض وضو (مثلاً قے، نکسیر وغیرہ کا خروج) کا کوئی عارضہ پیش آجائے تو نمازی لوٹ جائے اور پھر وضو کر کے آئے اور بناء الصلوٰۃ کا طریقہ اختیار کرے۔(اس کو ابن ماجہ، دارقطنی، امام بیہقی اور محدث ابن ابی

شیبہ نے روایت کیا ہے)۔ اگر چہ یہ مرسل ہے مگر امام بیہقی نے ارسال کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک ارسال حجت قابل استدلال ہے اور اکابر اور مشاہیر صحابہ کرام نے اس کو روایت کیا ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر، حضرت سلمان فارسی وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور آئمہ ثلاثہ کی استدلال کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدث عمد پر محمول ہے جو منافی بناء الصلوٰۃ ہے اس کے باوجود ہمارے نزدیک استیناف صلوٰۃ افضل ہے۔ البتہ حدیث مذکور کی وجہ سے مسئلہ بناء الصلوٰۃ جائز ہے۔ رہا قیاس تو وہ نص کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا لہذا وہ غیر معتبر ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ نے بناء الصلوٰۃ کے عدم جواز پر قیاس سے استدلال کیا تھا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بناء الصلوٰۃ جائز نہیں۔ اس لئے کہ حدث منافی صلوٰۃ ہے کیونکہ طہارت نماز کے لئے شرط ہے لہذا اگر شرط نہ پائی جائے تو مشروط نہ پایا جائے گا بقاعدہ " **اذا فات الشرط فات المشروط** " چونکہ صورت **ما نحن فيه** میں شرط مفقود ہے لہذا نماز نہ ہوئی۔

اور طہارت کے لازمی شرط ہونے میں ابتداء اور بقاء میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی جس طرح اولاً وابتداء وضو نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی بالکل اسی طرح اگر بقاء وضو نہ رہے تو نماز نہ ہوگی کیونکہ دونوں میں فارق نہیں کہ جس کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ نیز چلنا، اور انحراف عن القبلۃ دونوں مفسد نماز ہیں پھر یہ حالت دانستہ حدث کی طرح ہوگئی کہ حدث عمد میں تو قطعاً نماز فاسد ہو جاتی تو اس میں بھی یہی حکم ہوگا۔

دوسری بات

بہتر یہ ہے کہ از سرِ نو نماز پڑھے تا کہ دوسرے آئمہ کے اختلاف سے بچ جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ امام اور مقتدی کے حق میں بناء الصلوٰۃ افضل ہے۔ تا کہ جماعت کی فضیلت دستیاب ہو جائے۔ ہاں اگر کہیں دوسری جگہ جماعت کے پانے کا امکان ہو تو پھر استیناف بہتر ہے۔ اگر تنہا نماز پڑھنے والے کو صورۃ مذکورہ پیش آئے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو جہاں اس نے وضو کیا وہیں، یا کسی قریبی جگہ وہ اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے۔ اور اگر چاہے تو اپنی جائے نماز کی طرف لوٹ آئے۔ اب یہ سوال کہ مقتدی کیا کرے اگر اسکا امام فارغ نہیں ہوا تو اس جگہ لوٹ آئے۔ لیکن اگر اس نے کہیں اور نماز پوری کی تو صحیح نہ ہوگی۔ بشرطیکہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی مانعِ صحت اقتدا موجود ہو۔ اور اگر اس کا امام اس کے فراغتِ وضو تک فارغ ہو گیا ہو تو پھر اس کا حکم منفرد جیسا ہے۔ اور امام کے متعلق حکم یہ ہے کہ جس کو اس نے خلیفہ بنایا تو اگر وہ فارغ نہیں ہوا تو لازمی طور پر امام اپنی جگہ لوٹ آئے یعنی جہاں وہ مقتدی ہو سکتا ہے وہاں لوٹ آئے۔ یہ مطلب نہیں کہ اپنے مصلے پر آ جائے کیونکہ کسی کو خلیفہ بنانے کی وجہ سے اب وہ مقتدی کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسئلہ: امام کا کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا بوجہ عارضہ حدث، بالاتفاق جائز ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھانے لگے تو ایک دم ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کیا اور خود وضو کرنے چلے گئے۔ بعد میں فرمایا کہ جب میں نماز میں داخل ہو گیا تو مجھے کچھ کھٹکا پیدا ہوا تو میں نے کچھ تری پائی اس لئے اپنی جگہ خلیفہ مقرر کیا اور خود وضو کرنے چلا گیا۔

مسئلہ: بناء الصلوٰۃ کے جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بے وضو ہوتے ہی فوراً وضو کرنے چلا جائے لہذا اگر بے وضو ہونے کے بعد ایک رکن کی مقدار اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو نماز فاسد ہوگئی ہاں اگر یہ سو گیا پھر اس حالت میں بے وضو ہو گیا اور بیدار ہونے تک اسی حالت میں رہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر جاتے یا واپس آتے اس نے قرأت کی تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہوگئی۔ یہ بھی کہا گیا کہ اگر واپسی پر قرأت کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر جاتے ہوئے قرأت کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق ذکر کرنا صحیح نہیں۔

مسئلہ: اگر حالتِ رکوع میں بے وضو ہوگیا اور اس نے اسی حالت میں تسمیع کہتے ہوئے سر اٹھایا تو نماز فاسد ہوگئی۔ اسی طرح اگر سجدے میں بے وضو ہوگیا تو اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھایا تو نماز ٹوٹ گئی۔ خواہ اتمام کی نیت ہو یا نہ ہو۔ اور اگر انصراف کا ارادہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر نمازی نے قہقہہ لگایا یا اس کے زخم سے خون بہنے لگا تو از سرِ نو نماز پڑھے کیونکہ یہ حدث ساوی نہیں۔ اور یہی حکم ہے کہ اگر اس تک نجاست مانعِ صلوٰۃ پہنچ جائے تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔ البتہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

مسئلہ: اگر نجاست حدث کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق بناء الصلوٰۃ کر سکتا ہے۔ اور اگر نجاست غیر حدث کی وجہ سے ہو تو پھر بناء نماز جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر پھوڑا دبانے سے خون یا پیپ وغیرہ نکلے، اگر یہ کسی چیز کے گرنے کی وجہ سے خارج ہوں تو بعض نے کہا ہے کہ اس صورت میں بناء الصلوٰۃ کر سکتا ہے کیونکہ اس میں بندوں کی کارکردگی کو کوئی دخل نہیں۔ لیکن یہ اختلاف پر مبنی ہے۔

مسئلہ: اگر چھینک مارنے سے وضو ٹوٹ جائے تو اس میں بھی اختلاف ہے لیکن زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ اس صورت میں بناء صلوٰۃ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ عذر سماوی ہے۔ لیکن گلا سنوارنے میں یہ حکم نہیں۔

مسئلہ: اگر عورت نے روئی رکھی اور وہ بغیر کچھ کئے نمی کی صورت میں گر گئی تو اس صورت میں بالاتفاق بناء صلوٰۃ ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کی حرکت سے گری تو پھر اختلاف ہے۔

مسئلہ: اگر حدث خارج من البدن نہ ہو جیسے بے ہوشی اور جنون، تو بناء صلوٰۃ نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح اگر حدث موجبِ غسل ہو تو پھر بھی بناء نماز نہیں ہو سکتی۔ یونہی اگر یہ کسی غیر ضروری کام میں مشغول ہو گیا مثلاً پانی قریب تھا اور یہ دور چلا گیا تو بنا نہ ہوگی۔

مسئلہ: حکم یہ ہے کہ یہ شخص تین تین مرتبہ اعضاء کو دھوئے اور وضو کے تمام افعال پورے کرے، یہی زیادہ صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر حوض پر وضو کرنے کی جگہ ہو اور یہ کسی دوسری جگہ چلا گیا اگر یہ چلنا کسی عذر کی وجہ سے تھا، مثلاً یہ کہ پہلی جگہ تنگ تھی تو اس صورت میں بناء ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر کوئی شخص حوض پر چلا گیا جبکہ اس کے گھر میں پانی موجود تھا اور وہ جگہ حوض سے زیادہ قریب بھی تھی، اگر یہ دو صفوں کی مقدار دور گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اگر دو صفوں سے زیادہ دور گیا تو نماز فاسد ہوگئی۔

مسئلہ: اگر اس کی عادت حوض سے وضو کرنے کی تھی اس خیال سے یہ وہاں گیا اور گھر میں پانی بھول گیا تو بناء الصلوٰۃ ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح اگر یہ دور چلا گیا اور اپنے قریبی کنوئیں کو چھوڑ دیا، اس لئے کہ کنوئیں سے پانی نکالنا پڑتا تھا جو بناء الصلوٰۃ کے خلاف ہے اس میں بھی اختلاف ہے بعض کوئیں سے پانی لینے کی صورت میں بناء الصلوٰۃ کے قائل نہیں اور بعض قائل ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی کام منافی نماز کر دیا جیسے کلام وغیرہ، یا چھپانے کی جگہ کھل گئی تو بنائے نماز نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر کسی عورت نے مسح کرنے کے لئے سر ننگا کیا یا دھونے کے لئے اپنے بازو کھولے تو صحیح قول کے مطابق بناء صلوٰۃ نہیں ہو سکتی۔ اور یہی حکم ہے اگر مرد اور عورت استنجا کرنے کے لئے برہنہ ہوں تو ظاہر مذہب کے مطابق بنا نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ: سنت یہ ہے کہ اس حالت میں کبڑا ہو کر اپنی ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے صفوں سے باہر نکلے، تاکہ لوگوں کو یہ خیال آئے کہ اس کی نکسیر

پھوٹ پڑی۔ اوراس کی پردہ پوشی برقرار رہے۔

مسئلہ: اگر امام کو یہ صورت پیش آئے تو وہ بھی ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے قریب کسی شخص کا کپڑا پکڑے یا اسے اشارہ کرے تاکہ وہ محراب میں اس کے قائم مقام ہو جائے۔ اور حکم یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے سے پہلے خلیفہ مقرر کردے جبکہ مسجد میں ہو اور اگر کھلی فضا میں ہے تو صفوں سے تجاوز کرنے سے پہلے یہ کام کرے۔ لیکن اگر اس نے خلیفہ مقرر نہ کیا اور یہ مسجد سے اور صفوں سے باہر نکل گیا تو قوم کی نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر وہ امام کے نکلنے سے پہلے خود کسی کو خلیفہ بنائے تو انکی نماز ٹھیک ہو جائے گی۔ اور امام کی نماز باطل ہونے میں دو روایتیں ہیں۔ اور زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ امام کی نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے حق میں منفرد کی طرح ہے۔ اور جس کو خلیفہ بنایا جائے وہ مردِ صالح اور امامت کی قابلیت رکھتا ہو۔ خواہ مسبوق ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر امام صاحب کے ساتھ ایک آدمی تھا تو وہ خلیفہ بنانے کے بغیر ہی خود بخود خلیفہ ہو گیا بشرطیکہ امامت کے قابل ہو۔ اور اگر امامت کے قابل نہ ہو مثلاً نابالغ ہو یا عورت ہو تو بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں بھی خلافت کے لئے متعین ہو جائیں گے۔ لہٰذا ان کی اور امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ متعین نہیں ہوں گے۔ اس لئے صرف ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر رکوع، سجدے میں بے وضو ہو گیا تو بناء الصلوٰۃ کے وقت ان دونوں کو دوبارہ ادا کرے کیونکہ ایک رکن سے دوسرے رکن تک طہارت کے ساتھ جانا شرط ہے۔ اور وہ نہیں پائی گئی۔ لہٰذا جس میں یہ بے وضو ہوا اسے لوٹائے۔ اگر نہ لوٹائے گا تو نماز جائز نہ ہوگی بخلاف اس صورت کہ کہ اس نے رکوع یا سجدے میں کسی اور سجدے کو یاد کیا تو وہ سجدہ ادا کیا تو پھر اس صورت میں رکوع، سجدے کا اعادہ واجب نہیں البتہ مستحب ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک رکوع کا اعادہ ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قومہ فرض ہے۔

یہ وہ چند مسائل ہیں جو علامہ حلبی نے ختم بحث کے بعد ذکر کئے ہیں۔ ہم نے بھی انہیں افادیت کے پیشِ نظر اس مقام پر ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسائلِ دین سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سجدہ سہو کا بیان

سجدة السهو واجبة لا يجب الا بترك الواجب او بتاخيره او بتاخير ركن اما ترك الواجب كما اذا نسي قراءة القنوت او التشهد في احدى القعدتين في اظهر الروايات او تكبيرات العيدين و كما اذا جهر فيما يخافت او خافت فيما يجهر و ذكر في الذخيرة يجب بستّة اشياء بتقديم ركن نحو ان يركع قبل ان يقرأ او يسجد قبل ان يركع و بتاخير ركن نحو ان يترك سجدة صلبية فتذكرها في ركعة ثانية فسجدها او يؤخر القيام الى الثانية او الثالثة و بتكرار الركن نحو ان يركع مرتين او يسجد ثلث مرات و بتغيير الواجب نحو ان يجهر فيما يخافت او يخافت فيما يجهر

و بترک الواجب نحو ان یترک القعدة الاُولی فی الفرائض و بترک السنة المضافة الیٰ جمیع الصلوٰة نحو ان یترک قراء ة التشهد فی القعدة الاولی وقال بعض المشائخ قراة التشهد فی الاولیٰ واجبة و علیه المحققون من اصحابنا و هو الاصح و لو جهر فیما یخافت او خافت فیما یجهر قدر ما یجوز به الصلوٰة یجب و هو الاصح و الا فلا

ترجمہ:

پہلا مسئلہ......(سجدہ سہو کا بیان) بھول کے دو سجدے واجب ہیں۔ اور نمازی پر یہ واجب نہیں ہوتے مگر درج ذیل کاموں کی وجہ سے:

۱) کسی واجب کو چھوڑ دینا۔ ۲) کسی رُکن میں دیر کرنا۔ ۳) یا کسی واجب میں تاخیر کرنا۔ ۴) واجب کو چھوڑ دینا جیسے کہ یہ قنوت پڑھنا بھول گیا یا دو قعدوں میں سے ایک میں تشہد بھول گیا زیادہ ظاہر روایت میں یا جیسے دو عیدوں کی تکبیریں بھول گیا۔ یا امام نے جہاں آہستہ قرأت پڑھی جاتی تھی اونچی آواز سے قرأت کی یا مقام جہر میں آہستہ آواز سے قراءت کی۔

دوسرا مسئلہ......ذخیرہ میں بیان کیا گیا کہ چھ چیزوں کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

۱) کسی رکن کو آگے کرنا، جیسے قرأت سے پہلے رکوع کرنا یا رکوع سے پہلے سجدہ کرنا۔

۲) کسی رکن میں دیر کرنا، جیسے نماز کا ذاتی سجدہ چھوڑ دے پھر اسے دوسری رکعت میں یاد کیا اور اسے ادا کیا یا قیام کو دوسری یا تیسری رکعت تک موخر کرنا۔

۳) کسی رکن کا تکرار کرنا جیسے دو مرتبہ رکوع کرنا یا تین مرتبہ سجدہ کرنا۔

۴) کسی واجب کو تبدیل کر دینا۔ جیسے مقام جہر میں آہستہ پڑھنا اور مقام اخفا میں بلند آواز سے پڑھنا۔

۵) واجب کو چھوڑ دینا جیسے فرائض میں پہلا قعدہ چھوڑ دینا۔

۶) کسی ایسی سنت کو چھوڑ دینا جو ساری نماز کی طرف منسوب ہو جیسے پہلے قعدہ میں تشہد نہ پڑھنا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے ہمارے محقق اصحاب اسی پر قائم ہیں۔

تیسرا مسئلہ......اگر مقام اخفاء میں جہر کیا یا مقام جہر میں اخفاء کیا اور یہ جہر اور اخفاء اتنی مقدار ہو کہ جس سے نماز جائز ہوتی ہے۔ تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا اور یہی زیادہ صحیح ہے ورنہ سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ (یعنی مقدار قرأت بقدرِ جوازِ صلوٰۃ

نہ ہو تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا)۔

اقول تشریحا

پہلا مسئلہ...... مصنف اس فصل میں سجدہ سہو کا بیان کرنا چاہتے ہیں نماز میں کمی وزیادتی کی وجہ سے شریعت نے اس کی اصلاح کے لئے بھول کے دو سجدے رکھے ہیں۔ حنفی مذہب کے مطابق ان کے لئے عام قاعدہ یہ ہے کہ امام یا منفرد سے جب مقرر اور متعین کاموں میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو تشہد پڑھنے کے بعد لگاتار دو سجدے کرے جن کو سجدہ سہو کہا جاتا ہے۔ تو نماز شارع کی منشاً کے مطابق صحیح ہو جائے گی۔

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ مصنف کی عبارت (سجدة السهو واجبة) ٹھیک نہیں۔ لہذا ٹھیک عبارت یہ "سجود السهو واجب" ہے۔ لہذا مذکورہ عبارت کے بجائے مصنف کو یہ دوسری صحیح عبارت لکھنی چاہئے تھی اس لئے کہ سہو کا ایک سجدہ نہیں بلکہ دو سجدے ہیں۔ اور مصنف کی مذکورہ عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ سہو ایک ہے۔ مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہاں سجدہ سے مراد سجود ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے جنسی معنی مراد ہو۔ گویا اس میں حرف تاء وحدت کے لئے نہیں بلکہ جنس کے لئے ہے۔ تو پھر اس کو سجود کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مشہور مذہب تو یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے لیکن بعض نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ نماز میں مختلف کام ہیں کچھ فرائض ہیں کچھ واجبات ہیں اور سنت اور مستحبات ہیں۔ لیکن سجدہ سہو کا وجوب بعض خاص حالات میں ہوتا ہے۔ جن کو مصنف نے درج ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً پہلی بات جو مُوجب سجدہ سہو ہے وہ یہ ہے کہ نماز کا کوئی واجب رہ جائے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ لہذا اگر کوئی سنت یا مستحب رہ گیا جیسے اعوذ باللہ، بسم اللہ، ثناء یا امین کہنا، تکبیرات انتقالات، تسبیحات۔ یہ سب سنت کے ضمن میں ہیں۔ لہذا ان کے رہنے سے اگرچہ نماز میں کچھ نقص رہ جائے گا لیکن سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر فرائض میں سے کوئی فرض رہ گیا تو سجدہ سہو سے نماز کی اصلاح نہیں ہو سکتی بلکہ ترکِ فرض سے نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ اس کا تدارک نہ کیا گیا ہو۔ یعنی اگر اس فرض کا اعادہ نہ کیا گیا ہو۔

(۲) کسی واجب کو اپنے محل سے مؤخر کرنا۔ (۳) کسی رکن میں تاخیر کرنا۔

واجب چھوڑ دینے کی مثال جیسے قنوت بھول کر چھوڑ دی، یا دو قعدوں میں سے پہلے قعدہ میں تشہد چھوڑ دیا، کیونکہ ان دونوں میں تشہد پڑھنا زیادہ ظاہر روایت کے مطابق واجب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے قعدہ میں سنت ہے اور دوسرے میں واجب ہے۔ یا جیسے دو عیدوں کی تکبیریں بھول گیا، یا امام نے جہاں آہستہ پڑھنا تھا وہاں اونچی آواز سے پڑھا یا جہاں بلند آواز سے پڑھنا تھا وہاں آہستہ پڑھا۔ تو اس صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہوگا کیونکہ واجب کے وصف میں تبدیلی پیدا ہوگئی جو موجب سجدہ سہو ہے۔

مسئلہ...... منفرد نمازی کے لئے الگ حکم ہے کہ اگر اس نے جہری نمازوں میں آہستہ پڑھا تو سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ اسے جہر اور اخفاء دونوں میں اختیار ہے۔ اور یہی حکم ہے کہ اگر اس نے مقام اخفاء میں جہر کیا تو ظاہر روایت کے مطابق اس پر وجوبِ سجدہ سہو نہیں لیکن نادر روایت کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ محقق ابن ہمام کا یہی میلان ہے۔ کیونکہ اخفاء اس پر واجب تھا۔ اور اس میں یہ بھی گنجائش نکالی گئی کہ اگر اس نے امام جیسا جہر کیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا اور اگر صرف اتنا جہر کیا کہ خود سن سکتا تھا تو سجدہ سہو واجب نہ ہو

مسئلہ ۲...... ذخیرہ میں چھ اشیاء کی وجہ سے سجدہ سہو ضروری قرار دیا ہے جن کا بیان مصنف کے کلام میں موجود ہے۔ اور مثال مذکور بھی صاحب ذخیرہ نے بیان فرمائی۔ لیکن امام حلبی لکھتے ہیں کہ یہ مثال بے محل ہے۔ اس لئے قرأت سے پہلے رکوع کرنا اور رکوع سے پہلے سجدہ کرنا ان دونوں کا کوئی شرعی اعتبار نہیں۔ لہذا قرأت کے بعد اعادۂ رکوع یا رکوع کے اعادۂ سجدہ ضروری نہیں۔ اور جب یہ غیر معتبر عمل ہے تو اس میں تقدیم رکن نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر اس نے یہ کام کیا تو سجدہ سہو تاخیر رکن کی وجہ سے واجب ہوگا۔ نہ کہ تقدیمِ رکن کی وجہ سے۔

تیسری صورت...... یہ کہ تاخیر رکن ہو جائے جیسے نماز کا ذاتی سجدہ چھوڑ دیا پھر دوسری رکعت میں یاد آیا اور اس نے اسے ادا کیا۔ تو یہاں سجدۂ سہو اس لئے واجب ہوا کہ رکن میں اپنے محل سے تاخیر ہوگئی اور یہ بات کہ قیام کو دوسری یا تیسری رکعت تک مؤخر کردے، اس کی صورت یہ ہے کہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد یہ بیٹھا رہے تو پھر کچھ دیر کے بعد کھڑا ہو، جیسا کہ امام شافعی کے مذہب میں جلسہ استراحت ہے۔ اور یہ حکم تاخیر اس وقت ہے جب بلا عذر ہو لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً یہ کمزور ہے یا اس کے اعضاء میں درد ہے تو پھر بیٹھ کر اٹھنے میں کوئی حرج نہیں اور تیسری رکعت تک قیام کو مؤخر کرنا اس طرح کہ پہلے قعدے میں کلمات بڑھا دے۔ بہر حال اس تاخیر قیام کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے۔ یا کسی رکن میں تکرار کرنا۔ جیسا کہ متن میں مثال موجود ہے۔ یا کسی واجب کی صفت کو تبدیل کر دینا۔ جیسے مقام جہر میں اخفاء یا مقام اخفاء میں جہر کرنا۔ یا کسی واجب کو چھوڑ دینا۔ جیسے کہ فرائض میں پہلا قعدہ چھوڑ دینا۔ نماز وتر میں قنوت چھوڑ دینا، یا عیدین کی زائد تکبیریں چھوڑ دینا یا ان کے علاوہ کوئی واجب چھوڑ دینا باعث وجوب سجدہ ہے۔ یا کسی ایسی سنت کو چھوڑ دینا جو پوری نماز کی طرف منسوب ہو، جیسے پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنا چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تشہد پوری نماز کی طرف منسوب ہے لوگ کہا کرتے ہیں کہ تشھد الصلوٰۃ اور تشھد القعدۃ نہیں کہتے۔ اور یہ اس روایت کی بنا پر ہے کہ پہلے تشہد کو سنت کہا جائے۔ بعض مشائخ نے پہلے قعدہ میں تشہد کو واجب قرار دیا ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔ لہذا آئمہ محققین کا یہی مذہب ہے۔ اور یہ چھ چیزیں جو صاحب ذخیرہ نے سجدۂ سہو کے وجوب کے بارے میں بیان فرمائیں۔ یہ اپنے محل اور مقام کے لحاظ سے ٹھیک ہیں۔ کیونکہ اگر رکن کو اپنے محل میں ادا کرنا ضروری ہو تو پھر تقدیم، تاخیر سے ترک واجب لازم آئے گا۔ اور تکرار رکن سے مابعد چیز کی تاخیر لازم آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ٹھیک نہیں۔

تیسرا مسئلہ...... یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ظاہر روایت میں جہر اور اخفاء میں کوئی فرق نہیں کیا گیا بلکہ دونوں کو مطلق رکھا گیا۔

تشریح الفاظ

۱:...السجدۃ... و ھی وضع الجبھۃ علی الارض، یعنی زمین پر پیشانی رکھنا۔ ۲: رکن ... کسی چیز کا جز۔ اس کی جمع اَرکان ہے۔ ۳: مخافتۃ ... آہستہ پڑھنا۔ ۴: سجدۃ صلبیۃ ... ضبط حرکات الحروف، بضم الصا و سکون اللام بعدھا باء موحدۃ ثم باء النسبۃ منسوبۃ الیٰ الصلوٰۃ لاختصاصھا بصلب الصلوٰۃ بخلاف سجدۃ التلاوۃ و سجدۃ السھو فانھما لیستا کذالک۔ یعنی وہ سجدہ جو نماز کا جز اور اس کی ذات سے پیوستہ ہے۔ ۵: تذکر ... اس نے یاد کیا۔ تذکر، مصدر بمعنی یاد کرنا۔ ۶: یؤخر ... من التاخیر دیر کرنا۔ یؤخر صیغۂ مضارع بمعنی وہ دیر کرتا ہے۔ ۷: السنۃ المضافۃ یعنی سنت منسوبہ۔ ۸: قرأۃ التشھد ... تشہد پڑھنا۔ ۹: المحققون ... کسی چیز کی تحقیق کرنے والے۔ اس کا واحد محقق ہے یہ اسمِ فاعل

از باب تفعیل ہے اور تحقیق۔اِثبات المسئلة بالدلیل یعنی کسی مسئلہ کو دلیل سے ثابت کرنا۔

و ذکر فی النوادر ان خافت الفاتحة او اکثر ھا او خافت من السورة ثلاث اٰیات قصار او اٰیة طویلة فعلیه السهو و ان خاف اٰیة قصیرة یجب عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه خلافا لهما ثم ادنی الجهر ان یسمع غیره و ادنی المخافتة ان یسمع نفسه و هو المختار ذکره فی القنیة

ترجمہ:.....نادر روایات میں بیان کیا گیا کہ اگر سورۂ فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ آہستہ پڑھا یا کسی سورت کی تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت آہستہ پڑھی تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔اور اگر ایک چھوٹی آیت آہستہ پڑھی تو امام صاحب کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہوگا جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔(مراد یہ ہے کہ اس صورت میں ان کے نزدیک سجدہ سہو واجب نہیں) معمولی جہر یہ ہے کہ دوسرا سنے۔اور معمولی اخفاء یہ ہے کہ خود سنے اس کو قنیہ میں ذکر کیا ہے۔اور یہی مختار قول ہے۔

تشریح الفاظ

۱ – نــــوادر......یہ ظاہر روایت کے مقابلہ یعنی غیر مشہور روایات۔آئمہ احناف کے نزدیک مروی عن الآئمہ دو قسم کی روایات ہیں۔۱: ظاہر روایت۔۲: نادر روایت ہے۔پہلی قسم......وہ روایات جو مستند اور معتمد ذرائع سے مروی عن الآئمہ ہوں پس ان کی روایت عن الآئمہ میں کسی شک وشبہ اور تردد کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔اور ظاہر روایت چھ کتابیں ہیں جو امام محمد علیہ الرحمہ کی تصنیفات ہیں لہٰذا ان میں جو کچھ مروی ہے وہ ظاہر روایت کے نام سے موسوم اور مشہور ہے۔ قال الفاضل اللکهنوی فی مقدمة الهدایة ذیل بحث الکتب : اعلم ان کتب ظاهر الروایة المسماة بالاصول هی الکتب الستة للامام محمد بن الحسن الشیبانی (و هی هذه) المبسوط . و الزیادات ، و الجامع الصغیر ، و الجامع الکبیر ، و السیر الصغیر و السیر الکبیر . و انما سمیت بظاهر الروایة لانها رویت عنه بروایات الثقات عنه (کذا فی کشف الظنون و رد محتار) اما متواترة او مشهورة کذا قال الشامی (۱ ۵) (مقدمة هدایه صفحه ۵)

نوٹ

قد اختلف الناس فی کونها ستة لکن المشهور المتفق علیه عند الاکثر اکها سته لانمیر و ایضا قال بعد ذالک و اما النوادر فهی المسائل المرویة عنه او فی کتب ظاهر الروایة . (و هی هذه) الرقیات (هی مسائل جمعها محمد حین کان قاضیا بالرقة مدینة علی جانب الفرات) رواها عنه محمد بن سماعة . الکیسانیّات : هی مسائل املاها محمد علی ابی عمرو سلیمان بن شعیب الکیسانی فنسبت الیه کذا قال الطحطاوی و قیل جمعها لرجل یسمی کیسان . الهارونیات : هی مسائل جمعها لرجل یسمی بهارون . و الجرجانیات : هی مسائل جمعها محمد بجرجان ، کذا قال الطحطاوی فی مراقی الفلاح و انما قیل لها غیر ظاهر الروایة لانها

لم تروعنه بروایات ظاهرة ثابتة صحیحة ما کتب الاولیٰ ومنفت اولاً المبسوط و سمّاه بالاصل و املاه علی اصحابه و نسخها متعددة و اظهرها و اشهرها مبسوط ابی سلیمان الجوزجانی . روی ان الامام الشافعی استحسن مبسوط محمد و حفظه (من العجائب) اسلم حکیم من اهل الکتاب به سبب مطالعة وقال هذا کتاب محمد کم الاصغر فکیف کتاب محمد کم الاکبر . کذا فی کشف الظنون (اھ)

خلاصہ کلام

کتب ظاہر روایت چھ کتابیں جو امام محمد علیہ الرحمۃ کی تصانیف ہیں۔ ان میں جو مسائل مذکور ہیں وہ ظاہر روایت کہلاتے ہیں اس لئے کہ وہ تواتر یا درجۂ شہرت کے ساتھ امام موصوف سے مروی ہیں۔ اور ان کے مستند اور معتبر ہونے میں کوئی تردد اور شک نہیں۔ (درجہ دوم) کتب نوادر یا غیر ظاہر روایت وہ یہ ہیں: ۱۔ الرقیات۔ ۲: الکیسانیات۔ ۳: الھارونیات۔ ۴: الجرجانیات۔

چونکہ یہ پہلی کتب کی طرح اتنی شہرت اور پایہ استناد نہیں اس لئے ان کا درجہ دوم ہے اور اکثر فتویٰ اور فیصلہ آئمہ کرام درجہ اولیٰ پر ہوا کرتا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتب ظاہر روایت سے صرف نظر کرتے ہوئے کتب درجہ دوم (نوادر کتب) پر عمل اور فتویٰ دیا جاتا ہے۔ امام موصوف کی سب سے پہلی تصنیف المبسوط جس کو امام شافعی نے پسند کیا اور اس کو یاد کیا۔ اور ایک اہل کتاب حکیم نے جب اس کا مطالعہ کیا مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا کہ یہ تمھارے چھوٹے محمد کی کتاب ہے تو پھر تمہارے بڑے محمد کی کتاب کی کیا شان ہو گی۔

۲: قصار ... قصرة کی جمع ہے بمعنی چھوٹی۔ ۳: آیة طویلة ... دراز آیت۔ ۴: ادنیٰ الجهر و ادنی المخافتة ... یعنی معمولی جہر اور معمولی اخفاء۔ ۵: یسمع ... مجرد و مزید دونوں کا احتمال ہے پس بر بنائے اول یہ معنی ہو گا وہ سنے، پس دوسرے طور پر معنی ہو گا وہ سنائے۔

تشریح

پہلی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر سورۃ فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ آہستہ پڑھا گیا یا کسی سورۃ کی تین چھوٹی آیتیں آہستہ پڑھی گئیں تو ان دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہو گا۔ لیکن اگر ایک چھوٹی آیت پڑھی تو امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہو گا۔ جبکہ صاحبین اس کو واجب نہیں کہتے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ نادر روایت میں جہر اور اخفاء میں فرق کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اخفاء فی الجہر میں اس کے عکس سے زیادہ خفیف ہے۔ کیونکہ اخفاء بعض مقاماتِ جہر میں مشروع ہے۔ جیسے کہ مغرب اور عشاء کی نماز میں۔ لیکن پوشیدہ نمازوں میں جہر مشروع نہیں۔ لہٰذا اس کا قلیل حصہ معاف کیا گیا۔

نوٹ..... جہر اور اخفاء کی حد میں آئمہ فقہ کے تین اقوال ہیں:

۱۔ امام کرخی کے نزدیک پڑھنا صرف صحت حروف کا نام ہے اگرچہ آواز سنائی دے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تصحیح حروف کے ساتھ آواز بھی مسموع ہو۔

۳۔ اور تیسرا قول امام ہندوانی کا ہے کہ ان کے نزدیک قرأت میں سماعت شرط ہے ورنہ قرأت نہ ہو گی۔

زیادتی وقعت کی صورت میں سجدہ سہو کا بیان

و لو قام الیٰ الخامسة او قعد فی الثالثة یجب بمجرد القیام و القعود و ان نهض الی الثالثة ساهیاً ان کان الی القعود اقرب یقعد و فی وجوب السهو اختلاف و انما یکون الیٰ القعود اقرب اذا لم یرفع رکبتیه و ان کان الی القیام اقرب لم یقعد و یسجد للسهو و لو کرر الفاتحة فی الاولیین او قرأ القراٰن فی رکوعه او فی سجوده او فی التشهد یجب و ان قرأ الفاتحة فی الاخریین مرتین او ضم فیهما سورة بالفاتحة او قرأ التشهد مرتین فی القعدة الاخیرة او تشهد قائما او راکعا او ساجدا لا سهو علیه کذا المختار ذکره فی الاجناس

ترجمہ:

پہلا مسئلہ...... اگر چار رکعت والی نماز میں پانچویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا یا تیسری رکعت کے بعد بیٹھ گیا تو ان دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا۔ (پہلی صورت میں صرف کھڑا ہونے سے اور دوسری میں صرف بیٹھنے سے۔)

دوسرا مسئلہ...... اگر تیسری رکعت کے لئے بھول کر اٹھ کھڑا ہوا (تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ کس کے قریب ہے) اگر بیٹھنے کے قریب ہو تو بیٹھ جائے۔ (لیکن اس صورت میں کیا اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا؟ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے) اور اگر قیام کے قریب ہو تو نہ بیٹھے بلکہ آخر میں سجدہ سہو (کر کے نماز کی اصلاح) کرے۔

تشریح

اور یہ معلوم کرنا کہ آدمی کب بیٹھنے کے قریب ہوتا ہے اور کب کھڑا ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ تو اس کے معلوم کرنے کا معیار یہ ہے کہ اگر اس کے دونوں گھٹنے یعنی اس کا نچلا حصہ بالکل سیدھا نہ ہو تو یہ شخص ''اَقْرَبُ اِلَی الْقُعُوْد'' شمار ہوگا۔ اور اگر نچلا حصہ بالکل سیدھا ہو جائے تو ''اَقْرَبُ اِلَی الْقِیَام'' شمار ہوگا۔

تیسرا مسئلہ...... اگر پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ مکرر پڑھی یا رکوع یا سجدے یا تشہد میں قرآن مجید پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

مسئلہ: ۴...... اگر فرائض کی پچھلی دو رکعتوں میں دو مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھی یا پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملائی۔ یا آخری قعدہ میں دو مرتبہ تشہد پڑھا یا کھڑے یا حالتِ رکوع یا حالتِ سجدہ میں تشہد پڑھا تو ان ساری صورتوں میں اس پر سجدہ سہو نہیں۔ یہی پسندیدہ قول ہے جس کو اجناس میں ذکر کیا۔

تشریح الفاظ

۱: نہض ... یعنی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ۲: رکبتین ... دو گھٹنے۔ ۳: ضَمَّ ... وہ ملائے۔ ۴: تشہد ... اس نے تشہد پڑھا۔ ۵: المختار پسندیدہ قول۔ ۶: الاجناس ... کتاب کا نام ہے۔

تشریح

۱) پہلی صورت کی وضاحت یہ ہے کہ یہ چہارگانہ نماز میں پانچویں رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یا تیسری رکعت میں سجدوں سے فارغ ہو کر بیٹھ گیا، یا نماز مغرب میں چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا یا نماز فجر میں تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا تمام نمازوں میں پہلی رکعت پوری کرنے کے بعد بیٹھ گیا۔ تو ایک صورت میں صرف قیام کرنے اور دوسری صورت میں مجرد قعود سے اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ اس کی وجہ ایک صورت میں واجب کی تاخیر یعنی تشہد میں تاخیر اور بصورت قیام، تاخیر سلام موجب سجدہ سہو ہوئی۔ اور رکن میں تاخیر پائی گئی جبکہ مقامِ قعود میں قیام پایا گیا۔

۲) اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ شخص مذکور قیام اور قعود میں یہ کس حالت کے قریب ہے لہذا جس حالت کے زیادہ قریب ہو وہی حالت اختیار کرے مثلاً اگر اقرب الی القعود ہو تو بیٹھ جائے اس لئے کہ وہ پہلے ہی بمنزلہ القاعد ہے۔ اور اگر اقرب الی القیام ہو تو نہ بیٹھے بلکہ حسب سابق اپنی نماز پوری کرے۔ اگر اقرب الی القعود ہو تو اس صورت میں مشائخ کرام کا باہم اختلاف ہے۔ پس عند البعض سجدہ سہو واجب ہے کیونکہ اس نے نماز میں قیام کا اضافہ کر دیا لیکن بعض کے نزدیک اس پر سجدہ سہو نہیں۔ و هو الاصح لان ما يقرب الى الشئ ياخذ حكمه فصار كانه لم يقم ۔ (کبیری) اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ وہ بیٹھنے کے قریب ہے اور جو کسی چیز کے قریب ہو اس کا حکم وہی ہوتا ہے لہذا وہ کھڑا ہی نہیں ہوا تو پھر اضافہ قیام کیسے ہوا لہذا جب قیام ہی نہ پایا گیا تو وجوبِ سجدہ کیسے ہوا۔ خلاصہ یہ کہ صورت مذکورہ میں زیادہ صحیح قول کے مطابق وجوب سجدہ سہو نہیں۔ اور اگر اقرب الی القیام ہو تو ٹھیک طریقہ سے کھڑا ہو جائے لہذا قعود کی طرف نہ لوٹے۔ اور نماز کی اصلاح کرتے ہوئے آخر میں سجدہ سہو نکالے اس لئے کہ ایک واجب رہ گیا اور وہ پہلا قعدہ ہے۔

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ تفصیل مذکورہ امام ابو یوسف سے ایک روایت کے مطابق ہے کہ جس کو مشائخ بخاریٰ نے اختیار کیا۔ لیکن ظاہر روایت کے مطابق صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ جب تک بالکل سیدھا کھڑا نہ ہو جائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو پھر نہ لوٹے۔ محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس کی تائید حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر امام دو رکعتوں میں سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو قعدہ کے لئے بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو پھر نہ بیٹھے اور آخر میں سجدہ نکالے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اقرب الی القیام ہو اور پھر قعدہ کی طرف لوٹ آئے تو اس صورت میں اس کی نماز کا کیا حکم ہے۔ بعض نے کہا کہ نماز فاسد ہو جائے گی لیکن صحیح یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ: کوئی نمازی بالکل سیدھا کھڑا ہونے کے بعد بیٹھنے کی طرف لوٹ آئے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اس لئے

کہ اس سے کامل قصور ہوا کہ فرض شروع کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر غیر فرض کی طرف آ گیا۔ امام زیلعی نے شرح مختصر قدوری میں اس کو بیان کیا۔ اور امام زیلعی نے اس کو اصح قرار دیا۔

مسئلہ: اگر امام ٹھیک کھڑا ہو جانے کے بعد پھر قعدہ کی طرف لوٹ آئے تو لوگ اس کا ساتھ نہ دیں۔ یعنی وہ اس کے ساتھ نہ لوٹیں تاکہ دونوں میں مخالفت ثابت ہو جائے۔ لیکن بعض نے بیان کیا کہ لوگ امام کے ساتھ لوٹ آئیں، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر مقتدی قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھنا بھول گیا تو پھر اٹھ کھڑا ہونے کے بعد اسے یاد آیا تو پھر اس کے لئے لازم ہے کہ لوٹ کر تشہد پڑھے۔ لیکن امام اور منفرد اس طرح نہ کریں کیونکہ امام کی متابعت ضروری ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے امام کو پہلے قعدہ میں پایا اور اس کے ساتھ قعدہ کے لئے بیٹھ گیا لیکن امام مسبوق کے تشہد پڑھنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا تو یہاں یہ امام کا ساتھ نہ دے بلکہ تشہد پڑھ کے کھڑا ہو۔

مسئلہ ۳: ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کا تکرار کرنا یا رکوع، سجدے یا تشہد میں قرآن مجید پڑھنا چونکہ یہ کام بے موقع اور بے محل ہیں اور اس طرح کرنے سے واجب میں تاخیر ہوگئی اس لئے سجدۂ سہو کرنا واجب ہو گیا۔ چنانچہ پہلی صورت میں فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا ضم کرنا واجب ہے کیونکہ فاتحہ کے تکرار سے اس میں تاخیر ہوگئی اور دوسری صورت میں غیر مشروع محل میں قرأت پائی گئی کہ جس سے بچنا ضروری ہے اس لئے سجدہ سہو واجب ہو گیا۔

مسئلہ: اگر کسی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر کوئی اور سورۂ پڑھی پھر سورۃ فاتحہ پڑھی تو اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ اس صورت میں بھی لازم ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے سورۃ فاتحہ کا ایک حرف چھوڑ دیا اور پھر فاتحہ دوبارہ پڑھی تو پھر سجدۂ سہو نہیں۔ (کذا فی الخلاصـــــــہ)

مسئلہ ۴: اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کا تکرار کیا یا پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائی یا صرف سورۃ پڑھی اور فاتحہ چھوڑ دی یا آخری قعدہ میں دو مرتبہ تشہد پڑھا یا قیام، رکوع اور سجود کی حالت میں تشہد پڑھا تو ان ساری صورتوں میں مختار قول کے مطابق سجدہ سہو نہیں۔ کیونکہ ان ساری صورتوں میں ترکِ واجب کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے کہ پچھلی رکعات وجوب کے طور پر سورۂ فاتحہ کے لئے متعین نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے فاتحہ کی مقدار سبحان اللہ کہہ دیا یا تین تسبیحات پڑھ ڈالیں یا فاتحہ کی مقدار خاموش رہا تو ان سب صورتوں میں وجوب سہو نہیں۔ لیکن بحر الرائق میں ہے کہ اگر دانستہ خاموش رہا تو گناہگار رہوا اور اگر بھول کر خاموشی اختیار کی تو امام ابو حنیفہ سے حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق سجدہ سہو واجب ہو گیا لہٰذا یہی احتیاط ہے کہ پچھلی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ چھوڑے اگرچہ واجب نہیں۔ اور قیام اور رکوع اور سجدہ محل ثناء ہیں اور تشہد بھی محل ثناء ہے۔ لہٰذا اس کے پڑھنے سے سجدۂ سہو کا وجوب نہیں۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد حالت قیام میں تشہد پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا امام سروجی نے اس کو صحیح قرار دیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رکوع یا سجدے میں تشہد پڑھے تو سجدہ سہو لازم ہو جائے گا۔

تشہد میں اضافہ کی صورت میں سجدہ سہو کا بیان

و لو زاد فی التشهد فی القعدة الاولی بان قال اللّٰهم صَلِّ علی محمد و علیٰ اٰل محمد یجب بالاتفاق و روی عن ابی حنیفة اذا زاد حرفا یجب و روی عنهما ان قال اللّٰهم صل علیٰ محمد لا یجب ما لم یقل علی اٰل محمد و ان سكت فی الاخريين متعمدا فقد اساء و ان سكت ساهيا يجب السهو و قال ابو يوسف لا سهو عليه و ان قرأ بعد التشهد فی القعدة الاخيرة لا سهو عليه و ان تذكر القنوت بعد الركوع لم يعد و ان تذكر فی الركوع ففيه روايتان فی رواية يعود و يقنت و الصحيح انه لا يعود و قال الناطفی سواء عاد او لم يعد يسجد للسهو و ان سلم علی رأس ركعتين فی الظهر علی ظن انه اتمها ثم تذكر انه انما صلی ركعتين فقد يتمها ويسجد للسهو وان سلم علی راس ركعتين فی الظهر علی ظن انها جمعة او فجر يستانف و ان سهی عن القعدة الاخيرة فقام الیٰ الخامسة يعود الی القعدة ما لم يسجد للخامسة و يسجد للسهو و ان قيد الخامسة بالسجدة بطل فرضه و تحولت صلاته نفلا و عليه ان يضم اليها ركعة سادسة و يسجد للسهو و ان قعد فی الرابعة كان فرضه تاما و الركعتان نافلة و يسجد للسهو و سهو الامام يوجب السجدة عليه علی القوم و سهو المؤتم لا يوجب علی الامام و لا عليه

ترجمہ:

پہلا مسئلہ......اگر نمازی نے پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ کر دیا، مثلاً یہ کہہ دیا کہ اللّٰهم صَلِّ علی محمد و علیٰ اٰل محمد تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہ سے ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ اگر تشہد سے ایک حرف بھی بڑھا دے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ لیکن صاحبین سے ایک روایت میں یہ ذکر آیا ہے کہ اگر نمازی نے حرف اللّٰهم صَلِّ علی محمد کہا تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ جس نے وعلی اٰل محمد نہ کہا ہو۔

دوسرا مسئلہ......اگر نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں جان بوجھ کر خاموش رہا تو گناہگار ہوا اور اگر بھول کر چپ رہا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس پر سجدہ سہو نہیں۔ اگر آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد قرأت کی تو بھی سجدہ سہو نہیں۔

تیسرا مسئلہ...... اگر رکوع کرنے کے بعد قنوت یاد آئی تو اسے پڑھنے کے لئے قیام کی طرف نہ لوٹے۔ اور اگر رکوع میں قنوت یا آئی تو اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ قیام کی طرف لوٹ جائے اور قنوت پڑھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہ لوٹے اور یہی صحیح ہے۔ امام ناطفی نے فرمایا کہ خواہ لوٹے یا نہ لوٹے آخر میں سجدہ سہو نکالے۔

چوتھا مسئلہ...... اگر ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے سرے پر سلام پھیر دیا اس خیال سے کہ نماز پوری ہو گئی پھر اسے یاد آیا کہ ابھی دو رکعتیں باقی ہیں کیونکہ اس نے صرف دو رکعتیں پڑھی ہیں تو دو رکعتیں پڑھ کر آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

پانچواں مسئلہ...... اگر ظہر کی دو رکعتوں کے سرے پر نمازِ جمعہ سمجھ کر یا صبح کی نماز سمجھتے ہوئے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں از سرِ نو نماز پڑھے۔

چھٹا مسئلہ...... اگر آخری قعدہ بھول گیا اور پانچویں رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں لیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور آخر میں سجدۂ سہو نکالے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس کی فرض نماز باطل ہو گئی اور وہ نفلی نماز میں تبدیل ہو گئی لہٰذا اس پر لازم ہے کہ پانچ رکعتوں کے ساتھ ایک چھٹی رکعت ملائے اور آخر میں ایک سجدۂ سہو نکالے اور اگر یہ چوتھی رکعت میں کسی قدر بیٹھ گیا تھا تو پھر اس صورت میں اس کی فرض نماز پوری ہو گئی مزید دو رکعتیں نوافل ہو گئے۔ اور اس صورت میں بھی سجدہ سہو کرے۔

ساتواں مسئلہ...... اگر امام بھول جائے تو خود اس پر اور اس کے مقتدیوں پر سجدہ سہو واجب ہو گا لیکن اگر مقتدی بھول جائے تو پھر کسی پر سجدہ سہو نہیں نہ امام پر نہ مقتدی پر۔

تشریح الفاظ

۱: متعمّد ... دانستہ کام کرنے والا۔ ۲: عاد ... وہ لوٹ آیا۔ ۳: اَتمّھا ... اس نے نماز پوری کر دی۔ ۴: یستانف ... نئے سرے سے نماز پڑھے۔ ۵: قیّدَ ... اس نے قید لگائی۔ ۶: تَحوّلت ... نماز بدل گئی۔ ۷: یُوجب ... یہ کام واجب کرتا ہے۔ ۸: اَلْمُوتم اقتداء کرنے والا۔ یعنی مقتدی۔

تشریح پہلا مسئلہ...... پہلے قعدہ میں تشہد "عبدہ و رسولہ" تک ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس سے زیادہ پڑھ ڈالا تو اس میں ہمارے آئمہ کی تین روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ اضافہ اللّٰھم صلّ علی محمد و علیٰ اٰل محمد تک ہو تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔ اور یہ اتفاقی روایت ہے۔ اور وجوب کی وجہ تاخیر فرض ہے۔ امام صاحب سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ایک حرف بھی بڑھا دیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ اور ایک تیسری روایت صاحبین سے یہ ہے کہ درود شریف میں جب تک و علیٰ اٰل محمد کا اضافہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب نہ ہو گا۔ یہ پوری بحث تشہد میں گزر چکی ہے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ شیخ ظہیر الدین سے ایک چوتھا قول مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے سے وجوب سجدہ سہو نہیں بلکہ ایک رکن کی مقدار تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔

نوٹ......بعض لوگ اس مسئلہ کو بڑی کوشش سے عوام میں پھیلانے کی سعی کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ فقہائے کرام نے بے موقع درود پڑھنے والے پر سجدہ سہو ضروری قرار دیا۔ لہذا جہاں درود شریف وارد نہ ہو وہاں نہیں پڑھنا چاہئے۔ ورنہ بجائے ثواب کے الٹا آدمی گناہگار ہوتا ہے۔ اس سے ان کا منشأ ان مقامات اور مجالس میں درود شریف کی اہمیت کم کر کے اسے بند کرنا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی اچھا طریقہ اور دینِ اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اپنے اندر خطرناک پہلو رکھتا ہے۔ جس سے ایک محبِ مسلمان کو بے حد احتیاط کرنی چاہئے۔ اور آئمہ فقہ کے ذکر کردہ کلام سے یہ بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ یہاں سجدہ سہو کا وجوب کلماتِ درود پڑھنے سے نہیں بلکہ اس کا اصل موجب تاخیر رکن ہے۔ خواہ وہ کسی طرح بھی پائی جائے۔ چنانچہ علامہ شامی نے درمختار کے قول "و تاخیر قیام الیٰ الثالثۃ بزیادۃ علی التشھد بقدر رکن" کے ذیل میں تحریر فرمایا:

"اشار الیٰ ان وجوب السجود لیس لخصوص الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بل لترک الواجب و ھو تعقیب التشھد للقیام بلا فاصل حتی لو سکت یلزمہ السھو کما قدمناہ فی فصل اذا اراد شروع قال المقدسی کما لو قرأ القراٰن ھنا او فی الرکوع یلزمہ السھو مع انہ کلام اللہ تعالیٰ و کما لو ذکر التشھد فی القیام مع انہ توحید اللہ تعالیٰ .(رد المحتار جلد اول ص ۵۴۸)

خلاصہ مفہوم

سجدہ سہو خصوصیت درود کی وجہ سے واجب نہیں ہوا بلکہ تاخیر قیام کی وجہ سے واجب ہوا۔ یعنی حق یہ تھا کہ تشہد پڑھنے کے بعد فوراً بلا فصل قیام کیا جاتا تو اس میں تاخیر کی وجہ سے لزومِ سجدہ سہو ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اگر اتنی دیر خاموش رہے تو پھر بھی سجدہ سہو لازم ہوگا۔ علامہ مقدسی نے فرمایا کہ اگر تشہد میں یا رکوع میں قرآن مجید پڑھے تو پھر بھی سجدہ سہو لازم ہوتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اسی طرح اگر حالت قیام میں تشہد پڑھے تو بھی سجدہ سہو لازم ہو جائیگا حالانکہ تشہد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔

حکایت عجیبہ

و فی المناقب ان الامام رحمہ اللہ رأی النبی ﷺ فی المنام فقال ﷺ کیف اوجبت السھو علی من صلّی علیَّ فقال لانہ صلی علیک سھواً فاستحسنہ (اھ) (فتاوی شامی جلد اول صفحہ ۵۴۸)

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے مناقب میں یہ عجیب خواب مذکور ہے کہ امام کو ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اے ابوحنیفہ! تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ جو مجھ پر نماز میں درود بھیجے تو اس پر سجدہ سہو نکالنا ضروری ہے تو امام اعظم نے عرض کی: یہ اس لئے کہ اس نے آپ پر بھول کر درود شریف پڑھا تو حضور اقدس ﷺ نے امام کی اس بات کو پسند فرمایا۔

تشریح دوسرا مسئلہ......اس میں سجدہ سہو کی وجہ یہ ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ ان رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ فرماتے ہیں کہ یہ ذکر کے طور پر پڑھے۔ اور امام ابو یوسف اس صورت میں سجدہ سہو ضروری نہیں قرار دیتے کیونکہ ان کے نزدیک فاتحہ واجب نہیں۔ اور تشہد میں قرآن مجید پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کیوں واجب نہیں۔ اس لئے کہ تشہد دعاء و ثناء کا محل ہے۔ اور قرآن مجید میں دونوں وصف پائے جاتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ......رکوع کے بعد قنوت یاد آئی تو اس کے پڑھنے کے لئے قیام کی طرف نہ لوٹے اور قومہ میں بھی قنوت نہ پڑھے کیونکہ وہ اس کا محل نہیں۔ اور اگر رکوع کی حالت میں قنوت یاد آئی تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ قیام کی طرف لوٹ جائے اور قنوت پڑھے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ قیام کی طرف نہ لوٹے اور نہ رکوع میں قنوت پڑھے۔ اور یہی صحیح ہے۔ امام قاضی خان نے فرمایا کہ رکوع، سجدے کے درمیان جو قومہ کیا جاتا ہے اس کے لئے حکم قیام نہیں۔ امام ناطفی کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ لوٹنے نہ لوٹنے کا کوئی اعتبار نہیں بہر حال اس پر سجدہ سہو لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ خواہ لوٹے یا نہ لوٹے، قنوت پڑھے یا نہ پڑھے بہر حال اس پر سجدہ سہو ضروری ہے۔

مسئلہ......اگر نمازی کو رکوع میں یاد آیا کہ اس نے سورۃ فاتحہ یا کوئی دوسری سورۃ نہیں پڑھی تو یہ قیام کی طرف لوٹ جائے اور قرات پڑھے اور دوبارہ رکوع کرے اگر اس نے دوبارہ رکوع نہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے کہ اس نے لوٹ جانے کی وجہ سے رکوع چھوڑ دیا تھا۔ اور اگر یہ لوٹ گیا لیکن اس نے قرأت نہ کی تو اس صورت میں رکوع کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

تشریح چوتھا مسئلہ......ظہر کی نماز پوری سمجھ کر بھول کر سلام پھیر دیا تو یاد آنے پر اٹھ کر بقیہ دو رکعتیں پڑھے اور آخر میں سجدہ سہو کرے کیونکہ اس نے بھول کر سلام پھیرا تھا۔

تشریح پانچواں مسئلہ......از سرِ نو نماز پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دانستہ یہ جانتے ہوئے کہ دو رکعتیں میں نے پڑھی ہیں سلام پھیرا ہے۔ لہٰذا اس کا سلام دانستہ ہوا جس سے پہلی نماز ختم ہو گئی اب از سرِ نو دوبارہ نماز پڑھے۔

تشریح چھٹا مسئلہ......اس میں سجدہ سہو کی وجہ یہ ہے کہ آخری قعدہ میں تاخیر ہو گئی۔ اگر پانچویں رکعت کے لئے سجدہ کر لیا تو نماز کا وصف تبدیل ہو جائے گا یعنی فرائض نوافل سے بدل جائینگے۔ شیخین کے نزدیک یہی صورت ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اس صورت میں نماز بالکل باطل ہو جائے گی۔ لیکن شیخین تغیر وصف کے قائل ہیں اس واسطے ان کے نزدیک پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت کا انضمام کرے تا کہ پوری نماز چھ رکعات نوافل ہو جائیں۔ مصنف کے کلام میں اس سلسلہ میں ''علیـــــہ'' آیا ہے چونکہ لفظ علی لزوم کے لئے آتا ہے اس لئے کلام کا مفہوم یہ ہوگا کہ چھٹی رکعت کا ملانا واجب ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ انضمام واجب نہیں مستحب ہے۔ لہٰذا اگر پانچویں کے ساتھ چھٹی رکعت نہ ملائے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ صرف پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے فرائض نوافل میں تبدیل ہو گئے۔ کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک زمین پر سر رکھنے سے سجدہ پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک سجدہ اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس سے سر اٹھائے۔ لہٰذا امام محمد کے نزدیک جب تک سجدے سے اس نے سر نہیں اٹھایا نماز کے وصف میں تبدیلی نہیں آئے گی۔

فائدہ......آئمہ کے اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر رفع سر سے پہلے نمازی اگر بے وضو ہو گیا تو وضو کرے اور تشہد پڑھے تو امام محمد کے نزدیک اس کے فرض صحیح ہو جائینگے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صحتِ صلوٰۃ نہ ہوگی۔ اور امام محمد کا قول پسندیدہ قول ہے۔ اور اس صورت میں آخر میں سجدہ سہو کرے یعنی جب فرائض نوافل میں بدل جائیں تو بعض مشائخ کی رائے کے مطابق سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ لیکن زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ وہ سجدہ سہو نہ کرے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے اسی طرح فرمایا۔ اور اگر یہ چوتھی رکعت میں تھوڑا بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں بھی قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ بشرطیکہ نئی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور پھر بیٹھ کر سلام پھیرے

اور حالتِ قیام میں سلام نہ پھیرے۔ ہاں البتہ اس صورت میں سجدہ سہو کرے کیونکہ واجب میں تاخیر ہوگئی۔ اور اگر اس نے اس صورت میں پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو قعدہ کرنے کی وجہ سے فرائض مکمل ہو گئے البتہ ایک رکعت نماز نہیں ہوتی لہذا اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملائے تا کہ چار فرض ہو جائیں اور دو رکعت نفل ہو جائیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ فرائض کے تحریمہ پر نوافل کی صحت ہوسکتی ہے۔ اب یہ سوال کہ یہ دو نفل سنت ظہر یا سنت عشاء کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سنت کی نیابت نہیں ادا کر سکتے۔

نوٹ...... نماز مغرب کی چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جانا اور نماز فجر میں تیسری کے لئے کھڑا ہو جانا اس کا وہی حکم ہے جو چار رکعتوں میں پانچویں کے لئے کھڑا ہو جائے۔

مسئلہ: ظہر، عشاء اور مغرب کی نماز میں نئی رکعت کا اضافہ کرنا بلا شبہ جائز ہے۔ کیونکہ ان نمازوں کے بعد نوافل مکروہ نہیں۔ لیکن نماز عصر اور فجر میں تو بعض نے کہا ہے کہ نماز عصر کی پہلی صورت میں اضافہ نہ کرے اور بعض نے کہا ہے کہ علی الاطلاق اضافہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔ کیونکہ نماز عصر کے بعد قصداً نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے لیکن اگر بلا ارادہ ایسا ہو جائے تو ممانعت نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے آخر رات نوافل شروع کئے اور جب ایک ہی رکعت پڑھی تو صبح طلوع ہوگئی تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ انھیں پورا کرے اور پھر صبح کی دو رکعتیں پڑھے۔ کیونکہ اس نے نماز فجر کے بعد قصداً دو رکعتوں سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ آخری قعدہ کرنے کی وجہ سے فرائض کا تام ہونا اور دو رکعتوں کا نفل ہونا اس صورت میں آخر میں استحساناً سجدہ سہو کرے۔ لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ یہ اس نماز میں ہے جس میں بھولا نہیں۔ لیکن بر بنائے استحسان سجدہ سہو کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ترک سلام کی وجہ سے اس کے فرائض میں نقصان پیدا ہوگیا یا تاخیر ہوگئی یا کوئی زائد فعل داخل کرلیا۔

مسئلہ: امام کی بھول سے امام پر تو اصالت کے طور پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اور قوم پر اس کی تابعداری کی وجہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر امام سجدہ سہو چھوڑ دے تو مقتدی ادا نہ کرے اور مقتدی کے بھول جانے کی وجہ سے کسی پر سجدہ سہو نہیں۔ امام پر اس لئے نہیں کہ وہ متبوع ہے تابع نہیں۔ اور مقتدی پر اس لئے نہیں کہ اگر وہ نکالے تو امام کی مخالفت لازم آئے گی۔ حالانکہ اس کے لئے امام کی متابعت ضروری ہے۔

و ان سهى عن السلام يعنى اطال القعدة على ظن انه خرج من الصلوٰة ثم علم انه لم يخرج فسلم يسجد للسهو ان سلم من عليه السهو يريد به قطع الصلوٰة يعنى لا يريد سجدة السهو ثم بدا له فله ان يسجد ما لم يتكلم و لا يستدبر القبلة

ترجمہ...... اگر سلام پھیرنا بھول گیا یعنی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس نے اس گمان پر قعدہ اتنا طویل اور دراز کیا کہ وہ نماز سے فارغ (اور باہر) ہو گیا ہے۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی نماز سے فارغ نہیں ہوا پھر اس نے سلام پھیرا تو یہ سجدہ سہو کرے۔

تشریح

مراد یہ ہے کہ نماز کا سلام پھیرنا بھول گیا پھر اس نے آخری قعدہ اس خیال سے اس قدر طویل کیا کہ اب وہ نماز سے فارغ ہو گیا ہے۔ لہذا ایک رکن یا اس سے کچھ زائد مقدار چپ چاپ بیٹھا رہا پھر اسے معلوم ہوا کہ ابھی وہ نماز سے فارغ نہیں ہوا۔ اور نہ اس نے سلام پھیرا ہے کہ وہ خارج عن الصلوٰۃ ہو تو تاخیر واجب کیوجہ سے (اور وہ تاخیر سلام ہے) وہ سجدہ سہو نکالے۔

ترجمہ...... جس شخص پر سجدہ سہو نکالنا واجب تھا اس نے سلام پھیر دیا یعنی اس سلام سے اس کا ارادہ ختم نماز تھا۔

تشریح...... مراد یہ ہے کہ نمازی نے یہ سمجھا کہ اس کی نماز پوری ہوگئی ہے لہذا یہ آخری سلام پھیر کر نماز سے سبکدوش ہو جائے اس لئے اس نے یہ آخری سلام پھیرا۔ پس اس سے اس کی مراد سجدہ سہو کا سلام نہ تھا۔

ترجمہ...... پھر سلام پھیرنے کے بعد اس پر یہ واضح ہوا کہ اسے سجدہ سہو کرنا چاہئے تو اس صورت میں اسے سجدہ سہو کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ جب تک کلام نہ کرے اور قبلہ شریف سے اپنی پیٹھ نہ پھیری ہو۔

تشریح...... یعنی کلام کرنے اور استدبار قبلہ سے پہلے پہلے وہ سجدہ سہو نکالے لیکن اگر اس نے کلام کر لیا یا قبلہ سے رُخ پھیر لیا تو پھر نماز ختم ہو جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کی کوئی گنجائش نہیں۔ (خلاصہ کلام) سلام پھیرنے کے وقت اس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ سجدہ سہو نہ کرے گا وجوب سجدہ کے لئے مانع اور مُسقط نہیں بشرطیکہ کوئی منافی صلوٰۃ پیدا نہ ہو۔

و من شک فی القیام انہ کبر للافتتاح ام لا فتفکر و طال تفکرہ فعلم انہ کبّر او ظن انہ لم یکبر فاعاد التکبیر ثم تذکر فعلیہ ان یسجدثم الاصل فی التفکر ان منعہ ان اداء رکن او واجب یلزمہ السھو و قال بعض المشائخ ان منعہ عن القراءۃ او التسبیح یجب السھو و الا فلا

ترجمہ...... جس شخص نے قیام کی حالت میں اس بات میں شک کیا کہ کیا اس نے تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں پھر اس نے سوچ کی اور دیر تک سوچتا رہا پھر اسے معلوم ہوا کہ اس نے پہلی تکبیر پڑھی ہے یا اسے غالب گمان ہوا کہ اس نے پہلی تکبیر نہیں پڑھی پھر اس نے تکبیر کہی پھر اسے یاد آیا کہ وہ پہلی تکبیر کہہ چکا ہے تو اس صورت میں اس کے ذمہ سجدہ سہو ہے۔

تشریح

دیر تک سوچنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکن کی مقدار سوچے لزوم سجدہ سہو کی وجہ یہ ہے کہ واجب میں تاخیر ہوگئی اور یہی حکم ہے اگر کسی کو نماز ظہر یا عصر میں شک ہو گیا یا تین یا چار رکعاتیں پڑھنے میں شک ہو گیا یا فاتحہ پڑھنے کے بعد سوچنے لگا کہ کون سی سورۃ پڑھے تو اس سب صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے۔

ترجمہ......اور سوچنے میں قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر سوچ (اور غور و فکر) اسے کسی رکن کی ادائیگی سے روک دے تو اس صورت میں اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ (چنانچہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر تفکر (سوچ بچار) اسے قرأت یا تسبیحات پڑھنے سے روک دے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا اور اگر یہ صورت نہ ہو تو واجب نہ ہوگا۔

تشریح

ادائیگی رکن کی مثال جیسے ایک بڑی یا تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا۔ یا رکوع یا سجدہ۔ اور کسی واجب کے ادا کرنے کی مثال جیسے قعدہ اولیٰ اور اس صورت میں وجوب سجدہ سہو کی وجہ یہ ہے کہ واجب رہ گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کسی رکن یا واجب کو اپنے محل میں ادا کرنا واجب ہے۔ اور غور و فکر سے وہ اپنے محل میں نہ ادا ہو سکے۔ اور یہ "عـــدم الاداء فی محلـــه" ترکِ واجب جس کی وجہ سے لزوم سجدہ سہو ہوا۔ اور اگر ادائیگی واجب میں کوئی بندش اور رکاوٹ نہ ہو مثلاً وہ ادائیگی جاری رکھتے ہوئے وہ تفکر بھی کرے تو پھر وجوب سجدہ سہو نہ ہوگا۔

بعض مشائخ نے قرأت کے علاوہ تسبیحات کو بھی اس میں شامل کیا یعنی اگر تفکر مانع تسبیحات ہو تو پھر بھی لزوم سجدہ سہو ہوگا تو پھر اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تفکر کی وجہ سے کوئی نمازی رکوع کی تسبیحات نہ پڑھ سکے تو اس پر سجدہ سہو نکالنا واجب ہوگا لیکن قول اول کی بناء پر دریں صورت لزوم سجدہ سہو نہ ہوگا کیونکہ کسی رکن یا کسی واجب کی ادائیگی میں تفکر مانع نہیں ہوا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (جیسا کہ ظاہر ہے)

و ان سلم المسبوق مع امامه لا سهو عليه و ان سلم بعده يجب و فى الملتقط المسبوق اذا سلـم مـع امامه و كبر ايام التشريق مع امامه فعليه السهو و المسبوق يتابع امامه فى سـجـود السهـو و ان قـام قبـل سـلام الامـام و قرأ فركع و لم يسجد حتى سجد الامام لـلسهـو يتـابعه و ترتفض قيامه و ركوعه و ان لم يتابع الامام يسجد اذا فرغ و ان سهى فيـمـا يـقـضـى يسجد ايضا و لا ينبغى للمسبوق ان يقوم الى قضاء ما سبق به قبل سلام الامـام و ان قام قبل ان يفرغ الامام من التشهد فالمسالة على وجوه اما ان كان مسبوقا بـركـعة او بـركـعتيـن او بثلٰث ركعات فان كان مسبوقا بركعة فان وقع من قراء ته بعد فراغ الامام من التشهد مقدار ما يجوز به الصلوٰة جازت صلاته و الا فسدت لان قيامه و قراء ته قبل فراغ الامام من التشهد لا يعتبر

ترجمہ:

۱- اگر مسبوق مقتدی نے اپنے امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دیا تو اس پر سجدہ سہو نہیں۔ لیکن اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

۲- فتاویٰ ملتقط میں ہے کہ مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیرا اور اپنے امام کے ساتھ ایام تشریق کی تکبیریں کہیں تو

اس پر سجدہ سہو لازم ہو گیا۔ اور سجدہ سہو ادا کرنے میں مسبوق اپنے امام کی تابعداری کرے اور اگر مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی کھڑا ہو گیا اور قرات کی پھر رکوع کیا لیکن ابھی اس نے سجدہ نہ کیا اور امام نے بھول کر سجدہ کیا تو مسبوق اسکی تابعداری کرے اور اپنے قیام اور رکوع کو چھوڑ دے۔ اور اگر اس نے اس میں امام کی تابعداری نہ کی تو فراغت نماز کے بعد سجدہ سہو نکالے۔ اور اگر جو نماز قضا کرنے لگا یعنی باقی ماندہ رکعات پڑھنے لگا اور ان میں بھول گیا تو بھی سجدہ سہو کرے۔

۳- اور مسبوق کے لئے مناسب نہیں کہ وہ گذشتہ چھوٹی ہوئی رکعات پڑھنے کے لئے جب کھڑا ہو تو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے نہ کھڑا ہو۔ اور اگر امام کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو پھر اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں۔ کیونکہ مسبوق میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ امام کے ساتھ اس کی ایک رکعت رہ گئی ہو یا دو رکعتیں رہ گئی ہوں یا تین رکعتیں رہ گئی ہوں۔ اگر مسبوق کی امام کے ساتھ ایک رکعت رہ گئی ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اس کی مقدار قرأت کتنی ہوئی۔ اگر اتنی مقدار ہوئی کہ جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ اور اگر اتنی مقدار نہ ہوئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس کا قیام اور قرأت امام کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے غیر معتبر ہے۔ (اور یہی حکم ہے جب مسبوق کی امام کے ساتھ دو رکعت رہ جائیں۔)

چند الفاظ کی تشریح

۱: اَطَال ... اس نے دراز کیا۔ ۲: بداء ... اس پر ظاہر ہوا۔ ۳: یستدبر ... پیٹھ پھیرے۔ ۴: افتتاح ... شروع کرنا۔ ۵: تفکر ... سوچنا۔ ۶: ایام التشریق ... ذوالحجہ کے خاص دن۔ جو نو ذوالحجہ کو شروع ہو کر ۱۳ ذوالحجہ کو ختم ہوتے ہیں۔ ۷: یرتفض ... وہ چھوڑ دے۔ ۸: لا ینبغی ... مناسب نہیں۔ ۹: ما سبق ... جو چیز پہلے گزر گئی۔ ۱۰: مسبوق ... وہ شخص جس سے امام نماز کی بعض رکعتوں میں آگے ہو۔ یعنی جو ایک، دو رکعت ہو جانے کے بعد شامل ہو جائے۔

تشریح

مسئلہ ۱: اس صورت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دیا یعنی وہ سمجھا کہ امام کی طرح میری نماز پوری ہو گئی تو اس بھول کے سلام کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ وہ مقتدی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مقتدی کے بھول جانے کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اس نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائے گا کیونکہ اب وہ منفرد کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا جو حکم منفرد کا ہے وہی اس صورت میں مسبوق کا حکم ہے۔ محیط میں ہے کہ اگر مسبوق نے پہلے سلام امام کے سلام سے مقارن کر کے پھیرا تو اس پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ وہ مقتدی ہے۔ اور اگر اس کے بعد سلام پھیرا تو سجدہ سہو واجب ہوگا کیونکہ اب وہ منفرد کی حیثیت رکھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں معیت سے حقیقی معنیٰ مراد ہے۔ کہ جس کا وقوع شاذ و نادر ہوتا ہے۔

۲: فتاویٰ ملتقط میں جو صورت مسئلہ بیان فرمائی گئی اس میں وجوب سجدہ سہو کی وجہ یہ ہے کہ اب مسبوق منفرد کے حکم میں ہو گیا۔ اور مسبوق کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سجدہ سہو میں اپنے امام کا اتباع کرے۔ اگرچہ امام کا بھول جانا مسبوق کی اقتداء سے پہلے ہو۔ اس

لئے کہ امام کے ساتھ شامل ہو کر اس نے امام کی متابعت کا انتظام کر دیا۔

مسئلہ: اگر کسی امام کو یہ گمان ہوا کہ اس کے ذمے سجدہ سہو ہے۔ پھر اس نے سجدہ سہوادا کیا تو پھر مسبوق اس کی تابعداری کرے۔ پھر معلوم ہوا کہ امام پر سجدہ سہو نہ تھا تو پھر مسبوق کی نماز کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ صدر الشہید نے اسی کو اختیار کیا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ محلِ انفراد میں مسبوق نے امام کی اقتدا کی۔ اور یہ صورت کہ امام نے ابھی سلام نہیں پھیرا کہ مسبوق اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا پھر اس نے دیکھا کہ امام سجدہ سہو کرنے لگا تو مسبوق اس کی متابعت کرے۔ اگر متابعت نہ کی تو اگرچہ نماز فاسد نہ ہوگی لیکن فراغت کے بعد سجدہ سہو نکالے۔ اور یہ کہنا کہ مسبوق اپنے قیام، قرأت اور رکوع کو چھوڑ دے۔ اور امام کی تابعداری کرے یعنی سجدہ سہو میں اس کا ساتھ دے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی اس کی انفرادی حیثیت مستحکم اور پختہ نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس پر اتباع امام لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ اس نے امام سے پہلے کیا اس کا اعادہ لازم ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے پہلے جو کچھ کیا اس پر اعتبار کر کے اس پر بنیاد رکھی، اور ان کا اعادہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور جو رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا اس کا سجدہ کر لیا تو پھر سجدہ سہو میں امام کا اتباع نہ کرے۔ بلکہ فراغت کے بعد سجدہ سہو نکالے۔ اور اگر امام کا اتباع کریں تو مسبوق کی نماز فاسد ہوگی لیکن اگر مسبوق نے سجدہ سہو میں امام کا ساتھ نہ دیا تو نماز سے فراغت کے بعد اس صورت میں بھی امام کا ساتھ نہ دیا تو نماز سے فراغت کے بعد بر بنائے استحسان سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ درحقیقت یہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے۔ اور جب بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور اس میں بھول گیا تو پھر بھی سجدہ سہو نکالے۔ کیونکہ اب یہ منفرد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر امام کے بھولنے کی وجہ سے اس نے اس کے ساتھ سجدہ نہ کیا۔ پھر یہ بھی بھول گیا تو دونوں کے لئے ایک ہی سجدہ سہو کافی ہے۔ کیونکہ بھول کی تکرار سے سجدے میں تکرار نہیں ہوتا۔ اور مسبوق کے لئے یہ بھی مناسب نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے کہ وہ بقیہ نماز ادا کرنے کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے۔ ہاں اگر کوئی مجبوری اور ضرورت ہو تو پھر امام کی فراغت سے پہلے کھڑا ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً اس نے پہلے کھڑا ہونے میں اس لئے جلدی کی کہ اس کی نماز فساد سے بچ جائے۔ جیسے اگر یہ انتظار کرتا اور سورج طلوع ہو جاتا۔ یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت داخل ہو جاتا۔ یا اس کے مسح کرنے کی مدت پوری ہو جاتی، یا نماز کا وقت پورا ہو جاتا کیونکہ یہ صاحب عذر ہے یا قضائے حاجت سے یہ مجبور تھا یا یہ خطرہ تھا کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کے آگے سے لوگ گزریں گے تو ان ساری صورتوں میں امام کے سلام سے پہلے کھڑا ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ قدرے تشہد میں بیٹھا ہو۔ لہٰذا تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے کھڑا نہ ہو۔

۴: اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں کہ سب کی بنیاد اس پر ہے کہ مسبوق نے قیام قرأت، رکوع اور سجدہ یہ سب کچھ امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے ادا کر لیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ البتہ قرأت کے باب میں یہ اول نماز کو ادا کرنے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور کتاب میں مسبوق کی چار حالتیں مذکور ہیں۔ یعنی ایک وہ مسبوق جس کی ایک رکعت رہ گئی۔ دوسرا وہ جس کی دو رکعتیں رہ گئیں۔ تیسرا وہ جس کی تین یا چار رکعتیں رہ گئیں۔ اور ایک رکعت رہ گئی تو امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اتنی مقدار قرأت کی جو جواز نماز کے لئے کافی ہے تو اس کی نماز جائز ہوگی۔ اور اگر اتنی مقدار نہ ہو تو پھر نماز فاسد ہو گئی۔ اور امام کے قدرے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے جو کچھ اس نے پڑھا وہ غیر معتبر ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت مقتدی کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ جس رکعت کو ادا کر رہا ہے

اس میں اس کے ذمہ قرأت فرض ہے۔ بشرطیکہ اس کی نماز میں سے کوئی ایسا حصہ نہ رہا ہو کہ جس میں تدارک قرأت ممکن ہو تو پھر اس صورت میں ترک فرض کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر دو رکعتیں رہ گئیں ہوں تو پھر بھی یہی حکم ہے کیونکہ دونوں میں اس کے ذمہ قرأت فرض ہے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ رکعتیں رہ گئیں تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تدارک قرأت ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے بقیہ نماز میں قدرے جواز صلوٰۃ قرأت نہ کی اور امام کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے جو قرأت کی اسی کا اعتبار کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی

فائدہ: علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ مسبوق وہ مقتدی ہے کہ جس کی کچھ نماز امام کے ساتھ شامل ہونے سے رہ گئی ہو۔ لاحق یہ وہ ہے کہ امام کے ساتھ شروع میں اقتداء کی لیکن کسی وجہ سے کچھ نماز جماعت سے رہ گئی۔ مُدرک، جس نے اول سے لے کر آخر تک امام کے ساتھ نماز پائی ہو۔

نوٹ: یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ مسبوق اپنی بقیہ نماز ادا کرنے میں منفرد کی حیثیت رکھتا ہے یعنی دونوں کے احکام ایک ہیں۔ البتہ بعض مسائل میں مسبوق کی منفرد سے الگ حیثیت ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

۱۔ اگر مسبوق استیناف صلوٰۃ کی نیت کرے تو یہ یقیناً مستانف ہو جائے گا یعنی پہلی شے ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر منفرد یہ ارادہ کرے تو وہ مستانف نہ ہوگا جب تک کہ کسی دوسری نماز کی نیت نہ کرے۔

۲۔ اگر نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا تو اپنے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنے میں شریک ہو جائے۔ جبکہ کسی غیر کی بھول سے منفرد پر سجدہ سہو نہیں آتا۔

۳۔ مسبوق ایام تشریق کی تکبیریں بالاتفاق پڑھ سکتا ہے جبکہ امام صاحب کے نزدیک منفرد پر واجب نہیں۔

بحث سابقہ کے چند متعلقہ مسائل

۱) اگر امام کو سجدہ تلاوت یاد آیا تو اس نے اس وقت سجدہ تلاوت ادا کیا جبکہ مسبوق اپنی بقیہ نماز ادا کرنے کھڑا ہو گیا تھا۔ تو حکم یہ ہے کہ وہ اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر سجدہ تلاوت میں امام کا ساتھ دے۔ اگر اس نے امام کا ساتھ نہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور اگر مسبوق نے اپنے ادا کردہ افعال میں کسی رکعت کا سجدہ کر لیا تو پھر سجدہ تلاوت میں امام کا ساتھ نہ دے اور اگر اس صورت میں بھی اس نے تابع ہونے کی وجہ سے امام کا ساتھ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس نے امام کا اتباع نہ کیا تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں فساد نماز نہیں۔

۲) اگر کسی امام کو نماز کا ذاتی سجدہ یاد آیا اور اس نے ادا کیا تو مسبوق اس کا ساتھ دے۔ اگر اس نے ساتھ نہ دیا تو اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اور اگر سجدہ کرنے سے نماز کو مقید کر دیا تو سب روایات میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ خواہ امام کا اتباع کرے یا نہ کرے کیونکہ اس کے ذمے دو رکن ہیں سجدہ اور قعدہ۔ (پس ان کے رہ جانے کی وجہ سے نماز نہ ہوئی)

۳) اگر کسی نے امام کے ساتھ نماز مغرب کی ایک رکعت پائی تو امام کے فارغ ہونے کے بعد بقیہ دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورۃ پڑھے۔ اور پہلی رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ کرے۔ کیونکہ دو رکعتوں کے بعد قعدہ کیا جاتا ہے۔ اور امام کے ساتھ اس کی جو ایک رکعت ہوئی اس کو اس دوسری کے ساتھ ملا کر دو رکعتیں ہو گئیں۔ کیونکہ مسبوق کے حق میں قاعدہ یہ ہے کہ قرأت کے معاملہ میں اس کی نماز، نماز کا پہلا حصہ شمار ہوگی۔ اور قعدہ کے معاملہ میں آخری حصہ شمار ہوگی لیکن اگر یہ بھول کر نہ بیٹھا تو اس پر سجدہ سہو نہیں۔ اس لئے کہ بعض

وجوہات کی بنا پر یہ اس کی نماز کا پہلا حصہ ہے۔

اگر فرائض کی چار رکعتوں میں سے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تو یہ باقی ماندہ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوجائے اور فاتحہ اور سورۃ کے ساتھ ایک اور رکعت پڑھے اور قعدہ کرے۔ پھر اسی طرح بھری ہوئی دوسری رکعت پڑھے اور قعدہ نہ کرے۔ اور تیسری میں صرف فاتحہ پڑھے اور اپنی نماز پوری کرے۔

اگر امام نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی البتہ پچھلی دو میں قرأت ادا کی اور مسبوق ان پچھلی دو رکعتوں میں امام کے ساتھ شامل ہوا اب جبکہ یہ بقیہ نماز ادا کرنے کھڑا ہوگا تو یہ کیا کرے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اپنی باقی ماندہ نماز میں قرأت کرے۔ کیوں؟ اس لئے کہ امام کی قرأت پہلی دو رکعتوں کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ اور پچھلی دو رکعتیں خالی رہ گئیں۔ لہذا یہ ان میں قرأت کرے۔

امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اگر مسبوق تشہد پڑھنے سے پہلے فارغ ہوجائے تو یہ خاموش بیٹھنے کی بجائے تشہد کا تکرار کرے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کلمہ شہادت کا تکرار کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خاموش بیٹھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ درود شریف پڑھے۔ لیکن ان سب باتوں میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ٹھہر ٹھہر کر تشہد پڑھے تا کہ وہ امام کے سلام پھیرنے کے وقت تک فارغ ہوجائے۔

صحیح یہ ہے کہ جہری نمازوں میں ثناء نہ پڑھے۔ بلکہ جب بقیہ نماز ادا کرنے کھڑا ہو تو اس وقت ثناء پڑھے۔ اگر مقتدی امام کے فارغ ہونے سے پہلے تشہد سے فارغ ہوجائے تو خاموش رہے۔ اور اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے تو مسبوق اس کا ساتھ دے۔

اگر امام چوتھی رکعت میں بیٹھ گیا تو مسبوق کی نماز صرف قیام سے فاسد ہوجائے گی اور اگر امام نہ بیٹھا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

لاحق وہ مقتدی ہے کہ جس نے ابتداء میں امام کے ساتھ اقتداء کی لیکن درمیان سے اس کی کچھ نماز رہ گئی۔ اور اس ترک کی وجہ سے یا تو نیند ہوئی یا بے وضو ہونا اور وضو کرنے کے ساتھ مشغول ہونا یا اتنی بھیڑ تھی کہ اسے جگہ نہ ملی تو اس کا حکم یہ ہے کہ جو نماز اس کی رہ گئی اسے پہلے ادا کرے پھر امام کے ساتھ شامل ہو بشرطیکہ امام فارغ نہ ہوا ہو۔ اور قرأت نہ کرے اگرچہ امام فارغ ہوگیا ہو کیونکہ یہ حکماً امام کے پیچھے تصور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر یہ بھول گیا تو یہ سجدہ سہو نہ کرے اس لئے کہ یہ مقتدی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر امام نے سجدہ سہو کیا جبکہ اس کی ابھی نماز پوری نہ ہوئی تو یہ اس کے ساتھ سجدہ سہو نہ کرے۔ بلکہ فارغ ہونے کے بعد سجدہ سہو ادا کرے اور اگر یہ مسافر ہو اور امام بھی مسافر ہو اور اس نے اقامت کی نیت کر لی تو اس کی نماز چار رکعتیں نہ ہوگی۔ گویا یہ ان تمام باتوں میں مسبوق کے خلاف ہے۔ اور اس کا حکم مسبوق سے جدا ہے۔ (صغیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۲۴۱)

و ذکـــــر فی الخاقانیـــــة

ترجمہ...... فتاویٰ قاضی خان میں درج ذیل مسئلہ ذکر کیا گیا۔

یعنی یہاں الخاقانیہ، فتاویٰ قاضی خان کا مخفف اور اختصار ہے۔ بعض دفعہ اس کو الخانیہ بھی کہہ دیتے ہیں جیسے فتاویٰ عالمگیری کو براختصار فتاوی ہندیہ کہتے ہیں یاد رہے کہ فتاویٰ قاضی خان، فقہ حنفی کا ایک معتبر اور مستند فتاویٰ ہے۔ جس کے مسائل پر ہر دور میں اعتماد اور

اعتبار کیا اور اس کے ذکر کردہ مسائل کو بطور سند اور حجت پیش کیا جاتا ہے پس اس کے مصنف آئمہ اجتہاد میں سے ہوئے ہیں۔

رجل صلی و لم یدر ثلثا صلی ام اربعا قال ان کان ذلک اول ما سھی استقبل الصلوٰۃ یعنی اول ما سھی فی عمرہ و علیہ اکثر المشائخ و ان وقع غیر مرۃ تحری فان وقع تحریہ علی انہ صلیٰ رکعۃ من رکعتین یضیف الیھا اخری و یسجد للسھو و ان وقع تحریہ علی انہ صلی رکعتین یقعد و یتشھد و یسلم للسھو و ان لم یقع تحریہ علی شئ یاخذ بالاقل ان کان فی صلوٰۃ الفجر یجعل کانہ صلی رکعۃ فیقعد لاحتمال انہ صلی رکعتین

ترجمہ……ایک شخص نے نماز شروع کی مگر اسے یہ معلوم نہ ہوسکا (یعنی وہ بھول گیا) کہ تین رکعت ادا کیں یا چار رکعت۔ اگر یہ پہلی مرتبہ بھولا ہے۔ تو اس صورت میں از سرنو نماز پڑھے یعنی پہلی دفعہ بھولنے سے مراد یہ ہے کہ پوری زندگی میں پہلی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا اور اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے۔ اور اگر اس کا بھول جانا زندگی میں کئی بار پیش آیا تو پھر اس صورت میں یہ غور وفکر اور سوچ بچار کرے پھر اگر اس کی سوچ میں یہ آئے کہ اس نے دو رکعتوں میں سے صرف ایک رکعت پڑھی ہے۔ تو پھر اس میں ایک اور رکعت ملائے (تا کہ دو رکعت ہوجائیں) اور آخر میں سجدہ سہو کرے (تو نماز ٹھیک ہوجائے گی) اور اگر اس کی سوچ میں یہ آئے کہ اس نے دو رکعت پڑھی ہیں تو پھر یہ قعدہ کے لئے بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور پھر سجدہ سہو نکالے۔ اور اگر اس کا خیال اور سوچ بچار کسی طرف نہ جمے (اور وہ تردد کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ کرسکے) تو کم رکعات پر عمل کرے۔ (مثلاً) اگر یہ شخص نماز فجر پڑھ رہا ہے تو پھر یہ فیصلہ کرے کہ گویا اس نے ایک رکعت پڑھی ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ دو رکعت پڑھی ہوں۔

تشریح

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ فتاویٰ قاضی خان کی عبارت (اوّل ما سھیٰ) کی تفسیر میں علامہ حلبی نے صغیری نے چند اقوال ذکر فرمائے جو درج ذیل ہیں:

۱- پہلی بھول سے اس شروع کردہ نماز میں پہلی بھول مراد ہے۔

۲- پورے حال میں پہلی بھول مراد ہے۔

۳- بالغ ہونے کے بعد اول بھول مراد ہے۔

۴- پوری عمر میں پہلی بھول مراد ہے۔ اکثر مشائخ یعنی آئمہ اجتہاد اور اصحاب رائے نے اسی آخری قول کو اختیار کیا ہے لہٰذا یہی صحیح اور

قابل عمل ہے۔

قوله يتحرىٰ ......اى يطلب ما هو الاحرىٰ بالعمل ۔یعنی اس رائے کو تلاش کرے جو عمل کرنے کے لئے زیادہ لائق اور قابل ہو۔پس اسے یہ سوچ اور خیال آئے کہ اس نے دو رکعت والی نماز میں صرف ایک رکعت پڑھی ہے۔تو پھر ایک اور رکعت ملائے تو دو ہو جائیں گی (کیونکہ ایک رکعت نماز نہیں) تو پھر آخر میں سجدہ سہو کرے۔(تو اس طرح کرنے سے نماز ٹھیک ہو جائے گی) اور اگر اس کی فکر اور سوچ میں یہ آئے کہ دو رکعت نماز پڑھ چکا ہے۔(مراد وہی صورت مذکورہ ہے) چونکہ صورت ما نحن فیہ میں رکعات پوری ہو گئیں لہذا یہ قعدہ کے لئے بیٹھے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔پھر سجدہ سہو نکالے۔اور اگر اس کا خیال اور دھیان کسی طرف استقرار پذیر نہ ہو اس لئے وہ کوئی فیصلہ بر بنائے غلبہ ظن نہ کر سکے تو ایسی صورت متردد میں اس کے لئے یہی حکم اور ضابطہ ہے کہ رکعات کی بنیاد ''قدر اقل'' پر رکھے۔اور '' اخذ بالاقل '' کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً یہ نماز فجر پڑھ رہا ہے اور اسے ایک یا دو میں شک لاحق ہو گیا تو وہ اس کو ایک ہی رکعت قرار دے مگر اس کے باوجود احتیاطاً قعدہ کرے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس نے دو رکعت پڑھ لی ہوں۔(چونکہ دو رکعت پر قعدہ ہوتا ہے لہذا یہ بر بنائے احتیاط قعدہ کرے۔اس لئے کہ وہ آخری قعدہ ہونے کی وجہ سے فرض ہے جس کا ترک مفسدِ نماز ہے۔

و فـي الـذخيرة لو شك في ذوات الاربع و لم يدر انها هل الاولىٰ او الثانية او الثالثة يـقعد على رأس كل ركعة و في فتاوى الفضلي اذا دار بين الثانية و الثالثة لا يقعد و هو الـصـحيـح و عـلـيـه السهـو الا فـي الـمغرب و الوتر و ان بدأ بالسورة في الاولىٰ فعليه السهو و ان قرأ حرفا كذا في الخاقانية و سجدةالسهو سجدتان بعد السلام و يتشهد و يسـلـم و يـأتي بالصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم في كلتا القعدتين و الادعية في قعدة السهو و قال بعضهم يأتي بالادعية فيهما

پہلا مسئلہ......ذخیرہ میں ہے کہ اگر کسی شخص کو چار رکعتوں میں یہ شک ہو گیا کہ کیا وہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری رکعت ہے تو اس صورت میں ہر رکعت کے اختتام پر قعدہ کرے۔لیکن فتاویٰ فضلی میں مذکور ہے کہ اگر دو اور تین رکعت میں تردد ہو جائے تو قعدہ کرنے کے لئے نہ بیٹھے اور یہی صحیح ہے۔لیکن اس پر سوائے مغرب اور نماز وتر کے سجدہ سہو ہے۔

دوسرا مسئلہ......اگر کسی نے نماز کی پہلی رکعت میں سورت شروع کر دی یعنی فاتحہ نہ پڑھی تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے اگر چہ ایک حرف پڑھا۔فتاویٰ قاضی خان میں اسی طرح مذکور ہے۔

تیسرا مسئلہ......اگر نماز میں بھول جائے تو اس کے لئے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے اور پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔اور دونوں قعدوں میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھے۔اور سجدہ سہو کے قعدہ میں دعائیں پڑھے۔اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں قعدوں میں دعائیں پڑھے۔(اور تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی سب سے اچھی طرح جانتا ہے۔)

تشریح الفاظ

۱: ذوات الاربع ... چار والی چیز، یعنی چار رکعت والی نماز۔ ۲: دار ... وہ شک میں گھوما۔ ۳: سجدتان ... دو سجدے۔ ۴: یأتی بالصلوٰۃ ... اور درود شریف پڑھے۔ ۵: کلتا القعدتین ... دونوں قعدوں میں۔ ۶: الادعیۃ ... دعائیں۔ ۷: قعدۃ السھو بھول کا قعدہ۔ یعنی اگر یہ نماز میں بھول گیا تو قعدہ کر کے سلام پھیرے پس یہ بھول کا قعدہ ہے۔

تشریح

۱) اگر کوئی آدمی چار رکعت والی نماز پڑھ رہا تھا تو اسے اس دوران اشتباہ لگ گیا کہ کیا جو رکعت یہ پڑھ رہا ہے پہلی ہے یا دوسری، تو یہ غور وفکر کرے اور اپنی فکر کو اس پر جمائے کہ یہ پہلی رکعت ہے۔ لہٰذا اسے پہلی رکعت قرار دیتے ہوئے پڑھے۔ لیکن اس کے آخر میں احتیاطاً قعدہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ دوسری ہو۔ پھر دوسری رکعت پڑھے اور اس میں بھی قعدہ کے لئے بیٹھے کیونکہ یہ اس کی رائے اور عمل کے مطابق تو یہ دوسری رکعت ہے پھر تیسری رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اس خیال سے کہ تیسری ہو۔ پھر چوتھی رکعت پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ یہ اس کے شمار کے مطابق چوتھی رکعت ہے۔ گویا اس کے لئے حکم یہ ہے کہ تردد اور شک کی صورت میں وہ ہر رکعت کے اختتام پر قعدہ کرے۔ اور پوری نماز میں بر بنائے احتیاط اس طرح کرے تا کہ اس کی نماز ٹھیک ہو جائے۔

اور فتاویٰ فضلی میں یہ مذکور ہے کہ اگر کسی نمازی کو دوسری اور تیسری رکعت میں تردد پیدا ہو گیا یعنی جس رکعت میں یہ اٹھ کر کھڑا ہوا اس میں یہ شبہ لاحق ہو گیا کہ کیا وہ دوسری رکعت یا تیسری رکعت، تو اس صورت میں قعدہ کے لئے نہ بیٹھے اور یہی صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ فی الواقع تیسری رکعت ہے تو پھر ظاہر ہے کہ تیسری میں قعدہ نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ دوسری رکعت ہے تو اس صورت میں اس لئے قعدہ نہیں کہ یہ بیٹھنے کے بجائے اٹھ کھڑا ہوا اور پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ قیام کی حالت میں قعود کی طرف نہ آئے اس لئے کہ اعلیٰ کی موجودگی میں ادنیٰ کو اختیار نہیں دیا جاتا۔ لیکن اگر یہ نمازِ مغرب یا نمازِ وتر پڑھ رہا تھا تو دوسری اور تیسری رکعت میں اسے شبہ لگ گیا تو یہ قعدہ کرنے کے لئے بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی یہ تیسری رکعت ہو، اور آخری قعدہ دونوں میں فرض ہے۔ لہٰذا یہ قعدے میں تشہد پڑھے پھر کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پڑھے۔ اس احتمال پر کہ جو رکعت اس نے پڑھی وہ دوسری تھی۔ اور اگر اسے نمازِ فجر کے قیام میں یہ شبہ لگ گیا کہ جس رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہے آیا وہ دوسری ہے یا تیسری۔ یا نمازِ مغرب یا نماز وتر میں اسے یہ تردد ہو گیا کہ جس رکعت کو یہ پڑھ رہا ہے آیا یہ تیسری ہے یا چوتھی۔ یا چار رکعت والی نماز پڑھ رہا تھا اور چوتھی میں اسے یہ وہم ہو گیا کہ یہ چوتھی ہے یا پانچویں، تو ان ساری صورتوں میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے پھر قیام کر کے ایک اور رکعت پڑھے، اس احتمال پر کہ اس کی ایک رکعت رہ گئی ہے۔ اسی طرح یہی حکم ہے اگر اسے رکوع میں یا اس کے بعد سجدے کرنے سے پہلے پہلے شبہ پیدا ہو جائے۔ اور اگر اسے پہلے سجدہ میں اسی طرح کا شک پیدا ہو جائے تو امام محمد کے قول پر اس کی نماز کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ جس رکعت میں شک پیدا ہو گیا اگر وہ زائد نہیں تو اس کا اتمام ضروری ہے۔ اور اگر زائد ہے تو امام موصوف کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ اسے پہلے سجدہ میں شک لاحق ہو گیا تو وہ رکعت ختم ہو گئی۔ جیسا کہ اگر سجدہ میں بے وضو ہو جائے تو اس سجدہ کا نماز میں شمار نہیں ہوتا۔ پھر اس صورت میں یہ بیٹھ کر تشہد پڑھے اور ایک اور رکعت پڑھے۔ یہ تو اس صورت میں

تھا کہ اسے پہلے سجدہ میں شک پیدا ہو گیا۔ اور اگر یہ صورت پیش آئی کہ اسے سجدہ اول کے بعد شک پیدا ہوا تو اس صورت میں اس کی نماز بالاتفاق باطل ہوگئی۔ اس احتمال کی وجہ سے کہ یہ زائدہ ہو۔ اور اس سے آخری قعدہ رہ گیا۔

) اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بھول کر سورۃ شروع کر دی پہلی یا دوسری رکعت میں۔ اگر ایک حرف بھی پڑھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے واجب میں تاخیر کر دی۔ اور اس صورت میں تھوڑا حصہ بھی معاف نہیں۔ اس لئے کہ اس موقع پر بہت کم بھول ہوتی ہے۔ بخلاف جہر اور سر کے کہ اس میں اکثر بھول ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آئے تو یہ نماز میں لوٹ کر پہلے سورۃ فاتحہ پڑھے پھر کوئی اور سورۃ پڑھے۔ اور یہی حکم ہے اگر سورۃ پڑھ لینے کے بعد ترتیب یاد آئی یا رکوع میں خیال آیا تو اسی طرح کرے۔

) ہمارے نزدیک اگر نماز میں بھول جائے تو سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔ اس میں امام شافعی اور امام احمد کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک سلام سے پہلے دو سجدے کرے۔ اور امام مالک کے نزدیک اگر اس نے نماز میں بھول کر اضافہ کر دیا تو سلام کے بعد دو سجدے کرے اور اگر بھول کر کچھ کمی کر دی تو سلام سے پہلے دو سجدے کرے۔ اور ایک روایت میں امام احمد بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہ اختلاف جواز میں نہیں بلکہ افضلیت میں ہے۔ یعنی اس بات میں اختلاف ہے کہ کونسا طریقہ بہتر ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک اگر کسی نے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لئے تو ظاہر روایت کے مطابق جائز ہے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک سلام کے بعد دو سجدے کرے یا دو سلاموں کے بعد۔ جمہور اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ ایک سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔ شیخ الاسلام نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔ شمس الائمہ اور صدر الاسلام کی یہی رائے ہے۔ اور مصنفِ ہدایہ نے فرمایا کہ پہلی صحیح ہے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ اور مفید اور الینابیع میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

دٹ

امام شافعی اور امام احمد کی سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی دلیل یہ ہے کہ کتب روایات مثلاً بخاری، مسلم و دیگر کتابوں میں یہ آیا ہے کہ یک دفعہ حضور ﷺ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اور آپ ﷺ نے یہی دو رکعتوں کے آخر پر قعدہ نہ کیا بلکہ اٹھ کھڑے ہوئے لوگ بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب نماز پوری ہوگئی تو لوگ اس انتظار میں تھے کہ آپ سلام پھیریں گے تو آپ نے تکبیر کہہ کر سلام سے پہلے دو سجدے کئے۔ امام مالک کی اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ کیونکہ ترکِ قعدہ کی وجہ سے نماز میں نقصان پیدا ہو گیا اس لئے سلام سے پہلے دو سجدے کئے۔ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے بھول کر ظہر کی پانچ رکعات پڑھ لیں اور آخر میں سلام کے بعد دو سجدے کئے۔ ان دونوں روایتوں سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر نماز میں نقصان ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے اور اگر اضافہ ہو تو سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔ اور ہماری دلیل مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا۔ علامہ حلبی کبیری میں لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہاں حدیثِ قولی اور فعلی میں تعارض پیدا ہو گیا۔ بلکہ دو فعلی حدیثیں آپس میں متعارض ہو گئیں۔ اور حدیثِ قولی تعارض سے سلامت رہ گئی۔ جو کہ بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ "تم

میں سے جس کو نماز میں شبہ لگ جائے تو وہ سوچ کر طریقہ صواب اختیار کر کے نماز پوری کرے۔ پھر سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

فیصلہ

آئمہ اصولِ حدیث کا یہ مشہور قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں آپس میں ٹکرائیں تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔ یعنی قابلِ عمل نہیں رہتیں اور اگر حدیثِ قولی اور فعلی میں تعارض پیدا ہو جائے تو حدیثِ قولی کو فعلی پر ترجیح دی جائے گی۔ یہاں آئمہ احناف نے ان ہی قواعد و ضوابط کے مطابق اس بات کو ترجیح دی کہ سجدہ سہو قبل از سلام نہیں بلکہ بعد از سلام ہے۔ جب کسی شخص کو بھول جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کی ضرورت پیش آئے تو وہ دونوں قعدوں میں درود شریف اور دعائیں پڑھے۔ امام طحاوی نے اسی کو پسند کیا۔ اور امام کرخی نے فرمایا کہ درود اور دعائیں قعدہ سہو میں پڑھے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیخین کے نزدیک قعدہ صلوٰۃ میں درود شریف اور دعائیں پڑھے۔ جبکہ امام محمد کے نزدیک قعدہ سہو میں پڑھے۔ بہتر وجہ وہی جس کو صاحب ہدایہ نے صحیح قرار دیا۔

ضروری فائدہ

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ درود شریف اور دعائیں پڑھنے میں جو اختلاف ہے وہ برابر ہے اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور مساوی ہے۔ لیکن مصنف نے اس اختلاف میں اپنے کلام میں فرق ظاہر کیا ہے۔ کہ درود شریف دونوں قعدوں میں پڑھے اور دعائیں قعدہ سہو میں پڑھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں قعدوں میں دعائیں بھی پڑھے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ مصنف کے اس فرق پر میں مطلع نہیں ہوا۔

چند فوائد کا بیان

علامہ حلبی نے صغیری میں اپنی عادت کے مطابق پچھلی بحث کے خاتمے پر چند فوائد ذکر کئے ہیں ہم انہیں برائے افادہ یہاں نقل کرتے ہیں:

۱) اگر کسی شخص نے دو رکعت نوافل شروع کئے پھر ان میں بھول گیا تو سجدہ سہو نکالے۔ لیکن اس تحریمہ پر دو رکعتوں کی بنیاد نہیں رکھ سکتا۔ تا کہ سجدہ سہو درمیان میں نہ ہو جائے۔ اور اگر اس نے اس طرح کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ صحیح قول کے مطابق سجدہ سہو کا اعادہ کرے۔

۲) مسافر نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور بھول گیا تو سجدہ سہو نکالے۔ پھر اس نے اقامت کی نیت کری تو اپنی نماز پوری کرے اگر چہ سجدہ سہو باطل ہو جائے۔ کیونکہ صحتِ نماز کے لئے یہ ضروری ہے۔

۳) آخر نماز میں تشہد پڑھنا بھول گیا اور سلام پھیر دیا۔ پھر خیال آیا اور تشہد پڑھنے میں مشغول ہو گیا اور پھر اسے پورا کرنے سے پہلے ہی سلام پھیر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ جبکہ امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔ اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے

۴) اگر کوئی سورۃ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا بھول گیا پھر رکوع میں یہ بات یاد آئی تو اب لوٹ کر قرأت کرے اگر اس نے قرأت نہ کی اور سجدہ کر لیا تو بعض نے کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اولیٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہو گی۔

۵) اگر مقامِ اخفاء میں جہر کیا اور جہر میں اخفاء کیا اور فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد خیال آیا تو جہری نمازوں میں فاتحہ دوبارہ جہراً

پڑھے۔ تاکہ ایک رکعت میں جہراور اخفاء دونوں جمع نہ ہوں۔

۶) اگر نمازی کا خیال یہ تھا کہ پڑھی ہوئی سورۃ کے بعد کوئی سورۃ پڑھے تو اس نے قرأت کردہ سورۃ سے پہلی سورۃ پڑھ دی۔ تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔

۷) اگر کسی نمازی پر سجدہ سہو واجب ہو اور وہ فراغتِ نماز کے لئے سلام پھیر دے تو شیخین کے نزدیک اس کا نماز سے باہر ہونا خروج موتوف ہوگا۔ لہٰذا اگر اس نے سجدہ سہو ادا کر لیا تو بقیہ نماز پوری کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اس سلام سے یہ نماز سے خارج نہیں ہوتا۔ تو اس اختلاف پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ اگر اس کے سلام پھیرنے کے بعد کسی نے اس کی اقتداء کر لی تو امام محمد کے نزدیک علی الاطلاق اقتداء صحیح ہے۔ لیکن شیخین کے نزدیک سجدہ سہو کی صورت میں اقتداء صحیح ہوگی۔ اور اگر اس نے سلام پھیرنے کے بعد قہقہہ لگایا تو امام محمد کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ شیخین کے نزدیک نقضِ وضو نہیں۔

قرأت میں لغزش کے بعض مسائل اور احکام

فصل فی زلۃ القاری الاصل فیہ انہ ان لم یکن مثلہ فی القراٰن و المعنی بعید متغیر تغیرا فاحشا تفسد صلوٰتہ کما اذا قرأ ھذا الغُبارُ مکان الغراب و کذا اذا لم یکن مثلہ فی القراٰن و لا معنی لہ کما اذا قرأ یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِلُ مکان السَّرَائِرُ و ان کان مثلہ فی القراٰن و المعنی بعید و لم یکن متغیرا فاحشا تفسد نحو اِنَّا کُنَّا غَافِلِیْنَ مکان فَاعِلِیْنَ و ھو الاحوط و قال بعضھم لا تفسد لعموم البلویٰ

ترجمہ...... نماز میں قرأت پڑھنے والے کی لغزش (اور غلطی کرنے کا) بیان اور اس کے لئے فصل کا ذکر۔

قرأت میں لغزش کے بعض مسائل اور احکام

۱) اس میں قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ جو لفظ (قاری نے پڑھا) اگر اس جیسا لفظ (مثل) قرآن مجید میں نہ ہو۔ اور اس کا معنی بھی قرآنی لفظ کے معنی سے بُعد رکھتا ہو کہ اس سے لفظِ قرآنی کے معنی میں فحش تبدیلی پیدا ہو جاتی ہو (تو ایسی صورت میں) نماز فاسد ہو جائے گی۔ پس اس کی مثال جیسے قاری نے نماز میں (ھذا الغُراب) کی جگہ "ھذا الغبار" پڑھا۔

۲) اور یہی حکم ہے اس صورت میں بھی (فسادِ صلوٰۃ) کہ جس میں اس جیسا لفظِ قرآن مجید میں نہ ہو اور اس کا کوئی معنی بھی نہ ہو۔ اس کی مثال جیسے قاری نے "یَومَ تُبلَی السرائر" کی جگہ "یوم تبلی السرائل" (یعنی حرف "را" کی جگہ حرف "لام" پڑھا)۔

۳) تیسری بات...... جو لفظ پڑھا گیا اس جیسا لفظ قرآن مجید میں مذکور ہے لیکن دونوں کے معنی میں کسی قدر بُعد اور بیگانگت ہے لیکن تغیر سے فحش تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثال جیسے قاری نے "اِنَّا کُنَّا فاعلین" کی جگہ

"اِنَّا کُنَّا غَافِلِین" پڑھا اور اس قاعدہ کی وضع میں زیادہ احتیاط ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ عام ابتلاء (عموم بلوئی) کی وجہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح الفاظ

ا: زِلة ... زیر کے ساتھ بمعنی لغزش، اور اگر حرف زاء پر زبر ہو تو بمعنی صنعت، پیشے۔ اور وہ چیز جو کسی کے کھانے سے اٹھالی جا
۲: قاری ... قرآن مجید پڑھنے والا۔ ۳: تغیر فحش ... بے حد تبدیلی۔ ۴: تبلی ... آزمائش کی جائے گی۔ ۵: سرا ... بھید خفیہ راز۔ ۶: الغبار ... گرد اور دھول۔ ۷: غراب ... کوا۔ ۸: فاعلین ... یہ فاعل کی جمع ہے، کام کرنے وا
۹: غافلین ... اس کا واحد غافل ہے، بمعنی بے خبر۔ ۱۰: احوط ... زیادہ احتیاط۔ ۱۱: عموم بلوئ ... وہ کام جس میں ا عام ہو مراد یہ ہے کہ اس سے بچنا اور پرہیز کرنا مشکل ہو۔

تشریح

منیۃ المصلی کی یہ آخری بحث ہے۔ جس پر کتاب کا اختتام ہے مصنف نے فصل کا عنوان دے کر اس کو سابقہ بحثوں سے الگ کیا ہے اور اس میں نماز میں قرآن مجید پڑھنے کے مسائل اور احکام، قواعد، جزئیات اور مثالوں کی صورت میں پیش کئے ہیں۔ تا کہ اس میں لوگو کا جو عام ابتلاء ہے اس میں کچھ احتیاط کی جا سکے۔ اور نماز فساد اور شدید مکروہ ہونے سے بچائی جا سکے۔ مصنف کی مذکورہ عبارت میں الگ الگ تین قاعدے بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا قاعدہ

اگر قاری نے نماز میں کوئی لفظ پڑھا تو اس کے متعلق نفاذِ حکم سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ قرآن مجید میں تلاوت کردہ لفظ کے مقا میں اس کی مثال موجود ہے یا نہیں۔ اور دونوں کے معنیٰ میں قرب ہے یا بُعد۔ اور جو تغیر پیدا ہوا وہ تغیر فحش ہے یا غیر فحش۔ پس اس تی باتوں پر حکم لاگو ہوگا مثلاً: اس جیسا لفظ قرآن مجید میں نہ ہو اور لفظ قرآن اور اس میں معنوی بُعد ہو اصل اور تبدیل شدہ لفظ میں فحش تبد پیدا ہوگئی ہو۔ ان تین وجوہات کی بنا پر نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے "هذا الغراب" کی جگہ "هذا الغبار" پڑھا تو اس میں تینوں ام پائے گئے۔ پہلا یہ کہ غبار قرآنی لفظ نہیں۔ دوسرا یہ کہ دونوں میں معنوی بُعد پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ معنیٰ سمجھنے والے پر یہ امر پوشیدہ نہیں۔ تیسرا یہ کہ اصل اور مبدل میں فحش تغیر ہے۔ اور دونوں کے حروف کی ترتیب میں فرق ہے۔

دوسرا قاعدہ

اگر قرآن مجید میں تلاوت کردہ لفظ کی مثل موجود نہ ہو اور اس کا کوئی معنیٰ بھی نہ ہو تا کہ بعد اور غیر بعد کا فیصلہ کیا جائے تو اس صور میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ قاری نے تبلیٰ السرائر کی جگہ تبلیٰ السرائل پڑھا۔

تیسرا قاعدہ

اگر اس کی مثل قرآن مجید میں موجود ہو لیکن دونوں میں بعد معنوی ہو لیکن فحش تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی امام اعظم او

امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ قاری نے " انا کنا غافلین انا کنا فاعلین کی جگہ پڑھا۔ لیکن بعض مشائخ نے فرمایا کہ عام ابتلاء کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کا یہی قول ہے۔ لیکن طرفین کا قول مبنی براحتیاط ہے۔

قاعدہ

متقدمین کے نزدیک اگر تلاوت کردہ لفظ میں ایسی تبدیلی پیدا ہوگئی ہو کہ جس کا اعتقاد کفر ہے خواہ وہ قرآن مجید میں ہو یا نہ ہو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور عام طور پر اعرابی غلطی یا تخفیف، تشدید اور وقف، غیر وقف کا کوئی اعتبار نہیں۔ (کبیری صفحہ ۴۴۴)

قاعدہ-۲

اگر قرآن مجید میں اس جیسا لفظ موجود نہ ہو اور معنی میں بھی تبدیلی پیدا نہ ہو جیسے " قوامین " کی جگہ قیامین پڑھنا تو اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ طرفین کے نزدیک نہ ہوگی۔ پس امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد نہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں لفظوں میں زیادہ تبدیلی نہ آئی ہو۔ اور اس جیسا لفظ قرآن مجید میں موجود نہ ہو لیکن طرفین کے نزدیک معنوی موافقت ضروری ہے۔ قرأت کے باب میں آئمہ متقدمین کے یہ قواعد اور ضابطے ہیں۔ لیکن آئمہ متأخرین جیسے محمد بن مقاتل، محمد بن سلام، اسماعیل زائد، ابو بکر بن سعید بلخی، ابو جعفر ہندوانی، ابن فضل طلوانی ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر اعراب میں غلطی ہو جائے تو نماز بالکل فاسد نہ ہوگی۔ اگر چہ اس کا اعتقاد کفر ہو۔ کیونکہ عوام وجوہ اعراب میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ امام قاضی خان نے فرمایا کہ اس باب میں جو کچھ متقدمین سے مروی ہے اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور جو کچھ متأخرین نے فرمایا اس میں زیادہ وسعت ہے۔ متقدمین کے اس باب میں سختی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اگر اس قسم کا لفظ دانستہ کہا جائے تو وہ کفر ہے۔ اور جو کفر ہو وہ قرآنی لفظ نہیں ہو سکتا۔ محقق ابن ہمام نے فرمایا کہ گویا اس صورت میں یہ کفار کا کلام ہے۔ اگر نماز میں عام لوگوں جیسا کلام کرے جو کفر بھی نہ ہو تو وہ مفسد نماز ہے اور جو کفر ہو وہ کیسے مفسد نماز نہ ہوگا۔

لغزش قرأت کے مسائل میں قیام کا حکم

و لا یقاس مسائل زَلَّة القاری بعضها علی بعض الا بعلم کامل فی اللغة و ان بدل حرفا مکان حرف الاصل فیه ان کان بینهما قرب المخرج او کانا من مخرج واحد لا تفسد کما اذا قرأ فلا تَکْهَر بالکاف مکان فلا تَقْهَرْ اما اذا قرأ مکان الذال ظاءً او مکان الضاد ظاءً او علی القلب تفسد صلوته و علیه اکثر الائمة و روی عن محمد ابن سلمة لا تفسد صلوته لان العجم لا یمیزون و کان القاضی الشهید المحسن یقول الاحسن فیه ان یقول ان جری علی لسانه و لم یکن ممیزا او فی زعمه انه ادی الکلمة علی وجهها لا تفسد و کذلک روی عن محمد بن المقاتل و الشیخ الامام اسمٰعیل الزاهد

ترجمہ:

۱- تجوید اور قرأت میں قاری کی لغزش کے جو مسائل ہیں انہیں ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ مگر وہ شخص قیاس کر سکتا ہے جو عربی لغت میں پورا علم اور کامل مہارت رکھتا ہو۔

۲- اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف بدل دیا تو اس میں قاعدہ یہ ہے کہ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ دونوں کی مخرج کے لحاظ سے کیا حیثیت ہے۔ اگر دونوں مخرج میں ایک دوسرے کے قریب ہوں یا دونوں کا ایک ہی مخرج ہو تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس کی مثال جیسے قاری نے "فلا تقهر" کی جگہ "فلا تكهر" (چھوٹے کاف سے پڑھا)

۳- اگر کسی نے حرف ذآل کی جگہ حرف ظآیا حرف ضآد کی جگہ حرف ظآیا اس کا الٹ یعنی حرفِ ظآ کی جگہ حرف ضآد پڑھا تو ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اکثر آئمہ کی یہی رائے ہے لیکن امام محمد بن سلمی سے روایت ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ عجمی لوگ اس قسم کے حروف میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ چنانچہ قاضی شہید محسن فرمایا کرتے تھے کہ اس باب میں اچھا فیصلہ یہ ہے کہ آدمی یہ کہے کہ اگر قاری کی زبان پر بے سوچے یہ لفظ جاری ہو گیا اور جبکہ وہ دونوں میں تمیز کرنے والا نہ تھا یا اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ اس نے وہ کلمہ ٹھیک طور پر ادا کیا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ چنانچہ محمد بن مقاتل، اور شیخ امام اسماعیل زاہدی سے اسی طرح مروی ہے۔ اور منقول (یعنی مذکورہ اکابر میں اس بارے یہی خیال رکھتے ہیں)۔

تشریح پہلا مسئلہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ زلۃ القاری (قاری کی لغزش) کے بعض مسائل، آئمہ متقدمین اور متاخرین سے مروی اور منقول نہیں اور بعض مسائل منقول ہیں پس یہ نہیں ہوسکتا کہ منقولہ مسائل پر غیر منقولہ کو قیاس کر کے دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ دونوں میں کوئی باریک اور لطیف اور غیر محسوس فرق ہو۔ (ان میں کوئی مابہ الامتیاز) موجود ہو جو انہیں حکم میں الگ الگ رکھتا ہو پس آئمہ متقدمین نے اسی غیر محسوس فرق کی وجہ سے مسائل منقولہ پر وہ حکم لگایا جبکہ غیر منقولہ مسائل میں وہ قدر مشترک نہ پایا گیا ہو تا کہ مابہ الاشتراک کی وجہ سے دونوں ایک ہی حکم میں جمع ہو جائیں۔ اور دونوں میں ایک حکم دینے والے پر غیر مرئی فرق پوشیدہ رہ گیا ہو تو پھر دونوں پر ایک حکم کیسے دیا جاسکتا ہے لہٰذا اس باریکی اور لطافت کو بھانپ کر ایک حکم دینا یا نہ دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اس کی مزید وضاحت کے لئے مثلاً تعبیر خواب کے انتہائی باریک لطیف اور چشمۂ نبوت سے مستفاد علم کو لیجئے کہ اس میں ایک خواب کے ہی دو دیکھنے والے ہوں تو ایک ہی خواب کا الگ الگ حکم ہوگا۔ چنانچہ حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ میں نے فلاں جگہ آگ روشن اور شعلہ زنی دیکھی ہے آپ نے فرمایا کہ وہاں سے تجھے فائدہ ہوگا۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے بھی یہی خواب بیان کیا تو آپ نے اس کا خواب سن کر اسے یہ تعبیر دی کہ وہاں نہ جانا ورنہ تو مارا جائے گا چنانچہ وہ شخص بے سوچے وہاں چلا گیا تو وہاں شیر موجود تھا جو اسے چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ اور پہلا مطلوبہ جگہ گیا تو بہت دولت اسے ہاتھ آئی۔ غور کیجئے کہ خواب ایک مگر اس کی تعبیریں الگ ہیں۔ جب موصوف سے کسی نے اس کی وجہ فرق دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ تعبیر خواب میں زمانے کو بھی دخل ہوتا ہے۔ چونکہ پہلے نے سردیوں میں آگ دیکھی تھی جو موسم سرما میں خدا کی نعمت ہے اور دوسرے نے گرمیوں میں آگ دیکھی تھی جو اس وقت،

صورتِ عذاب ہے اس لئے میں نے دونوں کے ایک ہی خواب کی الگ الگ تعبیر دی۔ غور کیجئے کہ خواب ایک ہے مگر تبدیلی زمانہ اور اختلاف اوقات کی وجہ سے ایک خواب کی الگ الگ دو تعبیریں ظہور پذیر ہو گئیں۔ یہ تو ایک باطنی اور روحانی علم کے اسرار و رموز اور لطائف و نقائس ہیں کہ جس پر انسانی زندگی کا مدار نہیں اور نہ وہ حیات انسانی کے لئے وہ راہِ نجات ہونگے تو پھر ایک شرعی اور قرآنی علم میں کس قدر اسرار و لطائف رموز حقائق ہونگے۔ کہ ایک انسانی ذہن تو ان کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ اس کا پیمانہ محدود ہے اور علوم قرآنی لا متناھی حقائق پر حاوی ہونے کی وجہ سے ایک محدود پیمانے میں کیسے سما سکتے ہین۔ بہر کیف، کئی وجوہات کی بنا پر منقولہ مسائل پر غیر منقولہ مسائل کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور یہی راہِ احتیاط ہے۔

ہاں اگر کوئی ایسا عالم ہو جو عربی لغات اور اس کے ہمہ گیر معانی پر کامل دسترس اور قدرت رکھتا ہو اور اس کی فصاحت اور بلاغت اور اس کے اسرار و رموز اور مخفی گوشوں پر پوری طرح آگاہ ہو۔ اور اس باب میں مہارت تامہ اور تجربات عامہ رکھتا ہو۔ تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ کس چیز کا اعتقاد کفر ہے اور کس کا کفر نہیں۔ اور کس میں معنوی طور پر فحش بعد ہے اور کس میں بعد فحش نہیں آئمہ متقدمین کی رائے میں۔ اور اسے مخارج حروف کی پہچان اور دانست ہو تاکہ مخارج میں قرب و بعد رکھنے والے حروف کو وہ آئمہ متاخرین کے قول کے مطابق معلوم کر سکے اور اس باب میں اسے کوئی مغالطہ اور اشتباہ نہ لگے لہٰذا اگر ایسا ماہر تجربہ کار اپنی صوابدید کے مطابق دونوں (منقولہ اور غیر منقولہ مسائل پر) ایک ہی حکم دے دے تو اس کو روا ہے مگر ہر ایک کو ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

دوسرا مسئلہ

ایک حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کرنے میں عام اور مشہور قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ یا تو دونوں حرفوں میں قرب مخرج ہو جیسے قاف اور کاف میں۔ یا دونوں کا ایک ہی مخرج ہو۔ جیسے سین اور صاد، تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور عدمِ فسادِ صلوٰۃ کی وجہ ظاہر ہے اور وہ دونوں میں اتحاد یا قرب اتحاد ہے۔

یہاں 'محیط' میں ایک اور قید اور شرط کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک حرف کی تبدیلی دوسرے کے ساتھ جائز ہو۔ اور اگر عدمِ ابدال ہو تو پھر حکم مذکور نہ ہوگا۔ مثال جیسے جیم، حرف یاء اور شین، اگرچہ ان تینوں کا مخرج ایک ہے لیکن ان میں سے کسی کو دوسرے کے ساتھ بدل دینا جائز نہیں۔ اور دونوں کے قرب مخرج کی مثال مصنف علیہ الرحمہ نے " فاما الیتیم فلا تقھر " سے دی ہے۔ اگر یہاں بڑے قاف کو چھوٹے کاف سے بدل دے تو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس میں طرفین کا یہی قول ہے۔ کیونکہ " الکھر " عربی لغت میں " القھر " کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہی حکم ہے اگر " لایلاف قریش " کی جگہ کریش چھوٹے کاف سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی مصنف نے اتحاد مخرج کی مثال نہیں دی یا تو اس کو ذہن طلبہ پر چھوڑ دیا۔ یا عام فہم ہونے کے خیال سے اسے نظر انداز کر دیا۔ بہر حال جو بھی وجہ ہوئی ہو اس کی مثال موجود نہیں۔ پس اس کی مثال جیسے " یبسط " میں " یبصط " حرف سین کی جگہ صاد پڑھنا کہ اتحاد مخرج کی وجہ سے جائز ہے۔ لہٰذا اس تبدیلی میں کوئی حرج نہیں بلکہ صریح جواز ہے۔

تیسرا مسئلہ......اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر حرف ذال کی جگہ حرف ظاء معجمہ پڑھا جیسے "تلذ الاعین" کی جگہ تلظ الاعین حرف ظاء سے پڑھا۔ یا ضاد معجمہ کی جگہ ظاء معجمہ پڑھا جیسے غیر المغضوب کی جگہ غیر المغظوب (بحروف الظاء) پڑھا۔ یا اس کا الٹ کیا یعنی ظاء کے معجمہ کی جگہ ضاد معجمہ پڑھا جیسے "ظفر" کی جگہ ضفر (بحرف الضاد) پڑھا تو ان تمام صورتوں میں اکثر آئمہ کرام کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ بعض سورتوں میں فحش تغیر ہے۔ جیسے "تلذ" کے معنی ہیں لذت پانا اور کسی چیز سے لطف اندوز ہونا اور یہ حرف ذال کے ساتھ ہے۔ اگر اسے "تلظ" (بحرف الظاء المعجمة) پڑھا جائے تو اس کے معنی ہیں (لزوم اور الحام) پس دونوں معنوں میں تغیر فحش اور بعد پایا گیا۔ اور "ذرا" کے معنی مشہور ہیں پیدا کرنا اور ظرا کے معنی ہیں کچھ سردی پس دونوں میں کافی بعد ہے۔ اور مغضوب کے معنی ہیں وہ جس پر غضب (غصہ) کیا گیا اور اگر اس کو حرف ظاء منقوطہ سے پڑھا جائے تو اس کے کوئی معنی نہیں نیز حروف مذکورہ میں بعض کو بعض سے تبدیل کرنا بھی جائز نہیں اگر چہ ذال اور ظاء کا مخرج ایک ہے۔ پس اس سے صاحب محیط کے کلام کی تائید ہوتی ہے جو سابقاً گزر چکا ہے کہ قاعدہ مذکورہ میں یہ قید لگانی چاہئے کہ دونوں حرفوں کی ایک دوسرے کے ساتھ تبدیلی جائز ہو ورنہ حکم مذکور نہ ہوگا۔ لیکن امام محمد بن سلمہ فساد صلوٰۃ کے عدم فساد کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں اہل عجم (غیر عرب) اس نوع کے حروف میں باہم امتیاز نہیں کر سکتے لہٰذا وہ معذور غیر قادر الکلام ہیں پس اس عذر کی وجہ سے فتویٰ بر فساد صلوٰۃ نہ ہوگا مگر قاضی محسن شہید نے ایک اچھا اور مستحسن فیصلہ فرمایا۔

اگر پڑھنے والے کی زبان پر اتفاقاً جریان حروف ہو گیا یعنی کوئی خاص قصد نہ تھا اور اس میں قوت امتیاز بین الحروف بھی تھی یا اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اس نے کلمہ مذکور ب (برنہج صحیح) ادا کیا ہے تو پھر اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور یہی دوسرے آئمہ مثلاً محمد بن مقاتل، اور امام شیخ اسماعیل زاہد سے بھی یہی کچھ مروی اور منقول ہے۔ اور فتاویٰ الحجۃ کے کلام کا یہی مفہوم اور حاصل ہے کہ یعنی فی حق الفقهاء باعادة الصلوٰة و فی حق العوام بالجواز یعنی فقہاء کو اعادہ نماز کا حکم دیا جائے گا جبکہ عوام کے حق میں جواز صلوٰۃ ہے۔

متحد المخرج نہ ہونے کی صورت میں تبدل حرف کا بیان

و ذكر فی الذخيرة اذا لم يكن بين الحرفين اتحاد فی المخرج و لا قربة الا انه فيه بلوىٰ عامة نحو ان يأتی الذال مكان الضاد او يأتی بالزاء المحض مكان الذال او الظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ

ترجمہ......ذخیرہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر دو حرفوں میں اتحاد مخرج اور قرب مخرج نہ ہو مگر اس میں عموم بلویٰ یعنی ابتلاء عام ہو جیسے حرف ذال (منقوطہ) کی جگہ ضاد معجمہ یا خالص حرف زاء کی جگہ ذال یا حرف ظاء کی جگہ ضاد معجمہ ادا کرے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح

مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ذخیرہ میں ذکر کیا گیا یہ سابقہ مسئلہ کی طرح ہے گویا حکم میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ مسئلہ مذکورہ عدمِ فساد، عدم تمیز

کی وجہ سے تھا اور اس میں لوگوں کے عام ابتلاء کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی گویا دونوں ایک نہج میں جمع ہیں۔ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی مثال جیسے تضلیل (بضاد معجمہ) کی جگہ تذلیل ذال منقوطہ سے پڑھنا۔

نوٹ......علامہ ابراھیم بن محمد صغیری صفحہ ۲۴۶ پر لکھتے ہیں حرف زاء کو حرف ذال سے بدل دیا جائے تو اس صورت پر میں آگاہ نہیں ہوا البتہ امام قاضی خان نے اس بحث میں جو کچھ ذکر کیا اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱- والعادیات ضبحاً (ضاد معجمہ) کی جگہ حرف ظاء معجمہ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس کا کوئی معنی نہیں (اذ لیس له معنیً ، کبیری) اور لیغیظ بهم الکفار کی جگہ حرف ضاد یا ذال (با نقطہ) پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔پہلی صورت میں (جبکہ ضاد با نقطہ پڑھا) اس لئے ایک تو قرآن مجید میں یہ کلمہ موجود ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی بھی کسی قدر مناسب ہے۔(ینقص بهم الکفار)اور ذال پڑھنے میں معنی ایک ہی رہتا ہے چنانچہ قاموس میں ہے(المغتاذ ، المغتاظ)مراد یہ ہے کہ حرف ذال اور حرف ظاء کا یہاں ایک ہی معنی ہے لہذا دونوں میں اتحاد معنی کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہذا عدم فساد کا حکم دیا گیا۔

۲- خضرًا ضاد کی جگہ دال غیر منقوطہ یا ذال منقوطہ پڑھا تو نما فاسد ہوگئی پہلی صورت میں ''احدر'' کی جمع ہے اس کا معنی سیاہ رات، دوسری صورت میں اس کے معنی ہیں الخذروف و هو شئ یدوره الصبی بخیط و یسمع له دوی فیهما بعید ان فی المعنی۔یعنی وہ پھرکی جس کو بچے دھاگہ ڈال کر گھماتے اور اس سے آواز نکلتی ہے چونکہ یہ دونوں معنوی لحاظ سے بعید ہیں اس لئے نماز فاسد ہوگی۔

۳- اگر ''غیر المغضوب'' میں ضاد معجمہ کی بجائے حرف ظاء یا حرف ذال با نقطہ پڑھے تو نماز فاسد ہوگی۔اور اگر ''و لا الضالین'' میں بجائے حرف ضاد معجمہ کے حرف ظاء معجمہ یا دال بے نقطہ سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا المستمرین فی الظلال ،یعنی ہمیشہ آتش دوزخ کے سایہ میں ہونے والے۔قرآن مجید کی سورۃ المرسلات کی آیت (انطلقوا الی ظل ذی ثلاث شعب ، لا ظلیل و لا یغنی من اللهب)یعنی اس سایہ کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ آگ کی لپٹ سے بچاتا ہے بلکہ وہ ایک گرم اور تپش رکھنے والا دھواں ہے جو آتش دوزخ سے اٹھتا ہے۔کی طرف اشارہ ہے۔اور دوسری صورت میں یعنی الدالین راہ نمائی کرنے والے۔تو پھر یہ آیت ''هل ادلکم علی رجل ''الخ کی طرف اشارہ ہے۔تو کچھ نہ کچھ معنی مناسب بن جانے کی وجہ سے (و لا الضالین بحرف الظاء او بحرف الدال)پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ عدمِ فسادِ صلوٰۃ کا بر بنائے احتیاط حکم دیا جائے گا۔اور اگر و لا الضالین حرف ضاد کی بجائے حرف ذال سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ صورت مذکورہ میں معنی مناسب کے بجائے معنوی بعد اور معنی بعید پیدا ہوتا ہے۔

۴- هضیم حرف ضاد کے بجائے ذال یا حرف ظاء بانقطہ پڑھا تو نماز فاسد ہوگئی۔پہلی صورت میں کوئی معنی نہیں۔اور دوسری صورت میں بعد معنوی ہے۔اگر حرف ظاء پڑھا تو اس کا معنی یعنی ''هظیم'' کا معنی (لین نفیج)۔اور ''هذیم'' کے معنی مقطوع ہے۔اور دونوں غیر مناسب اور غیر موزوں ہیں۔

۵- ''بظلام للعبید'' کو حرف ظاء کی بجائے ذال منقوطہ سے پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۶- موتوا بغیظکم حرف ضاد معجمہ سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۷- فظاً غليظ القلب، دونوں جگہ حرف ظاء ہے یہاں دونوں مقامات میں حرف ضاد معجمہ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ پہلے لفظ کا معنی حرف ضاد سے تفریق یا مُفرق بصیغہ اسم فاعل ہے اور یہ معنی بالکل غیر مناسب اور کمزور ہے۔ اور دوسرے لفظ غلیظ بحرف الضاد کا کوئی معنی ہی نہیں لہذا دونوں کی تبدیلی کی صورت فساد صلوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۸- جاء کم النذير بحرف الظاء مكان الذال غير مفسد صلوٰة ہے۔ اس لئے کہ حرف ظاء سے یہ لفظ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور اس کا معنی بھی صحیح ہے۔ (الرجل الحسن) خوبصورت اور جمیل مرد۔

۹- ''و هو مكظوم'' حرف ظاء کے بجائے ضاد یا ذال معجمہ پڑھا تو حکم فساد صلوٰۃ ہوگا۔

۱۰- '' ناضرة الى ربها ناظرة '' اول میں ضاد کی جگہ حرف ظاء پڑھا (ناظرة) اور دوم میں حرف ظاء کی جگہ ضاد پڑھا (ناضرة) یعنی اول کو دوم اور دوم کو اول بنا ڈالا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۱- '' فترضیٰ '' حرف ضاد کی جگہ ظاء معجمہ پڑھا (فترظیٰ) تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۱۲- ذُلّلت قطوفها تذليلاً '' میں ذال کی جگہ حرف ضاد پڑھا (ضللت تضليلاً) تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر حرف ظاء پڑھا فاسد نہ ہوگی۔ (اور اس کی وجہ مناسبت وغیر مناسبت ہے)

۱۳- ''فظلت اعناقهم '' اگر یہاں حرف ظاء کی جگہ حرف ضاد یا حرف ذال پڑھا (فضلت يا فذلت اعناقهم) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۴- '' و ذللناها لهم '' اگر ذال کی جگہ ضاد معجمہ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر حرف ظاء پڑھا تو فاسد نہ ہوگی اور وجہ صحت معنی ہے۔

۱۵- ''في تضليل '' ضاد کی جگہ ذال معجمہ (تذليل) پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن حرف ظاء (تظليل) پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۶- (ان يتبعون الا الظن و ان الظن) حرف ظاء کی جگہ ضاد معجمہ پڑھا تو نماز میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

۱۷- اذا عو به '' ذال کی جگہ حرف ضاد معجمہ پڑھا تو فساد نماز نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر من يضلل الله کے بجائے ضاد حرف ظاء معجمہ پڑھا تو فساد نہ ہوگا۔

۱۸- '' فرض عليكم القران '' میں بجائے ضاد کے حرف ظاء معجمہ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی۔

۱۹- ''جميع حاذرون ''میں حرف ذال کی جگہ ضاد معجمہ پڑھ ڈالا تو فساد نہ ہوگا۔

۲۰- '' و اذا ضللنا '' میں ضاد کی جگہ حرف ظاء معجمہ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۲۱- '' فمن فرض فيهن الحج '' میں ضاد منقوطہ کی جگہ حرف ظاء یا ذال پڑھا تو نماز فاسد ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

۲۲- '' و ذروا ظاهر الاسم '' یہاں ذال کے بجائے حرف ظاء یا ضاد (دونوں حروف منقوطہ پڑھے) تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۲۳- و جعلوا الله مما ذرا '' یہاں حرف ذال کی جگہ حرف ظاء اور ضاد دونوں معجمہ حروف میں سے کوئی حرف پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ضراً بمعنی خفی اور ظرا بمعنی انجمد و يبس من البرد۔ یعنی وہ پوشیدہ ہو گیا۔ اور سردی کی وجہ سے خشک ہو کر منجمد ہو گیا۔ اور یہ دونوں معنی مطلوبہ معنی الذر بمعنی ''پھیل جانا'' سے بے حد بعید ہیں۔ اور یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں بھی مذکور نہیں۔

جائے گی۔ اور وجہ فساد یہ ہے کہ پہلی صورت (تـلـض) کا کوئی معنی نہیں۔ اور دوسری صورت (تـلـظ) کے معنی میں غایۃ بعد ہے لہذا بے معنی یا غایۃ بعد معنی کی وجہ سے فساد صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ (کبیری) رہا یہ کہ حرف ''زا'' ذال معجمہ سے بدل دیا جائے تو اس میں کچھ تفصیل ہے جس کا ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بیان آرہا ہے۔

قال الحلبی فی الشرح الکبیر ، هذا ما ذكره قاضی خان من ابدال هذه الاحرف الثلاثة بعضها من بعض و كله مخرج علیٰ قواعد المتقدمين كما اريناك . و الله الهادی (صفحه ۲۴۷)

کلمہ توڑ کر پڑھنے کا حکم

و امـا فی قطع الکلمة بان اراد ان یقول الحمد لله فقال اَلْ فانقطع ثم قال حَمْدُ لِلّٰه فقد کان الامام شمس الآئمة الحلوانی رحمه الله یفتی بالفساد و عامةُ المشائخ قالوا لا تفسد لعموم البلویٰ

ترجمہ...... رہا یہ کہ اگر کسی کلمہ کے ٹکڑے کر کے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھے مثلاً اس نے ارادہ کیا کہ ''الحمد للّٰہ'' کہے تو اس نے اس طریقے سے پڑھا۔ اَلْ پھر سانس ٹوٹ گیا (یا بھول گیا) اور یاد آنے یا سانس بحال ہونے پر حَـمْـدُ لِلّٰہ پڑھا (تو اس کے متعلق) امام شمس الآئمہ حلوائی، نماز فاسد ہونے کا فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن عام مشائخ نے فرمایا کہ عموم بلویٰ کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح

قطع الکلمۃ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کلمہ کے بعض اجزاء کو الگ الگ توڑ پھوڑ کر پڑھے جیسے ''الـحـمـد للّٰہ'' پڑھنے کا ارادہ کیا اور اس کو پڑھنے کے لئے (ال) کہا (تو اس کی سانس ٹوٹ گئی یا وہ باقی حصہ بھول گیا پھر یاد آنے پر (حـمـد للّٰہ) پڑھا۔ یا وہ ایسا بھولا کہ دوبارہ بالکل یاد نہ آیا تاکہ اسے پڑھتا اس لئے اسے چھوڑ کر کوئی اور کلمہ پڑھ لیا۔ تو اس صورت میں امام حلوائی نماز فاسد ہونے کا فتویٰ دیا کرتے تھے یعنی وہ فرمایا کرتے تھے کہ صورت مذکورہ میں نماز نہیں ہوئی لہذا دوبارہ پڑھی جائے پس ان کا فتویٰ باب عبادت میں مبنی بر احتیاط ہے اور ان کا یہ ارشاد صرف مثال مذکورہ میں نہیں بلکہ ہر اس کلمہ میں جاری ہے جس میں بیان کردہ صورت پائی جائے لہذا مثال مذکورہ برائے انحصار حکم نہیں بلکہ برائے افہام و تفہیم ہے لیکن عام مشائخ کی رائے یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں عموم بلویٰ (یعنی انقطاع سانس اور نسیان میں لوگ عموماً مبتلا ہو جاتے ہیں گویا اس میں ابتلائے عام ہے) اس لئے بر بنائے عموم بلویٰ نماز فاسد نہ ہوگی۔ تاکہ عام لوگوں کی عبادت بُطلان اور ضیاع سے محفوظ رہ جائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر دانستہ ایسا کیا گیا تو نماز فاسد ہونی چاہئے یعنی اصول و قواعد کا یہی تقاضا ہے۔

دوسری بات اور اس کا حکم...... بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ جس کلمہ پر حکم دیا جائے اس کو دیکھو کہ وہ کیا نوعیت رکھتا ہے۔ اگر کل ذکر کرنا موجب فساد ہو تو پھر بعض کا بھی یہی حکم ہوگا، جیسے ''الـحـمـد للّٰہ'' کی پیش کردہ مثال کہ (اَل) پڑھا اور باقی حصہ چھوڑ دیا۔ امام قاضیخان

نے فرمایا یہی صحیح ہے۔اور اسی (قاضیخان) میں ہے اگر کسی نے (مطلع الفجر)اس طریقہ سے پڑھا کہ (الفج) کہا تو اس کی نماز ٹوٹ گئی۔اور اس نے رکوع کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوئی اور بعض نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ اسم اور فعل میں فرق ہے کہ اگر کلمہ اسم ہو اور اسے پڑھے تو فساد نہ ہوگا۔اور اگر کلمہ فعل ہو اور اسے پڑھنا چاہے جیسے "یشکرون" پڑھنا چاہے تو "یش" کہا اور باقی چھوڑ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اور دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ اسم میں "لام" (حرف تعریف) زائد ہوتا ہے مراد یہ کہ اس کے نہ پڑھنے اور قطع کرنے سے اصل معنی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔اس لئے فساد نماز نہ ہوگا۔اور فعل میں صورت مذکورہ نہیں ہوتی۔

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی منیۃ المصلی کی چھوٹی شرح صغیری صفحہ ۲۴۸ میں لکھتے ہیں:

هذا الفرق انما يستقيم على هذا اذا اتى باللام وحدها و اما اذا ضم اليها شيئا آخر كما في الفج او الح فلا يستقيم ، و ايضا قال في الشرح الكبير ذيل هذا البحث حاصله ان الدعوى عام و هو الحكم بعدم الفساد في الاسم مطلقاً و الحكم بالفساد في الفعل في الفعل كذالك . و الدليل و هو ان اللام في الاسم زائد خاص (اقول في فن المناظرة يسمى هذا القبيل بالتقريب غير تام و هو عدم مساواة الدعوى و الدليل و هو لا يفيد لاثبات الدعوىٰ اذ بينهما عموم و خصوص مع ان اللازم ان يكون بينهما مساواة ليصدق كل منهما على الأخر) لانه انما يثبت عدم الفساد في الاسم الذى فيه لام التعريف و انقطع النفس بذكر اللام فقط . و اما الاسم الذى لم يكن فيه اللام اصلاً كان يقول رفع السماوات بغير عم و انقطع النفس ثم يقول ترونها . او كان و لكن لام التعريف كان يقف بين لامى الذين المدغم و المدغم فيه او كان لام التعريف و لكن لا يكون زائداً . بمعنى ان يختلى معنى اصل الكلمة بدونها كما فى لفظ الجلالة (الله) او ضم معها كلمة أُخرىٰ كما ذكره الشارح الفج فى الفجر وغيره فهو كالفعل (اھ) حاشیہ صغیری صفحہ ۲۴۸)

خلاصۂ کلام

یہ کہنا کہ اسم اور فعل کی ساخت اور وضع میں فرق ہے کہ اسم میں بعض اجزاء کلمہ میں زیادت اور اضافہ ہو سکتا ہے جیسا کہ "اَل" آتا ہے۔اگر وہ نہ پڑھا جائے تب بھی معنی میں کوئی نقص نہ پیدا ہوگا۔جبکہ فعل میں ایسا تصور نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر اسم میں بعض اجزاء حذف ہو جائیں تو فساد فی الصلوٰۃ نہ ہوگا لیکن فعل میں دریں صورت نماز علی الاطلاق فاسد ہو جائے گی۔اس وجہ فرق پر یہ اشکال ہے۔وہ یہ کہ اہل مناظرہ کے نزدیک یہاں دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام نہیں اس لئے کہ دعویٰ عام ہے۔عدم الفساد فی الاسم مطلقاً اور فساد الصلوٰۃ فی الفعل علی وجہ الاطلاق۔اور دلیل اس اسم میں جاری ہے۔جو معرف باللام ہو لہٰذا دعویٰ عام کے لئے اسی طرح دلیل عام ہونی چاہئے پس دلیل خاص سے عام دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔لہٰذا بعض لوگوں کا اسم اور فعل میں فرق کرنا بے سود ہے۔

اور اسم بغیر لام بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اسم باللام تو اس کی یعنی مطلق اسم اس کی ایک قسم ہے اور اس کی دوسری اقسام یہ ہیں:

۱۔ اسم مجرد عن اللام جیسے "عمد" وغیرہ۔

۲۔ لام ہو مگر لام تعریف نہ ہو جیسے "اَلّذین"۔

۳۔ لام تعریف ہو مگر زائد نہ ہو جیسے اسم پاک "اللّٰہ" جل جلالہ۔

۴۔ لام کے ساتھ کوئی اور حرف مقرون ہو جیسے الفج ، الح وغیرہ الفجر اور الحمد میں۔لہٰذا فعل کی طرح مطلق اسم پر عدم فساد کا حکم

لگانا قطعاً درست نہیں پس دونوں (اسم اور فعل) فساد صلوٰۃ کے حکم میں برابر ہیں لہذا دونوں میں کچھ فرق نہیں جیسا کہ اوپر کی تقریر سے ثابت ہوا۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کلمہ کے بعض اجزاء مذکورہ کے لئے صحیح معنی ہو اور معنی میں تغیر فحش پیدا نہ ہو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی انقطاع نفس اور نسیان کی صورت میں عام مشائخ کے قول اور تصحیح قاضی خان کے مطابق عمل کرنا اولیٰ ہے اور یہی آخری تفصیل درصورت "عمد" ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بے محل وقف کا حکم

و اما الوقف فلا یوجب فساد الصلوٰۃ ایضا لعموم البلویٰ عند عامۃ علمائنا و عند بعض العلماء تفسد نحو ان یقرأ لاَ اِلٰهَ و وقف و ابتدأ اِلَّا هو او قرأ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الذين اُوْتُوا الكتاب من قَبْلِكُم و وقف و ابتدأ و اِيَّاكم اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ او قرأ و يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ و وقف و ابتدأ وَ اِيَّاكم اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰه رَبِّكُم الی غیر ذلک

ترجمہ......لیکن وقف تو یہ بھی ہمارے عام علماءِ کرام کے نزدیک عموم بلویٰ کی بنا پر فساد صلوٰۃ کا موجب نہیں لیکن بعض علماء کے نزدیک (اگر بے موقع اور بے محل ہو تو) نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثال جیسے قاری اس طرح پڑھے کہ "لا الٰهُ" پڑھ کر کچھ دیر ٹھہر جائے اور پھر کہے "اِلَّا هو"۔ (دوسری مثال) "و لقد وَصَّيْنَا الذين اُوتوا الكتاب من قبلكم" پڑھ کر وقف کرے۔ اور پھر کہے "وَ اِيَّـاكم ان اتقوا اللّٰه"۔ (تیسری مثال) "و يُخرجون الرسول" پر وقف کرے یعنی کچھ دیر ٹھہر جائے اور پھر آرام واطمینان سے "و اِيَّاكم ان تؤمنوا باللّٰه ربكم" پڑھے اور اس کے علاوہ بھی بے محل وقف کرنے کی اور مثالیں (جو اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں موجود ہیں عدمِ حصر اور عدمِ ضبط کی وجہ سے صرف اجمالاً ان کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کیا گیا تا کہ یہ بحث زیادہ طویل اور باعث ملال نہ ہو جائے)۔

تشریح

وقف کی دو صورتیں ہیں: ۱) وقف برمحل یعنی وقف کی جگہ وقف کرنا یہ ہر زبان کے لوازمات میں سے ہے پس عربی زبان خصوصاً کلام الٰہی کے لئے بھی زبان کے اصول وقواعد کے کسی حد تک ضروری ہے یہاں اس وقف میں کلام نہیں بلکہ وقف قسم دوم، یعنی بے موقع اور بے محل وقف اور بلاضرورت دوران کلمات ٹھہر جانا۔ آئمہ تجوید اور ماہرین قرآن کلام اللہ شریف کے اس نوع کے وقف سے خصوصاً حالتِ نماز اور موقع مناجات میں فساد اور عدم فساد صلوٰۃ میں اس کی بحث چھیڑتے ہیں تا کہ قارئین صلوٰۃ اپنی نمازوں میں دھیان کر کے ان کا تحفظ کریں۔ پس مصنف علیہ الرحمۃ کے کلام میں "و امـا الوقف" سے یہی بے محل وقف مراد ہے۔ لہذا مراد یہ ہے کہ قاری بیجا وقف کر کے بے موقع کلام کا آغاز اور ابتداء چنانچہ اس بے محل وقف کرنے اور ٹھہرنے اور پھر از سر نو کلام شروع کرنے کی تفصیلاً تین مثالیں پیش فرمائیں اور باقی امثلہ کی طرف اجمالاً اشارہ کرنے پر اکتفا کیا۔ پھر امثلہ مذکورہ ذہن نشین کروانے کے بعد اصل مقصود جو کہ

شرعی حکم ہے اس کو درصورت احتیاط اور توسیع پیش فرمایا تا کہ حدود و قیود اور توسیع دونوں اپنی اپنی جگہ برقرار رہیں۔ اور کسی کو لب کشائی اور انگشت غائی کا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے اور دین فطرت اپنی زیب و زینت برقرار رکھے اپنی اصل وضع پر قائم رہے تو اس باب میں ارشاد فرمایا۔ اگر انقطاع نفس اور نسیان کی صورت پیدا ہو جائے تو اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیوں؟ اس لئے کہ عوام اور اہلِ عجم کو معرفت معنی تک رسائی نہیں ہوتی لہذا عدم فہم کی وجہ سے اکثر اس نوع کی خرابیاں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں جن میں وہ معذور و مجبور ہیں لہذا قابل گرفت نہیں۔

مصنف کے قول الیٰ غیر ذالک من الامثلۃ کی مثالیں

☆ پہلی مثال: جیسے قالت الیھود پڑھ کر کچھ دیر ٹھہر جائے پھر کچھ وقفہ کے بعد عزیر ابن اللّٰہ کہے۔

☆ دوسری مثال: "ید اللّٰہ مغلولۃ" کچھ دیر اور وقفہ کے بعد کہے۔

☆ تیسری مثال: "لقد کفر الذین قالوا" پر رک جائے اور پھر کہے "اِنَّ اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم" یا "اِنَّ اللّٰہ ثالث ثلاثۃ" کچھ وقفہ کے بعد کہے اور اسی قسم کی دوسری مثالیں ہیں۔ ان سب میں صحیح عدم فساد ہے جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزر چکا ہے۔

(صغیری)

یا اگر چہ وہ نظم قرآن ہو لیکن اس کا تلفظ اور ادائیگی قواعد عربیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس میں صرف قباحت پائی جائے۔ جیسے شرط پر وقفہ کر کے جزا بولے جیسے "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً" پڑھ کر وقف کرے اور پھر کچھ دیر بعد "یرہ" کہے۔ یا موصوف پر وقفہ کرے اور پھر صفت بولے۔ جیسے "اِنہ کان عبداً" پڑھ کر توقف اور پھر کچھ وقفہ کر کے "شکورًا" کہے۔ اور اسی طرح مبتداء اور خبر بولنے میں وقفہ کرے جیسے "الحمد" پڑھ کر خاموش ہو جائے اور پھر کچھ دیر کے بعد کہے "للّٰہ" ان تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی، اگر چہ ایسا کرنا اچھا نہیں۔

(شرح کبیری صفحہ ۴۴۸ بر حاشیہ صغیری)

کلمات کے باہم مل جانے کا حکم

و لو وصل حرفا بکلمۃ من کلمۃ اخری بان قرأ اِیَّاکَنَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَنَسۡتَعِیۡنُ او قرأ کَالۡکَوۡثَرَ او قرأ اذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ و ما اشبہ ذلک لا تفسد علیٰ قول العامۃ و علی قول بعض المشائخ تفسد و بعض المشائخ ان علم ان القراٰن کیف ھو الا انہ جری علی لسانہ ھذا لا تفسد و ان کان فی اعتقادہ ان القراٰن کذلک تفسد

ترجمہ...... اگر کسی کلمہ کے ایک حرف کو کسی دوسرے کلمہ سے ملا دے اور جوڑ کر پڑھے مثال جیسے: اِیَّا ک نعبد و ایاک نستعین کو اس طرح ملا کر پڑھے اِیَّا کنعبد و ایا کنستعین، یعنی کاف ضمیر کو جو اِیَّا کے ساتھ متصل ہے اس کو بعد والے کلمہ نعبد اور نستعین سے ملا کر پڑھے۔ یا جیسے اِنَّا اعطیناک الکوثر کو کالکوثر کے انداز پر پڑھے یعنی کاف

خطاب کو اپنے فعل سے الگ کر کے الکوثر کے ساتھ ملا دے یا جیسے اِذا جاء نصر اللّٰہ کو اس طرح پڑھے کہ جاء کے ہمزہ کو نصر اللّٰہ کے نون سے ملا دے۔ اور دوسرے کلمات میں بھی اسی کے مشابہ یعنی اسی طرح کا ردیہ اختیار کرے۔ تو عام مشائخ کے قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی لیکن بعض مشائخ کا ارشاد ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا اگر وہ پڑھنے والا جانتا ہے کہ قرآن مجید کس طرح ہے (یعنی اسے بخوبی معلوم ہے کہ جس طرح میں نے پڑھا ہے اس طرح اس کا تلفظ نہیں) مگر اتفاقاً اس کی زبان پر اس طرح جاری ہو گیا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر اس کے اعتقاد میں یہ بات بیٹھ جائے کہ جس طرح میں نے پڑھا ہے قرآن مجید بالکل اسی طرح ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر وصلِ کلمات کے باب میں دانستہ ایسا کرے تو پھر بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ شرح تہذیب میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ وصل کی ضروریات میں سے یہ ہے کہ پہلے کلمہ کے آخر کو دوسرے کے اوّل سے متصل کیا جائے۔ فتاویٰ حجت میں ہے کہ جب نمازی سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے "اِیَّاک نعبد و ایاک نستعین" پر پہنچے تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ یَّاکَ پر ٹھہرے اور پھر نعبد کہے۔ بلکہ زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اِیَّاک کے لفظ کو نَعْبُدُ اور نَسْتَعِین کے لفظ سے ملائے۔ اور جن مشائخ نے وصل کی صورت میں فسادِ نماز کا فتویٰ دیا بظاہر ان کی مراد لفظ اِیَّا پر سکتہ اختیار کرنا اور خاموش ہو جانا ہے۔ ورنہ کوئی عقل مند وصل کی صورت میں فسادِ نماز کا وہم نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کسی عالم سے یہ توقع کی جائے۔ اور بعض مشائخ نے اس باب میں جو تفصیل پیش کی ہے کہ اگر قاری جانتا ہے کہ حرف کاف پہلے کلمہ میں شامل ہے نہ دوسرے میں، لیکن اس کے باوجود اتفاقاً اس سے وصل ہو گیا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اس کے اعتقاد میں یہ ہے کہ جس طرح میں نے پڑھا ہے قرآن مجید کے الفاظ اسی طرح ہیں یعنی حرف کاف دوسرے کلمہ میں شامل ہے تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جو کچھ اس نے پڑھا اس کے ارادے کے مطابق وہ قرآن نہیں۔ لیکن اس باب میں عام مشائخ کا قول صحیح ہے۔ اور یہ سب تکلفات ہیں۔ کیونکہ جب نظم قرآن میں اتصال ہو تو پھر ارادے کا کوئی اعتبار نہیں۔

اُن کا بیان جن صورتوں میں تبدیلی کے باوجود نماز فاسد نہیں

و ذكر في الملتقط و لو قرأ اَلْهَمْدُ لِلّٰه بالهاء او قرأ كُلُ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بالكاف و لا يقدر على غيره تجوز صلوته و لو قرأ قل اعود بالدال او قرأ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذِرِيْنَ بكسر الذال لا تفسد و لو قرأ الا لثغ باللام مكان الرب لا تفسد و عن ابى حنيفة فيمن قرأ و اِذِ ابْتَلَىٰٓ اِبْرَاهِيْمُ رَبَّه بضم الميم و فتح الباء و قرأ اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوَّرُ بفتح الواو و هو يُطْعَمُ وَ لَا يُطعِمُ بفتح العين فى الاول و كسرها فى الثانى لا تفسد و ان زاد حرفا ان

لم یتغیر المعنی لا تفسد و ان غیر المعنی نحو ان یقرأ و اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی قالوا تفسد و ینبغی ان لا تفسد.

ترجمہ:

۱) فتاویٰ ملتقط میں بیان کیا گیا کہ اگر کسی نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ حرف ھَا کے ساتھ پڑھا یا کُل ھو اللّٰہ اَحَد چھوٹے کاف کے ساتھ پڑھا جبکہ وہ کسی دوسرے حرف کے پڑھنے پر قدرت نہ رکھتا ہوتو اس کی نماز جائز ہوگی۔

۲) اور اگر کسی نے قُلْ اَعُوْد حرف دال کے ساتھ پڑھا یا کسی نے فسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذِرِیْن ذال کے زیر کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۳) اور اگر کسی توتلی زبان والے نے لفظِ رَبّ کی جگہ لَبّ حرف لام کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۴) امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ جس نے اِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاھِیمُ رَبُّہ میم کے پیش اور حرف با کے زبر سے پڑھا یا اَلْبَارِئُ الْمُصَوَّر حرف واؤ کے زبر کے ساتھ پڑھا یا ھُو یُطْعَم و لا یُطْعِمُ پہلے کلمہ میں حرف عین پر زبر اور دوسرے پر زیر پڑھی تو ان ساری صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

۵) اور اگر کسی نے قرأت میں کوئی حرف بڑھا دیا کہ جس سے معنیٰ میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنیٰ میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہو جیسا کہ و اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْن اور و اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن مناسب یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح

۱) اگر اَلْحَمْد میں بے نقطہ حا کی بجائے حرف ھا پڑھے یا قُلْ ھُو اللّٰہ اَحَد میں بڑے قاف کی بجائے چھوٹا کاف پڑھے اور صحیح پڑھنے پر قدرت نہ رکھتا ہو جیسا کہ بعض لوگ علاقائی اور ملکی وجہ سے بعض حروف صحیح نہیں ادا کر سکتے۔ تو اس معذوری کی وجہ سے اس کی اپنی نماز جائز ہو جائے گی۔ اور یہی حکم ہے اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں نقطے والا حرف خا پڑھے تو پھر بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ پس اس باب میں اس شخص کا حکم توتلے کی طرح ہے۔

۲) اور اَعُوْد حرف دال سے پڑھا تو اس کے معنی اَرْجِع ہونگے اور حرف بالمعنی الٰی ہوگا۔ اور پھر عبارت یوں بن جائے گی اَرْجِعُ الٰی رَبِّ الْفَلَق یعنی میں صبح کے رب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چونکہ یہ معنی ٹھیک ہے اس لئے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور دوسری مثال میں اگر اَلْمُنْذِرِین حرف ذال کے زیر کے ساتھ پڑھا تو اس کا معنیٰ ہے ڈرانے والے یعنی رسول۔ تو اس کی بُری صبح کا مفہوم یہ ہوگا کہ انھوں نے اپنی نافرمان جھٹلانے والی قوم میں صبح گزاری۔ لہٰذا اس طریقے سے آیت کا کچھ صحیح مفہوم بن جاتا ہے تو اس لئے فسادِ صلوٰۃ کا حکم نہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے یَعُوْذُوْنَ بِرِجَال حرف دال کے ساتھ پڑھا یا فانظر کیف کان عاقبۃ الْمُنْذِرِین حرف ذال کے زیر کے ساتھ پڑھا تو کچھ مفہوم صحیح ہو جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس آیت میں ڈرانے والوں کے انجام کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مقابلہ میں اپنے رسولوں کی مدد فرمائی۔

۳) الثـغ عربی زبان میں توتلی زبان رکھنے والے کو کہا جاتا ہے۔اور یہ وہ شخص ہے جو بعض حروف کے پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے سین کی جگہ حرف ثا پڑھتا ہے۔اور''را'' کی جگہ حرف ''غین یا''لام''یا'' حرف با'' پڑھتا ہے۔یا بعض حروف پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دوسرے حروف پڑھ دیتا ہے۔(القاموس)

معذور شخص کا حکم

ایسے شخص کے لئے شرعی طور پر حکم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ صحتِ الفاظ کی حتی الامکان کوشش کرتا رہے۔اگر چہ وہ کوشش میں کامیاب نہ ہو تب بھی وہ کوشش نہ چھوڑے۔ورنہ معذور نہ سمجھا جائے گا۔اگر وہ کوئی ایسی آیت نہ پائے کہ جس میں ایسے حروف نہ ہوں کہ جنہیں یہ اچھی طرح ادا نہیں کرسکتا۔تو پھر جس طرح پڑھے اس کی نماز ہوجائے گی۔لیکن یہ کسی دوسرے کے لئے امام نہ بنے۔کیونکہ یہ اُمّی کی حیثیت رکھتا ہے۔اور اگر یہ کسی ایسے شخص کی اقتدا کرسکتا ہے جو حروف مشکلہ کو اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو پھر تنہا اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔اور اگر اسے اتنی آیات دستیاب ہیں کہ جن کے پڑھنے سے نماز جائز ہوتی ہے اور ان میں حروفِ مشکلہ بھی نہیں تو پھر حروف مشکلہ پڑھنے سے اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔کیونکہ دوسرے الفاظ کی اتنی مقدار موجود ہے جو جوازِ صلوٰۃ کے لئے کافی ہے تو پھر بلا ضرورت ایسی آیات کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے کہ جن میں حروف مشکلہ پائے جاتے ہیں۔

نوٹ......فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ ادائیگی حروف سے عاجز ہونے والا ہمیشہ ایسے حروف کو صحیح پڑھنے کی کوشش جاری رکھے ورنہ اس کی نماز فاسد ہوگی۔اگر زندگی کے کسی حصے میں اس نے اس باب میں کوشش نہ کی تو باقی زندگی میں کوشش کرنا نہ چھوڑے ورنہ نماز ٹھیک نہ ہوگی۔واقعات ناطفی میں یہی مذکور ہے۔ذخیرہ میں فرمایا کہ معذور شخص کے لئے اس کا کوئی حل نہیں کیونکہ فطرتی اور تخلیقی عذر زائل نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ایسا بندہ اس کے بولنے پر قادر نہیں۔پس اگر ایسا شخص کوشش بھی کرے تو کوئی حاصل نہیں۔لیکن فتاویٰ حجت میں یہ ذکر فرمایا کہ معذور کے کوشش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا عذر زائل ہوجائے اور وہ صحیح کلمات پڑھنے پر قادر ہوجائے۔بلکہ جو کچھ اس کے دائرہ اختیار میں ہے اسے بروئے کار لائے۔تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس دوران جیسے بھی تلفظ کے ساتھ اس نے نماز پڑھی وہ جائز ہوگی۔اس کی مثال جیسے نماز کی مختلف شرائط کے حصول کی کوشش کرے۔لیکن اگر ان کے حصول سے عاجز ہو تو نماز ان کے غیر موجود ہونے کے باوجود جائز ہوگی۔

۴) قرآن مجید میں عام قرأت کے مطابق لفظ ابراھیم پر زبر اور لفظ رب پر پیش ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ''جب حضرت ابراھیم کو اس کے پروردگار نے آزمایا۔اور یہ معنی شان الوہیت اور مقام رسالت کے بالکل مناسب ہے۔لیکن امام صاحب سے ایک روایت اس کے تلفظ کے خلاف مروی ہے۔وہ اس طرح کہ " ابــراھیـم " کے میم پر پیش ہو اور لفظِ رب کی''با''پر زبر ہو تو پھر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جب حضرت ابراھیم نے اپنے رب کو آزمایا۔اور یہ شان بندگی کے مناسب نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے کی آزمائش کرسکتا ہے۔لیکن بندے میں یہ ہمت نہیں کہ وہ اپنے پروردگار کو آزمائے۔تو پھر اس آیت کی صحت کے لئے یہ وجہ نکالی گئی کہ آیت مذکورہ میں " اِبْتَلیٰ " بمعنیٰ " دَعَا " ہے۔یعنی حضرت ابراھیم نے اپنے پروردگار سے دُعا مانگی۔اور دوسری آیت کی صحت کے لئے یہ وجہ پیدا کی کہ " المُصَوَّرُ " اگر واؤ کے زبر سے پڑھا جائے تو یہ لفظِ باری کا مفعول ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے اس کو جس نے اس کو صورت بخشی۔اور تیسری آیت کی وجہ صحت یہ ہے کہ وَ ھُـوَ میں ضمیر غیر خدا کی طرف

راجع ہے۔ یعنی جو اللہ نہیں اس کا حال یہ ہے کہ کھلایا جاتا ہے لیکن خود کھلاتا نہیں۔ اور اگر " الْمُصَوَّرُ " کے حرف واؤ پر زبر پڑھی جائے اور حرف ''را'' پر پیش ہو تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

۵) اگر قرأت کرنے والے نے نماز میں کوئی حرف بڑھا دیا لیکن معنی میں کوئی تبدیلی نہ آئی جیسے " و امر بالمعروف و النهی عن المنکر " کہ حرف ھا کے بعد الف بڑھا دیا یا اللہ تعالیٰ کا ارشاد " من یعص اللّٰه و رسوله و یتعد حدوده یدخلهم نارا " اس میں یَدْخله کی جگہ جمع کا میم بڑھا دیا جائے تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی ایسا حرف بڑھا دیا کہ جس کی وجہ سے معنوی طور پر تبدیلی پیدا ہو جائے جیسے " یٰس و القران الحکیم و اِنَّک لمن المرسلین " یہاں ''واؤ'' کا اضافہ کر دیا حالانکہ یہاں حرف واؤ کا اضافہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ یہ جواب قسم ہے۔ اور اسی طرح دوسری آیت میں بھی حرف واؤ کا اضافہ غیر مناسب ہے۔ تو اس صورت میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ واؤ کے اضافہ سے جواب قسم خود قسم ہو گیا۔ جو کہ ایک معنوی تبدیلی ہے۔ مصنف نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ کوئی فحش تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

مسئلہ: اگر دورانِ تلاوت کوئی حرف کم کر دیا، بشرطیکہ وہ اصول کلمہ سے ہو اور معنی بدل جائے تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے '' و مما رزقنا هم '' اس میں حرف را یا حرف زا کو گھٹا دیا یا خلقنا کو بغیر حرف خ پڑھا یا جعلنا کو بغیر حرف جیم پڑھا اور دوسری صورت یہ ہے کہ حرف اصول کلمہ میں سے تو نہیں لیکن اسے حذف کرنا اعتقادِ کفر تک پہنچاتا ہے جیسے و مَا خَلَقَ الذَّکر و الاُنْثٰی اس میں حرف واؤ کو حذف کر دینا تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی حرف کا حذف کرنا ترخیم کی بنا پر ہو مثلاً ''یا مالک '' میں یا مال کہنا تو اس صورت میں بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی حرف اجزائے کلمہ میں سے نہ ہو اور معنی میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو تو اس صورت میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے تعالیٰ جدُّ ربنا کے آخر سے حرف ''یا'' کو حذف کر دینا۔ (یعنی وہ حرف ''یا'' جو بصورت الف مقصورہ ہے)

و ذکر فی زلة القاری للشیخ الامام حسام الدین ابی سعید النسفی و لو قرأ اللّٰهُ السَّمَدُ بالسین لا تفسد و هذا اختیار نجم الدین النسفی و لو قرأ عتی مکان حتی لا تفسد و لو قال سَمِعَ اللّٰهُ لِمَلْ حَمِدَهٗ یرجی انه لا تفسد و لو قرأ یدعُ الْیَتِیْمَ بتسکین الدال او ضم الدال و ترک التشدید لا تفسد لعموم البلویٰ و ان قرأ اِنَّ الذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ و وقف و قرأ اُولٰٓئک اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ لا تفسد و لو لم یقف و وصل قال عامة المشائخ تفسد و عن عبد اللّٰه ابن المبارک رحمه اللّٰه و ابی حفص الکبیر و محمد بن المقاتل و جماعة من المراوزة انه لا تفسد و کذا افتی ابو نصر الماتریدیّ و

لو قرأ اِنَّ اللّٰہ بَرِیٌٔ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلِہٖ بکسر اللام لا تفسد و لو قرأ اِنَّا کُنَّا مُنْذَرِیْنَ بفتح الذال تفسد قطعا

ترجمہ:

۱) شیخ حسام الدین ابوسعید نسفی کی کتاب زلۃ القاری میں یہ بیان کیا گیا کہ اگر کسی نے "اللّٰـہ الصمد" میں بجائے حرف صاد کے حرف سین پڑھا (السّمد) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اس کو امام نجم الدین عمر النسفی نے پسند کیا ہے۔

۲) اور اسی طرح کسی نے "حتّٰـی" کی جگہ پر "عتّٰـی" پڑھا۔ تو اس صورت میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کی جگہ "لمل حمدہ" یعنی بجائے لِمن کہنے کے نون کی جگہ "مَل" حرف لام سے پڑھا تو امید ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

۳) اور اگر "یدُعُ الیتیم" کو سکون دال یا حرف دال کے پیش اور بغیر تشدید پڑھا تو عموم بلویٰ کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

۴) اگر کسی نے اِنَّ الـذین امنـوا و عـملوا الصالحات پر وقف کیا (یعنی کلمات مذکورہ پڑھنے کے بعد ٹھہر گیا) پھر پڑھا "اولـئک اصحاب الجحیم" تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر قاری نے سابقہ کلمات مذکورہ پر وقف نہ کیا (یعنی نہ ٹھہرا) بلکہ ملا کر اس نے پڑھ ڈالا۔ تو عام مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن امام عبداللہ ابن مبارک امام محمد ابوحفص کبیر، امام محمد بن مقاتل اور کچھ مروزی اہل علم کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی چنانچہ، امام ابونصر ماتریدی نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

۵) اگر کسی نے "اِنَّ اللّٰہ بَرِیٌٔ من المشرکین و رسولہ" میں لفظ "رسول" کے لام پر حرکت پیش کے بجائے حرکت زیر پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۶) اگر کسی نے "اِنَّا کُنَّا مُنْذَرین" کو حرف ذال کے زبر سے پڑھا تو حتمی طور پر نماز ٹوٹ جائے گی۔

تشریح

۱) لفظ "الصمد" کو بجائے حرف صاد حرف سین سے پڑھنا بعض متاخرین کے گذشتہ قواعد اور قول متقدمین پر مبنی ہے۔ (کہ ان کے نزدیک تغیر فحش اور زیادہ بعد معنی نہ ہو تو تبدیل شدہ کلمہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور یہاں یہی صورت حال ہے کہ اگر اس کو حرف سین سے پڑھا گیا تو کسی قدر صحیح معنی بن جاتا ہے کیونکہ "سـمد" بحرف السین بمعنی علو اور بڑائی ہے جو شانِ الٰہی کے مناسب اور اس کے شایان شان ہے۔

یہاں امام قاضی خان بعض جزئیات کی مثالیں دے کر ان کے متعلق فقہی احکام بیان فرماتے ہیں۔ امام ابراھیم بن محمد حلبی نے برائے افادہ صغیری صفحہ ۲۵۱ پر انہیں ذکر فرمایا ہے۔

قاعدہ

۱) صاد، سین اور حرف زاء ان تینوں حرفوں کا مخرج ایک ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات، یہ تینوں ایک دوسرے سے بدل

جاتے ہیں چنانچہ امام قاضی خان نے ان کی بعض مثالیں آئمہ متقدمین کے قول کے مطابق اپنے فتاویٰ میں بیان فرمائی ہیں: ا: پہلی مثال، اگر اِذَ جاء نصر الله " و یعوق و نسراً " پہلی میں حرف صاد کی جگہ حرف سین (نسر الله) پڑھا۔ اور دوسری میں حرف سین کی جگہ حرف صاد (نصـــراً) پڑھا۔ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اسی طرح " الصمـــد " کو حرف سین " السمـــد " پڑھا تو شمس الآئمہ سرخسی نے فرمایا نماز فاسد نہ ہوگی۔

۲) " اساطیر " میں حرف سین کی جگہ حرف صاد " اصاطیر " بحرف الصاد پڑھا۔ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ "خاسعاً و هو حسیر " کو بجائے حرف سین حرف صاد سے (حصیر) پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور اگر " لا انفصام لها " میں حرف صاد کی جگہ حرف سین "لا انفسام لها " پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر " فهل عسیتم " میں حرف سین کی جگہ " عصیتم " بحرف الصاد پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اسی طرح "عصوک " بحرف الصاد ہے اس کو حرف سین سے "عسوک " پڑھا تو نماز میں فساد پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر " للخائنین خصیما " میں حرف صاد ہے اس کو بحرف السین " خسیما " پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر " صددنا کم " حرف صاد سے اس کی جگہ حرف سین " سددنا کم " پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر " تصطلون " بحرف الصاد ہے اس کی جگہ حرف سین " تسطلون " پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لقرب اسلی من اصلی فان کلا منهما یحصل بالنار یعنی سلی صلی سے قریب ہے کیونکہ دونوں آگ سے حاصل ہوتے ہیں (لہٰذا اس قرب معنوی کی وجہ سے عدم فساد نماز ہوگا۔

۱- صربـاً کی جگہ سربـــاً
۲- نسباً کے بجائے نصباً
۳- الصخرة کی جگہ السخـــرة
۴- بجائے یخصفان کے یخسفان
۵- بجائے سورة کے صورة
۶- بجائے بثمن بخسٍ کے بخصٍ
۷- بجائے سوط عذاب کے صوت عذاب
۸ بجائے من قسورة کے من قصورة
۹- بجائے هو افصح منی لساناً کے افسح
۱۰ بجائے یسال الصادقین عن صدقهم کے السادقین عن سدقهم
۱۱- بجائے وکانوا یصرون علی الخنث کے کانوا یسرُون
۱۲ اور بجائے قولوا قولاً سدیداً کے قولاً صدیداً
۱۳ فالمغیرات صبحًا کی جگہ سبحًا پڑھے۔
۱۴ بجائے و تواصوا بالصبر کے تواسو بالصبر بحرف السین
۱۵- بجائے رحلة الشتاء و الصیف کے و السیف
۱۶ بجائے من شر حاسدٍ اذا حسد کے من شر حاصد اذا حصد
۱۷ بجائے صموا، سموا حرف سین سے کہے۔
۱۸ بجائے لنسفعا بالناصیة ناصیة دونوں جگہ حرف سین پڑھے۔
۱۹- بجائے صائفا کہنے کہ حرف سین سے سائفاً کہے۔
۲۰ کُلّ متربص فتربصوا حرف صاد کے بجائے دونوں جگہ حرف سین پڑھے۔
۲۱ صحفاً منشره میں صاد کی جگہ حرف سین پڑھے۔

بعض مذکورہ صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن بعض مذکورہ صورتیں ایسی ہیں جن میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

مثلاً ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۲۰، ۲۱، یہاں دیئے ہوئے نمبر شمار میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ باقیوں میں حرف صاد

کی جگہ سین پڑھا گیا۔ تاہم نماز فاسد نہ ہوگی یونہی اگر کسی نے " لبناً خالصاً " حرف صاد کی جگہ " خالسا " حرف سین سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہ ہیں وہ مقامات جو امام قاضی خان نے حرف صاد اور حرف سین کی تبدیل شدہ صورتوں میں فساد اور عدمِ فساد نماز کی جزئی مثالوں میں جو کچھ ذکر فرمایا ہے۔

۲) پہلی صورت میں عدم فساد کی وجہ یہ ہے کہ لفظ حتّٰـــی میں دو لغات ہیں ایک ''حا'' کے ساتھ اور دوسری حرف عین کے ساتھ۔ اور دوسری صورت کی وجہ یہ ہے کہ لام اور نون میں قرب مخرج ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اس شخص کا حکم توتلے شخص کی طرح ہے۔ محیط میں ہے کہ اگر کسی نے ''ذال'' کی جگہ ''دال'' یا اس کا اُلٹ کیا یا موٹے قاف کی جگہ حرف عین پڑھا۔ یا لام کی جگہ (ن) پڑھا یا اس کا اُلٹ کیا تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائیگی۔

۳) صغیری میں امام حلبی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ صورت مذکورہ میں نماز فاسد نہ ہونے کا حکم دینا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ صورت مذکورہ کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تسکین کی صورت میں امام قاضی خان نے فساد نماز کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر تشدید چھوڑ دی تو نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ معنی میں کوئی تبدیلی نہیں۔

۴) اگر چہ اس صورت میں نماز فاسد ہونی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے صادر کردہ حکم کے خلاف قاری کی طرف سے ایک حکم پیدا ہو گیا جو پہلے حکم کی ضد اور اس کے خلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود فقہائے کرام کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس لئے کہ وقفِ تام سے آیت کے دونوں حصے الگ الگ شمار ہو گئے۔ لیکن اگر وقف کرنے کی بجائے وصل کر کے پڑھے تو عام مشائخ کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا اس کے خلاف لازم آتا ہے۔ اگر اس کا اعتقاد بھی یہی ہو تو پھر کفر لازم آئے گا۔ لیکن بعض جلیل القدر آئمہ نے اس صورت میں بھی نماز کے غیر فاسد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کی وجہ سبقتِ لسان قرار دی ہے۔ لیکن امام قاضی خان نے فرمایا کہ پہلی بات صحیح ہے۔

۵) یہ متاخرین کا فیصلہ ہے لیکن امام قاضی خان نے متقدمین کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد کفر ہے۔ لیکن تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ لفظ رسول کے آخر میں قسم اور جواز کی بنا پر جر پڑھنے کی گنجائش ہے۔

۶) آئمہ متقدمین کی یہی رائے ہے۔ صغیری میں ہے کہ اگر کسی نے اَنْتَ خیر المنزلین حرف زا کے زبر سے پڑھا اور اسی طرح ''نَحْنُ خَلَقْنَا'' حرف قاف کے زبر سے قَدَرْنَا حرف را کے زبر سے اور جَعَلْنَا اور اَنْزَلْنَا دونوں میں حرف لام پر زبر پڑھی اور اسی طرح'' من یَغْفِرُ الذُّنُوبَ الا اللّٰہ و مَا یَعْلَمُ تا ویلہ الا اللّٰہ ان دونوں میں حرف ھا پر زبر پڑھی تو متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، جبکہ متاخرین فسادِ نماز کے قائل نہیں۔

و ذکر فی الفتاوی قاضی خان و لو قرأ یَدْعُ الْیَتِیْمَ بتسکین الدال تفسد و کذا لو قرأ یَتَخُلُوْنَ بالتاء مکان یَدْخُلُوْنَ تفسد و لو قرأ اِنَّا خَلَقْنَا مکان جَعَلْنَا او قرأ اِیَّاکَ نَعْبُدُ بغیر التشدید لا تفسد عند المتأخرین و لو قرأ ما اضْتُرِرْتُم بالتاء لا تفسد و لو قرأ ما اضْطُرِرْتُم بالزاء او بالظاء او بالذال تفسد و لو قرأ اِلَّا مَنْ خَتِفَ الْخَتْفَةَ بالتاء فیھما

تفسد و لو قرأ فَهَلْ عَصَيْتُم بالصاد لا تفسد و لو قرأ الشَّيْتَانُ بالتاء لا تفسد و لو قرأ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَتٌ بالتاء تفسد و لو قال اللهم صَلِّ علی محمد بالسين لا تفسد و لو قرأ مَا وَدَعَكَ بترك التشديد لا تفسد و لو ترك التشديد بالرب تفسد و لو قرأ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِی تَظْلِيْلٍ بالظاء تفسد و لو قرأ بالذال لا تفسد و لو قال حَمَّالَةَ الحَتَبِ بالتاء تفسد و لو قرأ مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّاسِ بفتح الجيم لا تفسد

ترجمہ:

پہلا مسئلہ: فتاویٰ قاضی خان میں یہ ذکر کیا گیا کہ اگر کسی نے "يدع اليتيم" حرف دال کے جزم سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

مسئلہ دوم: اور اسی طرح اگر "اِنَّا جَعَلْنَا" کی جگہ "اِنَّا خَلَقْنَا" پڑھا یا "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" بغیر تشدید پڑھا تو آئمہ متاخرین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

تیسرا مسئلہ: اور اگر کسی نے "ما اضطُرِرتُم" میں حرف ضاد کی بجائے حرفِ زا یا حرف ظا یا ذال پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

چوتھا مسئلہ: اگر کسی نے "اِلَّا مَنْ خَطِفَ الخَطفة" میں حرف طا کے بجائے دونوں جگہ حرف تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

پانچواں مسئلہ: اگر کسی نے "قُلْ هو اللّٰهُ اَحَد" حرف دال کی بجائے حرف تا یعنی (احت) پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

چھٹا مسئلہ: اگر کسی نے "اللّٰهمَّ صَلِّ علیٰ محمدٍ" حرف سین سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ساتواں مسئلہ: اور اگر کسی نے "ما وَدَّعَکَ" تشدید چھوڑ کر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اگر اس نے لفظ رَبّ میں تشدید چھوڑ کر پڑھا تو نماز فاسد ہوگی۔

آٹھواں مسئلہ: اور اگر کسی نے "اَلَمْ يَجْعَلْ كيدهم فِی تَضْلِيل" میں حرف ضاد کی جگہ حرف ظا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر حرف ذال کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

نواں مسئلہ: اگر کسی نے "حَمَّالة الحطب" میں حرف طا کے بجائے حرف تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر "مِن الجنَّة و النَّاس" میں جیم کو زیر دینے کی بجائے زبر پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

بعض الفاظ کی تشریح

۱	زلة	لغزش۔	۲	اَلاَصْل	بمعنی قاعدہ۔
۳	غبار	گرد۔	۴	غراب	کوا۔
۵	اَلاَحْوط	زیادہ احتیاط۔	۶	لا تُقاس	قیاس نہیں کئے جائیں گے۔
۷	فلا تقْهَر	پھر تو قہر اور غصہ نہ کر۔	۸	العجم	غیر عربی لوگ۔

۹	لا یُمیِّزُون	وہ تمیز نہیں کرتے۔	۱۰	زَعم	گمان اور خیال۔
۱۱	بلویٰ عامة	عام آزمائش۔	۱۲	اَنْ یَّاتی	وہ ادا کرے۔
۱۳	قَطع الکلمة	کسی کلمے کو کاٹ دینا۔	۱۴	اِنقطع	وہ کٹ گیا۔
۱۵	اَلوقف	تلاوت میں کسی جگہ ٹھہر جانا۔	۱۶	لا یُوْجب	وہ واجب نہیں کرتا۔
۱۷	وَصلَ	اس نے ملادیا۔	۱۸	جَرٰی علیٰ لسانه	وہ اس کی زبان پر جاری ہوگیا۔
۱۹	اَلْباری	پیدا کرنے والا۔	۲۰	اَلْمُصَوِّر	تصویر بنانے والا۔
۱۲	زَاد حرفاً	اس نے کوئی حرف بڑھادیا۔	۲۲	یُرجیٰ	امید کی جاتی ہے۔
۲۳	مُرَاوِزَة	یہ مروز کی جمع ہے۔خلاف قیاس مرو کی طرف منسوب ہے یعنی مرو علاقے کے رہنے والے۔			
۲۴	ما وَدَّعَکَ	اس نے تمہیں نہیں چھوڑا۔			
۲۵	کَیْد	داؤ اور مکروفریب۔			
۲۶	حَمَّالَةَ الحَطَب	لکڑی اٹھانے والی عورت۔			
۲۷	مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاس	جن اور انسان			

نوٹ......رَفع اور ضمہ حرکتِ پیش کے نام ہیں۔۲:نصب اور فتحہ ،حرکتِ زبر کے نام ہیں۔۳:جَر اور کسرہ:حرکتِ زیر کے نام ہیں۔ ۴:سکون، جزم۔۵:تشدید:وہ حرف جس پر شَد ہو۔۶:تخفیف:وہ حرف جس پر شَد نہ ہو۔۷:اسکان:کسی حرف کو ساکن کردینا۔۸:ادغام: ایک حرف کو دوسرے حرف میں داخل کرنا۔جس کو داخل کیا جائے۔اسے مُدغَم کہتے ہیں اور جس میں داخل کیا جائے اسے مدغم فیہ کہتے ہیں۔

۱) چونکہ اس صورت میں مراد الٹ ہوجاتی ہے اس لئے نماز فاسد ہوجائے گی۔

۲) اس طور پر پڑھنے سے آئمہ متأخرین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرلیجئے کہ یہ الگ الگ دو فصلیں ہیں۔پہلی فصل یہ ہے کہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کرنا۔اس میں قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اولاً یہ دیکھا جائے گا کہ دونوں کلمات جنہیں ایک دوسرے کی جگہ رکھ دیا گیا ہے ان دونوں کی نوعیت کیا ہے۔پس اگر دونوں معنوی طور پر متقارب المعنی ہوں اور اس جیسا کلمہ قرآن مجید میں موجود ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ دوم (۲) یہ کہ اگر دونوں باھم قریب المعنی ہوں لیکن تبدیل شدہ کلمہ قرآن مجید میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی ہمارے دو اماموں (امام اعظم، امام محمد) کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور امام ابو یوسف سے فساد اور عدمِ فساد کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

۳) اور اگر دونوں کلمات باھم متقارب المعنی نہ ہوں لیکن تبدیل کردہ کلمہ قرآن مجید میں پایا گیا ہو تو پھر دریں صورت امام صاحب اور امام محمد کے قیاس (اور قانون) کے مطابق نماز فاسد ہونی چاہئے۔جبکہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق عدمِ فسادِ نماز ہونا چاہئے۔

۴) اور اگر کلمہ مبدّل لہ جیسا کوئی کلمہ قرآن مجید میں نہ ہو اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر بھی نہ ہو تو اس صورت میں بالاتفاق نماز فاسد ہوگی۔ بشرطیکہ ذکر نہ ہو۔

۵) اور اگر قرآن مجید میں ہو لیکن اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہو اور اس نے بصورت وصل پڑھا تو عام مشائخ کرام کے نزدیک نماز فاسد ہو

جائے گی۔لیکن بعض نے فرمایا کہ امام ابو یوسف کے قیاس کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔اور صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

☆ پہلی صورت کی مثال جیسے......" الحکیم " کی جگہ العلیم اور البصیر کی جگہ الخبیر پڑھنا۔

☆ دوسری مثال......" اوّٰہ " کی جگہ ' اِیّاہ " پڑھنا۔

☆ تیسری مثال......" توابین " کی جگہ ' تیّابین " پڑھنا۔

☆ چوتھی مثال جیسے " نصبت " کی جگہ ' سطحت " پڑھنا۔یا اس کا الٹ کرنا یعنی سطحت کی جگہ نُصِبت پڑھنا۔" رُفعت " کی جگہ " خُلِقت " پڑھنا یا اس کا الٹ کرنا یعنی خُلقت کی جگہ " رُفعت " پڑھنا۔چوتھی مثال جیسے الغراب کی جگہ الغُبار پڑھنا۔

☆ پانچویں مثال جیسے فاعلین کی جگہ غافلین پڑھنا۔

دوسرا قاعدہ......کسی حرف مشدد کو مخفف پڑھنا یا مخفف کو مشدد پڑھنا۔اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر معنی میں تبدیلی پیدا نہ ہو، مثال جیسے " قتلوا تقتیلا " اور " یسئلونک عن الساعۃ " ان دونوں کو تشدید کے بجائے تخفیف سے پڑھنا۔اور اسی طرح " یدرکم الموت " اور ' ان رادوہُ الیک "۔تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اگر تشدید چھوڑنے سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے جیسے " رب الفلق یا ظللنا علیھم الغمام یالامارۃ بالسوء " تو اس صورت میں عام مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔لیکن ابو علی نسفی نے فرمایا کہ کہیں بھی تشدید چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ہاں البتہ اگر اس نے ربّ العالمین اور ' ایّاک نعبد میں تشدید چھوڑ دی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ تفصیل مذکور متقدمین کے قول کے مطابق ہے۔اور اس میں زیادہ احتیاط ہے۔اور اگر کسی نے حرف مخفف کو مشدد پڑھا تو حکم الٹ ہو جائے گا۔مثال جیسے " افعیینا " کو تشدید سے پڑھا یا " اھدنا الصراط المستقیم " میں لام کا اظہار کیا۔تو نماز فاسد نہ ہوگی۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر حرف مشدد کو حرف مخفف پڑھے اگر معانی میں تبدیلی آجائے تو عام مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائیگی۔اور اگر مخفف کو مشدد پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

نوٹ......اگر کسی کلمہ کو نسبت بدل کر پڑھے جیسے، عیسیٰ بن لقمان کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اگر موسیٰ بن مریم کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اسی طرح امام ابو یوسف کے نزدیک موسیٰ بن عیسیٰ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اور عام مشائخ کا یہی قول ہے۔اور اگر موسیٰ بن لقمان پڑھا تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اگر عیسیٰ بن سارہ کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اسی طرح مریم بنت غیلان کہا تو ان صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اور یہ سب قاعدہ سابقہ پر مبنی ہے۔

تیسرا مسئلہ......اگر ' ما اضطُررتم " میں طا کے بجائے حرف تا پڑھا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

چوتھا مسئلہ......اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف تا کے ساتھ اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔اور اگر کسی نے " خُطُوات الشیطٰن " میں دونوں جگہ حرف طا کے بجائے تا پڑھا تو متاخرین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور اگر کسی نے " و لا الضالین امین " کو تشدید سے پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ امثلہ مذکورہ ایک اور قاعدے پر مبنی ہیں اور وہ یہ ہے کہ حروف ثلثہ، حرف تا اور طا اور دال اگر ان کو ایک دوسرے سے تبدیل کیا جائے تو کیا حکم ہے۔امام قاضی خان نے اس باب میں چند مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ہم انہیں برائے افادہ ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

1۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ میں اگر بجائے حرف تا کے حرف طا یا حرف دال پڑھا تو امام علی نسفی نے فرمایا کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

2۔ اگر لفظِ قنوت کو حرف طا سے بدل دے یعنی جو الفاظ القنوط بحرف طا سے نکلتے ہیں انھیں ان الفاظ سے بدل دے جو حرف تا والے قنوت سے بنے ہیں۔ یا اس کا الٹ کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

3۔ عنت الوجوہ میں عند الوجوہ پڑھے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

4۔ اگر لانتم اشد رھبتاً میں حرف طا کے بجائے حرف تا پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

5۔ یومَ نَبطِش البطشۃ الکبریٰ میں دونوں جگہ حرف طا کے بجائے حرف تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

6۔ اظلتم و اطفیٰ میں حرف طا کے بجائے تا پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

7۔ اگر الصراط کو حرف تا سے پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

8۔ بطراً کی جگہ حرف تا پڑھا یا طَلْعُها هضيم کی جگہ تا پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

9۔ اَمطرنا علیھم مطرا میں حرف طا کی جگہ حرف تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

10۔ و الطور میں بجائے طا کے حرف تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اگر مسطور کی جگہ مستور حرف تا سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

11۔ لوْ لا ان ربطنا کی جگہ بجائے حرف طا کے حرف تا پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

12۔ لوط کی جگہ لوت پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اسی طرح ینطِق کی جگہ حرف تا پڑھا یا صاحب الحوت کی جگہ حرف طا پڑھا تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

13۔ اَلَمْ یَجِدک کی جگہ اَلَمْ یجبک پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

14۔ و لَا یستثنون کی جگہ لا یسطثنون پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

15۔ حَمَّالَۃَ الحَطب کی جگہ حرف تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہ ہیں وہ چند مثالیں جو امام قاضی خان نے نماز کے فساد اور عدمِ فساد کی صورت میں مختلف مثالوں کے ضمن میں بیان فرمائی۔

☆ پانچواں مسئلہ...... اسی طرح اگر لَم یَلِد وَ لَمْ یُولد میں ''دال'' کے بجائے حرف تا پڑھا تو نماز نہ ہوگی۔

☆ چھٹا مسئلہ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سین سے پڑھا جائے تو یہ سلوان سے مشتق ہو کر کچھ نہ کچھ صحیح معنیٰ پیدا کر دے گا۔

☆ ساتواں مسئلہ...... کیونکہ اس صورت میں ی لفظ ترک ہوگا۔ لیکن اگر لفظِ رَب میں تشدید چھوڑ دی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

☆ آٹھواں مسئلہ...... پہلی صورت میں فسادِ نماز کی وجہ بعد فحش ہے اور دوسری صورت میں صحتِ معنیٰ ہے۔

☆ نواں مسئلہ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا ماٴخذ اشتقاق ایک ہے۔

و اللّٰہ اَعْلَم

چند ضروری فوائد

۱) اگر کسی کلمہ کے بعض حروف کو آگے پیچھے کر دیا جائے جیسے عصَفْ کو "عفص" پڑھا جائے۔ یا خُسر کو سُرخ پڑھا جائے اگر معنیٰ میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۲) اگر کسی آیت کے کلمہ کو چھوڑ دیا جائے اگر معنیٰ میں تبدیلی نہ آئے جیسے ما تدری نَفس ماذا تکسب غداً یہاں لفظ ذا رہ گیا اور اسی طرح لئن اتبعت اھواھم من بعد ما جاءک من العلم میں لفظ من رہ گیا یا جزاء سیئة سیئة مثلھا میں دوسرا سیئة رہ گیا تو ان تینوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

۳) اور اگر معنیٰ میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے فما لھم لا یؤمنون میں حرف لا رہ جائے یا اِذا قری علیھم القرآن لا یسجدون میں حرف لا رہ جائے تو عام مشائخ کے نزدیک نماز نہ ہوگی۔ جبکہ بعض کے نزدیک ہو جائے گی۔ لیکن پہلی بات صحیح ہے۔

۴) اگر کسی آیت میں کوئی لفظ بڑھا دیا جائے اگر اضافہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور معنیٰ میں بھی تبدیلی نہیں آتی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے لا تعبدون الا اللّٰہ و بالوالدین اِحسانا ً و برًا ، یاذی القُربیٰ یااِنَّ اللّٰہ کان رحیماً ۔

۵) اگر معنیٰ میں تبدیلی پیدا ہو جائے لیکن وہ کلمہ قرآن مجید میں موجود ہو جیسے مَنْ اٰمَنَ باللّٰہ و الیوم الاٰخر و عمل صالحاً ، وکفر کفر فلھم اجرھم یااما من بخِل و استغنیٰ و امن و کذب بالحُسنیٰ ۔ اور اسی طرح اضافہ کہ جس کا اعتقاد کفر ہو تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور یہی حکم ہے اگر کلمہ قرآن مجید میں موجود نہ ہو اور معنیٰ میں تبدیلی آ جائے۔ لیکن اگر وہ قرآن مجید میں نہیں اور معنوی طور پر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی مثلاً کسی نے یوں پڑھا من ثمرة اذا اثمر و استحصده یا یہ پڑھا فیھما فاکھة و نخل و تُفاح و رُمّان تو ان ساری صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام قاضی خان نے اپنے مشہور فتاویٰ میں ان مثالوں کو نماز کی صحت اور عدمِ صحت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ کے صدقے تمام اہلِ علم مفسرین ، محدثین اور فقہائے کرام بلکہ تمام اہلِ اسلام پر اپنی خصوصی رحمت کی بارش نازل فرمائے اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

اختتام کتاب

اَلْکَلِمَاتُ الدُّعَائِیَۃُ

بِحَضْرَۃِ اللّٰہِ تَعَالیٰ شَانُہٗ وَ عَزَّ اسْمُہٗ وَ جَلَّ مَجْدُہٗ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ بلکہ بے حد و شمار شکر ہے کہ اس نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے، اس ناچیز خاکپائے اہلسنت کو مشہور معروف کتاب ''منیۃ المصلی'' کی اردو زبان میں تفصیلی شرح موسوم بنام '' اَنْوَارُ التَّجَلّٰی فِی حَلِّ مَا فِی مُنْیَۃِ الْمُصَلّٰی '' لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جو کئی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ بارگاہِ رب العزت میں عاجزانہ التجا ہے کہ وہ اس کو میرے لئے زادِ آخرت کا عظیم ذریعہ بنائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو یعنی مردوں، عورتوں اور بچوں کو اس کی طرف راغب فرمائے۔ اور اس کے پڑھنے، سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور اس کی نشر و اشاعت میں شب و روز کوشاں رہیں۔

''یا اللہ بجاہ الحبیب ﷺ اس کو میری طرف سے شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اور پوری دنیائے اسلام میں اس کی نشر و اشاعت اور پھیلنے کے کچھ غیبی اسباب پیدا فرما دیجئے۔ اور اس کو نہ مٹنے والی کتابوں میں شامل فرما دیجئے۔ اور اہلِ اسلام کے لئے اس کو زیب و زینت کا قیمتی زیور بنا دیجئے۔ کہ ہر طبقہ کے لوگ اس سے خاطر خواہ استفادہ کریں۔ اور دینی مسائل میں شب و روز اس کی طرف رجوع فرمائیں۔ پھر ہمہ اوقات کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں۔ اور نماز کے کسی شعبہ میں کبھی تشنگی محسوس نہ کریں۔ اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کا احتیاج نہ رکھیں اور ہمیشہ ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور اعتماد رکھیں، اور یہ ان کے اعتماد پر پوری اُترے پس میں اس کا انتساب اپنے مایۂ ناز، جلیل القدر، مربی استاذ اور والد گرامی شیخ الاسلام، مخدوم اہلِ سنت علامہ زمان حضرت قاضی محمد عبدالسبحان علیہ الرحمۃ و الرضوان الیٰ یوم المیزان کے نام نامی اور اسمِ گرامی کی طرف کرتا ہوں۔ کہ جن کے فیوض و برکات، روحانی اور باطنی توجہ اور نگاہ کیمیاء اثر نے مجھے اس منزل عروج تک پہنچایا۔ اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف اور کتب بینی کے ذوق و شوق سے ہمکنار اور آشنا کیا ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔

یا اللہ! میرے والدین کریمین، تمام اساتذہ جمیع لواحقین، متعلقین، تمام مشائخ و بزرگان دین، سلاسل اربعہ، آئمہ طریقت، و آئمہ شریعت اور جملہ اہلِ اسلام اور کتاب منیۃ المصلی کے مصنف فقیہ شیخ سدید الدین کاشغری اور

اس کے تمام شُراح خصوصاً علامہ ابراھیم بن محمد حلبی ان سب مذکورین مرحومین پر دائماً بارانِ رحمت کا نزول فرمائیے۔ ان کی قبور کو جنت کے باغات بنا دیجئے اور اپنے جوار رحمت اور قرب خاص کو ان کا مسکن وٹھکانہ بنا دیجئے۔ اور انھیں اپنے اور اپنے حبیب کریم ﷺ کی زیارت عالیہ سے مشرف کر دیجئے اور میرے لئے ان سب حضرات کو کونین میں وسیلہ بنا دیجئے۔ آمین

اعتذار بصد اعتبار

میں نے اس شرح کے اہتمام، اور اس کے مسائل کی چھان بین کرنے میں حتی الامکان بے حد کوشش اور سعی کی۔ اور کسی مسئلہ کو مجمل اور مہمل نہیں چھوڑا اور تحقیق و تدقیق کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ الغرض جہاں تک انسانی وسعت اور طاقت کا تعلق ہے اس کے مطابق بھر پور انداز میں اپنی قوت دانست کو صرف کیا اور کسی گوشہ کو ناقص اور ادھورا نہیں چھوڑا مگر اس کے باوجود قارئین حضرات کو اگر کہیں کوئی غلطی اور فروگزاشت نظر آئے تو بر بنائے عفو و کرم حتی الامکان اصلاح فرمادیں۔ اور اگر ہو سکے تو مجھے اس پر مطلع کر دیں تا کہ آئندہ اس فروگزاشت کی تصحیح ہو سکے کیونکہ انسان سہو ونسیان کا پتلا ہے۔ (الانسان مرکب من الخطاء و النسیان) اور ارباب کرم کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

بر کریماں کارھا دشوار نیست

اور اس کوتاہی اور فروگزاشت کو میرا قصور سمجھا جائے نہ کہ اہل کمال کا لہذا اسے میری طرف منسوب کیا جائے:

ان کنت مصیبًا فمن اللّٰہ و ان کنت مُخطئا فمن عند نفسی

چند خصوصیات شرح

1۔ سب سے پہلے عبارت کتاب کا مکمل عام فہم انداز میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

2۔ مشکل الفاظ اور اصطلاح کلمات کی پوری اور مکمل تشریح اور وضاحت کی گئی۔

3۔ پھر مضامین کتاب اور موضوعات مسائل پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔ جہاں احناف اور دیگر آئمہ کا باہم اختلاف ہے اس کی پوری نشاندہی کی گئی اور پھر دونوں فریقین کے دلائل پیش کر کے قوت دلائل اور صراحیت استدلال کی بنا پر فیصلہ بحق احناف کیا گیا ہے۔ اگر کوئی نادر بات ہوئی تو اس کا ذکر بھی کر دیا گیا۔

4۔ ہر فصل اور بحث کے خاتمہ پر کچھ زائد مسائل اس کے مناسب درج کئے گئے ہیں تا کہ پوری فصل اور باب تکمیل و اتمام کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو جائے۔

5۔ فقہی احکام کو یکجا کر کے، ان کی تعریف، اقسام اور ہر ایک کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے۔

6۔ اصطلاح کلمات کا خصوصی مفہوم عند الفقہاء ذکر کیا گیا ہے۔ اور کتاب کی حد تک انہیں نمبر شمار کے حساب حروف تہجی کے مطابق ترتیب وار درج کیا گیا ہے۔

7۔ منیۃ المصلی میں بعض کتاب اور بعض اکابرین فقہ کے اسماء آئے ہیں انہیں بھی تشریح و توضیح کے ضمن میں پیش اور ساتھ ہی آئمہ اربعہ

کے بالکل مختصر اور بنیادی حالات درج کئے گئے ہیں۔

8۔ آخر میں مصنف کتاب اور اس کے بعض شارحین کے تلاش یافتہ حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول گرامی ﷺ کے صدقے ان سب چیزوں کو مقبول اور منظور فرمائے اور اس بندۂ عاجز کی طرف سے صدقہ جاریہ اور تحفۂ آخرت اور نجات فاخرہ زاہرہ قرار دے۔ آمین یارب العالمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُجِیْبٌ وَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْکَ اُنِیْبُ وَ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ وَ بِکَ نَسْتَعِیْنُ فِی الْاُوْلیٰ وَ الْاٰخِرَةِ بِحُرْمَةِ الْحَبِیْبِ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَ صَاحِبِ الشَّفَاعَةِ الْعُظْمیٰ وَ صَلَّی اللّٰهُ تعالیٰ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ وَ عَلیٰ اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اِلیٰ یَوْمِ الدِّیْنِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

ابوالوفا رمفتی محمد سیف الرحمٰن

تاریخ رقم 29 مئی 2000ء اواخر صفر ۱۴۲۱ھ

بروز دوشنبہ، وقت نیمروز (دوپہر) نشست در کتب خانہ خود۔

ابحاث متروکہ

نوٹ

مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب میں بعض ضروری فصلوں اور ابحاث متعلقہ بمسائل الصلوٰۃ کو چھوڑ دیا ہے۔ اور وجہ ترک معلوم نہ ہو سکی، شاید اندیشہ تطویل یا عدم فرصت ہو۔ و اللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال و علی سرائر الاحوال کہ ایسا کیوں ہوا؟ چنانچہ علامہ ابراھیم بن محمد حلبی نے تکمیل اور اتمام کتاب کے پیش نظر ان متروکہ ابحاث کو اپنی دونوں شروح (صغیری و کبیری) میں بالاستیعاب ذکر فرمایا ہے لہٰذا ہم بھی انہیں استفادہ قارئین کے خیال سے ذیل میں ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بجاہ الحبیب ﷺ اس کاروائی کو مقبول و منظور فرمائے۔ (آمین)

فصل ...... نمازوں میں تلاوت قرآن مجید کے چند مسائل

1۔ بہتر یہ ہے کہ قرآن مجید کو موجودہ ترتیب و تالیف کے مطابق تلاوت کرے۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین سے یہی ثابت ہے۔

2۔ افضل یہ ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پوری سورۃ پڑھے۔ لیکن اگر ایک سورۃ کے دو حصے کر کے دو رکعتوں میں پڑھا تو بعض کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔

3۔ اگر ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں نماز میں پڑھنا چاہے تو صحیح یہ ہے کہ جب تین آیتیں چھوٹی سورۃ کی مقدار ہو جائیں تو بہتر ہے۔ بعض نے اس طریقے کو مکروہ قرار دیا ہے کہ ایک سورۃ کا کوئی آخری حصہ ایک رکعت میں پڑھا جائے اور دوسری سورت کا آخری حصہ دوسری رَکعت میں پڑھا جائے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ چنانچہ امام قاضی خان نے یہی فرمایا۔

4۔ اگر پہلی رکعت میں کسی سورۃ کا ابتدائی حصہ یا درمیانی حصہ پڑھا پھر دوسری رکعت میں کسی دوسری سورۃ کا درمیانی یا ابتدائی حصہ پڑھا یا کوئی چھوٹی سورۃ پڑھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ لیکن بلا وجہ ایسا نہ کرے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ سنن نسائی میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کی یہ روایت ہے کہ ’’حضور ﷺ نے نمازِ مغرب میں سورۂ اعراف کو تقسیم کر کے دو رکعتوں میں پڑھا‘‘ اگر ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جائے۔ بشرطیکہ دونوں ایک ہی سورۃ کی آیتیں ہوں تو اگر درمیان میں دو یا زائد آیتیں چھوڑ دے تو مکروہ نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کرے۔

5۔ اگر نماز کی ہر رکعت میں کوئی سورۃ پڑھے لیکن درمیان سے کوئی سورۃ چھوڑ دے تو مکروہ ہے ہاں اگر درمیان والی سورۃ بہت طویل ہو کہ جس سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے زیادہ طویل ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر درمیانی سورۃ کو چھوڑ دینا مکروہ نہیں۔ اسی طرح دو

سورتوں کے درمیان سے تین سورتیں چھوڑ دے، یا دو سورتیں چھوڑ دے تو کراہت نہ ہوگی۔ اور یہی صحیح ہے۔

6۔ اگر ایک رکعت میں دو سورتیں اکٹھی پڑھے اگرچہ یہ جائز ہے مگر فرائض میں ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔

7۔ اگر نماز کی ایک رکعت میں ایک آیت چھوڑ کر دوسری کی طرف چلا جائے تو مکروہ ہے۔ لہذا بلا ضرورت ایسا نہ کرے۔ اگر بھول کر ایسا ہو گیا تو پھر لوٹ کر ترتیب کے مطابق آیات پڑھے۔ اگر ایک آیت کو کئی مرتبہ پڑھا تو نوافل میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن فرائض میں بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (کذا فی المحیط)

8۔ اگر نماز کی کسی رکعت میں تلاوت کردہ سورۃ سے پہلی سورۃ پڑھی جیسے پہلی رکعت میں سورۃ لہب پڑھی اور دوسری میں العصر دانستہ ایسا کیا تو یہ مکروہ ہے۔ البتہ بھولنے کی صورت میں کراہت نہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ نوافل میں گنجائش ہے لیکن فرائض میں ایسا نہ کرے۔ علی بن احمد سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے ظہر کی پہلی رکعت میں سورۃ الفلق پڑھی اور دوسری میں سورۃ الاخلاص، پھر پڑھنے کے دوران اسے یاد آیا کہ اسے سورۃ الناس پڑھنی چاہئے تو موصوف نے فرمایا کہ وہ شروع کی ہوئی سورۃ کو پورا کرے۔

9۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ الناس پڑھی تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ دوسری رکعت میں بھی یہی سورۃ پڑھے۔ اس لئے کہ کسی سورۃ کا تکرار الٹا قرآن مجید پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ ترتیب سے قرآن مجید پڑھنا اس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر سہواً ایسا ہو گیا تو کراہت نہ ہوگی۔ جو کوئی نماز میں قرآن مجید ختم کرنا چاہے اور آخری دو رکعتوں میں پہلی رکعت میں آخری دو سورتیں پڑھ ڈالے۔ پھر جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں زیادہ بہتر وہ ہے کہ جو قرآن مجید ختم کر کے پھر شروع کرے۔ (والولجیۃ)

10۔ فتاوٰی حجت میں ہے کہ تلاوت قرآن مجید کی تین صورتیں ہیں: ا۔ فرائض میں تلاوت اس کی صورت یہ ہے کہ آرام واطمینان، تفکر و تدبر سے ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے۔ ۲۔ نماز تراویح میں تلاوت، اس میں درمیانی رفتار سے تلاوت کرے۔ ۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ رات کے نوافل میں تلاوت کرے یہاں یہ حکم ہے کہ شروع کر کے پھر تیز رفتار ہو جائے۔

فائدہ

کتب سیرت میں آیا ہے کہ امام اعظم ایک رات میں نماز کی ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ اور اکثر اوقات ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور نماز میں اس قدر گریہ وزاری کرتے کہ پڑوسیوں کو ان کے حال پر ترس آتا۔ جہاں آپ کی وفات ہوئی، وہاں سات ہزار مرتبہ قرآن مجید پڑھا۔ رمضان شریف میں اکسٹھ (۶۱) قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ تیس دن کو تیس رات کو اور ایک نماز تراویح میں پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ تیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی، امام قاضی خان نے اس کو ذکر کیا۔ شداد بن حکم کے بارے میں آیا ہے کہ انھوں نے ساٹھ سال تک ایک ظہر کے وضوء سے دوسرے دن کے ظہر کی نماز پڑھی۔ (کذا فی البزازیہ) امام نووی سے بعض صالحین کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ہر روز آٹھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ یختص برحمتہ من یشاء (القرآن)

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فائدہ

سات قرأت اگرچہ پڑھنی جائز ہیں اوران کے پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ جیسے ابوجعفر اور ابن عامر وغیرہ کی قرأت۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ عام لوگوں کی موجودگی میں نہ پڑھے۔ تاکہ وہ شبہ اور تردد میں نہ پڑ جائیں۔ اور عجیب کلمات کا تمسخر اور مذاق نہ اڑائیں۔ حنفی مشائخ کے نزدیک ابوعمرو اور حفص عن عاصم پسندیدہ ہے۔ فتائی حجت میں اسی طرح مذکور ہے۔

فصل......نماز سے باہر تلاوت قرآن مجید کے بعض احکام

۱- جتنی مقدار سے نماز جائز ہوتی ہے۔ اتنی مقدار کا یاد کرنا ہر مکلف پر فرض ہے۔ سورۃ فاتحہ اور کسی سورۃ کو یاد کرنا واجب ہے۔ اور پورے قرآن مجید کو یاد کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور الف سنت عین پر کاربند ہونا نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا یادداشت سے پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں دو عبادتوں کا اجتماع ہے، پڑھنا، دیکھنا۔

تلاوتِ قرآن کے آداب

۲- قرآن مجید پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ صاف ستھرا لباس پہنے اور باوضو ہو کر قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے اور **اَعُوْذُ باللہ** اور **بسم اللہ** پڑھے۔ جب تک اس تلاوت میں کوئی دنیاوی کام حائل نہ ہو اس وقت تک ایک مرتبہ تعوّذ پڑھنا کافی ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے سلام کا جواب دیا یا مؤذن کی اذان کا یا تسبیح وتہلیل پڑھی تو اس صورت میں دوبارہ اعوذ باللہ پڑھنا ضروری نہیں۔ (فتاویٰ حجت)

۳- قرآن مجید کی ہر سورۃ شروع کرتے وقت بسم اللہ شریف پڑھے۔ لیکن اگر سورۃ انفال پڑھنے کے بعد علی وجہ الاتصال سورۃ توبہ پڑھی تو اس کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھے۔ لیکن اگر تلاوتِ قرآن مجید کا آغاز اسی سورۃ توبہ سے کیا تو پھر آغاز میں بسم اللہ شریف ضرور پڑھے۔ رہی یہ بات کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے صرف سورۃ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں لکھی گئی۔ تو اس ترک کی وجہ میں باہم صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ بسم اللہ شریف امان ہے اور یہ سورۃ امان اٹھانے کے لئے نازل ہوئی۔ اس لئے اس کے شروع میں بسم اللہ شریف نہ لکھی گئی۔ اور حضرت عثمان سے روایت ہے کہ جب کوئی سورۃ یا آیت نازل ہوتی تو حضور ﷺ کاتبین وحی سے ارشاد فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ لکھ دو۔ لیکن حضور ﷺ کا اس حال میں وصال ہوا کہ آپ نے یہ نہ ارشاد فرمایا کہ سورۃ توبہ کو کہاں رکھا جائے۔ کیونکہ اس کے واقعات اور سورۃ انفال کے واقعات ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے تھے۔ اس لئے سورۃ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا۔ اور بعض صحابہ کرام کا یہ خیال تھا کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ ایک ہی سورۃ کے دو نام ہیں الگ الگ سورتیں نہیں۔ دونوں کا جہاد کے بارے میں نزول ہوا۔ جبکہ بعض کا خیال تھا کہ یہ الگ الگ دو سورتیں ہیں اس لئے دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ کر دیا گیا۔ تاکہ جو انھیں دو سورتیں قرار دیتے ہیں ان کی تائید ہو جائے۔ اور بسم اللہ نہ لکھی گئی تاکہ دونوں کو ایک سورۃ کہنے والوں کی تائید ہو جائے۔ اور قولِ فیصل یہ ہے کہ اگر دورانِ تلاوت سورۃ توبہ آجائے تو بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ لیکن اگر تلاوت کرنے والا اسی سے تلاوت شروع کرے تو پھر وہ ضرور بسم اللہ شریف پڑھے۔ (کبیری، النوازل)

تلاوتِ قرآن کی مُدت

تلاوت قرآن مجید کی مُدت کہ کتنے وقت میں قرآن مجید ختم کیا جائے مختلف اقوال ہیں:

۱- چالیس دن میں قرآن مجید پڑھا جائے۔۲...... چھ مہینے میں ختم کیا جائے۔۳...... ایک ہفتہ میں ختم کیا جائے۔۴:۔ ہر مہینے میں ختم کیا جائے۔ امام ابوعصمہ نے اسی پرفتویٰ دیا ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ موسمِ گرما میں دن کے پہلے حصے میں ختم کیا جائے۔ اور سردیوں میں رات کے پہلے حصے میں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سنن داری میں سعید بن وقاص سے یہ روایت آئی ہے کہ اگر ختمِ قرآن مجید شروع دن میں کیا جائے تو شام تک فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اور شروع رات میں کیا جائے تو پھر صبح تک فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔ لہذا گرمیوں کے دنوں میں اور سردیوں کی راتوں میں ختم قرآن مجید میں یہ فلسفہ ہے کہ دیر تک فرشتے ختم قرآن مجید کرنے والے پر صلوٰۃ بھیجتے رہیں۔ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنا بہتر نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے قرآن مجید کو سمجھا نہیں جس نے تین دنوں سے کم میں ختم کیا۔

۲- اگر تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی جائے تو پورے قرآن مجید کا ثواب ہوتا ہے۔ لہذا ختمِ قرآن مجید کے موقع پر اسے تین مرتبہ پڑھا جائے۔ لیکن بعض مشائخ نے اس کو اچھا نہیں سمجھا۔ لیکن امام ابواللیث نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا کام ہے کہ جس کو اہلِ قرآن اور تمام دنیا کے اماموں نے مستحسن قرار دیا ہے۔ لہذا اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر فرائض میں ختم کرے تو پھر ایک ہی مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے۔

۳- لیٹ کر قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ پاؤں کو سمیٹ لے۔ اور اسی طرح چلتے پھرتے یا کوئی کام کرتے وقت بھی تلاوتِ قرآن میں کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ چلنا پھرنا اور کام کرنا دل پر اثر انداز نہ ہو۔ ورنہ اس حالت میں تلاوتِ قرآن مکروہ ہوگی۔

۴- امام بقال سے پوچھا گیا کہ مکروہ اوقات میں تلاوتِ قرآن بہتر ہے یا حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا اور ذکر دتسبیحات میں مشغول ہونا تو فرمایا کہ مکروہ اوقات میں تلاوتِ قرآن کرنے کے بجائے، درود، دعا اور تسبیحات پڑھے۔

۵- حمام میں قرآن مجید پڑھنا، بشرطیکہ کوئی ننگا نہ ہو اور جگہ پاک صاف ہو تو جائز ہے۔ خواہ آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے۔ لیکن اگر وہاں مذکورہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر دل میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن جہر مکروہ ہے۔

۶- ذبح خانے، غسل خانے اور مقامات نجاست میں تلاوتِ قرآن پاک مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبروں کے پاس بھی تلاوت مکروہ ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۷- اگر کوئی شخص علمِ فقہ کی کتابت کر رہا ہے اور اس کے پاس ہی کوئی دوسرا قرآن مجید پڑھتا ہے لیکن کاتب اپنے لکھنے کی وجہ سے قرآن مجید سُن نہیں سکتا تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا۔ کہ وہ ایسی جگہ کیوں تلاوت کر رہا ہے جہاں لوگ اپنے کام کاج میں مصروف ہیں۔ اسی کے مطابق یہ مسئلہ ہے کہ رات کو اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا جبکہ لوگ سو گئے ہوں تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اسی طرح کرنے سے یہ گنہگار ہوگا۔ (کذافی الخلاصۃ) لیکن امام حلبی لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے قرآن مجید کا سننا فرضِ کفایہ ہے۔ اگر ایک بھی سنے تو باقی سبکدوش ہو جائیں گے۔

۸- ایک بچہ قرآن مجید کی بلند آواز سے تلاوت کر رہا ہے جبکہ اس کے گھر والے اپنے کام کاج میں مصروف ہیں تو وہ تلاوت قرآن مجید نہ

خود راقم شارح نے اس پر یہ اشکال وارد کیا کہ کتب روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شاھان عجم ایران اور روم کے فرماں روا کو نامہ مبارک تحریر فرمائے کہ جن میں قرآنی آیات مذکور تھیں اگر کوئی کافر مشرک قرآنی آیات کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تو پھر انہیں یہ مبارک گرامی نامے کیسے ارسال کئے گئے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ شاھان عجم یعنی مشرک بادشاہوں نے انہیں پڑھا۔ اور عام عادت کے مطابق بغیر ہاتھ لگائے پڑھا نہیں جا سکتا پس اس سے جب پڑھنا معلوم ہوا تو انہیں ہاتھ لگانا ثابت ہو گیا جب حضور اقدس ﷺ کے عمل سے آیات قرآنیہ کا مَس ثابت ہوا تو فقہائے کرام کا اس کے خلاف فتویٰ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

لہٰذا غایۃ مافی الباب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضرورت تبلیغ اور دعوت اسلام کے لئے ایسا رویہ اختیار کیا گیا لہٰذا آئمہ فقہ کا فتویٰ عام حالات پر مبنی ہے لہٰذا دونوں میں کچھ تعارض نہیں۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ جواب مذکور از طرف آئمہ فقہ کسی حد تک درست ہے مگر یہاں جس جزئیہ میں یہ سوال پیدا ہوا اس میں یہ جواب کافی نہیں بلکہ غیر تسلی بخش ہے اس لئے جزئیہ مذکورہ میں یہی آیا ہے کہ کیا تعلیم اور اسلام سے آشنا ہونے کے لئے کسی کافر کو اسلامی تعلیم دی جا سکتی ہے تو اس ضمن میں یہ جواب دیا گیا کہ ہاں تعلیم دی جا سکتی ہے لیکن مصحف شریف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اگر یہ جواب دیا جاتا کہ اسے قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم نہیں دی جا سکتی اس لئے کہ وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تو بات اور تھی مگر یہاں تو یہ فرمایا گیا کہ وہ مصحف شریف سے تعلیم تو حاصل کر سکتا ہے مگر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

تو ہم یہاں یہی گزارش کرینگے جیسے وہاں ضرورت تبلیغ کی وجہ سے مس مصحف (آیات قرآنیہ کی) اجازت دی گئی اور یہاں بھی وہی ضرورت تبلیغ وارشاد ہے لہٰذا بربنائے ضرورت جواز ہونا چاہئے کیونکہ جب علت ایک ہے تو پھر دونوں میں جواز یا عدم جواز ہونا چاہئے لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صورت میں جواز اور دوسری میں عدم جواز ہو پس معلوم ہوا کہ یہ تفرقہ ٹھیک نہیں کیونکہ بے بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک مس مصحف کے لئے طہارت شرط ہی نہیں لہٰذا بدون طہارت بھی اسے ہاتھ لگانا جائز ہے۔ چنانچہ ابنِ حزم ظاہری نے "المعلّٰی" میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

۱۵......قرآن مجید پڑھ کر بھلا دینا عظیم گناہ ہے

جس نے قرآن مجید سیکھا، پھر اسے بھلا دیا تو وہ گناہگار ہوگا اور بھلا دینا یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے چنانچہ کتب حدیث مثلاً ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے امور ثواب (چھوٹے اور بڑے) پیش کئے گئے یہاں تک کہ یہ چھوٹا سا ثواب کا کام بھی پیش کیا گیا کہ کوئی شخص مسجد سے کوڑا کرکٹ باہر نکال دے (تو اس پر بھی اجر ملے گا) اور امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے تو میں نے سب سے بڑا گناہ کہ کوئی شخص قرآن مجید کو سیکھ کر پھر بھلا دے۔ اور ابوداؤد اور سنن نسائی میں یہ آیا ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن مجید پڑھ کر بھلا دے تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے کوڑھ ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

۱۶......غلط پڑھنے والے کی درستگی/اصلاح

اگر کوئی شخص قرآن مجید غلط پڑھتا ہو تو سامع پر یہ واجب ہے کہ اس کی اصلاح کر دے بشرطیکہ لڑائی جھگڑے اور بغض وعداوت کا خطرہ نہ ہو ورنہ اصلاح اور درستگی کا خیال چھوڑ دے۔

۱۷......تلاوت قرآن مجید میں ترجیع وتلحین کا حکم

عام مشائخ کے نزدیک تلاوت قرآن مجید میں ترجیع وتلحین مکروہ ہے۔(تلحین) اعرابی غلطی کرنا اور گانے کی طرز پر قرآن مجید پڑھنا۔اور''ترجیع'' حلق میں آواز گھما گھما کر قرآن مجید پڑھنا۔چونکہ یہ اوباش اور بدکار لوگوں کی روش اور طریقہ ہے پس اس طرح پڑھنا ان سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے مکروہ ہے۔اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ حروف میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو اور اگر لحن سے حروف بدل جائیں تو لحن مغیر حروف حرام ہے۔اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۱۸......قرآن مجید لکھنے کا شرعی حکم

قرآن مجید کا سائز بہت چھوٹا رکھنا اور باریک قلم سے حروف اور عبارت باریک طریقہ پر لکھنا، یونہی فرشوں، دیواروں اور محرابوں پر قرآن مجید لکھنا کوئی اچھا اور عمدہ کام نہیں کیونکہ یہ اس کے مقصد کے خلاف اور اس کی تکریم وتعظیم کے شایانِ شان نہیں بلکہ ایک گونہ اس کی توہین ہے لہٰذا ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔لیکن اسے خوبصورت،حسین وجمیل اور زیور سے آراستہ پیراستہ کرنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ یہ عمدہ اور قابل قدر کام ہے۔اور اسی طرح اس پر اعراب، نقطے اور اس کی منزلیں اور عشر (دسواں حصہ) وغیرہ کا اہتمام کرنا احسن طریقہ ہے۔

خلاصہ کلام......قرآن مجید چھپوانے اور اس کی نشر واشاعت میں اعلیٰ سے اعلیٰ ہر ممکن اہتمام کیا جائے مثلاً سائز موزوں ومناسب ہو، بے حد چھوٹا یا بے حد بڑا نہ ہو بلکہ درمیانہ سائز ہو جو دیکھنے والوں کے لئے جاذب نظر اور وجہ سرور ہو۔ اوراق عمدہ اور اعلیٰ ہوں۔گھٹیا اور ناقص نہ ہوں۔کتابت عمدہ اور معیاری ہو حروف،کلمات، الفاظ، آیات، رکوعات، سورتیں اور پارے، اوقاف منازل، ربع، سدس، اور عشر، سورتوں کے مکی مدنی اور رکوعات وآیات کی تعداد برمحل ہو۔اور یہ سب کام، اعلیٰ پیمانے اور معیاری انداز پر کئے جائیں پروف ریڈنگ اور صحت کتابت کو چیک کرنے والے ماہر اور تجربہ کار حفاظ کرام اور کہنہ مشق قراء حضرات کا ایک بورڈ ہو جو بنیاد دین سمجھ کر اس کام کو سرانجام دیں محض دفع الوقتی اور مفاد پرستی ان کے پیش نظر نہ ہو۔پھر بار بار دیکھنے اور چیک کرنے کے بعد اتفاقِ رائے اور اجتماع فکر سے اپنے فیصلہ کرنے کا فیصلہ کریں۔ اور قارئین وناظرین کو یہ موقع دیں کہ اگر کوئی خطا اور لغزش معلوم ہو جائے تو وہ پہلی فرصت میں ادارۂ قرآن کو اس سے آگاہ کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تدارک مافات اور اصلاح ماسبق علی احسن الوجوہ ہو سکے۔اور اس کام کا اہتمام وانتظام خود حکومت پاکستان (یا دوسرے اسلامی ممالک) اپنی نگرانی میں کروائیں تاکہ قرآن مجید کی کتابت وطباعت اور نشر واشاعت ایک خاص اور عمدہ معیار کے مطابق ہو۔اور جتنے نجی اور پرائیویٹ کاروباری ادارے محض زراندوزی کی خاطر کاروبار اور تاجرانہ نوعیت سے اس مقدس اور پاکیزہ کام کا اپنے ذمے ٹھیکہ لئے ہوتے ہیں کہ آئے دن ناقص اور غیر معیاری قرآن مجید ان کے ہاں سے مارکیٹ آرہے ہیں کہ عوام نہ سمجھنے کی وجہ سے انہیں اسی طرح پڑھتے جارہے ہیں پس ایسے برائے نام اداروں کو فی الفور بند کیا جائے اور انہیں اس عظیم کام سے سبکدوش کرنے کے لئے ایک خاص نگران کمیٹی تشکیل دی جائے کہ وہ بڑی جلدی پورے اہتمام سے ایسے خائن گروہ کا محاسبہ کرکے انہیں عوام کے سامنے بے نقاب کردیں تاکہ یہ عظیم کام عظیم لوگوں کی نگرانی میں سرانجام پائے۔امید ہے کہ میری مذکورہ بالا گزارشات اور معروضات کو بھی کسی دینی جذبہ رکھنے والے

صاحب نے پڑھا یا وہ ان سطور پر آگاہ ہوا تو ضرور اپنا فرض منصب نبھانے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین فہمی اور دین کوشی کی توفیق دے۔ (آمین)

و ما علینا الا البلاغ

پندھا دادیم حاصل شد فراغ ما علینا یا اخی الا البلاغ

۱۹......بوسیدہ قرآن مجید کا شرعی حکم

اگر قرآن مجید کے اوراق، بوسیدہ اور پرانے ہو جائیں جو استعمال کے قابل نہ ہوں تو ان کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ انھیں کسی پاک صاف کپڑے میں لپیٹ کر کسی پاک وصاف جگہ گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دے لیکن ان کے اوپر مٹی نہ ڈالے بلکہ گڑھے کے اوپر کوئی چوڑا پتھر رکھ کر اس پر مٹی ڈالے تا کہ وہ مٹی پڑنے سے محفوظ رہیں۔ اور سرہانے کوئی تختی اس عنوان کی (بوسیدہ قرآن مجید) تا کہ ان پر کسی کا پاؤں نہ آئے۔ اور دفن بھی کسی ایسی جگہ کرے کہ جو عام گزرگاہ نہ ہو اور مال مویشی کے چرنے اور گزرنے کی جگہ بھی تا کہ اچھی طرح حفاظت ہو سکے اس کے علاوہ اور دو طریقے بھی ہیں۔ ایک جلا دینا، اور دوسرا کسی دریا میں بہا دینا چنانچہ آئمہ فقہ مثلاً درمختار اور فتاویٰ میں یہ تینوں طریقے مذکور ہیں مگر ان سب میں پہلا طریقہ زیادہ اچھا اور زیادہ موجب تحفظ ہے لہذا اسی کو اختیار کیا جائے۔ اور ان سے کسی دوسرے قرآن مجید کی جلد بند کرنا درست نہیں (کیونکہ محترم چیز کو کسی دوسری قابل احترام چیز کے لئے نہیں استعمال کیا جا سکتا۔ بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ (اسی طرح) اوراقِ حدیث سے مصحف شریف اور کتب فقہ کی جلد بندی کی جا سکتی ہے لیکن اور کی نہیں۔

۲۰......تکیہ لگانا اور سوار ہونا

حفظ کی ضرورت قرآن مجید سرہانے جائز ہے لیکن بغیر حفظ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح کسی ایسی بوری وغیرہ پر بوجہ ضرورت بیٹھنا کہ جس میں مصحف شریف ہو کسی حد تک جائز ہے لیکن حتی الامکان ایسے عمل سے اجتناب اور پرہیز و گریز کرے۔

فصل......سجدہ تلاوت۔ کے بعض مسائل

تمہید

قرآن مجید میں چودہ (۱۴) مقامات ایسے ہیں کہ جن میں آیات سجدہ ہیں اور وہ یہ ہیں: ۱:۔ آخر الاعراف۔ ۲:۔ الرعد۔ ۳:۔ النحل ۴:۔ آخر بنی اسرائیل۔ ۵:۔ مریم۔ ۶:۔ پہلا مقام سورۂ حج۔ ۷:۔ الفرقان۔ ۸:۔ النمل۔ ۹:۔ الم تنزیل۔ ۱۰:۔ سورۃ ''ص''۔ ۱۱:۔ سورۃ فُصلت۔ ۱۲:۔ النجم۔ ۱۳:۔ الانشقاق۔ ۱۴:۔ العلق۔ مقامات مذکورہ میں کچھ ایسی چند آیات ہیں اگر وہ پڑھ لی جائیں یا کوئی سن پائے تو دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے لہذا اس کے لئے طریقہ یہ ہے کہ بحالت قیام بغیر ہاتھ اٹھائے ''اللہ اکبر'' کہہ کر سجدہ میں چلا جائے پھر چند مرتبہ تسبیحات سجدہ پڑھ کر سجدہ سے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے پس اس میں تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھانا، تشہد پڑھنا اور سلام پھیرنا نہیں البتہ کھڑے ہو کر تکبیر کہہ کر سجدہ میں جانا اور پھر تکبیر کہہ کر کھڑا ہونا ہے گویا یہ دو تکبیروں کے درمیان مسنون ہے۔

اقول ...... لما صرح به الشامی فمن قرأ آیة السجدة فی الصلوٰة و اراد ان یتادا ها فی الرکوع و

السجود بدون التکبیر فلیس بمسنون لان ادائها بالتکبیرتین مسنون کما هو المصرّح (اھ)

اگر تلاوت قرآن مجید کرنے والا ہر آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کر ڈالے یا ختم قرآن مجید کے بعد چودہ سجدے ادا کرے تو یہ دونوں صورتیں صحیح ہیں۔ لیکن اگر بالکل چھوڑ دے اور بے احتیاطی سے انہیں نظر انداز کر دیا تو ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار اور قابل مواخذہ ہوگا لہذا ان دونوں باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے۔ چنانچہ علامہ حلبی صغیری صفحہ ۲۶۰ پر لکھتے ہیں یجب علیه ان یسجد بشرائط الصلوٰة الا التحریمة سجدة بین تکبیرتین مستحبتین یعنی سجدۃ تلاوت میں سوائے تکبیر تحریمہ باقی تمام شرائط نماز (مثلاً سجدہ کرنے والے با وضو ہوں، مکان اور لباس ڈک ہونا پاس ہونا وغیرہ) کا پایا جانا ضروری ہے اور سجدہ دو مستحب تکبیروں کے درمیان ہو۔

۱) آئمہ کرام کا اختلاف: امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک سورۂ ''ص'' میں سجدہ تلاوت نہیں اور سورۂ حج میں بھی دوسرے مقام پر سجدہ ہے۔ امام مالک کے نزدیک آخری تین میں سجدہ تلاوت نہیں یعنی النجم، الانشقاق اور سورۃ العلق میں سجدہ تلاوت نہیں لہذا امام مالک کے نزدیک صرف گیارہ سجدے ہیں۔ نیز آئمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہونے کے بجائے صرف سنت ہے۔

۲) یہ کس پر واجب ہے...... تالی (تلاوت کرنے والا) اور سامع (سننے والا) دونوں پر واجب ہے خواہ ارادہ سماع ہو یا نہ ہو۔ اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی مگر مقتدی نے نہیں سنی تو اتباع امام کی وجہ سے اس پر بھی واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے سجدہ تلاوت نہ کیا تو مقتدی بھی نہ کرے اگر چہ اس نے آیت سجدہ اپنے امام سے سنی ہو۔

۳) سجدہ تلاوت کن پر واجب اور کن پر واجب نہیں...... ۱۔ مقتدی ۲۔ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہیں ۳۔ حائضہ اور نفاس والی عورت ۴۔ کافر ۵۔ بچہ ۶۔ دیوانہ ۷۔ سویا ہوا ۸۔ صدائے بازگشت یعنی گنبد وغیرہ کی گونج سے ۹۔ سکھائے پرندہ کی آواز سے مذکورہ بالا افراد پر سجدہ نہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل افراد پر سجدہ تلاوت واجب ہے...... ۱۔ امام محمد کے نزدیک شریک نماز مقتدی اگر دوسرے مقتدی سے آیت سجدہ سنیں تو بعد از فراغت نماز سجدہ تلاوت کریں۔ ۲۔ جو لوگ شریک نماز نہیں مگر انہوں نے آیت سجدہ شریک نماز مقتدی سے سنی تو وہ بالا جماع سجدۂ تلاوت ادا کریں۔ اگر کوئی نمازی جو امام کی نماز میں شریک نہیں۔ اگر اس نے آیت سجدہ بزبان مقتدی سن لی تو وہ نماز کے بعد سجدہ کرے لیکن نماز میں بالکل سجدہ تلاوت نہ ادا کرے۔ اور اگر اس نے نماز کے اندر ہی سجدہ کر لیا تو سجدہ تلاوت اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (بلکہ بدستور اس کے ذمے ہوگا) ہاں البتہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

۴) مسئلۂ عجیبہ...... تکمیل سجدہ صلوٰتیہ میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک زمین پر پیشانی رکھنے سے سجدہ مکمل ہو جاتا ہے لیکن امام محمد کے نزدیک سر اٹھانے سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اختلاف سجدہ صلوٰۃ میں ہے لہذا سجدہ تلاوت میں کوئی اختلاف نہیں پس اس میں ظاہر یہی ہے کہ وہ رفع الرأس عن الارض سے مکمل ہو جائے گا لہذا اگر قبل الرفع اس نے بات کر دی یا بے وضو ہو گیا تو اس پر اعادہ ضروری ہے۔ (شرح مجمع)

اگر آیت سجدہ کو حرف تہجی کی صورت میں ایک ایک حرف کر کے پڑھے اور کوئی اسی صورت میں اس کو سنے تو دونوں پر سجدہ واجب نہیں۔

۵...... دیکھنے اور لکھنے کا حکم

آیت سجدہ صرف دیکھنے اور لکھنے سے وجوب سجدہ نہیں۔

۶......سواری اور غیر سواری کی حالت میں حکم

اگر سواری کی حالت میں آیت سجدہ تلاوت کی یا اسی حالت میں سامع ہوا تو اشارہ سے ادا کرنا جائز ہے۔لیکن اگر غیر سواری کی حالت میں تلاوت یا سماع ہوا تو پھر بحالت سواری اشارہ سے ادائیگی جائز نہیں ہاں اگر کوئی ایسا عذر ہو جو نماز فرض بالاشارہ کو مباح قرار دیتا ہو تو پھر ادائیگی سجدہ بالاشارہ کی بھی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

۷......قدرت اور عجز کی حالت کا حکم

اگر قدرت اور تندرستی کی حالت میں آیت سجدہ پڑھی لیکن اس وقت سجدہ نہ کیا پھر مرض وغیرہ کی وجہ سے عاجز ہو گیا تو ادائیگی سجدہ اشارہ کے ساتھ جائز ہے۔پھر جب صحت یاب ہو گیا تو اعادہ لازم نہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسے قضاء نماز کا حکم ہے۔

۸......سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ

مستحب ہے کہ تالی آگے کھڑا ہو اور تمام سامعین اس کے پیچھے کھڑے ہوں۔اور تالی سے پہلے سر نہ اٹھائیں اور اگر اس کی مخالفت کریں تو بھی جائز ہے مکروہ نہیں۔مثلاً جہاں بھی ہوں الگ الگ سجدہ ادا کریں۔خواہ آگے ہو کر یا پیچھے ہو کر سجدہ کریں اور تالی سے پہلے سر سجدہ سے اٹھائیں تو یہ سب صورتیں جائز ہیں۔پس کسی طریقے میں کوئی قباحت اور کمزوری نہیں اگر تلاوت کنندہ کا سجدہ فاسد ہو جائے تو سامعین کے سجدے فاسد نہ ہوں گے (کہ جس طرح امام کی نماز فاسد ہو جائے تو اس کے پیچھے اقتداء کرنے والوں کی بلاشبہ فاسد ہو جائے پس اس طرح نہیں بلکہ ترتیب برائے بنیاد نہیں البتہ ایک حسن طریقہ ہے کہ جس میں مخالفت کی گنجائش ہے) تالی کے لئے اخفاء مستحب ہے جبکہ سامع برائے سجدہ تیار نہ ہو۔اور اگر تیار ہو تو پھر جہر مستحب ہے۔

۹......سجدہ کب ادا کیا جائے

سجدہ ادا کرنے میں جلدی کرنا واجب نہیں بلکہ یہ تاخیر سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے لہذا اگر اس میں سال یا اس سے بھی زیادہ مدت تاخیر ہو جائے تو بھی ادا ہو گا قضا نہ ہو گا البتہ بلاضرورت تاخیر مکروہ ہے۔

۱۰......سجدہ میں نیت کرنا

اس میں نیت شرط یعنی تلاوت کی وجہ سے سجدہ کرنے کی نیت کرے مگر تعیین سجدہ شرط نہیں۔مثلاً اگر کسی کے ذمہ متعدد سجدے ہوں تو اس کے لئے یہ تو ضروری ہے کہ ان کی تعداد کے مطابق سجدے ادا کرے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس بات کی تعیین کرے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کی تلاوت پر ادا کیا اور یہ دوسرا فلاں آیت کی تلاوت پر ادا کیا۔

۱۱......بطلان سجدہ

جس کام سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔اس سے سجدۂ تلاوت بھی باطل ہو جاتا ہے۔کلام یا قہقہہ،حدث،قبل الرفع عن الارض۔ امام محمد کے قول پر اور یہی زیادہ صحیح ہے۔مگر امام ابی یوسف کا اسمیں اختلاف ہے۔جو غیر اصح ہے۔

۱۲......اقتداء کی صورت میں طریقہ سجدہ

اگر کسی نے کسی نمازی سے (دوران نماز) آیت سجدہ سنی۔پھر امام کے سجدے کرنے سے پہلے اس کی اقتداء کر لی تو اس کی معیت میں

سجدہ ادا کرے۔ لیکن اگر امام کے سجدہ کر لینے کے بعد شخص مذکور نے اقتداء کی تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ موصوف نے اسی رکعت میں اقتداء کی کہ جس میں آیت سجدہ پڑھی گئی یا کسی دوسری رکعت میں اقتداء کی۔ پس پہلی صورت میں اگر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو گیا تو ادائیگی امام کی وجہ سے سجدہ ساقط ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ امام کے ساتھ وہی رکعت پا لینے کی وجہ سے امام کے ادا کر لینے سے اس کی طرف سے بھی سجدہ ادا ہو گیا۔ لہذا سبکدوش ہونے کی وجہ سے اس کے ذمہ سے سجدہ ساقط ہو گیا ہے پس اسے دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور دوسری صورت میں جب نماز سے فارغ ہو جائے تو مستقل طور پر سجدہ تلاوت ادا کرے۔ جیسے اس صورت میں اگر یہ اقتداء ہی نہ کرے تو سجدہ بذمہ ہونے کی وجہ سے ادا کرنا پڑے گا۔

۱۳......نماز میں سجدہ تلاوت کا حکم

اگر سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو گیا تو اسے وہیں نماز میں ادا کرنا چاہئے۔ پھر اگر نماز میں ادا نہ کیا تو پھر کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔

۱۴......رکوع یا سجدہ میں نیت کرنا

اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی پس رکوع میں نیت کرے یا نہ کرے، جب نماز میں سجدہ کرے گا تو سجدہ تلاوت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا (یعنی ادائیگی کی وجہ سے اس کا سقوط ہو جائے گا اور اب بذمہ باقی نہ ہو گا۔ لیکن اس سقوط کی شرط یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد تین سے زائد آیات نہ پڑھے۔ اور تین آیات میں اختلاف بین الآئمہ ہے۔ لیکن اگر تین آیتوں سے زائد آیات پڑھ لیں تو پھر قصداً یعنی ارادی طور پر مستقل سجدہ تلاوت ادا کرے پس رکوع اور سجدہ ضمن میں ادا نہ ہو گا۔

۱۵......آیت سجدہ عربی یا فارسی میں پڑھنا

اگر عربی یا فارسی زبان میں آیت سجدہ تلاوت ہوئی اور کسی نے سن لی جبکہ وہ اسے سمجھتا نہ تھا مگر اسے بتایا گیا کہ تو نے ابھی آیت سجدہ سنی ہے تو سجدہ تلاوت واجب ہو گا۔ فارسی کی صورت میں بھی امام صاحب کا یہی موقف ہے البتہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ اور جس نے آیت سجدہ نہ سنی اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ اگر چہ اسی مجلس تلاوت میں موجود ہو۔

۱۶......سجدہ میں کیا پڑھے

مشہور یہی ہے کہ سجدہ تلاوت میں وہی تسبیحات پڑھے جو سجدہ نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ پڑھے سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولاً۔ یعنی ہمارا پروردگار پاک ہے۔ اور ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ بعض آئمہ متاخرین نے کلمات مذکورہ کو اختیار کیا ہے۔ لیکن بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ تب ہے جبکہ نماز فرض نہ ہو۔ (ورنہ وہی تسبیحات سجدہ پڑھے)

۱۷......ایک مجلس میں تکرار آیت کا حکم

ایک مجلس میں ایک ہی آیت کو تکرار سے بار بار پڑھا گیا تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔ اگر چہ سب یا بعض تلاوت کے بعد سجدہ کیا جائے۔ لیکن اگر مجلس تبدیل ہو جائے یا آیت بدل جائے تو پھر تبدیلی کی تعداد کے مطابق سجدوں کی تعداد ہو گی۔ مثلاً مجلس چار مرتبہ تبدیل ہوء یا ایک ہی مجلس میں مختلف چار آیتیں پڑھیں تو چار سجدے ادا کرنے پڑیں گے اور تبدیلی مجلس کی دو قسمیں ہیں...... حقیقی۔ ایک جگہ سے

دوسری جگہ جانے کے لئے تین یا زائد قدم اٹھائے یا چلے۔ یا اپنے مکان سے صحراء یا جو اس کا حکم رکھتا ہے اس تک تین یا زیادہ قدم چلے۔ ۲: حکمی: کوئی دوسرا کام شروع کردے مثلاً اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے تین لقمے کھائے، تین گھونٹ پانی پیئے یا تین باتیں کرے تو یہ حکما تبدیلی ہے۔ تکرار وجوب میں قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ اگر تین کاموں میں سے ایک ہو گیا تو وجوب مکرر ہو جائے گا۔

۱- اختلاف تلاوت یعنی الگ الگ آیت سجدہ پڑھی گئی۔

۲- اختلاف سماع یعنی الگ الگ آیت سنیں۔ 3: مجلس بدل گئی اگر چہ ایک ہی آیت دو جگہ پڑھی مگر تبدیلی مجلس سے حکم بدل جائے گا اور دو سجدے لازم ہونگے اگر ایک جگہ سے تین یا زیادہ قدم دوسری جگہ کی طرف لے جائے تو تبدیلی حقیقی ہوگی۔ اور اگر کوئی دوسرا کام شروع کردے یا جو عرفاً ماقبل کام کے لئے قاطع ہو تو یہ حکما تبدیلی ہوگی پس جو حکم تبدیلی پر مرتب ہوتا ہے وہ اس پر بھی مرتب ہوگا۔ اور ترتیب حکم میں دونوں برابر اور مساوی ہونگے۔ اور ایک مکان کے مختلف اطراف اور کونے ایک ہی جگہ اور مکان کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے ایک مسجد، گھر اور کشتی اگر چہ چلتی ہو اور سواری کی حالت میں تالی فی الصلوٰۃ کے لئے صحراء۔

اگر بغیر کچھ کام کئے دیر تک بیٹھا رہا پھر آیت سجدہ کو مکرر پڑھا تو تکرار سجدہ نہ ہوگا بلکہ کئی مرتبہ ایک آیت پڑھے ایک ہی سجدہ لازم ہوگا اگر سواری پر جا رہا تھا کہ آیت سجدہ میں تکرار کیا یعنی ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا تو وجوب مکرر ہوگا مراد یہ کہ جتنی مرتبہ پڑھا اسی تعداد کے مطابق سجدے کرنے لازم ہونگے۔ بشرطیکہ نماز میں نہ ہو۔ اور اگر نماز میں ہو تو تکرار آیت تکرار وجوب نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا یہی قول ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اگر دوسری رکعت میں دوبارہ آیت سجدہ پڑھی تو دوبارہ لزوم سجدہ ہوگا لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔

۱۸......تالی اور سامع کی مجلس

اگر سامع کی مجلس بدل جائے لیکن تالی کی مجلس وُہی ہو تو سامع پر بالاتفاق وجوب میں تکرار پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر پہلی صورت کا الٹ ہو تو پھر بھی بعض کے نزدیک سامع پر تکرار وجوب ہوگا۔ لیکن بعض اس کے قائل نہیں۔ چنانچہ ''الکافی'' میں پہلی بات کو صحیح قرار دیا ہے لیکن ہدایہ اور فتاویٰ قاضی خان میں دوسری بات کو صحیح فرمایا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

۱۹......حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا

اگر حضور ﷺ کا اسم گرامی بار بار لیا جائے تو اہلِ علم کے نزدیک اگر مجلس ایک ہو تو ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب نہیں۔ گویا اس کا حکم آیت سجدہ کی طرح ہے کہ جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی لیکن جب بھی اسم گرامی سنا جائے تو درود شریف پڑھنا مستحب ہے اگر چہ واجب نہیں۔

س: درود شریف اور سجدۂ تلاوت میں کیا فرق ہے کہ اتحادِ مجلس کی صورت میں درود شریف مستحب ہے لیکن تکرار سجدہ نہیں؟

ج: دونوں میں فرق یہ ہے کہ درود شریف قرب الٰہی کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔ خواہ آپ کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ لیکن سجدہ تلاوت بغیر تلاوت کے قرب الٰہی کا مستقل ذریعہ نہیں۔ گویا دونوں میں اس لئے فرق ہے کہ درود شریف بہر حال پڑھا جائے مگر سجدہ بغیر تلاوت نہ کیا جائے گویا سجدہ سے ایک سجدہ کرنے کا ہی سبب ہے جبکہ درود شریف پڑھنے کے دو اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

۲۰......بیرونِ نماز آیت سجدہ پڑھنا

اگر کسی نے بیرونِ نماز آیت سجدہ پڑھی لیکن سجدہ نہ کیا پھر مجلس کی تبدیلی کے بغیر نماز شروع کر دی اور نماز میں دوبارہ آیتِ سجدہ پڑھی تو دونوں آیتوں کے بدلے میں ایک ہی سجدہ کافی ہے اور اگر اس نے پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ کے لئے سجدہ تلاوت نہ ادا کیا اور نماز سے فارغ ہو گیا تو دونوں سجدے ساقط ہو گئے۔ لیکن نادر روایت میں یہ آیا ہے کہ پہلا سجدہ ساقط نہ ہوگا۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی پھر سجدہ ادا کر دیا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر آیت پڑھی تو بعض نے کہا کہ دوبارہ سجدہ ادا کرے۔ کیونکہ پہلا سجدہ کافی نہیں۔ لیکن بعض نے فرمایا کہ اگر سلام پھیرنے کے بعد بات نہ کی ہو تو پہلا سجدہ ہی کافی ہے۔ اور اگر بات کر لی تو کافی نہیں۔ اور اگر کسی نے نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی لیکن سجدہ ادا نہ کیا کہ نماز سے فارغ ہو گیا پھر دوبارہ آیت سجدہ پڑھی تو اس صورت میں ایک ہی سجدہ کافی ہے۔ پہلا سجدہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر آیت سجدہ پڑھی پھر اسی جگہ کسی دوسرے سے آیت سجدہ سُنی تو جتنی مرتبہ بھی سنے گا صرف ایک ہی سجدہ ادا کرنا کافی ہے۔ چاہے نماز میں ہو یا نہ ہو۔ ظاہر روایت میں یہی مذکور ہے۔

۲۱......سجدہ کرنے میں مسبوق کا حکم

اگر کسی مسبوق مقتدی نے اپنے امام کے ساتھ سجدہ ادا کیا پھر اپنی باقی ماندہ نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق دوبارہ سجدے کی ضرورت نہیں۔ لیکن امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔ لیکن اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ نہ کیا تو پھر اس صورت میں بالاتفاق سجدہ ادا کرے۔ اس لئے کہ وہ اس کے ذمہ بدستور باقی ہے لہٰذا بغیر ادا کئے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

۲۲......آیتِ سجدہ کے بعد اور دوسری آیات پڑھنا

اگر کسی نمازی نے نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی تو اس کے بعد تین آیتوں سے زیادہ کچھ نہ پڑھا۔ تو اس سجدہ کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رکوع یا سجدہ نماز میں نیت کی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ اور اگر مستقل طور پر سجدہ ادا کرے تو یہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر آیتِ سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زائد آیات پڑھ لیں تو پھر یہ سجدہ بغیر استقلال ادا نہ ہوگا اگر سجدہ مستقل طور پر ادا کرنا چاہے تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ آیتِ سجدہ کے بعد قرآن مجید کا مزید کچھ حصہ پڑھے پھر رکوع میں جائے اگر مزید حصہ پڑھے بغیر رکوع میں گیا تو کراہت ہوگی۔ اور اگر یہ صورت پیدا ہوگئی کہ آیت سجدہ سورت کے خاتمے پر ہو یا دو تین آیتوں سے پہلے ہو جیسے سورۂ بنی اسرائیل یا سورۂ انشقاق میں تو پھر اس صورت میں کسی دوسری سورۃ کا حصہ پڑھ ڈالے۔ یعنی دوسری سورت کو اس کے ساتھ ملا دے۔ اور اگر اتصال نہ کرے تو بھی کراہت نہ ہوگی۔

۲۳......امام کا آیتِ سجدہ پڑھنا

خفیہ نمازوں میں امام کے لئے آیتِ سجدہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اور نمازِ جمعہ اور عیدین کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر آیتِ سجدہ کسی سورۃ کے آخر میں ہو کہ وہ نماز کے رکوع یا سجدہ سے ادا ہو سکے تو پھر امام کے لئے آیت سجدہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس صورت میں حکم یہ ہے کہ رکوع میں سجدہ نکالنے کا ارادہ نہ کرے تاکہ نماز کے سجدے میں سب کی طرف سے ادا ہو جائے۔

۲۴......تلاوت میں آیتِ سجدہ چھوڑ دینا

اگر کوئی سورت پڑھے اور آیتِ سجدہ چھوڑ دے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طریقہ سے سجدہ نہ کرنے کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ مکروہ نہیں کہ آیت سجدہ پڑھ ڈالے اور باقی سورت چھوڑ دے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جب آیت سجدہ پڑھے تو اس کے ساتھ مزید دو چار آیتیں پڑھے۔ تاکہ وہم فضیلت سے بچ جائے۔ یعنی کسی کو یہ وہم پیدا نہ ہو کہ یہ شخص آیت سجدہ کو دوسری قرآنی آیات سے افضل سمجھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں۔

فصل......امامت کے بعض مسائل اور احکام

1۔ نماز جماعت سے ادا کرنے میں دو قول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ جماعت سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ چنانچہ اکثر کتابوں میں یہی آیا ہے۔ اور فقہائے کرام اس کو سنت ھدیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی اس کا ادا کرنا باعثِ ھدایت اور چھوڑ دینا باعثِ گمراہی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "الجماعة من سنن الهُدىٰ لا يتخلف عنها الا منافق"۔ یعنی جماعت سے نماز ادا کرنا سنتِ ہدایت ہے سوائے منافق کے کوئی اسے نہیں چھوڑتا۔ یہاں منافق سے گناہ گار مراد ہے۔ اصطلاحی منافق مراد نہیں۔ امام احمد اور بعض اصحابِ شافعی کے نزدیک یہ فرض عین ہے اور اکثر اصحاب شافعی، امام کرخی اور امام طحاوی کے نزدیک یہ فرض کفایہ ہے۔ بڑی کتابوں میں ہر ایک کے دلائل موجود ہیں۔ یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں اور قول فیصل یہ ہے کہ جماعت سنتِ مؤکدہ قریب الواجب ہے۔ چنانچہ اکثر دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ یہاں ان سب کے ذکر کرنے کی گنجائش اور موقع نہیں۔

۲......رخصت کے اعذار (یعنی وہ مجبوریاں جن کی وجہ سے جماعت چھوڑ سکتا ہے)

بعض ایسے عذر ہیں کہ جن کی وجہ سے ترکِ جماعت جائز ہے۔ اور وہ یہ ہیں......۱۔ بیماری ۲۔ اعضاء کا سلامت نہ ہونا ۳۔ نابینا ہونا ۴۔ شدید بارش ۵۔ شدید سردی ۶۔ سخت اندھیرا ۷۔ قضائے حاجت کی ضرورت ۸۔ شدید آندھی ۹۔ سفر پر جانے کا ارادہ ۱۰۔ قافلہ سے بچھڑ جانے کا خطرہ ۱۱۔ کسی بیمار کی تیمارداری ۱۲۔ مال و اسباب کے لٹ جانے کا خطرہ ۱۳۔ بھوک کے وقت کھانے کا موجود ہونا ۱۴۔ بادشاہ کے خوف سے چھپ جانا ۱۵۔ غربت کی وجہ سے قرضداروں کا تنگ کرنا۔ یہ چند عذر ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اگر نماز باجماعت رہ جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ ورنہ بلاعذر ترکِ جماعت اسلام میں شدید جرم ہے۔

۳......کون زیادہ امامت کے قابل/لائق ہے

آئمہ فقہ نے امام کے لئے ایک ترتیب پیش کی ہے۔ جو یہ ہے......۱۔ سب سے پہلے بڑا اعالم، ۲۔ پھر سب سے بڑا قاری، ۳۔ سب سے بڑا متقی اور پرہیزگار، ۴۔ زیادہ عمر رسیدہ، ۵۔ صاحب اخلاق، یعنی جس میں اچھی عادت، بردباری، شرم و حیاء اور لوگوں کے ساتھ اچھا رویہ ہو، ۶۔ حسین و جمیل انسان، یا صاحب نسب، اگر ان سب باتوں میں حاضرین برابر ہوں تو پھر امامت کے لئے قرعہ اندازی کی جائے۔ اور اس ترتیب میں یہ شرط ہے کہ کوئی لوگوں کا مقرر امام نہ ہو ورنہ وہی نماز پڑھائے۔ اور اگر گھر میں جماعت ہو تو پھر صاحب خانہ زیادہ مستحق ہے کہ وہی نماز پڑھائے۔

۴......کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے

ا: ہمارے نزدیک فاسق کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، جبکہ امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک بالکل جائز نہیں۔۲: بدعتی کی امامت۔۳: غلام کی امامت۔۴: اَن پڑھ کی امامت (دیہاتی)۔۵: حرام زادہ۔۶: نابینا۔ ان میں پہلے لوگوں سے کم کراہت ہے چنانچہ محیط میں ہے کہ نابینا شخص کے امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں البتہ آنکھ والا اس سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ غلام یا دیہاتی اور حرام زادہ یہ تینوں صاحب علم ہیں تو پھر ان کے امامت کرانے میں کوئی کراہت نہیں۔

سوال: بدعتی کس کو کہتے ہیں اور کن افراد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے؟

جواب: علامہ حلبی لکھتے ہیں: المبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف معتقد اهل السنة و الجماعة۔ یعنی بدعتی وہ شخص ہے کہ جو اہلِ سنت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو اگر اسکا اعتقاد حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو تو اس کی اقتداء کی جا سکتی ہے لیکن اسے امام بنانے میں کراہت ہوگی اور اگر وہ عقائد کفریہ رکھتا ہو تو پھر قطعاً اس کی امامت جائز نہیں۔ جیسے حد سے نکلے ہوئے رافضی، یا وہ جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا خلافت صدیق اکبر اور ان کے صحابی ہونے کا انکار کرے یا شیخین کو گالیاں دے۔ یا دوسرے مختلف اسلامی فرقے جیسے جہمیہ، قدریہ، مرجئیہ، مشبہ وہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم کے قائل ہیں یا جو شفاعت کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کا قائل نہ ہو یا عذابِ قبر کا منکر ہو یا کراماً کاتبین کو نہ مانے لیکن گروہ حضرت علی کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے لیکن شیخین کو بُرا نہیں کہتا تو اس کی اقتداء مع الکراہت جائز ہے۔ یا وہ کہتا ہے کہ اللہ کا جسم ہے لیکن عام اجسام کی طرح نہیں یا اسکا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے جلال اور عظمت کی وجہ سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ قاضی امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ متکلم کی اقتداء جائز نہیں۔ اگر چہ وہ حق بات کہے۔ متکلم سے یہاں وہ شخص مراد ہے جو علمِ کلام کے باریک مسائل میں اپنے آپ کو الجھائے رکھے اور بحث و مناظرہ میں دوسرے کو لغزش دینے کا ارادہ رکھے اور دین علم کے سادہ مسائل کو فلسفی موشگافیوں سے الجھادے اور ان سے حل طلب کرے۔

سوال: کیا حنفی، شافعی کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟

جواب: ہاں پڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ شافعی امام، اختلافی مسائل میں احتیاط برتے۔ یعنی جن مسائل میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے ان میں ایسا طریقہ اختیار کرے جو دونوں کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہو۔ لیکن اگر وہ مقامِ اختلاف میں احتیاط نہ کرے مثلاً کپڑے سے منی لگ جائے تو اسے نہ دھوئے، دو مٹکے ناپاک پانی ہو تو اس سے وضو کرے تو ایسے حالات میں حنفی شافعی کی اقتداء نہ کرے مرد، عورت کی اقتداء اور بچے کی اقتداء نہ کرے اسی طرح عقلمند بیہوش کی اور قاری اَن پڑھ کی اقتداء نہ کرے اور گونگے کی اقتداء نہ کی جائے۔ یونہی ننگے کی اقتداء نہ کرے۔ اور اسی طرح اشارے کرنے والے کی اقتداء نہ کرے اور پاک صاف تندرست معذور کی اقتداء نہ کرے اور ایک معذور بھی دوسرے معذور کی اقتداء نہ کرے اور اگر دونوں میں ایک طرح کا عذر ہو تو کسی حد تک جائز ہے۔ اسی طرح فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء نہ کرے اور اسی طرح ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہ کرے ہاں البتہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء فرض پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے۔ جو نماز وتر کو سنت قرار دیتا ہے واجب سمجھنے والے کی اقتداء اس کے پیچھے درست ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی اقتداء نہ کرے۔

٦......سوال......کن لوگوں کی اقتداء صحیح ہے؟

جواب: اعضاء دھونے والا، مسح کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اسی طرح وضو کرنے والا تیمم والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اور قائم کے لئے قاعد (بیٹھے ہوئے) کی اقتداء درست ہے۔ لیکن امام محمد کا ان صورتوں میں اختلاف ہے۔ اسی طرح کھڑا ہونے والے کی کبڑے کے پیچھے اقتداء جائز ہے۔ اور یہ جواز بالاتفاق ہے۔ خُنثیٰ مشکل عورتوں کو امامت کرا سکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی عورتوں کو جماعت کروا سکتی ہے۔ لیکن صرف عورتیں ہوں تو پھر مکروہ ہے۔ اور اگر یہ صورت پیش آ جائے تو ان کا امام آگے کھڑا نہ ہو بلکہ درمیان میں کھڑا ہو۔ جیسے اگر ننگا اپنے جیسے ننگوں کو نماز پڑھائے تو پھر درمیان میں کھڑا ہو۔ اسی طرح معذور قسم کے لوگ اپنے جیسے معذوروں کو نماز پڑھا سکتے ہیں۔

مسئلہ: مُحیط میں ہے کہ اگر قاری مسجد کے دروازے پر ہو یا مسجد کے پڑوس میں ہو اور اَن پڑھ مسجد میں ہو تو اگر اُمّی تنہا نماز پڑھے تو بالاتفاق نماز جائز ہے۔ کچھ حرج نہیں۔

٧......مقتدی کیسے اور کہاں کھڑا ہو

مقتدی کا اپنے امام سے آگے ہونا جائز نہیں اور اس میں اعتبار پاؤں کا ہے۔ مثلاً اگر مقتدی اپنے امام سے دراز قامت ہو تو اس کا سجدہ امام سے آگے ہوگا لیکن اس کے قدم امام سے پیچھے ہوں تو اس کی نماز جائز ہے۔ اور قدم میں ایڑی کا اعتبار ہے۔ اگر ایک مقتدی ہو تو امام کی دائیں طرف کھڑا ہو اور اگر دو یا زیادہ ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں۔ امام محمد سے روایت ہے کہ ایک مقتدی اپنی انگلیاں امام کی ایڑی کے قریب رکھے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک امام دو کے درمیان کھڑا ہو۔ اگر ایک کو پیچھے یا بائیں جانب کھڑا کیا تو مکروہ ہے۔ لیکن بعض کے خیال کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔

٨......صفوف کی ترتیب

اسلام میں صفوف کی ترتیب یہ ہے......پہلی صف میں مَرد کھڑے ہوں، پھر بچے پھر عورتیں پھر ہیجڑے۔ اور خُنثیٰ مشکل عورتوں سے پہلے کھڑا ہو مردوں اور بچوں میں ترتیب سنت ہے فرض نہیں اور یہی صحیح ہے۔ لیکن مردوں اور عورتوں میں ترتیب فرض ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عورت مرد کے برابر کھڑی ہوگئی اور فقہاء کی بیان کردہ شرائط پائی گئیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس صورت کی تفصیل کتب فقہ اور فتاووں میں مذکور ہے لہٰذا وہاں اطمینان اور وثوق کے لئے تفصیل ملاحظہ فرمالیں۔

٩......اقتداء صحیح ہونے کی شرائط

امام اور مقتدی کی صحتِ اقتداء کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہو۔ اگر دونوں کے درمیان دیوار حائل ہو۔ لیکن اگر معمولی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس میں ایسی کھڑکی لگی ہو کہ اس سے آدمی امام تک پہنچ سکتا ہے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح اگر دیکھنے یا سننے کی وجہ سے مقتدی پر امام کا حال مشتبہ نہ ہو تو پھر بھی اقتداء صحیح ہے۔ ورنہ اقتداء درست نہ ہوگی۔ اور اگر امام اور مقتدی کے درمیان ایک صف کا فاصلہ ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر امام مسجد سے باہر ہو تو پھر ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر اس میں تین آدمی کھڑے ہو جائیں تو پھر اقتداء درست ہے۔ ایک دو کا یہ حکم نہیں۔ قاضی ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔

مسئلہ: فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مسجد بڑی ہو جیسے مسجد بیت المقدس جو تین مساجد پر مشتمل ہے تو اس کے کسی کونے میں بغیر اتصال کوئی شخص مقتدی ہونے کی حیثیت کھڑا ہو جائے تو اقتداء جائز نہیں۔

مسئلہ: مسجد کی چھت پر اقتداء کرنے کا بھی یہی حکم ہے جو پسِ دیوار کرنے والے کا ہے۔ جنازے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی ایسی دیوار پر چڑھ کر امام کی اقتداء کرے جو دیوار مسجد سے متصل ہو اور اس پر امام کا حال پوشیدہ نہ ہو تو یہ اقتداء جائز ہے۔ لیکن اگر چھت پر اقتداء کرے تو جائز نہیں اگرچہ امام کا حال مخفی نہ ہو۔ کیونکہ دونوں میں فرق ہے جو غور کرنے والے پر پوشیدہ نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے مسجد سے باہر مکان پر بلند جگہ نماز پڑھی اگر صفوں میں اتصال ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر حائل ہو مگر چھوٹی ہے تو مانع اقتداء نہیں۔ اور اگر بڑی ہے تو مانع اقتداء ہے۔ چھوٹی بڑی کی علامت یہ ہے کہ جس میں کشتیاں نہ چل سکیں وہ چھوٹی ہے۔ اور جس میں کشتیاں چل سکیں وہ بڑی ہے۔ اور عیدگاہ کا حکم بھی مسجد کی طرح ہے۔ واللّٰہ اَعْلَم بالصواب و الیہ المرجع و المآب ، و صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و الہ و صحبہ اجمعین ٥

فصل ...... کن کاموں میں امام کی متابعت کی جائے اور کن میں اس کی متابعت نہ کی جائے

۱) نماز میں دو طرح کے کام ہیں۔ کچھ تو افعال ہیں اور کچھ اقوال ہیں۔ جنہیں رکن فعلی اور رکن قولی کہا جاتا ہے۔ ارکان فعلیہ میں امام کا اتباع ضروری ہے۔ لیکن رکن قولی مثلاً، قرأت، ہمارے نزدیک اس میں امام کا اتباع نہیں ہے۔ بلکہ مقتدی خاموش رہ کر امام کی قرأت سنے، خواہ نماز جہری ہو یا خفیہ۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک مقتدی سورۂ فاتحہ ضرور پڑھے۔ تو اس میں گویا وہ امام کا اتباع کرے گا۔ ہاں اگر اسے نماز کی رکعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر سورۃ فاتحہ چھوڑ دے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھے لیکن خفیہ نمازوں میں قرأت پڑھ سکتا ہے۔ امام محمد کا بھی یہی خیال ہے کہ جو نمازیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں ان میں مقتدی قرأت کر سکتا ہے لیکن شیخین کے نزدیک ان میں بھی قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ رہی یہ بات کہ اذکار و تکبیرات میں کیا کرے۔ تو انھیں جس طرح امام ادا کرتا ہے یہ بھی ادا کرے۔ لہٰذا ان میں امام کی متابعت کی جائے۔

مسئلہ: ارکان نماز میں سے چونکہ امام کا اتباع ضروری ہے اس لئے اگر کسی مقتدی نے رکوع، سجدہ میں امام سے پہلے سر اٹھا لیا تو حکم یہ ہے کہ فوراً لوٹ جائے۔ اور پھر امام کے ساتھ سر اٹھائے اور یہ ایک رکوع ہوگا۔ حضور ﷺ نے امام سے پہلے سر اٹھانے والے کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ "امام سے پہل کرنے والے کو یہ خوف نہیں آتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کی صورت نہ مسخ کر دے۔"

فائدہ: امام نووی نے اس سلسلے میں اپنے ایک استاذ کا چشم دید واقعہ بیان فرمایا جو اس قابل ہے کہ اس سے عبرت حاصل کی جائے۔ ہم یہاں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے کیونکہ عالم اور طالب پر وہ پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا یاد دھیانی ہی کافی ہے۔ تفصیل واقعہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

مسئلہ: مقتدی نے ابھی رکوع، سجدہ کی تین تسبیحات پوری نہیں کیں کہ امام نے سر اٹھا لیا تو مقتدی امام کا اتباع کرے لیکن اگر

امام مقتدی کے تشہد ختم کرنے سے پہلے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دے بلکہ اپنا تشہد پورا کر کے کھڑا ہو اور اگر امام کے ساتھ تشہد پورا کرنے کے بغیر ہی کھڑا ہو گیا تو بھی جائز ہے اور امام کا ساتھ نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ تشہد پڑھنا واجب ہے اور امام کا اتباع بھی واجب ہے۔ تو ایک واجب کو ادا کرنے کے لئے دوسرے کو چھوڑ دینا جائز ہے۔

مسئلہ: آخری قعدے میں ابھی مقتدی نے تشہد پورا نہیں کیا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی تشہد پورا کر کے سلام پھیرے اور اگر امام کے ساتھ سلام پھیرے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر درود شریف پڑھنے اور دعا مانگنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اس کی متابعت کرے لہٰذا اس کے ساتھ سلام پھیرے اس لئے کہ درود شریف ودعا پڑھنا سنت ہے اور تشہد پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر امام نے تشہد پورا کرنے کے بعد مقتدی کے تشہد پڑھنے سے پہلے کوئی بات کر ڈالی تو مقتدی تشہد پورا کر کے سلام پھیرے۔ لیکن اگر امام دانستہ اس حالت میں بے وضو ہو گیا تو پھر مقتدی تشہد پورا نہ کرے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ تشہد پڑھنے کی مقدار بیٹھا ہے تو اس کی نماز درست ہوگی ورنہ نہیں۔

مسئلہ: نمازِ وتر میں مقتدی کے قنوت پورا کرنے سے پہلے امام رکوع میں چلا گیا اگر اس نے کچھ قنوت پڑھا ہے تو امام کا ساتھ دے لیکن اگر بالکل کچھ نہیں پڑھا تو اتنی مقدار پڑھ لے کہ رکوع ہاتھ سے نہ جائے۔

عجیب فائدہ

☆ پانچ کام ایسے ہیں کہ اگر امام نے نہ کیے تو مقتدی بھی نہ کرے:

۱۔ دُعائے قنوت ۲: دو عیدوں کی تکبیرات ۳: پہلا قعدہ ۴: سجدہ تلاوت ۵: سجدۂ سہو۔

☆ چار کام ایسے ہیں اگر امام نے کیے تو مقتدی نہ کرے: ۱: اگر امام نے کوئی سجدہ زیادہ کر دیا ۲: دو عیدوں کی تکبیرات اقوالِ صحابہ سے بڑھا دیں۔ جبکہ مقتدی زائد تکبیر کو سن رہا تھا۔ ۳: نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں سے کوئی زائد تکبیر پڑھ دی ۴: بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اگر چوتھی رکعت پر بیٹھا تھا پھر پانچویں کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں بلکہ بیٹھے ہوئے اس کی واپسی کا انتظار کریں۔ اگر لوٹ آیا تو بغیر اعادہ تشہد سلام پھیرے اور پھر مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام پھیرے اور اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس صورت میں مقتدی تنہا سلام پھیر لے اور اگر چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا اور پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا اگر لوٹ آیا تو فوراً اس کا اتباع کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس صورت میں سب کی نماز فاسد ہو گئی۔ لہٰذا مقتدی کو تشہد پڑھنا اور سلام پھیرنا مفید نہیں۔

☆ نو کام ایسے ہیں کہ اگر امام نہ کرے تو لوگ انھیں نہ چھوڑیں:

۱: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ ۲: جب تک امام فاتحہ پڑھ رہا ہے ثناء پڑھنا۔ لیکن اگر امام نے سورت شروع کر دی تو پھر مقتدی ثناء نہ پڑھے۔ امام محمد کا یہی قول ہے۔ البتہ امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔ ۳: رکوع، سجدے کی تکبیرات اور تسبیحات ۔ ۴: تسمیع کہنا۔ ۵: تشہد پڑھنا۔ ۶: سلام پھیرنا۔ ۷: تکبیرات ایام تشریق۔ ۸۔ ۹ نمبر ۳ میں آگئے ہیں۔

فصل.....فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے کے احکام

- اگر کسی سے نمازِ فرض رہ گئی تو اس کے ذمے قضا ضروری ہے۔ اس میں عذر اور غیر عذر دونوں برابر ہیں۔ اور یہ حکم ہے کہ فوت شدہ نماز کو وقت کی نماز سے پہلے پڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متروکہ نماز اور وقت کی نماز اور بہت سی قضا شدہ نمازوں میں ہمارے نزدیک ترتیب شرط ہے۔ ہاں البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ لیکن تین امور ایسے ہیں اگر ان میں سے کوئی پایا جائے تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے: (۱) بھول جانا۔ (۲) وقت کا تنگ ہونا۔ (۳) فوت شدہ نمازوں کا زیادہ ہونا۔ لزومِ ترتیب کی دلیل حضور ﷺ کا یہ مشہور ومعروف ارشاد ہے کہ جو کوئی نماز پڑھنے سے سو گیا یا نماز پڑھنا بھول گیا پھر اسے نماز اس وقت یاد آئی جبکہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا تو امام کے ساتھ اپنی نماز پوری کرے پھر متروکہ نماز ادا کرے پھر وقت کی نماز کا اعادہ کرے۔ شارحین ہدایہ نے صراحتاً لکھا ہے کہ یہ حدیث مشہور اور اہلِ علم نے اسے قبول کیا ہے۔ پس اس سے فرض عمل ثابت ہو سکتا ہے۔ (دُرر)
- ایک شخص نماز فرض پڑھ رہا تھا جبکہ اسے یاد ہو کہ اس کے ذمہ ایک متروکہ نماز ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس کے فرائض فساد موقوف کے طور پر فاسد ہو جائیں گے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک ان میں یقینی فساد پیدا ہو جائے گا۔ فساد موقوف کا مطلب یہ ہے کہ اگر شخص مذکور نے متروکہ نماز قضا نہ کی یہاں تک کہ چھ نمازیں ہو گئیں تو سب صحیح ہو جائیں گی۔ اس کی مثال کہ ایک شخص سے نمازِ صبح رہ گئی پھر اس نے لگاتار، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور دوسرے دن کی صبح کی نماز پڑھی اور اسے ان سب کو پڑھتے وقت نماز متروکہ یاد تھی تو ان پانچ نمازوں میں امام صاحب کے نزدیک فساد موقوف پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر اس نے متروکہ نماز قضا کرنے سے پہلے دوسرے دن کی ظہر کی نماز پڑھی تو نماز ظہر بھی صحیح ہو گئی اور پانچ پہلی بھی درست ہو گئیں۔ اور اگر یوم ثانی کی ظہر سے پہلے اس نے فوت شدہ نماز قضا کر لی تو پانچ نمازوں میں فساد پیدا ہو جائے۔ لہٰذا فقہائے کرام کے اس قول کا یہی مطلب ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا اور ان کا قول یہ ہے (صلوٰة تصح خمساً و صلوٰة تفسد خمساً فالتی تصح هی ظهر الیوم الثانی اذا ادیت قبل الفائتة و التی تفسد هی الفائتة اذا صلیت قبل ظهر الیوم الثانی) یعنی ایک نماز ایسی ہے کہ جو پانچ نمازوں کو صحیح کر دیتی ہے اور ایک نماز ایسی ہے جو پانچ کو فاسد کر دیتی ہے۔ جو پانچ کو صحیح کر دیتی ہے وہ دوسرے دن کی ظہر کی نماز ہے جب متروکہ نماز سے پہلے پڑھی جائے۔ اور جو پانچ نمازوں کو فاسد کر دیتی ہے وہ فوت شدہ نماز ہے دوسرے دن کی نماز ظہر سے پہلے پڑھی جائے۔ اگر پوری نماز پڑھتے ہوئے متروکہ نماز یاد نہ آئے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور وقت کے تنگ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اتنا تھوڑا وقت رہ جائے کہ جس میں متروکہ اور وقتی دونوں ادا نہ ہو سکیں۔ بلکہ حالت یہ ہو کہ اگر فوت شدہ نماز پڑھے تو وقتی نماز کے لئے وقت نہیں رہتا ہو۔ تو اس سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ وقت کی نماز پہلے پڑھے۔ اور اگر متروکہ نمازیں زیادہ ہو جائیں اور وقت میں بعض کے ادا کرنے کی گنجائش ہو لیکن سب کے ادا کرنے کی صورت نہ ہو تو اس صورت میں متروکہ میں سے بعض کو پہلے ادا کرے۔ مثلاً اگر نمازِ عشاء اور نماز وتر رہ گئے اور صبح کا وقت ہو گیا، لیکن وقت میں صرف پانچ رکعتیں پڑھنے کی گنجائش ہے تو امام صاحب کے نزدیک نمازِ وتر قضا کرے اور پھر نمازِ فجر پڑھے۔ اور وقت میں حقیقی گنجائش معتبر ہے۔ صرف وہم اور غلبہ ظن کا اعتبار نہیں مثلاً ایک شخص کے ذمے نماز عشاء باقی ہے اور صبح کے وقت اسے خیال آیا کہ وقت کم ہے لہٰذا اس نے نماز فجر پڑھ ڈالی اور حالت یہ تھی کہ وقت میں تنگی کے بجائے وسعت تھی تو پھر یہ سورج چڑھنے تک نماز کا تکرار کرے۔ لہٰذا طلوع سے کچھ پہلے اس کے فرض ادا

ہونگے اور باقی نماز نوافل ہوں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس صورت میں یہ عشاء کی نماز شروع کردے۔ اگر اس کی فراغت سے پہلے سورج طلوع ہو گیا تو اس کی نماز فجر درست ہوگی ورنہ نہیں۔ (شرح زاہدی)

اگر کسی نے وقت کی تنگی کی وجہ سے فوت شدہ نماز پہلے پڑھ لی تو صحیح ہے لیکن گناہگار ہوگا۔ یہاں وقت کی تنگی سے اصل وقت کی تنگی مراد ہے۔ وقتِ مستحب مراد نہیں۔ لہذا اگر کسی شخص کو عصر کے وقت یہ یاد آیا کہ ظہر کی نماز اس کے ذمہ باقی ہے لیکن اسے یہ معلوم ہے کہ اگر یہ ظہر کی نماز قضا کرے گا تو نمازِ عصر وقت مکروہ میں ادا ہوگی تو اس صورت میں امام حسن بن زیاد کے نزدیک دونوں میں ترتیب ساقط ہو جائے گی لیکن ہمارے نزدیک ساقط نہ ہوگی۔ اور امام محمد ایک روایت میں امام حسن کے ساتھ ہیں۔ اگر وقت مستحب اتنا رہ گیا کہ اس میں مکمل ظہر کی نماز ادا نہیں ہو سکتی تو بالاتفاق ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ لہذا اس صورت میں عصر کی نماز پڑھے اور مغرب کے بعد تک ظہر میں تاخیر کردے۔

۳- اگر کسی نے عصر کی نماز شروع کی جبکہ اسے ظہر کی نماز یاد تھی اور سورج سُرخ ہو گیا اس کے نماز پڑھتے ہی غروب ہو گیا تو یہ نماز پوری کر ڈالے۔ لیکن ابن ابان نے فرمایا کہ اس صورت میں نماز چھوڑ دے اور پھر ترتیب سے پڑھے۔

سوال: اگر قضا نمازیں زیادہ ہو جائیں تو ترتیب ساقط ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جب متروکہ نمازیں چھ ہو جائیں تو چھٹی نماز کا وقت نکل جانے سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ امام محمد کے نزدیک چھٹی نماز کے وقت کا داخل ہونا معتبر ہے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

۴- فوت شدہ یا متروکہ نمازوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) قدیم اور (۲) جدید۔ جدید میں بالاتفاق کثرت کے وقت ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور قدیم متروکہ جیسے ایک آدمی نے ایک مہینہ نماز چھوڑ رکھی پھر پشیمان ہو کر شروع کردی لیکن پہلی متروکہ نمازیں قضا نہ کیں کہ اس سے ایک نماز رہ گئی تو پھر اس نے نئی متروکہ کو یاد کرتے ہوئے نماز پڑھی تو بعض کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ماضی کی متروکہ نمازیں اس طرح ہو گئیں کہ گویا نہ تھیں۔ لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک جائز ہیں۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

۵- اگر کسی نے بعض متروکہ نمازیں قضا کیں یہاں تک کہ کثرت کمی میں بدل گئی تو عند البعض ترتیب لوٹ آئے گی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک مہینہ نماز چھوڑ دی پھر انہیں لگاتار قضا کیا۔ یہاں تک کہ وہ چھ سے کم رہ گئیں تو ترتیب لوٹ آئے گی لہذا اس صورت میں اس نے متروکہ نماز یاد رکھتے ہوئے وقتی نماز پڑھی تو ان لوگوں کے نزدیک جائز نہ ہوگی لیکن زیادہ صحیح جواز ہے۔ کیونکہ جو چیز ساقط ہو جائے وہ لوٹ کر نہیں آتی۔ اس لئے کہ یہ قاعدہ ہے کہ: "زوال مانع" کسی چیز کے ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ لہذا صورت مذکورہ میں یہ شخص صاحب ترتیب نہ ہوگا۔ جب تک کہ تمام متروکہ نمازیں ادا نہ کرے۔

۶- ایک شخص نے رات دن کی پانچ نمازوں میں سے ایک نماز چھوڑ دی، پھر بھول جانے کی وجہ سے غور و فکر کے باوجود اسے وہ یاد نہ آئی تو ایسا شخص کیا کرے۔ تو اہلِ علم فرماتے ہیں کہ وہ شب و روز کی پانچ نمازیں دہرائے تاکہ یقیناً اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے۔ اسی طرح اگر دو دن کی دو نمازیں چھوڑ دے اور بھول جائے تو دو دنوں کی نمازوں کا اعادہ کرے۔ یہی حکم ہے اگر تین دنوں کی تین نمازیں یا چار دنوں کی چار نمازیں نسیان کی صورت میں رہ جائیں۔ حتمی طور پر وہ تین یا چار دنوں کی نمازیں قضا کرے۔ عمرو ابن ابی عمر نے امام محمد سے یہ پوچھا کہ اگر کسی شخص سے نماز کا سجدہ بھولے سے رہ گیا اور اب اسے یہ معلوم نہیں کہ کونسی نماز کا سجدہ ہے تو ایسا

شخص کیا کرے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ پانچ نمازوں کو دہرائے اور اگر پانچ دنوں کی پانچ نمازیں رہ گئی تو پھر کہا کرے تو فرمایا پانچ دنوں کی نمازیں لوٹائے۔

۷- ایک بچے نے عشاء کی نماز پڑھی پھر وہ صبح صادق سے پہلے بالغ ہو گیا تو اس کے ذمہ نمازِ عشاء کا اعادہ ہے۔ امام محمد بن حسن کو یہ واقعہ پیش آیا تو انھوں نے امام صاحب سے دریافت کیا تو یہی جواب ملنے پر نماز عشاء قضا کی۔

۸- اگر تندرستی میں کسی شخص سے نمازیں چھوٹ گئیں تو ایام مرض میں اس کے مطابق قضا کرے یعنی تیمم سے پڑھے یا بیٹھ کر پڑھے یا اشارے سے۔ اگر اس کے بعد تندرست ہو گیا تو اعادہ لازم نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ قضا شدہ نمازیں گھر میں چھپ کر ادا کرے تا کہ اس کے گناہ کی پردہ دری نہ ہو۔

۹- ایک آدمی کو یہ شک ہو گیا کہ اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں۔ اگر نماز کے وقت میں شک ہوا تو دوبارہ پڑھ ڈالے اور اگر وقت نکل گیا اور پھر شک ہوا تو اس صورت میں اس کے ذمہ کچھ نہیں۔

حیلۂ اسقاط کرنے کی تجویز اور اس کا طریقہ

ایک آدمی مرنے لگا کہ اس کے ذمہ کچھ اللہ تعالیٰ کے حقوق مثلاً نماز، روزہ وغیرہ تھے۔ اور کچھ بندوں کے حقوق تھے تو اس کے متعلق فقہائے کرام نے اس کے سبکدوش ہونے کے لئے کتاب وسنت سے استخراج کر کے حیلۂ اسقاط کرنے کا طریقہ بتایا۔ اگر جانے والے نے آخری وقت وصیت کی کہ میرا فلاں مال میری نمازوں کے کفارے میں دیا جائے تو یہ وصیت لازم ہوگی۔ ہر نماز کا کفارہ صدقہ فطر کے برابر ہے اور پانچ نمازوں میں نماز وتر بھی شامل ہے۔ اور ایک روزے کا فدیہ ایک نماز کے برابر ہے اور میت کی یہ وصیت اس کے ایک تہائی مال سے نافذ ہوگی اور اگر جانے والا وصیت نہ کر سکا تو پھر بھی اس کے بعض ورثاء اس پر احسان کرتے ہوئے اس طرح کریں تو یہ جائز ہے اور اگر یہ صورت پیدا ہو جائے کہ حقوق زیادہ ہوں مثلاً نمازیں زیادہ ہوں اور جو گندم دینا چاہتا ہے وہ کم ہو تو اس خلا کو پُر کرنے کے لئے فقہی حیلہ یہ ہے کہ رات دن کی چھ نمازوں کا تین صاع فدیہ بنتا ہے۔ تو اس تھوڑے فدیہ کو یہ اس طرح بڑھائے کہ کسی محتاج کو دے دے۔ پھر محتاج وارث کو دے دے۔ پھر وارث محتاج کو دے دے۔ اس طرح کئی مرتبہ کرے۔ یہاں تک کہ نمازوں کا حساب پورا ہو جائے۔ پھر اس طرح دوسرے حقوق کے لئے بھی ایک دوسرے کو دے۔ ایک محتاج کو اکٹھا بھی دے سکتا ہے۔ بخلاف کفارہ یمین ظہار اور افطار۔ لیکن اپنی بیماری میں نمازوں کا فدیہ نہیں ادا کر سکتا۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ)

۱۰- اگر کسی شخص نے نمازیں پڑھیں لیکن اس کے خیال میں ان میں کچھ نقصان پیدا ہو گیا تو ایسی نمازیں قضا کرنا اچھا ہے۔ ورنہ ٹھیک نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ٹھیک ہے۔ لیکن نمازِ فجر اور عصر کے بعد نہ کرے کیونکہ اب یہ نوافل ہیں۔ اور ان اوقات میں آدمی نوافل نہیں پڑھ سکتا۔

فصل...... مسافر کی نماز کے بعض مسائل

مسافر کے لئے اگر سفر شرعی ہو تو وہ مسافر شمار ہوگا۔ اور سفر شرعی یہ ہے کہ جہاں جانا چاہتا ہے وہاں تک تین دن کی مسافت ہو بشرطیکہ چند شرائط پائی جائیں:

۱) دنوں سے سال کے سب سے چھوٹے دن مراد ہیں۔
۲) خشکی میں درمیانی رفتار مراد ہے۔ جبکہ سمندر میں اعتدال ہوا مراد ہے۔
۳) جب یہ اپنی آبادی کے مکانات سے سفر کا ارادہ کرتے ہوئے نکل جائے تو مسافر شمار ہوگا اگر چہ منزلِ مقصود پر نہ پہنچا ہو۔

صاحب ہدایہ نے میلوں کی تحدید کو غیر معتبر قرار دی ہے۔ لیکن اکثر مشائخ نے سفر کی تحدید قوس سے کی ہے۔ چنانچہ بعض نے ایک قوس قرار دی ہے۔ جبکہ بعض نے اٹھارہ قوس کا اعتبار کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور یہی مختار ہے۔ جیسا کہ عتابی نے فرمایا۔

سوال: فناءِ مصر کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ بھی شہر کے حکم میں ہے۔ بشرطیکہ دونوں کے درمیان ایک تیر پھینکنے سے کم مسافت ہو اور دونوں میں کوئی کھیتی بھی نہ ہو۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ حدودِ مصر سے تجاوز کر جائے اور اگر شرائط نہ پائی جائیں تو پھر فناءِ مصر شہر میں شامل نہیں۔

مسافر کے رعایتی احکام

۱- مسافر اور مقیم کے احکام میں چند وجوہ میں فرق ہے۔ (۱) روزہ نہ رکھنے کا مباح ہونا۔ (۲) مسح کی مدت کا تین دن ہو جانا۔ (۳) نمازِ جمعہ، عیدین اور قربانی کا واجب نہ ہونا۔ (۴) چار رکعت والی نماز کا دو رکعتیں پڑھنا۔

۲- آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ مسافر کے لئے قصر کرنا، عزیمت ہے یا رخصت، ہمارے نزدیک قصر عزیمت ہے رخصت نہیں۔ یعنی مسافر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ چار رکعتوں کے بجائے صرف دو رکعت نماز پڑھے۔ اگر پوری نماز پڑھے گا تو گناہگار ہوگا۔ اکثر صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ چند اکابر صحابہ کے نام یہ ہیں: فاروقِ اعظم، ۲: عبداللہ ابن عمر ۳: حضرت علی ۴: عبداللہ بن مسعود ۵: حضرت جابر ۶: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین۔ تابعین کے نام یہ ہیں: ۱: سفیان ثوری ۲: حماد بن ابی سلیمان ۳: عمر بن عبدالعزیز ۴: امام اوزاعی ۵: حضرت حسن بن علی ۶: حضرت حسن بصری ۷: ایک روایت کے مطابق امام احمد اور امام مالک رحمھما اللہ۔ امام شافعی کے نزدیک قصر رخصت ہے۔ یعنی مسافر کی مرضی پر موقوف ہے خواہ قصر کرے یا پوری نماز پڑھے۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ان لوگوں کی دلیل فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ مسافر کی نماز صرف دو رکعت ہیں۔ اور یہ پوری نماز ہے قصر نہیں۔ جس نے بہتان باندھا وہ ناکام ہوگیا۔ (سنن نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، بیہقی) امام نووی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر مسافر نے مثلاً ظہر عصر کی پوری چار رکعت پڑھیں لیکن دوسری میں تشہد کی مقدار بیٹھا تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ آخری دو رکعتیں نوافل ہو جائیں گی۔ لیکن گناہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے سلام میں تاخیر کی اور فرض کے تحریمہ پر نوافل کی بنیاد رکھی اور اگر دوسری رکعت میں قعدہ نہ کیا تو فرائض باطل بھی ہو جائیں گے اور نماز نفلی ہو جائے گی کیونکہ اس نے پہلا قعدہ چھوڑ دیا جو اس کے حق میں آخری قعدے کی حیثیت رکھتا تھا۔ لہٰذا ترکِ فرض کی وجہ سے نماز کا وسط بدل گیا۔ جیسا نمازِ فجر اور نمازِ جمعہ میں یہی حکم ہے۔ اگر اس نے پہلی ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دی تو پھر بھی اس کی نماز نہ ہوئی۔

مسافر کب مقیم ہوتا ہے

کسی مسافر کے مقیم ہونے کے لئے شرائط ذیل ضروری ہیں:

۱- اپنے وطن میں پہنچ جائے۔

۲- یا کسی شہر یا بستی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو۔ لیکن اپنے وطن میں نیتِ اقامت شرط نہیں صرف جانا کافی ہے۔ لہٰذا اگر اپنے وطن کے علاوہ کسی جگہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کرے یا دو جگہ جیسے مکہ مکرمہ یا منیٰ میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم ہونے کے بجائے مسافر ہی رہے گا۔ ہاں اگر دو جگہ میں ایک جگہ رات رہے تو پھر اعتبار ہوگا اور اگر کسی جگہ ٹھہرنے کے بعد اس کا خیال یہ ہو کہ میں کل پرسوں چلا جاؤں گا تو اس صورت میں اگر کئی سال بھی گزارے تو مسافر ہی شمار ہو گا۔ امام شافعی کے قول میں سترہ یا اٹھارہ دن تک نماز قصر کرے پھر پوری پڑھے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ جنگِ ہوازن میں اٹھارہ دن تک ٹھہرے اور قصر کرتے رہے اور فتح مکہ کے وقت سترہ دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز قصر کرنے کی یہی حد ہے۔ ہمارے آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ احادیث سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے سترہ یا اٹھارہ دن نماز قصر پڑھی لیکن ان میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ان دنوں سے زیادہ میں قصر نہیں کیونکہ ابو داؤد اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ غزوۂ تبوک میں بیس دن تک ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے۔ فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ اگر کوئی مسافر کسی شہر میں اس ارادے سے گیا کہ جب اس کا کام ہو جائے گا تو وہ چلا جائے گا تو وہ اس طریقے سے مقیم نہیں ہو سکتا بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ ہاں اگر اسے معلوم ہو کہ میرا کام پندرہ دنوں سے کم میں نہیں ہو سکتا تو وہ اس صورت میں مقیم ہو جائے گا اگر چہ وہ اقامت کی نیت نہ کرے۔

نیتِ اقامت میں متبوع کا اعتبار ہے تابع کا نہیں

اگر خلیفہ اور امیر کے ساتھ فوج ہو۔ اسی طرح شوہر کے ساتھ بیوی ہو، غلام کے ساتھ آقا ہے۔ مزدور کے ساتھ اسے مزدور مقرر کرنے والا ہو، شاگرد کے ساتھ استاد ہو، تو ان سب میں سربراہ کی نیت کا اعتبار ہے۔ تابع کا کچھ نہیں۔ لہٰذا اگر سربراہ نے ٹھہرنے کی نیت کی تو اس کے ساتھ وہ بھی مقیم ہو جائیں گے۔ اور اگر اس نے جانے کی نیت کی ساتھ والے اگر اقامت کی نیت کریں وہ مقیم نہیں ہوں گے بلکہ مسافر ہوں گے۔

اسلامی فوج کا حکم

اگر اسلامی فوج دارِ کفر میں داخل ہو جائے تو وہاں اقامت کی نیت کرے تو ان کی یہ نیت درست نہیں۔ ہاں اگر جو لوگ اجازت نامہ لے کر دارِ کفر میں جائیں اور اقامت کی نیت کریں تو ان کا نیت کرنا درست ہے۔ اگر کوئی شخص جنگل اور بیابان میں اقامت کی نیت کرے تو صحیح نہیں۔ ہاں البتہ جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں اور خانہ بدوش اور صحرا نشین کہلاتے ہیں۔ اگر وہ کسی ویرانے میں گھاس، پانی ہونے کی وجہ سے اقامت کی نیت کرلیں تو وہ مقیم ہو جائیں گے اور ان پر احکام اقامت جاری ہوں گے اور اگر اپنے متعینہ مقام کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کریں بشرطیکہ اس جگہ آنے والی منزل متعین کے درمیان مسافت سفر ہو تو یہ اس دوران مسافر ہو جائیں گے۔ ورنہ نہیں۔

دارِ حرب میں کافر کا حکم

اگر کوئی کافر دارِ حرب میں مسلمان ہو جائے تو وہ پہلے کی طرح مقیم ہے۔ اور اگر وہ ان کے خوف سے بھاگ کر تین دن کا سفر اختیار کرے تو یہاں اس کی نیت کا اعتبار ہے اور صحیح قول کے مطابق وہ مسافر ہو جائے گا۔

سفر کے باوجود اقامت کے احکام

اگر کسی ظالم نے زبردستی کسی شخص کو اٹھا لیا کہ اٹھائے ہوئے کو یہ معلوم نہیں کہ اسے کہاں لئے جا رہا ہے حتیٰ کہ اگر اسے پوچھا جائے تو وہ نہ بتائے۔ تو اس صورت میں وہ نماز پوری پڑھے۔ یہاں تک کہ تین دن کی مسافت ہو جائے تو پھر قصر پڑھے۔ اور جو قیدی دشمن کے قبضہ میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح ہر تابع جو اپنے متبوع کا ارادہ نہیں جانتا، اور پوچھنے پر وہ نہیں بتاتا۔ تو وہ اصل پر عمل کرے خواہ اقامت ہو یا سفر۔ جب تک کہ خلاف ثابت نہ ہو۔ اور یہی حکم ہے اس مقروض کا جس کو قرض خواہ روک دے۔ یعنی وہ اس کی تحویل میں ہو جائے اگر وہ تنگ دست ہے تو نماز قصر پڑھے اگر اس نے اقامت کی نیت نہیں کی اور اگر مالدار ہے تو پھر بھی یہی حکم ہے۔ اگر اس نے قرض ادا کرنے کا ارادہ کیا یا کوئی ارادہ نہ کیا، اور اگر اس نے قرض نہ ادا کرنے کا ارادہ کیا تو پھر نماز پوری پڑھے۔ کیونکہ اس کے لئے یہ نیتِ اقامت ہے (محیط) قاضی ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر مقروض تنگ دست ہو تو نماز پوری پڑھے اور مالدار ہونے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ ہاں اگر وہ ادائیگی قرض کا پکا ارادہ کر لے تو الگ بات ہے۔

مشترک غلام کا حکم

اگر کوئی غلام کسی مقیم اور مسافر شخص دونوں میں مشترک ہو تو ایسے غلام کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ مقیم کی خدمت کرنے کے دن نماز پوری پڑھے اور مسافر کی خدمت کرنے کے دن نماز قصر کرے اور اگر اس کے ذمہ اس طرح کی خدمت نہیں تو پھر اس کے لئے فرض یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے اور احتیاطاً نماز پوری پڑھے۔ لہذا اس کے لئے کسی مقامی امام کی وقت اور غیر وقت میں اقتداء جائز نہیں۔

خلیفۂ وقت کا حکم

خلیفۂ وقت کا بھی یہی حکم ہے جو دوسروں کا ہے۔ اگر اپنے ملک میں بغیر نیت سفر سیر و سیاحت کرے تو نماز پوری پڑھے اور اگر مسافت سفر کا ارادہ کرے تو پھر نماز پوری نہ پڑھے۔ لیکن "الخلاصہ" میں اس کے خلاف مذکور ہے کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کرتے تو نماز قصر پڑھتے۔

کافر اور نابالغ لڑکے کا حکم

اگر کوئی کافر مدت سفر کا ارادہ کرتے ہوئے گھر سے نکلا پھر راستے میں مسلمان ہو گیا اور جہاں جانا چاہتا ہے وہاں تک تین دنوں سے کم مسافت رہ گئی تو یہ قصر نہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی نابالغ بچہ اپنے باپ کے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن مسافت تین دنوں سے کم رہ گئی تو یہ بھی قصر نہ کرے۔ لیکن علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ کافر کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ قصر کرے کیونکہ اس کی نیت کا اعتبار ہے۔ لہذا وہ شروع ہی سے مسافر ہے لیکن بچہ قصر نہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں قصر کریں۔ ماہواری شروع ہونے والی عورت اگر دوران سفر خون سے پاک ہو گئی لیکن مقصود تک تین دنوں سے کم مسافت رہ گئی تو صحیح یہ ہے کہ وہ نماز پوری پڑھے۔

قاعدہ...... جب تک نماز کا وقت باقی ہو اس میں تغیر و تبدیلی آسکتی ہے۔ لیکن جب وقت نکل جائے تو پھر وہ قابل تبدیلی نہیں۔ جس صفت پر موجود ہے اسی کے مطابق ذمے باقی رہے گی اور اس میں آخر وقت کا اعتبار ہے۔ پس اس قاعدہ پر یہ مسئلہ مرتب ہے کہ مسافر کی نماز دوران سفر دو رکعتیں ہیں۔ لیکن اگر وہ اقامت کی نیت کر لے تو جب تک وقت باقی ہے وہ دو کے بجائے چار رکعتیں ہو جائے گی۔ اور یہی حکم ہے اگر مسافر کسی مقامی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو وہ پوری چار رکعتیں پڑھے گا۔ لہٰذا مسافر اگر وقت میں مقیم امام کی اقتداء کرے تو ٹھیک ہے اور اس پر اتمام لازم ہوگا۔ لیکن اگر وقت نکل جانے پر اقتداء کرے تو صحیح نہیں۔ کیونکہ اب اس کے ذمے دو رکعت لازم ہو چکی ہیں گی۔ لہٰذا اقتداء سے ان میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ ورنہ فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے حق قعدہ میں اقتداء لازم آئے گی۔

مسئلہ: اگر کسی مسافر نے وقت میں مقامی امام کی اقتداء کی پھر اسکی نماز فاسد ہوگئی تو اب وہ کیا کرے تو آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اب وہ زوالِ اقتداء کیوجہ سے صرف دو رکعتیں پڑھے اور اگر مقامی شخص مسافر کی اقتداء کرے تو یہ وقت اور خارج وقت دونوں میں جائز ہے۔

مسافر کے پیچھے اقتداء کا طریقہ

جب مسافر امام دو رکعت نماز پڑھائے تو اس کی نماز پوری ہو جانے کی وجہ سے سلام پھیر دے تو مقامی مقتدی کھڑے ہو کر بغیر قرأت کے اپنی نماز پوری کریں۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ امام کی اقتداء میں ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ لوگ قرأت سے نماز پوری کریں اور مسافر امام کے لئے مستحب ہے کہ جب سلام پھیرے تو فوراً کہہ دے "لوگو! اپنی نماز پوری کرو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں"۔ اگر گھر میں نماز رہ گئی پھر سفر میں گیا تو پھر چار رکعت پڑھے۔ اور اگر سفر میں رہ گئی اور گھر میں آیا تو دو رکعت قضا پڑھے۔

وطن کی اقسام

وطن کی تین قسمیں ہیں: (۱) وطن اصلی۔ (۲) وطنِ اقامت۔ (۳) وطن سفر۔

وطن اصلی...... کسی انسان کی جائے پیدائش یا جہاں اس کے اہل و عیال ہوں، اور وہاں گزر اوقات کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن کہیں جانے کا ارادہ نہ ہو تو یہ وطنِ اصلی کہلاتا ہے۔ لیکن جہاں اس کی پیدائش ہوئی اس کے علاوہ کہیں اور اس کے والدین رہتے ہوں اور یہ بالغ ہو وہاں اس کے اہل و عیال نہ ہوں تو یہ اس کا وطنِ اصلی نہیں۔ "مبسوط" میں ہے کہ جو کسی جگہ پیدا ہوا یا اس نے کسی جگہ کو وطن بنالیا یا اس کے وہاں اہل و عیال ہیں تو ان سب صورتوں میں یہ اس کے وطنِ اصلی ہیں۔

مسئلہ: مسافر نے کسی شہر میں شادی کر لی لیکن وہاں اقامت کا ارادہ نہ کیا تو بعض کے نزدیک مقیم نہ ہوگا جبکہ بعض کے نزدیک مقیم ہو جائے گا اور یہی اچھی وجہ ہے۔ اگر اس کے اہل و عیال دو شہروں میں ہوں تو یہ جس شہر میں بھی جائے گا مقیم ہو جائے گا۔ اگر ایک شہر والی بیوی مر گئی لیکن وہاں اس کی زمین اور جائیداد ہے تو بعض نے کہا ہے کہ یہ اس کا وطن نہ رہے گا لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ اس کا وطن باقی رہے گا۔ اگر کہیں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے اور وہ جگہ اس کی جائے پیدائش نہ ہو اور نہ وہاں اس کے اہل و عیال ہوں تو یہ وطنِ اقامت کہلاتا ہے اور جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کیا تو یہ وطن سفر ہے۔ اس کو وطن سکونت بھی کہتے ہیں۔ آئمہ تحقیق کے نزدیک اس وطن کا کوئی اعتبار نہیں۔

وطنِ اصلی کا بقا اور بُطلان

ایک وطن اصلی دوسرے وطن اصلی کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کا ایک وطن اصلی تھا پھر اسے چھوڑ کر دوسری جگہ کو وطن بنا لیا تو اب پہلا وطن اس کے لئے وطنِ اصلی نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد یہ پہلی جگہ جائے تو اس کے لئے نماز پوری پڑھنا لازم نہیں بشرطیکہ اقامت کی نیت نہ کرے۔ لیکن وطنِ اصلی، وطنِ اقامت اور سفر سے باطل نہیں ہوتا۔ لیکن وطن اقامت دوسرے وطنِ اقامت سے باطل ہو جاتا ہے۔ اگر چہ دونوں کے درمیان مسافت سفر نہ ہو۔ اور اسی طرح سفر کرنے کی وجہ سے بھی باطل ہو جاتا ہے۔ وطنِ اصلی کے لئے بالا تفاق سفر کرنا شرط نہیں۔ اور ظاہر روایت میں وطن اقامت کا بھی یہی حکم ہے۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ وطن اقامت کے لئے سفر کرنا شرط ہے۔ لہٰذا یہ اگر اپنے شہر سے بغیر ارادہ سفر گھر سے نکلا اور کسی بستی میں پہنچ گیا اور یہاں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا تو یہ جگہ اس کے لئے وطن اقامت نہ ہوگا کیونکہ اس نے سفر نہ کیا۔ اسی طرح اگر اس نے سفر کا ارادہ کیا لیکن مسافت سفر طے کرنے سے پہلے کسی بستی میں مقیم ہو گیا تو اس صورت میں بھی یہ جگہ وطن اقامت نہ ہوگی۔ لیکن ظاہر روایت کے مطابق دونوں صورتوں میں یہ جگہ وطنِ اقامت ہو جائے گی۔

مسافر کے لئے رعایت

مسافر کے لئے سنت اور نوافل چھوڑنے کی اجازت ہے۔ لیکن بعض نے کہا کہ سنت نہ چھوڑے۔ امام حلبی لکھتے ہیں کہ امام ابو جعفر ہندوانی نے اس باب میں عادلانہ فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر دورانِ سفر کہیں وقتی طور پر ٹھہر جائے تو سنت پڑھنا بہتر ہے اور اگر منزل کی طرف رواں دواں ہے تو پھر چھوڑ دینا بہتر ہے۔ لیکن صبح کی سنتیں ہر حال میں ادا کرنی ہوں گی۔

نیک اور بدکار کے سفر کا حکم

ہمارے نزدیک سفر کی رعایت جیسے جائز سفر کرنے والے کو حاصل ہے اسی طرح اگر گناہ کے لئے سفر کر رہا ہے تو گناہگار مسافر کے لئے بھی وہی رعایت ہے۔ لیکن دوسرے تین اماموں کے نزدیک گناہگار کے لئے کوئی رعایت سفر نہیں۔ مثال جیسے بھاگنے والا غلام، چور، رہزن، ڈاکو، زانی اور شرابی وغیرہ جب ان برے کاموں کے لئے سفر کریں تو ان کو دورانِ سفر کوئی رعایت نہیں۔

جمع بین الصلوٰتین کا حکم

دو نمازیں ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا اس کے متعلق اہلِ علم کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول...... آئمہ ثلاثہ اور دوسرے اہلِ علم حضرات کے نزدیک کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے ایک وقت میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنی جائز ہیں۔ اور عذر کی مثال جیسے سفر پر جلدی جانا چاہتا ہے یا شدید بارش ہے یا اسی طرح اسے کوئی اور مجبوری ہے تو یہ شخص دو نمازیں ایک وقت میں اکٹھی پڑھ سکتا ہے۔ پس اس میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں۔ جمع تقدیم کی مثال جیسے ظہر کے وقت نمازِ ظہر اور نمازِ عصر پڑھنا۔ جمع تاخیر کی مثل جیسے عشاء کے وقت نمازِ مغرب اور عشاء پڑھنا۔ یعنی پچھلی نماز کو اگلی نماز کے وقت میں پڑھنا جمع تقدیم اور اگلی نماز کو پچھلی کے وقت میں ادا کرنا جمع تاخیر ہے۔ اور کتب روایات میں جمع بین الصلوٰتین کے متعلق چند احادیث مروی ہیں۔ جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

دوسرا قول...... اہلِ حدیث کا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی عذر مجبوری ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں علی الاطلاق دو نمازوں کو یکجا کر کے پڑھ

جائز ہے۔اس موقف پر ان کے پاس سوائے جامع ترمذی کی ایک روایت کے کوئی اور حدیث موجود نہیں۔لیکن اس حدیث کے بارے میں خود امام ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور آئمہ میں سے کسی نے اس پر عمل نہیں کیا۔اور نہ اس سے اس مسئلہ میں استدلال کیا ہے۔

تیسرا قول......آئمہ احناف کا ہے۔ان کے نزدیک دو نمازوں کو خواہ عذر ہو یا نہ ہو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں۔بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا ضروری ہے۔ہاں البتہ حج کے موسم میں عرفات میں ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ اکٹھا پڑھنا جائز ہے۔لیکن اس کے لئے امیرِ حج کی قیادت اور احرام شرط ہے ورنہ جائز نہیں۔اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا علی الاطلاق یعنی بغیر کسی شرط جائز ہے۔ان دو مقامات کے علاوہ کہیں اور دو نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنی درست نہیں۔اور نہ اس کے جواز کی کوئی گنجائش ہے۔

فصل......نماز جمعہ کے بعض ضروری مسائل واحکام

نوٹ......اسلام میں نماز جمعہ ایک خصوصی عظمت اور شان والی نماز ہے۔جو بلاشبہ شعائر اسلام میں داخل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے چند خصوصی شرائط ہیں۔اگر وہ پائی جائیں تو یہ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔

۱- اگر شرائط پائی جائیں تو نماز جمعہ نمازِ ظہر کی طرح ہر مکلف پر فرض عین ہے۔اس کے لئے دو قسم کی شرائط ہیں: (۱) شرائط وجوب۔ (۲) شرائط ادا۔

شرائط وجوب چھ ہیں

۱- مرد ہونا لہذا عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں۔

۲- مقیم ہونا۔لہذا مسافر پر واجب نہیں۔

۳- آزاد ہونا۔لہذا غلام پر واجب نہیں۔اگر چہ اسے مالک اجازت دے۔اور یہ بھی کہا گیا کہ اس صورت میں واجب ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اسے پڑھنے نہ پڑھنے میں اختیار ہے۔مکاتب غلام کے بارے میں صوابدید یہ ہے کہ اس پر نماز جمعہ واجب ہے۔اور اس غلام پر بھی نمازِ جمعہ واجب ہے جس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا۔لیکن ماذون غلام پر واجب نہیں۔بعض نے یہ کہا ہے کہ مزدور رکھنے والا اپنے مزدور کو نماز جمعہ پڑھنے سے روک سکتا ہے۔لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ہاں البتہ اگر مزدور کہیں دور جا کر نماز جمعہ ادا کرے تو جتنی دیر اس کام میں لگائے گا تو اس کے مطابق اس کی اُجرت ساقط ہو جائے گی۔اور اگر نماز پڑھنے کے لئے کسی قریب جگہ جائے تو اُجرت ساقط نہ ہوگی۔

۴- تندرست ہونا۔لہذا مریض پر واجب نہیں۔بشرطیکہ اسے مرض بڑھ جانے یا دیر میں ٹھیک ہونے کا خطرہ ہو۔یہی حکم اس انتہائی بوڑھے کا ہے جو نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے نہ جا سکے۔

۵- دونوں آنکھوں کا سلامت ہونا۔لہذا اندھے پر نماز جمعہ واجب نہیں۔امام اعظم کا یہی موقف ہے۔لیکن صاحبین کے نزدیک اگر اندھے کے لئے کوئی قائد ہو تو پھر اس پر واجب ہے۔

۶- پاؤں کا سلامت ہونا۔لہذا اپاہج اور پاؤں کٹے پر واجب نہیں۔اگر چہ اسے اٹھا کر کوئی لے جانے والا ہو۔اسی طرح اگر کسی کو ظالم

سے خطرہ ہو یا بارش اور برف باری ہو رہی ہو یا اتنا کیچڑ ہو کہ اس کے لئے کسی قدر مشکل ہو لہذا ایسے سب لوگوں پر نماز جمعہ واجب نہیں کیونکہ ان میں پوری شرائط موجود نہیں۔ لیکن اگر یہ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں جائیں اور نماز ادا کریں تو پھر یہ وقتی فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس کی مثال جیسے محتاج پر حج فرض نہیں لیکن اگر وہ ادا کرے تو ادائیگی صحیح ہے۔

نمازِ جمعہ کے ادا کرنے کی شرائط

اس کو ادا کرنے کے لئے چھ شرائط ہیں: 1۔ شہر یا اس کی حدود۔ لہذا احناف کے نزدیک بستیوں میں جمعہ ادا کرنا جائز نہیں۔ یہی اکابر صحابہ اور تابعین کا مذھب ہے۔ چنانچہ حضرت علی، حذیفہ، عطا، حسن بصری، مجاہد، محمد ابن سیرین، سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ حضرت علی سے یہ روایت ہے:

لا جمعة و لا تشريق و لا صلوٰة فطرٍ و لا اضحى الا في مصرٍ جامع او مدينة عظيمة . و الموقوف كالمرفوع و لا مدخل فيه للرأى . (حاشيه صغيرى صفحه ۲۷۷)

یعنی نماز جمعہ نہیں اور ایام تشریق کی تکبیریں بھی نہیں۔ چھوٹی بڑی عیدیں بھی نہیں مگر جامع شہر یا بڑے شہر میں۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حدیث موقوف اس باب میں مرفوع کی طرح ہے۔ کیونکہ عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

شہر کی تعریف

كل موضع له امير و قاضٍ ينفذ الاحكام و الحدود و هذا هو الصحيح كما اختارهٗ صاحب الهداية و المراد القدرة على اقامة الحدود صرّح به في تحفة الفقهاء و لا بد من كون الموضع المذكور ذا سكك و رساتيق صرح به فيها ايضاً الا ان صاحب الهداية تركه بناء على الاعتماد الغالب لان الامير و القاضي لا يكون الا في بلد له رساتيق و اسواق و سكك الخ . و المسجد الجامع ليس شرط فتجوز في فناء المصر و هو ما اتصل به معدًا لمصالحه من ركض الخيل و جمع العساكر و المناصلة و دفن الموتىٰ و صلوٰة الجنازة و نحو ذالك . (صغیری صفحہ ۲۷۷)

یعنی اگرچہ تفسیر مصر میں اختلاف ہے اور ہر عالم نے اپنی صوابدید کے مطابق اس کی تعریف کی ہے۔ لیکن صحیح تعریف وہ ہے جس کو صاحب ہدایہ نے پسند کیا کہ شہر وہ جگہ ہے جہاں حاکم اور قاضی ہو۔ جو لوگوں پر احکام نافذ کریں اور حدود قائم کریں۔ یہاں احکام نافذ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں حدود قائم کرنے کی طاقت ہو خواہ بالفعل نافذ کریں یا نہ کریں۔ تحفۃ الفقہاء میں یہی تشریح فرمائی۔ اور اسی میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ اس جگہ میں مختلف گلیاں اور بازار ہوں۔ لیکن صاحب ہدایہ نے اس قید کو چھوڑ دیا۔ اس غالب اعتماد پر کہ جہاں امیر اور قاضی ہوں وہ جگہ اسی طرح کی ہوسکتی ہے۔ لہذا نماز جمعہ کے ادا کرنے کے لئے جامع مسجد شرط نہیں کیونکہ اس کی ادائیگی فناءِ مصر میں بھی جائز ہے۔ اور فناءِ مصر کی تعریف یہ ہے کہ جو جگہ شہر کے متصل اور حدود شہر میں شامل ہوا سے مختلف مصالحہ کے لئے واگزار چھوڑا گیا ہو۔ جیسے گھوڑے دوڑنے کا میدان، اجتماع فوج کے مقامات، تیراندازی اور کھیل کے میدان، قبرستان اور جنازہ گاہ وغیرہ۔ یہ سارے مقامات حدودِ شہر میں شامل ہونے کی وجہ سے ان میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہے۔

۲- اگر حج کا موسم ہو تو منیٰ میں نماز جمعہ درست ہے۔ بشرطیکہ خلیفہ یا امیر حجاز موجود ہو۔ لیکن امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔ اگر امیرِ حج یا خلیفہ موجود نہ ہو تو پھر بالاتفاق نماز جمعہ جائز نہیں۔ اور آئمہ کا اتفاق ہے کہ یہاں منیٰ میں نماز عید نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ لوگ مناسکِ حج میں مشغول ہوتے ہیں۔

۳- بہتر یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک ہی جگہ نماز جمعہ پڑھی جائے۔ لیکن اگر بہت سے مقامات میں نماز جمعہ ادا کی جائے تو امام صاحب کے نزدیک ظاہر روایت کی تصریح کی بنا پر جائز ہے۔ چنانچہ امام محمد متعدد مقامات میں نماز جمعہ پڑھنے کے قائل ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ صرف دو جگہ نمازِ جمعہ ادا ہو سکتی ہے اور امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ دو جگہ بھی نمازِ جمعہ صحیح نہیں۔ مگر یہ کہ دونوں کے درمیان نہر فاصل ہو اور جو لوگ متعدد نمازِ جمعہ کے قائل نہیں ان کے نزدیک اگر متعدد جگہ نماز جمعہ پڑھی گئی تو ان کی نماز صحیح ہوگی۔ جنھوں نے پہلے پڑھی۔ یعنی پہلے فارغ ہوئے یا پہلے شروع کی۔ اگر سب نے اکٹھی پڑھی یا پڑھنے میں اشتباہ لگ گیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی۔

۴- **احتیاط ظہر کا حکم**...... اگر کہیں نماز جمعہ پڑھنے میں شرائط کی وجہ سے شک پیدا ہو جائے تو نماز جمعہ پڑھنے کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت سے پڑھے۔ اسی کو احتیاطِ ظہر کہتے ہیں اگر اس کی نماز جمعہ صحیح ہوگئی تو ظہر اس سے ساقط ہو جائے گی۔ ورنہ نماز جمعہ کی بجائے یہی چار رکعت ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ نماز جمعہ کے بعد اس کی سنتیں پڑھے پھر نیت مذکورہ سے چار رکعت پڑھے۔ پھر دو رکعت سنتِ وقت پڑھے۔ اگر اس کی نماز جمعہ ٹھیک ہوگئی تو یہ ساری رکعتیں سنتوں کی ادائیگی ہو جائے گی ورنہ ظہر اپنی سنتوں کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔

نوٹ: اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ادائیگی نماز جمعہ میں کیسے شک پیدا ہوگا؟

جواب: شک واقع ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ صورت تو تقریباً ہر جگہ پائی جاتی ہے کہ نماز جمعہ ایک شہر میں کئی جگہ ادا ہوتی ہے۔ اگر چہ تعدد نماز جمعہ معتبر قول کے مطابق صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن اس کے باوجود جواز تعدد میں شبہ پیدا ہو گیا۔ لہذا چار رکعت احتیاط ظہر تقویٰ کے مناسب ہے۔

۵- **احتیاط ظہر پڑھنے کا طریقہ**...... آخر ظہر کی نیت سے جو چار رکعت پڑھی جائیں ان کی چاروں رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے۔ بشرطیکہ اس کے ذمے کوئی قضا نہ ہو اگر یہ نماز فرض کی جگہ ہو جائے تو سورت پڑھنا کو مضر نہیں اگر نفل کی جگہ ہو تو سورت پڑھنا واجب ہے۔

۶- جو شخص جمعہ کے دن شہر کے کنارے پر ہو کہ اس میں اور شہر میں کوئی کشادگی نہ ہو بلکہ شہر کی عمارت متصل ہو تو اس پر نماز جمعہ واجب ہے۔ لیکن اگر اس کے اور شہر کے درمیان کھیت اور چراگاہ ہو تو اس کے ذمے نماز جمع نہیں۔ اگر چہ اسے آذان کی آواز سنائی دیتی ہو۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اگر آواز سنے تو پھر نماز جمعہ اس پر لازم ہے۔

۷- اگر کوئی دیہاتی بروز جمعہ شہر میں گیا ہوا گر اس نے وقت جمعہ تک ٹھہرنے کا ارادہ کیا تو نماز جمعہ لازم ہوگی اور اگر نماز جمعہ سے پہلے جانے کا ارادہ کیا تو پھر لازم نہ ہوگی۔ اور اگر نماز جمعہ کے بعد جانے کا ارادہ کیا تو پھر اس پر نماز جمعہ لازم ہوگی۔ لیکن فقیہ ابواللیث نے کہا کہ لازم نہ ہوگی۔ امام قاضی خان نے اسی کو پسند کیا۔

نماز جمعہ کی دوسری شرط

اس کی دوسری شرط یہ ہے کہ بادشاہ ہو یا جس کو بادشاہ نے اجازت دی ہو۔ اگر بادشاہ یا اس کے قائم مقام میں سے کوئی نہ ہو تو عام لوگ جس پر اتفاق کر بیٹھیں وہ انھیں نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے۔ اگر عورت حاکم ہو اگر چہ وہ خود نماز جمعہ قائم نہیں کر سکتی لیکن اس کے حکم سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ خطبہ کی اجازت نماز کی اجازت ہے۔ اور نماز کی اجازت خطبہ کی اجازت ہے۔

جمعہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ وقت ہو

لہذا نماز جمعہ وقت کے بعد درست نہیں۔ اور اس نماز کا وہی وقت ہے جو نماز ظہر کا ہے۔ اور اسی پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ لہذا سورج ڈھلنے سے پہلے جائز نہیں۔ اور نہ عصر کا وقت ہونے کے بعد جائز ہے۔ البتہ امام احمد کا ایک قول ہے کہ قبل از زوال جائز ہے اور امام مالک کی ایک روایت میں عصر کا وقت ہو جانے کے بعد بھی جائز ہے۔ اگر اس کا وقت نکل جائے اور کوئی شخص نماز جمعہ پڑھ رہا ہو تو وہ از سر نو نماز ظہر پڑھے۔ ہمارے نزدیک وہ نماز جمعہ پر مدار نہ رکھے۔ البتہ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

چوتھی شرط خطبہ

نمازِ جمعہ کی چوتھی شرط خطبہ ہے۔ جمہور کے نزدیک خطبہ نماز کے لئے شرط ہے۔ اور اس کے لئے یہ شرائط ہیں: ۱۔ وقت میں پڑھا جائے۔ لہذا وقت سے پہلے صحیح نہیں۔ ۲۔ لوگوں کی موجودگی میں پڑھا جائے۔ اگر خطبہ اکیلا پڑھا، پھر لوگ آئے اور اس نے انھیں نماز پڑھائی تو جائز نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک خطبہ کے لئے لوگوں کی جماعت کی حاضری ضروری ہے۔ سماع ضروری نہیں۔ لہذا اگر لوگ دور بیٹھے ہوں ان تک خطبہ کی آواز نہ پہنچے یا سو گئے ہوں یا بہرے ہوں تو پھر بھی خطبہ پڑھا تو جائز ہوگا۔ امام صاحب کے نزدیک خطبہ کا رکن مطلقاً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے۔ لہذا اگر دو چار کلمے کے ذکر اس نے ادا کر دیئے تو خطبہ ہو گیا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ایسا طویل ذکر ہو کہ جس کو لوگ اپنے رواج میں خطبہ کہہ سکیں۔

خطبہ کے واجبات ۱۔ باوضو ہو۔ ۲۔ کھڑا ہو۔ ۳۔ لباس پہنے ہو۔

سنتِ خطبہ

۱۔ ایسے دو خطبے پڑھے کہ دونوں حمد و ثناء، تشہد اور درود شریف پر شامل ہوں اور دونوں کے درمیان بیٹھے۔ پہلے خطبہ میں تلاوت آیت اور بعد میں نصیحت ہو اور دوسرے میں مسلمان مردوں عورتوں کے لئے دعا ہو تو یہ سب کام امام شافعی کے نزدیک فرض ہیں۔ لہذا اگر کسی نے خطبہ کے موقع پر اَلْحَمْدُ للهِ یا سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تو امام اعظم کے نزدیک اگر یہ کلمات خطبہ کے ارادے سے ہوں تو خطبہ ہو گیا لیکن اگر کسی اور ارادے سے ہوں تو خطبہ نہیں ہوگا۔ خطبہ پڑھنے والے کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ دورانِ خطبہ دنیاوی باتیں کرے۔ اگر یہ خطبہ دے رہا تھا کہ لوگ اٹھ کر چلے گئے اور کچھ دوسرے آ گئے اس نے انھیں نماز پڑھائی تو نماز ٹھیک ہو گئی

مسئلہ: اگر خطیب نے خطبہ پڑھا اور گھر وضو کرنے کے لئے چلا گیا اور پھر آ کر نماز پڑھائی تو جائز ہے اور اگر اس نے ناشتہ کیا یا گھر والی سے ہم بستری کی اور غسل کر کے آیا تو از سر نو خطبہ پڑھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ناشتہ کی صورت میں جدید خطبہ نہیں۔ اگر جنابت کی حالت

میں خطبہ پڑھا تو پھر غسل کرے اور دوبارہ خطبہ پڑھے۔اور یہ سب مسائل امام فروجی کی شرح ہدایہ میں ہیں۔

ںچویں شرط جماعت

نمازِ جمعہ کی پانچویں شرط جماعت ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ نماز جمعہ کے لئے کتنے بندوں کی حاضری ضروری ہے۔اس میں چند ل ہیں......1۔امام کے علاوہ تین آدمی ہوں۔2۔امام کے علاوہ دو بھی کافی ہیں۔امام ابو یوسف کی رائے۔3۔چالیس آدمی ہوں م شافعی اور امام احمد کا یہی موقف اور ایک روایت میں تیس کا ذکر آیا ہے۔امام مالک کے نزدیک اتنے لوگ ہوں کہ جن سے بستی میں ع ہوتا ہے۔اور جماعت کے لئے یہ شرط ہے کہ مرد عاقل ہوں۔لہذا عورتیں اور بچے کافی نہیں اور آزاد یا مقیم ہونا شرط نہیں۔لہذا وں اور مسافروں سے بھی انعقادِ جمعہ ہو جائے گا۔لہذا ان لوگوں کی بھی نمازِ جمعہ میں امامت صحیح ہے اور مریض اور معذوروں کا بھی یہی ں ہے۔البتہ امام زُفر کا اس میں اختلاف ہے۔ان کے نزدیک جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ان کی امامت درست نہیں۔

لہ: امام اعظم کے نزدیک پہلے سجدہ تک لوگوں کا باقی رہنا شرط ہے۔اگر وہ اس سے پہلے چلے گئے یا نماز توڑ دی تو از سر نو ظہر کی نماز پڑھائے۔لیکن صاحبین کے نزدیک تکبیر تحریمہ تک لوگوں کا موجود ہونا شرط ہے۔اگر اس کے بعد لوگ چلے گئے۔جو رہ گئے انھیں امام نمازِ جمعہ پڑھائے۔اور امام زفر کے نزدیک قعدہ میں مقدار تشہد تک لوگوں کا موجود ہونا شرط ہے۔

ٹی شرط اِذنِ عام

نماز جمعہ کی چھٹی شرط اِذنِ عام ہے۔یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کو بادشاہ اور امیر کی طرف سے نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت ۔لہذا کسی کے لئے جامع مسجد میں جانے کی رکاوٹ نہ ہو۔

لہ: اگر بادشاہ نے اپنے محل کا دروازہ بند کروا کے اس کے اندر اپنے خدام اور ملازمین کے ساتھ نمازِ جمعہ پڑھی تو نماز جمعہ نہ ہوگی۔لیکن اگر اس نے محل کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور لوگوں کو عام داخل ہونے کی اجازت دے دی اگر وہ داخل ہوں یا نہ ہوں نماز جمعہ صحیح ہے۔

لہ: نمازِ جمعہ کے لئے اس دن تیاری کرنا، غسل کرنا، صاف ستھرا لباس پہننا، مسواک کرنا، اور خوشبو لگانا اور پہلی اذان ہوتے ہی نماز کے لئے چل پڑنا یہ سب کام مستحب ہیں باعثِ ثواب ہیں۔پہلی اور دوسری اذان میں واضح فرق ہے جو محتاج بیان نہیں۔

لہ: جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے جائے تو لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز پڑھنی چھوڑ دیں اور دنیاوی باتیں بھی نہ کریں۔امام اعظم کی یہی رائے ہے۔حتی کہ اگر خطیب خطبہ پڑھ رہا ہے تو اس وقت قرآن مجید پڑھنا، سلام کا جواب دینا، چھینک مارنے والے کی چھینک کا جواب دینا، کھانا پینا، اور کوئی دوسرا کام کرنا مکروہ ہے۔

لہ: جب خطبہ پڑھنے والا اثنائے خطبہ میں آیت درود پڑھے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک سامعین حضرات خاموش رہیں اور درود شریف نہ پڑھیں۔لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک آہستہ درود پڑھنا جائز ہے۔بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔لیکن اکثر کا خیال سکوت ہے۔چنانچہ فتاویٰ حجت میں آیا ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے۔امام صاحب سے مروی ہے کہ اگر چھینک آئے تو دل میں یہ الحمد للہ کہہ سکتا ہے لیکن بلند آواز سے نہ کہے اور یہی صحیح ہے۔اور یہی حکم ہے چھینک کا جواب دینے اور سلام کا جواب دینے میں کہ دل میں کہے تو جائز ہے۔اسی طرح سر یا آنکھ یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دے تو ٹھیک ہے لیکن زبان سے نہ بولے۔بعض اہلِ علم سے مروی ہے کہ جب تک خطیب ظالم حکمرانوں کی تعریف نہ کرے اس وقت تک خاموش رہنا ضروری ہے۔یہی وجہ

ہے کہ بعض اہلِ دانش نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں خطبہ کے وقت امام سے دور بیٹھنا بہتر ہے تا کہ اس سے کوئی غیر شرعی کلا
سنے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ قریب بیٹھنا بہتر ہے۔ اور دور بیٹھنے والے کے لئے بھی خاموشی ضروری ہے اگر چہ بعض نے اسے پڑھنے
اجازت دے دی چنانچہ امام ابو یوسف سے مروی ہے دور بیٹھنے والا کتاب سے اس کی اصلاح کرسکتا ہے۔

مسئلہ: جب امام خطبہ پڑھنے کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو موذن دوسری اذان اس کے سامنے پڑھے۔ اور لوگوں کے لئے مستحب یہ ہے
امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت وہ اس کی طرف منہ کر کے بیٹھیں۔ لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ لوگ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھتے
تا کہ صفیں سیدھی ہونے میں فرق نہ آئے۔ کیونکہ لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ (شرح ہدایہ للسروجی)

مسئلہ: جب امام خطبہ سے فارغ ہو جائے تو تکبیر پڑھے اور لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے اس میں اتنی مقدار قرأت کرے جو ظہر میں
جاتی ہے کیونکہ نماز جمعہ اس کا بدل ہے۔

فائدہ: بہتر یہ ہے کہ اس موقع پر حدیث پاک میں جن سورتوں کے متعلق وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انھیں نماز جمعہ میں پڑ
وہ پڑھے۔ مثلاً سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ اعلیٰ، سورۂ ھل اتک حدیث الغاشیہ۔ لیکن کبھی کبھی انھیں چھوڑ دے تا
عام لوگ انھیں واجب نہ سمجھنے لگیں۔ اور صرف وہی سورتیں پڑھنے پر اکتفاء نہ کریں کیونکہ ان کا پڑھنا سنت ہے واجب نہیں
انھیں چھوڑنا اور قرآن مجید کا دوسرا حصہ پڑھنا جائز نہ ہو بلکہ قرآن مجید کا جو حصہ جہاں سے پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ مرو
حصہ پڑھنا سنت ہونے کی وجہ سے زیادہ بہتر ہے۔

نماز جمعہ کے مختلف مسائل

۱- اگر نماز جمعہ میں امام کے ساتھ تشہد یا سجدہ سہو میں بھی شامل ہو جائے تو نماز جمعہ ہوگئی لہذا فراغت امام کے بعد اٹھ کر صرف دو رکعت
نماز جمعہ پڑھے۔ اس مسئلہ کی دلیل، صحاح ستہ کی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے وہ روایت ہے کہ جس میں حضور ﷺ
ارشاد فرمایا:

اِذَا اُقیمت الصلوٰۃ فلا تأتوھا و انتم تسعون و أتوھا تمشون و علیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا و ما
فاتکم فاقضوا ۔(اھ)

و ھذا مطلق یشمل ما اذا ادرکہ بعد التشھد او فی سجود السھو و ھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف . و قال
محمد ان ادرک معہ رکوع الثانیۃ بنی علیہ الجمعۃ و ان ادرکہ فیما بعد ذالک بنی علیھا الظھر ۔(اھ)

(کبیری وایضا صغیری صفحہ ۲۸۱

جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس میں دوڑ کر شامل نہ ہو بلکہ آرام و اطمینان اور پورے وقار سے چل کر اس میں شمولیت اختیار کرو۔ لہذ
جو حصہ امام کے ساتھ مل جائے تو اسے اس کی معیت میں ادا کرو۔ اور جو رہ جائے تو اسے بعد از فراغت امام کھڑے ہو کر اپنے طور پر ا
کرو۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی مطلق یعنی بغیر کسی قید مذکور ہے۔ جو ادراک بعد التشہد اور سجدہ کو بھی شامل ہے۔

خلاصہ کلام...... اگر تشہد یا سجدہ سہو میں بھی امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو نماز جمعہ ہوگئی ورنہ نہیں اور امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک
اگر دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو نماز ہوگئی ورنہ نماز ظہر پڑھے مراد یہ ہے کہ دو رکعت کے بجائے چا

رکعت ظہر پڑھے۔

۲- جب خطیب (خطبہ پڑھنے کے لئے) منبر کی طرف جانے لگے تو ہمارے نزدیک لوگوں کو سلام نہ دے لیکن امام شافعی اور امام احمد کا اس میں اختلاف ہے۔

۳- جو شہر، جنگ سے فتح ہو جیسے مکہ مکرمہ تو ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ پڑھے لیکن جس شہر پر بغیر جنگ کئے قبضہ ہو جائے یعنی اپنی خوشی اور رضا مندی سے وہاں کے باشندے مسلمان ہو جائیں جیسے مدینہ منورہ تو اس میں خطبہ بغیر ہاتھ میں تلوار لئے پڑھے کیونکہ اس صورت میں لوگوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھانے کی ضرورت نہیں بخلاف صورت اُولیٰ اور دونوں میں واضح فرق ہے۔

۴- دوسرے خطبہ میں پہلے خطبہ سے آواز کچھ پست ہونی چاہئے۔ (الینابیع)۔

۵- دورانِ خطبہ امراء اور بادشاہوں کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف ذکر کرنا کہ جس کے وہ اہل نہیں شدید مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں عبادت اور گناہ کا اختلاط ہے جو جھوٹ ہونے کی وجہ سے قابل گرفت ہے لہذا اس سے پرہیز کی جائے۔

۶- جو کوئی جمعہ کے دن، بغیر کسی عذر اور مجبوری نماز جمعہ سے پہلے نماز ظہر پڑھ لے ہمارے نزدیک اگر چہ اس کی نماز ظہر صحیح ہے لیکن وہ ترک جمعہ کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ لیکن اس میں امام زفر اور دوسرے آئمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ اگر اس کے بعد اسے نماز جمعہ پڑھنے کا خیال آ گیا تو صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جانے سے (السعی الی الجمعۃ) بشرطیکہ امام جمعہ سے ابھی فارغ نہ ہوا ہو اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی۔ (خواہ نماز جمعہ پائے یا نہ پائے)۔ لہذا اگر نماز جمعہ نہ پائے تو اعادہ ظہر کرے یا نماز جمعہ کے لئے گیا اور بغیر شمولیت کئے لوٹ آیا تو اس صورت میں بھی اعادہ ظہر کرے۔

لیکن امام صاحب کے دو نامور شاگردوں (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک نماز ظہر باطل نہیں ہوتی جب تک وہ نماز جمعہ شروع نہ کرے اور ایک روایت میں ہے جب تک نماز جمعہ پوری نہ ہو جائے اس وقت تک نماز ظہر باطل نہ ہوگی۔

۷- اگر کسی معذور شخص نے (جیسے مسافر وغیرہ) نماز ظہر (ادائیگی جمعہ سے) پیشتر پڑھ لی۔ پھر نماز جمعہ پڑھنے کے لئے گیا تو صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جانے سے بالاتفاق نماز ظہر باطل نہ ہوگی لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ یہاں معذور اور غیر معذور میں کچھ فرق نہیں۔

۸- اگر کوئی شخص جامع مسجد میں موجود ہو اور اس نے خطبہ سنا (اس کے باوجود) اٹھ کر نماز ظہر پڑھ لی تو اس کی نماز ظہر جائز ہوگی۔ منقوص نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس نے نماز جمعہ شروع کر لی تو نماز ظہر ٹوٹ جائے گی۔ اصول کا تقاضا اور مناسبت یہی ہے۔

۹- معذور اور قیدی کے لئے کسی شہر میں جمعہ کے دن نماز ظہر باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ خواہ نماز جمعہ کے ادا ہونے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو اور بیمار کے لئے مستحب ہے کہ وہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے نماز ظہر نہ پڑھے۔

۱۰- بہتر یہ ہے کہ جو خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے اور اگر کسی دوسرے نے نماز پڑھا دی تو یہ بھی جائز ہے۔

۱۱- اگر صاحب ترتیب کو نماز جمعہ پڑھتے ہوئے نماز فجر یاد آ گئی تو وہ نماز جمعہ توڑ کر نماز فجر پڑھے۔ بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو پس اس صورت میں اگر نماز جمعہ فوت ہو گئی تو نماز ظہر پڑھے۔ لیکن امام محمد نے فرمایا کہ اگر نماز جمعہ کے رہ جانے کا خطرہ ہو تو اسے نہ توڑے۔

۱۲- اگر کوئی شخص نماز پڑھنے ایسے وقت آیا کہ مسجد نمازیوں سے بھر چکی۔ اگر اسے نمازیوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جانا پڑے تو یہ اس طرح نہ کرے۔ لہذا پیچھے ہی رہے۔ لیکن اگر گردنیں پھلانگنے کی نوبت نہ آئے یعنی یہ کسی کے کپڑے اور جسم کو بغیر چھوئے آگے

بڑھ سکتا ہے تو آگے بڑھنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ یہ امام کے قریب ہو جائے۔ فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے اکابر اصحاب سے نقل کیا ہے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا یہ گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر امام نے خطبہ پڑھنا شروع کر دیا تو پھر آگے نہ بڑھے۔ لہذا تخطی رقاب کے لئے یہ دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو تکلیف نہ دے۔ دوسری یہ کہ امام نے خطبہ نہ شروع کیا ہو۔ لیکن یہاں ایک تیسری شرط کا بھی اضافہ کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ یہ صفوں میں جگہ پائے۔ لیکن اگر یہ اپنے آگے جگہ نہ پائے تو پھر بر بنائے ضرورت آگے بڑھ سکتا ہے۔ (اور ایسا کرنے سے شرعاً مجبوری کی وجہ سے آگے بڑھ سکتا ہے)۔

۱۳- دو خطبوں کو ضروری طول کے علاوہ زیادہ بڑھا دینا۔ اور انھیں طوال مفصل سورتوں سے زیادہ کر دینا مکروہ ہے۔ خصوصاً سردیوں کے دنوں میں۔

۱۴- جمعہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد نماز جمعہ پڑھنے سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کیا تو صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔

فصل......دو عیدوں کے چند مسائل

۱۔ اسلام میں پورے سال میں چھوٹی اور بڑی عید پڑھنے کا بڑی شان و شوکت سے اہتمام کیا جاتا ہے لہٰذا جس پر نماز جمعہ فرض ہے اس پر نماز عید ادا کرنا واجب ہے اور یہی صحیح مذہب ہے اور اس کی بھی وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کی شرائط ہیں گویا کہ شرائط وجوب ادا میں دونوں برابر ہیں۔ لیکن خطبہ مستثنیٰ ہیں کہ وہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے کہ نماز سے پہلے پڑھا جائے لیکن نماز عید کے لئے سنت ہے جو نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے۔

دو عیدوں کی نماز کے احکام

چھوٹی عید کے دن مستحب ہے کہ کچھ کھا کر نماز پڑھنے جائے اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ میٹھی کھجوریں کھا کر جائے۔ لیکن بڑی عید میں قربانی کے گوشت سے پہلے کچھ نہ کھائے عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ قربانی کا گوشت کھانے سے پہلے یہ روزہ رکھے اور پھر قربانی کے گوشت سے کھولے تو یہ بے اصل بات ہے لہٰذا ایسے اعتقاد یا عمل میں کچھ شرعی فائدہ نہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو قربانی کرے۔ قربانی نہ کرنے والوں کے لئے یہ پابندی نہیں۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے اور زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ بڑی عید کے دن کچھ کھا لینا اور چھوٹی عید کے دن کچھ نہ کھانا دونوں مکروہ ہیں۔

۲) چھوٹی عید کو عید گاہ جانے سے پہلے فطرانہ ادا کرنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ نماز عید پڑھنے کے لئے اگر چل سکتا ہے تو پیدل چل کر جائے لیکن سوار ہو کر جانا بھی مکروہ نہیں اور یہی حکم بھی نماز جمعہ کا ہے۔

اس امر اور بڑی عید کے دن بالاتفاق راستے میں بلند آواز سے تکبیرات پڑھتے جائیں۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک چھوٹی عید میں اونچی آواز سے تکبیریں نہ پڑھے۔ لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں میں بلند آواز میں تکبیریں پڑھ سکتا ہے اس بارے میں امام صاحب سے بھی ایک روایت منقول ہے اور یہ اختلاف جواز میں نہیں بلکہ فضیلت میں ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں کراہت نہیں۔

تکبیرات تشریق کب شروع کرے اور کب ختم کرے

نو ذی الحجہ کو شروع کرے بعض نے کہا ہے کہ عید گاہ پہنچتے ہی تکبیرات ختم کر دے لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ نماز عید پڑھتے وقت ختم

کرے۔ دونوں روایات ائمہ کرام سے منقول ہیں۔

۴) عید کے دن نماز عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔ لہٰذا یہ مسجد یا گھر میں بھی نوافل نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں البتہ نماز ہو جانے کے بعد گھر میں نوافل پڑھ سکتا ہے کیونکہ شرعاً یہی مروی ہے۔

نماز عید کا طریقہ

جب ایک نیزہ سورج بلند ہو جائے اور وقت مکروہ نکل جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز عید پڑھائے لیکن اس کے لئے اذان واقامت نہ ہو پھر تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے نماز شروع کر دے سب لوگ زیر ناف ہاتھ باندھ لیں اور دعا ئیہ اذکار اپنے اپنے موقع محل پر پڑھیں اور تعوذ اور قرأت سے پہلے تعوذ و تسمیہ بھی پڑھیں۔ پھر پہلی رکعت میں قرأت شروع کرنے سے پہلے تین زائد تکبیریں بلند آواز سے کہے اور ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھائے۔ پھر فراغت کے بعد ہاتھ زیر ناف باندھ لے اور دونوں تکبیروں میں معمولی سا فاصلہ رکھے۔ پھر فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے اور پہلی رکعت پوری کر کے دوسری رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے اور پھر رکوع میں جانے سے پہلے حسب سابق تین زائد تکبیرات کہے اور اس طرح نماز عید پوری کرے۔ پس پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیرات پڑھے تا کہ دونوں رکعتوں کی قرأت آپس میں متصل ہو جائے۔ احناف کے نزدیک یہ کل چھ تکبیریں ہیں جو دو رکعتوں پر تقسیم ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے امام مالک کے نزدیک پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں اور ان سب میں تکبیرات کے بعد قرأت کرے۔ امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہیں اور دوسری میں پانچ ہیں گویا احناف اور دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک تکبیرات عید کی تعداد میں کسی قدر اختلاف سے ہیں۔

بڑی عید بھی چھوٹی عید کی طرح ہے۔ البتہ اس میں تکبیرات تشریق جو سنت ہیں۔ اور ان کیلئے بھی جمعہ کیطرح دو خطبے مسنون ہیں۔

یعنی بڑی اور چھوٹی عید میں نماز کے بعد دو خطبے پڑھے (مسئلہ) جس راستے سے نماز پڑھنے جائے واپسی پر کسی دوسرے راستے سے واپس لوٹے مراد یہ کہ یہ راستہ بدل دے۔

اگر نماز عید رہ جائے تو کیا کرے

اگر نماز عید رہ جائے تو اس کی کوئی قضا نہیں۔ اگر پہلے دن نماز عید الفطر رہ گئی۔ تو دوسرے دن بھی پڑھ سکتا ہے لیکن بڑی عید تین دن تک پڑھی جا سکتی ہے لیکن بلا عذر ایسا کرنا صحیح نہیں۔ یعنی اگر بڑی عید کو کسی وجہ سے دوسرے یا تیسرے دن تک موخر کرے تو جائز ہے لیکن ایسا کرنا بلا عذر کچھ اچھا اور موزوں نہیں۔

چند متفرق مسائل

۱) سورج ڈھلنے کے بعد نماز عید پڑھنے کے لئے عید گاہ میں جانا سنت ہے اگر چہ جامع مسجد لوگوں کے لئے کافی ہو۔ اکثر مشائخ کا یہی مذہب ہے۔

۲) نماز جمعہ کی طرح اس کے لئے بھی شہر اور حدود مصر کا ہونا ضروری ہے اور یہ دو تین جگہوں میں ادا کی جا سکتی ہے اور اس میں نماز سے پہلے بھی خطبہ پڑھا جا سکتا ہے لیکن مکروہ ہے یعنی نماز جمعہ اور نماز عید میں ایک فرق یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے خطبہ پہلے اور نماز عید

میں خطبہ نماز کے بعد ہے

۳) اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پائے تو پہلے بحالت قیام تکبیر تحریمہ کہے اور امام کیساتھ جماعت میں شامل ہو جائے۔ بشرطیکہ اسے رکوع میں مل جانے کی امید ہو اور اگر امام کیساتھ رکوع فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو رکوع میں تکبیرات کہہ دے۔ لیکن ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں اور جب امام رکوع سے سر اٹھائے تو بقیہ تکبیرات ساقط ہو جائیں گی انھیں رکوع میں پورا نہ کرے اور تکبیرات صحابہ سے زیادہ تکبیرات نہ پڑھے بلکہ جتنی تکبیرات ان سے مروی ہیں اس قدر پر اکتفا کی گنجائش ہے

۴) مسبوق مقتدی اگر پہلی رکعت میں تکبیرات بھول گیا حتیٰ کہ سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ لیا یا پوری سورۂ فاتحہ پڑھ لی پھر اسے یاد آیا کہ تکبیرات رہ گئی ہیں تو یہ تکبیرات کہے اور سورۂ فاتحہ پڑھے۔ لیکن اگر فاتحہ کے بعد خیال آیا تو تکبیرات پڑھے لیکن قرأت کا اعادہ نہ کرے۔

۵) مسئلہ..... اگر کسی مقتدی کی پہلی رکعت امام کیساتھ رہ گئی تو یہ اٹھ کر پہلے قرأت پڑھے پھر تکبیر کہے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا ہے لیکن پہلی بات ظاہر روایت ہے۔ لہٰذا اسی پر عمل کرے۔

مسئلہ: اگر عورتیں بڑی عید کی نماز پڑھنا چاہیں تو امام کے نماز پڑھانے کے بعد پڑھیں۔ (کذا فی الخلاصہ)

مسئلہ: بڑی عید کو جلدی پڑھنا مستحب ہے جبکہ چھوٹی عید میں تاخیر بہتر ہے۔

مسئلہ: اگر عید کے دن میت لائی جائے تو پہلے نماز پڑھے پھر نماز جنازہ پڑھے۔

مسئلہ: جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ حجامت بنوانے میں تاخیر کرے۔ لیکن یہ مستحب ہے واجب نہیں۔ لہٰذا اگر تاخیر سے کراہت پیدا ہوتی ہو تو تاخیر نہ کرے۔ مثلاً اگر چالیس دن سے زیادہ دن گزر گئے ہوں تو پھر تاخیر نہ کرے کیونکہ ارشاد رسول ﷺ میں اس کی ممانعت آئی ہے

مسئلہ: ''القنیہ'' میں لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ناخن کٹائے، مونچھیں کترے۔ زیر ناف بال صاف کرے۔ اور غسل صفائی کرے۔ یہ سب کام ہر ہفتہ میں کرے اور اگر نہ ہو سکے تو پندرہویں دن کرے۔ لیکن چالیس دنوں سے اضافہ نہ کرے۔ لہٰذا ہفتہ میں ایک مرتبہ حجامت بنوانا افضل ہے پندرہویں دن اوسط ہے۔ اور چالیس دنوں تک زیادہ بعید ہے مگر جائز ہے۔

مسئلہ: ایک آدمی کا دوسرے کو عید کے دن کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے یہ محنت قبول فرمائے اچھا ہے اس میں کوئی حرج نہیں حج کی نویں تاریخ یعنی جس دن لوگ عرفات کو جاتے ہیں جامع مساجد یا شہر سے باہر جا کر اہل عرفات سے مشابہت اختیار کرنا کچھ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مستحب اور مکروہ نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مکروہ ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے لہٰذا اس کو باعث ثواب سمجھ کر کچھ ایسا نہ کرے بلکہ مروی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے۔

ایام تشریق کی تکبیرات

۱) ایام تشریق کے جو مخصوص دن ہیں (۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳- ذی الحجہ) اس میں ہر نماز کے بعد تکبیرات کہنا مخصوص شرائط کیساتھ اکثر اہل علم کے نزدیک واجب ہے جبکہ بعض کے نزدیک سنت ہے اور شرائط یہ ہیں۔

مسئلہ: ا مقیم ہو ۲ آزاد ہو ۳۔ مرد ہو۔ ۴۔ لہٰذا مسافر، غلام اور عورت پر واجب نہیں ہر فرض نماز جو نماز جماعت مستحب کے ساتھ ادا کی جائے

اس کے بعد تکبیرات کہے اور امام صاحب کا یہی مذہب ہے لہٰذا مسافر پر واجب نہیں۔ نہ غلام پر نہ عورت پر واجب ہیں۔

مسئلہ: (۲) اور یہ تکبیرات پنجگانہ فرائض کے بعد اونچی آواز سے پڑھی جائیں گی لہٰذا یہ نماز وتر، نماز عید، یا نفلی نماز یا انفرادی نماز کے بعد نہیں۔ لیکن معذور لوگ جو جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھیں یا بستیوں میں رہنے والے ان پر واجب ہیں۔ لیکن صاحبین کے نزدیک جو بھی فرائض ادا کرے اس پر واجب ہیں۔ لہٰذا معذور اور دیہاتی بھی پڑھیں اور آج اس پر اہل اسلام کا عمل ہے

تکبیرات کب شروع کرے

مسئلہ ۱: ۹ ر ذی الحجۃ کی صبح سے لے کر تیرہ کی عصر تک پڑھے۔ صاحبین کا یہی مذہب ہے اور یہ تیئس نمازیں ہوتی ہیں۔ امام مالک کے نزدیک عید کے روز صبح کو شروع ہوتی ہیں اور امام صاحب کے نزدیک نو کی صبح سے لے کر دس کی نماز عصر تک ہیں۔ یہ صرف آٹھ نمازیں ہیں اور فتویٰ اور عمل صاحبین کے قول پر ہے۔ ان کا ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے۔

مسئلہ ۲: اگر امام تکبیرات کہنا بھول گیا اور اٹھ کر جانے لگا جب تک مسجد سے باہر نہ نکلے لوٹ آئے اور تکبیرات کہے۔ اور اگر مسجد سے نکل جائے تو پھر نہ لوٹے اور تکبیرات نہ کہے بلکہ لوگ تکبیرات پڑھیں اسی طرح اگر امام تکبیرات کو جائز نہ سمجھے اور مقتدی انہیں جائز سمجھیں۔ تو اگر چہ امام نہ پڑھے لیکن مقتدی ضرور پڑھیں۔ لہٰذا وہ اپنے خیال کے مطابق انہیں بالکل نہ چھوڑیں۔

مسئلہ ۳: اگر سجدہ سہو اور تکبیرات جمع ہو گئیں اور تلبیہ بھی ان میں شامل ہو گیا تو پہلے سجدہ سہو نکالے پھر تکبیرات ادا کرے۔ اگر تلبیہ پہلے پڑھ لیا تو تکبیرات اور سجدہ سہو ساقط ہو جائیں گی اور یہ سب مسائل ''الکافی'' میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

مسئلہ ۴: اگر کسی شخص نے ایام تشریق میں نماز چھوڑ دی پھر اسی سال ان ہی دنوں میں اسے قضا کیا تو تکبیرات ضرور پڑھے۔

مسئلہ ۵: اگر ایام تشریق کے علاوہ دوسرے دنوں میں نماز چھوڑ دے پھر اسے ایام تشریق یا غیر ایام تشریق میں قضا کیا تو دونوں صورتوں میں تکبیر تشریق نہ کہے۔

مسئلہ ۶: اگر کسی نے ایام تشریق میں نماز ترک کر دی۔ پھر دوسرے سال اسے قضا کیا تو تکبیرات تشریق نہ پڑھے اگر دانستہ بے وضو ہو گیا تو تکبیرات ساقط ہو گئیں اور اگر حدث غالب ہونیکی وجہ سے بے وضو ہو گیا تو بغیر وضو تکبیرات کہے۔

تکبیرات تشریق یہ ہیں:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

یہاں تہلیل سے پہلے دو تکبیریں ہیں اور تہلیل کے بعد بھی دو تکبیریں ہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک تہلیل سے پہلے تین تکبیریں ہیں۔ یہ تکبیرات حضرت ابراہیم علیہم السلام، حضرت اسماعیل اور حضرت جبرائیل علیہم السلام سے منقول ہیں چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت خلیل نے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل بیٹے کا فدیہ لے کر آسمانوں سے اترے اور دور ہی سے اللہ اکبر اللہ اکبر پکارا جب حضرت اسماعیل نے سنا تو کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا اللہ اکبر وللہ الحمد تفسیر کشاف میں یہی مذکور ہے لیکن فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے سنا اور فرمایا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر حضرت اسماعیل نے سنا تو فرمایا اللہ اکبر وللہ الحمد (کبیری)

باب......نماز جنازہ کے تفصیلی احکام

فصل......قریب المرگ کے بارے میں چند مسائل

مسئلہ: دنیا میں جو بھی آیا کسی نہ کسی وقت اسے یہاں سے جانا ہے کیونکہ یہاں کسی کے لئے دوام اور بقا نہیں۔ بلکہ قرآنی اطلاعات کے مطابق سب کے لئے فنا ہے اس لئے اسلام میں جس طرح انسانی زندگی کے مسائل بیان فرمائے گئے اسی طرح میت کے مسائل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور سپرد خاک تک شریعت نے اس کے لئے باقاعدہ مراعات رکھی ہیں۔ تاکہ یہاں دنیا سے اس کا جانا اسلامی احکام کے مطابق ہو۔ پس اس سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مرنے والے کو قبلہ رخ کر کے دائیں پہلو پر لٹایا جائے اور اگر اسے چت لٹایا جائے تو اس کے دونوں پاؤں قبلہ رخ ہوں اور اس کے سر کو اونچا رکھا جائے۔ تاکہ اس کا منہ آسانی سے قبلہ منہ ہو جائے اور اس کے قریب بیٹھ کر کلمہ شہادت پڑھا جائے۔ تاکہ شاید وہ بھی پڑھنے لگے تاکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ "لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله"

یعنی "اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کرو"

فائدہ: حدیث کے مفہوم میں اختلاف...... اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں لفظ "موتا" سے حقیقی مردہ مراد نہیں بلکہ قریب المرگ مراد ہے لہٰذا وہ اس سے قریب المرگ کو تلقین کرنا مراد لیتے ہیں۔ لیکن بعض نے اس کلام کو حقیقت پر مبنی کیا ہے رہی مرنے کے بعد تلقین تو اس کا ذکر بعض دوسری روایت میں آیا ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ، ابوداؤد اور بیہقی میں اچھی سندوں کیساتھ احادیث تلقین مذکور ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد اول دفن میت کی بحث میں عبداللہ بن عمر کے حوالے سے یہ روایت آئی ہے۔ جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسلمان مر جائے تو اسے روک رکھنے کے بجائے جلدی قبر تک پہنچاؤ اور اس کے سرہانے سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات اور اس کے پاؤں کی طرف سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھو تاکہ اسے تلقین ہو جائے۔ امام بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں روایت کیا ہے اس حدیث سے مرنے کے بعد دفن ہونے والے کو تلقین کرنے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فقہ احناف کی اکثر کتابوں میں تلقین میت کا تذکرہ موجود ہے اور ہمارے سرحدی علاقے میں یہی طریقہ معمول رہا ہے۔ بعض دوسرے اکابر نے کچھ اور طریقے بھی تلقین کے ذکر کئے ہیں مثلاً امام اہلسنت نے قبر پر اذان دینے کا فائدہ بخش ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور اس سلسلے میں ایک رسالہ بنام (ایذان الاجر علی آذان القبر) تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں تلقین بصورت اذان کا دلائل وشواہد کیساتھ ذکر فرمایا ہے۔ شائقین حضرات اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں اور بعض نے قبر پر انگلی رکھ کر تلقین کا ذکر کیا ہے بہر حال اصل تلقین احادیث وآثار سے ثابت ہے جس کا قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ امام حلبی بھی لکھتے ہیں کہ میت دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کا نہ حکم ہے اور نہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ جب قریب المرگ شخص دنیا سے الوداع ہو رہا ہو اور اس کے جسم میں سے روح نکل رہی ہو تو اس وقت حاضر باش لوگ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں بند کر دیں اور کسی چوڑی پٹی سے اس کے دونوں جبڑوں کو باندھ دیں۔ اور یہ کام کرنے والا زبان سے کہے:

بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ اللّٰھم یسر علیہ امرہ وسھل علیہ ما بعدہ واسعدہ بلقائک واجعل ما خرج الیہ خیراً منھا مما خرج عنہ۔

یعنی اے اللہ تعالیٰ اس جانے والے پر اس کا معاملہ آسان کر دے اور جو کچھ اس کے بعد پیش آنے والا ہے اسے آسان کر دے اور اپنی ملاقات سے اس کی مدد فرما اور اسے نیک بخت بنا دے۔ اور جس دنیا سے یہ جا رہا ہے اس کے آنے والے مقام کو بہتر بنا دے۔ پھر اس کے کپڑے اتارے اور اسے کسی ٹھوس چیز مثلاً تخت وغیرہ پر لٹا دے اور اس کے پیٹ پر کچھ وزنی چیز مثلاً تلوار یا لوہا رکھ دے۔ لیکن اس کے پیٹ پر قرآن مجید نہ رکھے اور بغیر غسل کے اس کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے لہٰذا اسے پاک صاف کر کے اس کے قریب قرآن مجید پڑھا جائے۔ اور سب مردوں کی تیاری کرنے میں جلدی کرے (شرح ھدایۃ امام سروجی) محیط میں ہے کہ میت کے پاس حیض نفاس والی عورتیں اور جنبی بیٹھ سکتے ہیں۔

غسل دینے کا طریقہ

جب میت کو لوگ غسل دینا چاہیں تو اسے کسی ٹھوس چیز، تخت وغیرہ پر رکھ دیں۔ اور مرکب خوشبو کی اسے دھونی دیں۔ یعنی یہ دھونی طاق مرتبہ ہو۔ تین، پانچ یا سات مرتبہ ہوں۔ اور اس کے پاؤں قبل شریف کی طرف کر دے بشرطیکہ ایسا ہو سکے ورنہ جیسے میت رکھی جا سکے رکھ دیں۔ ہمارے نزدیک اسے برہنہ کر کے غسل دیا جائے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک ایک کرتے میں غسل دیا جائے اور ظاہر روایت کے مطابق صرف اس کی شرم گاہ کو ڈھانپ لیا جائے لیکن نادر روایت کے مطابق ناف سے لیکر گھٹنے تک پردہ پوش کر کے غسل دیا جائے اور یہی صحیح ہے غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کوئی کپڑا لپیٹ کر اسے استنجا کروائے لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میت کے لئے کوئی استنجا نہیں پھر اسے وضو کرانے کی تفصیل یہ ہے کہ میت کے وضو میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں۔ ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے اگر اسے کلی کرانا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ روئی بھگو کر اس کے دانت صاف کیے جائیں اور اس کے دونتھنوں کو اسی طرح کسی کپڑے سے صاف کیا جائے۔ اور ظاہر روایت کے مطابق اس کے سر پر مسح کیا جائے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن بعض نے کہا کہ مسح کرانے کی ضرورت نہیں اور اس کے پاؤں دھونے میں زندوں کی طرح تاخیر نہ کی جائے یہ بالغ میت کو غسل دینے کا طریقہ ہے اگر بچہ ہو خواہ عقل مند ہو یا نہ ہو تو اسے وضو نہ دیا جائے اور اس کے سر اور داڑھی کو خوشبودار خطمی سے دھویا جائے پھر اس کے سارے جسم پر پانی بہایا جائے جو بیری کے پتوں سے جوش دیا گیا ہو یا خطمی عراقی سے یا اشنان گھاس سے اس کے پکانے سے پہلے یا صابن استعمال کیا جائے بشرطیکہ یہ چیزیں دستیاب ہوں۔ ورنہ خالص پانی سے غسل دیا جائے۔ اور اسے تین مرتبہ غسل دیا جائے اولاً بائیں پہلو پر لٹایا جائے اور پانی بہایا جائے تاکہ نچلے حصہ تک پانی پہنچ جائے اور اسے سر کے بل اوندھا نہ لٹایا جائے تاکہ اس کی پیٹھ کو دھو یا جائے۔ پھر پہلی مرتبہ میں یا دوسری مرتبہ میں اسے سہارہ دے کر بٹھایا جائے اور آہستہ آہستہ اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا جائے۔ اگر کچھ برآمد ہو جائے اسے صاف کر دیں لیکن دوبارہ غسل نہ دیا جائے اور نہ وضو کرایا جائے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ میت کو پہلی دفعہ خالص پانی سے غسل سے دیا جائے تاکہ نجاست وغیرہ دور ہو جائے اور دوسری مرتبہ بیری کا پانی بہایا جائے اور تیسری مرتبہ خالص پانی استعمال کیا جائے اگر ہو سکے تو اس میں کچھ کافور ملایا جائے۔

مسئلہ: میت کے کسی جسمانی حصہ کے ساتھ چھیڑ نہ کی جائے مثلاً نہ کہ اس کے بال کترے جائیں اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ

ختنہ وغیرہ کئے جائیں۔ ہاں اگر کوئی ناخن ٹوٹا ہوا ہے تو اسے الگ کر دے اور اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

میت کو غسل دینے کی کیفیت

بعض کے نزدیک اس موقع پر روئی استعمال نہ کیا جائے لیکن بعض نے کہا ہے کہ انسان کے جسم میں جتنے شگاف اور منافذ ہیں روئی رکھ کر انھیں بند کیا جائے بعض مشائخ نے مقام پاخانہ پر بھی روئی رکھنے کو جائز کہا ہے جبکہ عام مشائخ نے قاضی خان کے کہنے کے مطابق اسے قبیح قرار دیا ہے جب غسل مکمل ہو جائے تو کسی تولیہ سے اس کے بدن کو خشک کر دے۔ پھر مرکب خوشبو اس کے سر اور داڑھی پر لگائی جائے۔ لیکن زعفران سے مردوں کے حق میں اجتناب کیا جائے۔ لیکن عورتوں کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ اور کستوری کا استعمال بھی اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے غسل میں اس کو استعمال کیا گیا ہے۔ امام عاقب نے ابو وائل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ انھوں نے حاضرین کو یہ وصیت فرمائی کہ میرے پاس حضور ﷺ کے غسل سے بچی ہوئی کستوری ہے اسے میرے لئے استعمال کیا جائے (کبیری) اور محل سجود پر کافور رکھی جائے۔ اور وہ یہ مقامات ہیں ا۔ پیشانی ۲۔ ناک۔ ۳ دونوں ہاتھ۔ ۴ دونوں گھٹنے ۵۔ دونوں قدم یاد رہے کہ میت کو غسل دینا، کفن پہنانا اس پر نماز پڑھنا، اسے دفن کرنا یہ سب کام فرض کفایہ ہیں۔ اگر کوئی شخص اہتمام نہ کرے تو سب گناہ گار ہونگے۔ اگر کچھ لوگ ادا کر دیں تو باقی سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔

مسئلہ: اگر چند مردوں کے درمیان ایک عورت مر جائے تو اسے کوئی غسل نہ دیا جائے بلکہ اس کا کوئی محرم رشتہ دار اسے ہاتھ سے تیمم کرائے اور اگر کوئی اجنبی ہو تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے اور یہی حکم ہے اس مرد کا جو عورتوں کے درمیان مر جائے تو اسے پاک کرانے کے لئے تیمم کرایا جائے۔

غسل دینے والا کیسا آدمی ہونا چاہیے

بہتر یہ ہے کہ میت کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو۔ ورنہ کوئی امین اور پرہیز گار آدمی ہو اور مناسب یہ ہے کہ غاسل اور جو لوگ وہاں موجود ہوں، اور اگر میت کے متعلق کوئی نازیبا بات دیکھیں تو اس پر پردہ ڈالیں اور اس کے مرنے سے پہلے پیدا ہونے والے عیوب کا ذکر نہ کریں مثلاً یہ نہ کہیں کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا لیکن اگر مشہور بدعتی ہو تو پھر اس کے کسی عیب کو دیکھ کر نہ چھپائے تاکہ دوسرے لوگ اس کی بدعت سے کنارہ کش رہیں۔ لیکن اگر میت میں کوئی اچھی علامت نظر آئے چہرہ کا روشن ہونا، کھلکھلا جانا، مسکرانا، اس قسم کی اچھی علامات کو برسر عام ذکر کرنا مستحب ہے تاکہ لوگ اس کے اچھے انجام سے خوش ہوں اور اچھے کاموں کیطرف دل و جان سے رغبت اور برے کاموں سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

تعداد کفن اور اس کی قسمیں

کفن کی تین قسمیں ہیں ا۔ کفن سنت ۲۔ کفن کفایہ ۳۔ کفن ضرورت۔

☆ مرد کے لئے کفن سنت تین کپڑے ہیں ا۔ کرتہ ۲۔ تہبند (ازار) ۳۔ بڑا (چادر) لفافہ اور عورت کے کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں۔

☆ (۱) دارع یعنی چھوٹا کرتہ جو سینہ پر کھلے (کفنی) (۲) خمار (اوڑھنی) (۳) ازار (۴) لفافہ (۵) سینہ بند (خرقۃ تربط علی ثدییھا)

☆ مرد کے لئے کفن کفایہ دو کپڑے ہیں ا۔ ازار ۲۔ لفافہ

☆ عورت کے لئے کفن کفایہ تین کپڑے ہیں۔ ا۔ ازار ۲۔ خمار ۳۔ لفافہ دونوں کے لئے کفن ضرورت جو فرض کی حیثیت رکھتا ہے وہ کپڑا جو بدن کو چھپائے (ثوب یستر البدن وتغطۂ ویکفی زورتہ)

کفن کی مقدار (میت کو کفن پہنانے اور اس میں لپیٹنے کا طریقہ)

۱۔ لفافہ۔ یہ سر سے لے کر پاؤں تک دراز ہو۔

۲۔ ازار۔ اس کی درازی اندازاً اسی قدر رہو۔

۳۔ قمیص۔ یہ کندھوں سے پاؤں تک ہو۔

۴۔ الدرع۔ ھوا القمیص الذی فتحہ علی الصدر دون الکتف (اھ)
یعنی وہ کرتہ جو بجائے کندھوں پر کھلنے، سینہ پر کھلے،

۵۔ خرقہ۔ اس کی چوڑائی، چھاتیوں سے ناف تک یا گھٹنوں تک ہو یہ زیادہ پردہ پوش ہے۔

طریقہ تکفین

میت کے کفن میں اولاً کسی چٹائی وغیرہ پر لفافہ بچھایا جائے اور خوشبو سے اچھی طرح بسائے، پھر اس پر ازار بچھائے، اس کو بھی خوشبو لگائے پھر اوپر قمیص رکھے اور میت کو اٹھا کر اس پر رکھے پھر اس کو اولاً قمیص پہنائے اور اس کو بھی اچھی طرح خوشبو لگائے۔ اور کفن لپیٹنے میں یہ طریقہ اختیار کرے کہ ازار کو دائیں طرف سے پھر بائیں طرف سے لپیٹے۔ اور لفافہ کو بھی اس طریقہ سے لپیٹے۔ اگر کفن کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اسے گرہ لگادے۔ عورت کو پہلے کرتہ پہنائے اور اس کے بالوں کو دو حصے کر کے اس کے سینے پر کفنی سے اوپر کھلے ڈالدے۔ پھر دوپٹہ (خمار) کھلا ہی اس کے اوپر رکھدے مگر یہ ازار سے نیچے ہو۔ پھر ترتیب سابق کے مطابق سب کو لپیٹے اور اس کی چھاتیوں کو کسی کپڑے سے باندھ دے۔ اور تمام کفن اوپر ہو یا ازار اور لفافہ کے درمیان ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

مسئلہ: آزاد عورت اور لونڈی میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں کے ایک ہی احکام ہیں، اسی طرح قر۔ اسی طرح جو لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ وہ بالغ اور بالغہ کا حکم رکھتے ہیں یعنی ان دونوں کیساتھ بالغوں جیسا برتاؤ کیا جائے گا۔

اور اگر سن بلوغ کے قریب نہ ہوں تو پھر انہیں صرف دو کپڑوں (ازار لفافہ) میں کفن دیا جائے۔ اگر ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے تو بھی جائز ہے اگر بچہ مردہ پیدا ہو یا گوشت کا لوتھڑا (ٹکڑا) ماں سے رحم کے باہر آئے تو اس کو احتراماً ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیں۔

مسئلہ: خنثیٰ مشکل۔ عام ہیجڑوں کی طرح اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم پر اکتفا کیا جائے۔

کفن کی نوعیت

نیا اور پرانا کپڑا میت کو کفن دینے میں برابر ہیں۔ ہاں اگر استعمال شدہ ہو تو اسے احتیاطاً دھولیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے ارشاد کے مطابق ... [illegible]

البخاری عن عائشۃ (رضی اللہ عنہ) قالت: نظر ابو بکر الصدیق الی ثوب یمرض فیہ فقال اغسلوا ھذا وز
واعلیہ ثوبین و کفنونی فیھا قالت قلت ھذا خلق (جامۂ کہنہ) قال. الحی احق با لجدید من المیت کبیری
عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ ایام مرض میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایام مرض کے کپڑے ملاحظہ فرمائے اور ارشاد فرمایا انہیں
ڈالو اور دو کپڑے ان میں زیادہ کر دو پھر جب میری وفات ہو جائے تو یہی مجھے پہنانا میں نے عرض کی ''حضور'' یہ تو بوسیدہ اور پرانے
ارشاد فرمایا۔ مردے کی بنسبت زندہ نئے لباس کا زیادہ مستحق ہے یہ ہے حضور ﷺ کے یار غار، وفا شعار کا اسوہ عالیہ کہ اپنے آپ کو ایک ا
معمولی انسان خیال کر رہے ہیں حالانکہ افضل البشر بعد الانبیاء اور اذ یقول لصاحبہ اور تحزن ان اللہ معنا کا عظیم شرف صرف آ
کو حاصل ہے داتائے شیراز نے کیا خوب فرمایا:

تواضع کند ہوشمند گزیں — نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین

فوائد اسباق

۱- کفن میت میں زیادہ قیمتی اعلیٰ معیار اور زیب و زینت والا کپڑا نہ استعمال کیا جائے بلکہ سادہ، معمولی اور کم قیمت والا کپڑا کفن م
استعمال کیا جائے اور تعداد بھی کفن سنت سے نہ بڑھائی جائے۔ اگر ہو سکے تو خود اپنے ہاتھ سے اپنا کفن تیار کر کے رکھے اگر کفن آ
زم زم سے تر کر لیا جائے تو زیادہ اچھا ہے تا کہ اس کی برکات سے فائدہ ہو اور عالم قبر میں نجات کی صورت پیدا ہو جائے۔ تبرکا
سے استفادہ کرنے اور ان کے فائدہ بخش ہونے میں کوئی شک شبہ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی موقع پر دلائل و شواہد عرض ک
جائیں گے۔

۲- گھر والوں کو ضروری امور کی وصیت اور تاکید کرنی چاہئے اور جانے والوں کو دار آخرت کی طرف زیادہ کرنا چاہئے نیز میت کے اہ
عیال کو اس کی وصیت اور دیگر ضروری امور کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اس کی اچھی باتیں نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہئے

۳- مرنیوالے کے لئے دار دنیا سے آخری تحفہ اور حصہ کفن ہی ہے۔
چنانچہ ارشاد خداوند ہے کہ ولا تنس نصیبک من الدنیا یعنی اے انسان اس دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول جا کہ وہ صرف کفن
جو تو اپنے ساتھ لیکر اس دنیا سے رخصت ہوگا۔

مہیا گو کہ سب سامان ملکی اور مالی تھے — سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے
کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے — خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے

۴- مردوں کی بہ نسبت زندہ انسانوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے یہی اسوۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کاش اس دور کے مسلمان اس سے سبق لیتے تو پھر وہی قرون اولیٰ کی بہاریں ان پر نثار ہوتیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے۔

۵- مستحب ہے کہ کفن کے لئے سفید کپڑا ہو اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ البسوا من ثیابکم البیاض من فانہ من
ثیابکم و کفنوا فیھا موتاکم (رواہ الخمسۃ عن ابن عباس الا النسائی.) لوگو سفید لباس پہنا کرو اس لئے کہ وہ
لباس ہے اور سفید کفن میں مردوں کو دفن کیا کرو۔

کفن کے لئے کونسا کپڑا ہو

زعفرانی نیز سرخ رنگ اور ریشمی کفن مردوں کے لئے مکروہ ہے ہاں البتہ عورتوں کے لئے جائز ہے اگر ریشمی کپڑے بغیر اور کوئی کپڑا دستیاب نہ ہو تو پھر بوجہ ضرورت وہی کفن بنایا جائے لیکن بطور کفن ضرورت استعمال کیا جائے۔

کفن کی نفاست

مرد اپنی زندگی میں جس طرح کا قیمتی لباس نماز جمعہ اور روز عید میں پہنتا ہوا سے ایسا ہی نفیس کفن پہنایا جائے اور عورت اپنے گھر والوں (میکے وغیرہ) جانے کے موقع پر جیسا لباس پہنتی ہو ایسا ہی اسے کفن ڈالا جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لباس حیات سے درجہ اوسط کفن ہونا چاہئے۔

کب کفن سنت اور کفایہ ہو

امام مرغینانی نے فرمایا اگر میت کا مال زیادہ ہو اور ورثاء کم ہوں تو پھر کفن سنت اولیٰ بہتر ہے ورنہ بصورت دیگر کفن کفایہ اولیٰ ہے اگرچہ کفن سنت بھی جائز ہے

کفن کو خوشبو کی دھونی دی جائے

کفن میت کو ادخال میت سے پہلے طاق مرتبہ (ایک یا تین یا پانچ مرتبہ) دھونی دی جائے پھر میت کو کفن پہنایا جائے محرم اور غیر محرم میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں یعنی دونوں کا ایک ہی حکم ہے وضاحت یہ ہے کہ غیر محرم میت کی طرح محرم میت کا بھی سر ڈھانپا جائے اور اسے کپڑے سے چھپایا جائے لیکن امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اگر میت محرم ہو تو اس کے سر کو ڈھانپنے کے بجائے کھلا رکھا جائے اور اسے خوشبو نہ لگائی جائے۔

دلیلهما ما رواه مسلم ان رجلاً وقصته الراحلة وهو محرم فمات فقال صلى الله عليه وسلم اغسلوه بماء وسدرو وكفنوه في ثوبه ولا تخمر واوجهه ورأسه فانه يبعث يوم القيامة ملبياً (اھ) ولنا قوله صلى الله عليه وسلم اذا مات الانسان انقطع عمله الاّمن ثلاث من صدقة جارية اوعلم ينفع به اوولدٍ صالح بدعو لهٗ (اھ)

رواه الخمسة الا البخارى واحرامه من عمله فانقطع فالجواب عن حديثهم انه ليس بعام لانه في شخص معين وهو صلى الله عليه وسلم يطلع من خواص من الخلق على ما لا نعلم فيختص حكمه به اوايضاً سئل عليه الصلوٰة والسلام عن محرم مات فقال خمروا راسه ووجهه ولا تشبهوه. (کبیر ص ۲۸۸ شبه صغیری)

حدیث مسلم میں ہے کہ ایک شخص کی سواری سے گرنے کی وجہ سے گردن ٹوٹ اور حالت احرام میں جاں بحق (مرگیا) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اس کو بیری کے جوشید پتوں والے پانی سے نہلاؤ اور ان کے کپڑوں میں کفن دو اور اس کے سر کو اور اس کے منہ کو نہ ڈھانپو کیونکہ یہ روز قیامت تلبیہ پڑھتے اٹھایا جائے گا پس اس سے معلوم ہوا کہ جو حالت احرام میں مرجائے اس کا سر اور چہرہ نہ ڈھانپا جائے بلکہ انہیں کھلا چھوڑا جائے۔ احناف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث عام نہیں (کیونکہ کوئی کلمہ ایسا نہیں جو دال برعموم ہو بلکہ خصوص کی دلیل ہی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا (**فانه يبعث** یہ اٹھایا جائیگا پس **هو** ضمیر غائب کو مرجع" وہی شخص مذکور ہے جو فرد واحد اور شخص معین کے لئے

مخصوص ہے لہٰذا دوسروں پر وہ لاگو نہیں ہو سکتا اس کی ایک وجہ یہی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص مرجائے تو اس کے ظاہر اعمال خواہ اچھے یا برے ختم اور منقطع ہو جاتے ہیں ہاں البتہ تین کام بحیثیت ثواب باقی رہتے ہیں:

۱۔ صدقہ جاریہ مثلاً مسجد اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر۔

۲۔ فائدہ بخش اور نفع رساں علم

۳۔ نیک بیٹا جو والدین کیلئے دعا گو ہو اور احرام ایک ظاہری اور حسی عمل ہے جو موت سے ختم ہو گیا پس اب وہ شخص موت کے محرم نہیں رہا کہ اس پر احرام کا حکم جاری ہو بلکہ وہ دوسرے غیر محرم انسانوں کی طرح ہو گیا ہے لہٰذا اس کا بھی دوسرے غیر محرم لوگوں کی طرح ہے پس دونوں میں کوئی فرق نہیں اور تخصیص کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام صاحب علم ہونیکی وجہ سے لوگوں کی ایسی خصوصیات پر مطلع ہیں جن کو ہم نہیں جانتے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس کی کسی خاص خصوصیات کی وجہ سے یہ خصوصی حکم دیا گیا ہو۔ اور اس کی تائید و توثیق اس روایت سے ہوتی ہے کہ جس میں آپ نے ایسے ہی محرم کی وفات پر ارشاد فرمایا تھا کہ اسے غسل دے کر اس کے سر اور چہرہ کو ڈھانپ دو۔

تقدیم کفن

ترکہ میت سے شرعی طور پر چند حقوق وابستہ ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں ا۔ میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین ۲۔ ادائیگی قرض ۳۔ نفاذ وصیت ۴۔ تقسیم وراثت۔ ان سب میں ترتیب یہ ہے کہ اولاً میت کے کسی مال سے اس کی تجہیز تکفین کی جائے، نمبر دوم اس کا قرض ادا کیا جائے نمبر سوم اس کی جائز وصیت پوری کی جائے۔ پھر آخر میں اس کا ترکہ مال اس کے مستحق ورثہ پر تقسیم کیا جائے جوامع الفقہ شرح سراجی میں ہے کہ قرض خواہ میت کو کفن سنت دینے سے نہیں روک سکتا ہے کیونکہ میت کی تجہیز و تکفین باقی حقوق سے مقدم ہے جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا۔ پوری تفصیل اور وضاحت سراجی و شریفیہ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حق مقدم بر تکفین

اگر میت کے ترکہ میں محرم غلام ہو یا کوئی رہن شدہ چیز ہو تو پھر ولی جنایۃ اور مرتہن (رہن رکھنے والا) کا حق تکفین میت کے مقدم ہوگا مراد یہ تکفین میت کے قبل ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے۔

کفن کی ذمہ دار

اگر میت کا ترکہ نہ ہو تو میت کا سر پرست کفن میت کا انتظام کرے جو اس کی زندگی میں اس کے اخراجات کا کفیل ہے امام ابو یوسف کے نزدیک عورت خواہ تنگ دست ہو یا مالدار شوہر ذمہ دار ہے لیکن اگر عورت کا کوئی ترکہ نہ ہو تو پھر امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک جو اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہے وہی اسکے کفن و دفن کا انتظام کرے اور یہی قابل اعتماد وجہ ہے چنانچہ اس کی تحقیق شرح کبیر میں مذکور ہے۔

رشتہ دار، وارث اور غیر وارث کا حکم

اگر کوئی وارث اس کا اہتمام کرے تو وہ ترکہ میت سے وصول کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی غیر وارث رشتہ دار ایسا کرے بشرطیکہ امر وارث کے بغیر ایسا اقدام کرے تو پھر اس صورت میں ترکہ میت سے وصول نہیں کر سکتا خواہ رجوع کے گواہ پیش کرے یا نہ کرے (دونوں

نماز جنازہ کے بعض ضروری مسائل

۱) نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جس کی شرعی حیثیت کا کئی مرتبہ ذکر کیا گیا اور اس کی صحیح ہونے کے لئے شرائط ہیں۔ جو یہ ہیں

۱۔ باوضو ہو، جگہ اور لباس پاک ہو، یعنی نماز جنازہ پڑھنے والا باطہارت ہو،

۲۔ میت مسلمان ہو۔

۳۔ وہ بھی پاک ہو۔

۴۔ نماز پڑھنے والوں کے سامنے موجود ہو۔ لہٰذا اگر میت موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن سواری وغیرہ پر لادا گیا ہو تو نماز جنازہ جائز نہ ہوگی پہلی صورت میں اس لئے کہ میت غائب ہے اور دوسری میں اس لئے کہ جگہ ایک نہیں۔ ۵۔ نمازی میت سے آگے نہ ہو۔ اگر آگے ہوا تو نماز جائز نہ ہوگی۔

نماز جنازہ کے ارکان

اس کا رکن قیام ہے لہٰذا بغیر کسی مجبوری کے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں اور نہ سواری پر ادا کرنا جائز ہے دوسرا رکن تکبیرات ہیں۔ ہاں البتہ پہلی تکبیر شرط ہے بعض نے میت کے لئے دعا کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں دیر سے پہنچا اور اسے یہ اندیشہ ہو کہ جنازہ میری دعائیں پڑھنے تک اٹھالیا جائے گا تو وہ صرف متروکہ تکبیریں کہہ دے اور دعائیں چھوڑ دے۔

نماز جنازہ کون پڑھائے

ائمہ حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھانے میں یہ ترتیب ذکر فرمائی ہے۔

۱۔ بادشاہ اور ملک کا سربراہ نماز جنازہ پڑھائے۔ ۲۔ قاضی۔ ۳۔ جامع مسجد کا خطیب ۲۔ مسجد محلہ کا امام ۵۔ ترتیب وراثت کے مطابق میت کا ولی یا سربراہ اگر ولی کسی دوسرے کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

مسئلہ: افراد مذکورہ کے علاوہ کوئی شخص ولی کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ اگر اس نے بغیر اجازت نماز پڑھادی۔ تو اگر ولی اعادہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر ولی نے نماز پڑھادی یا وہ نماز میں شامل ہو گیا تو پھر کسی دوسرے کو خواہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو نماز دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بادشاہ کا حق سب سے زیادہ ہے اور یہی امام شافعی کی رائے ہے۔ ایک روایت میں امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ابوجعفر نے فرمایا کہ اگر بادشاہ نماز جنازہ کے وقت موجود ہو تو ورثا میت اسی کو آگے کھڑا کر دیں۔ اگر شہر کا والی اور قاضی دونوں موجود ہوں تو والی شہر کو آگے کیا جائے اور اگر دونوں موجود نہ ہو لیکن مسجد محلہ کا امام یا کوتوال موجود ہو تو، کوتوال کو آگے کیا جائے۔ اور اگر والی شہر کا نائب موجود ہو تو باقی سب کو چھوڑ کر اسے آگے کیا جائے اور اگر افراد مذکورہ میں سے کوئی حاضر نہ ہو لیکن ورثاء میت اور امام محلہ موجود

ہوتو اس صورت میں ورثاء میت کے لئے مناسب ہے کہ وہ امام محلّہ کونماز پڑھانے کے لئے آگے کرے لیکن اگر امام محلّہ موجود نہ ہو لیکن موذن موجود ہو تو اس کی تقدیم ضروری نہیں۔

مسئلہ: اگر نماز جنازہ کے موقع پر افراد ذیل موجود ہوں (۱) والی شہر یا اس کا نائب (۲) قاضی (۳) کوتوال (۴) امام محلّہ (۵) ورثاء میت۔ اگر ورثاء میت افراد مذکور میں سے ہیں کسی کو نماز پڑھانے کی اجازت نہ دیں بلکہ خود نماز پڑھائیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں اور اگر افراد مذکورہ میں سے کسی کو آگے کریں اور نماز پڑھانے کی اجازت دیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں لیکن ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ بغیر ورثاء میت کے اجازت دینے کے خود آکر نماز پڑھائیں امام صاحب، امام ابو یوسف، امام زفر، حسن بن زیاد ان سب کا قیاس اور رائے یہی ہے اور نماز جنازہ پڑھانے میں اولیاء میت سے اجازت لینا احناف کا مذہب ہے اور امام مالک کی بھی یہی رائے ہے۔ لہذا بغیر اجازت والی نماز جنازہ نہ ہوگی۔ لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جس نے پہلی مرتبہ نماز نہیں پڑھی وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک نئی قبر کے پاس سے گزرے کہ جس کو رات کے وقت دفن کیا گیا تھا آپ نے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ قبر والا کب دفن کیا گیا، تو لوگوں نے عرض کی کہ یہ گزشتہ رات دفن ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی، لوگوں نے عرض کی کہ ہم نے اندھیری رات میں اس کو دفنایا اور اس وقت تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے اس پر نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا چنانچہ ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی تو حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ اس پر نماز پڑھائی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابۂ اکرام نے آنحضرت ﷺ کی بغیر امامت فرداً فرداً نماز پڑھی۔ جس سے دوبارہ نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے ائمہ احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کچھ لوگوں کے سوا ادا کرنے سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اگر دوبارہ پڑھا جائے تو وہ صرف نفلی نماز ہوگی اور اگر اس باب میں نوافل کا اہتمام ضروری ہوتا تو پھر قیامت تک کے آنے والے لوگ حضور ﷺ کے قبر اطہر پر نماز پڑھتے۔ کیونکہ آپ کے جسم اطہر کے گلنے سڑنے کا کوئی احتمال نہیں اس لئے کہ ارشاد رسول کی بنا پر اجسام انبیاء کو زمین نہیں کھا سکتی اور ظاہر ہے کہ حضور کے غلاموں نے ایسا نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ دوبارہ سہ بارہ نماز جنازہ پڑھنے کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ رہی یہ بات کہ آپ نے رات کو قبر پر نماز جنازہ پڑھائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس درحقیقت تمام مسلمان کے والی ہیں آپ کا حق سب سے مقدم ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم" (القرآن) یعنی نبی کرم مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ اس پر حق رکھتے ہیں لہٰذا کسی کا حق آپ کے حق سے مقدم نہیں لہٰذا سابق الحق ہونیکی وجہ سے آپ نے نماز پڑھائی اور یہ شان اور مقام کسی دوسرے کو حاصل نہیں تا کہ وہ بھی اس طرح کرنے کا مجاز ہو۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جس نے ایک دفعہ نماز پڑھ لی تو بہتر یہ ہے کہ وہ دوبارہ نہ پڑھے۔

نماز جنازہ میں چار تکبیرات ہیں

پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھے اور دوسری کے بعد درود شریف پڑھے۔ اور تیسری کے بعد اپنے لئے اور میت کے لئے بخشش کی دعا مانگے اور چوتھی کے بعد بغیر کچھ پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیرے۔ جیسا ظاہر روایت میں مذکور ہے نادر روایت میں یہ آیا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبحن ربک رب العزت عما یصفون پڑھے۔

مسئلہ: سلام پھیرتے وقت بعض نے کہا ہے کہ دونوں سلاموں میں میت اور قوم کا ارادہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میت کا ارادہ نہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف پہلے سلام میں اس کا ارادہ کرے۔

فائدہ: نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعا لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔

بالغ مرد و عورت کے لئے تکبیر سوم کے بعد یہ دعا پڑھے

اللّٰھم اغفر لحیینا ومیتنا. وشاھد نا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکر نا وانثانا اللّٰھم من احییتہٗ منا فا حیہٖ علی السلام ومن تو فیتہ منا فتوفہ علی الایمان

ترجمہ...... اے اللہ! ہمارے زندے، مردے، حاضر، غائب، چھوٹے، بڑے، مرد، عورت کو بخش دے اے اللہ: ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو تو وفات دے ایمان پر وفات دے۔

نابالغ کے لئے یہ دعا پڑھے

اللّٰھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا ذخوراً (واجراً) واجعلہ لنا شافعاً مشفّعاً

ترجمہ...... اے اللہ: اس کو ہمارے لئے پیش رو بنادے اور اس کو ہمارے لئے ذخیرہ اور باعث ثواب کردے اور اس کو ہمارے لئے سفارش کرنے والا بنادے اور اس کی سفارش ہمارے حق میں قبول فرمادے

اگر میت لڑکی ہو تو (ہٗ) ضمیر کے بجائے ضمیر مونث (ھا) تمام کلمات میں ذکر کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص پیدائشی دیوانہ ہو تو اس کی نماز میں بھی یہی دعا پڑھے (جوہرۃ النیرہ)

لیکن اگر دیوانگی عارض ہو تو پھر وہی بڑوں والی دعا پڑھے تاکہ جنون کے سابقہ گناہوں کی مغفرت ہو سکے کیونکہ جنون سے گناہ زائل نہیں ہوتے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۱۵۴)

حضور ﷺ نے اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں مانگی ہیں۔ جن کا ذکر کتب روایات میں آتا ہے اگر وہ یاد ہوں اور لوگوں پر بوجھ نہ ہو تو یہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے نیز سورہ فاتحہ ایک دعا کی حیثیت سے پڑھ سکتا ہے چنانچہ حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے ائمہ احناف بھی اس کے قائل ہیں البتہ اس کا محل کہ یہ کہاں پڑھی جائے تو بعض کتب احناف سے معلوم ہوتا ہے کہ ثناء کے بعد پڑھی جائے۔ اگر نابالغ بچہ ہو تو اس کی نماز جنازہ میں پڑھنے کے لئے کچھ خصوصی کلمات ہیں۔

مسبوق کا حکم

اگر کوئی شخص پہلی یا دوسری تکبیر کے بعد پہنچے تو امام کے تکبیر کہنے تک اس کا انتظار کرے پھر نماز میں شامل ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلی تکبیر کے وقت موجود ہو لیکن کسی وجہ سے تکبیر ضائع کر بیٹھے تو یہ شخص بغیر انتظار امام تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسبوق آدمی بھی بغیر انتظار امام تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص چوتھی تکبیر کے بعد آئے تو یہ بھی تکبیر کہہ دے۔ لیکن جب امام سلام پھیرے تو جلدی سے تین تکبیریں کہہ ڈالے اہل علم نے اس کے مطابق فتویٰ دیا۔ لیکن امام ابو یوسف کے خلاف طرفین نے فرمایا کہ اگر چوتھی تکبیر کے بعد اگر کوئی شخص آئے تو اس سے نماز جنازہ فوت ہوگئی۔ محیط میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں کی اس صورت میں ایک ہی رائے ہے۔

مسئلہ: جب تک میت اٹھائی نہ جائے بعد میں آنے والا مسبوق نمازی بغیر دعا پڑھنے لگا تار متروکہ تکبیرات کہہ دے۔ لیکن جب جنازہ اٹھا کر لوگوں نے کندھوں پر رکھ دیا اور یہ تکبیرات کہنے سے فارغ نہ ہوا تھا تو تکبیر کہنا چھوڑ دے کیونکہ نماز باطل ہوگئی۔ لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ میت کو کندھوں پر اٹھانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہٰذا اس صورت میں بھی یہ تکبیرات پوری کر دے۔

ہاتھ اٹھانے کا حکم

ظاہر روایت کے مطابق نماز جنازہ کی صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے لیکن باقیوں میں ہاتھ نہ اٹھائے لیکن بلخ کے اکثر مشائخ کا خیال ہے کہ ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے چنانچہ تین اماموں کا یہی مذہب ہے۔

امام کس جگہ کھڑا ہو

نماز جنازہ میں امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو اور اس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں اور یہی ظاہر روایت ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق میت کے وسط کے مقابل کھڑا ہو۔ لیکن پہلی بات ظاہر روایت ہونے کی وجہ سے مختار ہے۔

صفوف نماز جنازہ

نماز جنازہ میں مستحب یہ ہے کہ لوگوں کی تین صفیں ہوں۔ مثلاً اگر سات آدمی ہوں تو ایک امام ہو جائے اور تین آدمی پہلی صف میں اور دو دو دوسری میں۔ اور ایک تیسری صف میں کھڑا ہو۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ نماز جنازہ میں سب سے افضل آخری صف ہے علامہ کرمانی نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں سب سے افضل آخری صف ہے جبکہ باقی نمازوں میں پہلی صف افضل ہے۔ مالک بن ھبیرہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جس مسلمان میت پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اسی حدیث کی وجہ سے صحابی مذکور جب نماز جنازہ میں لوگ کم ہوتے تو انھیں تین صفیں بنانے کا حکم دیتے۔

چند احادیث

۱۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے حضورﷺ سے یہ سنا ہے کہ جس مسلمان میت پر چالیس آدمی نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔ (مسلم)

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی مسلمان میت کی نماز جنازہ میں سو آدمی شریک ہوں اور اس کے لئے سفارش کی دعا مانگیں تو اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (مسلم)

۳۔ حضرت عمر فاروق سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے متعلق چار آدمی خیر کی گواہی دیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے ہم نے عرض کی کہ تین ہوں تو فرمایا کہ ان کا حکم بھی یہی ہے پھر ہم نے عرض کی کہ دو ہوں تو فرمایا کہ ان کا حکم بھی وہی ہے۔ ہم نے تیسری کے بارے میں نہ پوچھا۔ (بخاری)

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

ائمہ احناف کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے لہٰذا اس طرح نہ کیا جائے لیکن امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر میت مسجد سے باہر ہو تو امام اور کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوں اور کچھ لوگ مسجد میں ہوں اور صفوں میں اتصال ہو تو اس صورت میں کراہت نہ ہوگی اگر میت مسجد کے دروازے کے پاس ہو اور امام اور لوگ مسجد ہوں تو اس صورت میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے کہ بعض بلا کراہت جائز کہتے ہیں جبکہ بعض اس صورت کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ: اگر بغیر نماز پڑھے کسی میت کو دفن کر دیا گیا تو اس کے پھٹنے پھولنے سے پہلے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ اور میت کے کسی اندام پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے ہاں جبکہ نصف یا اکثر حصہ دستیاب ہو اور اس کے ساتھ میت کا سر بھی موجود ہو۔

کن لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

چند ایسے بدنصیب ہیں شرعی حیثیت میں جن کے لئے حکم ہے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

۱۔ والدین یا ان میں سے کسی ایک کا قاتل ۲۔ مسلمان بادشاہ سے بغاوت کرنے والا

۳۔ رہزن اور ڈاکو۔

۴۔ شہر میں رات کو قتل و غارت کرنے والا۔

ان سب کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر عین حالت جرم میں مارے جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لیکن اگر ویسے قتل ہو جائیں تو نماز پڑھی جائے۔ خودکشی کرنے والے کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ البتہ امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔

مسئلہ: جب کوئی بچہ پیدا ہوا اور پھر فوراً مر جائے اگر کسی قرینے سے اس کی حیات معلوم ہوگئی۔ مثلاً پیدا ہوتے ہی اس نے چیخ ماری یا اس کے ہاتھ پاؤں متحرک ہوئے تو اسے غسل دے کر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ ورنہ معمولی طور پر غسل دے کر بغیر نماز جنازہ گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے یہی کافی ہے۔

مسئلہ: اگر دار کفر سے کوئی بچہ گرفتار کر کے لایا گیا اگر والدین اس کے ساتھ نہ ہوں اگر وہ مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن اگر

والدین میں سے دونوں یا کوئی ایک گرفتار ہو کر آئیں تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ہاں اگر والدین میں کوئی ایک مسلمان ہو جائے یا وہ بچہ سمجھدار تھا اور خود مسلمان ہو گیا تو پھر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

میت کو کس طرح اٹھائیں

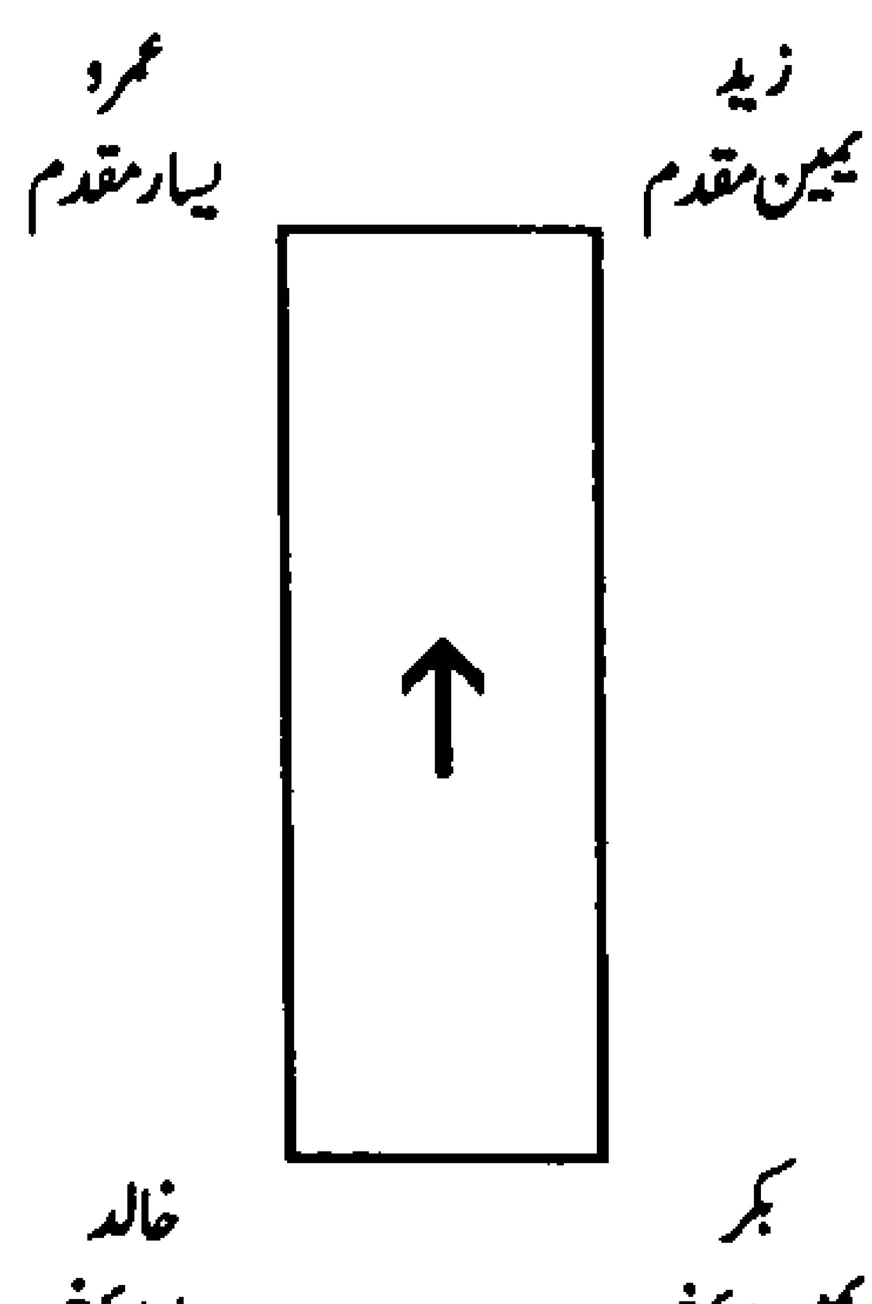
مسلمان میت کے احترام کی بنا پر میت کی چارپائی کو چار آدمی چار کونوں سے اٹھائیں اور مستحب ہے کہ ہر جانب ہر آدمی دس قدم اٹھائے امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے **من حمل جنازة اربعين خطوة كفرت عنه اربعين كبيرة** اہ یعنی جو کوئی چالیس قدم کسی میت کو اٹھائے تو اس کے چالیس گناہ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔**وايضاً قال عبد الله بن مسعود** (رضی اللہ عنہ)(**من اتبع الجنازة فليا خذ بجوانب السريرا الاربع**) حضرت عبداللہ بن مسعود نے (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) ارشاد فرمایا جو شخص میت کیساتھ چلے تو اسے چاہئے کہ چارپائی میت کے چاروں پائے تھام رکھے۔

اور اس طرح کرنے کی مختلف وجوہات ہیں ایک یہ کہ اٹھانے والوں کے لئے سہولت ہے دوسری یہ کہ میت کے گرنے اور ادھر ادھر ہونے سے بچاؤ ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں احترام میت ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ اسطرح اٹھانے میں سامان اور اسباب کے اٹھانے سے امتیاز ہے یہی وجہ ہے کہ میت کو پیٹھ یا کسی جانور پر لاد کر لے جانا مکروہ ہے ہاں اگر راستہ تنگ ہو اور ہجوم زیادہ ہو اور اٹھانے والے کم ہوں تو پھر اس ضرورت کی بنا پر دو آدمی بھی اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے (کبیری بر حاشیہ صفحہ ۲۹۲)

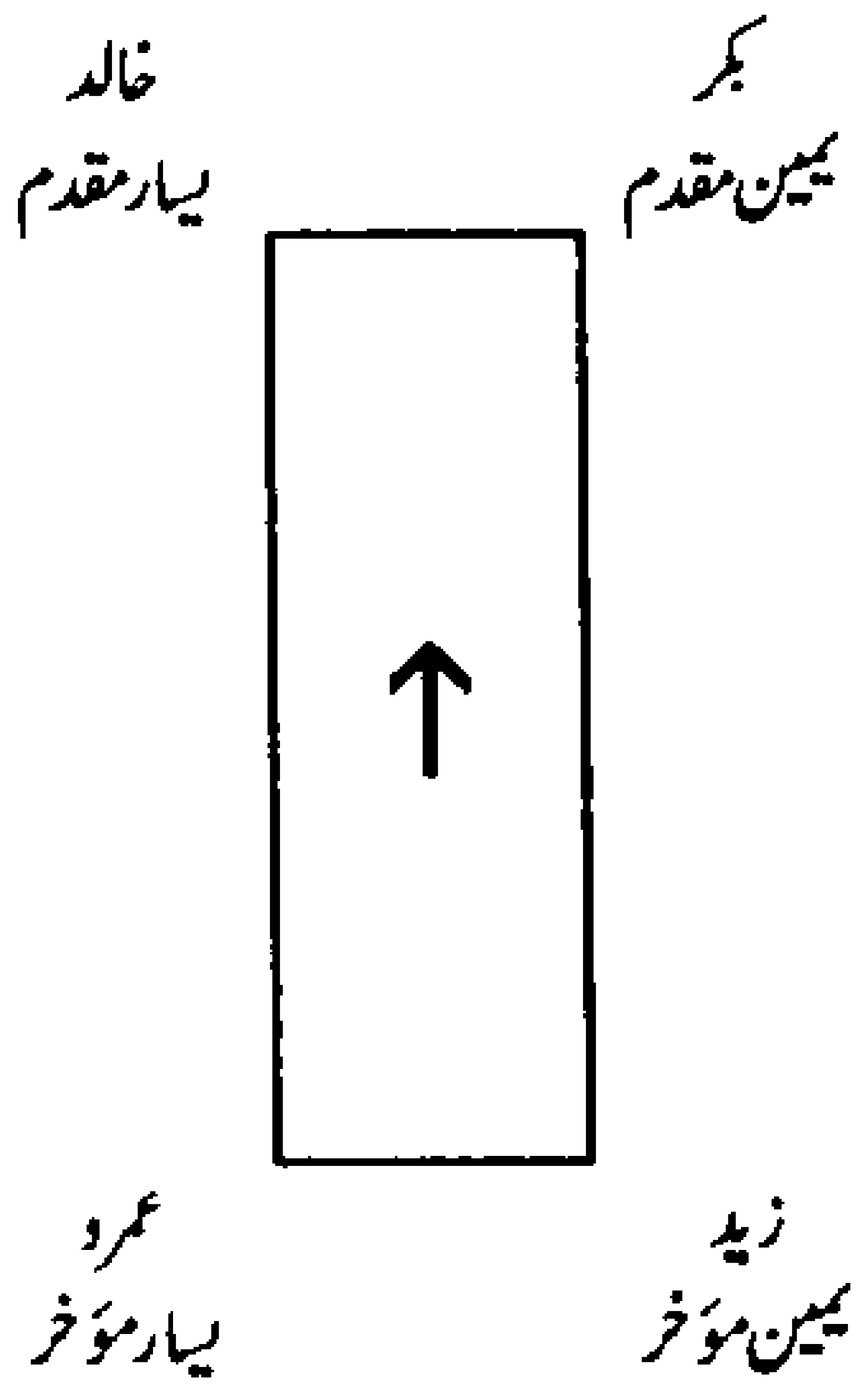
نوٹ

اہل علم اور ارباب دانشؒ نے اس سے مروجہ قدم شماری پر استدلال کیا ہے جب میت کو اٹھایا جائے تو اس کی چارپائی کے ہر کونے پر ایک آدمی متعین ہو اور ہر آدمی اس کے چارپائی کے ہر کونے کو دس دس قدم اٹھائے پس اس کام میں سنت یہ ہے کہ میت کو چار آدمی اٹھائیں اور تکمیل تمام سنت یہ ہے کہ ہر آدمی چارپائی کا کونہ دس قدم اٹھائے۔چنانچہ نقشہ ذیل سے قدم شماری کرنے کا بالکل آسان طریقہ معلوم ہو سکتا ہے۔

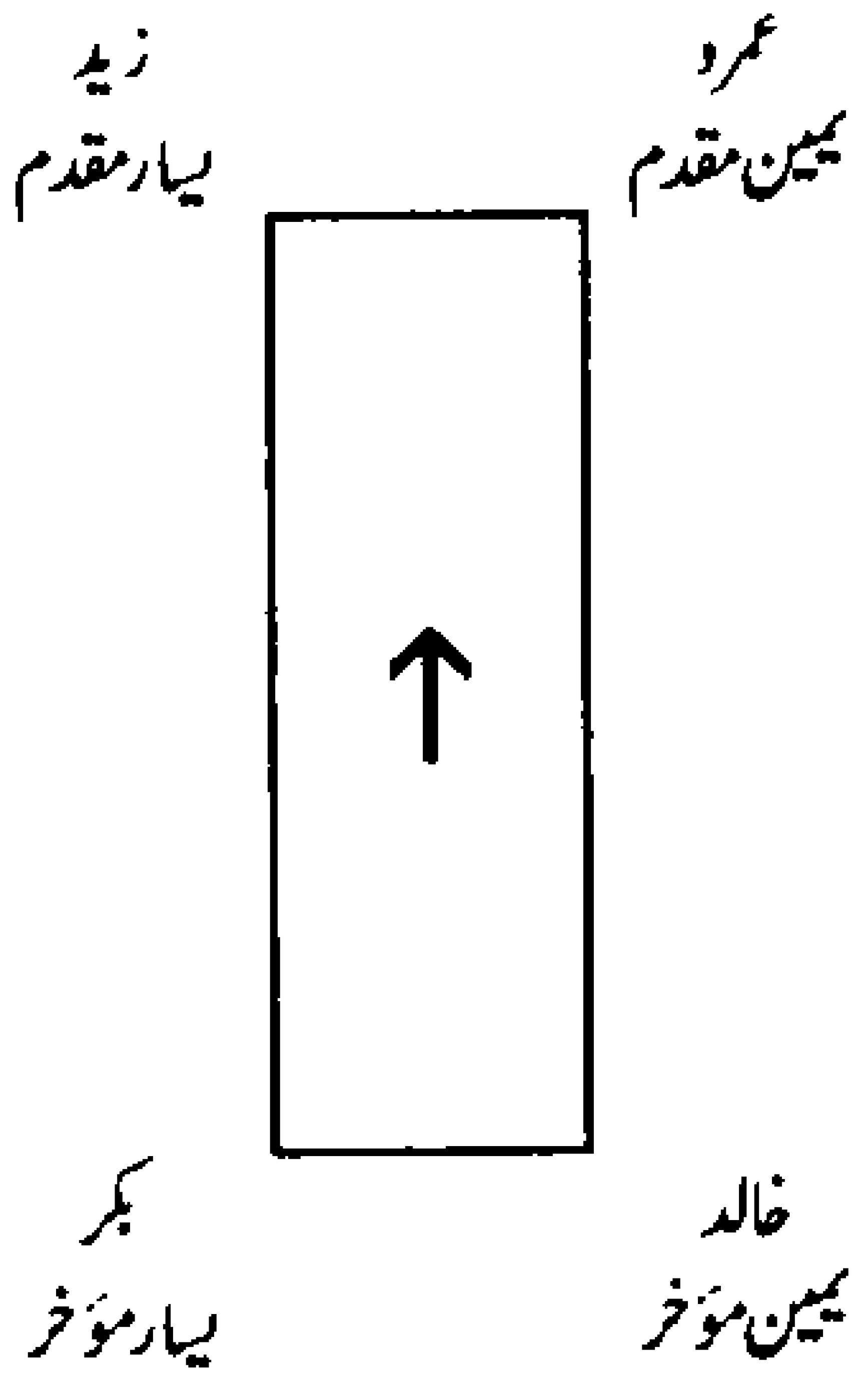
۱- پہلی مرتبہ چار آدمی دس قدم سیدھے چلیں۔



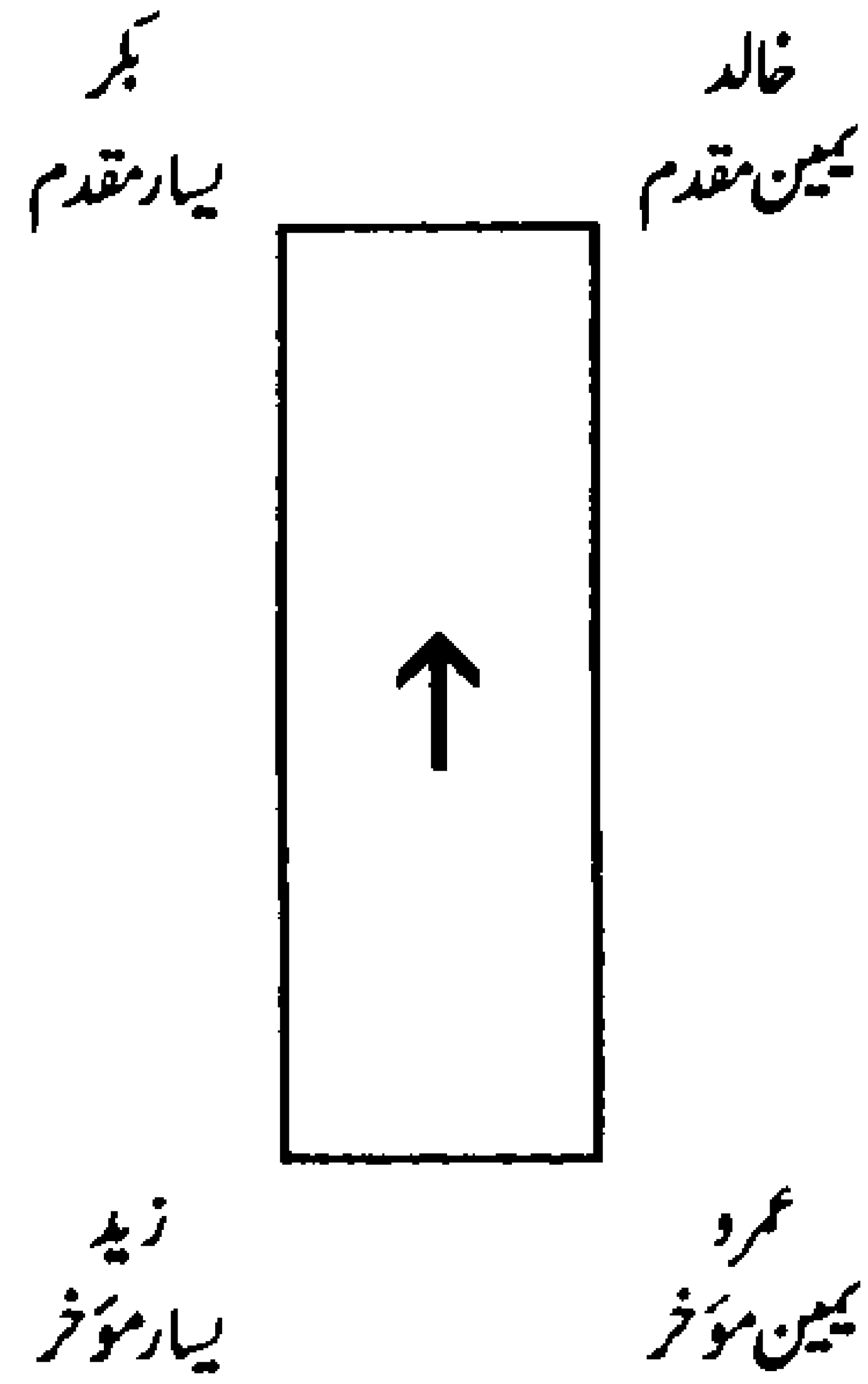
۲- دوسری مرتبہ آگے والے پیچھے چلے جائیں، پیچھے والے آگے آجائیں، اور اس حالت میں دس قدم چلیں۔



۳- تیسری مرتبہ چاروں (X) کراس کی شکل میں ایک دوسرے کو تبدیل کریں، اور اسی حالت میں دس قدم چلیں۔



۴- چوتھی مرتبہ چاروں آدمی آگے پیچھے ہوکر دس قدم چلیں۔



مسئلہ ۱: چھوٹے بچے کو ایک آدمی دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر لے جائے۔ اور کسی جانور پر لاد کر لے جانے سے یہ طریقہ مذکورہ بہتر ہے اور چھوٹے صندوق کو رکھ کر لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ ۲: کسی میت کو کوئی شخص اپنی پیٹھ پر یا کسی سواری پر لاد کر لے جائے یہ شرعاً مکروہ ہے اس لئے کہ اسمیں احترام میت نہیں۔

مسئلہ ۳۔ میت کو اٹھانیوالے تیز چلیں ہاں البتہ دوڑ نہ لگائیں اور میت کو جھٹکا نہ دیں بلکہ اندازے کے چلیں کہ رفتار تیز ہو اور دوڑ دھوپ بھی نہ ہو،

مسئلہ ۴۔ جنازہ کے آگے اور پیچھے چلنا جائز ہے البتہ پیچھے چلنا زیادہ بہتر ہے ائمہ احناف کا یہی موقف ہے اور اس باب میں روایات اور آثار مختلف ہیں چنانچہ بعض کے آگے چلنا جبکہ بعض سے پیچھے چلنے کا ثبوت معلوم ہوتا ہے۔

روی ان علیاً (کرم اللہ وجھہ) یمشی خلف الجنازۃ وابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) یمشان امامھا (الجنازۃ) فقال علی ان فضل الماشی خلفھا علی الماشی اما مھا کفضل الصلوٰۃ المکتوبۃ علی النافلۃ ویروی کفضل صلوٰۃ الجماعۃ علیٰ صلوٰۃ الفذ. وانھما یعلمان ذالک لکنھما یسھلان علی الناس (۱۵)(حاشیہ صغیر ص ۲۹۲)

یعنی حضرت علی جنازہ کے پیچھے پیچھے جارہے تھے جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آگے آگے جارہے تھے حضرت علی نے فرمایا۔ پیچھے چلنے والے کی آگے چلنے والے پر کچھ اس طرح فضیلت ہے، جس طرح فرائض کی نوافل پر باجماعت نماز پڑھنے والے کی تنہا نماز پڑھنے والے پر، اور ان دونوں بزرگوں کو بھی اس بات کا علم تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایسا کیا تاکہ لوگوں پر آسانی ہو جائے اس کے درج ذیل فوائد و مصالح معلوم ہوئے:-

۱۔ قوانین اسلام میں وسعت اور کشادگی ہے۔ لہٰذا اس کا دائرہ وسیع ہے تنگ دس نہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوند ہے **ما جعل علیکم من حرج** یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی حدیث رسول میں وارد ہوا ہے **یسروا، ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا الخ** اور لوگو ایک دوسرے پر آسانی کیا کرو اور تنگی نہ کیا کرو ایک دوسرے کو بشارت دیا کرو یعنی ان سے خوش

کن باتیں کہو انہیں نفرت نہ دلایا کرے پس ہمارے لئے سبق اصول ہے۔

۲۔ اس بات میں بڑی وسعت ہے، لہٰذا میت سے آگے اور پیچھے چلنا جائز ہے البتہ پیچھے چلنا بہ نسبت آگے ہو کر جانے کے زیادہ بہتر ہے بلکہ حالات کے مطابق جیسے مناسب ہو اس طرح کرے اور یہ سفارش کرنے والوں کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

۳۔ سوار کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ جنازے کے پیچھے جائے آگے نہ ہو اور اگر آگے ہونا چاہے تو پھر کسی قدر دور ہو، تا کہ شرکاء جنازہ کو گرد و غبار سے تکلیف نہ ہو۔

۴۔ پیدل چلنا زیادہ بہتر ہے۔

۵۔ جب کسی کے پاس سے جنازہ گزرے تو اس کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر ساتھ جانا چاہے تو کھڑا ہو سکتا ہے اور اس باب میں جو قیام وارد ہوا ہے۔ وہ دلائل کی بنا پر منسوخ ہے مطلب یہ ہے کہ جنازے کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے ابتداء قیام فرمایا تھا بعد میں اس کو ترک کر دیا۔

۶۔ جب تک نماز جنازہ نہ پڑھی جائے واپس نہ لوٹے اور نماز ادا ہو جانے کے بعد روایات مختلف ہیں۔ بعض کے مطابق ولی سے اجازت لیکر لوٹ سکتا ہے۔ فقہ کی معتبر کتاب محیط میں ہے کہ اس موقع پر زیادہ مناسب اور آسان صورت یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد بغیر اجازت واپس ہو جائے۔ یہی بات زیادہ عمدہ اور بہتر صورت ہے۔

۷۔ جنازے کیساتھ جانے والے موت کو یاد کرتے ہوئے انتہائی سوچ بچار کرتے ہوئے اپنے اور میت کے انجام کو سوچتے ہوئے چلیں اور اس گہری غور و فکر کی وجہ سے خاموشی اختیار کرے۔ آپس میں دنیاوی باتیں بالکل نہ کریں۔ ہنسی مذاق، شادی اور خوشی کی محفلوں کی طرح آزادانہ طریقہ بھی اختیار نہ کرے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے ایک شخص کو جنازے کیساتھ ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا، ''تم میت کیساتھ جانے کے باوجود ہنستے اور کھیلتے ہو۔ میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا''۔

۸۔ کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ میت کیساتھ جاتے ہوئے خاموشی سے جائے، لہٰذا بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرآن مجید پڑھنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ اس میں ایک طرح کراہت ہے قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ ''صحابہ کرام تین مقامات میں بلند آواز سے ذکر کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

۱۔ جنگ کے وقت ۲۔ میت کے ساتھ جاتے ہوئے ۳۔ عام طور پر ذکر کرتے ہوئے۔

ضروری نوٹ...... بعض مسائل میں حالات بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ کیا جنازے کیساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا چاہئے یا نہیں۔؟

عہد اسلاف میں لوگ اس موقع پر موت کے خیال میں ڈوب کر میت کے ساتھ چلتے تھے اور موت ہی کو اپنے آپ پر طاری کئے ہوئے چلتے۔ لہٰذا اس موقع پر وہ اپنے تن بدن سے بے خبر رہتے۔ اس لئے ان کے ہاں جھر بالذکر کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے وہ اسے مکروہ سمجھتے تھے اب چونکہ زمانہ میں اچھی خاصی تبدیلی آ گئی ہے، لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں۔ دنیاوی امور کا غلبہ ہو گیا ہے آخرت کی طرف بہت کم دھیان رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے دنیاوی گفتگو میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں اور سگریٹ نوشی تک سے باز نہیں آتے بلکہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق لعن طعن کرتے ہوئے جاتے ہیں لہٰذا اس قسم کی قباحتوں سے بچنے

زمانہ بدل جانیکی وجہ سے موجودہ دور میں جنازے کیساتھ ذکر کرتے ہوئے جانا چاہئے۔ پس اس موقع پر جواز ذکر کے بہت سے دلائل اپنے اپنے محل میں مذکور ہیں یہاں زیادہ طویل کلام بحث کے طویل ہو جانیکی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے۔

۱۱۔ عورتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ جنازے کے ساتھ نہ جائیں بلکہ ان کا جانا مکروہ تحریمی ہے۔ نیز اس موقع پر بے حد رونا پیٹنا، گریبان چاک کرنا، چہرہ زخمی کرنا، سینہ کوبی کرنا یہ سارے امور خلاف شریعت ہونیکی وجہ سے ناجائز ہیں۔ لہٰذا ان کاموں سے روکا جائے۔ چنانچہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو گریبان پھاڑے چہرے کو زخمی کرے اور دور جہالت کا رویہ اختیار کرے البتہ غمگین ہونا یا بغیر چیخ و پکار آنسو بہانا، خواہ گھر ہو یا گھر سے باہر ہو جائز ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ غم کے موقع پر آنسو بہانے یا دل میں صدمہ کرنے سے عذاب نہیں دیتا ہے البتہ زبان سے بین کرنے اور سینہ کوبی سے سزا دیتا ہے چنانچہ ائمہ کرام فرماتے ہیں۔، اگر جنازے کیساتھ رونے پیٹنے اور گریبان چاک کرنے والی عورتیں ہوں تو انھیں منع کر دے اگر اس کے اختیار میں نہ ہوں تو دل سے انھیں برا سمجھے، لیکن اس کے باوجود میت کیساتھ ضرور جائے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے زمانے میں عورتوں کو باہر جانے کی اجازت تھی۔ چنانچہ وہ نماز جمعہ اور نماز عید کے لئے جایا کرتی تھیں۔ تو اس دور کے لحاظ سے جنازے کیساتھ عورتوں کے رونے پیٹنے کے عدم جواز کا سوال تھا۔ اب چونکہ باہر جانیکی اجازت ہی نہیں۔ لہٰذا یہ سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ چنانچہ ''کفایہ شبلی'' میں مذکور ہے کہ قاضی سے عورتوں کے بارے میں یہ پوچھا گیا کہ وہ قبرستان جا سکتی ہیں تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ یہ نہ پوچھو کہ جا سکتی ہیں یا نہیں۔ بلکہ یہ پوچھو کہ ان کے جانے میں کس قدر فساد ہے۔

۱۲۔ جب میت قبرستان میں پہنچ جائے تو اس کو زمین پر رکھنے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اسی طرح کرنے میں احترام میت نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر میت کو زمین پر رکھتے وقت تعاون کی ضرورت ہو۔ اور بیٹھنے کی بہ نسبت قیام میں تعاون کرنے کا زیادہ امکان ہے۔ جب میت زمین پر رکھ دی جائے پھر بغیر ضرورت قیام نہیں کرنا چاہئے۔

قبر کے چند مسائل

۱۔ قبر کی دو قسمیں اور صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لحد ہو دوسری یہ کہ شق ہو۔ لحد کا طریقہ یہ ہے کہ قبر میں قبلہ کی جانب ایک چھوٹا سا گڑھا کھودیں جس میں میت کو رکھا جائے پھر اس میں اینٹیں وغیرہ رکھ دے اور بڑے گڑھے کو مٹی سے بھر دیں اور جس گڑھے میں میت رکھی جائے اس پر قبر کا نشان بنا دیں۔ عموماً لوگ جو پہلا گڑھا ہوتا ہے اس پر نشان قبر بناتے ہیں جبکہ میت اگلے گڑھے میں ہوتی ہے۔ اس طرح کرنا ٹھیک نہیں۔ شق کی صورت یہ ہے کہ قبر کی طرح ایک گڑھا کھودے، اور اس کی دونوں طرفوں میں اینٹیں یا پتھر لگا دے اور میت کو گڑھے میں رکھے۔ پھر اس پر چھت کی صورت میں اینٹیں اور پتھر کی تختیاں لگائے۔ لیکن ایسے طریقے سے کہ وہ اینٹیں تختیاں میت کو مس نہ کریں اور ایک مکان کی صورت بن جائے۔ جہاں زمین سخت ہو وہاں آسانی سے لحد تیار ہو سکتی ہے لیکن اگر زمین نرم ہو تو پھر لحد نہیں بنائی جا سکتی۔ لہٰذا اس حالت میں شق کی صورت میں قبر تیار کریں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لحد ہمارے لئے ہے جبکہ شق دوسروں کے لئے ہے۔'' مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ دونوں صورتیں ٹھیک ہیں لیکن لحد یعنی بغلی قبر بہ نسبت ''شق'' زیادہ بہتر ہے اور یہ ارشاد اس زمین کے بارے میں ہے کہ جہاں دونوں آسانی سے بنائی جا سکیں لیکن جہاں زمین نرم ہو کہ لحد بنانے کا امکان نہ ہو وہاں صرف ''

شق'' تیار کی جائے۔ چنانچہ ''المنافع'' میں فرمایا ائمہ فقہ نے ہمارے شہروں میں ''شق'' کو پسند کیا اسلئے کہ یہاں کی زمین نرم اور بوسیدہ ہے جو لحد بنانے کے قابل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسے موقع پر پختہ اینٹ اور لوہے کے تابوت کی بھی اجازت دی ہے چنانچہ مبسوط میں بھی یہی مذکور ہے۔

میت کو تابوت میں رکھنے کی شرائط

۱۔ زمین نرم اور در ماندہ ہو۔ ورنہ تابوت میں رکھ کر دفن کرنا مکروہ ہے اس پر تمام اہل علم کا مکمل اتفاق ہے۔

۲۔ تابوت کے نیچے مٹی بچھائی جائے۔ اور اس کے اوپر کے حصہ پر مٹی سے لیپ کیا جائے اور میت کے دائیں اور بائیں اینٹیں رکھی جائیں تا کہ وہ قبر کی طرح ہو جائے۔ (اور دونوں میں مساوات ہو جائے)۔

۳۔ تابوت میت کے ذاتی مال سے بنایا جائے (مطلب یہ ہے کہ ورثاء وغیرہ کے مال سے نہ ہو)

۴۔ مشائخ کرام نے عورتوں کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا مستحب قرار دیا ہے اگر چہ کیسی ہی ہو۔ چنانچہ علامہ حلبی شرح منیہ میں لکھتے ہیں واستحسن مشا ئخنا اتخاذ التابوت للنساء یعنی ولو لم یکن الارض رخوۃ اور کبیری برحاشیہ صغیری میں ہے لانہ اقرب الیٰ الستر والتحرز عن مسھا عند الوضع۔

اور عورت کے لئے اس طرح کرنے میں زیادہ ستر پوشی ہے۔ نیز قبر میں اتارتے وقت اسے ہاتھ لگانے کے بھی تحفظ سے (لہذا عورت کے لئے تابوت بنانا عمدہ کام ہے)

قبر کی گہرائی کا بیان

قبر کتنی گہری ہو اس میں چند اقوال ہیں:

۱۔ میت کے نصف قد تک۔

۲۔ سینے تک

۳۔ وسط قامت تک۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو افضل ہے

۴۔ قد کے برابر گہرائی ہو۔ اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی فرماتے ہیں۔ ان عمقوا مقدار قامۃ فھو احسن (صغیری صفحہ ۲۹۴) اگر قد کے برابر قبر گہری کریں تو زیادہ اچھا ہے کفر الھذ اادنیٰ نصف قامت اور اعلیٰ بقدر قامت ہے۔ اور اس کی چوڑائی نصف قد کے برابر ہو۔ اور اس کا طول میت کے قد کے برابر ہو۔ مراد یہ ہے کہ لحد یا صندوق اتنا ہو یہ نہیں کہ جہاں سے کھودنی شروع کی وہاں سے آخر تک یہ مقدار ہو

قبر میں میت کے اتارنے کا طریقہ

ہمارے نزدیک میت کو قبلہ کی طرف سے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہوئے میت قبر میں اتاری جائے گی، جبکہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک میت کو قبر کے پاؤں کی جانب رکھ کر سرہانے کی جانب کھینچا جائے، عربی میں اس کو (ســـل) کہتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک اتارنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہے اتارے۔ امام شافعی کی دلیل حضرت ابن عباس کا یہ ارشاد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر

شریف میں اتارتے وقت قبر کی آخری جانب سے سرہانے کی جانب پہنچایا گیا تھا اور ہماری دلیل ابوداؤد کی یہ روایت ہے کہ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا گیا۔

اتارتے وقت کیا کہا جائے

قبر میں اتارنے والا یہ الفاظ کہے "بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ" چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی فرمایا کرتے تھے جیسے ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے اور کلمات مذکور کا معنی یہ ہے کہ "ہم نے اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ کو رکھا اور دین رسول پر آپ کو سپرد کیا۔ اتارنے والوں کی تعداد مقرر نہیں کہ کتنے ہوں، طاق ہوں یا جفت ہوں۔ بلکہ اس قدر ہوں جن سے یہ کام صحیح طور پر ہو سکے۔ عورت کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر دیندار اور متقی لوگ ہوں عورت کو اور کافر کو نہ اتارے اگرچہ قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے ان دونوں کے لئے یہ مناسب نہیں

اتارتے وقت پردہ کا اہتمام

عورت کو قبر میں اتارتے وقت پردے کا اہتمام کرنا چاہئے چنانچہ اس کے حق میں یہ مستحب ہے جبکہ مردوں کے لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔

قبر میں میت کو کس طرح رکھا جائے

قبر میں میت کو دائیں کروٹ پر رکھ کر قبلہ رخ کرنا چاہئے۔ پیٹھ کے بل نہیں لٹانا چاہئے اور بند کھول دے۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر زمین نمناک ہو تو قبر میں مٹی بچھانی چاہیے۔ امام سروجی فرماتے ہیں کہ شوافع اور حنابلہ کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ میت کے سر کے نیچے اینٹ یا پتھر رکھنا چاہئے۔ لیکن احناف کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے ہاں البتہ میت کے سر کے نیچے سرہانہ اور تکیہ رکھنا مکروہ ہے۔ اور اسے مٹی وغیرہ سے سہارا دینا بھی ٹھیک نہیں۔ اور قبلہ ہی کی طرف سے اس پر اینٹیں اور پتھر رکھے جائیں۔ اور سوراخ بند کئے جائیں تاکہ مٹی وغیرہ نیچے نہ گرے۔ کانے رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں چنانچہ بعض ائمہ نے کانے، کچی اینٹ اور گھاس کے رکھنے کو مستحب قرار دیا۔ کچی اینٹوں پر بوریا رکھنے میں اختلاف ہے۔ بعض نے مکروہ کہا ہے جبکہ بعض نے جائز قرار دیا ہے۔ پختہ اینٹوں اور لکڑیوں سے حتی الامکان پرہیز کرے جبکہ ان کے بغیر کام چل سکے۔ ورنہ بحالت مجبوری گنجائش ہے۔

قبر پر کتنی مٹی ڈالی جائے

اکثر ائمہ کی رائے یہ ہے کہ قبر سے جتنی مٹی برآمد ہوئی اتنی ہی اس پر ڈالے اس سے اضافہ نہ کرے امام محمد کے نزدیک اضافہ کرنے کی بھی گنجائش ہے پہلی مرتبہ مستحب ہے کہ تین مشت خاک اس پر ڈالی جائے۔ چانچہ ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ سے یہی مروی ہے اس موقع پر پانی چھڑکنے میں بھی کوئی حرج نہیں چنانچہ امام محمد سے یہی مروی ہے۔

قبر کس شکل کی بنائی جائے

قبر اونٹ کے کوہان کی طرح بنائی جائے سطح کی طرح نہ ہو۔ یعنی چوکور نہ ہو امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک بالشت سے کچھ زائد اس کی بلندی ہو۔ پختہ قبر بنانی اور [illegible]

چنانچہ ائمہ ثلاثہ کا یہی خیال ہے۔

قال الحلبی فی شرح الکبیر وبہ قال الائمة الثلاثة لما روی جابر (رضی اللہ عنہ) نهی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ عن تجصیص القبور وان یکتب علیها وان یبنیٰ علیها رواہ ابو داؤد ومسلم والترمذی وصححہ الخ . وفی روایة ان تو طاء اھ وفی منیة المفتی المختار لا یکرہ لتطیین وعن ابی حنیفة یکرہ ان یبنیٰ علیہ بناءً من بیت اوقبة او نحو ذالک وکذا یکرہ وطوہ والجلوس علیہ وکرہ ابو یوسف الکتابة ایضاً اھ (صغیری وکبیری صفحہ ۲۹۵٫۹۴)

چنانچہ امام حلبی نے شرح کبیر میں فرمایا کہ حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر کے پختہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس پر کچھ لکھنے سے بھی اور اس پر عمارت بنانے سے بھی۔ امام ابوداؤد، امام مسلم اور امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت فرمایا اور اس کو صحیح قرار دیا۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا کہ آپ نے قبر کو پامال کرنے منع فرمایا "منیة المفتی" میں ہے کہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ قبر کو لیپ کرنا مکروہ نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ قبر پر عمارت بنانا، مکان بنانا یا گنبد وغیرہ بنانا مکروہ ہے اور قبر کو پامال کرنا اور اس پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے امام ابو یوسف نے قبر پر کچھ لکھنے کو مکروہ فرمایا۔ مراد یہ کہ اس کاروائی کو اچھا نہیں سمجھا۔

جنازہ کے متعلق چند مزید احکام

۱۔ میت کا سرپرست اگر خود عالم ہو تو خود نماز جنازہ پڑھائے۔ لیکن اگر اپنی مرضی سے کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو ایسا کر سکتا ہے نیز نماز جنازہ کی تشہیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاکہ لوگ کثرت سے نماز جنازہ میں شرکت کریں۔ کتب فقہ ھدایۃ وغیرہ میں یہی مذکور ہے۔

۲۔ اگر کافر مر جائے اور اس کا کوئی قریبی رشتہ دار مسلمان ہو تو اس کے لئے مناسب ہے کہ ناپاک کپڑے کی طرح اسے نہلائے اور چھوٹا سا گڑھا کھود کر کسی کپڑے میں اسے لپیٹ کر اس گڑھے میں اسے پھینک دے۔ کسی اسلامی سنت کی رعایت نہ کرے اور اگر اس کے ہم مذہب کافروں کے حوالے کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر اس کا کوئی کافر سربراہ موجود ہو تو پھر مسلمان کو اس کی سربراہی کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کا معاملہ اس کے دوسرے کافر رشتہ داروں کے حوالے کر دے اور دور رہ کر اس کی میت کیساتھ جائے۔ لیکن ان کے کسی معاملے میں دخل نہ دے اور اگر مرنے والا مرتد ہو تو پھر اسے کسی گڑھے میں بغیر غسل، کفن پھینک دے۔ مگر اس حالت میں اسے دوسرے ہم مذہب لوگوں کے حوالے نہ کرے۔ بلکہ خود ہی مذکورہ کاروائی کرے۔

۳۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے کہ جس کے پاس مال نہ ہو اور اس کا کوئی سربراہ اسلامی بھی نہ ہو جو اس کی تجہیز و تکفین کا اہتمام کرے تو پھر عام لوگوں پر اس کے کفن دفن کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔ شرعاً یہ فرض کفایہ ہے اگر اسلامی حکومت ہو تو "بیت المال" سے اہتمام کیا جائے اور اگر بیت المال نہ ہو یا اس کا نگران اہتمام نہ کرے تو پھر عام لوگوں کی ذمہ داری ہے یعنی لوگوں سے مانگ کر اس ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اگر کچھ رقم بچ جائے تو اسی طرح کے کسی دوسرے آدمی کی تجہیز و تکفین میں خرچ کی جائے۔ اگر کوئی ایسا موجود نہ ہو تو وہ رقم خیرات کر دی جائے۔

۴۔ اگر کسی قبر سے میت ... [illegible]

مال تقسیم ہو گیا ہو تو پھر ورثاء کی ذمہ داری ہے اگر کسی میت کو درندہ کھا گیا تو اس کا کفن جس کے پاس ہو اسی کا ہے کیونکہ میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

۵۔ اگر میت کو کفن پہنا دیا گیا، پھر اگر اس کے جسم سے کچھ خارج ہوا تو دوبارہ غسل نہ دے۔ بلکہ پیپ اور خون وغیرہ کو صاف کر دے۔

٦۔ عورت اپنے شوہر کو بالاتفاق غسل دے سکتی ہے جب تک عدت میں ہو۔ لیکن شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ ائمہ احناف کا یہی مذہب ہے البتہ باقی تین اماموں کا اس میں اختلاف ہے اور عورت بھی شوہر کو غسل نہیں دے سکتی اگر اس کی عدت گزر گئی ہو مثلاً بچہ وغیرہ پیدا ہو گیا ہو۔ یا اور کسی وجہ سے فرقت ہو گئی ہو۔ البتہ امام مالک اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے رشتہ نکاح باقی ہو تو پھر بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اگر ارتباط نکاح ختم ہو گیا ہو تو عورت، مرد کو غسل نہیں دے سکتی اور مرد اس لئے نہیں دے سکتا کہ موت سے نکاح ختم ہو جاتا ہے لہٰذا مرنے کے بعد خاوند بیوی کے ننگے جسم کو نہ دیکھ سکتا ہے نہ ہاتھ لگا سکتا ہے البتہ چارپائی اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ حضرت علی کا سیدہ فاطمہ کو غسل دینا اگر صحیح ہو تو خصوصیات پر مبنی ہے لہٰذا عام قانون سے مستثنیٰ ہے۔

۷۔ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی میت کو غسل دیا گیا لیکن غلطی سے اس کے جسم کا کوئی حصہ رہ گیا کہ جہاں تک پانی نہ پہنچا تو دوبارہ اس اندام کو دھویا جائے۔ اگر نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو دوبارہ پڑھی جائے۔ بلکہ اگر قبر میں اتارہ گیا تو مٹی ڈالنے سے پہلے پہلے اسے نکال کر اس خشک اندام کو دھویا جائے اور دوبارہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور اگر مٹی ڈال کر دفن کر دیا گیا تو غسل ساقط ہو جائے گا دوبارہ نکال کر غسل نہ دیا جائے۔ البتہ نماز جنازہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ بھی ساقط ہو گئی۔ لیکن مبسوط میں ہے غسل تو ساقط ہو گیا لیکن نماز قبر پر پڑھی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اگر کسی میت کو بالکل غسل نہ دیا گیا اور نہ کفن پہنایا گیا بلکہ بغیر ان دونوں کے دفن کر دیا گیا تو ان کاموں کے لئے اسے دفن کرنے کے بعد قبر سے نہ نکالا جائے علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ غسل کفن کا مامور اور دوبارہ نکالنے سے منع کیا گیا ہے اور جب امر اور نہی میں تعارض ہو جائے تو نہی امر پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ: اگر تکفین میت سے پہلے معلوم ہو گیا کہ جسم میت کا ئی حصہ مثلاً انگلی وغیرہ خشک رہ گئی تو بالاتفاق اسے دھویا جائے۔ اگر قبر میں کسی کی نقدی یا زائد کپڑوں یا درھموں کیساتھ میت دفن ہو گیا یا کسی دوسری کی زمین میں میت کو دفن کر دیا گیا تو قبر کھول کر وہ چیزیں نکال لی جائیں۔ اور غصب شدہ زمین سے میت نکال کر دوسری جگہ دفن کیا جائے اور یہی حال ہے کہ کسی کی کوئی شے قبر میں گر گئی تو قبر کھول کر اسے نکالنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر پانی نہ ہو تو غسل کے بجائے میت کو تیمم کرایا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے پھر اگر بعد میں پانی دستیاب ہو گیا ہو تو اسے دوبارہ غسل دیا جائے اور دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جائے بعض کے نزدیک نماز جنازہ کا اعادہ نہیں۔ امام سروجی نے فرمایا کہ یہ اصول کے موافق ہے کیونکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تیمم کر کے نماز پڑھے پھر اگر اسے پانی مل جائے اگر چہ وقت ہو اس پر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ لہٰذا یہاں بھی یہی حکم ہونا چاہئے یہ دونوں روایتیں امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔

مسئلہ: ایک ایسا کپڑا موجود ہے جو زندہ اور مردے کے درمیان مشترک ہے اگر زندے کو اس کی زیادہ ضرورت ہو مثلاً وہ سردی کی وجہ سے بے قرار ہو گیا یا کسی اور وجہ سے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو وہ کپڑا میت کے بجائے زندہ کو دے ورنہ میت کے استعمال میں

لایا جائے۔ اسی طرح اگر پانی موجود ہو اور کوئی زندہ آدمی پیاسا ہو اور میت کو غسل دینے کی ضرورت ہو تو غسل میت کے بجائے زندہ کو دیا جائے تاکہ وہ اپنی پیاس بجھائے اور اگر یہ صورت نہ ہو تو میت کو کفن پہنایا جائے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے

مسئلہ: کسی خاص ضرورت کے علاوہ ایک کپڑے میں دو تین آدمیوں کو جمع نہ کیا جائے اور اسی طرح دو تین کو ایک قبر میں دفن نہ کیا جائے۔ ہاں اگر زیادہ مجبوری ہو تو گنجائش ہے دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے اور جب دو کو ایک قبر میں دفن کرنا پڑے تو درمیان میں مٹی کو آڑ بنائے۔

مسئلہ: اگر کوئی مرنے والا یہ وصیت کرے کہ فلاں آدمی میری نماز جنازہ پڑھائے یا فلاں شخص مجھے غسل دے یا قبر میں اتارے تو عام روایت کے مطابق اس قسم کی وصیت باطل ہے نماز جنازہ وہی پڑھائے جو اس کام کا استحقاق رکھتا ہے یا ولی جس کو اجازت دے۔ ابن رستم کی ایک شاذ روایت میں ان باتوں کا جواب ہے۔

مسئلہ: اگر صرف عورتیں نماز جنازہ پڑھیں تو جائز ہے فرض ساقط ہو جائے گا البتہ مستحب یہ ہے کہ تنہا تنہا پڑھے۔ البتہ جماعت بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر بہت سے جنازے جمع ہو جائیں تو ان پر نماز پڑھنے کے دو طریقے ہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھی جائے لیکن بعض حالات میں یہ بھی جائز ہے کہ سب پر ایک ہی مرتبہ پڑھ لی جائے۔ رہی یہ بات کہ انھیں کس طرح رکھا جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کر کے ہر ایک کی چارپائی ایک دوسرے کے پیچھے رکھی جائے عاقل بالغ لوگ امام کے قریب رکھے جائیں۔ اور اس میں آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں۔ پھر بچے پھر ہیجڑے اور عورتیں پس اس ترتیب سے انھیں رکھا جائے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سب کو ایک صف میں رکھا جائے۔ اور ان کی ایک صف کر دی جائے پھر امام ایک ہی مرتبہ سب کی نماز جنازہ پڑھا دے پس اس میں ایک گونہ آسانی ہے۔

مسئلہ: اگر جنازہ پر تکبیر پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو پہلے کی نماز پوری کرے پھر دوسرے کی نماز پڑھانی شروع کرے چنانچہ قرین قیاس یہی ہے۔

مسلمان اور کافر مردے مخلوط ہوں تو کیا کرے

اگر اسلام کی کوئی علامت پائی جائے تو اس کے مطابق عمل کرے۔ اہل اسلام کی علامات یہ ہیں ۱۔ ختنہ ۲۔ خضاب ۳۔ مونچھیں کٹی ہونا ۴۔ سیاہ لباس۔

قال الحلبی معترضاً علیه لکن الختان انما یکون علامة اذا لم یکن فیهم یهود (لانهم یختنون فلا یکون علامة لاهل الاسلام کما هو الظاهر واما لبس السواد فکثیر فی الکفار من الفرنج و غیر هم فلا یکون علامة و کذا قص الشارب ینبغی ان لا یکون علامة لانه یندب للغازی تو فی الشارب فی دارالحرب اقول بل فی الجهاد ایضاً کما هو المحرء المحرر–

مذکورہ علامات میں سے کوئی بھی خصوصی علامت بننے کے قابل نہیں مثلاً ختنہ تو اب تک یہودیوں رائج ہے لہذا اس کو ایک مسلمان کے لئے کیسے علامت قرار دیا سکتا ہے۔

اور سیاہ لباس بھی بہت سے کفار مثلاً فرنگیوں وغیرہ میں [illegible] اور کتری ہوئی مونچھیں تو بھی [illegible] علامت نہیں [illegible]

کہ دار کفر اور جہاد وغیرہ کے موقع پر مجاہدین کے لئے مونچھیں بڑھانا مستحب اور موجب ثواب ہے تاکہ کافروں پر دھاک بیٹھ سکے۔

خلاصۂ کلام

اوپر درج کردہ کوئی علامت بھی بوجہ غیر اختصاص اس قابل نہیں کہ اسے اہل اسلام کے لئے خصوصی علامت قرار دیا جائے پھر اگر کوئی اسلامی علامت پائی جائے اور مسلمان کافروں کے تعداد میں زیادہ ہوں تو سب کو بلا تفریق مسلم اور کافر غسل دیا جائے اور ان پر نماز پڑھی جائے لیکن نماز میں مسلمانوں کی نیت کی جائے مفہوم یہ ہے کہ نیت کرتے وقت دل میں یہ ارادہ ہو کہ مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھ رہا ہوں لہٰذا نیت میں تعیین کردے تاکہ اسلامی اصول کے مطابق نماز صحیح ہو اور اگر کافر زیادہ ہوں تو اس صورت میں سب کو غسل تو کردیں۔ مگر نماز جنازہ نہ پڑھیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو ائمہ کرام کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی نماز پڑھی جائے جبکہ بعض کے نزدیک نماز نہ پڑھی جائے رہی یہ بات کہ ایسی صورت میں انھیں کہاں دفن کیا جائے تو اس میں تین اقوال ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ کافروں کے قبرستان میں دفن کیا جائے اور تیسرا یہ کہ الگ جگہ بنا کر دفن کیا جائے اور پھر انکی قبروں کو زمین کے ساتھ ہموار کیا جائے اونٹ کے کوہان کی طرح نہ بنایا جائے۔

نوٹ

اصل اختلاف اس کتابیہ عورت کے متعلق ہے جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اگر وہ بصورت حمل مرجائے تو بالاتفاق اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے البتہ صحابہ کا اس کے دفن کرنے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی جائے اور بعض کے نزدیک کافروں کے قبرستان میں۔ عقبہ بن عامر اور واثلہ بن اسقع کے نزدیک اس کی الگ قبر بنائی جائے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے مالکی فقہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اس عورت کو دفن کرتے وقت اس عورت کی پیٹھ قبلہ کی طرف کی جائے۔ اس لئے کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا منہ عورت کی پیٹھ کی طرف ہے تو پھر بچے کا منہ قبلہ کی طرف ہوگا امام سروجی نے فرمایا کہ یہ اچھا قول ہے۔

مردہ دارالاسلام میں پایا گیا تو کیا کرے

اگر کوئی میت دارالاسلام میں لاوارث پائی گئی اگر کوئی اسلام کی علامت ہو تو اس کے مطابق کرے۔ اگر کوئی علامت موجود نہ ہو تو غسل دیا جائے اور نماز نہ پڑھی جائے اور صحیح یہ ہے کہ نماز بھی پڑھی جائے۔ اس لئے کہ دارالاسلام میں پایا گیا اور یہ اسی طرح ہے کہ مردہ دار کفر میں پایا جائے اور کوئی علامت نہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ دار کفر کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا۔

اگر نماز کے وقت جنازہ آجائے تو کیا کرے

اگر نماز کے مغرب کے وقت آئے تو پہلے نماز مغرب پڑھے اور پھر نماز جنازہ پڑھے اور اسکے بعد مغرب کی سنتیں پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنت مغرب نماز جنازہ سے پہلے پڑھے۔ اگر عید کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو پہلے نماز عید پڑھے پھر نماز جنازہ اور پھر خطبہ پڑھے۔

اگر جمعہ کے دن کوئی مرجائے تو کیا کرے

اگر نماز جمعہ سے پہلے میت تیار ہو سکے تو پھر نماز جمعہ تک تاخیر کرنا مکروہ ہے اس خیال سے کہ نماز جمعہ کے بعد لوگ کثرت سے نماز

جنازہ میں شریک ہوں گے۔ٹھیک نہیں۔لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ میت کی تجہیز وتکفین اور تدفین کرنے سے نماز جمعہ رہ جائے گی اس میں حرج پیدا ہوگا تو میت کے دفن کرنے میں تاخیر کرے۔

جنازے کیساتھ جانے کا ثواب

اگر پڑوسی رشتہ دار ہو یا کوئی دین دار آدمی ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا نوافل پڑھنے سے بہتر ہے ورنہ نوافل پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔

اجرت کا حکم

جنازہ اٹھانے اور قبر کھودنے کی اجرت لینا جائز ہے البتہ میت کے غسل دینے کی اجرت جائز نہیں لیکن بعض مشائخ نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے اس میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ پوری بستی میں کوئی غسل دینے والا سوائے ایک آدمی کے نہ ہو تو اس ایک غاسل کو اجرت لے کر غسل دینا جائز نہیں۔ بلکہ یہ اس کے فرائض میں شامل ہے اور اگر ایک جگہ بہت سے غسل دینے والے ہوں تو پھر کسی ایک کا اجرت لے کر غسل دینا جائز ہے۔

میت کہاں دفن کی جائے

شہید جہاں مارا گیا اسے وہیں دفن کرنا بہتر ہے اور عام مردوں کو عام قبرستان میں دفن کیا جائے اگر دفن سے پہلے ایک دو میل دور لے جائیں تو کچھ حرج نہیں اس سے معلوم ہوا کہ بلاوجہ کسی دوسرے شہر کی طرف لے کر جانا مکروہ ہے اسمیں دو اور روایات بھی ہیں۔ایک یہ ہے کہ مدت سفر سے کم دور لے جانا جائز ہے اور دوسری یہ ہے کہ مدت سفر تک دور لے جانا بھی جائز ہے مکروہ نہیں۔بعض نے اس باب میں بعض روایات کا سہارا لیا ہے چنانچہ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ:

> سعد بن ابی وقاص مدینہ منورہ سے چند کوس دور ایک بستی میں ان کی وفات ہوگئی تو لوگ ان کی میت کو اٹھا کر مدینہ منورہ لے آئے اس کے علاوہ بھی اور مسائل آثار میں ہیں۔جنہیں برنظر اقتصار نقل نہیں کیا جاتا۔رہی یہ بات کہ دفن کرنے کے بعد بغیر کسی خاص مجبوری کے دوبارہ نکالنا جائز نہیں البتہ اس صورت میں کہ کسی غیر کی زمین میں دفن ہوجائے تو پھر نکالنے کا حکم ہے اور اگر نہ نکالا گیا تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ وہ اسے نکال کر کہیں دوسری جگہ دفن کر دے یا اس کی قبر کو زمین کے ساتھ برابر کر کے اس پر کھیتی باڑی شروع کر دے۔

پانی کی نہر آجائے تو کیا حکم ہے

قنیہ میں مذکور ہے کہ اگر پانی کی نہر آجائے تو میت کو نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کرنے کی اجازت نہیں اور جس گھر میں کوئی آدمی مر جائے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اسی جگہ دفن کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ باہر کہیں بھی مناسب ہو اسے دفن کر دیا جائے کیونکہ رہائشی مکان میں دفن کرنا انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے لہٰذا اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔

ایک مردے کی جگہ دوسرا مردہ نہ دفن کیا جائے

جب تک ایک میت کی ہڈیاں باقی ہوں اور اس کے آثار موجود ہوں وہاں دوسری میت نہ دفن کی جائے بلکہ اس دوسری میت کی الگ

قبر تیار کی جائے ہاں اگر کوئی مجبوری اور ضرورت ہو مثلاً کوئی فارغ اور خالی جگہ نہ پائی جائے کہ اسے وہاں دفن کیا جا سکے تو پھر ایسا کرنے کی گنجائش ہے اور اس کی فقہی تجویز یہ ہے کہ مردہ کی ہڈیاں یکجا کر کے ایک جگہ رکھ دے۔ اور دوسرے کو دفن کرتے وقت دونوں کے درمیان مٹی سے کچھ پردہ اور آڑ بنا دے تا کہ دونوں کے درمیان حد فاصل بصورت امتیاز پیدا ہو جائے۔

اگر جہاز اور کشتی میں مر جائے تو اس کا کیا حکم ہے

اگر کوئی کشتی اور جہاز میں مر گیا اور خشکی کے قریب نہیں بلکہ اس سے دور ہے تو غسل دیکر کفن پہنائے اور نماز جنازہ پڑھ کر دریا میں ساتھ کوئی وزنی چیز باندھ کر ڈالدے تا کہ اچھی طرح ڈوب جائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعی احترام کے علاوہ اس کا کوئی یہ رسمی یا حسی احترام نہیں تا کہ میت حفاظت سے سنبھال کر رکھی جائے۔

تر اور خشک گھاس کا حکم

اگر کسی قبر کے اوپر تر اور سبز گھاس ہو تو اسے نہ کاٹا جائے بلکہ ایسا کرنا شرعاً مکروہ ہے اور ناپسندیدہ فعل ہے اور اگر خشک ہو تو کچھ حرج نہیں مراد یہ ہے کہ اسے کاٹنا جائز ہے اس کی اصل دلیل قرآن وسنت ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد خداوندی ہے۔

وان من شئی الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

یعنی کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکیزگی نہ بیان کرتی ہو لیکن بات یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سبز گھاس اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتا ہے میت کو اس سے ایک گونہ انس حاصل ہوتا ہے لہٰذا اسے کاٹنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس میں میت کی حق تلفی ہے اور حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر پر تر شاخیں رکھیں پوچھنے پر ارشاد فرمایا جب تک یہ تر اور ہری بھری ہونگی میت کے۔

س: قرآنی آیت سے تو ہر چیز کی تسبیح معلوم ہوتی ہے پھر یہ کہنا کہ تر اور سبز گھاس نہ کاٹی جائے اور خشک گھاس کاٹنے کی اجازت ہے پس اس فرق کی کیا وجہ ہے بلکہ یہ عموم نص کے خلاف ہے بلکہ تقیید نص بالقیاس ہے جو کہ قواعد مقررہ مذکورہ فی کتب الاصول کے سراسر خلاف ہے۔

ج: علامہ شامی فرماتے ہیں دلیلہ ما ورد فی الحدیث من وصنعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الجریدۃ الخضراء بعد شقھا نصفین علی القبرین الذین یعذبان وتعلیلہ بالتخیف مالم ییبسا ای یخفف عنھما ببرکۃ تسبیحھما اذھو اکمل من تسبیح الیابس لمافی احد کانی الا خضرین نوع حیاۃ وعلیہ فکر اھیۃ قطع ذالک خضر میں نوع حیاۃ وعلیہ فکراہیۃ قطع ذالک (شامی جلد اول ص ۶۶۸)

قبر کے اوپر کے تر گھاس نہ کاٹنے کی دلیل وہ حدیث بخاری ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سبز شاخ خرما کے دو حصہ کر کے دو معذب قبور پر لگائے اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جب تک یہ خشک نہ ہونگی دونوں مردوں کے عذاب میں باعث تخفیف ہونگی۔ یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی کیونکہ سرسبز شاخ کی تسبیح خشک سے زیادہ کامل ہے اس لئے سبز شاخ وغیرہ میں گونہ حیات ہے پس اسی بنا پر تر گھاس کاٹنے کی کراہت مذکور ہے اس فوائد ذیل حاصل ہوئے۔

۱۔ عذاب میں تخفیف اور کمی واقع ہوگی پس اس کو بھی بیان کردہ وجہ کی پر زور تائید وتوثیق ہوتی ہے اور حدیث مذکور کتب صحاح میں موجود ہے۔

راستے کا حکم

اگر قبرستان میں کوئی جدید راستہ بن گیا کہ جس میں گزرتے ہوئے قبریں پامال ہوتی ہوں تو اس راستے پر چلنا مکروہ ہے یعنی ایک نا پسندیدہ عمل ہے نیز کسی قبر سے ٹیک لگا کر اور سہارا کر کے سونا اور وہاں قضائے حاجت (پیشاب پاخانہ کرنا) بلکہ تمام ایسے کام جو خلاف سنت ہیں فوائد اصل میں بھی مذکور نہیں ہیں (غیر معہود فی السنت) وہاں بجالانے عندالشرع مکروہ ہیں اور سنت صرف زیارت قبور ہے۔

زیارت قبور اور وہاں دعائیہ کلمات پڑھنا

قبرستان میں برائے زیارت قبور جانا اور پھر کھڑے ہو کر دعائیہ کلمات پڑھنا اور ان سے عبرت اور سبق حاصل کرنا یہ سب کام سنت اور حضور پاک ﷺ سے مروی ہیں عہد اسلاف سے منقول چلے آرہے ہیں ہر دور میں اہل خیر اور صاحبان فضل وشرف اس پر عمل پیرا رہے ہیں تقریباً تمام اھل اسلام کا بالاتفاق اس پر عمل رہا ہے اور آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

زیارت قبور کے بارے میں کتب حدیث میں بکثرت احادیث مروی ہیں ان میں سے بحوالہ مشکوٰۃ شریف درج ذیل روایات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ عن بریدة (رضی الله تعالیٰ عنه)قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و آله وصحبه وسلم نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها الخ رواه مسلم بحث زیارة قبور ص ۱۵۴

۲۔ فزور القبور فانها تذکر الموت الخ (رواه مسلم بحواله مشکوٰة)

۳۔ عن محمد بن نعمان یر فع الحدیث الی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ آله وصحبه وسلم قال من زار قبر ابویه اواحد هما فی کل جمعة غفرله و کتب برا رواه البیهقی مرسلاً

۴۔ عن ابن مسعود (رضی الله تعالی عنه)ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ آله وصحبه وسلم قال کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الاخرة رواه ابن ماجه باب زیارة القبور قال صاحب اللمعات فی ذیلها هی اے زیارة القبور مستحب فانه یورث رقة القلب ویذکر الموت والبلی الی غیر ذالک من الفوائد والعمدة فی ذالک الدعاء للمیت والاستغفار لهم وبذلک وردت السنة وکان رسول الله صلی الله تعالی علیه وعلیٰ آله وصحبه وسلم یا تی البقیع ویسلم علیٰ اهلها ویستغفر لهم (بر حاشیة مشکوٰة) قال مصنف المرقاة ذیل قول الحدیث فزوروها الامر للرخصة اوللا ستحباب وعلیه الجمهور بل ادعی بعضهم الاجماع بل حکی ابن عبد البرعن بعضهم وجوبها وقال فی شرح السنة الاذن فی زیارة القبور للرجال خاصةً عند عامة اهل واما النساء النساء فقد رویٰ ابو هریرة انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لعن زوارات القبور الخ

ایضاً قال النووی واجمعم علیٰ ان زیارتها سنة لهم وهل تکره للنساء وجهان قطع الاکثرون با لکراهة.

ومنهم من قال لا يكره اذا امنت الفتنة. (مختصر من المرقاة)

۵- عن ابی هريرة (رضی الله عنه) ان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وآله وصحبه وسلم لعن زوارات القبور. رواه احمد والترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حسن صحيح وقال الترمذی قد رای بعض اهل العلم ان هذا كان قبل ان يرخص النبی صلی الله تعالیٰ عليه وآله وصحبه وسلم فی زيارة القبور فلما رخص دخل فی رخصته الرجال والنساء وقال بعضهم انما كره زيارة القبور للنساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن (اھ) (مشكوة شريف صفحه ۱۵۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''لمعات'' شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور کے ذیل میں فرمایا۔ قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے (موجب ثواب ہے) اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اور موت کیطرف دھیان رہتا ہے پرانا ہو جانے اور بوسیدہ ہو کر گل سڑ جانیکی فکر پیدا ہوتی ہے۔

ترجمہ عربی عبارت کا

۱۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ (لوگو) میں نے اس سے پہلے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا لیکن (اب تمہیں اجازت ہے) لٰہذا ان کی زیارت کیا کرو (وجہ ممانعت قبور پرستی میں ابتلائے عام کا قوی اندیشہ تھا کیونکہ لوگ نومسلم تھے پس ان کا دوبارہ قبر پرستی میں وقوع کوئی بعید نہ تھا اس لئے پیش رفت کے طور پر ان کا تحفظ کیا گیا پھر جب اسلام اور توحید لوگوں کے دلوں پر رچ بس گئی اور اسلام کے مزاج سے اچھے آشنا ہو گئے اور نبی امت وفیاض ملت، حقیقت حال سے آگاہ اور آشنا ہو گئے تو پھر ارشاد فرمایا۔ اب چونکہ خطرہ ٹل گیا ہے اس لئے قبور کی زیارت کر سکتے ہو۔

۲۔ لوگو قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں

۳۔ جس شخص نے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کی ہر جمعہ کے روز زیارت کی تو اس کے قصور معاف ہو گئے، اور (وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) نیکوکار لکھا گیا۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (لوگو) میں تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا کرتا تھا لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ زیارت قبور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔ اور آخرت کو یاد دلاتی ہے مفہوم یہ ہے کہ زیارت قبور کرنے میں دو عظیم فائدے ہیں۔

ایک یہ ہے کہ قبروں کو دیکھ کر دنیا اور اہل دنیا سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے دوسرا یہ ہے کہ آخرت کی طرف دھیان ہو جاتا ہے کہ اصل جگہ وہی ہے لٰہذا دار آخرت کیطرف انسان کو پوری طرح متوجہ ہونا چاہئے اور اس کے علاوہ اور بھی متعدد فوائد اور مصالح ہیں اور ان سب میں عمدہ اہل قبور کے لئے دعا اور بخشش مانگنا ہے۔ کیونکہ سنت میں یہی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے۔ پھر وہاں انہیں سلام دیتے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے۔

حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث کے الفاظ ''فزوروھا'' کے ذیل میں فرمایا۔ یہاں صیغہ امر رخصت یا استحباب کے لئے چنانچہ جمہور اہل علم اسی قول کی تائید کرتے ہیں بلکہ بعض نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے بلکہ علامہ ابن عبدالبر نے بعض سے وجوب امر نقل کیا ہے کہ یہاں صیغہ امر وجوب کے لئے آیا ہے یعنی قبروں کی زیارت کرنا نہ صرف مستحب، بلکہ واجب ہے

اقــــول وبـالله التوفيق وهو نعم الرفيق الامر بعد الخظر للا باحة كما هو المقرر فی الاصول كقوله تعالیٰ اذا حللتم فا صطادوا یعنی یباح لكم الا صطياد بعد رفع قيد الاحراح یعنی قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ کسی کام کی پابندی اور رکاوٹ کے بعد جو صیغہ امر وارد ہو، وہ صرف اباحت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (نتیجہ) پس اس اصول کے مطابق ''نهی عن الزيارة '' کی پابندی ''فزوروها'' کے صیغہ امر سے اٹھا دینے کا اصولی تقاضا یہ ہے کہ امر مذکور صرف اباحت کے لئے ہو یعنی قبروں کی زیارت کرنا مباح ہو نہ کہ واجب اور سنت جیسا کہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع۔ لہٰذا بعد فراغت از احرام شکار کرنے کو حلال اور مباح قرار دیا گیا لہٰذا صورت مذکورہ میں بھی یہی صورت حال ہونی چاہئے ورنہ انحراف عن الاصول ہوگا۔ شرح سنہ میں فرمایا عام اہل علم کے نزدیک زیارت قبور کی اجازت صرف مردوں کے لئے ہے رہی عورتوں کی تو زیارت قبور کی اجازت نہیں اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی پس اس سے صراحتاً عدم جواز معلوم ہوا۔ نیز امام نووی نے فرمایا۔ مردوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ مردوں کے لئے زیارت قبور کرنے میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ بالاتفاق جواز ہے البتہ عورتوں کے لئے زیارت قبور میں دو قول ہیں۔ اکثر ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن بعض کے نزدیک عدم کراہت ہے بشرطیکہ اندیشہ فتنہ نہ ہو۔ (۵۱) (اختصار از مرقات)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس کے حوالہ سے ذکر فرمایا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دینے کے بعد ارشاد فرمایا بعض اہل علم کے نزدیک الفاظ لعنت زیارت قبور کی رخصت دینے سے پہلے ارشاد فرمائے۔ پھر جب زیارت قبور کی رخصت اور اجازت دے دی تو اس رخصت میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہو گئے لہٰذا اب دونوں کے لئے زیارت قبور کی اجازت ہو گئی پس اس میں مردوں کی کوئی خصوصیت نہ رہی جیسا کہ ظاہر ہے بعض نے فرمایا عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں صبر و تحمل کم ہوتا ہے اور بیقراری اور تاثرات غم بکثرت پائے جاتے ہیں لہٰذا ان کے لئے وہاں نہ جانا بہتر اور عمدہ ہے چنانچہ امام اہل سنت نے فتاویٰ رضویہ میں فرمایا زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ (عورتیں خواہ بوڑھی ہو یا جوان) انہیں زیارت قبور سے منع کیا جائے کہ اپنوں کی قبور پر جائیں گی تو جزع اور فزع کریں گی۔ اور گر نیک لوگوں کی قبور پر جائیں گی تو یا تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کیونکہ عورتوں میں یہ باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں (فتاویٰ رضویہ بہار شریعت حصہ چہارم ۱۶۵)

زیارت قبور کا مسنون طریقہ

اگر اہل قبور کی زیارت کرنا چاہے تو پائنتی کیطرف سے جا کر میت کے منہ کے سامنے کھڑا ہو لہٰذا میت سے سرہانے کے نہ آئے کہ میت کے لئے موجب تکلیف ہے کیونکہ اس صورت میں میت کو گردن پھیر کر دیکھنا پڑے گا کہ کون آتا ہے۔

ائمہ کرام کا ارشاد بحوالہ علامہ حلبی

يـسـتـحـب زيارة القبور للرجال وتكره للنساء ويدعو قائما مستقبل القبلة وقيل يستقبل وجه الميت وهو قول الشـافـعـی و كذا الكلام فی زيارته وفی القينة قال ابو الليث (الفقيه السمر قند المشهور بامام الهدی كما هوا الـمـصـرح فی ترجمته لا نعرف وضع اليد علی القبر سنتاً ولا مستحباً ولا نریٰ به با ساً وقال شرف الائمة

بدعة (عن جار الله العلامة. مشائخ مكة ينكرون ذالك ويقولون انه عادة اهل الكتاب (حاشيه صغيرى) وفي الاحياء انه من عادة النصارى (۵۱)

ولا شك انه بدعة لا سنة فيه عنه ولا عن احد من الصحابة (صغيرى ۳۰۰)

مردوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا

مستحب ہے ہاں البتہ عورتوں کیلئے مکروہ ہے میت کے لئے قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر دعا مانگے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے میت کیطرف منہ کر کے دعا مانگے (پس اس صورت میں قبلہ کی طرف پیٹھ ہوگی اور یہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے (مراد یہ کہ دوسرا قول ہے)

فقیہ ابواللیث سمرقندی نے فرمایا قبر پر ہاتھ رکھنا سنت اور استحباب کے طور پر مشہور و معروف نہیں۔ ہاں البتہ اس میں کچھ حرج بھی نہیں (یہ بھی لا باس کراہت تنزیہی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کتب قواعد میں مذکور ہے نیز خواص کے لئے ایسا کرنے کی اجازت ہے مگر عوام کو نہ کہا جائے اور نہ ان کے سامنے ایسا کیا جائے ورنہ ان کے عقائد فاسد ہو جائیں گے اور حد اعتدال سے تجاوز ہو جائے گا)

شرف الائمہ نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے چنانچہ مشائخ اہل مکہ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کی عادت ہے احیاء العلوم میں ہے کہ یہ عیسائیوں کا طریقہ اور عادت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ بدعت ہے ہرگز سنت نہیں اس لئے کہ نہ حضور اقدس سے یہ مروی ہے اور نہ یہ آپ کے صحابہ میں سے کسی صحابی سے مروی اور منقول ہے

قبرستان میں دعائیہ کلمات پڑھنا

اہل قبور کی زیارت کرنے کے موقع پر درج ذیل دعائیہ کلمات پڑھے

السلام عليكم اهل دار قوم مؤمنين. انتم لنا سلف. ونحن لكم تبع وانا ان شاء الله بكم لا حقون. نسأل الله تعالىٰ لنا ولكم العفو والعافية. يرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين. اللّٰهم رب الا رواح الفانية. والا جساد البالية. والعظام الفخرة. ادخل هذه القبور منك روحا وريحاناً. منك تحية وسلاماً.

ترجمہ کلمات

تم پر سلام ہو اے مومن قوم گھر والو۔ تم ہمارے اگلے ہو یعنی ہم سے پہلے عالم برزخ پہنچ گئے ہو اور ہم تم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور ہم بھی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو۔ تم سے ملنے والے ہیں (انشاء اللہ شک کے لئے نہیں بلکہ بطور تبرک کے ذکر کیا ہے جیسا کہ اکابرین نے ارشاد فرمایا) ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عفو و عافیت کا سوال کرتے ہین اللہ تعالیٰ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے۔ اے اللہ:: فانی روحوں کے مالک اور گلنے سڑنے والے جسم اور بوسیدہ ہو جانے والی ہڈیوں کے۔ تو اپنی بارگاہ سے ان قبروں میں تازگی، اور خوشبو داخل کر دے۔ اور ہماری طرف سے انہیں تحیہ اور سلام پہنچا دے پھر اہل قبور کے لئے فاتحہ پڑھے۔ اگر بیٹھنا چاہے تو اتنا دور یا قریب بیٹھے کہ اس کی زندگی میں میں جتنا دور اور قریب بیٹھتا تھا (شامی) مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کی زندگی میں اس کے نزدیک بیٹھتا تھا تو پھر اس کی قبر کے قریب بیٹھے اور اگر دور بیٹھتا تھا تو اس کی قبر سے بھی دور ہو بیٹھے۔ خلاصہ یہ کہ قرب و بعد میں میت کی زندگی کا لحاظ رکھے اور پھر اسی کے مطابق عمل کرے

قبرستان میں اہل قبور کے لئے تلاوت قرآن مجید

جب کوئی شخص قبرستان میں جائے تو قرآن مجید کا درج ذیل حصہ تلاوت کر کے انہیں ثواب پہنچائے ۱۔ سورہ فاتحہ ۲۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات المفلحون تک ۳۔ آیت الکرسی ۴۔ سورۂ بقرہ کا آخری حصہ یعنی آمن الرسول سے تا اختتام سورت ۵۔ سورۂ یٰسین ۶۔ سورۂ ملک ۷۔ سورۃ التکاثر ۸۔ سورۂ اخلاص ۔ بہ تعداد ذیل ۱۲۔ ۱۱۔ یا ۷۔ یا ۳۔ مرتبہ جبکہ باقی سب کلام ایک ایک مرتبہ پڑھے پھر ان کا ثواب مردوں کو پہنچائے ۔ مصنف در مختار لکھتے ہیں ۔

حدیث پاک میں آیا ہے جو کوئی ۱۱ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر مردوں کو ثواب پہنچائے تو مردوں کے شمار کے مطابق پڑھنے والے کو ثواب ہوگا۔

وفی الحدیث من قرأ الاخلاص احد عشر مرةً ثم وهب اجر ها للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات (در مختار بر حاشیہ ردالمحتار جلد اول ٦٦٦)

اعمال کا ثواب

نماز، روزہ، حج زکوٰۃ بلکہ ہر قسم کی عبادت اور اچھے کام کا خواہ فرض ہو یا نفل اگر مردوں کو ثواب پہنچانا ہو تو انہیں ثواب پہنچا سکتا ہے پس اس میں کوئی مانع نہیں اور انہیں ضرور ثواب پہنچ جائے گا اور کمال یہ ہے کہ ثواب میں بھی ذرہ بھر کمی نہ ہوگی ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کے پیش نظر امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ ایسا نہیں کہ تقسیم ہو کر سب کو تھوڑا تھوڑا ملے ۔ (فتاویٰ شامی) امام اہل سنت نے فرمایا۔ امید ہے کہ ایصال ثواب کرنے والے کو مردوں کی مجموعی تعداد کے مطابق ثواب عطا ہوگا مثلاً کسی نے دس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دس مردوں کو ثواب پہنچایا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور جود و عطا کے مطابق ہر ایک کو دس دس ثواب ہوگا اور ایصال ثواب کرنے والے کو اموات کی مجموعی تعداد کے مطابق (اپنی ذات کو شامل کر کے ایکسو دس کا ثواب ملے گا۔ اور اگر ایک ہزار مردوں کو ایصال ثواب سے دس ہزار کا ثواب بارگاہ خداوندی سے عنایت ہوگا۔ وعلیٰ هذا القیاس (فتاویٰ رضویہ)

نابالغ کا عمل

اگر کسی نابالغ نے کچھ پڑھ کر یا کوئی اچھا کام کر کے اس کا ثواب کسی میت کو ایصال ثواب کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اسے پہنچے گا۔ (فتاویٰ رضویہ)

چند ضروری فوائد............(بحوالہ در مختار اور فتاویٰ شامی)

۱- فائدہ اولیٰ......کیا نیک عمل کا ثواب ہبہ کیا جاسکتا ہے؟ ہاں کیا جاسکتا ہے چنانچہ ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی (باب الحج عن الغیر یعنی کسی دوسرے معذور یا میت کی طرف سے حج کرنا) للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوتاً او صوماً او سرقهٗ صدقةً اوغیرها (هدایه) او الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شئی بحث زکوٰۃ تاتارخانیه نقلاً عن المحیط اه هو مذهب اهل السنة والجماعة یعنی آدمی اپنے نیک اعمال مثلاً نماز، روزہ اور صدقات خیرات کا ثواب کسی دوسرے کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے جو کوئی نفلی عبادت کا ثواب دینا چاہے تو افضل یہ ہے کہ سب اہل ایمان مرد و عورتوں کی نیت کرے کیونکہ سب کو ثواب پہنچتا ہے اور ثواب پہنچانے والے کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوتی ۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے (ردالمختار جلد اول ٦٦٦)

وصول ثواب میں اختلاف

امام مالک اور امام شافعی کا بعض اشیاء کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک خالص بدنی عبادات کا ثواب کسی میت کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ مالی عبادات کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے فرقہ معتزلہ کے نزدیک کسی چیز کا ثواب ہبہ نہیں کیا جا سکتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں تین مذہب ہیں (۱)۔ ائمہ احناف کے نزدیک ہر چیز کا ثواب (خواہ بدنی ہو یا مالی) دوسرے کو دیا جا سکتا ہے (۲) امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک صرف مالی عبادات کا ثواب دوسرے کو دیا جا سکتا ہے جبکہ بدنی عبادات میں ایسا نہیں ہو سکتا اور فرقہ معتزلہ ایصال ثواب کے بالکل قائل نہیں اس لئے ہر شخص کو اپنا عمل کام آتا ہے لہٰذا کسی دوسرے کا عمل اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

ضروری نوٹ ...... عبادات کی تین قسمیں ہیں (۱) خالص بدنی عبادت جیسے نماز، روزہ (۲) خالص مالی عبادت جیسے زکوٰۃ وغیرہ اور ان دونوں سے مرکب عبادت جیسے حج اور عمرہ وغیرہ۔ پچھلے دو میں اختلاف نہیں البتہ پہلے نمبر میں اختلاف ہے۔

۲- دوسرا فائدہ ...... کیا فرائض اور نوافل دونوں کا ثواب ہبہ کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا زندہ اور مردہ اس باب میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اکثر کے نزدیک ہر ایک کو خواہ زندہ ہو یا مر گیا ہو ہر عمل کا ثواب خواہ فرائض ہوں یا نوافل ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ فرائض کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا ہے البتہ نوافل میں جواز ہے نیز میت کے لئے ثواب پہنچانے کی تخصیص ہے البتہ زندہ اس سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ وہ محتاج نہیں۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ جب کسی دوسرے کو ثواب دینا چاہے تو کب نیت کرے بعض کے نزدیک نیت کرنے میں کوئی شرط نہیں۔ جب بھی دینے کا ارادہ کرے تو اسے دے سکتا ہے لیکن بعض کے نزدیک عمل کرنے کے وقت ہی نیت کرے۔ کیونکہ بعد میں نیت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۳- تیسرا فائدہ ...... اہل علم کے نزدیک جس قدر کلام اور طعام کا ثواب جتنے لوگوں کو پہنچانا چاہے ثواب پہنچ سکتا ہے۔

درودوں کا ثواب پہنچ سکتا ہے

اور اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے پیش نظر تقسیم ہو کر ثواب نہیں پہنچتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے یہی فتویٰ دیا ہے

۴- چوتھا فائدہ ...... علامہ ابن حجر مکی نے نے حافظ ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن مجید کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ پہنچایا جائے اس لئے کہ یہ منقول نہیں۔ لہٰذا آپ کے حق میں وہی کچھ کہا جائے جو کچھ مروی ہے مثلاً صلوٰۃ والسلام اور وسیلہ لہٰذا اسی کا ثواب ہی پہنچایا جا سکتا ہے علامہ شامی لکھتے ہیں متعدد علمائے کرام نے امام ابن تیمیہ کے اس قول کا بلیغ رد فرمایا ہے چنانچہ ان کے دور کے مشہور و معروف عالم دین امام سبکی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اذن خاص کی ضرورت نہیں، چنانچہ عبد اللہ بن عمر نے حضور کے وصال کے بعد اور بغیر وصیت کے آپ کی طرف سے عمرے کیے علامہ ابن الموفق نے جو کہ حضرت جنید بغدادی کے طبقے میں داخل ہیں۔ حضور علیہ السلام کی طرف سے ستر حج کئے علامہ ابن سراج نے آپ کی طرف سے دس ہزار سے زائد قرآن پاک ختم کئے اور اسی قدر قربانی کی۔ علامہ ابن عقیل نے فرمایا کہ حضور پاک ﷺ کی طرف سے اس طرح کرنا عمل مستحب ہے بعض نے یہ اعتراض کیا کہ حضور پاک ﷺ کے لئے اس طرح کرنا۔ تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ امت کے تمام اعمال آپ کے نامہ عمل میں درج ہیں تو اس کا

جواب یہ ہے کہ اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ وہ خود حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اس کے باوجود ہمیں صلوٰۃ بھیجنے کی تاکید فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے حضور ﷺ کے مراتب و درجات میں مزید اضافہ ہوتا ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے جوایک گونہ ترقی کا سبب ہے اور قرآن مجید کی بعض آیات کے اشارات اسی کی تائید کرتے ہیں۔ (فتاویٰ شامی جلد اول ص ۶۶۶ تا ص ۶۶۷)

کس دن قبرستان میں جائے

مستحب ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن زیارت کرے۔ جمعہ، جمعرات ہفتہ اور پیر کا دن مناسب ہے زیادہ بہتر یوم جمعہ کی صبح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایام مذکورہ میں میت کے ادراک میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے وہ زائرین سے متعارف اور مانوس ہوتی ہے۔

قبر میں تبرکات رکھنا

شجرہ شریف اور اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنے کی گنجائش ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی طرف طاق بنا کر اس میں رکھیں مصنف درمختار وغیرہ نے کفن پر عہد نامہ لکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس سے بخشش کی امید ہے میت کے سینے اور پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھی جائے۔ ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرے سینے اور پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھی جائے اس کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔ اور بعد میں کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا گزری۔ اس نے کہا جب میں قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے، جب انھوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی دیکھی تو فرمایا۔ تو عذاب سے بچ گیا ہے (درمختار، تاتارخانیہ، غنیہ) علامہ شامی لکھتے ہیں کہ میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھیں اور اس کے سینے پر کلمہ طیبہ۔ لیکن یہ کام غسل وغیرہ دینے کے بعد، کفن پہنانے سے پہلے کیا جائے۔ اور صرف انگلی سے لکھا جائے، سیاہی وغیرہ استعمال نہ کی جائے بخاری کی حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت بریدہ نے مرتے وقت یہ وصیت فرمائی کہ میری قبر میں تر شاخیں رکھی جائیں۔ حضرت امیر معاویہ کے متعلق مشہور کہ انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے اعضاء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات شریف رکھے جائیں۔ علامہ شامی نے کفن نویسی پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ اگر شوق مطالعہ ہو تو وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک عمل سے ائمہ فقہ نے اس بات کا جواز پیش کیا ہے کہ قبر پر تر شاخیں، ہرے بھرے پھول رکھنے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ امام شافعی کے بعض ماننے والوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ یہاں مزید لکھنے کی گنجائش نہیں۔ قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کی اجازت ہے اور اس کے لئے کسی حافظ کو مقرر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ اجرت پر پڑھنے والا نہ ہو اکثر اہل علم کا یہی فیصلہ ہے چنانچہ فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت میں اسی طرح مذکور ہے۔

ضروری نوٹ

مگر اس دور میں جبکہ عمل خیر خصوصاً مردوں کے ایصال ثواب اور انہیں کچھ فائدہ پہنچانے کی طرف بہت ہی کم توجہ کی جاتی ہے تقویٰ اور احتیاط نادر بلکہ نایاب ہو گیا ہے۔ لوجہ اللہ عمل خیر کرنے والے تلاش بسیار کے باوجود ہاتھ نہیں آتے اس لئے بامر مجبوری الضرورت تبیح المخطورات کے پیش نظر بر بنائے مقولہ جاری بر السنہ (العمل اولیٰ من الترک) موجودہ دور کے درد رکھنے والے ارباب اہل سنت نے موجودہ روجہ متعارفہ ختمات لا یصال ثواب الاموات'' کے جواز کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس کے جواز میں چند دلائل کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا فتویٰ اور فیصلہ پیش فرمایا ہے۔ کہ یہاں اجرت بمقابلہ طاعت نہیں تا کہ موجب فساد ہو بلکہ

اجرت بمقابلہ پابندی وقت ہے کہ جس میں کوئی قباحت اور ممانعت نہیں۔مزید تفصیل موجودہ کتب اہل سنت میں ملاحظہ فرمائیں۔اس کے باوجود اگر بچ سکیں تو بہتر ہے۔

س: قبر میں عہد نامہ میت کے سینے پر رکھنا یا دیگر کلمات طیبات مثلاً کلمہ شریف اسکی پیشانی یا سینے پر لکھنا ٹھیک نہیں۔اس لئے کہ میت جب گلنے سڑنے لگتی ہے تو پیپ اور خون بہتا ہے تو پاکیزہ کلام کی توہین ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن صلاح نے یہ فتویٰ دیا جبکہ اس طرح نہ کیا جائے اور یہ قرین قیاس ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

ج: ہر کام کا دارو مدار نیت پر ہے اوگر نیت اچھی ہو اور مقصود حصول تبرک ہو تو کچھ حرج نہیں۔علامہ شامی لکھتے ہیں کہ فاروق اعظم کے اصطبل میں گھوڑوں کی رانوں پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں روکے گئے ہیں (جیس فی سبیل اللہ) چنانچہ فقیہ ابن عجیل اس کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔اور مزید احتیاط کے پیش نظر عہد نامہ وغیرہ قبر کے طاق میں رکھا جائے اور کلمہ شریف بغیر سیاہی استعمال کئے صرف انگلی سے لکھا جائے تا کہ بے ادبی کا احتمال بھی سرے سے ختم ہو جائے اور مقصد خیر بھی پورا ہو جائے اور اعتراض بھی رفع ہو جائے۔علامہ شامی لکھتے ہیں ان الفقیہ ابن عجیل کان یامر بہ ثم افتیٰ بجواز کتابتہ قیاساً علیٰ کتابۃ للہ فی ابل الزکوٰۃ واقرہ بعضھم (اھ) یعنی فقیہ ابن عجیل عہد نامہ وغیرہ کفن میت میں رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے،

پھر فقیہ موصوف نے میت کے کفن پر کے لکھنے کا فتویٰ دیا۔اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر یہ لکھا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ جانور تھے کہ وہاں بے ادبی کا زیادہ احتمال تھا۔اس کے باوجود ایسا کرنے کو روا رکھا گیا لہٰذا یہاں بھی اس کی گنجائش اور جواز ہے۔

اقول......علامہ شامی نے فقیہ موصوف کے قول پر (وفیہ نظر) سے اعتراض کر کے آگے علامہ ابن صلاح کا اس کے خلاف فتویٰ ذکر فرمایا کہ کلمات طیبات کی توہین کی وجہ سے وہ اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔اور موصوف کے قیاس کا بھی جواب دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔والقیاس المذکور ممنوع لان القصد ثم التمیز وھنا التبرک یعنی کتابت اسم الٰہی پر کتابت عہد نامہ وغیرہ کا قیاس کرنا درست نہیں اس لئے کہ وہاں مقصد صرف امتیاز ہے جبکہ یہاں مقصد حصول تبرک ہے اور دونوں فرق واضح ہے پس اسماء معظمہ اپنے حال پر باقی ہیں لہٰذا انہیں نجاست کے لئے پیش کرنا جائز نہیں۔

اس کی تائید میں فتح القدیر قبیل باب المیاہ کا یہ حوالہ پیش فرمایا۔آیات قرآن اور اسماء الٰہی کا دراھم،محرابوں اور اسی طرح فرشوں اور دیواروں پر لکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ قابل احترام ہیں اور اس طرح کرنے سے ان کے پامال ہونے کا اندیشہ اور خطرہ ہے اور اس میں ان کی توہین ہے پس صورت مانحن فیہ میں بدرجہ اولیٰ ممانعت ہونی چاہیئے ہاں کسی مجتہد یا نقل حدیث سے ثابت ہو تو کچھ گنجائش ہے۔

(فتامل) خود آگے علامہ شامی نے کفن نویسی کے جواز کی یہ صورت ذکر فرمائی۔نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علیٰ جبھۃ المیت بغیر مداد بالا صبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلی الصدر. لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وذالک بعد الغسل قبل التکفین (اھ) فتاویٰ شامی جلد اول (۶۶۹)

یعنی کفن نویسی کی محتاط صورت یہ ہے کہ سیاہی استعمال نہ کی جائے بلکہ صرف انگلی شہادت کے ساتھ میت کی پیشانی پر بسم اللہ شریف۔ اور اس کے سینے پر کلمہ طیبہ لکھا جائے۔اور یہ کام غسل دینے کے بعد اور کفن پہنانے سے پہلے کیا جائے۔(پس اس میں مقصد اور احتیاط

دونوں حاصل ہو جائیں گے اور اعتراض بھی رفع ہو جائے گا۔)

نوٹ...... ہمارے اکابرین کا یہی معمول چلا آرہا ہے کہ اس موقع پر بغیر سیاھی استعمال کئے کسی سریع الزوال چیز مثلاً چاک وغیرہ سے کفن میت پر بسم اللہ شریف اور کلمہ شریف لکھتے رہے ہیں پس اس طرح کرنے میں یہی حکمت ان کے پیش نظر تھی چنانچہ آج بھی ان کی اقتداء میں یہی معمول ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت اور ممانعت نہیں۔

میت کو تلقین کرنے کا طریقہ

دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کے مختلف طریقے ائمہ کرام سے کتب فقہ میں بیان فرماتے ہیں۔

پہلا طریقہ...... ان میں سے ایک یہ ہے کہ میت کے سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور اس کی پائنتی کی طرف سورۂ بقرہ کا آخر دو آدمی کھڑے ہو کر میت کی طرف منہ کر کے پڑھیں تلقین کا یہ ایک عام طریقہ ہے چنانچہ ہمارے علاقے میں یہ مروج ہے۔

دوسرا طریقہ...... حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مر جائے تو اسے دفن کرنے کے بعد ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے یا فلاں بن فلاں وہ اسے سنے گا لیکن جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے یا فلاں بن فلانہ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا پھر یہ شخص کہے یا فلاں بن فلانہ تو وہ کہے گا تم کیا کہنا چاہتے ہو ہم سے کہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اس کے اس کلام کی تمہیں خبر نہ ہوگی لیکن وہ ضرور جواب دے گا پھر وہ شخص میت کو مخاطب کر کے کہے اذکر ماخرجت من الدنیا شهادة ان لا الٰه الا اللّٰه وان محمدا عبده ورسوله ﷺ وانک رضیت باللّٰه وبا لاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا ورسولا وبالقرآن اماما (اھ) یعنی اے قبر میں جانے والے اسے یاد کر جس پر تو دنیا سے رخصت ہوا یعنی اس گواہی کو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضور ﷺ اس کے محبوب بندے اور رسول ہیں ان پر اور ان کی آل اور ان کے ساتھیوں پر درود و سلام ہو اور اس بات کو یاد کر کے تو اللہ تعالیٰ کے رب اور اسلام کے دین اور محمد کریم کے نبی ہونے اور قرآن مجید کے امام ہونے پر راضی تھا۔

جب زندوں کی طرف سے میت کو یہ تلقین کی جائے گی تو آنے والے فرشتے منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر آپس میں کہیں گے کہ آؤ چلیں ہم اس کے پاس ٹھہر کر کیا کریں گے کیونکہ لوگوں نے اس کو حجت سکھا دی حضور ﷺ سے کسی نے عرض کی کہ اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو پھر کیا کرے تو اس پر ارشاد فرمایا کہ اس کی سب سے پہلی ماں سیدہ حوا کی طرف نسبت کرے۔ (امام طبرانی، در معجم کبیر والضیاء فی المختارۃ فی الاحکام)

تلقین کا تیسرا طریقہ...... بعض جلیل القدر تابعین سے مروی ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر چکیں تو واپس ہونے سے پہلے مستحب ہے کہ میت کی قبر کے قریب یہ کہا جائے "یا فلاں بن فلاں" قل لا الٰه الا اللّٰه تین مرتبہ پھر کہا جائے قل ای ربی اللّٰه ودینی الاسلام وبنی محمد ﷺ امام اہل سنت نے اس پر اتنا اور اضافہ فرمایا:

واعلم ان هٰذین الذین اتیاک اویا تیانک انما هما عبدان لا یضر ان ولا ینفعان الا باذن اللّٰه فلا تخف ولا تحزن واشهد ان ربک اللّٰه ودینک الاسلام ونبیک محمد ﷺ وثبتنا اللّٰه وایاک بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا وفی الأخرة انه هو الغفور الرحیم۔

ترجمہ: اے فلاں بن فلاں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں اور جان لیجئے کہ یہ دو جو تیرے پاس آئے ہیں یا آئیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اس کے حکم کے بغیر

کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے لہٰذا ڈرنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں اور تو یہ گواہی دے کہ تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور تیرا دین اسلام ہے اور تیرے نبی محمد ﷺ ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے قول ثابت پر ثابت رکھے دنیا وآخرت کی زندگی میں بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

نوٹ...... اہل سنت کے مذہب کے مطابق دفن کرنے کے بعد میت کو تلقین کرنی جائز ہے۔ (جوہرہ) چنانچہ علامہ شامی نے بحث تلقین میں شیخ زاہد صفار سے یہ نقل فرمایا کہ میت کو تلقین کرنے کا انکار فرقہ معتزلہ نے کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک مردے کو تلقین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ موت کے بعد اس میں کوئی حیات نہیں۔

لیکن اہل سنت کے نزدیک میت کو تلقین کی جائے اسلئے کہ حدیث میں آتا ہے (کہ لوگو) اپنے مردوں کو ''لا الہ الا اللہ'' کی تلقین کیا کرو یہاں مردوں سے حقیقی مردے مراد ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں موت کے بعد سوال وجواب کیلئے زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مختلف آثار میں آیا ہے چنانچہ مصنف فتح القدیر نے حدیث مذکور کو صحیح حقیقی موت پر حمل کیا ہے اگرچہ بعض نے حدیث سے ''قریب المرگ'' افراد مراد لئے ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث میں دونوں احتمال موجود ہیں اور دونوں مفہوم مراد لئے کے ان کے مطابق نتائج مرتب کئے جا سکتے ہیں۔

یعنی حدیث کے الفاظ ہیں ''لقنوا موتاکم لا الہ الا اللّٰہ ''یعنی (لوگو) تم اپنے مردوں کو کلمہ شریف کی تلقین کیا کرو مراد یہ کہ انہیں کلمہ طیبہ سکھاؤ اب حدیث مذکور میں لفظ ''موتی ''میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے قریب الموت مراد ہے یعنی جو ابھی مرا نہیں لیکن مرنے والا ہے اس کو (موتاکم) مجازاً باعتبار مایؤل الیہ فرمایا ہے جیسے حدیث پاک میں فرمایا (من قتل قتیلا ای مقتولا فلہٗ سلبہ) یعنی جو کوئی زمانہ قریب میں مرجانے والے کو مار ڈالے تو مقتول کا سامان اسی کا ہے گویا مجازاً (حی) زندے پر باعتبار تیقن موت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ دوم یہ کہ ''موتی'' سے وہ شخص مراد ہے جو واقعتاً مر گیا ہو پس اس کو ''موتی'' باعتبار حقیقت فرمایا گیا۔

پس بعض اہل علم نے لفظ مذکور سے ''قریب الموت'' مراد لیا ہے اور کہا کہ جو مرنے والا ہو اسے کلمہ شریف کی تلقین کی جائے اور بعض نے اس سے حقیقی مردہ مراد لیا ہے اور کہا کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کی جائے پس اہل سنت بعد از دفن میت تلقین کرنے کے قائل ہیں۔

مسئلہ: اہل علم کے نزدیک مسلمان اگرچہ گناہ گار حالت نزع میں بھی اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اس کو ''توبہ یاس'' کہتے ہیں البتہ اس حالت میں کافر ایمان لانا چاہے تو وہ مقبول نہیں اور اہل علم کے درمیان یہ ایک مشہور مسئلہ ہے۔

کن لوگوں سے قبر میں سوال کیا جائے گا

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ نکیرین قبر میں آکر کن لوگوں سے سوال کریں گے بعض کی رائے یہ ہے کہ سوال قبر مومن اور منافق سے ہوگا کھلے کافر سے نہیں ہوگا جبکہ بعض کا خیال یہ ہے کہ سب سے سوال ہوگا اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا سوال قبر سب سے کیا جائے گا یا صرف اسی امت کے افراد سے سوال ہوگا بعض کا خیال یہ ہے کہ سوال نکیرین اسی امت سے ہوگا جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ ہر مکلف سے سوال ہوگا۔

مستثنیٰ افراد

(۱) انبیائے کرام۔(۲) شہداء۔(۳) جہاد کی تیاری کرنے والا۔(۴) طاعون کے مرض میں جان دینے والا۔(۵) طاعون کے زمانے میں صبر اور شکر کی حالت میں مرنے والا۔(۶) صدیق۔(۷) چھوٹے بچے۔(۸) جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرنے والا۔(۹) ہر رات سورۂ ملک پڑھنے والا بعض نے اس کے ساتھ سورۃ السجدۃ کو بھی شامل کیا ہے۔(۱۰) مرض وفات میں سورہ اخلاص پڑھنے والا۔(۱۱) ہر روز بیس مرتبہ موت کو یاد کرنے والا۔(فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۶۲۹، کیمیائے سعادت)

کفار کی اولاد کا حکم

امام نووی نے اس مسئلہ میں تین مذہب ذکر کئے ہیں ۱-وہ دوزخی ہیں۔۲-ان کے متعلق توقف ہے صحیح حقیقت حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔۳-وہ جنتی ہیں اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے چنانچہ امام محمدؒ نے اسی طرف میلان ظاہر فرمایا ہے۔

تکملہ بحث......بیماری کا بیان

متعدد روایات میں بیماری کا ذکر آتا ہے اور اس کے فضائل ومحاسن مذکور ہیں گویا بظاہر کسی کا بیمار ہونا تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت ظاہری بیماری روحانی بیماریوں کا ایک زبردست علاج ہے اور اس حالت میں توبہ واستغفار کا موقع ملتا ہے اور انسان عاجزی وزاری کرکے اپنی آخری کامیابی کو پالیتا ہے۔

چند روایات کا بیان

۱- حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تکلیف کسی مسلمان کو پہنچتی ہے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے گناہ معاف کردیتا ہے تکلیف اور مرض وغیرہ گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جیسے درخت سے پتے۔ (بخاری ومسلم)

۲- حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی بندے کی آنکھیں نہ ہوں تو وہ صبر کرلے تو اسے اس کے بدلے جنت عطا ہوگی۔(یعنی نابینا کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عظیم انعام ہے)

۳- بعض روایات میں سے آیا ہے کہ آدمی زمانہ صحت میں جو نیک کام کیا کرتا ہے چونکہ حالت مرض میں نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے فرشتوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اس بندے کیلئے حالت تندرستی میں کرنے والے کاموں کا ثواب لکھ دو۔(شرح سنت)

۴- حضور پاک ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ آزمائش اور مصیبت کس پر ہوا کرتی ہے تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام پر، اور پھر ان حضرات پر جو دین میں زیادہ قوت رکھتے ہوں۔(ترمذی، ابن ماجہ، داری، بروایت ابن سعد)

۵- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے تو اسے کسی نہ کسی بلا میں ڈال دیتا ہے تاکہ وہ دنیا ہی میں گناہوں سے صاف ستھرا ہوجائے اور آخرت کی طرف اس طرح جائے کہ اس کے ذمے کسی گناہ کا بوجھ نہ ہو۔

۶- حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ روز قیامت جب اہل مصائب کو ثواب دیا جائے گا تو اہل عافیت ان کے مراتب ودرجات دیکھ کر تمنا کریں گے، کاش! دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں (تاکہ انہیں یہ بلند درجات حاصل

ہوتے)۔ (جامع ترمذی)

۷- حضرت عامر حضور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے مومن اور منافق کی بیماری کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کیلئے کفارہ ہے اور آئندہ کیلئے نصیحت ہے بشرطیکہ وہ صحت یاب ہو جائے لیکن اگر منافق بیمار ہو جائے تو اس کی مثال اس اونٹ جیسی ہے کہ جسے مالک نے کچھ دیر باندھا ہو اور پھر کھول دے اسے معلوم نہیں کہ کیوں باندھا اور کیوں کھولا ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ! بیماری کیا ہے میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا آپ نے ارشاد فرمایا: ہمارے پاس سے اٹھ جا کیونکہ تو ہم میں سے نہیں۔ (بحوالہ ابوداؤد)

مریض کی بیمار پرسی کرنا

☆ کسی کی عیادت کیلئے جانا حضور پاک ﷺ کی سنت ہے اور حدیث میں اس کے بہت سے فضائل مذکور ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (۱) سلام کا جواب دینا۔ (۲) بیمار پرسی کرنا۔ (۳) نماز جنازہ میں شریک ہونا۔ (۴) دعوت قبول کرنا۔ (۵) جس کو چھینک آئے اس کی چھینک کا جواب دینا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)

☆ (۲) بخاری و مسلم کی دوسری روایت براء بن عازب سے مروی ہے اس میں سات کا قول ذکر ہے پانچ تو وہی جو پیچھے ذکر کئے گئے اور دو یہ ہیں: (۱) قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا۔ (۲) مظلوم کی امداد کرنا۔

☆ (۳) جو کسی مسلمان کی عیادت کیلئے جائے تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا وہ واپسی تک جنتی پھل جمع کرنے میں مصروف رہا۔ (۴) حضرت ابو ہریرہ حدیث قدسی ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت ابن آدم سے ارشاد فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا اور تو نے میری بیمار پرسی نہ کی تو وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! تو کیسے بیمار ہو سکتا کہ تیری بیمار پرسی کی جائے تو وہ فرمائے گا کہ تو سمجھا نہیں میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا پھر ارشاد فرمائے گا اے اولاد آدم میں نے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہ دیا بندہ عرض کرے گا اے اللہ میں تجھے کیسے کھانا دیتا جبکہ تو سب کو روزی دینے والا ہے تو ارشاد ہو گا تو سمجھا نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے اسے نہ دیا اگر تو اسے کھانا دے دیتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا اسی طرح پانی کے بارے میں ارشاد ہو گا اور حسب سابق سوال و جواب ہوں گے۔ (مسلم شریف)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بڑی نیکی خدمت خلق ہے چنانچہ سینکڑوں آثار و واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے لہٰذا ہر مسلمان کو اس پر کمربستہ رہنا چاہئے یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان کہ دنیا میں کام آئے انسان کے انسان:

یہ پہلا سبق ہے کتاب ھدیٰ کا   کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

ایک دیہاتی کی عیادت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے جب اس کے ہاں پہنچے تو اسے دیکھ کر فرمایا کچھ حرج نہیں یہ مرض گناہوں سے پاک کرنے والا ہے چنانچہ کسی کی بیمار پرسی کے وقت آپ کا یہی دستور ہوتا تھا اور یہی کلمات

شتوں کا لوگوں کیلئے بخشش طلب کرنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی بیمار پرسی کیلئے صبح ئے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں اور شام کو جائے تو صبح تک فرشتوں کی اتنی ہی تعداد استغفار کرتی ہے جنت میں اس کیلئے ایک باغ ہوگا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جو اچھی طرح وضو کر کے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کیلئے جائے تو ساٹھ ل کی مسافت کی مقدار وہ تپش دوزخ سے دور کر دیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

سمان سے ندا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ کسی بیمار کی عیادت کیلئے جانے والے کو آسمان سے ندا نے والا ندا کرتا ہے کہ تو اچھا آدمی ہے تیرا چلنا بھی اچھا ہے اور جنت کی ایک منزل کو تو نے اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

یض کی دعا

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اعظم حضور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ جب کوئی مریض کے پاس جائے تو اس سے کہہ دے کہ مریض ، کے حق میں دعا مانگے کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گناہوں کی آلودگی سے بوجہ مرض پاک ماف ہو گیا ہے۔

ر پرسی کا طریقہ

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ سب سے اچھی بیمار پرسی یہ ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ تک نہ ٹھہرے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی بیمار کے پاس جائے تو اسے خوش رنے والی بات کرے۔ یعنی اس کی عمر کے بارے خوش بات کرے تا کہ وہ خوش ہو جائے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

نچ کام

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی پانچ کام ایک ہی دن کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اہل جنت میں شامل فرمادے گا۔

(۱) مریض کی عیادت۔ (۲) نماز جنازہ میں شرکت۔ (۳) روزہ کی صحیح ادائیگی۔ (۴) نماز جمعہ کیلئے جانا۔ (۵) غلام آزاد کرنا۔ (ابن حبان)

لٰہ تعالیٰ کی ضمانت (اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن ہوگا)

جو کوئی پانچ کاموں میں سے کوئی ایک کام کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ضمان میں ہوگا۔ (۱) مریض کی عیادت۔ (۲) نماز جنازہ ما شرکت۔ (۳) جہاد میں شمولیت۔ (۴) امام کے پاس اس کی تعظیم و توقیر کیلئے جانا۔ (۵) گھر میں اس غرض کیلئے بیٹھنا کہ ل اس سے سلامت رہیں اور وہ لوگوں سے سلامت رہے۔ (مسند احمد، ابن حبان، ابن خزیمہ، طبرانی، ابو یعلیٰ، ابو داؤد، وایت ابو امامہ)

اچھے اوصاف رکھنے والا (جنتی اوصاف)

حضور اقدس ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا آج تم میں سے کس کا روزہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرا ہے۔ آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے فرمایا میں نے کھلایا ہے آج کون نماز جنازہ میں شریک ہوا فرمایا میں شریک ہوا۔ فرمایا آج نے مریض کی عیادت کی اس پر ارشاد فرمایا یہ اوصاف جس میں پائے جائیں گے وہ بلاشبہ جنتی ہے۔ (ابن خزیمہ)

عیادت کے دعائیہ الفاظ

حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرنے جائے تو سات بار یہ دعا مانگے اگر اس کی م مقدر نہ ہو تو ضرور اسے شفا ہوگی۔

دعائیہ کلمات .... **اسال اللہ العظیم رب العرش الکریم ان یشفیک**

ترجمہ: یعنی میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں جو بزرگ عرش کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے۔ (لہٰذا مریض کے پاس دعائیہ کلمات کہے)

فوائد اور نتائج

(۱) تکلیف، مصیبت اور مرض گناہوں کیلئے کفارہ اور موجب خیر و برکت ہے۔ (۲) نابینا بشرطیکہ صابر و شاکر ہو بلاشبہ مستحق ج ہے۔ (۳) معذور کو زمانۂ صحت کے اعمال کا بدستور اجر و ثواب عطا ہوتا ہے۔ (۴) آزمائش و مصائب اور ابتلا انبیائے کرام اور ان جانشینوں کی سنت ہے۔ (۵) اہل مصائب اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ حضرات ہیں۔ (۶) بلاؤ مصیبت مرد مومن کیلئے کفار منافق کے لئے موجب خسارہ ہے۔ (۷) مسلمان اس دنیا میں آزاد نہیں بلکہ سینکڑوں حقوق کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ (۸) اللہ تعالیٰ نزدیک سب سے بڑی نیکی اور بھلائی لوگوں سے بھلائی اور حسن سلوک کرنا ہے۔ (۹) مریض کو دیکھنے جائے تو اس سے حوصلہ افزا اور اس کے دعائے صحت مانگے۔ (۱۰) عیادت کرنے والے کیلئے ہزاروں فرشتے لگا تار دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ ج کے قریب اور دوزخ سے ہزاروں کوس دور ہو جاتا ہے اور آسمان سے تعریف و توصیف کے ساتھ ندا ہوتی ہے اور اس کی صفائی پیش کی ہے۔ (۱۱) ایسا خوش قسمت اللہ تعالیٰ کے امن و امان اور اس کی ضمانت میں ہوتا ہے اور یہ دین و دنیا میں اس کی کامیابی کی علا ہے۔ (۱۲) حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) منشائے رسول اور مزاج اسلام کے مطابق اعمال صالحہ اور افعال حسنہ بجالا والے بے شمار خوبیوں اور محاسن رکھنے والے تھے کہ جن کو اس دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی یہی وجہ ہے کہ اس امت میں سب سے مقام انہیں کو حاصل ہوا اور ''شیخ الصحابہ'' کا عمدہ ''لقب'' پایا۔ اور خدا کے پیارے محبوب کا وہ قرب نصیب ہوا کہ جس تک کسی کی رسا ہو سکی علامہ اقبال مرحومؒ نے کیا ہی خوب فرمایا:

آں امن الناس بر مولائے ما ۔۔۔ آں کلیم اول سینائے ما
ہستی کشت امت را چو ابر ۔۔۔ ثانی اسلام غار و بدر و قبر

میری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ انہیں احسن الجزاء عطا فرمائے (آمین) (۱۳) مرد مومن کی ہر وقت توجہ اللہ تعالیٰ

ب ہونی چاہیئے لہذا وہ اپنے تمام معاملات دینی اور دنیاوی میں اسی پر کامل بھروسہ اور اعتماد رکھے اور ہر امر میں اسی سے حل کی درخواست کرے کیونکہ وہی مشکلات اور عقدہ لا ینحل کو آسان کرنے والا ہے اگر عطا فرمائے تو کوئی روک نہیں سکتا اور رد کرے تو کوئی دے نہیں سکتا قال اللہ تعالیٰ: ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف له الا هو وان یردک بخیر فلا راد لفضله یصیب به من یشاء من عباده.

موت کے احکام

حضرات گرامی...... ہر جاندار نے ایک مقرر وقت پر موت کا ذائقہ چکھنا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے اس سے کوئی جاندار مستثنیٰ نہیں ہر اچھے برے نے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے کوچ کرنا ہے اور موت سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں جب موت آئے تو مضبوط سے مضبوط قلعہ بھی اس سے بچا نہیں سکتا لہذا ہر مسلمان کو شب و روز موت کا دھیان رکھنا چاہیئے چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! لذتوں کو توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو حضور یاد کیا کرو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا" دنیا میں اس طرح رہو جیسے راہ گیر مسافر" یعنی راستے طے کرنے والا مسافر کسی کھیل تماشے میں مشغول نہیں ہوتا کہ کہیں منزل مقصود تک پہنچنے میں ناکامی نہ ہو جائے بالکل اسی طرح اس میٹھی دنیا میں انسان اپنی جان نہ پھنسائے اور نہ یہاں ایسے تعلقات پیدا کرے جو مقصود اصلی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں دین اور دنیا کے کاموں میں اگر ہجوم ہو جائے تو پہلے دین کا کام کرے پھر یہاں ضرورت کے مطابق دنیاوی امور کیلئے ہمیشہ دنیا کو دین پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرے دین کو دنیا پر قربان نہ کرے اگر دین اور دنیا دونوں میں سے صرف ایک کام ہو سکتا ہے تو دینی کام کرے اور دنیاوی کو چھوڑ دے رزق حلال کی تلاش میں رہے حرام لقمے سے بچنے کی کوشش کرے اور دنیاوی کاموں سے پریشان ہو کر موت نہ مانگے اور نہ خودکشی کرنے کا ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے ان کاموں سے سختی سے منع فرمایا اگر موت کی دعا کرنی ہی چاہیے تو یوں دعا مانگے: "یا اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت بہتر ہو تو مجھ پر موت طاری کر دے" حضور اقدس ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے کہ جس پر حالت نزع طاری تھی تو اس سے پوچھا کہ کس حال میں اپنے آپ کو پاتا ہے تو اس نے عرض کی اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے بھی ڈرتا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا جس بندے کے دل میں یہ کیفیت ہو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرماتا ہے اور پریشانی بیماری سے اسے محفوظ رکھتا ہے جان کندن کے وقت انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ جسم کے ہر حصے سے روح نکلتی ہے اس وقت کے آسان ہونے کیلئے دعا مانگا کریں اس وقت سب سے زیادہ خطرہ شیطان لعین کے حملہ آور ہونے کا یعنی امین کے حملہ آوار ہونا کا ہوتا ہے وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ جانے والا دنیا سے بے ایمان ہو کر مرے اور اعمال کا مدار اسی خاتمے پر ہوتا ہے اگر خاتمہ اچھا ہو گیا تو سارے اعمال کام آ گئے اور اگر تباہ و برباد ہو گیا تو ساری نیکیاں ضائع ہو گئیں جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے: انما الاعمال بالخواتیم۔ یعنی اعمال کا مدار خاتمے پر ہے شیطان مردود کے حملے سے اگر اللہ تعالیٰ ہی بچائے تو انسان بچ سکتا ہے ورنہ مشکل ہے حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا آخری کلام "لا الٰہ الا اللہ" ہوا وہ جنتی ہے۔

اسلامی مسائل

جب کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے اور علامات سے کچھ اندازہ ہو جائے تو وہ جانے والے کا منہ قبلہ طرف کر دیں۔ (اور اس کی پوری تفصیل گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں درمختار وغیرہ)

(۲) اس حالت میں اس کے پاس بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھیں مگر اسے پڑھنے کی تلقین نہ کریں اگر اس نے خوش قسمتی سے کلمہ پڑھ لیا تو پھر اس کے پاس بلند آواز سے کلمہ پڑھنا موقوف کردیں۔ (عالمگیری)

(۳) کوئی نیک اور دین دار آدمی اور مرنے والے کیساتھ محبت کرنے والا شخص اسے کلمہ شہادت کی تلقین کرے یعنی اس کے پاس بعض روایات سے سورۂ یٰسین کے تلاوت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے نیز اس موقع پر اس کے قریب خوشبو کا اہتمام کیا جائے۔ (عالمگیری)

(۴) مرنے والے کے پاس پاک صاف باطہارت لوگ موجود ہوں حیض نفاس والی عورتیں اور جنبی آدمی اس کے پاس نہیں ہونا چاہئے نیز اس کے پاس کوئی تصویر یا کتا نہ ہو کیونکہ جہاں یہ ہوں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور اس موقع پر خصوصیت سے دعائے خیر کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سب پر اس مشکل کو آسان فرمائے اور بعض روایات میں سورۂ یٰسین کے علاوہ سورۂ رعد پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔ (بہار شریعت)

(۵) جب روح جسم فانی سے پرواز کر جائے تو گھر والوں میں سے جو زیادہ قریبی ہو وہ میت کے جسم کو ٹھیک ٹھاک کردے منہ بند کردے آنکھیں بند کردے ہاتھ پاؤں سیدھے کردے اس موقع پر یہ دعا پڑھے: بسم اللہ وعلیٰ ملة رسول اللہ اللّٰھم یسر امرہ وسھل علیه ما بعدہ واسعدہ بلقائک واجعل ما خرج الیه خیرا مما خرج عنه. (درالمختار) اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی ملت پر اے اللہ: اس کے کام کو اس پر آسان کردے اور بعد والے حالات کو اس پر آسان کردے اور اپنی ملاقات سے اسے خوش بخت کردے اور جس (آخرت) کی طرف جارہا ہے اسے اس (دنیا) سے بہتر کردے جس سے یہ نکلا ہے۔

(۶) میت کے جسم کو کسی کپڑے سے ڈھانپ دے اور کسی اونچی جگہ چارپائی وغیرہ پر اسے رکھے۔ (عالمگیری)

(۷) اگر اس موقع پر مرنے والے کی زبان سے کوئی کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر کافر ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ قرین قیاس یہ ہے کہ بے ہوشی سے ایسا نکل گیا۔ (درمختار) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شدت تکلیف کی وجہ سے اس کی پوری بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔

(۸) اگر جانے والا مقروض ہے تو سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے اس لئے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب تک قرض نہ ادا کیا جائے تو روح مقید اور پابند ہوتی ہے۔

(۹) میت کے پاس تلاوت قرآن مجید جائز ہے بشرطیکہ اس کا جسم ڈھانپا ہوا ہو اور دوسرے اذکار میں مطلقا کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ شامی)

(۱۰) میت کے غسل کفن اور دفن کرنے میں جلدی کی جائے کیونکہ حدیث شریف میں اس کی تاکید آئی ہے۔ (جوھرہ) اور اس کے دوست احباب اور دیگر رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو اس کے مرنے کی اطلاع دی جائے تاکہ وہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو کر اس کے لئے دعا مانگیں۔ (عالمگیری) (اور مومن کی دعا ایک فائدہ بخش نسخہ ہے)

(۱۱) بازاروں اور بڑی بڑی سڑکوں پر اس کے مرنے کی خبر پھیلانا اور بلند آواز سے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن نہایت سادہ الفاظ سے نشر واشاعت کی جائے۔ (کیونکہ اس موقع پر جو کچھ کہا جائے فرشتے اس کو تحریر کر لیتے ہیں)۔ (فتاویٰ شامی)

(۱۲) اگر مرنے والے کے پیٹ میں کسی کا مال چلا گیا تو اس کے ترکہ سے تاوان ادا کردیں ورنہ پیٹ چیر کر مال نکالا جائے (کیونکہ

دوسرے کی چیز لینے کی اجازت نہیں)

(۱۴) اگر کوئی حاملہ عورت مرگئی اور اسے دفن کر دیا گیا پھر کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کا بچہ پیدا ہوا ہے تو صرف اس خواب کی وجہ سے قبر کھولنی جائز نہیں ہے (عالمگیری) (اس کی وجہ یہ ہے کہ سوائے انبیائے کرام کسی کا خواب شرعاً حجت نہیں تاکہ اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہو)

میت کو غسل دینے کا بیان

(۱) میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اگر بعض لوگ اس کام کو کر دیں تو سب لوگ بری الذمہ ہو گئے لیکن اگر ایک بھی انجام نہ دے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ (عالمگیری)

(۲) میت کو جس تختہ پر غسل دینا چاہیں اسے طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دیں مطلب یہ ہے کہ طاق مرتبہ تخت وغیرہ کے آس پاس کسی برتن میں سلگائی ہوئی خوشبو پھیرائیں میت کے وضو میں ہاتھ دھونا کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہاں البتہ کپڑا یا روئی وغیرہ تر کر کے استعمال کئے جا سکتے ہیں بیری کے پتوں سے جوش دیا ہوا پانی استعمال کرنا کسی قدر بہتر ہے اور آخر میں جسم میت کو کسی پاک کپڑے سے پونچھ ڈالیں تاکہ اس کا بدن خشک ہو جائے اور کفن بھیگ جانے سے بچ جائے۔

(۳) سارے بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانا فرض ہے اور تین مرتبہ بہانا سنت ہے میت کو تختے پر یا تو اس طرح لٹائیں جیسے قبر میں رکھتے ہیں یعنی شمالاً جنوباً یا قبلے کی طرف پاؤں کریں یا جس طرح بھی ہو سکے کریں جبکہ جگہ میں گنجائش نہ ہو۔ (عالمگیری)

(۴) میت کو غسل دینے والا کوئی پاک وصاف آدمی ہو جنبی مرد یا کوئی حیض نفاس والی عورت نہ ہو بہتر یہ ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار ہو ورنہ کوئی امانت دار پرہیز گار آدمی ہو۔ (عالمگیری) غسل دینے والا اگر کسی میت سے کوئی اچھی بات دیکھے تو اسے لوگوں میں بیان کر دے اور اگر کوئی بری بات دیکھے مثلاً چہرے کا رنگ سیاہ ہو گیا یا اعضاء میں تبدیلی آ گئی تو اسے کسی سے بیان نہ کرے کیونکہ ایسی باتیں بیان کرنی جائز نہیں حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''لوگو اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور برائیوں سے صرف نظر کیا کرو۔'' (جوہرہ نیرہ) ہاں اگر کوئی بد مذہب مرگیا اور اس کی کوئی بری بات نظر آئی تو اسے برملا بیان کرے تاکہ اس سے لوگوں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔ (عالمگیری) اور اس کی بد مذہبی سے نفرت ہو جائے۔

(۵) غسل دینے والا اپنے قریب خوشبو سلگانے کا اہتمام کرے نیز اعضائے میت کی طرف بلا وجہ اور بلا ضرورت سے نہ دیکھے ہاں اگر ضرورت ہو تو دیکھ سکتا ہے۔ (جوہرہ نیرہ) (شرح قدوری)

(۶) اگر ایک ہی غسل دینے والا ہو تو غسل دینے والے کو اجرت لینا جائز نہیں۔ ہاں اگر بہت سے غاسل ہوں تو پھر اجرت لے سکتا ہے لیکن پھر بھی بہتر یہ ہے کہ نہ لے۔ (عالمگیری، درالمختار وغیرہ)

(۷) جنبی آدمی یا حیض نفاس والی عورت کا اگر اسی حالت میں انتقال ہو جائے تو ایک ہی مرتبہ غسل کافی ہے۔ (درمختار) (اس لئے کہ شرعاً یہی مشروع اور مروی ہے)

(۸) چھوٹے لڑکے کو عورت اور چھوٹی لڑکی کو مرد بھی غسل دے سکتا ہے۔ (عالمگیری)

(۹) اگر عورت کو طلاق رجعی ہو گئی تو عدت کے اندر عورت مطلقہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے لیکن اگر طلاق بائنہ ہو گئی تو پھر غسل نہیں دے

سکتی۔(اس لئے کہ نکاح ختم ہو گیا ہے)

(۱۰) اگر عورت مر جائے تو شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا اور نہ اس کے ننگے جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے البتہ اسے دیکھ سکتا ہے اور اس کی چار پائی بھی اٹھا سکتا ہے (درمختار) لہٰذا لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ شوہر نہ عورت کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے نہ قبر میں اتار سکتا ہے نہ اس کا منہ دیکھ سکتا ہے یہ محض غلط ہے البتہ غسل دینے اور اس کے ننگے جسم کو ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے۔ (بہار شریعت)

کیا مرد، عورت کو غسل دے سکتا ہے؟ (مردہ عورت کو تیمم کرایا جائے)

اگر کسی جگہ عورت مر جائے اور وہاں غسل دینے والی کوئی عورت موجود نہ ہو تو مرد اسے غسل دینے کے بجائے تیمم کرائے اور اگر محرم ہو تو ہاتھ سے تیمم کرائے ورنہ ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے پس اس میں جوان اور بڑھیا دونوں برابر ہیں اور یہی حکم ہے اگر کسی جگہ مرد کا انتقال ہو گیا کہ وہاں کوئی مرد نہیں اور نہ اس کی بیوی ہے صرف عورتیں ہیں تو ان میں سے کوئی عورت اسے غسل دینے کی بجائے اسے تیمم کرائے۔ (تا کہ بے احتیاطی بھی نہ ہو اور طہارت بھی حاصل ہو جائے)

اگر سفر میں صرف کافر مرد اور کافرہ عورت ہو تو کیا کرے

اگر سفر میں کسی مرد کا انتقال ہو گیا اور وہاں صرف عورتیں ہیں ایک اور کافر مرد ہے اور کوئی مسلمان مرد نہیں تو عورتیں اس کافر کو غسل کا طریقہ بتادیں اور وہ غسل دے اور اگر چھوٹی لڑکی ہو تو اسے طریقہ بتادیں تا کہ وہ غسل دے اسی طرح اگر کوئی عورت مر گئی اور وہاں مسلمان عورتیں نہ ہوں تو مرد مسلمان کافرہ عورت کو غسل کا طریقہ بتادیں تا کہ وہ عورت اس کو غسل دے۔ (اور اسلامی حکم بہ احتیاط پورا ہو جائے)

پانی نہ ہو تو کیا کرے

اگر کسی ایسی جگہ موت واقع ہو جائے کہ وہاں پانی دستیاب نہ ہو تو میت کو تیمم کرائیں اور نماز جنازہ پڑھیں پھر اگر دفن سے پہلے پانی مل جائے تو غسل دے کر دوبارہ نماز جنازہ پڑھیں۔ (عالمگیری)

ہیجڑے کا حکم

اگر خنثٰی مشکل مر گیا تو اسے مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی غسل نہیں دے سکتا بلکہ اسے تیمم کرایا جائے اور یہ خنثٰی بھی کسی مرد عورت کو غسل نہیں دے سکتا۔

مسلمان کو کافر غسل دے

اگر کوئی مسلمان مر جائے اور اس کا والد کافر ہو تو اسے مسلمان غسل دیں کافر باپ کے حوالے نہ کیا جائے اور مسلمان مرد کو کتابیہ عورت غسل دے سکتی ہے البتہ اس سے غسل دلوانا اچھا نہیں البتہ مشرکہ عورت غسل نہیں دے سکتی۔

چون فتاد از روزن دل آفتاب ختم شد

واللہ اعلم بالصواب

غسل میت میں ثواب

میت کو غسل دینے اور اس کی نماز پڑھنے کے لئے نیت اور فعل شرط نہیں۔ لہذا اگر پانی میں گر جائے یا بارش برسے تو غسل ہو گیا لیکن ثواب کی نیت کر کے غسل دینا چاہئے تا کہ غسل دینے والے کو ثواب حاصل ہو جائے۔ اگر میت کے جسم کا بغیر سر کے، کوئی تھوڑا سا حصہ ملا تو اس کے لئے غسل، کفن، اور نماز جنازہ نہیں۔ بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں۔ (عالمگیری)

غسل دینے کے بعد کیا برتاؤ کرے

میت کو غسل دینے کے بعد اس کے سر یا داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے۔ ناخن اور بال نہ تراشے جائیں۔ بلکہ یہ سب کام مکروہ تحریمی ہیں پس وہ جس حالت میں ہو دفن کر دیں اگر بال اور ناخن تراش لئے تو کفن میں رکھ دیں۔ (درمختار، شامی، عالمگیری)

میت کے دونوں ہاتھ کروٹوں میں رکھیں اور سینے پر نہ رکھیں اس لئے کہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ (درمختار) بعض جگہ ہاتھ زیر ناف رکھتے ہیں نماز کے قیام کی طرح ایسا کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

ضروری فائدہ

بعض علاقوں میں دستور ہے کہ میت کو غسل دینے کے لئے نئے لوٹے اور گھڑے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ عام استعمال کے برتنوں سے بھی غسل دیا جا سکتا ہے اور بعض جگہ یہ جہالت ہے کہ غسل کے بعد استعمال شدہ لوٹے وغیرہ توڑ ڈالتے ہیں۔ یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے اور مال ضائع کرنا ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ یہ ناپاک ہو گئے تو یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ اولاً ان پر چھینٹیں نہیں پڑیں۔ اور اگر پڑ بھی گئیں تو وہ مستعمل ہونگی ناپاک نہیں۔ بعض جگہ یہ رواج ہے کہ وہ گھڑے، لوٹے مساجد میں جا کر رکھ دیتے ہیں۔ اگر نمازیوں کو آرام پہنچانے کی نیت ہو یا یہ ارادہ ہو کہ اس سے مردے کو ثواب ملے گا تو یہ اچھی بات ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ یہ گھر میں رکھنا نحوست ہے تو یہ نری حماقت ہے۔ بعض حضرات اگر گھڑے میں کچھ پانی بچ جائے تو اسے گرا دیتے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک نہیں بلکہ حرام ہے۔ (اس لئے کہ بلاوجہ ضائع کرنا ہے)

کفن کے تفصیلی احکام

☆ تمہید...... غسل کی طرح کفن میت بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اس کے تین درجے ہیں۔ (۱)...... کفن سنت۔ (۲)...... ضرورت۔ (۳)...... کفایت۔ مرد کے لئے سنت تین کپڑے ہیں۔ لفافہ، ازار، قمیص۔ عورت کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔ تین مذکورہ اور دو یہ ہیں۔ اوڑھنی، سینہ بند۔

☆ کفن کفایت...... مرد کے لئے دو کپڑے ہیں لفافہ، ازار۔ عورت کے لئے تین کپڑے ہیں لفافہ، ازار، اوڑھنی۔ یا لفافہ، قمیص اور اوڑھنی۔

☆ کفن ضرورت...... دونوں کے لئے جو میسر آئے کم سے کم اتنا ہو کہ پورا جسم ڈھک جائے۔ (درمختار، فتاوی ہندیہ وغیرہ)

☆ لفافہ کی نوعیت...... بڑی چادر کی مقدار یہ ہے کہ قد سے اتنی زیادہ ہو کہ دونوں طرف سے باندھ سکیں۔ (ازار یعنی تہبند کی مقدار میت کی چوٹی سے اس کے قدموں تک دراز ہو۔ مراد یہ ہے کہ لفافہ کے باندھنے کی مقدار سے کچھ کم ہو۔ (کفنی، قمیص کی مقدار میت کی گردن سے دونوں زانوں کے نیچے تک ہو۔ اور اس کی دونوں طرفیں آگے پیچھے سے برابر ہوں۔ عوام میں جو یہ رواج ہے

کہ پیچھے کی طرف کم رکھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔ نیز اس میں چاک اور آستینیں نہ ہوں۔ مرد اور عورت کی کفنی میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی کفنی کندھے سے پھاڑیں جبکہ عورت کے لئے سینہ کی طرف سے چاک کریں۔ اوڑھنی تین ہاتھ ہو یعنی ڈیڑھ گز ہو۔ سینہ بند پستان سے ناف تک ہو بلکہ بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری۔ شامی)

کفن کے بارے میں چند فقہی احکام

☆ کفن کفایت میں کمی...... بلاضرورت اس کو کم کرنا ناجائز اور مکروہ ہے۔ (درمختار)

فائدہ

بعض نادار لوگ کفن ضرورت کی قدرت رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود کفن مسنون پورا کرنے کے لئے دوسروں سے سوال کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں اس لئے کہ بلاضرورت اسلام میں مانگنے کی اجازت نہیں۔ اور یہاں کفن ضرورت ہونے کی وجہ سے کوئی مجبوری نہیں لہذا سوال نہ کیا جائے بلکہ موجودہ پر قناعت کی جائے ہاں اگر بغیر مانگے دوسرے مسلمان کفن مسنون پورا کر دیں تو کچھ حرج نہیں بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ مکمل ثواب پائینگے۔ (فتاوی رضویہ)

☆ اجزائے کفن میں اختلاف...... اگر وارثوں میں اختلاف ہو جائے۔ کوئی دو کپڑے کہتا ہے اور کوئی تین تو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے کہ یہی سنت ہے۔

☆ قول فیصل...... اگر مال زیادہ ہو اور ورثہ کم ہوں تو کفن سنت دیں۔ لیکن اگر مال کم اور ورثہ زیادہ ہوں تو کفن کفایت اختیار کریں۔ (جوہرہ نیرہ)

☆ کفن کی نوعیت...... کفن عمدہ اور اچھا ہونا چاہئے۔ چنانچہ آئمہ کرام فرماتے ہیں مرد اور عورت، جمعہ، عیدین اور تقریبات میں جیسا لباس پہنتے ہوں کفن بھی اسی نوعیت کا ہونا چاہئے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا (لوگو) مردوں کو اچھا کفن پہنایا کرو اس لئے کہ جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو اچھے کفن سے باہم تفاخر کرتے اور خوش ہوتے ہیں۔

☆ سفید کفن کی فوقیت...... حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا (لوگو) اپنے مردوں کو سفید کفن پہنایا کرو۔ (غنیۃ۔ شامی)

☆ مرد و عورت کے کفن کا رنگ...... مرد کے لئے سرخ، زرد رنگ یا ریشمی کفن ناجائز ہے البتہ عورت کے لئے جائز ہے۔ اس میں اسلامی اصول یہ ہے کہ جو زندگی میں جائز ہے وہ مرنے کے بعد بھی جائز ہے اور جو اس زندگی میں منع ہے وہ وہاں بھی منع ہے۔ (فتاوی ہندیہ)

☆ خنثیٰ مشکل کا حکم...... یہ عورت کے حکم میں ہے لہذا اس کا کفن عورت کی طرح پانچ کپڑے ہوں البتہ رنگین اور ریشمی کفن جائز نہیں۔ (عالمگیری)

☆ کفن کی وصیت...... اگر کفن میں دو کپڑے ہونے کی وصیت کرے یا گراں قیمت کفن ڈالنے کی وصیت کرے تو وصیت باطل ہے لہذا اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو سنت کے مطابق اوسط درجے کا کفن ڈالا جائے گا۔ (فتاوی شامی)

☆ بالغ، نابالغ کا شرعی فرق...... اگر لڑکا اور لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائیں یعنی لڑکا بارہ سال اور لڑکی نو سال کی ہو جائے تو یہ دونوں بالغ کا

حکم رکھتے ہیں لہذا بالغوں کے مطابق کفن ڈالا جائے گا۔ اگر اس سے چھوٹے ہوں تو لڑکے کے لئے ایک کپڑا جبکہ لڑکی کے لئے دو کپڑے ہونگے۔ اگر لڑکے کے لئے بھی دو کپڑے ہوں تو بہتر ہے اور زیادہ اچھا یہ ہے کہ اگر ایک دن کا بچہ بھی ہو تو پورا اور مکمل کفن ڈالا جائے۔ (فتاویٰ شامی وغیرہ)

☆ استعمال شدہ کپڑا...... استعمال شدہ اور پرانا کپڑا بھی برائے کفن ہو سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں اسے دھو ڈالا جائے تاکہ صاف ستھرا ہو جائے۔ (جوہرہ)

فائدہ...... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات میں آیا ہے کہ آپ نے آخری وقت وصیت فرمائی تھی کہ میرے کپڑے استعمال شدہ دھو کر ان میں مجھے کفن دیا جائے اس لئے کہ نیا کپڑا زندوں کے لئے مناسب اور بہتر ہے۔ (سیرت صدیق) خلیفۂ رسول ﷺ کا کتنا قیمتی اور اعلیٰ کردار تھا جس میں سب کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

☆ میت کی نوعیت کے مطابق کفن...... اگر میت نے مال چھوڑا تو کفن اس کے مال سے دیا جائے۔ اگر مقروض ہو تو کفن کفایہ دیا جائے بشرطیکہ قرض خواہ زائد کفن سے روکے ورنہ کفن سنت ڈالا جائے۔ (شامی) اور قرض خواہ اس وقت روک سکتا ہے جبکہ میت کا کل مال دین کی نذر ہو۔

☆ حقوق ترکہ میں ترتیب...... حقوق ترکہ میں آئمہ کرام کے نزدیک حسب ذیل ترتیب ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) میت کی تجہیز و تکفین۔ (۲) دین۔ (۳) نفاذ وصیت۔ (۴) میراث۔ تجہیز و تکفین سب سے مقدم ہے نمبر دوم قرض نمبر سوم نفاذ وصیت پھر اس کے بعد ورثاء باہم ترکہ تقسیم کریں۔ (جوہرہ نیرہ)

☆ کفن کی ذمہ داری...... اگر مال نہ ہو تو کفیل نفقہ ذمہ دار ہے۔ اگر یہ نہ ہو یا نادار ہو تو بیت المال سے کفن لیا جائے۔ اور یہ بھی نہ ہو (جیسے عرصہ دراز تک انگریز کی حکومت کی وجہ سے اسلامی نظام نہ تھا) تو اس صورت میں موجودہ مسلمانوں پر ادائیگی کفن فرض ہے۔ اگر دانستہ طور پر انتظام نہ کریں تو سب گناہگار ہونگے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بقدر ضرورت ایک کپڑا عام لوگوں سے مانگ کر کفن ڈال دیں۔ اگر عورت مر جائے تو اس کا کفن اس کا شوہر کے ذمہ ہے۔ (درمختار۔ جوہرہ نیرہ) لیکن اگر شوہر مر جائے تو عورت اگرچہ مالدار ہو اس کے ذمے کفن نہیں۔ (درمختار)

فائدہ اول: وجوب کفن سے شرعی کفن مراد ہے اور باقی امور مثلاً خوشبو کا اہتمام اور اسی طرح غاسل اور میت اٹھانے والوں کی اجرت اور دفن کے مصارف وغیرہ ان سب میں شرعی مقدار مراد ہے۔ رہا باقی زائد معاملات مثلاً خیرات وغیرہ اگر میت کے مال سے کئے جائیں اور ورثاء سب بالغ ہوں اور خوشی سے اجازت بھی دیں تو ٹھیک ہے ورنہ اخراجات کرنے والا ذمہ دار ہے۔ (فتاوی شامی)

فائدہ دوم: اگر سوال کی رقم کچھ بچ گئی تو کسی دوسرے محتاج کے کفن میں خرچ کر دیں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر اسے صدقہ کر دیں۔ (درمختار)

☆ اگر کسی جگہ کوئی مر گیا کہ وہاں ایک ہی شخص ہے اور اس کے پاس ایک ہی کپڑا ہے تو اس پر ضروری نہیں (یعنی شرعاً واجب نہیں) کہ اپنے کپڑے کا میت کو کفن ڈال دے۔ (درمختار)

☆ عورت کے بال اور اوڑھنی...... جب عورت کو کفنی پہنائی جائے تو اس کے بالوں کے دو حصے کر کے کفنی کے اوپر اس کے سینے پر

ڈال دیں۔ ان کو گوندھنے کی ضرورت نہیں۔ اوڑھنی آدھی پشت کے نیچے سے بچھا کر سر پر لا کر اس کے منہ پر نقاب کی طرح ڈال دیں تا کہ اس کے سینے پر رہے۔ کہ اس کا طول، نصف پشت سے سینے تک رہے اور عرض ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک رہے۔ (فتاوی ہندیہ)

نوٹ...... عام لوگوں میں دستور ہے کہ اوڑھنی زندگی کی طرح اڑھاتے ہیں یہ محض بیجا اور خلاف سنت ہے لہذا ایسا نہ کیا جائے۔

☆ کفن چوری ہو جائے...... اگر میت کا کفن چور اتار کر لے گئے اور ابھی لاش تازہ ہے تو دوبارہ کفن ڈالا جائے۔ رہا یہ کہ اب کفن کا کون اہتمام کر گئے تو اس میں وہی سابق تفصیل ہے جو پیچھے گزر چکی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر لاش پھول پھٹ گئی تو کفن سنت کے بجائے صرف ایک ہی کپڑے میں لپیٹ دیں۔ ترتیب اور زائد کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ (درمختار۔ عالمگیری)

☆ میت کو جانور کھا گیا تو کفن کو کیا کرے...... اگر مردہ کو کوئی جانور کھا گیا اور کفن بے مصرف پڑا ہے تو اسے کیا کرے۔ اگر میت کے مال سے دیا گیا تو ترکہ میں شامل ہوگا۔ اور اگر کسی اور نے دیا ہے تو اسے دے دیا جائے پس اس کی مرضی جو چاہے کرے۔ (ہندیہ)

ضروری نوٹ

نماز جنازہ پڑھانے کے لئے ایک کپڑا بطور جائے نماز استعمال کیا جاتا ہے۔ اور نیز بعض علاقوں میں ایک زائد چادر میت پر ڈالنے کے لئے کفن کے علاوہ ہوتی ہے۔ یونہی میت کو غسل دینے کے لئے اگر خصوصی طور پر لوٹے، گھڑے اور بالٹی وغیرہ اشیاء منگوائی جائیں اسی طرح تیجہ، دسواں، چالیسواں اور ختم قرآن وغیرہ کئے جائیں تو ان سب کی عام طور پر دو صورتیں ہونگی:

۱) یہ کہ مذکورہ سب کام ترکہ میت سے کئے جائیں۔

۲) دوم یہ کہ کوئی بالغ وارث یا اور کوئی شخص اپنے مال سے کرے۔

پہلی صورت میں یہ سب کچھ بالغ ورثاء کی اجازت اور مرضی سے کیا گیا تو جائز ہے۔ لیکن اگر ان کی اجازت نہ ہو یا کل یا بعض ورثاء نابالغ ہوں تو پھر اخراجات مذکورہ ترکہ میت سے نہیں کئے جا سکتے۔ اگر کوئی کرے گا تو کرنے والا اخراجات کا ذمہ دار ہے لہذا وہ اپنا بوجھ وارثوں کے کندھوں پر نہیں ڈال سکتا اور نہ وہ اس کے بوجھ کے ذمے دار ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: "لَا تَـــزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ لہذا اس بات کا پوری طرح خیال رکھا جائے اکثر لوگ اس سے غافل اور بے خبر ہوتے ہیں اور احتیاط نہیں کرتے۔ (ایک اور نادر صورت) اگر میت نے وصیت کی ہو تو ادائیگی دین کے بعد ترکہ میت کے ثلث یعنی تیسرے حصے 1/3 میں وصیت نافذ ہوگی۔ اگر نفاذ وصیت کے بعد کچھ رہ جائے تو اس میں سے بھی کام مذکور کرنے کی گنجائش ہے۔ (وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)

میت کو اٹھا کر لے جانے کے احکام (میت کی چار پائی کو کندھا دینا عبادت ہے)

میت کی چار پائی کو کندھا دینا عبادت ہے۔ لہذا اس میں کوئی شخص کوتاہی اور لا پرواہی نہ کرے۔ چنانچہ خود حضور اقدس ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا (جیسا کہ کتب روایات میں آیا ہے)۔ (جوہرہ نیرہ)

نوٹ...... جنازہ کیسے اٹھایا جائے۔ کتنے مرد اٹھائیں اور انہیں تبدیل کرنے کی کیا صورت ہے اس میں سنت اور تکمیل سنت کیا ہے اور

اٹھانے والے کس طرح چلیں یہ سب کچھ گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ کس طرح چلیں...... میت کو اٹھانے والے تیز رفتار سے چلیں مگر میت کو جھٹکا نہ لگے۔ چنانچہ کتب فقہ فتاوی عالمگیری وغیرہ میں یہی مذکور ہے۔ جنازہ کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں اور آپس میں ہنسی مذاق اور بے ہودہ گفتگو سے پرہیز کریں لہذا بہتر یہ ہے کہ دور حاضر میں ذکر جہر کرتے جائیں۔

☆ صحابی رسول کا ارشاد...... حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جنازہ کے ساتھ ہنستے دیکھا تو ارشاد فرمایا: تو اس موقع پر ہنستا ہے اچھا تم سے کبھی کلام نہ کرونگا۔ (صغیری۔ درمختار وغیرہ)

نوٹ...... ذکر جہر کی پوری تفصیل اور زمانہ حال کے مطابق اس کے جواز کے دلائل وشواہد گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ جنازہ کے لئے اٹھنا...... اگر کہیں جنازہ گزرا تو اسے دیکھ کر اٹھنے کا اہتمام نہ کیا جائے اگر مناسب ہو تو اٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ اجرت لینے کا حکم...... اگر میت کو اور اٹھانے والے ہوں تو اٹھانے پر اجرت دینا لینا جائز ہے لیکن اگر کوئی نہ ہو تو پھر گنجائش نہیں اس لئے کہ یہ عبادت ہے کہ جس پر اجرت کی گنجائش نہیں لیکن اگر اجرت لی تو حدیث میں جو ثواب مذکور ہے وہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے بدلہ لے لیا ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم)

نماز جنازہ کے بعض مسائل:

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وسنت سے ہے۔ لہذا اس کی فرضیت کا انکار کرنا کفر ہے۔ اس کے متعلق دو شرطیں ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو نماز پڑھنے والے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بعض ایسی ہیں جو میت سے وابستہ ہیں۔ پہلی قسم کی شرائط تو وہی ہیں جو عام نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً (۱) نمازی کا جسم ہر قسم کی نجاست سے پاک ہو۔ (۲) لباس پاک ہونا (۳) جگہ پاک ہونا (۴) ستر عورت ہو۔ (۵) قبلہ کی طرف منہ ہو۔ (۶) نیت ہو۔

نوٹ...... بعض لوگ جوتا پہنے نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور بعض جوتے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ اگر جوتا پہنے نماز پڑھی تو جوتا اور اس کے نیچے کی زمین کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر دونوں ناپاک یا ایک پاک ہو تو نماز نہ ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جوتے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس صورت میں صرف جوتے کا پاک ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر نماز جنازہ تیار ہو اور وضو اور غسل کرنے میں اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرلے۔

مسئلہ: اگر امام نے بے وضو نماز جنازہ پڑھائی، اگرچہ مقتدی باوضو ہوں تو کسی کی نہ ہوئی۔ لیکن اگر امام باوضو تھا اور مقتدی بے وضو تو امام کی نماز ہوگئی اور مقتدیوں کی نہ ہوئی۔ تاہم اعادہ نہ کیا جائے۔

مسئلہ: نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: نماز جنازہ سواری پر پڑھی تو نہ ہوئی۔ نیز اس میں امام کا بالغ ہونا شرط ہے۔ اگر کسی نابالغ نے پڑھائی تو نہ ہوئی۔

میت کے متعلق شرائط

(۱) مسلمان ہو۔ (۲) میت کا جسم اور کفن پاک ہوں۔ (۳) میت سامنے موجود ہو۔ (۴) میت زمین پر رکھی ہو۔ (۵) میت

نمازی سے آگے قبلہ کی طرف ہو۔ (۶) میت کے جسم کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے۔ چھپا ہوا ہو۔

☆ نماز جنازہ کے ارکان...... نماز جنازہ میں دو رکن ہیں: (۱) چار دفعہ "اللہ اکبر" کہنا۔ (۲) کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ اگر بلاوجہ بیٹھ کر پڑھی تو نہ ہوئی۔ (درمختار، شامی)

نماز جنازہ میں تین کام سنت ہیں

(۱) ثناء۔ (۲) درود شریف۔ (۳) میت کے لئے دعا۔ جب چوتھی تکبیر کہے تو ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیر دے۔

☆ ضروری فائدہ...... آئمہ فقہ نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد اگر کچھ پڑھنا ہے تو ہاتھ باندھ لے۔ اگر کچھ پڑھنا نہیں تو ہاتھ کھلے چھوڑ دے۔ کیونکہ نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا نہیں۔ لہٰذا اس تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرے۔ اکثر عوام وخواص اس سے غافل ہیں لہٰذا اس کا دھیان کیا جائے۔

☆ ضروری نوٹ...... میت کے لئے ایک عام مشہور دعا ہے کہ جس کے پڑھنے کا اکثر رواج ہے۔ اور اس کے علاوہ کتب حدیث میں اور آثار میں متعدد دعائیں منقول ہیں۔ اگر کسی کو یاد ہوں تو ضرور انھیں پڑھے۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

☆ اگر سورۂ فاتحہ دعا کی نیت سے پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔ نماز جنازہ پڑھتے ہوئے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے اور پھر باندھ لے دوبارہ نہ اٹھائے۔

مسئلہ: جب نماز جنازہ میں سلام پھیرے تو اس سلام میں فرشتوں اور حاضرین نماز کی نیت کرے باقی دوسری نمازوں کی طرح۔ البتہ اس میں اتنا اضافہ کرے کہ میت کی نیت بھی کرے۔ (درمختار، شامی وغیرہ)

مسئلہ: تکبیریں اور سلام امام اونچی آواز سے کہے اور باقی دعائیں آہستہ پڑھے۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ نماز جنازہ میں تین صفیں کی جائیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس کی نماز جنازہ تین صفوں نے پڑھی اس کی بخشش ہو جائے گی۔ چنانچہ آئمہ فقہ لکھتے ہیں کہ اگر کل سات آدمی ہوں تو تین پہلی صف میں، دو، دوسری صف میں اور ایک تیسری صف میں کھڑا ہو اور ساتواں امام ہو۔ (غنیۃ)

نماز جنازہ میں پچھلی صف کو باقی تمام صفوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (درمختار)

نماز جنازہ کے بعض مسائل

۱۔ چار تکبیروں میں سے اگر کوئی تکبیر رہ جائے تو نماز نہ ہوگی۔ چنانچہ تمام کتب فقہ میں یہی مذکور ہے۔

۲۔ بعض تکبیریں رہ گئیں کہ ایک شخص آیا تو فوراً امام کے ساتھ شامل نہ ہو بلکہ اس کی تکبیر کا انتظار کرے لیکن اگر پہلے ہی موجود تھا مگر کسی وجہ سے ایک آدھ تکبیر رہ گئی تو فوراً امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ (بحوالہ درمختار)

۳۔ مسبوق یعنی جس شخص کی بعض تکبیریں فوت ہو گئیں تو وہ اپنی باقی تکبیریں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہے۔ اگر دعائیں پڑھ سکے تو پڑھے ورنہ تکبیروں پر ہی اکتفا کرے۔ (درمختار)

۴۔ اگر کوئی شخص چوتھی تکبیر کے بعد آیا تو جب امام سلام پھیرے امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اور پھر سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ

تکبیریں کہے۔ (درمختار)

۵۔ بغیر کسی شدید مجبوری کے مساجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

۶۔ اگر کسی کا جمعہ کے دن انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ سے پہلے ہی تجہیز و تکفین ہو سکے تو کر دیں۔ اس خیال سے نہ روکے رکھیں کہ نماز جمعہ کے بعد لوگ زیادہ ہونگے کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ پڑھنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

شہید کے بعض مسائل

قرآن مجید میں دو جگہ شہید کے فضائل اور بعض صفات کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے: ترجمہ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں مگر تم شعور نہیں رکھتے۔''

ایک اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اس پر خوش ہیں۔ اور بعد والے لوگ جو ان سے ابھی نہیں ملے ان کی بشارت طلب کرتے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ غمگین ہونگے۔''

شہید کے متعلق چند مسائل

لفظ شہید بروزن فَعِیْل ہے جس کے معنی ہیں حاضر ہونے والا، یا وہ جو حاضر کیا گیا۔ اس کو حاضر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور حاضر کیا گیا اس لئے کہ فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

شہید کی دو قسمیں ہیں: (۱) شہید حقیقی۔ (۲) شہید حکمی۔

شہیدِ حقیقی کی تعریف...... اگر کوئی مسلمان عاقل، بالغ، پاک صاف بطور ظلم کسی تیز دھار آلے سے قتل کیا جائے اور اس کے قتل سے مال واجب نہ ہو، اور نہ اس سے دنیا سے کوئی فائدہ اٹھایا ہو تو اسے شہید حقیقی کہتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ ویسے ہی خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جائے۔ البتہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ فقہائے کرام اسی کو شہید کا مقام دیتے ہیں۔

شہید حکمی کی تعریف...... یہ وہ خوش نصیب ہے جو شہید کا درجہ اور ثواب پائے گا۔ چنانچہ بعض روایات میں بہت سے لوگوں کو گروہ شہداء میں شریک کیا گیا۔ مگر ان کی فہرست طویل ہے لیکن ان میں سے بعض افراد یہ ہیں:

۱- مرضِ طاعون میں مرنے والا۔
۲- ڈوب کر مرنے والا۔
۳- مرضِ استسقا یا پیٹ کی بیماری میں مرنے والا۔
۴- جل کر مرنے والا۔
۵- کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا۔
۶- بچہ کی پیدائش کے وقت مرنے والی عورت۔
۷- کنواری مر جانے والی۔
۸- سفر میں مرنے والا۔
۹- سل کی بیماری(ٹی بی) میں مرنے والا۔
۱۰- سواری سے گر کر مرنے والا۔
۱۱- مرگی سے مرنے والا۔
۱۲- بخار میں مرنے والا۔

۱۳- مال یا جان یا گھر کی حفاظت میں مرنے والا۔ ۱۴- عشقِ الٰہی میں جان دینے والا۔

۱۵- جس کو کسی درندے نے کھالیا۔ ۱۶- جس کو بادشاہ نے ظلماً قتل کیا۔

۱۷- سانپ، بچھو یا کسی موذی جانور کے کاٹنے سے مر گیا۔ ۱۸- طلبِ دین میں مرنے والا۔

۱۹- وہ مؤذن جو ثواب کے لئے اذان دیتا ہے۔ ۲۰- سچا تاجر۔

۲۱- وہ جس نے سمندر کے سفر میں بیماری اور تکلیف اٹھائی۔

۲۲- اپنے اہل و عیال کی روزی تلاش کرنے والا اور انھیں دینِ الٰہی پر قائم کرنے والا۔

۲۳- جو آدمی ہر روز پچیس مرتبہ یہ پڑھے: اَللّٰهم بَارِکْ لِي فِي الْمَوْتِ وَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔

۲۴- جو کوئی چاشت کی نماز پڑھے اور ہر مہینے میں روزے رکھے۔ اور نماز وتر کو سفر و حضر میں نہ چھوڑے۔

۲۵- جب امت میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو سنت پر عمل کرنے والا۔ اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

۲۶- جو کوئی چالیس مرتبہ مرض میں آیت کریمہ پڑھے اور پھر اسی میں مر جائے۔ اگر ٹھیک ہو گیا تو اس کی بخشش ہو جائے گی۔

۲۷- اسلامی سرحد پر گھوڑا تیار کر کے باندھنے والا۔

۲۸- جو ہر رات سورۂ یٰس پڑھے۔

۲۹- جو باوضو سویا اور مر گیا۔

۳۰- جو کوئی حضور ﷺ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھے۔

۳۱- جو کوئی سچے دل سے یہ سوال کرے کہ یا اللہ مجھ پر شہادت کی موت آئے۔

۳۲- جو کوئی جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن انتقال کر جائے۔

۳۳- جو کوئی سویرے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السمیع العلیم مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" پڑھے اور پھر "سورہ حشر" کی آخری تین آیات پڑھے۔

۳۴- جو کوئی ہر روز بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔

نوٹ: تمام مذکورہ افراد میں سے بعض کا ذکر کتب حدیث میں آیا ہے۔ اور بعض کو جلیل القدر آئمہ جیسے امام جلال الدین سیوطی اور امام غزالی نے بیان فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اس امتِ مسلمہ پر بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے انہیں گونا گوں خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ و الحمد للّٰہ علی ذلک

چند مسائل

۱۔ اگر نابالغ اور دیوانہ یا حیض یا نفاس والی عورت یہ سب بے گناہ مارے گئے تو انھیں غسل دیا جائے اور نماز جنازہ پڑھی جائے۔ لیکن اگر ابھی حیض کے تین دن پورے نہیں کہ قتل ہوگئی تو اسے غسل نہ دیں۔ اور اگر حد اور قصاص میں مارا گیا تو اسے غسل دینگے۔ (درمختار)

۲۔ اگر کسی کو حربی کافر نے یا باغی یا ڈاکو نے کسی ہتھیار سے مار ڈالا، یا کسی اور وجہ سے ان کے ہاتھوں سے مارا گیا تو یہ شہید ہے۔ (درمختار اور عالمگیری وغیرہ)

۳۔ میدان جنگ میں مردہ پایا گیا لیکن اس پر زخم کا کوئی نشان نہیں تو اسے غسل دیا جائے۔ (درمختار)

۴۔ اگر اپنی جان یا مال یا کسی مسلمان کو بچاتے ہوئے مارا گیا تو شہید ہے۔ (عالمگیری)

۵۔ شہید کے جسم پر جو چیزیں کفن میں شمار نہ ہوں، اتار لی جائیں۔ جیسے پوستین، زرہ، ٹوپی، خود، ہتھیار، روئی دار کپڑا۔ لیکن اگر کفن سنت میں سے کوئی کمی ہو تو اضافہ کیا جائے۔ اور پاجامہ نہ اتارا جائے۔ اگر میت کے کفن میں کمی ہے اور پورا کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تو اس صورت میں پوستین اور روئی دار کپڑا نہ اتارا جائے شہید کے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہنانا مکروہ ہے۔ (عالمگیری، شامی)

۶۔ عام مُردوں کی طرح شہید کو بھی خوشبو لگائیں۔ لیکن اس کا خون نہ دھویا جائے لیکن اگر اس کے کپڑے میں نجاست لگی ہو تو دھو ڈالیں۔ (عالمگیری)

۷۔ کسی مسلمان نے دشمن پر وار کیا لیکن اس پر ضرب پڑنے کے بجائے خود اس کو لگ گئی اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہید ہے۔ لیکن اسے غسل دیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ (جوہرہ نیرہ)

کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کا بیان

۱۔ جس طرح کعبہ شریف کے سامنے نماز پڑھنی جائز ہے ٹھیک اسی طرح اس کے اندر بھی داخل ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں متعدد روایات مذکور ہیں۔ ان میں بخاری و مسلم کی ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ’’حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ، بلال بن رباح رضی اللہ عنہم، یہ سب کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرے جب باہر تشریف لائے تو میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اندر کیا کام کیا تھا، جواب دیا ایک ستون بائیں طرف اور دو دائیں طرف کئے اور تین پیچھے رکھے اور نماز پڑھی اور اس دور میں بیت اللہ شریف کے صرف چھ ستون تھے۔ اس قسم کی روایات کے مطابق آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر نماز جائز ہے۔ خواہ فرض ہو یا نفل، تنہا پڑھے یا باجماعت۔ اگر چہ امام کا رخ کسی اور طرف ہو اور مقتدی کا کسی اور طرف۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مقتدی کا منہ امام کے منہ کے سامنے ہو۔ لیکن اگر مقتدی کی پشت امام کے سامنے ہو تو نماز نہ ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مقتدی امام سے آگیا ہو گیا ہے۔ اگر مقتدی کا منہ امام کی کروٹ کی طرف ہو تو بغیر کسی کراہت کے نماز جائز ہے۔ (درمختار، جوہرہ)

۲۔ کعبہ شریف کی چھت پر بھی نماز پڑھنی جائز ہے اور اس میں بھی یہی صورتیں ہیں۔ لیکن اس کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (تنویر الابصار)

۳۔ مسجد حرام میں کعبہ شریف کے ارد گرد لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آیا ہے۔ مگر اس میں ایک

تھوڑی سی تفصیل ہے اگر اس کے مطابق نماز پڑھی گئی تو نماز ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی اور وہ تفصیل یہ ہے: اگر مقتدی اپنے امام کی بہ نسبت کعبہ شریف سے زیادہ قریب ہو لیکن اس طرف نہ ہو جس طرف امام ہے تو مقتدی کی نماز ٹھیک ہوگی جبکہ کسی دوسری طرف ہو لیکن اس طرف ہو جس طرف امام ہے۔ اور امام کی بہ نسبت کعبہ شریف کے زیادہ قریب ہو تو اس کی نماز نہ ہوگی تمام کتب فقہ میں یہی لکھا ہے۔

۴۔ اگر امام کعبہ شریف کے اندر ہو اور مقتدی باہر ہوں خواہ امام اکیلا اندر ہو یا اس کے ساتھ مقتدی بھی ہوں تو اس صورت میں بھی اقتداء درست ہے۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ کعبہ شریف کا دروازہ کھلا ہو اور امام کی آواز آتی ہو تو بھی صحیح ہے۔ لیکن جس صورت میں امام اکیلا اندر ہو تو کراہیت ہوگی کیونکہ امام بلندی پر اور یہ مکروہ ہے۔ (درمختار، شامی)

۵۔ اگر امام باہر ہو اور مقتدی اندر ہوں تو بھی نماز صحیح ہے۔ بشرطیکہ مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف نہ ہو۔ (فتاوی شامی)

مسجد کے چند احکام

تمہید...... کعبہ شریف کے بعد سب سے مقدس مقام مسجد ہے۔ کہ جس کو خدا کا گھر ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو وہی لوگ آباد کرتے اور رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔" اس عبارت کے مفہوم میں مسجد کی تعمیر اور اس کی دیکھ بھال حفاظت وخدمت دونوں شامل ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ کسی شخص کو مسجد کی خدمت اور تحفظ کرتے دیکھو تو اس کے لئے مؤمن ہونے کی گواہی دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ) اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جس نے مسجد تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ اسی طرح کا گھر اس کے لئے جنت میں تعمیر کردے گا۔ (بخاری ومسلم) اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے مقدس اور محبوب مقامات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ہیں اور سب سے بدترین جگہ بازار ہیں۔

۱۔ مسجد کی دیکھ بھال اور اس کی صفائی اور ہر گندگی سے اسے پاک صاف رکھنا اور اس کی زیب وزینت کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ بدبودار چیزیں کھا کر حُقّہ، سگریٹ پی کر مسجد میں نہیں جانا چاہئے۔ چنانچہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو لہسن، پیاز اور بدبودار سبزیاں کھائے وہ ہماری مساجد کے قریب نہ جائے کیونکہ بدبودار چیزوں سے جس طرح انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح فرشتے بھی تکلیف زدہ ہوتے ہیں۔ آئمہ کرام فرماتے ہیں خرید وفروخت، بے ہودہ اشعار گم شدہ چیز کی تلاش، بلاوجہ مسجد سے گزرنا، شور وغل مچانا، پاگلوں اور بچوں کو وہاں لے جانا، ان سب کاموں سے مسجد کو بچایا جائے۔ مسجد میں دنیا کا کوئی کام نہ کیا جائے۔ بلکہ دنیاوی باتیں بھی نہ کی جائیں۔

۲۔ اگر مسجد میں بچوں کو بغیر اجرت پڑھائے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تنخواہ اور اجرت لے تو درست نہیں۔ مسجد کے در و دیوار کو گندہ اور ناپاک کرنا جائز نہیں۔ بلکہ جہاں نجاست وغیرہ پڑی ہو تو اس سے مسجد کو صاف کرنا چاہئے۔ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔ اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ جگہ صاف کی جائے۔ نیز مسجد میں کنواں نہ کھودا جائے اور نہ بڑے درخت لگائے جائیں ہاں اگر نمی کی بنا پر ایسا کیا جائے تو گنجائش ہے۔

۳۔ مسجد میں کوئی دنیاوی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں البتہ اعتکاف بیٹھنے والا اپنی ضرورت کے مطابق ایسا کرسکتا ہے۔ یونہی مسجد میں کھانا پینا، سونا اور دنیاوی باتیں کرنا سوائے معتکف کے جائز نہیں۔ اگر کوئی مسافر بھی سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت کرکے سوئے۔

مسجد میں ذکر واذکار، درود شریف، تلاوتِ قرآن مجید، نوافل پڑھنا یہ سب کام جائز ہیں۔ یونہی دینی درس وتدریس "لوجہ اللہ" ہو تو اس کے جواز میں بھی شک نہیں اور جو کام مسجد میں مکروہ ہے وہ اس کی چھت پر بھی کرنا مکروہ ہے۔

۴۔ مساجد کی فضیلت میں یہ ترتیب ہے:

(۱)...... مسجد حرام۔ (۲)...... مسجد نبوی۔ (۳)...... مسجد بیت المقدس۔

(۴)...... مسجد قبا۔ (۵)...... پرانی مسجد۔ (۶)...... سب سے بڑی مسجد۔

امام قاضی خان فرماتے ہیں کہ سب سے پرانی مسجد افضل ہے۔ اگر پرانا ہونے میں دونوں برابر ہیں تو پھر وہ افضل ہے جو قریب تر ہو۔ اور محلہ کی مسجد دوسری مسجد سے افضل ہے۔ اگر کسی مسجد میں بڑا عالم اور فقیہ ہو تو وہاں جانا بہتر ہے۔

۵۔ اگر کسی مسجد میں امام گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اس کی اقتداء کرنے کے بجائے دوسری مسجد میں چلا جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں شرفِ قبولیت پائے تو پھر مناسب یہ ہے کہ اچھے لوگ اور دیندار حضرات امام ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ تمہاری طرف سے وفد کی صورت رکھتے ہیں۔

۶۔ اگر مسجد محلہ میں جماعت ہو جائے تو دوسری مسجد میں ادراکِ جماعت کے لئے جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر مسجد محلہ میں لوگ نہ جائیں تو صرف مؤذن اذان دے کر اکیلے نماز پڑھے اور کسی دوسری مسجد میں تدارک جماعت کے لئے نہ جائے۔ تاکہ اس مسجد کا حق ضائع نہ ہو۔ یونہی تکبیر اولیٰ یا ایک آدھ رکعت پانے کے لئے کہیں نہ جائے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر کسی دوسری مسجد میں درس وتدریس اور سماعِ احادیث کا اہتمام ہو یا وہ اس کے استاد کی مسجد ہو تو وہاں جانا بالاتفاق بہتر ہے۔

۷۔ اگر مسجد میں اذان ہو جائے تو بغیر نماز پڑھے باہر نہ جائے لیکن اگر دوسری مسجد میں امام یا مؤذن ہے تو پھر جانے کی اجازت ہے یا نماز پڑھ چکا ہے تو پھر جانے کی اجازت ہے لیکن اگر اقامت شروع ہو جائے تو پھر ظہر اور عشاء میں نوافل کی نیت سے شامل ہو جائے۔

۸۔ **عیدگاہ اور جنازہ گاہ کا حکم**...... فقیہ ابو اللیث کے نزدیک دونوں کا حکم مسجد جیسا ہے جبکہ امام سرخسی کے نزدیک ان کا حکم مسجد جیسا نہیں۔ امام قاضی خان نے دونوں کے اقوال میں کچھ اس طرح موافقت پیش کی ہے کہ نماز پڑھنے میں ان کا حکم مسجد جیسا ہے لیکن باقی معاملات مثلاً گزرنے، جنبی، اور حیض والی عورت کے داخل ہونے میں مسجد والا حکم نہیں۔

۹۔ گھر میں جو نماز کے لئے جگہ بنائی جائے اس کے لئے مسجد کا حکم نہیں یعنی اس کے لئے مسجد جیسے احکام نہیں۔

۱۰۔ تہائی رات تک مسجد کا چراغ جلانے کی اجازت ہے۔ لیکن اس سے زیادہ کی عادت ہو تو پھر گنجائش ہے اور جتنی دیر مسجد میں لائٹ جلانے کی عادت ہو تو اتنی دیر تک پڑھنے پڑھانے والے افراد اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔

۱۱۔ اگر کسی مسجد میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں تو وہاں بار بار اذان واقامت سے جماعت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر امام اور مؤذن مقرر ہوں تو بار اذان واقامت سے تکرار جماعت مکروہ ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اگر دوسری جماعت میں تین افراد سے زیادہ ہوں تو تکرار مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک تکرار جماعت مکروہ نہیں بشرطیکہ پہلی شکل پر نہ ہو۔ اگر محراب سے ہٹ کر جماعت ہو تو ہیئت بدل جاتی ہے لہذا کراہت نہ ہوگی۔ اس زمانہ میں اسی کے مطابق عمل ہے۔

۱۲۔ غصب شدہ زمین میں مسجد تعمیر ہوئی تو نماز درست ہے اگر چہ بہتر نہیں۔ (اجناس ناطفی)

۱۳۔ اگر مسجد تنگ ہو جائے تو اس کی توسیع کی جائے اگر اس کے قرب و جوار میں کسی کی زمین ہو تو زبردستی اس سے لے کر مسجد میں شامل کی جائے۔ (محیط)

۱۴۔ جس شخص نے مسجد کے لئے زمین وقف کی اور مسجد کی تعمیر کی وہ اس کے سارے انتظامات کی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حق رکھتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد کا بھی یہی حکم ہے۔

۱۵۔ اگر بانی مسجد اور اہلِ محلّہ کا امام اور مؤذن کرنے میں اختلاف ہو جائے تو جو بہتر ہو وہی امام اور مؤذن ہو۔ اگر فضیلت میں دونوں برابر ہوں تو پھر بانی مسجد کا زیادہ اعتبار ہے۔

۱۶۔ مسجد میں جس چیز کی زیادہ ضرورت ہو اس کا اہتمام کرنے والا بہ نسبت دوسرے کے بہتر ہے۔

۱۷۔ اس دور میں اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد کا دروازہ بند کرنا بہتر ہے تا کہ اس کے سامان کا تحفظ ہو سکے۔

۱۸۔ مسجد میں نقش و نگار اور آرائش و زیبائش دورِ حاضر کے لحاظ سے جائز ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے کام وقف مال سے نہ کئے جائیں بلکہ کوئی ایک آدمی اپنے ذاتی مال سے کروائے۔ چنانچہ کفایہ شرحِ ھدایہ میں یہی مذکور ہے۔

چند متفرق مسائل

۱۔ امام مالک کے نزدیک کعبہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہیں، اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بغیر سترہ کے جائز نہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اگر چہ جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

۲۔ کعبہ شریف صرف عمارت کا نام نہیں، بلکہ فرشِ زمین سے عرشِ عظیم تک سب کعبہ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور حجاج بن یوسف کے زمانے میں مصلحت کے لئے عمارت کعبہ گرائی گئی تو اس وقت بھی صحابہ اور تابعین اس جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ انھوں نے آگے سترہ رکھا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ شریف جگہ اور ہوا کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی ابو قبیس پہاڑ پر نماز پڑھے تو بالاتفاق جائز ہے۔ حالانکہ اس کے سامنے کوئی عمارت نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سات ایسے مقامات ہیں جہاں نماز پڑھنی جائز نہیں:

(۱) بیت اللہ کی چھت۔ (۲) قبرستان۔ (۳) کوڑے کرکٹ کے ڈھیر۔ (۴) ذبح خانہ۔ (۵) حمام۔ (۶) اونٹ بٹھانے کے مقامات۔ (۷) راستہ۔ (ابن ماجہ) حدیث میں عدمِ جواز سے کراہت مراد ہے۔

۳۔ سجدہ کی پانچ قسمیں ہیں...... (۱) سجدہ نماز، اور یہ فرض ہے۔ (۲) سجدہ سہو۔ (۳) سجدہ تلاوت، اور یہ دونوں واجب ہیں۔ (۴) سجدہ نذر، یہ بھی واجب ہے۔ (۵) سجدہ شکر۔ امام طحاوی نے امام ابو حنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو کچھ نہیں سمجھتا۔ ابو بکر رازی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ یہ واجب اور سنت نہیں بلکہ مباح ہے۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ وہ سجدہ شکر کو مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی نعمت کا حصول ہو، یا تکلیف کا دفاع ہو تو پھر سجدہ شکر ادا کرنا بہتر ہے۔ امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے اور سجدہ

کرے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف تسبیح تہلیل وغیرہ کرے اور پھر سر اٹھائے تکبیر کہتے ہوئے۔ لیکن بلا وجہ سجدہ نہ کرے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ بعض نادان لوگ نماز سے فارغ ہوکر سجدہ کیا کرتے ہیں یہ سجدہ مکروہ ہے۔ کیونکہ لوگ اسے سنت یا واجب سمجھتے ہیں۔ اور جس مباح کام میں یہ احتمال پیدا ہوجائے تو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ اہلِ علم نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

ضروری نوٹ...... بعض عبادات کے متعلق مبالغہ آمیز ثواب کا ذکر ہوتا ہے۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس طرح کے مبالغہ آمیز ثواب کی روایات موضوع ہیں۔ لہٰذا ان پر عمل نہ کیا جائے۔

۴۔ اگر کسی شخص کے پاس دو کپڑے ہوں ایک ریشمی پاک ہو اور دوسرا سوتی کپڑا ناپاک ہو اگر سوتی کپڑے کو پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہوسکے تو ریشمی کپڑے میں مجبوری میں نماز پڑھ سکتا ہے۔

۵۔ اگر امام نے جہری نمازوں میں آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھی، پھر یاد آیا تو بلند آواز سے سورت پڑھے اور فاتحہ کا اعادہ نہ کرے۔

۶۔ اگر کسی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے میں شک ہوگیا کہ میں نے فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں تو بعض نے کہا ہے کہ صرف سورۃ پڑھے لیکن بعض نے کہا ہے کہ پہلے سورۂ فاتحہ پڑھے پھر سورۃ پڑھے۔ اور یہی قرینِ قیاس ہے۔ اور اگر سورۃ پڑھنے کے بعد فاتحہ پڑھنے میں شک ہوگیا تو پھر فاتحہ نہ پڑھے۔ بلکہ دیگر ارکان ادا کرے۔

۷۔ امام نے آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ نکالا۔ اور مقتدیوں نے رکوع اور سجدہ کرڈالا، تو ان کی نماز فاسد نہ ہوگی ہاں اگر دوسرا سجدہ کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

۸۔ تین، تین بار اعضاء دھونے سے اگر جماعت کھڑی ہوجائے تو اس میں شامل ہونا بہتر ہے۔ البتہ تین تین بار اعضاء دھونا تکبیر اولیٰ کے تدارک سے بہتر ہے۔

۹۔ امام دعا قنوت پڑھنی بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا لوگوں نے اس کا ساتھ دیا تو لوگوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ لوگوں نے فرض رکوع میں نفلی رکوع کرنے والے کا ساتھ دیا جو کہ اصول کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس طرح اقتداء المفترض بالمتنفل لازم آئے گی جو بناء القوی علی الضعیف ہونے کی وجہ سے ٹھیک نہیں۔

۱۰۔ اگر ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ امام رکوع کررہا تھا۔ اب آخری صف میں کھڑا ہوجائے تو رکعت پاسکتا ہے لیکن اگر صف اول تک جائے تو رکعت نہیں پاسکتا تو آگے نہ بڑھے بلکہ وہیں کھڑے ہوکر تدارک رکعت کرلے۔ نیز اگر تنہا کھڑا ہو تو رکعت مل سکتی ہے لیکن اگر آگے بڑھے تو رکعت فوت ہوجائے گی تو آگے جائے اور اکیلا نہ کھڑا ہو۔ (القنیہ)

☆ فائدہ...... ترک المکروہ اولیٰ من ادراک الفضیلۃ فضیلت حاصل کرنے سے کسی مکروہ کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے یہ ایک فقہی قاعدہ ہے۔ لہٰذا تنہا کھڑا نہ ہو اگرچہ تدارک رکعت ہوسکے بلکہ صف میں شامل ہو۔

۱۱۔ اگر کوئی مجبوری و معذوری ہو تو امام ناغہ کرسکتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر ایسا نہ کرے بلکہ سال میں ایک آدھ مرتبہ ایسا ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔

۱۲۔ سوال...... اگر امام کو معلوم ہوا کہ اس نے بلا وضو نماز پڑھائی تو وہ کیا کرے کیا لوگوں کو اس حالت سے آگاہ کرے یا نہ کرے؟

ج: اس میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ انہیں بتانا واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں نہ بتائے۔ **قال صاحب القنية هذا اصح اخذاً بقول فانّ عنده لا تفسد صلوٰة المقتدی اذا ظهر ان صلوٰة الامام وقعت فاسدة و اليه اشار ابو يوسف حين اُخبر ان الحمام الذی اغتسل فيه قد وقع فی بئره فارة فقال نأخذ بقول اخواننا من اهل المدينة۔** (کبیری صفحہ ۶۱۹)

صاحب قنیہ نے فرمایا امام شافعی کے قول پر عمل کرتے ہوئے یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر مقتدیوں کو معلوم بھی ہو جائے کہ امام کی نماز فاسد ہے تو بھی ان کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا جبکہ انہیں بتایا گیا کہ جس حمام سے انھوں نے غسل کیا اس کے کنوئیں سے چوہا برآمد ہوا تو ارشاد فرمایا: ہم اس باب میں اہل مدینہ کا قول لیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔

۱۳۔ اگر صبح کی سنت باقاعدہ ترتیب سے پڑھے تو صبح کی جماعت جانے کا اندیشہ ہے لیکن اگر صرف سورۂ فاتحہ پڑھے اور رکوع، سجدے میں تسبیحات پڑھے تو جماعت مل سکتی ہے تو شرعی حکم یہ ہے کہ یہی اختصار برتے تا کہ جماعت میں شامل ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر ادراک جماعت کے لئے سنت فجر چھوڑنا جائز ہے تو سنت کی سنت چھوڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اور اسی کے مطابق یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص ثناء اور تعوذ چھوڑ دے یونہی اگر نماز فجر کے وقت صرف وتر اور فجر کی گنجائش ہو یا صرف سنت فجر کی گنجائش ہو تو یہ صرف وتر پڑھے اور امام صاحب کے نزدیک سنت فرض چھوڑ دے اور صاحبین کے نزدیک۔ وتر پڑھنے سے سنت فجر بہتر ہے۔

۱۴۔ مؤذن نے اقامت کہہ دی لیکن امام نے ابھی صبح کی سنتیں نہیں پڑھیں تو جماعت سے پہلے سنت فجر پڑھے لیکن اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے کیونکہ اس کا تکرار مشروع نہیں بشرطیکہ پوری اقامت کہہ دی ہو۔

۱۵۔ اگر نمازی نے نوافل شروع کئے اس خیال سے کہ ابھی وقت میں گنجائش ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ اگر دو رکعت پوری پڑھے گا تو فرض فوت ہو جائیں گے تو انھیں قطع نہ کرے بلکہ پورا کرے۔ یہ اسی طرح ہے کہ ایک شخص نے نفل شروع کئے پھر خطیب خطبہ کے لئے آ گیا تو انھیں توڑنا جائز نہیں بلکہ ان کی تکمیل کرے۔

۱۶۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر نوافل شروع کئے پھر بیٹھ گیا پھر انھیں توڑ ڈالا اگر بیٹھ کر ان کی قضا کرے تو جائز ہے۔ لیکن اگر بیٹھنے سے پہلے توڑا تو پھر بغیر کھڑے ہوئے قضا جائز نہیں۔ (الحاوی)

۱۷۔ نفل پڑھنے والا تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا پھر اسے یاد آیا کہ وہ بیٹھا نہیں تو لوٹ آئے اگر چہ سنت ظہر ہوں۔ امام بزدوی سے روایت ہے کہ نہ لوٹے یہ بھی کہا گیا کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور پہلا قول امام محمد کا ہے۔ لیکن ہر حال میں سجدہ سہو کرے۔ اگر اس نے چار کی نیت نہ کی ہو تو بالاتفاق لوٹ آئے۔ اگر نہ لوٹے تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ (القنیہ) قنیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر اس نے رکوع، سجدہ نہ کیا تو وقت باقی ہونے کی صورت میں اس پر قضا ہے لیکن وقت گزر جانے کی صورت میں اس پر قضا نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں صورتوں میں قضا نہیں۔

قاعدہ: جو نماز نقصان کے ساتھ ادا ہوئی اس کا اعادہ واجب ہے۔ (ہدایہ)

۱۸۔ ننگا آدمی مُردار کی تازہ کھال کے بغیر ستر ڈھانپنے کے لئے کچھ نہ پائے تو اس کے ساتھ نماز نہ پڑھے کیونکہ وہ نجاست اصلیہ رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ بخلاف نجس کپڑے کے اس کی نجاست عارضی ہے لہٰذا اس کی خرید و

فروخت جائز ہے۔

۱۹۔ اگر جوتا چوری ہونے کا خطرہ ہو تو اسے حالتِ نماز میں اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ ناپاک نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے جوتا اپنے آگے رکھے تا کہ نماز میں اس کا دل پریشان نہ ہو۔

۲۰۔ اگر دعا قنوت کی تکبیر رہ گئی تو اس کے متعلق کوئی روایت نہیں البتہ یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے۔ عیدین کی تکبیرات پر قیاس کرتے ہوئے اور یہ بھی کہا گیا کہ واجب نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ سہو ادا کرنا کسی حد تک بہتر ہے۔

۲۱۔ نوافل پڑھنے سے قضا شدہ نمازیں لوٹانا بہتر اور ضروری ہے۔ البتہ سنت مشہورہ اور تمام سنت منقولہ ادا کرنا مذکورہ قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی انھیں ضرور ادا کرے۔

۲۲۔ شیخ ابو جعفر نے فرمایا کہ اگر کسی نے آیت سجدہ میں سے کوئی حرف پڑھا جبکہ کوئی دوسرا حرف اس سے پہلے اس کے بعد یا اس کے ساتھ تھا تو اسے سجدہ تلاوت کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ سجدہ تلاوت نہ کرے۔ فتاویٰ ملتقط میں ہے کہ سجدہ تلاوت کی تاخیر جائز ہے۔ اگر چہ کافی مدت گزر جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اور محیط میں ہے کہ کیا سجدہ تلاوت کرنے میں تاخیر مکروہ ہے یا نہیں بعض مقامات میں لکھا ہے کہ نماز کے علاوہ تاخیر مکروہ نہیں، لیکن امام طحاوی نے لکھا ہے کہ علی الاطلاق سجدہ تلاوت میں تاخیر مکروہ ہے۔

☆ فائدہ...... فتاویٰ حجت میں ہے کہ تلاوت کرنے والے اور سننے والے کے لئے سجدہ تلاوت ممکن نہ ہو تو وہ صرف یہ کہہ دے "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ"۔

۲۳۔ ایک امام نے گاؤں میں لوگوں کو امامت کرائی پھر نماز جمعہ پڑھنے کے لئے شہر میں گیا اور راستے میں اسے بتایا گیا کہ امام نمازِ جمعہ سے فارغ ہو گیا ہے تو اس نے چند نئے لوگوں کے ساتھ نمازِ ظہر شروع کی اور پھر شہر میں گیا اور اس کو نماز جمعہ میں پایا تو یہ بھی شامل ہو گیا اور امام بے وضو ہو گیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا اور آگے کیا اس نے نماز جمعہ پڑھائی تو سب کی نماز جائز ہو گئی اور اس شخص نے وقت میں تین مرتبہ امامت کروائی تو سب کی جائز ہو گئی۔

۲۴۔ اگر چار رکعت پڑھتے ہوئے تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو اسے نفلی نماز قرار دے کر فرائض جماعت میں شامل ہو جائے۔ بس اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ آخری قعدہ نہ کرے اور پانچویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور چھٹی اس سے ملائے یا چوتھی رکعت بیٹھ کر پڑھے تو شیخین کے نزدیک یہ ساری نماز نفلی ہو جائے گی۔

۲۵۔ ایک شخص نے بغیر وضو دو رکعت پڑھنے کی نذر مانی تو امام محمد کے نزدیک یہ نذر باطل ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک نذر ٹھیک ہے۔ یہ اس طرح کرے کہ با وضو ہو کر دو رکعت پڑھے اور یہی اس پر لازم ہے۔ اور اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ بغیر قرأت کے دو رکعت پڑھے گا تو قرأت کے ساتھ دو رکعت پڑھے۔ لیکن امام زفر کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں اور اگر کسی نے یہ منت مانی کہ تین رکعت پڑھے گا تو ہمارے نزدیک اس پر چار لازم ہیں جبکہ امام زفر کے نزدیک اس پر دو لازم ہیں۔

۲۶۔ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں مسجد حرام میں اتنی رکعت نماز پڑھوں گا تو جہاں پڑھے اس کی نذر پوری ہو جائے گی لیکن امام زفر کے نزدیک مسجد حرام میں نذر پوری کرنا ضروری ہے۔

۲۷۔ اگر کسی عورت نے نذر مانی کہ وہ آئندہ کل اتنی رکعت نماز پڑھے گی اور روزہ رکھے گی تو تقدیر الٰہی سے اسے دوسرے دن ماہواری آ گئی تو ہمارے نزدیک جب پاک ہو جائے تو اپنی نذر پوری کرے۔ لیکن امام زفر کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں۔

۲۸۔ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم کیا جائے لیکن جب دس سال کا ہو جائے تو اسے مار پیٹ کر نماز پڑھائی جائے۔ یہی حکم یتیم بچے کا ہے۔ کہ اس کا نگراں اسے نماز پڑھنے کا کہے اگر دس سال کا ہو جائے اور نہ پڑھے تو اسے زبردستی پڑھنے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ مجموعاتِ سمرقندی میں یہی مذکور ہے اور منکوحہ بیوی کے لئے یہی مذکور ہے کہ نماز نہ پڑھے، غسلِ جنابت نہ کرے یا بناؤ سنگھار نہ کرے یا جنسی تعلقات سے انکار کرے تو شوہر اسے مار سکتا ہے۔ اور اگر مارنے سے بھی وہ باز نہ آئے تو اسے طلاق دیدے۔ اور وہ شوہر کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے۔ اگر بری عادتوں سے باز نہ آئے تو شوہر اسے طلاق دے کر جدا کر سکتا ہے۔ اگر اس کا مہر ادا نہ کر سکے تو پھر بھی اسے چھوڑ دے۔ کیونکہ بے نمازی بیوی کو ساتھ رکھنا ادائیگی مہر سے بدتر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى " (ترجمہ) اپنے گھر والوں اور اپنی امت کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور اسی پر صبر کرتے رہو ہم تم سے روزی نہیں مانگتے بلکہ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں (لہٰذا آخرت کے لئے اپنے اوقات کو فارغ کیجئے) اور اچھا انجام اہل تقویٰ کے لئے ہے۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۲)

چند فقہی اصطلاحات کی ضروری وضاحت

کتب فقہ میں بعض ایسے احکام ہیں کہ جن کے الگ الگ نام ہیں۔ جب تک آدمی ان تک رسائی نہ رکھے صحیح طور پر احکام فقہ پر عمل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس ضرورت کے پیشِ نظر ہم انھیں نام بنام ذیل میں درج کر کے پھر ہر ایک کا حکم بیان کرتے ہیں تاکہ عمل کرنے والوں کے لئے سہولت اور آسانی ہو سکے۔

فرض: اس کے لغوی معنیٰ ہیں اندازہ کرنا، مقرر کرنا۔ قطع کرنا کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا چنانچہ یہ سب معانی کتاب وسنت میں مذکور ہیں اور آئمہ لغت نے ان سب کو اپنے اپنے موقع پر ذکر کیا ہے۔ اور اس کا اصطلاحی معنیٰ اور تعریف یہ ہے کہ " **ما ثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه** " یعنی جو کام کسی ایسی دلیل قطعی ویقینی سے ثابت ہو کہ جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہ ہو فرض کہلاتا ہے۔

فرض کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرضِ اعتقادی۔ (۲) فرضِ عملی۔

(۱) فرضِ اعتقادی کی تعریف...... جو کسی ایسی یقینی دلیل سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو اسے فرض اعتقادی کہتے ہیں۔ آئمہ کرام کے نزدیک اس کا منکر کافر، خارج از اسلام ہے۔ اور بغیر کسی عذر شرعی، دانستہ طور پر ایک بار بھی چھوڑنے والا، فاسق اور مستحق عذاب نار ہے۔

(۲) فرضِ عملی کی تعریف...... جو فرض اعتقادی کی طرح تو نہ ہو، مگر نظرِ مجتہد میں شرعی دلائل کی بنا پر ضروری ہو کہ اس کی ادائیگی کے بغیر وہ کام باطل اور بے کار ہو جیسے سر کا مسح، کہ ہمارے نزدیک چوتھائی حصہ ضروری ہے۔ جبکہ امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح ضروری ہے اور امام شافعی کے نزدیک مسح ایک بال کا بھی کافی ہے۔ فرض عمل میں ہر آدمی اپنے امام کی تقلید کرے۔ اور جو کچھ اس کے امام سے ثابت ہوا اسی پر عمل کرے۔

☆ واجب...... جو کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کچھ شک وشبہ ہو۔ اس کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ ہے۔ اور اس کی ادائیگی ضروری

ہے۔اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱- واجب اعتقادی...... کہ جس کی ضرورت کسی ظنی دلیل سے ثابت ہو۔فرض عملی اور واجب عملی اس واجب اعتقادی کی دو قسمیں ہیں اور وہ انہیں دو پر منحصر اور بند ہے۔

۲- واجب عملی...... یہ وہ واجب اعتقادی ہے کہ اس کے کئے بغیر بھی آدمی کے سبکدوش ہونے کا احتمال ہے مگر غالب گمان اس کی ضرورت پر ہے۔اگر کسی عبادت میں اس کا بجالانا ضروری ہو تو اس کی ادائیگی کے بغیر عبادت ناقص ہوگی مگر ادا ہو جائے گی۔کسی واجب کا ایک مرتبہ بھی دانستہ چھوڑ دینا گناہِ صغیرہ ہے اور چند مرتبہ چھوڑ دینا گناہِ کبیرہ ہے۔یعنی اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جائے گا۔ مجتہد کسی دلیل شرعی سے اس کا انکار کر سکتا ہے مگر عوام کے لئے یہ گنجائش نہیں۔

☆ سنت...... آئمہ لغت کے نزدیک اس کا معنی طریقہ ہے۔اور شریعت میں اس سے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا طریقہ مراد ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:

۱- سنتِ مؤکدہ...... یعنی وہ سنت جس کو حضور ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو البتہ بیان جواز کے لئے ایک آدھ مرتبہ چھوڑ دیا ہو۔یا جس کو ہمیشہ کرنے کی تاکید فرمائی ہو۔اس کا چھوڑ دینا برائی ہے اور کرنا موجب ثواب ہے۔اور کبھی کبھی چھوڑ دینے پر عتاب ہے اور ہمیشہ چھوڑ دینے پر استحقاقِ عذاب ہے۔

۲- سنت غیر مؤکدہ...... شریعت میں جس کا کرنا مطلوب ہو اور نہ کرنا ناپسند ہو۔لیکن اس پر وعیدِ عذاب نہ ہو۔خواہ حضور ﷺ نے اسے ہمیشہ ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔اس کا کرنا باعثِ ثواب اور نہ کرنا موجب عتاب نہیں۔

☆ مستحب...... شریعت میں جس کا کرنا پسندیدہ ہو۔مگر نہ کرنے پر کوئی گرفت نہ ہو۔خواہ اسے خود حضور ﷺ نے کیا ہو یا اس کی ترغیب دی ہو۔یا آئمہ کرام نے اسے پسند فرمایا ہو۔اگرچہ کتب حدیث میں اس کا ذکر نہ آیا ہو اس کا بجالانا ثواب اور چھوڑ دینے پر کوئی گرفت نہیں۔

☆ مُباح...... وہ کام جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو۔یعنی کرنے پر ثواب نہیں اور نہ کرنے پر گناہ نہیں۔بلکہ دونوں طرف برابر ہیں کہ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں۔

☆ حرام قطعی...... یہ فرض کا مقابل ہے۔اگر جان بوجھ کر ایک مرتبہ کیا جائے تو گناہِ کبیرہ اور فسق ہے۔اور بچنا ثواب ہے۔اور حلال جاننے والا حرام قطعی کو کافر خارج از اسلام ہے۔

☆ مکروہ تحریمی...... یہ واجب کا مقابل ہے۔اس کے کرنے سے عبادت ناقص ہو جاتی ہے اور کرنے والا گناہ گار ہو جاتا ہے۔اگرچہ اس کے کرنے میں حرام سے کم درجے کا گناہ ہے۔لیکن اگر بار بار کیا جائے تو گناہ کبیرہ ہے۔یعنی تکرار سے کبیرہ ہو جائے گا۔

☆ اِسائت...... اس کا کرنا برا ہے۔اور کبھی کبھی کرنے والا مستحقِ عتاب ہے اور ہمیشہ کرنے والے پر استحقاق عذاب ہے۔یہ سنت مؤکدہ کا مقابل ہے۔

☆ مکروہ تنزیہی...... جس کا کرنا شریعت میں پسندیدہ نہیں مگر اس قدر ناپسندیدگی نہیں کہ وعید عذاب ہو یہ سنت غیر مؤکدہ کا مقابل ہے۔

☆ خلافِ اولیٰ...... اس کا نہ کرنا بہتر ہے اگر کر لیا تو کچھ عتاب نہیں یہ مستحب کا مقابل ہے۔ (بہار شریعت حصہ دوم)

☆ مفسد......وہ فعل جو کسی کام کو بگاڑ دے اور فاسد کر دے۔

☆ باطل......وہ فعل جو کسی کام کو اصلاً ختم کر دے اور اس کے وجود کو مٹا دے۔

☆ فاسد اور باطل میں فرق......باطل سے کام اصلاً منعقد نہیں ہوتا یا اس کے حدوث سے بالکل منعدم اور ختم ہو جاتا ہے جیسے نماز میں کھانا پینا اور باتیں کرنا یا جیسے بے وضو یا بحالت جنابت نماز پڑھنا۔ اور فاسد میں کام دراصل تو کام ہو جاتا ہے مگر عارض فساد کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے جیسے شرائط فاسدہ سے بیع کرنا جیسے بیع کرتے وقت مقتضیٰ عقد کے خلاف کوئی شرط لگانا کہ یہ چیز میرے پاس رہے گی یا تو مجھے اتنا قرض دے گا یا میری خدمت کرے گا اگرچہ اصالتاً بیع جائز ہے مگر بوجوہ مذکورہ فاسد غیر تام ہوگی۔ (کتب فقہ)

☆ ایمان اور کفر......یہ ایک دوسرے کی ضد اور آپس میں منافی ہیں۔ اگر ایمان ہو تو کفر نہ ہوگا اور اگر کفر ہو تو ایمان نہ ہوگا۔

ایمان......دل سے ان تمام باتوں کو تسلیم کر لینا جو ضروریات دین میں سے ہیں ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔

ضروریاتِ دین

وہ مسائل دین کہ جن کو ہر آدمی جانتا ہے جیسے توحید، رسالت، جنت، دوزخ، حشر ونشر یعنی قیامت برپا ہونا۔ حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا اور اسی طرح کے عام فہم مسائل۔ عوام یہ عقیدہ رکھیں کہ جو کچھ اسلام نے پیش کیا وہ سب حق ہے۔ ایمان میں کمی و زیادتی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ کمی وبیشی ایسی مقدار میں ہوتی ہے جو طول، عرض اور عمق رکھے یا گنتی رکھے اور ایمان تصدیق قلبی ہے اور وہ از قبیل ''کیف'' ہے یعنی ایک حالت اذعانیہ غیر قابل تجزی وتقسیم لہٰذا اس میں کمی وزیادتی غیر متصور ہے اور جہاں کمی و زیادتی معلوم ہوتی ہے اس سے مومن بہ اور مصدق بہ مراد ہے۔ یعنی وہ چیز جس پر ایمان لایا گیا پس اس میں کم وزیادہ مراد ہے۔ البتہ ایمان میں شدت وضعف ہو سکتا ہے کیونکہ عوارض ''کیف'' میں سے ہے چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام افراد امت کے ایمانوں پر غالب ہے۔ اصل ایمان تصدیق کا نام ہے۔ لہٰذا اعمال جسم ایمان کا جزء نہیں ہاں البتہ اقرار یعنی زبان سے کہنا تو اس میں کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ اگر تصدیق کے بعد اظہار کا موقع نہ ملا تو عند اللہ مومن ہے۔ لیکن اگر اظہار کا موقع ملا اور مطالبہ بھی کیا گیا مگر اقرار اس کے باوجود نہ کیا تو کافر ہے۔ اگر اظہار کا موقع ملا لیکن کوئی مطالبہ نہ ہو تو احکام دنیا میں کافر شمار ہوگا پس اس کے ساتھ کفار والا برتاؤ کیا جائے گا لیکن عند اللہ مومن شمار ہوگا بشرطیکہ خلاف اسلام کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ کسی ضرورت دینی کا انکار نہ کرے۔ اگرچہ یہ کہے کہ میں نے صرف زبانی طور پر انکار کیا تھا پس اس بات کو تسلیم نہ جائے کیونکہ بلا وجہ صدور کلمہ کفر جائز نہیں اگر کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے تو کسی قدر رخصت ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پھر بھی کلمہ کفر زبان پر نہ لائے اور جان دیدے۔ عقائد میں تقلید نہیں صرف فروعات میں تقلید ہے۔ اہل سنت کے دو گروہ ہیں: (۱) ماتریدیہ، امام ابو منصور ماتریدی کے متبع۔ (۲) اشاعرہ: امام ابو الحسن اشعری کے پیروکار حنفی زیادہ تر اول سے معتقد ہیں۔ جو یقینی حلال ہے اسے حرام کہنا اور یقینی حرام کو حلال جاننا کفر ہے۔ (کتب عقائد)

ایمان اور کفر میں کوئی واسطہ نہیں

یعنی اسلام ہوگا یا کفر پس تیسری صورت کہ نہ مسلمان ہو اور نہ کافر کوئی نہیں۔ ہاں شبہ کی بنا پر کسی کو مسلمان یا کافر نہ کہنا الگ بات ہے۔

انسانوں کے طبقات ثلاثہ

۱) مومن...... جو ضروریات دین کا اقرار کریں۔

۲) کافر...... جو اعلانیہ ضروریات دین کا انکار کریں۔

۳) منافق...... جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کریں مگر دل سے اسلام کے منکر ہوں۔ یہ گروہ کفار میں شمار ہے بلکہ کھلے کافروں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں یہی وجہ ہے کہ ارشاد فرمایا: "اِنَّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" یعنی سازشی گروہ (بوجہ زیادہ نقصان دہ ہونے) دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہونگے حضور پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں نفاقِ اعتقادی رکھنے والے کچھ بدنصیب تھے کہ جنہیں کتاب وسنت نے بے نقاب کیا۔ اب اس زمانہ بعد از نبوت میں مذکورہ سابقہ کا وجود نہیں البتہ نفاق عملی کی بعض صورتیں بعض اوقات پائی جاتی ہیں۔ ہاں فرقوں میں اعتقاد اور عمل کا تضاد پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دونوں قسم کے نفاق سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

ایمان مفصل

آمَنْتُ بِاللہِ وَ مَلٰائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْقَدْرِ خیرہٖ و شرہٖ مِنَ اللہِ تعالیٰ و الْبَعْثِ بعد الْمَوْتِ

اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کی ساری (چھوٹی بڑی) کتابوں اور اس کے رسولوں پر میں ایمان لایا اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لایا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے پر میں ایمان لایا۔

ایمان مجمل

آمنت باللہ کما ھو باسمآئہ و صفاتہ و قبلت جمیع احکامہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب . لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ)

یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنے اسماء اور اپنی صفات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اور اس کے تمام احکام میں نے قبول کئے میں زبان سے اس کا اقرار کرتا ہوں اور دل وجان سے اس کو تسلیم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد عربی (ﷺ) اس کے سچے اور آخری رسول برحق ہیں۔

اوپر کے ایمان مجمل ومفصل میں بنیادی ایمانیات اور ان کی شرعی اعتقادی حیثیت بیان فرمائی گئی ہے پس ان دونوں پر صدق دل سے ایمان رکھنا اور ان حقائق کا اعتراف واقرار کرنا ایک مردمومن کے بقائے ایمان اور دوامِ اسلام کے لئے خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایمانیات مذکورہ کا بیان کتاب وسنت میں تفصیل سے مذکور ہے چنانچہ آئمہ اہل سنت نے اپنے اپنے موقع پر پوری شرح وبسط سے امت کے لئے انہیں بیان فرمایا ہے۔

شرک کی تعریف

الاشراک باللہ ھو اثبات الشریک فی الالوھیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام . (۵۱) (شرح عقائد صفحہ ۶۱) قال فی حاشیتہ : فی الصحائف

ذهب المجوس الیٰ ان للعالم فاعلین احدهما الله تعالٰی و هو فاعل الخیر و خالق الحیوان النافع . و الثانی الشیطان و هو فاعل الشر و خالق الحیوان الضار . (محمود) و قال فی النبراس صفحه ۲۶۵ ذیل لفظ المجوس فانهم یعتقدون الٰهین یزدان و هو خالق الخیر و ایر من و هو خالق الشر .

عبدۃ الاصنام

فانهم یعتقدون ان الواجب واحدٌ و یزعمون ان الاصنام مستحقة للعبادة لرجاء الشفاعة منها . اقول کما فی القرآن حاکیًا عنهم وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ......الخ (سورۂ یونس آیت ۱۸)

خلاصہ مفہوم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا یہ ہے کہ اس کا الوہیت (خدا ہونے میں) یعنی وجوب وجود میں شریک مانا جائے مراد یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح وہ شریک بھی واجب الوجود ہے جیسے مجوس کا عقیدہ ہے کہ وہ عالم کے لئے دو خدا تجویز کرتے ہیں ۔ایک یزداں اسے خالق خیر قرار دیتے ہیں ۔ دوسرا اہرمن (شیطان) اسے خالق شر کہتے ہیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے جیسے بتوں کی عبادت کرنے والے کہ وہ اگر چہ خدا ایک تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود اصنام کو مستحق عبادت قرار دیتے ہیں اس لئے کہ ان سے شفاعت کی توقع رکھتے ہیں ۔ اور یہ دونوں صورتیں باطل ہیں ۔ شرک اور کفر میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے ۔ پس شرک خاص اور کفر عام ہے ۔ جس کا نتیجہ دو قضایا موجبہ ہیں ۔ یعنی شرک کفر ہے ۔ مگر کفر شرک نہیں، مثلاً ارکان اسلام کا انکار کرتا ہے مگر کسی غیر کی پرستش نہیں کرتا تو اس سے کافر ہو جائے گا مگر ''مشرک'' نہ ہو گا لیکن اگر شرک والا کوئی کام کرے گا تو مشرک ہونے کے ساتھ لامحالہ کافر بھی ہو جائے گا ۔

بعض کام منافی ایمان ہونے کی وجہ سے کفر ہیں لہذا ایسے کاموں کا ارتکاب موجب کفر ہے مثلاً کسی بت یا چاند، سورج، کو سجدہ کی توہین یا اسے قتل کر دینا (اگر زمانہ پایا ہو) اسی طرح قرآن مجید، کعبہ شریف کی توہین اور گستاخی کرنا ۔ یا کسی سنت رسول ﷺ کو معمولی سمجھنا اور ہلکا بتانا ۔ یہ سب وجوہ کفر ہیں ۔ بعض اعمال علامت کفر ہیں جیسے زنار باندھنا ۔ سر پر چوٹیاں (ہندوؤں کی طرح) رکھنا اور اسی طرح قشقہ لگانا پس ایسے تمام اعمال کو آئمہ فقہ علامتِ کفر اور کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں ۔ لہذا اگر نادانی سے اعمال مذکورہ میں سے کوئی کام سرزد ہو گیا تو لزومِ کفر کی وجہ سے ازسرِ نو اسلام لانا چاہئے ۔ بعد ازیں نئے سرے سے نکاح کرنا چاہئے ۔ (بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۵۳) مطلق سجدہ خواہ تعظیمی ہی کیوں نہ ہو ہماری شریعت میں غیر خدا کے لئے پس سجدہ عبادت تو کھلا شرک اور کفر ہے البتہ سجدہ تعظیمی حرام ہے چنانچہ اس پر متعدد دلائل و شواہد موجود ہیں چنانچہ امام اہل سنت نے اس پر ایک رسالہ بنام ''زبدۃ الزکیۃ'' تصنیف فرمایا ہے لہذا ان کے مزارات کو سجدہ نہ کیا جائے اور شیخ محقق نے مَس ید سے بھی منع فرمایا ہے ۔ امام اہل سنت نے بھی اسی کو ترجیح دی اور پسند فرمایا چنانچہ رضویہ میں مذکور و مسطور ہے لہذا پیراونِ اعلیٰ حضرت کو یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

چند فقہی الفاظ جو کتب فقہ میں وارد ہوئے ہیں ان کی تشریح اور وضاحت

☆ حدث اصغر چھوٹی ناپاکی مراد ہے بے وضو ہونا۔ جب: ناپاک ہونا کہ جس کو غسل کرنے کی ضرورت ہو۔ حدث اکبر: بڑی ناپاکی مراد جنبی ہونا کہ جس کو غسل کی ضرورت ہو۔ محدث: بے وضو ہونا۔

۱- طہارت کبریٰ غسل۔ ۲- طہارت صغریٰ وضو۔

۳- مسح کسی اندام پر تر ہاتھ پھیرنا۔ ۴- مضمضۃ کلی کرنا۔

۵- استنشاق ناک میں پانی داخل کرنا۔ ٦- موالات لگاتار دھونا۔

۷- یَتَشَهَّدُ کلمہ شہادت پڑھنا۔ ۸- تخلیل ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

۹- استنجاء گندگی کو مخصوص اندام سے پانی وغیرہ سے دور کرنا۔ ۱۰- حیض جوان تندرست عورت کو ہر مہینے میں چند ایام خون آنا۔

۱۱- نفاس بچہ کی پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے خون آنا۔

۱۲- سُبْحَۃٌ نفل، اور تسبیح۔

۱۳- التقاء الختانین مرد اور عورت کی شرمگاہ کا آپس میں ٹکرانا۔

۱۴- تَیَمُّم لغت میں اس کا معنی مطلق ارادہ کرنا اور شریعت میں منہ، ہاتھ کے لئے دو ضربیں جو پاک مٹی پر ماری جائیں ان سے طہارت کا ارادہ کرنا۔

۱۵- غبنِ فاحش بہت زیادہ قیمت مانگنا اور لگانا۔

۱٦- نبیذ التمر کھجور کا نچوڑ۔

۱۷- جبیرۃ وہ لکڑی جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ کر باندھی جاتی ہے۔

۱۸- ماءٌ مطلق وہ پانی جس کے ساتھ کوئی قید نہ ہو۔

۱۹- ماءٌ مقید وہ پانی جس کے ساتھ قید لگی ہوئی ہو جیسے ماء الزعفران۔ زعفران کا رنگین پانی۔

۲۰- طاھر خود پاک چیز۔ ۲۱- مُطَھِّر پاک کرنے والی چیز۔

۲۲- تَبَسَّمَ مسکراہٹ، کہ جس کی بالکل آواز نہ ہو۔ ۲۳- ضِحک ایسی ہنسی کہ اس کی آواز خود سنے لیکن پاس والے نہ سنیں۔

۲۴- قَھقَھۃ کھلکھلا کر ہنسنا۔

۲۵- نجاست — گندگی۔اس کی دوقسمیں ہیں: (۱) نجاست غلیظہ۔(۲) نجاست خفیفہ۔یعنی سخت قسم کی نجاست اور معمولی نجاست۔شدید نجاست کی مثال جیسے پیشاب، پاخانہ، خون، کتے، سور وغیرہ کا گوشت۔ہلکی نجاست جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔یا ماکول اللحم پرندے۔

۲۶- مستعمل پانی — جس پانی سے حدث کا ازالہ کیا جائے یا اسے بطور قربت استعمال کیا جائے اسے مستعمل کہتے ہیں۔

۲۷- دَبَاغت — کسی چیز کو پکا کر یا ویسے ہی دواؤں سے خشک کر دینا دباغت کہلاتا ہے۔اس سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔

۲۸- عموم بلویٰ — ایسا کام جس میں عام طور پر لوگ مبتلا ہو جائیں۔

۲۹- سؤر — جھوٹا۔

۳۰- اِستِہلال — پیدائش کے وقت بچے کا آواز کرنا۔

۳۱- عورت — جسم کا وہ حصہ جس کا چھپانا اور ڈھانپنا ضروری ہو۔

۳۲- عورت غلیظہ — اگلی اور پچھلی شرمگاہ۔

۳۳- استقبال القبلۃ — قبلہ شریف کی طرف منہ کرنا۔

۳۴- تحرّی — سوچ و بچار کرنا۔

۳۵- فجر ثانی — یعنی صبح صادق: اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ سفیدی جو صبح کاذب کے بعد مشرقی کناروں پر پھیلی ہوئی ہو۔صبح کاذب کی تعریف: وہ دراز سفیدی جو ایک جہت میں بلند ہو اور پھر غائب ہو جائے۔

۳۶- فیئ الزوال — اصلی سایہ۔

۳۷- شفق — سرخی کے بعد سفیدی۔اور بعض کے نزدیک سرخی۔ان دونوں کے ساتھ عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک جب سرخی غائب ہو تو عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

۳۸- مکروہ اوقات — اوقات مکروہ پانچ ہیں۔جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔تین ایسے اوقات ہیں جن میں فرض اور نفل دونوں مکروہ ہیں۔اور وہ یہ ہیں (۱) طلوع آفتاب کا وقت۔(۲) اس کے غروب کا وقت۔(۳) اس کے ٹھہرنے کا وقت اور ایسے دو وقت جن میں نوافل مکروہ ہیں لیکن فرائض مکروہ نہیں اور نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت مکروہ نہیں۔پہلا وقت صبح صادق چڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک۔دوسرا وقت نماز عصر پڑھنے کے بعد غروب آفتاب تک۔پس ان دو وقتوں میں وقتی نماز کے علاوہ کچھ نہیں پڑھ سکتا البتہ قضا کر سکتا ہے۔

۳۹- صلوٰۃ کسوف — سورج گہن کی نماز۔

۴۰- صلوٰۃ خسوف — چاند گہن کی نماز۔

۴۱- صلوٰۃ استسقاء — بارش مانگنے کی نماز۔

۴۲- سجدہ — وضع الجبهة على الارض۔ زمین پر پیشانی رکھ دینا۔ رکوع: سرکو جھکانا۔

۴۳- تعدیل الارکان — ارکان نماز کو آرام سے ادا کرنا۔

۴۴- طوال مُفَصّل — قرآن مجید کی طویل سورتیں۔

۴۵- اوساط مفصل — درمیانی سورتیں۔

۴۶- قصار مفصل — چھوٹی سورتیں۔ آئمہ فقہ نے ان کی حد یہ بیان فرمائی ہے کہ سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک طوال مفصل ہے۔ اور بروج سے لَم یَکُن تک اوساط مفصل ہے۔ اور لَم یَکُن سے آخر تک قصار مفصل ہے۔ آئمہ کرام نے قرآن مجید کی سورتوں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے نماز پنجگانہ میں قرأت کرنے کا مسنون طریقہ کی راہ نمائی فرمائی ہے چنانچہ عام کتب میں لکھا ہے کہ امام بوقت اطمینان بشرطیکہ مقیم ہو طریق ذیل کے مطابق قرأت کرے۔ نماز فجر اور ظہر میں طوال مفصل سورتیں پڑھے۔ عشاء اور عصر میں اوساط مفصل پڑھے۔ اور نماز مغرب میں قصار مفصل پڑھے۔

۴۷- سترہ — وہ آڑ جو نمازی کے سامنے کھڑی کی جائے تاکہ گزرنے والا بغیر گناہ کے گزر سکے۔

۴۸- مسبوق — وہ مقتدی جس کی بعض نماز امام کے ساتھ نہ رہ جائے۔

۴۹- مُدرک — جو شروع سے آخر تک امام کے ساتھ نماز پڑھے۔

۵۰- لاحق — وہ جس کی درمیان سے امام کے ساتھ نماز رہ جائے۔

۵۱- عمل کثیر — وہ کام کہ دیکھنے والا اس مغالطے میں پڑ جائے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا۔ اور اس کے علاوہ عمل قلیل ہے۔

۵۲- رُکن — نماز کا وہ حصہ جو نماز کی جز ہو۔ جیسے رکوع اور سجدہ وغیرہ۔

۵۳- زَلّۃ القاری — قرآن مجید پڑھنے والے کا لغزش کھانا اور قواعد میں غلطی کرنا۔

۵۴- جرموق — پائتابہ۔ جو موزے کی حفاظت کے لئے اوپر پہنے۔

۵۵- انگلیوں کے نام — (۱) خنصر: سب سے چھوٹی انگلی۔ (۲) بنصر: اس کے ساتھ والی انگلی۔ (۳) وُسطیٰ: درمیانی انگلی۔ (۶) سبابۃ: انگلی شہادت۔ (۵) ابہام: انگوٹھا۔

۵۷- غمض العین — آنکھیں بند کرنا۔ اگر خشوع وخضوع کے لئے ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔

۵۸- شرط — وہ کام جس پر کوئی شئے موقوف ہو جیسے وضو نماز کے لئے شرط ہے۔ لیکن نماز کی ماہیت میں داخل نہیں۔ بلکہ اس سے خارج ہے۔

۵۹- تکبیر اولیٰ — یعنی نماز کی پہلی تکبیر جس کو افتتاح یا تکبیر تحریمہ بھی کہتے ہیں۔

۶۰- تکبیر — اللہ اکبر کہنا۔

☆ تسمیع — سَمِعَ اللّٰہ لِمَنْ حمدہ کہنا۔

☆ تحمید — ربَّنَا لک الحمد کہنا۔

۶۱- قومہ — رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔ جلسہ: دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا۔ قعدہ: نماز میں بیٹھنا۔ خواہ درمیانی یا آخر میں ہوا گر درمیانہ ہو تو اس کو قعدہ اولیٰ اور آخری ہو تو اس کو قعدہ اخیرہ کہتے ہیں۔ پہلا قعدہ واجب اور آخری فرض ہے اور تشہد دونوں میں پڑھنا واجب ہے جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ تَشَهُّد: عبدہٗ و رسولہٗ تک التحیات پڑھنا۔

۶۲- جلسۂ استراحت — پہلی رکعت پڑھنے کے بعد کچھ دیر کے بعد کھڑا ہونا۔ اگر چہ ہمارے نزدیک ٹھیک نہیں مگر امام شافعی اس کے قائل ہیں۔ پس ان کے نزدیک جائز ہے۔

۶- استرجاع — اِنَّـا لـلّٰه وَ اِنَّا الیه راجعون کہنا۔ یعنی اگر کوئی غمزدہ کرنے والی خبر سنے تو یہ کلمہ "اِنَّا للّٰہ" پڑھے آئمہ فقہ بوجہ اختصار "استرجاع" کہتے ہیں۔ غم کے موقع پر اس کے پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور کتب حدیث میں اس کے متعدد فضائل اور محاسن وارد ہوئے ہیں۔ آئمہ فقہ نماز کے فساد اور عدم فساد اور کراہت غیر کراہت کے موقع پر اس کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ مذی — یہ بروزن ظبی ہے جبکہ بعض نے تخفیف یا تشدید یاء کے ساتھ ذال پر حرکت کسرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

ذکـر فی الشامی و الوجه الاول هو الاصح (ای الذی وزنه طبی) و فیه الکسر مع التخفیف و التشدید و قیـل هما لحسن . و المذی هو ماء رقیق ابیض یخرج عند الشهوة لانها ای لا بشهوة (اقول) وجوده وقـت الشهـوة لا خروجه بشهوة و الفرق بینهما بیّن و هو فی النساء اصلب قیل هو منهن یسمی القذی بـمـفـتـوحتیـن (نهر) . الـودی : هـو بـدال مهـمـلة ساکنة یاء مخففة عند الجمهور و حکی الجوهری کسـر الـدال مع تشدید الیاء . قال ابن مکی لیس بصواب . و قال ابو عبید انه الصواب . و اعجام الدال شاذ . و الودی هو ماء ثخین ابیض کدر یخرج عقب البول . (نهر) شامی جلد اول صفحه ۱۲۲ .

قـال فـی الـدر الـمـختار جلد اول صفحه ۱۱۸ ذیل تعریف المنی : فرض الغسل منه خروج منی من الـعـضـو (و هـو ذکـر الـرجـل و فـرج المرأة الداخل) منفصل عن مقره بشهوة (ای لذة و لو حکما کـمـحـتلم و لم یذکر الدفق لیشمل فی المرأة لان الدفق فیه غیر ظاهر . (الیٰ ان قال) و ان لم یخرج مـن راس الـذکـر بـشـهـوة . و شرطه ابو یوسف و اثر الخلاف یظهر فیما لو احتلم او نظر بشهوة فامسـک ذکره حتی سکنت شهوته ثم ارسله فانزل وجب (الغسل) عندهما . (لوجود الشرط و هو انـفـصـالـه عـن مـحـله بـشـهـوة) لا عـــنــده لفقد ان الشرط و هو خروجه بشهوة وهٰهنا لم یوجد فلم یجب الغسل علیه . در مختار و شامی جلد اول صفحه ۱۱۸ .

خلاصہ عربی عبارت

اس بحث میں تین چیزیں ہیں۔ (۱) منی (۲) مذی (۳) ودی۔ اصل موجب غسل منی ہے۔ (۱) منی وہ سفید (زرد) گاڑھا پانی جو

شہوت کے ساتھ اپنے مستقر سے جدا ہوا گر بوقت ظہور شہوت نہ ہو پس اس کے مرد و عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دونوں جنبی ہو گئے۔ پھر جب تک غسل نہ کرینگے جنابت سے فارغ نہ ہونگے۔ یہاں ہمارے آئمہ ثلاثہ کا آپس میں اختلاف ہے طرفین کے نزدیک انفصال بالشھوۃ وجوب غسل کے لئے شرط ہے اگر چہ خروج بلا شھوۃ ہو لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک خروج بشہوت ضروری ہے پس اسی اختلاف پر ثمرات مرتب ہیں جیسا کہ مذکور ہے۔

☆ مذی — بہ ضبط اعراب وصحت تلفظ وہ سفید پانی جو بوقت شھوت بر آمد ہوتا ہے۔ لیکن بشھوت خارج نہیں ہوتا ہے۔ عورتوں میں زیادہ تر پایا جاتا ہے۔

☆ ودی — بصحت تلفظ مذکور گاڑھا پانی جو گدلا سفید ہو اور پیشاب کے بعد خارج ہو۔ ان دونوں کا حکم پیشاب جیسا ہے ان میں غسل نہیں صرف وضو ہے۔

☆ مائع — پانی کی طرح پتلی بہنے والی چیز۔ (الاوصاف الثلاثۃ للماء) پانی کے تین اوصاف یہ ہیں (۱) ذائقہ (۲) بو (۳) رنگ۔ (اشنان) ایک خوشبودار گھاس۔

☆ الماء الجاری — بہتا پانی۔ وہ پانی جو چیزوں کو بہا کر لے جائے۔ اگر چلو بھر لیں تو اس کے نیچے کی زمین نہ دکھائی دے۔

☆ ذراع — ہاتھ یعنی آدھا گز۔ قال فی المنبة اما الحد فی جریان الماء ان اذهب بتین او ورق فهو جارٍ و قال بعضهم ان رفع ينحسر ما تحته ينقطع الجريان فليس بجارٍ . و ان كان بخلافه فهو جار۔ خلاصہ مفہوم...... جو اولاً بیان کر دیا گیا لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آئمہ اربعہ کے حالات اوران کے چند برجستہ واقعات

امام اعظم ابوحنیفہؒ

آئمہ کرام میں سب سے پہلے امام، امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔آپ کا نام نعمان بن ثابت اور کنیت ابوحنیفہ، اور لقب امام اعظم اور امام الآئمہ اور سراج الامۃ ہے۔سب سے پہلے اجتہاد اور علم فقہ میں آپ نے کلام فرمایا۔اور لوگوں کے لئے دینی مسائل پیش فرمائے اور عمل متعین فرمائی۔تاکہ عوام وخواص مسائل دینی پر آسانی سے عمل کر سکیں۔امام اعظم بے شمار محاسن اور اوصاف عالیہ رکھتے تھے اور علم وعمل میں تمام اہل زمانہ سے فائق اور برتر تھے،۔اگر آدمی ان کی سیرت اور کمالات پر نگاہ ڈالتا ہے تو وہ مجموعہ کمالات نظر آتے ہیں۔چنانچہ بے شمار آئمہ کرام اور شیوخ زمانہ نے ان کی بڑھ چڑھ کر تعریف وتوصیف فرمائی اور ان کی حمایت میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔تقریباً سو سے زائد اکابرین امت گزرے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔اختصار کے پیش نظر ہم ان سب کے ترتیب وار نام نہیں پیش کر سکتے البتہ ان میں سے چند مشاہیر کا ذکر کر دیتے ہیں:

۱) امام شافعی فرماتے ہیں کہ علمِ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہ کے خوشہ چین ہیں اور اس علم میں ان کا ارشاد بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ (الانتقاء۔ابن عبدالبر)

۲) امام شافعی حضرت امام مالک کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے تو جواب دیا ہاں دیکھا ہے وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے متعلق فرمائیں کہ یہ سونے کا ہے تو اسے دلائل سے ثابت کر دینگے (تاریخ بغداد)

۳) امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں اہل علم صرف چار ہیں: ۱) سفیان ثوری۔۲) امام ابوحنیفہ۔۳) امام مالک۔۴) امام اوزاعی۔(البدایہ والنھایہ) (۴) مشہور مورخ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ پوری دنیا میں علم کی تدوین امام ابوحنیفہ کے ہاتھوں سے ہوئی۔(فہرست ابن ندیم) (۵) مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''علم فقہ میں امام ابوحنیفہ کا بہت بلند مقام ہے کہ کسی دوسرے کو اس تک رسائی نہیں۔اوران کے ہم عصر بھی علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے۔خصوصاً امام مالک اور امام شافعی اس کے قائل ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون)

۶) امام عبداللہ بن ادریس نے امام صاحب کی آمد پر تعظیمی قیام کیا بعض نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا کہ وہ علم وعمل باقی خوبیوں میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔(تاریخ بغداد) گویا وہ مجموعہ صفات ہیں۔اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں ان کی آمد پر قیام نہ کروں۔

۷) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

۸) حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں امام صاحب کی بے حد تعریف کی انھیں فقیہ عراق اور آئمہ اسلام اور رکن علماء قرار دیا۔

۹) حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا ''میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر علم فقہ میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اگر امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری مدد نہ فرماتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا۔ کسی شخص نے امام صاحب کی شان میں گستاخی کی تو وہ گرج کر بولے کہ تو اس کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے ۴۵ سال پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔ اور ایک رات میں پورا قرآن مجید دو رکعتوں میں ختم کیا ہے۔ (تاریخ بغداد)

۱۰) نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی، جیسا کہ دین میں منصب امامت رکھتے ہیں اسی طرح زہد و عبادت میں سالکوں کے امام ہیں۔ پس ظاہر و باطن میں یکساں طور پر کامل و اکمل حیثیت رکھتے ہیں۔

حدیث میں بشارت

بعض روایات میں امام صاحب کی بشارت کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ جو آپ کی فضیلت کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خاص موقع پر حضرت سلمان فارسی کے مبارک سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا! اگر ایمان ثریا تک بھی پہنچ جائے تو کوئی مرد یا ایک مردان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس کو پالے گا اور مسلم شریف میں بھی یہی مضمون مذکور ہے۔

فائدہ: امام ابوحنیفہ ظاہر ہے کہ فارسی الاصل تھے۔ اور یہ تاریخی طور پر ثابت ہے تو حدیث مذکور کے پہلے مصداق امام ابوحنیفہ ہیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب '' تبییض الصحیفہ'' میں یہی لکھتے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں لفظ علم آیا ہے۔ گویا تین لفظ آئے ہیں: (۱) علم (۲) ایمان (۳) دین۔ اور ان میں کوئی تفاوت نہیں۔ چنانچہ تقریباً تمام علماء نے احادیث مذکورہ کا مصداق امام ابوحنیفہ کو ٹھہرایا ہے۔

مقام امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ کے بارے میں اگر چہ بعض نے ان کے تابعی ہونے میں اختلاف کیا ہے لیکن خطیب بغدادی، ابن عبدالبر، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر وغیرہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ بلاشک وشبہ گروہ تابعین میں شمار ہیں۔ کیونکہ آپ نے بعض صحابہ کو دیکھا ہے۔ اگر چہ ان سے روایت نہ کی لیکن تابعی ہونے کے لئے روایت کرنا شرط نہیں بلکہ دیکھنا کافی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ جمہور اہل حدیث کے نزدیک صرف صحابی کی ملاقات سے آدمی تابعی ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کے لئے صحبت اور نقل روایت ضروری نہیں۔ (ذیل الجواہر)

مؤرخ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ امام صاحب تابعین میں شمار ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے کئی صحابہ سے ملاقات کی۔ اور وہ متقی اور زاہد لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ تاریخی طور پر امام صاحب کا چند صحابہ کو دیکھنا ثابت ہے۔ لہذا ان کے تابعی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اور آئمہ اہل علم کی رائے کے مطابق وہ کتب روایات بخاری، مسلم، ابونعیم، طبرانی وغیرہ کے حوالوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ جو حدیث منقول ہے اس کے آپ اولین مصداق ہیں اور باقیوں کے ساتھ اس میں یقیناً شامل ہیں۔

دیانت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو گونا گوں خوبیاں اور کمالات بخشے ہیں ان میں ایک خوبی دیانت بھی ہے۔ لوگوں میں دیانت دار آدمی کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ امام صاحب میں یہ خوبی بھی بطریق اتم موجود تھی۔ [illegible]

۱) امام صاحب کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے اگر کوئی آدمی کپڑا فروخت کرنے آپ کے پاس آتا اور یہ عرض کرتا کہ آپ اس کپڑے کو اپنے طور پر فروخت کر دیں اگر وہ سادگی کی وجہ سے کپڑے کی قیمت سے نا آشنا ہوتا تو آپ اس کو صحیح قیمت بتا دیتے اور پھر اس کے مطابق فروخت کر دیتے اور پھر پوری قیمت اس کے حوالے کر دیتے۔

۲) ایک دفعہ آپ کے شاگرد نے آپ کی غیر موجودگی میں چار سو درہم کی قیمت کا گرم کپڑا ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ جب امام صاحب کو علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اس شاگرد کو دکان کے معاملات سے الگ کر دیا۔ اور خریدار کا حلیہ پوچھ کر مدینہ منورہ اسے ملے اور اصرار و تکرار کے بعد چھ سو درہم اسے واپس کر دیئے اور کپڑا اس کے پاس چھوڑ کر واپس لوٹ آئے۔ دیانت داری اور خدا خوفی کی اس سے زیادہ اچھی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

۳) ایک دفعہ آپ کے ملازم نے ان کے مال میں تجارت کی اور تیس ہزار روپے نفع کمایا۔ لیکن کپڑے میں کچھ نقص تھا جو اس نے خریدار کو نہ بتایا تو امام صاحب نے وہ ساری رقم فقراء پر تقسیم کر دی۔

۴) عبد اللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ لوٹ مار کی کچھ بکریاں کوفہ آگئیں اور عام لوگوں کی بکریوں میں مخلوط ہو گئیں امام صاحب نے بکریاں رکھنے والوں سے دریافت کیا کہ بکری زیادہ سے زیادہ کتنی مدت زندہ رہ سکتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ سات سال چنانچہ امام صاحب نے سات سال بکری کا گوشت استعمال نہ کیا۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ صرف ایک بکری دوسری بکریوں میں مل گئی تھی۔ جس کی وجہ سے امام موصوف نے احتیاط برتی۔ آپ اندازہ لگائیں کہ امام صاحب میں، تقویٰ، ورع و زہد و دیانت کتنے عروج پر تھا کہ محض شبہ کی بنا پر سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ تا کہ کہیں اس حرام بکری کا گوشت استعمال نہ ہو جائے۔ حالانکہ سینکڑوں حلال بکریاں بھی کوفہ میں ذبح ہوتی تھیں۔ اور شرعی طور پر بکری کے گوشت کھانے میں کوئی حرج نہ تھا لیکن امام کی نظر صرف فتویٰ ہی پر نہ تھی بلکہ تقویٰ بھی نگاہ میں تھا۔ پھر یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے جو معاملات میں اس قدر محتاط ہو وہ دین میں کیسے غیر محتاط اور بے باک ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی انصاف پسند اور دیانت دار مذکورہ تاریخی حقائق کی روشنی میں امام صاحب کے خلاف الزام تراشی نہیں کر سکتا۔

امانت

انسان کی اچھی خصلتوں میں سے ایک خصلت امانت بھی ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ میں یہ وصف بھی کامل طور پر موجود تھا۔ چنانچہ سفیان بن وکیع لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ بڑے امانت دار تھے۔ (مناقب موفق)

جب امام صاحب کی شہادت ہوئی تو آپ کے سیرت نگار حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت امام صاحب کے گھر میں لوگوں کی پانچ کروڑ امانتیں موجود تھیں۔ حافظ محمد ابراہیم لکھتے ہیں کہ امام صاحب کی فضیلت، عدالت، تقویٰ اور امانت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

نتیجہ

جو بزرگ ہستی لوگوں کی امانتوں کا محافظ اور امین ہو تو یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ خدا کے آخری دین اسلام میں محتاط اور امین نہ ہو گی اور خیانت جیسے خطرناک گناہ کی مرتکب ہو گی۔ بلکہ قرین قیاس یہی ہے کہ ایسی بزرگ ہستی دین و دنیا دونوں امانتوں میں مکمل طریقے سے امین اور محتاط مانی جائے تا کہ ادنیٰ کی حفاظت اور اعلیٰ سے بے احتیاطی کا الزام عائد نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ کا ماٴخذِ علم، اور بنیادِ دین

چونکہ امام صاحب بعض صحابہ اور اکثر تابعین کے دور میں پیدا ہوئے اس لئے آپ کے اخذ علم اور حصول دین کا راستہ انتہائی مختصر، صاف اور واضح مضبوط بنیادوں پر استوار تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام میں بعض صحابہ کرام فقہاء صحابہ کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ امام مسروق (المتوفی ۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کا علم چھ بزرگوں میں پایا گیا: (۱) حضرت عمر۔ (۲) حضرت علی۔ (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ (۴) معاذ بن جبل۔ (۵) حضرت ابودرداء۔ (۶) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنھم اجمعین۔ پھر ان سب کا علم جنابِ علی اور عبد اللہ ابن مسعود میں جمع ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد ودیگر کتب)۔ بعض روایتوں میں حضرت اُبی بن کعب کا اضافہ ہے اور بعض روایتوں میں ابوموسیٰ اشعری کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے۔ (مستدرک، حاکم)

صحابہ کرام کے بعد باقی شہروں کو چھوڑ کر کوفہ میں جو لوگ فقہاء کی حیثیت سے مشہور تھے وہ سب عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب تھے۔ بعض نے ان کے یہ نام لکھے ہیں: (۱) علقمہ بن قیس۔ (۲) عبیدہ بن قیس۔ (۳) اسود۔ (۴) مسروق۔ (۵) شُریح۔ (۶) عمر۔ (۷) حارث بن قیس۔ یہ لوگ کوفہ کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب لوگوں میں دین اور فقہ کا جذبہ پیدا کرنے میں مصروف ہیں اور آپ نے مسجد میں دیکھا کہ چار سو دواتیں رکھی ہوئی ہیں جن سے طلبہ کرام کتابت علم میں مصروف تھے تو ان سے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ: عبد اللہ بن مسعود نے ان کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑا ہے۔ (مناقب موفق) بہت سے نامور صحابہ مثلاً حضرت علی، اور عبد اللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، حضرت حذیفہ، حضرت عمار، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اپنی فیاپاشیوں سے کوفہ کو دین اسلام کا خصوصی مرکز بنا ڈالا۔ چنانچہ اہل کوفہ نے ان نامور حضرات سے ضروریات دین کو حاصل کیا چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے قرآن، ایمان، تفسیر، فقہ اور سنت کا علم حاصل کیا اور سب کچھ حضرت علی کے وہاں تشریف لے جانے سے پہلے ہی حاصل کر لیا اور پھر دور خلافت میں جناب علی وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے دور خلافت میں اپنی خداداد ذہانت اور علم سے اکثر فیصلے وہاں صادر فرمائے۔ (منہاج السنہ)

اور یہ فیصلے بقول شاہ ولی اللہ صاحب کوئی چند فیصلے نہ تھے بلکہ یہ کثیر تعداد میں تھے حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے سے پہلے بھی اہل کوفہ قرآن وسنت کا علم رکھتے تھے۔ کوفہ کے بابرکت اور نامور ہونے کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ امام حاکم لکھتے ہیں کہ انچاس صحابہ کرام شہر کوفہ میں وارد ہوئے۔ (معرفت علوم الحدیث)

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ستر بدری صحابہ اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ کوفہ میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ (تذکرہ)

مشہور تابعی حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ ایک ہزار اور پچاس صحابہ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے اور بعض نے ڈیڑھ ہزار کی تعداد بتائی ہے۔ اس سے آپ اس دور میں کوفہ کی عظمت، علم وعمل کا مسکن ہونا اور اہل علم کا مرکز قرار پانے کا اندازہ کر لیجئے۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں کہ کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔ چنانچہ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ مناسک حج اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرأت قرآن اہل مدینہ سے حاصل کرو لیکن حلال وحرام کے مسائل اہل کوفہ سے اخذ کرو اور امام شافعی نے فرمایا کہ علم فقہ اہل کوفہ سے حاصل کرو۔ شہر کوفہ علم فقہ کے علاوہ حدیث کا بھی مرکز تھا چنانچہ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلباء حدیث موجود تھے۔ الغرض کہ امام صاحب کا علم اہل کوفہ سے ماخوذ ہے اور چار واسطوں سے حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ وہ چار واسطے یہ ہیں: (۱) حماد۔

(۲) ابراہیم نخعی۔ (۳) علقمہ بن قیس۔ (۴) عبداللہ بن مسعود۔

نتیجہ

اوپر کی روایات سے اور اکابرین کی نشاندہی سے صراحۃً معلوم ہوا کہ تمام شہروں میں کوفہ کو علم وفضل کے لحاظ سے ایک مرکزی برتری حاصل تھی کہ جہاں سینکڑوں صحابہ اور تابعین تشریف فرما رہے اور اپنی نورانی علمی کرنوں سے پورے ماحول کو روشن کیا اور ہزاروں افراد کو علمِ دین، فقہ اور انوارِ حدیث سے مامور کیا۔ وہیں امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے اور کوفہ سے مدینہ منورہ تک تشریف لے گئے آپ اس سے خود اندازہ لگا لیں کہ امام ابوحنیفہ نے دین میں کیا کچھ حاصل نہ کیا ہوگا اور اپنی قیمتی زندگی کیسے جواہراتِ دین حاصل کرنے میں صَرف نہ کی ہوگی بلکہ اپنی خداداد ذہانت سے اور فطری قابلیت سے جو کچھ ممکن تھا اسے اپنے سینہ بے کینہ میں سمیٹا اور پھر مسند تدریس پر بیٹھ کر ہزاروں تشنگانِ علم کو سیراب کیا۔ یہیں یہ بات بھی ذہن میں کر لیجئے کہ بغیر تکرار اسناد حضور ﷺ سے صحیح طریقہ کے ساتھ جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔ (توضیح الافکار، امیر یمانی) چنانچہ یہ بات امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام یحییٰ بن سعید، امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد بن حنبل سے منقول ہے۔ اور امام حسن بن زیاد کے حوالے سے مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں دو ہزار امام حماد کے حوالے سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔ امام یحییٰ بن سعید امام صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم، امام ابوحنیفہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ سے جو کچھ بھی وارد ہوا اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت ملا علی قاری، امام محمد بن سماعہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر حدیثیں بیان فرمائیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب فرمایا۔ صدر الائمہ بھی یہی لکھتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ یہاں حدیثوں سے تکرار سند کے ساتھ حدیثیں مراد ہیں۔ نامور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہو کر طلب حدیث کی تو وہ ہم پر غالب رہے۔ ہم زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں بھی ہم پر سبقت لے گئے۔ اور ہم فقہ میں مشغول ہوئے تو اس میں انھوں نے وہ کمال حاصل کیا جو تم سے پوشیدہ نہیں امام ابوعبدالرحمٰن فقری نے امام صاحب سے نوسو حدیثیں روایت کیں اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب حدیث کے شہنشاہ ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ جو بزرگ اپنے دور اور زمانے میں حدیث کا شہنشاہ ہو کیا اس کے محدث اور حافظ حدیث ہونے میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ سچ ہے جو خود کچھ نہ سمجھے وہ علم و ہنر کی کیا قدر جانے۔ ''آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں''

امام ابوداؤد نے امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کو دین میں امام تسلیم کیا ہے یہ وہی امام ابوداؤد ہیں کہ جن کی کتاب صحاح ستہ میں صدیوں سے شامل ہے۔ (جامع بیان العلم)

چند کتابیں

اگرچہ ساری فقہ اور اس کا سارا امام اعظم ہی کی محنت اور کاوش کا خوشنما ثمرہ ہے تاہم بعض کتابوں کی تصنیف کا سہرا بھی امام اعظم کے سر بتایا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) فقہ اکبر۔

(۲) کتاب العالم و المتعلم۔

(۴) کتاب الآثار جو ایک مبسوط کتاب ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی حدیث میں مفرد کتاب کتاب الآثار ہے۔ جو امام محمد بن حسن نے ان سے روایت کی ہے۔ جو بعض جگہ امام ابو یوسف کی طرف منسوب ہے اور بعض جگہ امام محمد کی طرف اس کا انتساب ہے اور ان کے علاوہ بھی بعض کتابوں کا سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ایک کتاب ''مسند امام اعظم'' کے نام سے اہل علم کے درمیان موجود ہے اور اس کی شروح بھی موجود ہیں۔

سوال و جواب

س: حضور غوث پاک نے ''غنیۃ الطالبین'' میں فرقہ مرجئہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس میں امام صاحب کے اصحاب کو شمار کیا ہے۔ اور وہ ایک گمراہ فرقہ ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ اس گمراہ فرقے میں شمار ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس نسبت کی کیا وجہ ہے؟

ج: علامہ عبدالکریم شہرستانی لکھتے ہیں کہ لفظ مُرجئہ ''ارجاء'' سے نکلا ہے جس کا معنی تاخیر ہے۔ چونکہ احناف اعمال کو ایمان سے مؤخر جانتے ہیں اور انھیں ایمان کی جز نہیں قرار دیتے پس انھیں اس معنی میں مرجئہ کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی جواب ہیں یہاں ان سب کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مبسوط کتابوں کی طرف مراجعت کیجئے تاکہ تسلی اور اطمینان حاصل ہو جائے۔

کتب کی ترتیب و تدوین

اگر چہ اسلاف میں بھی جزوی طور پر علم و فن اور دین کی باتوں کے ضبط تحریر میں لائے جانے کا کہیں کہیں سراغ ملتا ہے چنانچہ اس پر متعدد دلائل و شواہد موجود ہیں لیکن باقاعدگی سے اس کا سہرا امام اعظم اور ان کی طرح دوسرے اکابرین کے سر پر ہے کہ انہوں نے اس بارِ گراں کا بیڑا اٹھایا اور بڑی محنت اور کاوش سے بطریق احسن اس کام کو سرانجام دیا۔ اور ان سب میں امام ابوحنیفہ سرفہرست ہیں۔ چنانچہ امام سیوطی اور امام ابن حجر مکی دونوں اپنی اپنی کتابوں میں امام صاحب کی چند خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

انہ اوّل من دوَّن علم الشریعة و رتَّبها ابواباً ثم تبعه مالک ابن انس فی ترتیب الموطا و لم یسبق ابا حنیفة احد لان الصحابة و التابعین (رضی الله عنهم) لم یضعوا فی علوم الشریعة ابواباً مبوبة و لا کتبا مرتبة و انما کانوا یعتمدون علی قوة حفظهم . فلمَّا رأی ابو حنیفة العلم منتشراً و خاف علیه الضیاع دوَّنه فجعله ابواباً . (اھ) (تبییض الصحیفة فی مناقب ابی حنیفة)

سب سے پہلے (امام ابوحنیفہ) علم شریعت کو مدون کیا یعنی بصورت تدوین ترتیب دی۔ مراد یہ ہے کہ باقاعدہ طور پر مجلس شوریٰ کی رائے اور تعاون سے اس مشکل کام کی ذمہ داری اٹھائی اگر چہ کچھ دوسروں نے بھی یہ کام کیا مگر وہ اس نوعیت کا نہ تھا لہذا اولیت اور جامعیت کا سہرا امام صاحب ہی کے سر ہے۔ اور ابواب و فصول میں اس کو ترتیب دیا۔ پھر امام مالک نے موطا میں یہی طریقہ اختیار کیا۔ (لہذا ان کی ثانوی حیثیت ہوئی) امام صاحب سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا اس لئے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے شرعی علوم میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف اپنے حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے پھر جب امام ابوحنیفہ نے علوم کو منتشر اور مختلف اوراق میں بکھرا ہوا دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ کیا تو اسے یکجا کر کے ابواب (فصول) میں اس کو مدون (اور مرتب) کیا۔ نیز امام سیوطی علامہ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: '' صنّف ابو حنیفة الفقه و الرای ''۔ (تاریخ الخلفاء)

یعنی امام ابوحنیفہ نے فقہ اور رائے کی تصنیف کی یعنی قیاس واجتہاد کا باقاعدہ کام شروع کیا۔ امام ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

انہ اوّل من دوّن علم الفقه و رتبه ابواباً و كتباً على نحو ما عليه اليوم و تبعه مالك فى موطئه و من قبله انما كانوا يعتمدون على حفظهم و هو اوّل من وضع كتاب الفرائض و كتاب الشروط...... الخ

(الخیرات الحسان)

امام صاحب نے سب سے پہلے علم فقہ کی تدوین کی اور کتب اور ابواب میں اس کو ترتیب کیا چنانچہ آج اسی طرح موجود ہے۔ پھر امام مالک نے اپنے مؤطا میں اس کی پیروی کی اور اس سے پہلے لوگ اپنے حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط بھی امام صاحب ہی نے وضع (ایجاد) کی۔

صدر الآئمہ لکھتے ہیں:

(الامام) ابو حنيفة اوّل من دون علم هذه الشريعة لم يسبقه احدٌ ممن قبله...... الخ (مناقب موفق جلد دوم)

حضرت امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کیا جبکہ ان سے پہلے کسی نے اس طرح تدوین نہیں کی۔ (گویا امام ابوحنیفہ نے اہل علم کی سہولت اور آسانی کے پیش نظر سب سے پہلے کتب اور ابواب کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا لہٰذا اس کام کے کرنے میں ایک عمدہ مثال قائم فرمائی پس عوام وخواص کے لئے ایک آسان طریقہ اور نادر راستہ متعین فرمادیا اور اپنے معاصرین اہل فضل وشرف پر برتری اور سبقت حاصل کی۔

چند فوائد ونتائج

۱) سب سے پہلے کتب اور ابواب کی تدوین کا کام بڑے نادر اور اچھے انداز پر امام صاحب نے سرانجام دیا۔ پھر بعد میں آنے والوں نے ان کا اتباع کیا۔

۲) علم فقہ کی تدوین اور قیاس واجتہاد کا باقاعدگی سے آپ نے ہی آغاز کیا۔

۳) مسائل کی تلاش میں لوگوں کو جو مشکل پیش آتی کہ ایک ایک مسئلہ کو تلاش کرنے کے لئے کافی وقت صرف ہوتا اور بڑی پریشانی کے بعد مطلوبہ مسئلہ تک رسائی ہوتی۔ امام صاحب کے اس کام سے یہ مشکل بھی حل ہوگئی۔ پس اس لحاظ سے امام صاحب کا اہل علم پر ایک بہت بڑا احسان ہے مگر جو اس احسان کو نہ سمجھے اس کا کوئی علاج نہیں۔

۴) مسائل فقہ کی تحقیق اور چھان بین کے لئے آپ نے ممتاز علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی لہٰذا جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو کئی دنوں تک اس پر بحث ہوتی رہتی آخر کافی بحث ومباحثہ کے بعد جب وہ محقق ہو جاتا پھر اس پر کچھ دنوں تک اس پر غور وخوض کرتے پھر جب امام موصوف کی بالغ نظر میں بھی وہ قابل فتویٰ ہو جاتا تو پھر اسے قلمبند کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ چنانچہ کردری جلد دوم میں ہے: اذا وقعت لهم مسئلة يرونها حتى يضيؤنها۔ جب اس شوریٰ کے روبرو کوئی مسئلہ ہوتا تو اسے آپس میں اچھی طرح گردش دیتے (مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے پر تبادلہ خیال پیش کرتے پھر دلائل وشواہد کی روشنی میں اس پر سیر حاصل بحث کرتے اور اسے خوب نکھارنے کی کوشش کرتے) یہاں تک کہ بالآخر اس کی تہہ تک رسائی حاصل کر کے اس کے تمام پہلوؤں کو واضح اور روشن کر لیتے (کہ اس کا کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہتا) یہ تھی ارکان مجلس کی کاوش اور والہانہ تلاش اور جستجو۔ اس طرز عمل سے امام صاحب نے جو

دینی وفقہی مسائل طے اور حل کیے چنانچہ حضرت ملا علی قاری کے حوالہ سے ان کی مجموعی تعداد ملاحظہ فرمالیں۔" انـه وضـع ثلاثة آلاف و ثمانين الف مسئلة منها ثمانية و ثلاثون الفاً فی العبادة و الباقی فی المعاملات "۔اھ(ذیل الجواہر جلد دوم)امام صاحب نے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) مسائل طے کئے ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸۰۰۰) عبادت کے متعلق اور دوسرے باقی معاملات سے متعلق تھے۔

علم حدیث اور امام صاحب

امام ابوحنیفہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم وفنون میں یکتا اور یگانہ روزگار بنایا تھا۔ پس جس طرح علم فقہ میں آپ کو غیر معمولی کمال حاصل تھا اسی طرح فنِ حدیث میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ اکابرین امت اور شیوخ زمانہ نے اس بات کا صاف گوئی سے اقرار کیا ہے اور اس کو بطور فخر ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہ ایک بلند پایہ محدث تھے۔ چنانچہ متعدد اکابرین نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ ان سب کی تفصیل اپنے محل میں موجود ہے۔ چنانچہ امام حاکم نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں جن مشہور آئمہ اور ممتاز اہل علم کا ذکر کیا ہے ان میں امام ابوحنیفہ کو شمار کیا ہے حافظ محمد بن یوسف شافعی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ بڑے حفاظِ حدیث اور فضلاء میں شریک ہوتے ہیں اگر وہ حدیث کا کثرت سے اہتمام نہ کرتے تو مسائل فقہ میں استنباط کا ملکہ انھیں کیسے حاصل ہوسکتا۔ (عقود الجمان)

اور اسی طرح امام ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کو آئمہ حدیث اور فقہ میں شمار کیا ہے۔ (تخلیص الاستغاثہ)

امام ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی وغیرہ نے امام صاحب کو طبقہ حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اور جس نے یہ سمجھا کہ امام موصوف حدیث میں کم شان رکھتے تھے تو اس کا خیال بے احتیاطی یا حسد پر مبنی ہے۔

فائدہ: بعض کم فہم یا بغض وعناد کے مجسموں کا امام صاحب کے متعلق یہ کہنا یا سمجھنا کہ امام موصوف علم حدیث میں ناواقف اور اس فن میں قلت کا شکار تھے ہرگز قابلِ اعتبار نہیں لہٰذا ان کے اس بے جا قول کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے۔ بلکہ ایسے افراد کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

باوثوق شخصیت

بے شمار آئمہ حدیث اور علم وفضل کے تاجدار ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بیک زبان امام ابوحنیفہ کی توثیق عام معاملات میں بھی کی ہے، اور حدیث میں بھی انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ بلکہ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے امام یحییٰ بن معین کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: (ما سمعت احداً ضعفه) یعنی میں نے کسی شخص سے امام ابوحنیفہ کی تضعیف نہیں سنی۔ ہم ذیل میں آئمہ کرام کے چند اسمائے گرامی ذکر کرتے ہیں کہ جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق پر مہر تصدیق ثبت فرمائی:

(۱) امام علی بن مدینی۔ (۲) امام ابوذکریا یحییٰ بن معین۔ (۳) احمد بن محمد بغدادی۔ (۴) عبداللہ بن مبارک۔ (۵) وکیع بن جراح۔ (۶) حافظ ابن حجر عسقلانی۔ (۷) امام ابن حجر مکی۔ (۸) علامہ ابن عبدالبر مالکی۔ (۹) شعبہ بن حجاج۔ (۱۰) سفیان بن سعید ثوری۔

اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابرین کے نام مبسوط کتابوں میں موجود ہیں۔ برائے اختصار ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فائدہ: بعض لوگوں نے گروہی تعصب اور باطنی بغض وکینہ کی بنا پر امام صاحب جیسے پاکیزہ صفات اور علم وعمل میں پختہ کار اور گفتار وکردار میں لاجواب، شخصیت پر ضعیف اور غیر ثقہ ہونے کا الزام لگایا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور کے غیر مقلدین کا یہی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تعصب اور دروغ گوئی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ امام صاحب کے معتمد اور ثقہ ہونے میں ذرا بھر شک نہیں جو اس کے خلاف زہر اگلے اس کا کوئی اعتبار اور اہل علم کے درمیان کوئی وقار نہیں۔

احتیاط

حدیث کی روایت میں امام صاحب بے حد محتاط تھے اور اس میں معمولی بے احتیاطی بھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ امام سفیان ثوری نے امام موصوف کے متعلق فرمایا کہ آپ علم حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدود الٰہی کے محافظ تھے۔ صرف وہی حدیث لیتے جو ثقہ راوی سے مروی اور صحیح ہوتی تھی۔ اور حضور ﷺ کے آخری فعل کو لیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام یحیٰی بن معین سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے خط سے تحریر شدہ حدیث پائے لیکن اسے یاد نہیں تو کیا کرے؟ تو امام مذکور نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اس کو بیان نہ کرے۔ صرف وہی حدیث بیان کرسکتا ہے جو اسے یاد ہو۔ امام حاکم، امام ابویوسف کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ حدیث بیان کرے جب تک کہ محدث سے روبرو بیٹھ کر نہ سنی ہو اور وہ اسے بیان کرنے کے وقت تک اچھی طرح یاد بھی ہو۔ (کفایہ، مدخل فی اصول الحدیث)

فائدہ: اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کی شرط دوسرے محدثین کی شرائط سے زیادہ سخت ہے۔ لیکن بالغ نظر رکھنے کی وجہ سے اس کو اس کی اجازت ہے۔

احترامِ حدیث اور محدثین کرام سے محبت

امام ابوحنیفہ کو حدیث رسول سے بے حد محبت اور محدثین کرام سے اچھی خاصی الفت وعقیدت تھی اور حضور ﷺ کی حدیث کا بے حد احترام ملحوظ خاطر تھا۔ چنانچہ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ اگر موصوف کے نزدیک کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاتی تو پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسری جانب بالکل توجہ نہ کرتے۔ امام طحاوی سے مروی ہے کہ امام صاحب کسی مسئلہ میں ایک شخص سے بحث کررہے تھے اچانک دورانِ گفتگو آپ خاموش ہوگئے۔ ساتھیوں نے عرض کی آپ کیوں خاموش ہوگئے اس کو جواب کیوں نہیں دیتے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ مجھ سے رسول گرامی ﷺ کی حدیث بیان کررہا ہے۔ لہٰذا میں اس کو کیا جواب دوں۔ اس واقعہ کو مشہور اہلِ حدیث میر صاحب سیالکوٹی نقل کرکے اس پر یوں حاشیہ آرائی کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ حدیث رسول ﷺ کا کتنا احترام کرتے تھے اور اس کے سامنے کس طرح گردن جھکا دیتے تھے۔ (تاریخ اہلِ حدیث)

بہت سے اکابرین امت نے مثلاً خطیب بغدادی، اور صدر الآئمہ نے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنی تجارت کے منافع کا ایک خاص حصہ شیوخ اور محدثین کی ضروریات پر، خوراک، لباس وغیرہ پر صرف کرتے۔ اس کے علاوہ نقد رقم بھی انھیں پیش کرتے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرماتے کہ رقوم کو اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ میں نے تمہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جو میں تمہیں دے کر سبکدوش ہوگیا۔ (تاریخ بغداد)

صدر الائمہ مکی لکھتے ہیں کہ محدثین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوتا کہ جس کے ساتھ آپ وسیع پیمانے پر عطیہ اور حسن سلوک سے پیش نہ آتے۔ یعنی سب کو اپنے عطیات سے بمقدارِ وافر نواز تے۔ اور اس کو اپنا اولین فریضہ سمجھتے۔ اور یہاں یہ آپ کی فراخ دلی اور فیاضی کی واضح اور صریح علامت ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے دل میں علم اور اہل علم کی کتنی قدر و منزلت تھی اور ان کی کارکردگی سے آپ کتنے خوش اور راضی تھے۔ اور آپ یہی چاہتے اور اسی بات کے خواہاں اور متمنی تھے کہ یہ طبقہ معاشی تگ و دو سے فارغ ہو کر علم دین کا پورے اطمینان اور دلجمعی سے کام کرے۔ (اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی خصوصی جود و عطا سے نوازے)۔ (آمین)

قلت روایت کا بے بنیاد الزام

حضرت امام ابوحنیفہ پر ان کی ہمہ گیر شہرت اور خداداد مقبولیت کی وجہ سے بعض حاسدوں اور کینہ پروروں نے جو بے بنیاد الزام قائم کئے ان میں قلت حدیث کا بھی ایک الزام ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ کے ہاں روایات کم ہیں اور وہ حدیث کے معاملے میں یتیم فی الحدیث کے مستحق ہیں۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے مخالفین نے علامہ ابن خلدون کا ایک ناقص حوالہ پیش کیا لہٰذا اہم ذیل میں علامہ موصوف کا ایک مکمل حوالہ تحریر کرتے ہیں کہ تا کہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ چنانچہ علامہ موصوف مقدمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں کہ ''اس حقیقت کو جان لیجئے کہ آئمہ کرام حدیث کہ فن میں مختلف ہیں کسی نے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں اور کسی نے تھوڑی، چنانچہ امام ابوحنیفہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس صرف سترہ یا اس کے قریب روایات ہیں۔ جو کہ تقریباً ۳۰۰ کے قریب ہیں۔ اور امام احمد کے مسند میں پچاس ہزار کے قریب ہیں ہر امام نے اس میں اپنی اپنی شرائط کے مطابق روایت کیا ہے لیکن بعض شر پسندوں اور کج رو افراد اس جھوٹ پر کمر بستہ ہو گئے کہ ان آئمہ مجتہدین میں سے جن سے کم حدیثیں مروی ہیں محض اس لئے کہ ان کا سرمایہ ہی اس فن میں اتنا تھا لہٰذا ان کی روایات ہی کم ہیں۔ حالانکہ ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت ایسا خیال کرنے کی گنجائش نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ موصوف کی اس عبارت سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ امام صاحب جیسی شخصیت پر قلت حدیث کا اور عدم روایت کا الزام بالکل بے سرو پا ہے جس کی اکابرین امت کے نزدیک کوئی وقعت نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز ہے کسی حدیث کا روایت کرنا اور شرائطِ روایت میں اسے امت میں پھیلانا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا اور دوسری چیز یہ ہے کہ خود حدیث کا علم رکھنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پس اگر روایات کم ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا احادیث کے متعلق علم بھی کم ہے۔ بلکہ بسا اوقات کمی روایات کے باوجود علم حدیث کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ کیونکہ قلت روایت کے کئی دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابرین نے یہی وجہ بیان فرمائی اور اسکی مثال دور صحابہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے دی ہے کہ بہت سے صحابہ کے مقابلے میں ان کی روایات کم ہیں حالانکہ تمام صحابہ میں ان کا علم، فہم اور حدیث نبوی پر اطلاع سب سے زیادہ تھی۔ لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں بزرگ علم حدیث میں فلاں صحابی سے کم تھے۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی روایات کم ہیں۔ روایت کا کم ہونا قلتِ علم کی دلیل نہیں تا کہ حاسدین کا منشا پورا ہو سکے۔ اکابرین امت نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی املائی کتابوں میں ستر ہزار سے زائد حدیثیں موجود ہیں۔ اور خود کتاب الآثار انھوں نے چالیس ہزار حدیثوں سے منتخب کی ہے۔

علامہ ابن خلدون ہی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں اس لئے کم ہیں کہ آپ نے روایت اور اس کے تحمل میں بڑی سخت شرطیں لگائی ہیں۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ ''حدیث یقینی کی روایت جبکہ اس کے معارضہ میں نفسِ فعل واقعہ ہو تو ضعیف ہو جاتی ہے''۔ پس اس بنا پر ان

کی روایت اور حدیث میں قلت واقع ہوئی ہے۔ یہ وجہ نہیں کہ انھوں نے دانستہ روایت حدیث کو ترک کر دیا۔ اس لئے کہ ان کی ذات اس سے بلند و بالا ہے اور علم حدیث میں ان کے بڑے مجتہد ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر اعتبار کیا گیا۔ علامہ موصوف کے اس حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ سخت شرائط کی وجہ سے امام صاحب کی روایات کم ہیں۔ نہ یہ کہ انھیں حدیث کا علم نہیں تھا اور نہ یہ کہ وہ دانستہ حدیث کو چھوڑ دیتے تھے۔ اگر اس طرح کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی محدث اور مجتہد کسی طعن و تشنیع سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ بہت سے بلند پایہ لوگوں نے امام شافعی کو قلیل الحدیث قرار دیا ہے۔ امام ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ ''امام شافعی فقیہ تھے مگر انھیں حدیث کی معرفت نہ تھی۔'' بلکہ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہم ''امام شافعی کی نہ تو حدیث لیتے ہیں اور نہ ان کا ذکر کرنا پسند کرتے ہیں کیا اس قسم کے مہمل اور مجمل حوالوں سے امام شافعی کی شخصیت موردِ الزام اور قابل طعن ہو سکتی ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ ان کی واقعی شان میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ البتہ اس طرح کی باتیں کہنے والے کی خواد اپنی کمزوری۔ اور اپنی ذات کو مشکوک بنانے کا ایک غیر شعوری سامان کرتے ہیں۔

امام صاحب اور آپ کے اصحاب کا اہل رائے میں شمار ہونا

بعض لوگوں نے بعض اکابرین امت پر جبکہ ان میں حضرات حنفیہ بھی ہیں۔ صاحب رائے ہونے کا الزام عائد کیا ہے۔ غالباً اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ کتاب وسنت کے مقابلے میں صرف عقل و قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ اس لئے یہ اچھے لوگ نہیں۔ پس اس لحاظ سے تو ان کہنا یقیناً ٹھیک ہے لیکن ہمارے احناف میں سے کوئی اس بزرگ نہیں نہ امام ابو حنیفہ اور نہ آپ کے اصحاب کہ وہ محض اپنی رائے کو کتاب وسنت اور منقول باتوں پر ترجیح دیتے ہوں۔ بلکہ ان کے اصحاب رائے ہونے کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو مسئلہ کتاب وسنت میں صراحتاً موجود نہ ہو وہ اسے اپنی باریک بینی، دل کی بصیرت اور قیاس واجتہاد سے اسے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح کرنے میں کوئی قباحت اور مخالفت نہیں۔ بلکہ ہر صاحب علم اس طرح کی رائے رکھتا ہے اور کوئی بھی علم و دانش رکھنے والا اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ چنانچہ بہت سے اکابرین امت نے رائے کے یہی معنی لئے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب رائے کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی سمجھ اور رائے سے صحیح کرتے ہیں اور ایسے مقام پر اپنی رائے سے کام لیتے ہیں جہاں پر کوئی حدیث موجود نہ ہو۔ (النہایہ۔ جلد دوم)

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ آئمہ مجتہدین کے دو گروہ ہیں (۱) اصحاب حدیث اور (۲) اصحاب الرائے۔ اصحاب الرائی اہل عراق ہیں۔ جو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں اور ان کے اصحاب الرائی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس معنیٰ کے حاصل کرنے میں خوب سعی کرتے ہیں۔ جو احکام سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اور حوادث کو اس پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ (الملل والنحل، جلد دوم)

عبد اللہ ابن مبارک امام زفر سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (مناقب ابو حنیفہ، ملا علی قاری) یہ امام زفر وہی ہیں کہ جن کے متعلق خود امام ابو حنیفہ سے ارشاد فرمایا کہ زفر میرے تمام شاگردوں میں قیاس کا زیادہ ماہر ہے۔ (لسان المیزان، جلد دوم)۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ حدیث رائے کے استعمال سے ہی درست ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے لئے مدار ہیں رائے ہی سے ان کا ادراک ہو سکتا ہے۔ اور رائے بھی بغیر حدیث کے درست نہیں ہو سکتی۔ (مقدمہ فتح الملہم)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آئمہ تحقیق کے نزدیک رائے استعمال کئے بغیر حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رائے سے معانی کا ادراک

ہوتا ہے جس پر احکام کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین کو رضاعت کی حرمت کی علت کا ادراک نہ ہوا اور یوں کہہ دیا کہ بکری کا دودھ پینے والے دو بچوں کے درمیان رضاعت کا حکم قائم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے صرف رائے پر بھی عمل ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھول سے روزہ میں کھانے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ خود حضور ﷺ نے ایسے شخص سے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے یہ اس شخص سے ارشاد فرمایا تھا جو بھول کر روزہ توڑ بیٹھا۔ (ابوداؤد، بخاری و مسلم)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک جلیل القدر نامور اور مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۸ھ کو یمن کا عامل اور گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو ان سے برائے آزمائش ارشاد فرمایا اے معاذ:

کیف تقضی ان عرض لک قضاء . قال اقضی بکتاب اللہ تعالیٰ . قال فان لم تجد فی کتاب اللہ تعالیٰ . قال فبسنۃ رسول اللہ (ﷺ) قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ (ﷺ) و لا فی کتاب اللہ تعالی . قال اجتھد برأی و لا آلو . فضرب رسول اللہ (ﷺ) صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفّق رسولَ رسولِ اللہ (ﷺ) لما یرضی رسول اللہ (ﷺ)۔

(ابو داؤد جلد ۲، ترمذی جلد ۱، مشکوۃ جلد ۲، دارمی جلد ۱، سنن کبریٰ جلد ۱، البدایہ والنہایہ جلد ۵، مسند طیالسی)

جب تمہارے پاس کوئی جھگڑا آئے (تو کیا کرو گے یعنی اس کا کیسے فیصلہ کرو گے) عرض کی، کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرونگا۔ ارشاد فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ (تو پھر کیا کرو گے) عرض کی سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرونگا۔ ارشاد فرمایا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ (تو پھر کیا کرو گے) عرض کی پھر میں اپنی رائے (اور غور وفکر سے) اجتہاد کرونگا پھر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرونگا اور اس کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ پھر آپ ﷺ نے خوش ہو کر حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا حمد وستائش کے لائق اللہ تعالیٰ ہے کہ جس نے اپنے رسول گرامی کے قاصد کو اس کام کی توفیق بخشی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی اور خوش ہے۔

اس سے مندرجہ ذیل فوائد ونتائج برآمد ہوئے:

الف: شریعت کے مطابق کوئی کام کرنے کے لئے دلائل کی اقسام اور ان کے مراتب ودرجات اور ان کی ترتیب اور تقدیم وتاخیر۔ اور اجتہاد کے لئے رائے اور قیاس کا استعمال اور اس کی نوعیت اور شرعی دلائل میں کتاب وسنت کے بعد اس کا درجہ ثالثہ پر ہونا پس اثبات امر کے لئے اس کی مثبت حیثیت اور درجہ کا از جانب شارع متعین ہونا ثابت ہے۔

ب: حضور ﷺ کا لوگوں کے باہمی جھگڑوں میں دلائل ثلاثہ کو فیصلہ نزاع قرار دینا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے اپنی خوشنودی ورضا مندی کا ظہار فرمانا قیاس واجتہاد کی قوت میں اضافہ کرتا ہے بلکہ اس کو درجہ سوم رکھنے کی بین اور غیر مبہم دلیل ہے لہذا اس سے انکار کرنا ارشاد رسول ﷺ سے انحراف اور انکار کے مترادف ہے پس اس سے باز آنا چاہیے۔

اصحاب الرائے کی تشریح میں ایک حوالہ مزید ملاحظہ فرمالیجئے چنانچہ علامہ ابن الاثیر الجزری الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ النہایہ جلد دوم میں لکھتے ہیں "**المحدثون یسمون اصحاب القیاس ، اصحاب الرأی یعنون انھم یاخذون برأیھم فیما یشکل من الحدیث او ما لم یات فیہ حدیث و لا اثر** ...... الخ یعنی محدثین کرام قیاس کرنے والوں کو 'اصحاب الرائے' کا نام دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ یعنی اصحاب الرائے مشکل اور پیچیدہ حدیث کو اپنی رائے اور غور وفکر سے حل کرتے ہیں تا کہ لوگ آسانی

سے اس کی تہہ تک پہنچ جائیں یا ایسی جگہ وہ اپنی رائے اور قیاس کو استعمال کرتے ہیں کہ جہاں کوئی حدیث اور اثر موجود نہ ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ مے شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید۔ و سائر مذاہب در رنگ حیاض وجداول بنظر درآیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ مے آید کہ سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب نمبر ۵۵) یعنی تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کئے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بطور کشف حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کی طرح ہے۔ اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ (اور دکھائی دیتے ہیں) اور بظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت امام اعظم کی پیروکار ہے۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

فقہ حنفی کی شہرت اور مقبولیت کے اسباب

اہل اسلام پر یہ حقیقت مخفی اور پوشیدہ نہیں کہ ہر دور میں فقہ حنفی جو امام ابوحنیفہ کی سعی اور کاوش کا نتیجہ ہے شہرت یافتہ اور مقبول رہی ہے ہر زمانے میں اعلیٰ وادنیٰ نے اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں جنہیں ہم ذیل میں قارئین کرام کے لئے درج کرتے ہیں:

۱) حضور ﷺ نے علم ناپید اور گمنام ہو جانے کے بعد اہلِ فارس کے ایک مخصوص فرد کے لئے اس کے حصول کی بشارت دی ہے۔ جس کا اولین مصداق امام ابوحنیفہ ہیں۔ بس آپ کی اس پیشن گوئی کی برکت سے ہر دور میں فقہ حنفی کو فروغ حاصل ہوا۔

۲) اس کے اصول وقواعد ہر دور میں نئے نئے پیش آنے والے حالات اور حوادثات پر پورے اترتے ہیں اور آنے والی مشکلات کا حل دستیاب کرتے ہیں۔ اس لئے اسے غضب کی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور یہ کمال کسی دوسری فقہ میں موجود نہیں وجہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فقہ حنفی کو بڑے دریا کی مانند قرار دیا اور دوسرے آئمہ مجتہدین کی فقہ کو نالیوں اور حوضوں کی طرح فرمایا۔ ظاہر ہے کہ بڑے دریا میں وافر مقدار میں ضرورت سے زائد پانی ہوتا ہے جو ہر آنے والے دور میں لوگوں کی کفالت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سابقہ تمام اسلامی حکومتیں بغیر کسی لیں وپیش کے فقہ حنفی کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کی سلطنت میں یہی فقہ حنفی رائج تھی۔ اسی وجہ سے اکابرین حنفیہ کو سلاطینِ زمانہ نے اپنی اپنی سلطنتوں میں قاضی القضاۃ یعنی (چیف جسٹس) کے بلند پایہ منصب پر مقرر کیا وہ بڑی خوش اسلوبی سے اس سلسلے میں لوگوں کی ضروریات پر توجہ دیتے رہے اور لوگ مطمئن ہو کر شریعت کے مطابق پیروی کرتے رہے ہیں۔ بعض الٹی کھوپڑی کے لوگوں نے اس سے اپنی فطرت کے مطابق الٹا نتیجہ نکالا ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ قاضی ابو یوسف اور دیگر اکابرین خلیفہ اسلامی سلطنتوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے اور اسلامی بادشاہوں کا انھیں قرب وجوار نصیب ہوا اس لئے ان کی ترغیب اور اثر ورسوخ کی وجہ سے فقہ حنفی دنیا کے اکثر حصوں پر پھیل گیا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور بنظر اختصار پھر عرض کرتے ہیں کہ چونکہ فقہ حنفی کے قواعد وضوابط ہمہ گیر حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے کلیات پیش آنے والی جزئیات کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہر جزئی کے لئے کسی نہ کسی قاعدہ کلیہ میں مواد موجود ہوتا ہے اس لئے مسلمان بادشاہوں نے اپنی ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی پر عمل کرنے کو اپنی ضرورت سمجھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب فقہ حنفی سے انھوں نے اپنی دلچسپی ظاہر کی تو پھر جو اس کے قواعد وضوابط کے ماہرین اور استاد کل تھے وہی اس قانون کو سمجھانے کے لئے آگے بڑھے اور پھر انہیں بادشاہوں کا قرب حاصل ہو گیا۔

۳) فقہ حنفی کے قواعد وضوابط مجلسِ شوریٰ کے ذریعے طے پائے۔ اور ظاہر ہے کہ اجتماعی کوشش، انفرادی کوشش سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہوتی ہے اور اس میں غلطی کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے اور یہ نکھرے ہوئے صاف اور شفاف قواعد وضوابط تھے جن پر بغیر شک وتردد کے صاحبِ فہم نے عمل کیا۔ امام صاحب نے فیصلہ مسائل کے لئے جو مجلسِ شوریٰ تشکیل دی اس کے اراکین اپنے وقت کے چوٹی کے فقیہ، محدث اور قیاس دان تھے۔ وہ پوری آزادیِ رائے سے مسائل میں مجلسِ شوریٰ میں اراکین سے بحث کرتے چنانچہ مشہور مؤرخ خطیب بغدادی اسحاق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ”جو لوگ امام ابو حنیفہ کے ساتھ مسائل میں تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے یہ کون لوگ تھے ہم ان سے چند کے نام ذکر کرتے ہیں، امام ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمر عافیہ، قاسم بن معین، علی بن مسیر، مندل بن علی، حبان بن علی وغیرہ تھے۔“ اور نوعیت یہ ہوتی کہ جب کسی مسئلہ میں بحث ومباحثہ شروع ہوتا اگر عافیہ ان میں شریک نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ”عافیہ کے آنے تک اس مسئلہ میں بحث ختم نہ کرو۔“ پھر جب عافیہ آجاتے اور وہ باقی اراکین مجلس سے اتفاق کر لیتے پھر امام صاحب فرماتے کہ اب اس مسئلہ کو قلمبند کر دو۔ لیکن اگر عافیہ اتفاق نہ کرتے تو پھر آپ فرماتے کہ اس مسئلہ کو نہ لکھو۔ (تاریخ بغداد جلد دوم صفحہ ۱۲)

صدر الائمہ لکھتے ہیں ”امام ابو حنیفہ نے اپنا مذہب لوگوں میں مجلسِ شوریٰ کے طریقے پر پھیلایا تھا۔ اور اپنے اصحاب کے بغیر وہ اپنی رائے پر اڑے نہ رہتے۔ اور یہ سب کچھ موصوف نے دین میں احتیاط، اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے حق میں کیا تھا۔“ چنانچہ آپ اپنے اصحاب کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے اور ان کی رائے سنتے خود اپنا نظریہ بیان فرماتے، ایک ایک مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک مسائل میں مناظرہ، بحث ہوتی رہتی۔ یہاں تک کہ جب ایک مسئلہ پر سب کی رائے متفق ہو جاتی۔ پھر اس کے بعد امام ابو یوسف اس کو اصول میں درج کر دیتے۔ چنانچہ سب اصول انھوں نے اسی قاعدے کے مطابق زیرِ تحریر لائے ہیں۔ اگر امام ابو یوسف کسی وجہ سے امام ابو حنیفہ کی رائے، بغیر تحقیق اور چھان بین درج کر دیتے تو امام ابو حنیفہ انھیں تنبیہ فرماتے اور ارشاد فرماتے جو کچھ مجھ سے تم نے سنتے ہوا سے مت لکھا کرو۔ اس لئے کہ اگر آج میری ایک رائے ہے تو کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ اور کل کی رائے پرسوں ترک ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنی رائے کے قلمبند ہونے کو اس وقت تک پسند نہیں کرتے تھے جب تک خود بھی اس پر اچھی طرح غور وفکر نہ کر لیتے تھے اور مجلسِ شوریٰ میں بھی اس کی خوبی یا خرابی ظاہر نہ ہو جاتی۔ مگر افسوس کے بعض غیر مقلدین نے اس کو امام صاحب کی بے ثباتی اور تلوّن مزاجی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے راہ رو لوگوں کو رائے ہدایت دکھائے۔

امام صاحب کی حق گوئی اور حکومتِ وقت کا ظالمانہ سلوک اور آپ کی مظلومانہ حال میں وفات

امام اعظم کو ہر دور میں غیر معمولی شہرت اور کمال درجے کی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ آپ نے دو دور دیکھے۔ بنی امیہ کا دور اور پھر عباسیوں کا زمانہ۔ ہر بادشاہ کی یہ خواہش رہی کہ امام ابو حنیفہ اس کے دربار میں آئیں اور اس سے کسی عطیے کا سوال کریں۔ اور ان کے آگے دستِ سوال پھیلائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقبول بندے کو سرورِ کائنات کے بھرپور برکات کی بدولت اہلِ دنیا کے درباروں میں جانے اور ان کے دروازوں پر دستک دینے سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ اس کی اصل وجہ تو آپ کی بے نیازی اور استغناء تھا۔ جو خدا کے خصوصی بندوں میں ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ کسی دربار میں جانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ چنانچہ ہر دور کی تاریخ اٹھا کر ملاحظہ فرمالیں یہی مشترک وصف تقریباً سب اکابرینِ امت میں آپ کو جا بجا نظر آئے گا۔ اموی دور میں مروان بن محمد

کے عہد حکومت میں عراق کا ظالم اور جابر گورنر یزید بن عمرو نے اپنے اقتدار کو زیادہ مضبوط کرنے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے امام ابوحنیفہ کو عہدہ قضاء کی پیش کش کی، اور یہ صرف قضا نہ تھی بلکہ قاضی القضاۃ کا عہدہ تھا جو کہ وزیر خزانہ اور وزیر مالیات کے عہدے ایک ہی شخص کے حوالے کردئے جاتے تھے کہ جو قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوتا۔ چنانچہ یہ سب کچھ امام صاحب کے روبرو پیش کیا گیا مگر امام موصوف نے ان عہدوں کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ساتھیوں اور خیر خواہوں کے پوچھنے پر ارشاد فرمایا کہ میں کیسے اس کے کہنے پر یہ عہدہ قبول کرلوں اور اس منصب پر فائز ہو جاؤں جبکہ وہ کسی بے گناہ کو مارنے کا حکم دے اور میں اس کی تصدیق کروں۔ قسم بخدا میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔ میں ابن ھبیرہ کی دنیاوی سزا تو برداشت کر سکتا ہوں اور اس کا برداشت کرنا بنسبت اخروی سزا کے بہت آسان ہے، خدا کی قسم میں یہ عہدہ ہرگز قبول نہیں کرونگا اگر چہ وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے۔ اس کے بعد بہت سے ممتاز آئمہ کرام جن میں ابن ابی لیلٰی بھی شامل تھے وفد کی صورت میں آپ سے ملے اور اس بارے میں خصوصی طور پر آپ کو سمجھایا گیا تا کہ آپ کی جان بچ سکے۔ مگر آپ نے وہی جرأت وہمت سے جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ جب موصوف نے حکومت وقت کی پیش کش کو ٹھکرایا۔ تو ظالم گورنر غیظ وغضب کی آگ سے بھڑک اٹھا اور اس نے امام موصوف کو ایک سو دس کوڑے مانے کا حکم دے دیا۔ کہ ہر روز دس کوڑے لگائے جائیں اور آپ کو جیل خانے بھیج دیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ یا میرا حکم مانیں ورنہ کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ چنانچہ اس ذلیل کے حکم سے ہر روز آپ کے جسم پر دس کوڑے برسائے جاتے۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ آپ کو مجموعی طور پر ایک سو بیس کوڑے سزا دی گئی اور بارہ دن تک روزانہ دس کوڑے لگائے جاتے رہے اور سزا دینے کے وقت آپ کو جیل خانہ سے باہر لایا جاتا پھر منادی کرائی جاتی اور جب سب لوگ جمع ہوجاتے تو ان کے سامنے آپ کو کوڑے لگائے جاتے اور آپ کو بازاروں میں پھرایا جاتا۔ داستانِ امام کی مظلومانہ حالت کی یہ سطور لکھتے وقت کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دل پارہ پارہ ہو رہا ہے ہاتھ قلم کو تھام نہیں سکتا مگر بحالت مجبوری یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں کہ اتنی تکلیف اور ظلم وستم برداشت کرنے کے باوجود امام عالی مقام نے ظالم کے ساتھ اس کے ظلم میں شرکت برداشت نہ کی اور برسرِ عام کلمہ حق کا اعلان کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: افضل الجهاد كلمة حق عند سلطنٍ جابرٍ یعنی سب سے بڑا اور عمدہ قتال کسی جابر وظالم حکمران کے سامنے سچی بات کہہ دینا۔ اور اس میں کوئی باک اور جھجک بالکل نہ محسوس کرنا۔

عہد عباسی

جب بنی امیہ کا دور ختم ہوا اور عباسیوں کے زمانے کا آغاز ہوا تو عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور المتوفی ۱۵۸ھ کا زمانہ شروع ہوا تو اس نے بھی امام ابوحنیفہ کو منصب قضاء قبول کرنے کی دعوت دی۔ لیکن جب آپ نے نہ مانا تو اس نے طیش میں آکر انھیں قید کر دیا۔ اور یہ عہدہ بھی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ تھا۔ کہ تمام بلادِ اسلامیہ اس کے ماتحت ہونگے۔ چنانچہ محدث ملا علی قاری لکھتے ہیں جب خلیفہ منصور نے آپ کے سامنے منصب قضاء پیش کیا اور امام نے اس سے انکار کر دیا تو اس نے بھی غضب میں آکر آپ کو تیس کوڑے سزا دیتے کا فیصلہ کیا پھر کوڑے لگوائے گئے تو خون ان کے جسم سے بہہ کر ان ایڑیوں میں بہتا رہا۔ (ذیل الجواہر جلد دوم)

چنانچہ اس کی وجہ امام موفق الدین لکھتے ہیں:

لمّا ضرب المنصور ابا حنيفة (رضی الله عنه) ثلاثين سوطاً على انكاره القضاء بعد ما جرّد عن ثيابه حتى سال الدم على عقيبه ...... الخ (مناقب صدر الآئمہ جلد اول)

یعنی خلیفہ منصور نے جب امام ابوحنیفہ کو کوڑے مارنے کا حکم دیا تو امام موصوف کے کپڑے اتار کر ان کے ننگے بدن پر کوڑے برسائے گئے پس اس وجہ سے خون ان کے جسم سے نکل کر ان کی ایڑیوں میں بہتا رہا۔

دعوت غور وفکر

اس سفاکی اور بے باکی کی بھی کوئی مثال ہوسکتی ہے کہ امام موصوف کو بلا وجہ یہ ظالمانہ سزا دی گئی ان کے علم وعمل اور دین کی نشر و اشاعت اور اسلامی دنیا میں ان کا اتنا بڑا بلند پایہ مقام کہ کوئی پرواہ نہ کی گئی محض اس لئے کہ وہ ظالم کے ساتھ اس کے ظلم میں تعاون اور اشتراک نہیں کرنا چاہتے تھے۔لیکن یہ خیال نہ کیا کہ مظلوم امام پر یہ ظلم وستم کی گھڑیاں تو گزر جائینگی لیکن ظالم کے ظالمانہ سلوک کی داستان ہمیشہ اوراق تاریخ میں ثبت ہو جائے گی۔الغرض خلیفہ منصور نے آپ کو چار سال تک جیل خانے میں رکھا۔کھانے پینے اور قید و بند میں انتہائی سختی کی گئی اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جیل خانے میں زبردستی زہر پلایا گیا اور پھر اسی حالت میں انھیں سولی پر لٹکا کر مارا پیٹا گیا تا کہ آسانی سے زہر ان کے جسم میں سرائیت کر جائے۔امام موصوف نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سجدے میں گر گئے اور اسی حالت میں ان کی روح فانی جسم سے پرواز کر گئی اور آخر انھوں نے اپنی جان پروردگار عالم کے سپرد کر دی۔ان کے دسال کے بعد جیل خانہ کی انتظامیہ نے باہر والے لوگوں کو یہ یقین دلانے کی ناکام کوشش کی کہ حضرت امام کی موت طبعی ہے۔بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام صاحب کی لاعلمی میں ایسا ہوا انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ جام ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ زہر آلود ہے۔لیکن اصحاب بصیرت اور صاحبان علم ودانش سے پوشیدہ نہیں کہ امام موصوف ان کے سارے اس عمل سے قبل از وقوع آگاہ تھے۔چنانچہ امام ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ جب موصوف کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا کہ وہ اسے نوش کرلیں تو امام صاحب نے انکار کر دیا۔اور فرمایا کہ جو کچھ اس کے اندر ڈالا گیا مجھے اس کا بخوبی علم ہے میں اسے پی کر خودکشی نہیں کرنا چاہتا چنانچہ انھیں زمین پر چت لٹا کر زبردستی زہر پلایا گیا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔(الخیرات الحسان)

اسی طرح امام صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ جب امام موصوف کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا اور بار بار انھیں پینے کے لئے کہا گیا تو موصوف نے ارشاد فرمایا کہ میں اسے نہیں پیتا مجھے علم ہے جو کچھ اس میں ڈالا گیا ہے لہذا میں خودکشی نہیں کرنا چاہتا چنانچہ انھیں لٹا کر زبردستی ان کے منہ میں زہر انڈیل دیا گیا۔تا کہ جلدی ان کی موت واقع ہو جائے۔پھر سرعت تاثیر کے لئے اوپر کوڑے مارے تا کہ زہر جلدی جسم میں پھیل کر اپنا کام سرعت سے انجام دے۔

موصوف جب سمجھ گئے کہ شہادت کا وقت سر پر آپہنچا ہے تو فوراً سربسجود ہو کر اسی حالت سجدہ میں اپنی جان "جاں آفریں" کے سپرد کر دی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کے پہلو میں ابدی زندگی سو گئے۔اور اپنے مالک حقیقی کی سچی بارگاہ بے کس پناہ میں پہنچ گئے۔

فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مقتدرٍ

اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا الیہ راجعون

وفات

اس ظالمانہ اور بہیمانہ سلوک سے امام اعظم کی ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی۔پہلی مرتبہ تقریباً پچاس ہزار افراد نے ان کی نماز جنازہ پڑھی لیکن آنے والے بدستور آتے رہے چنانچہ چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور دفن کرنے کے بعد بیس دن تک لوگوں نے ان کی نماز جنازہ

پڑھی۔(مناقب موفق جلد دوم۔مناقب کردری جلد دوم، سیرت النعمان وغیرہ) یہ امام عالی مقام کا عوام وخواص اعزاز واکرام تھا کہ جس کی نظیر نہیں پائی جاتی ہے۔تمام اہل اسلام خصوصا ہم سب کی طرف سے امام عالی مقام پر رب العزت کی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں کہ انھوں نے حق کی خاطر استقلال واستقامت سے اپنی جان کا نذرانہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔لیکن حق سے ایک بال بھر بھی پیچھے نہیں ہٹے۔اللہ تعالیٰ تمام اہل حق پر اپنا رحم وکرم فرمائے۔اور انھیں صبر واستقامت کے صلہ میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

نوٹ: خلیفہ منصور نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کو ۱۴۶ھ میں قید کیا۔اور یہ سب کچھ مصنوعی نمائشی اقتدار کے لئے کیا گیا اور امام موصوف کو حکومت کے خلاف سمجھ کر قید وبند اور کوڑوں کی سزا دی گئی اور عہدہ قضا کو مخالفت اور موافقت جاننے کے لئے ایک ذریعہ اور بہانہ بنایا گیا چنانچہ بعض سیرت نگار حضرات نے یہی لکھا ہے۔اور کہا ہے کہ صرف قضاء کے انکار پر اتنی سخت سزا دینا قرین قیاس نہیں لہذا اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھیں امام اپنی حکومت کے خلاف نظر آئے اور خطرہ محسوس ہوا کہ کسی وقت بھی امام صاحب اشارے سے کایا پلٹ سکتے ہیں اور ہوا کا رُخ بدل سکتا ہے اور ہمیں ذلت اور رسوائی پیش آسکتی ہے۔لہذا اس کانٹے کو راہ سے ہٹانا چاہتے تاکہ ہم اس کی چبھن اور اذیت سے بےفکر ہو جائیں اس لئے دونوں عہدوں میں (عہد بنی امیہ وعہد عباسی) ظالمانہ غیر منصفانہ سلوک نے ایک فرشتہ سیرت کو علم وعمل اور امتِ مسلمہ کے روشن چراغ کو گل کر دیا اور امت ہمیشہ ہر نوع اندھیروں میں پڑی رہ گئی کیونکہ روشنی کا چراغ بجھ گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ و اِنَّا اِلَیہِ راجعون

امام کا حلیہ اور سیرت وصورت

آئمہ تاریخ نے امام صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صورت وسیرت دونوں کے حسن سے نوازا تھا۔آپ کا قد درمیانہ اور موزوں اندام تھے۔گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔کتنا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کرتے تھے۔اکثر اوقات اچھے سے اچھا لباس پہنتے،بعض شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کو ایسی قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جو کم از کم چار سو درہم کی ہوگی۔آپ جو چادر اوڑھتے تقریباً تیس دینار سے کم کی نہ ہوتی۔

کبھی کبھی درباری ٹوپی بھی سر پر رکھ لیا کرتے،بادشاہوں اور امیروں سے وظیفہ لینے کو پسند نہیں کرتے تھے،مزاج میں بےحد آزادی اور بےنیازی تھی۔چنانچہ کوفہ کے مشہور ومعروف گورنر ابن ھبیرہ نے بڑی منت سے عرض کی کہ آپ کبھی کبھی میرے ہاں تشریف لایا کریں تو بندہ پر آپ کا احسان ہوگا۔تو امام موصوف نے بڑی بےنیازی سے اسے جواب دیا کہ میں تم سے مل کر کیا کرونگا۔اگر نرمی سے پیش آؤ گے تو خطرہ ہے کہ کہیں تمہارے جال میں نہ پھنس جاؤں اور غصے اور عتاب کروگے تو اس میں میری ذلت ہے۔تمہارے پاس جو مال و دولت ہے اس کی مجھے ضرورت نہیں اور جو کچھ میرے پاس ہے اسے مجھ سے کوئی چھین سکتا نہیں۔

بےغرض حق گوئی

خلیفہ منصور اور اس کی بیگم میں کچھ تھوڑا سا اختلاف ہو گیا بیگم کو یہ شکایت تھی کہ خلیفہ عادل نہیں۔خلیفہ نے کہا کہ تم کسی کو منصف مقرر کر

لو۔ تا کہ میرے اور تمہارے درمیان وہ عدل وانصاف کی بنیادوں پر فیصلہ کردے۔ بیگم نے امام ابوحنیفہ کا نام لیا چنانچہ امام صاحب کو فوراً طلب کیا گیا بیگم پس پردہ قریب بیٹھی تا کہ کانوں سے خود فیصلہ سنے۔ خلیفہ نے خود گفتگو کا اس طرح آغاز کیا کہ مرد کتنی شادیاں کرسکتا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا چار۔ خلیفہ نے بیگم سے کہا کیا سنتی ہو۔ جواب آیا کہ ہاں میں سنتی ہوں۔ پھر امام صاحب نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا یہ چار کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جو عدل وانصاف پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "وَ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً " ۔یعنی اگر تم بیویوں سے انصاف نہ کرسکو تو پھر ایک سے ہی نکاح کرو۔ خلیفہ وقت اس پر خاموش ہو گیا جب امام صاحب واپس گھر تشریف لائے تو بیگم کی طرف سے پچاس ہزار درہم کا تحفہ لایا گیا اور بیگم کی طرف سے خادمہ نے آپ کا شکر ادا کیا۔ اور آپ کی حق گوئی کی داد دی۔ امام صاحب نے نذرانہ واپس کر دیا اور خادمہ سے ارشاد فرمایا کہ بیگم صاحبہ سے واپس جا کر کہنا میں نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی غرض کے لئے نہ تھا بلکہ اپنا فرض پورا کیا۔

کاروبار وتجارت

آئمہ تاریخ نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کا کاروبار وتجارت نہایت وسیع پیمانے پر تھا۔ لاکھوں درہم ودینار کا لین دین ہوتا تھا۔ دور دراز تک آپ کے گماشتے فروغ تجارت کے لئے مقرر تھے۔ بڑے بڑے تاجروں سے واسطہ پڑتا تھا اور اس ساری دولت سے آپ ضرورت مندوں، حاجتمندوں کو بروقت دیا کرتے تھے اور اکثر نادار لوگوں کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ جو ضرورت ومجبوری کی بنا پر بروقت انھیں دیئے جاتے۔ امام صاحب صاحب کہیں جارہے تھے کہ ایک آدمی نے دیکھا تو کترا کر دوسری جانب جانے لگا آپ نے اسے بلایا اور وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے دس ہزار درہم آپ سے قرض لئے ہیں اور وہ ابھی تک ادا نہیں کرسکا۔ آپ نے وہ سارا قرض معاف کردیا۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سیرت امام میں موجود ہیں۔ اس سے آپ کی فراخ دلی اور فیاضی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حلم وبردبار

امام صاحب بڑے بردبار اور حلیم الطبع، متواضع اور خوش اخلاق حضرات میں سے تھے۔ اپنے شاگردوں اور ارادتمندوں سے بڑی فراخدلی سے پیش آتے۔ اگر ان میں کوئی ضرورت مند ہوتا تو اس کی حاجت پوری کرتے اور مفلس طلباء کے وظائف مقرر کرتے تا کہ وہ فراغت سے علم دین حاصل کرسکے۔ چنانچہ قاضی امام ابو یوسف اسی طبقہ کے ایک فرد تھے کہ امام صاحب کی نصرت اور اعانت سے مقام کمال تک پہنچے۔ اور ابوحنیفہ ثانی کہلانے کے مستحق بنے۔ آپ میں بے حد قوت برداشت تھی۔ ایک اجنبی نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا جب آپ نے جواب دیا تو وہ کہنے لگا کہ امام حسن بصری نے اس کے خلاف ارشاد فرمایا ہے۔ امام موصوف نے فرمایا کہ مسئلہ یہی ہے حسن سے غلطی ہوئی ہے۔ اس پر ان کا ایک مقلد طیش میں آگیا اور امام موصوف کو غلیظ گالی دی اور کہا کہ تو حسن بصری کو غلط کہتا ہے تمام اہل مجلس طیش میں آگئے اور انھیں امام صاحب نے مارنے پیٹنے سے منع کیا۔ جب مجلس کا جوش ذرا کم ہوا تو امام صاحب نے پھر یہی جملہ دہرایا کہ مسئلہ یہی ہے حسن بصری سے غلطی واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس بارے میں جو روایت نقل فرمائی ہے وہ صحیح ہے۔

امام صاحب کسی کی غلط کاری اور بیہودہ گفتگو کا قطعاً جواب نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایک آدمی نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے گستاخانہ لہجہ اختیار کیا اور پھر وہ اتنا آگے بڑھ گیا کہ اس نے امام موصوف کو زندیق کہہ دیا۔ امام نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے۔ جو کچھ تو نے میری نسبت کہا ہے وہ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی شخص پر لعنت نہیں کی نہ اس سے

بدلہ لیا۔ اور کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا۔ اور نہ کسی ست فریب ودھوکہ کیا۔ ایک شخص نے امام سفیان ثوری کے متعلق آپ سے آکر کہا کہ وہ آپ کو برا کہتے ہیں۔ ان دنوں دونوں کے درمیان کچھ معمولی سی تلخی تھی۔ امام موصوف نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کی مغفرت کرے۔ اگر ابراہیم نخعی کی زندگی میں بھی سفیان ثوری دنیا سے رخصت ہو جاتے تو مسلمانوں کو ان کے مرنے کا افسوس ہوتا۔ ایک دفعہ ایک مسئلہ بتانے پر ایک نوعمر لڑکے نے آپ سے کہہ دیا کہ تم نے مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کی اس نے یہ اسوقت کہا تھا کہ جب آپ حلقہ درس میں تشریف فرما تھے اہل مجلس میں سے ایک عالم نے اٹھ کر لوگوں کو ملامت کی کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایک لونڈا اتنے بڑے امام کی غلطی نکال رہا ہے امام صاحب نے اس عالم سے فرمایا کہ ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں میں یہاں اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادی سے میری غلطیاں بیان کریں تا کہ میں ان کی اصلاح کروں۔

پڑوسیوں سے ہمدردی

کہتے ہیں کہ آپ کے محلے میں ایک کفش دوز رہتا تھا۔ جو بڑا رنگین اور خوش مزاج آدمی تھا پورا دن محنت مزدوری اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب خرید لاتا جب اس کے دوست احباب جمع ہوتے تو شراب وکباب کا دور چلتا۔ پھر وہ نشے کی حالت میں ایک شعر پڑھتا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہائے لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور وہ سمجھے نہیں کہ کتنے بڑے شخص کو ضائع کر دیا جو جنگ اور رخنہ بندی کے وقت ان کے کام آتا۔ امام صاحب رات بھر ذکر وشکر میں مشغول ہوتے اس کے گانے بجانے کی وجہ سے اگرچہ آپ کو تکلیف ہوتی لیکن حسنِ اخلاق کی وجہ سے اسے کچھ نہ کہتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی وجہ سے وہ غریب موچی گرفتار ہو گیا امام موصوف نے اپنے دوست احباب سے صبح ذکر فرمایا کہ آج رات ہمارے پڑوسی کی آواز نہیں آئی۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ کل گرفتار کر لیا گیا ہے۔ امام صاحب اسی وقت درباری لباس پہن کر سواری پر سوار ہو کر دربار میں پہنچے یہ عباسی دور تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ خلیفہ منصور کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا اور خلیفہ کا برادرزادہ تھا۔ عقل ودانش میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ امام ابوحنیفہ آپ سے ملنے تشریف لا رہے ہیں تو اس نے تمام درباریوں کو حکم دیا کہ انھیں دربار تک سوار لائیں۔ جب آپ تشریف لائے تو اطمینان سے آپ کو بٹھایا گیا۔ اور پوچھا گیا کہ آپ نے کس مقصد کے لئے تکلیف کی۔ اطلاع کرتے تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے محلے میں ایک غریب شخص کو کوتوال شہر نے گرفتار کر لیا ہے۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ اسے رہا کیا جائے۔ امام صاحب کی درخواست پر اسے فوراً رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد جب وہ آپ کی معیت میں چلا تو امام موصوف نے اس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہیں ضائع نہیں کیا۔ یہ اس کے شعر کی طرف اشارہ تھا۔ اس نے عرض کی کہ آپ نے ہمسایہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ پھر اس نے اس کے بعد عیش پرستی اور بیباک آزادی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں آکر بیٹھنے لگا۔ قدرت کا کمال دیکھئے کہ آہستہ آہستہ علم فقہ میں بڑی مہارت حاصل ہو گئی اور فقیہ کے لقب سے مشہور ہو گیا۔

طبیعت میں نرمی اور رقت

امام صاحب کے مزاج میں بڑی رقت تھی۔ اگر کسی کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھتے تو کانپ اٹھتے اور ایک دم بیتاب ہو جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ فلاں شخص مکان سے گر پڑا ہے۔ امام صاحب ایک دم بے قرار ہو گئے اور بڑے زور سے چیخ مارتے ہوئے حلقہ درس کو چھوڑتے ہوئے پابرہنہ اس شخص کے گھر کی طرف دوڑے، وہاں پہنچ کر اس

شخص سے بڑی ہمدردی اور غمخواری کی۔ اس کے صحت یاب ہونے تک ہر روز صبح اسے جا کر دیکھتے اور تیمارداری کرتے۔ لیکن اگر خود امام صاحب کسی مصیبت اور تکلیف میں گرفتار ہو جاتے تو بڑی استقامت اور استقلال سے اسے برداشت کرتے۔ آپ بہت کم گو تھے۔ کسی فضول بات یا معاملے میں بالکل دخل نہ دیتے شاگرد آپس میں آزادی رائے سے بحث مباحثہ کرتے رہتے۔ لیکن آپ بالکل خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن جب بات حد سے بڑھ جاتی اور کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا تو آخر میں کوئی فیصلہ کن ارشاد فرما دیتے۔ جس سے سب کی تسلی ہو جاتی۔

زبان کی حفاظت

کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے میری زبان کو غیبت کرنے سے محفوظ رکھا ہے اور فرمایا کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرم فرما دے۔ خدا کے نام کی قسم کھانے کو بالکل پسند نہ کرتے۔ ایک دفعہ بھول کر کسی موقع پر قسم کھا بیٹھے اور آئندہ کے لئے عہد کر لیا اب ایک درہم کفارہ ادا کرنے کے بجائے ایک دینار دونگا۔

ذکر و عبادت

نماز اور دیگر اذکار میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے اگر نماز میں اگر امام نے کوئی رقت آمیز آیت پڑھی تو آپ پر ایسی رقت طاری ہو جاتی کہ کانپنے لگتے۔ خود تلاوت قرآن مجید کے وقت گھنٹوں رویا کرتے۔ فرمایا کرتے کہ اگر علم چھپانا گناہ نہ ہوتا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔ اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا اور فوری طور پر جواب سمجھ میں نہ آتا تو دل میں خیال کرتے کہ غالباً کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ پھر فوراً وضو کر کے نماز پڑھتے اور توبہ و استغفار کرتے۔ فضیل بن عیاض، جو آپ کے مشہور و ممتاز شاگرد ہوئے ہیں اور صوفیائے کرام میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں ان سے کسی نے امام موصوف کی حکایات بیان کی تو وہ بہت روئے اور فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے اس لئے انھیں یہ خیال آتا۔ ورنہ جو لوگ گناہوں میں شب و روز آلودہ رہتے ہیں ان پر سینکڑوں مصیبتیں اور آفتیں آئیں تو انھیں کبھی یہ خیال نہیں آیا۔

معمولات

امام صاحب شب و روز دینی کاموں میں مصروف رہتے۔ اور کچھ تھوڑا سا وقت بھی فارغ نہ بیٹھتے۔ نماز فجر پڑھنے کے بعد بھی درس دیتے لوگ دور دور سے آکر مسائل پوچھتے ان کے مسائل کے جواب پوچھتے۔ تدوین فقہ کی مجلس کا اہتمام ہوتا بڑے بڑے نامور اور گرامی قدر شاگردوں کی مجلس قائم ہوتی۔ جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہو جاتے وہ زیر تحریر لائے جاتے۔ نماز ظہر پڑھ کر گھر تشریف لاتے۔ گرمیوں میں نماز ظہر کے بعد آرام فرماتے نماز عصر کے بعد پھر درس و تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا اور کچھ وقت دوست احباب سے ملنے ملانے پر صرف کرتے۔ بیماروں کی بیمار پرسی کرتے۔ ماتم پرسی کرتے غریب اور نادار لوگوں کی خبر گیری کرتے۔ نماز مغرب کے بعد پھر درس و تدریس کا سلسلہ عشاء تک رہتا۔ جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پوری رات نہ سوتے موسم سرما میں نماز مغرب کے بعد ہی میں کچھ دیر آرام فرماتے۔ پھر تقریباً دس بجے اٹھ کر نماز عشاء پڑھتے۔ پھر بقیہ رات نماز تہجد اور درود شریف پڑھنے میں گزار دیتے۔ کبھی کبھی یہ سارے کام دکان پر بیٹھے انجام دیتے یہ تھے آپ کی زندگی کے مختصر معمولات۔

امام صاحب کے چند مناظرے

مسئلہ رفع یدین

مسئلہ رفع یدین پر امام اوزاعی سے مناظرہ۔ امام ابوحنیفہ نے علم کلام کی طرز پر فہم دین کے لئے دینی معاملات میں قدم رکھا۔ اس لئے آپ کا طرز استدلال نرالا اور انوکھا اور دقیق ہوا کرتا تھا، آپ کو اہل علم سے گفتگو کرنے کے بہت سے مواقع پیش آئے اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاندار کامیابی سے نوازا۔ چنانچہ اسی سلسلے کا ایک مناظرہ امام شام، جناب اوزاعی سے پیش آیا۔ جو ایک فقہی مذہب کے مستقل بانی تھے۔ جب مکہ مکرمہ میں امام صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: عراق والو! بڑا تعجب ہے کہ تم رکوع میں جاتے وقت اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ اس باب میں صحیح حدیث موجود ہے جو میں نے خود امام زہری سے سنی۔ زہری سے سالم بن عبداللہ اور انھوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا کہ حضور ﷺ اس موقع پر رفع یدین کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے جواب میں ایک دوسری صحیح حدیث اس سند سے پیش فرمائی کہ جس کی سلسلہ سند میں یہ رواۃ ہیں: (۱) حماد۔ (۲) ابراھیم نخعی۔ (۳) علقمہ بن قیس۔ (۴) عبداللہ بن مسعود۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور ﷺ ان موقعوں پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعی فرمانے لگے کہ تعجب ہے کہ میں ایک صحیح روایت پیش کرتا ہوں تو آپ اس کے مقابلے میں دوسری صحیح روایت پیش کرتے ہیں یہ تو کوئی مسئلہ مذکورہ کا حل نہیں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ میری حدیث کا سلسلہ سند آپ کی حدیث کے سلسلہ سند سے اعلیٰ و برتر ہے اور یہ ظاہر کہ ہے اس میں عبداللہ بن مسعود موجود ہیں کہ جن کا رتبہ اور شان اپنے بیگانے جانتے ہیں۔ لہذا میری بیان کردہ روایت آپ کی روایت پر فوقیت رکھتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نماز میں رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

نوٹ

حضرت عبداللہ بن مسعود کو آنحضرت ﷺ سے دینی معاملات میں تین سندیں حاصل تھیں۔ گویا حضور ﷺ نے آپ کو تین سندوں سے نوازا تھا۔ گویا یہ خود حضور پاک ﷺ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ تمام صحابہ کا علم چھ صحابیوں میں منحصر ہو گیا اور چھ کا علم صرف دو میں سمٹ گیا ان دو میں سے ایک جناب علی ہیں اور دوسرے عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ چونکہ عبداللہ بن مسعود کی عمر پوری تھی تو آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے پہلی صف میں کھڑے ہوتے۔ اور عبداللہ بن عمر چھوٹے تھے لہذا وہ پیچھے کھڑے ہوتے اور ظاہر ہے کہ جو پہلی صف میں کھڑا ہوتا ہے اسے نماز کے متعلق جو معلومات ہو سکتی ہیں وہ پچھلی صف والے کو کیسے معلوم ہو سکتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پس امام صاحب امام اوزاعی کے سامنے اپنا استدلال پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ رفع یدین تحقیقی طور پر ثابت نہیں۔ لہذا رفع یدین در مواقع مذکورہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہی سنت ہے۔ امام اوزاعی یہ جواب سن کو خاموش ہو گئے اور سلسلہ گفتگو یہیں آ کر ختم ہو گیا۔

قرأت خلف الامام پر مناظرہ

ایک دفعہ بہت سے اہل علم امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ہم آپ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے

نہ کرنے پر مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف نے ارشاد فرمایا ''تم بہت سے آدمی ہو میں ایک ہوں میں بیک وقت تم سب کو جواب نہیں دے سکتا لہذا تم اس طرح کرو کہ اپنے میں سے کسی بڑے عالم کو نمائندہ منتخب کرلو۔ اس کی ہار جیت تم سب کی ہار جیت ہوگی۔ جو تم سب کی طرف سے میرے ساتھ گفتگو کرے۔ انھوں نے یہ شرط منظور کرتے ہوئے اپنے میں سے ایک آدمی کو نمائندہ منتخب کرلیا۔ پھر امام صاحب سے کہنے لگے کہ اب گفتگو کا آغاز کریں۔ امام نے صاحب نے فرمایا کہ اب بحث کا خاتمہ ہوگیا ہے جس طرح تم نے بحث کے لئے نمائندہ چن لیا اسی طرح ہم بھی نماز میں اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں اس کا پڑھنا قرأت کرنا ہم سب کا پڑھنا اور قرأت کرنا ہوتا ہے۔ بعض نے اس پر سوال کیا کہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے امام صاحب نے اسے عقلی طور پر کیسے طے کرلیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے مسئلہ مذکورہ کو صرف عقلی طور پر طے نہیں کیا بلکہ اس ضمن میں ایک مستقل صحیح حدیث موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: '' من صَلّٰی خلف الامام فقراء ۃ الامام قراء ۃ لہ '' ۔ یعنی جو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت خود اس کی قرأت ہے۔

حضرت قتادہ بصری سے مناظرہ

ایک دفعہ قتادہ تابعی جو بصرہ کے رہنے والے تھے کوفہ میں آئے اور آکر یہ دعویٰ کیا کہ جو مسئلہ بھی کوئی شخص مجھ سے پوچھنا چاہے پوچھ سکتا ہے۔ میں ضرور اسے جواب دونگا۔ حسنِ اتفاق سے امام ابوحنیفہ وہاں موجود تھے۔ آپ نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ ایک آدمی سفر میں گیا تقریباً دو سال کے بعد اس کے مرنے کی اطلاع آئی۔ اس کی اہلیہ نے دوسرا نکاح کرلیا اس سے اولاد ہوئی۔ پھر کچھ دنوں بعد پہلا شخص واپس آیا اور اس نے اولاد دیکھ کر اس سے انکار کیا کہ یہ میری اولاد نہیں۔ البتہ دوسرا شخص دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میری اولاد ہے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ دونوں شخص اولاد پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو اولاد کا انکار کرتا ہے؟ قتادہ نے کہا یہ صورت کبھی پیش آئی ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ نہیں۔ لیکن علماء کو وقت سے پہلے تیار رہنا چاہئے تا کہ وقت پر تردد نہ ہو۔

چنانچہ قتادہ اس مسئلہ سے کترا گئے اور یہ دعویٰ کیا کہ تفسیر میں سے مجھ سے کچھ پوچھو۔ فقہی مسائل کو رہنے دو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو ملکہ بلقیس کو میرے پاس پہنچنے سے پہلے اس کا تخت لادے۔ ایک شخص نے غالباً جس کا آصف بن برخیا نام تھا اٹھ کر کہا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لا سکتا ہوں۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ شخص اسمِ اعظم جانتا تھا۔ جس کے اثر سے پل بھر میں شام سے یمن جا کر تخت اٹھا لایا۔ یہی معنیٰ حضرت قتادہ نے بھی بیان کئے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے کہ نہیں۔ قتادہ کہنے لگے کہ نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ کوئی شخص نبی نہیں اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اس پر قتادہ خاموش ہوگئے۔ پھر امام صاحب نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ (عام محدثین کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو مومن کہنے سے کتراتے تھے اور اس کے ساتھ انشاء اللہ کی قید لگاتے تھے) اسی اصول کے مطابق قتادہ نے کہا کہ انشاء اللہ میں مومن ہوں۔ آپ سے پوچھا کہ آپ نے انشاء اللہ کیوں کہا قتادہ کہنے لگے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کردے گا۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ جب حضرت ابراھیم سے یہ پوچھا گیا کہ کیا تم مؤمن نہیں ہو؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا تھا کہ '' بلیٰ '' ہاں میں مومن ہوں۔ آپ نے حضرت ابراھیم کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی۔ قتادہ ناراض ہوکر گھر چلے گئے۔

اطاعت امیر

امام صاحب میں دوسری خوبیوں کے علاوہ ایک یہ خوبی بھی بروجہ کامل پائی جاتی تھی کہ آپ امیر کی اطاعت کرنے کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ قاضی وقت ابن ابی لیلیٰ کے ایک غلط فیصلے پر امام موصوف نے کڑی تنقید فرمائی۔ چنانچہ ان کے فیصلے میں پانچ غلطیاں نکالیں جس کے بعد شکایت کرنے پر گورنر کوفہ نے آپ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد آپ کی لڑکی نے ایک مسئلہ پوچھا کہ آج میرا روزہ ہے دانتوں سے خون نکل کر تھوک کے ساتھ حلق سے نیچے اتر گیا تو میرے روزے کا کیا حال ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اپنے بھائی حماد سے یہ مسئلہ پوچھ لو کیونکہ میں امیر کے پابند کرنے سے فتویٰ نہیں دے سکتا۔

تاریخ ابن خلکان میں اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ طاعت امیر کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ (کہ اتنے بڑے امام نے اطاعت امیر کی وجہ سے گھریلو مسئلہ بیان کرنے سے بھی اجتناب کیا)

اہل بیت کی ایک بزرگ شخصیت سے ملاقات

آئمہ تاریخ نے لکھا ہے کہ بعض حاسدین اور کینہ پرور لوگوں نے امام صاحب کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلا رکھی تھیں۔ اسی وجہ سے بعض بزرگ شخصیات اور صاحبانِ علم غائبانہ طور پر امام صاحب سے نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امام صاحب مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں اہل بیت کے ایک مشہور و معروف امام محمد باقر سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے امام سے اظہار نفرت کیا اور فرمایا کہ تم حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو۔ امام موصوف نے بڑے ادب واحترام سے ان سے گفتگو کرنے کی اجازت مانگی۔ پھر دونوں میں درج ذیل گفتگو ہوئی:

امام ابوحنیفہ: کیا مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام اہل بیت: عورت ضعیف ہے۔

امام ابوحنیفہ: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام محمد باقر: مرد کا حصہ زیادہ ہے۔

امام ابوحنیفہ: اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت کے لئے زیادہ حصے کا اقرار کرتا، کیونکہ قیاس کے مطابق ضعیف کو زیادہ حصہ ملنا چاہئے۔

ابوحنیفہ: نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام محمد باقر: نماز افضل ہے۔

ابوحنیفہ: اگر میں قیاس کرتا تو حیض والی عورت کو نماز قضا کرنے کا حکم دیتا نہ کہ روزہ کا۔ حالانکہ میں روزہ قضا کرنے کا حکم دیتا ہوں۔
پس اس بات سے امام محمد باقر بہت خوش ہوئے اور خود اٹھ کر امام ابوحنیفہ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

پس اس کے بعد کافی عرصہ تک امام صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے فقہ کی نادر اور مشکل باتیں سیکھیں۔ چونکہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق کے ہمعصر تھے اس لئے بغرض استفادہ وشاگردی ان کی بارگاہ میں بھی حاضر ہوتے رہے اگرچہ ابن تیمیہ نے اس کا انکار کیا ہے مگر یہ اس کی خیرہ چشمی اور بے ادبی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ اگرچہ لاکھ مجتہد اور بڑے فقیہ تھے تاہم فضل وشرف میں انہیں امام جعفر صادق جیسی شخصیت سے کیا نسبت ہوسکتی ہے اس لئے کہ تمام دینی علوم اور مذہبی کمالات اور فضل وشرف اہل بیت ہی کے گھر

سے نکلے ہیں پس یہ سب انہیں کے مرہون منت ہیں۔ پس یہ ہوسکتا تھا کہ امام صاحب ان سے استفادہ بلکہ استفادہ کرنے میں بڑے کشادہ مزاج تھے جہاں کوئی عالم اور کمال نظر آیا وہیں سے اسے اخذ کرلیا پس جس کا یہ مزاج ہو اس کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔ لہذا حافظ ابن تیمیہ کے انکار کی کچھ وقعت نہیں۔ امام صاحب سے ان کی عمر کے متعلق دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ میری عمر دو سال ہے۔ "لو لا السنتان لهلك ابو حنيفة"۔ اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو ابوحنیفہ ہلاک ہو جاتا۔ یہ وہی دو سال ہیں جو امام جعفر صادق کی خدمت میں گزارے۔

چند پیش آمدہ مسائل کا حل

1۔ کوفہ میں ایک شخص نے اپنی دو بیٹیوں کی ایک ساتھ شادی کی۔ دعوتِ ولیمہ میں شہر کے تمام شرفاء، علماء اور فقہاء کو دعوت دی۔ اس میں امام ابوحنیفہ بھی باقی اہل علم کے ساتھ شریک ہوئے۔ صاحب خانہ نے بڑی بدحواسی سے کہا کہ رات کو لڑکیاں بدل گئیں۔ ہر لڑکی اپنے شوہر کے بغیر دوسرے کے پاس چلی گئی۔ اب اس کا کیا حل کیا جائے۔ امام سفیان ثوری نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ لہذا اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ دونوں کے لئے مہر لازم ہوگا۔ اہل مجلس نے امام ابوحنیفہ کی طرف دیکھا اور درخواست کی کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ امام نے ارشاد فرمایا کہ دونوں لڑکے میرے پاس لائے جائیں۔ تو پھر کچھ کہا جائے گا۔ جب وہ آئے تو موصوف نے الگ الگ کر کے دونوں سے پوچھا کہ رات کو جو لڑکی تیرے پاس رہی ہے کیا وہ تجھ کو پسند ہے۔ تیری بیوی ہوسکتی ہے۔ دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر امام صاحب نے فرمایا کہ جن لڑکیوں سے تمہارا نکاح کیا تھا انھیں طلاق دے دو اور ہر لڑکا رات والی لڑکی سے نکاح کرلے۔ اور آپس میں رہنا سہنا اختیار کرو۔ امام سفیان ثوری نے جو جواب دیا تھا وہ بھی فقہ کے لحاظ سے ٹھیک تھا اس لئے کہ صورتِ مذکورہ میں شبہ سے وطی کا واقعہ پیش آیا۔ اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے جو جواب دیا اور فیصلہ فرمایا وہ خلوص، اتحاد اور یکجہتی پر مبنی تھا۔ اور اس میں مہر کی بھی تخفیف تھی۔ کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے تو آدھا مہر لازم ہوتا ہے۔

2۔ ایک شخص نے قسم کھائی آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو طلاق۔ کچھ دیر بعد کہا اگر آج کوئی نماز قضا ہو تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ پھر کچھ دیر بعد کہا اگر آج میں بیوی سے ہم بستری نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ لوگوں نے مجبور ہو کر امام سے دریافت کیا کہ اس کا کیا حل ہے۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ وہ شخص نماز عصر پڑھ کر بیوی سے ہم بستری کرے۔ اور اس کے بعد غسل کر کے نماز مغرب ادا کرے۔ اس طرح ساری شرطیں پائی جائینگی۔ اور کوئی حرج نہیں واقع ہوگا۔

3۔ ایک آدمی نے رمضان شریف میں یہ قسم کھائی اگر میں دن میں اپنی بیوی سے ہم صحبت نہ ہوں تو مجھ پر عورت طلاق ہے۔ امام صاحب سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس آدمی سے کہا جائے کہ وہ سفر اختیار کرے۔ کیونکہ مسافر کے لئے روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔ لہذا وہ دن کو اپنی بیوی سے صحبت کرلے۔

4۔ ایک شخص کسی بات پر اپنی اہلیہ سے ناراض ہوا اور قسم کھائی کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے میں تم سے نہ بولوں گا۔ عورت نے بھی اسی قسم کی قسم کھائی کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے میں نہ بولوں گی بعد میں ملک بھر کے فقہاء سے پوچھا گیا۔ امام ابوسفیان نے فرمایا کہ قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔ بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں۔ مگر وہی شخص امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اس کا بیان

سن کرارشاد فرمایا" جاؤں شوق سے بات کرو۔" امام سفیان ثوری کو علم ہوا تو بڑے ناراض ہوئے کہ آپ لوگوں کو غلط مسائل بتاتے ہیں۔امام صاحب نے ان کے سامنے میاں، بیوی کے بیانات سنے اور فرمایا کہ مرد نے یہ کہہ کر قسم کھائی کہ اگر پہلے عورت مجھ سے نہ بولے تو میں نہ بولوں گا اور پھر عورت نے بھی یہی کہہ کر قسم کھائی۔تو پھر عورت کی طرف سے بولنے کی پہل ہوگئی۔لہذا قسم اور کفارہ کچھ نہیں۔اس پر امام سفیان ثوری نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ وقت پر جو بات آپ کو معلوم ہو جاتی ہے وہاں تک ہمارا خیال بھی نہیں پہنچتا۔

ضروری نوٹ

امام صاحب کی وفات چار سال کی قید و بند کی زندگی گزارنے کے بعد ماہِ رجب ۱۵۰ھ میں بغداد کے جیل خانے میں ہوئی اور اس کی اندرونی وجہ آئمہ اہل بیت کی حمایت تھی۔چنانچہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابراہیم کی حمایت کی اور جب وہ شہید کر دیئے گئے تو اس وقت سے خلیفہ منصور نے حضرت ابراہیم کے حمایتیوں پر کڑی نظر رکھی۔اور بغداد کو پائی تخت قرار دینے کے بعد قضا کا بہانہ بنا کر امام صاحب کو قید و بند کے زمانے میں زہر دلوا کر شہید کر دیا گیا۔جب زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ نے بحالت سجدہ اپنی جان خالقِ کائنات کے سپرد کر دی۔اِنا لللہ و انا الیہ راجعون ۔مشکل سے عصر کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے خیزران میں دفن کیا جائے۔غالباً اس کی وجہ تھی کہ امام موصوف کے خیال میں یہ جگہ مغضوب نہ تھی پس اس وصیت کے مطابق خیزران کی مشرقی سمت آپ کو دفن کیا گیا۔

امام نے مزار پر ایک شاندار گنبد اور اس کے قریب ایک مدرسہ تعمیر کروایا جو کہ بغداد میں غالباً پہلا مدرسہ تھا۔کیونکہ نظامیہ اس کے بعد تعمیر ہوا رسمی افتتاح کے موقع پر تمام علماء اور قائدین شریک ہوئے۔یہ مدرسہ مشہد ابوحنیفہ کے نام، سے مشہور ہوا۔بڑے بڑے نامور اہل علم اس کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔چنانچہ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جب عباسی دور کے آخر میں بغداد پہنچا تو وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ پورے بغداد میں مشہد ابوحنیفہ کے سوا کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو۔آج بھی امام صاحب کا مدرسہ ملک عراق میں مشہور ہے۔باہر سے جانے والے سیاح وہاں جا کر زیارت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔امام صاحب کی کنیت ابوحنیفہ مشہور ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ کوئی حقیقی کنیت نہیں بلکہ ملت حنیفہ کی وجہ سے مشہور ہوئی۔یعنی ملت حنیف رکھنے والا امام یہ وہ وصف ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خصوصی اوصاف میں قرآن مجید نے ذکر فرمایا:" ولکن کان حَنِیفًا مسلماً " یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ سب سے جدا ہو کر ایک سچے مسلمان تھے۔

فائدہ

زمانہ سابق سے لے کر عہد حاضر تک بیشمار لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے اوصاف پر کتابیں لکھیں۔آپ کے تذکرے کئے آپ کے خصوصی کمالات واوصاف کو اجاگر کیا۔اور آپ کے مسلک وموقف کی حمایت میں ہزاروں صفحات سپرد قلم کئے گئے۔حاسدین اور مخالفین کے اعتراضات کے منہ توڑ جوابات دیئے گئے۔اور اسی طرح امام کو خراج تحسین پیش کیا گیا آج دنیا کی اکثریت مذہب حنفی کی پیروکار ہے۔اور ہر جگہ لاکھوں کی تعداد میں آپ کے فضولی فرزند اور روحانی اولاد موجود ہیں۔اور آج پوری دنیا میں تقریباً دو حصے لوگ آپ کو ماننے والے موجود ہیں۔دنیا کی اکثر زبانوں میں بڑے بڑے نامور اور ممتاز اہل علم نے آپ کی سیرت اور علمی کارناموں پر قابل قدر

کتابیں لکھیں ہیں پس اس میں سے بعض کتب اور اہل علم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- امام احمد بن طحاوی متوفی ۳۲۱ھ۔ عقود المرجان . قلائد عقود الدر و العقیان

۲- الروضة العالية الحنيفة

۳- مناقب النعمان

اس نام کی تقریباً نو دس کتابیں ہیں جو مندرجہ ذیل بزرگوں نے تحریر فرمائیں۔

۱) امام محمد احمد بن شعیب متوفی ۳۵۷ھ موصوف حاکم کے استاد تھے۔ اس کے بیس جزء ہیں۔

۲) قاضی صیمری متوفی ۴۳۶ھ۔ اہل علم نے انہیں امام الحنفیہ کہا ہے ایک مبسوط کتاب ہے۔

۳) ابو العباس احمد بن صلت متوفی ۳۰۸ھ۔

۴) امام ظہیر الدین مرغینانی متوفی ۵۰۶ھ۔ قاضی خان کے استاد تھے۔

۵) امام محمد کردری متوفی ۸۲۷ھ۔ روم میں زیادہ متداول ہے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ موجود ہے۔ امام صاحب کے حالات کے ساتھ ان کے شاگردوں کے حالات بھی درج ہیں۔

۶) ابوسفیان بن کاس کی تصنیف ہے۔

۷) ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن احمد مشہور ابن ابی العوام کی تالیف ہے۔

۸) شمس الدین احمد بن محمد ستواسی کی تصنیف ہے۔ سن معلوم نہیں ترکی زبان میں بصورت نظم ہے۔

۹) موفق الدین بن احمد مکی خوارزمی التوفی ۵۶۸ھ موصوف علامہ زمخشری کے شاگرد تھے۔ فقہ اور فن عربیہ میں باکمال تھے۔

۴- شقائق النعمان علامہ جار اللہ زمخشری التوفی ۵۳۸ھ۔ ایک ممتاز عالم ہیں۔

۵- کشف الآثار امام عبد اللہ بن محمد الحارثی۔

۶- کتاب الانتهاء فی مناقب الثلاثة الفقهاء قاضی ابن عبد البر مالکی التوفی ۴۶۳ھ۔ اس میں امام احمد کے علاوہ باقی تین آئمہ کے حالات ہیں۔

۷- مناقب ابی حنیفه علامہ ذہبی کی تصنیف جو مشہور بلند محدث ہوئے ہیں۔

۸- بستان فی مناقب النعمان — شیخ محی الدین عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ کی تالیف ہے جو "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ" کے مصنف اور تقی الدین سبکی شافعی کے شاگرد ہیں۔

۹- تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ — امام جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے جو شہرہ آفاق عالم ہیں۔

۱۰- عقود الجمان فی مناقب النعمان — محمد بن یوسف بن علی الدمشقی کی تصنیف ہے۔

۱۱- الخیرات الحسان فی مناقب النعمان — مصنف صواعق محرقہ حافظ ابن حجر مکی کی تصنیف ہے۔

۱۲- قلائد عقود العقیان — ایک یمنی عالم کی تصنیف ہے۔ کچھ زیادہ تفصیل معلوم نہیں۔

۱۳- مناقب امام اعظم — فارسی زبان میں شیخ ابوسعید کی تصنیف ہے بس یہی معلوم ہوا ہے۔

۱۴- رسالہ فی فضل ابی حنیفہ — عتیق بن داؤد الیمانی کی تالیف ہے۔ مزید کچھ معلوم نہیں۔

۱۵- — شیخ صارم الدین ابراھیم بن محمد دقاق المتوفی ۸۰۹ھ کی تالیف ہے۔ تین جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ہے۔ ہر جلد میں امام اور ان کے شاگردوں (امام ابو یوسف ور امام محمد) کے حالات درج ہیں۔

۱۶- مناقب امام اعظم — محمد کافی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ کی ترکی زبان میں تصنیف ہے۔ اس سے مزید کچھ معلوم نہیں۔

۱- مناقب امام اعظم — مستقیم زادہ سلیمان سعدالدین آفندی کی تصنیف جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ جو ۱۱۹۸ھ میں تصنیف ہوئی جو ترکی زبان میں ہے۔

۱۸- الانتصار لامام آئمۃ الامصار — مورخ سبط ابن جوزی کی ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں ہے۔ موصوف مذکور کی ایک اور کتاب ہے جو ۳۰ ابواب پر مشتمل ہے، جس میں امام صاحب کے فقہی مسائل کا عمدہ اور مدلل ہونا ثابت کیا ہے۔ صاحب کشف الظنون نے اس کو اپنے باب میں بے نظیر قرار دیا ہے۔

۱۹- الانتصار و الترجیح — عمر بن محمد بن سید الموصلی کی تصنیف ہے۔

۲۰- کتاب الابانۃ — قاضی ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے۔ اس میں چھ باب ہیں جو امام صاحب کی حمایت میں الگ الگ عنوانات پر حاوی ہیں۔

اوپر درج کردہ اکثر کتابیں یہاں نایاب ہیں البتہ بیرون ملک جو لائبریریاں موجود ہیں ان میں موجود ہیں لیکن وہاں تک رسائی ہر ایک کی نہیں ہو سکتی کچھ خاص خاص لوگ ایسے ہیں جو وہاں تک پہنچ کر استفادہ کر سکتے ہیں۔ مگر بقول سعدی مرحوم:

ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء و اللّٰہ ذو الفضل العظیم

یاد رہے کہ بعض حاسدوں اور کینہ پروروں، کوتاہ بینوں اور کچھ سادہ لوح اور سطحی انداز کے لوگوں نے جلد بازی اور قلت تدبر کی بنا پر امام صاحب کی پروقار اور بلند پایہ شخصیت کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور آپ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ نے یہی طریقہ اختیار کر کے امام موصوف کو مخالف حدیث قرار دیا ہے اور اس باب میں آپ پر غیر وارد اعتراضات کئے ہیں چنانچہ علامہ قاسم بن قطلو بغا التوفی ۸۷۹ھ نے محدث مذکور کے اعتراضات کا تفصیلی جواب لکھا ہے۔ یونہی شمس الائمہ کردری کے جواب میں ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی اور اسی طرح (ترجیح مذہب ابی حنیفہ) شیخ اکمل الدین محمد بن البابرتی التوفی ۷۸۶ھ۔ شیخ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی ۳۹۷ھ اور ان کے علاوہ متعدد اور اکثر نامور اور ممتاز آئمہ اور اہل علم نے امام صاحب کی نصرت وحمایت اور ان کے افکار وآراء کی تائید میں ہزاروں صفحات پر مدلل و پیرھن کتابیں تحریر فرمائیں جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ الغرض جس نے جس دور میں بھی اس برگزیدہ اور مقبول بارگاہ کے خلاف تقریراً تحریراً زہر اگلا تو اسی دور کے جید اور سر برآور علماء نے انہیں منہ توڑ جواب دیا کہ پھر دوبارہ اسے کمر بستہ ہونے کی جرأت نہ ہو سکی۔

جسمانی اولاد

امام صاحب کی جسمانی اولاد کا کوئی تفصیلی تذکرہ کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام موصوف کے وصال کے وقت حضرت حماد کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ ایک بیٹی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جس نے امام صاحب سے مسئلہ دریافت کیا تھا۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ امام کی زندگی میں ہی وفات پا گئیں یا باقی رہیں۔ بیٹے کی تعلیم وتربیت خود امام صاحب نے اپنی نگرانی میں کی۔ ختم فاتحہ پر معلم کو پانچ سو درہم پیش کئے۔ موصوف اپنے والد بزرگوار کی صحیح تصویر تھے اور علم وفضل کے درخشاں آفتاب تھے۔ خودداری، بے نیازی، استغنٰی، عالی ظرفی، بلند حوصلہ یہ موروثی اوصاف ان میں نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ پوری زندگی شاہی درباروں سے کنارہ کش رہے اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ماہ ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ چار بیٹے یادگار چھوڑے ان کے نام یہ ہیں:

(۱)......عمر (۲)......اسماعیل (۳)......ابوحیان (۴)......عثمان

صاحب زادے اسماعیل علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید کے دور میں عہدہ قضا پر مقرر کئے گئے۔ اس منصب کو انھوں نے بڑی دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا۔ لوگ دل وجان سے ان پر فدا اور قربان ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں قبولیت عام سے نوازا تھا۔

یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے خاندان کا مختصر تذکرہ۔ اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کے طفیل ان سب پر بارانِ رحمت نازل فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض وبرکات سے فیضیاب فرمائے۔

امام ابوحنیفہ کے چند مشائخ اور اساتذہ

۱......امام شعبی

یہ شہر کوفہ کے مشہور اور بلند پایہ امام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عرب عراق میں چار بزرگوں کو کامل استاد تصور کیا جاتا تھا۔ ان میں ایک امام شعبی تھے۔ چنانچہ امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں مدینہ منورہ میں سعید ابن المسیب۔ بصرہ میں: حسن بصری۔ شام: بکحول۔ کوفہ میں امام شعبی۔

امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے امام صاحب کو علم دین حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ پس ان کے ہی کہنے سے امام متوجہ ہوئے۔ سترہ ۱۷ھ ہجری میں فاروقِ اعظم کے حکم سے سعد بن ابی وقاص نے کوفہ کو آباد کیا۔ چنانچہ بالکل قلیل مدت میں کوفہ ایک بارونق شہر بن گیا اور ہزاروں کی تعداد میں علم و فن رکھنے والے وہاں آ کے آباد ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ ابن مسعود جیسی نامور شخصیات نے اسے اپنے قدموں سے زینت بخشی۔ امام ابوحنیفہ وہیں پیدا ہوئے اور وہاں کے تمام مشائخ اور علماء سے علم حاصل کیا اور حصولِ علم کے لئے دور دراز مثلاً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، بصرہ اور ان کے علاوہ دوسرے شہروں کا سفر اختیار کیا۔ اور ہر جگہ جا کر مشائخ، فقہاء، محدثین سے علمی استفادہ کیا۔ اور کئی ہزار بزرگوں سے علم حدیث کی اجازت لی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے ایک مرتبہ امام شعبی کو غزوات کا درس دیتے ہوئے دیکھا تو بے ساختہ فرمایا کہ "یہ شخص مجھ سے اس فن کو اچھی طرح جانتا ہے۔" موصوف مدت تک منصب قضا پر فائز رہے۔ خلفاء و امراء آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

۲......امام حماد

یہ کوفہ کے مشہور امام اور استاذ زمانہ تھے۔ حضرت انس جو حضور ﷺ کے خصوصی خادم تھے انھیں دیکھا تھا اور ان سے روایت کرتے تھے۔ کوفہ میں ان کی مشہور درس گاہ تھی۔ امام ابوحنیفہ ان کے حلقہ درس میں جا کر بائیں صف میں بیٹھتے۔ اس دور میں قابل اور لائق شاگرد استاد کے سامنے یا دائیں جانب بیٹھتے تھے اور دوسرے درجے والے پیچھے بیٹھتے تھے۔ امام صاحب نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا لیکن چند دنوں بعد امام حماد نے انھیں سن سے آگے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ انھیں یہ تجربہ ہو گیا کہ حافظہ اور ذہانت میں کوئی شاگرد ان کا ہم پایہ نہیں۔ دو سال تک لگاتار حماد کے درس میں حاضر ہوتے رہے۔ اس زمانے میں طریقہ تدریس یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلے پر زبانی گفتگو کرتا، جس کو شاگرد زبانی یاد کر لیتے۔ اور کبھی کبھی تحریر بھی کر لیا۔ امام صاحب کو اپنے استاد کی پوری تقریر زبانی یاد ہو جاتی۔ عرصہ دو سال بعد خیال آیا کہ خود درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لیکن استاد کے ادب کی وجہ سے اس طرح نہ کیا۔ حسن اتفاق سے امام حماد کو کسی ضروری کام کے لئے بصرہ جانا پڑا۔ استاد گرامی جاتے وقت امام کو اپنی مسند پر بٹھا گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں لوگوں نے جب امام ابوحنیفہ کی طرف رُخ کیا اور بہت سے مسئلے دریافت کئے یہ اپنی خداداد ذہانت سے جواب دیتے رہے۔ لیکن ایک یادداشت لکھ کر پاس رکھ لی۔ جب دو مہینوں بعد حماد بصرہ سے مدینہ آئے تو امام نے وہ یادداشت پیش کی۔ جس میں مجموعی طور پر ساٹھ مسئلے تھے۔ جن میں سے چالیس کے جواب ٹھیک نکلے البتہ بیس میں سے کچھ غلطیاں امام حماد نے نکالیں۔ امام نے دل میں عہد کر لیا کہ جب تک یہ زندہ ہیں ان کی شاگردی

اختیار کئے رہوں گا۔ یہ حماد وہی بزرگ ہیں جو دو واسطوں سے عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ امام حماد کے آخری وقت تک امام ابوحنیفہ ان کی مجلس میں آتے جاتے رہے اور زیادہ تر علم فقہ ان ہی سے سیکھا۔ امام حماد نے ۱۲۰ھ میں وصال پایا۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے مؤطا کے حاشیہ میں ''تہذیب الکمال'' کے حوالے سے چند مشائخ اور اساتذہ کی جو فہرست نقل فرمائی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- عطا۔ ۲- عاصم۔ ۳- علقمہ۔ ۴- حکم۔

۵- سلمہ۔ ۶- امام باقر۔ ۷- علی کوفی۔ ۸- زیاد۔

۹- سعید۔ ۱۰- عدنی۔ ۱۱- عطیہ۔ ۱۲- ابوحبان۔

۱۳- عبدالکریم۔ ۱۴- یحییٰ بن سعید۔ ۱۵- ہشام بن عروہ۔ ۱۶- ابواسحاق سبعی۔

(تہذیب التہذیب)

۱۷- نافع۔ ۱۸- عبدالرحمٰن۔ ۱۹- قتادہ۔ ۲۰- عمرو بن دینار۔

۲۱- مُحارب۔ ۲۲- ہشیم۔ ۲۳- قیس۔ ۲۴- محمد منکدر۔

۲۵- یزید الفقیر۔ ۲۶- سماک۔ ۲۷- مکحول۔ ۲۸- عمرو بن مرۃ۔

۲۹- محمد بن سلم۔ ۳۰- عبدالملک۔ ۳۱- منصور زیدان۔ ۳۲- منصور المعتمر۔

۳۳- عطا بن سائب۔ ۳۴- عطا بن ابی سلم۔ ۳۵- عاصم بن سلیمان۔ ۳۶- اَعمش کوفی۔

۳۷- عبداللہ بن عمر۔ ۳۸- امام اوزاعی ۳۹- ابراھیم بن محمد۔ ۴۰- اسماعیل بن عبدالملک

(طبقات الحفاظ، ذہبی)

۴۱- حارث بن عبدالرحمٰن۔ ۴۲- خالد بن علقمہ۔ ۴۳- ربیعۃ الرائے۔ ۴۴- شداد بن عبدالرحمٰن۔

۴۵- شیبان بن عبدالرحمٰن۔ ۴۶- طاؤس بن کیسان۔ ۴۷- عبدالرحمٰن۔ ۴۸- عکرمہ مولیٰ ابن عباس۔

۴۹- عون بن عبداللہ۔ ۵۰- قابوس۔ ۵۱- محمد بن ساحب۔ ۵۲- محمد بن اسلم زہری۔

۵۳- ابو سعید مولیٰ ابن عباس (تہذیب الکمال) ۵۴- موسیٰ۔ ۵۵- صلت بن بہرام۔ ۵۶- عثمان بن عبداللہ۔

۵۷- بلال ہیثم۔ ۵۸- حصین بن عبدالرحمٰن۔ ۵۹- حصن۔ ۶۰- میمون بن سارہ۔

۶۱- جواب التیمی۔ ۶۲- سالم الافطس۔ ۶۳- یحییٰ بن عمرو۔ ۶۴- سلمہ۔

۶۵- عمرو بن جبیر۔	۶۶- عبیداللہ بن عمرو۔	۶۷- محمد بن مالک۔	۶۸- ابوالسواد۔
۶۹- خارجہ بن عبداللہ۔	۷۰- عبداللہ بن ابی زیاد۔	۷۱- حکم بن زیاد۔	۷۲- کثیر الاصم۔
۷۳- حمید اعرج۔	۷۴- ابولعطوف۔	۷۵- عبداللہ ابن حسن۔	۷۶- سلیمان شیبانی۔
۷۷- سعید حرزبان۔	۷۸- عثمان بن عبداللہ۔	(کتاب الآثار امام محمد)	

نوٹ

اوپر ذکر کردہ چند نام امام صاحب کے اساتذہ اور مشائخ کے ہیں۔ بعض بزرگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے تقریباً چار ہزار اساتذہ حدیث تھے۔ اگر چہ یہ روایت اصول حدیث کے مطابق ثابت نہیں تاہم یہ ضرور ثابت ہے کہ امام موصوف نے ایک بہت بڑے گروہ سے حدیث روایت کی ہے۔ حافظ ابوالمحاسن نے ۳۱۹ھ افراد کے تفصیل سے نام لکھے ہیں۔ ان تمام روایات سے قدر مشترک کے طور پر امام موصوف کا اکابرین امت سے استفادہ کرنا اور مسائل فقہ کی چھان بین کرنا روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے۔

عجیب خواب

امام صاحب نے خواب دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کی قبر شریف کھودر ہے ہیں اور آپ کے اعضاء کو درست کر رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو وہ بہت گھبرائے اور ذاتی طور پر یہ سمجھے کہ یہ میری نالائقی کی طرف اشارہ ہے آخر تعبیر خواب معلوم کرنے کے لئے محمد ابن سیرین جو اس علم کے جاننے میں ماہر تھے، کے پاس آدمی بھیجا انھوں نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ جس نے یہ خواب دیکھا ہے وہ حضور ﷺ کی مردہ سنت کو زندہ کرے گا۔ اس تعبیر خواب سننے کے بعد دل کو تسکین ہوئی۔ اور اطمینان سے درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ اگر چہ خواب کا ذکر اکثر کتابوں میں موجود ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل واقع صحیح ہے۔ لیکن ابن سیرین کا تعبیر بتانا صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس واقع سے بہت پہلے ۱۱۰ھ میں وفات پا گئے تھے۔

حلقہ درس

امام صاحب کے حلقہ درس کی حدود خلیفہ وقت کی حدود مملکت کے برابر تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو ان کے زیر اثر نہ آیا ہو۔ لہٰذا جو لوگ ان کے دائرہ شاگردی میں آئے ان کا باقاعدگی سے حساب تو نہیں لگایا جا سکتا البتہ چند ممالک کے نام خصوصیت سے درج ذیل ہیں:

۱- مکہ شریف۔	۲- مدینہ منورہ۔	۳- دمشق۔	۴- بصرہ۔
۵- واسط۔	۶- موصل۔	۷- جزیرہ۔	۸- رقّہ۔
۹- نصیبین۔	۱۰- رملہ۔	۱۱- مصر	۱۲- یمن۔
۱۳- یمامہ۔	۱۴- بحرین۔	۱۵- بغداد۔	۱۶- اَھواز۔
۱۷- کرمان۔	۱۸- اصفہان۔	۱۹- حلوان۔	۲۰- استرآباد۔

٢١- ہمدان۔	٢٢- نہاوند۔	٢٣- رَے۔	٢٤- قومس۔
٢٥- وامغان۔	٢٦- جُرجان۔	٢٧- نیشاپور۔	٢٨- سرخس۔
٢٩- بُخارا۔	٣٠- سمرقند۔	٣١- کس۔	٣٢- صنعان۔
٣٣- ترمذ۔	٣٤- ہرات۔	٣٥- نہشار۔	٣٦- الزم۔
٣٧- خوارزم۔	٣٨- سیتان۔	٣٩- مدائن۔	٤٠- حصیصہ۔
٤١- حمص۔	٤٢- نساء۔	٤٣- طبرستان۔	

الغرض...... امام صاحب کا حلقہ درس اور استاذی وشاگردی کا طویل سلسلہ دنیا کے طول وعرض میں پھیلا ہوا تھا۔ دنیا کے اکثر حصوں میں ان کی شہرت دور دراز تک پہنچی ہوئی تھی پس دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ ان کے حلقہ درس میں آکر شریک ہوئے۔ اور مشکل اور باریک مسائل ان سے دریافت کئے۔ امام صاحب کے دادا، ان کے والد کو جن کا نام ثابت تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حصول برکت کے لئے لے گئے تو جناب علی نے ان کے لئے دعا فرمائی اور خوشی کا اظہار فرمایا اسی بابرکت دعا کا اثر آپ کے خاندان میں موجود رہا اور یہی وجہ تھی کہ امام موصوف کے خاندان کو اہل بیت سے خصوصی رابطہ اور تعلق تھا۔ چنانچہ آپ کے والد بزرگوار اہل بیت کی بزرگ شخصیات کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔ خود امام ابوحنیفہ امام جعفر اور امام محمد باقر کی مجالس میں حاضر ہوتے رہے۔ بلکہ ان کی شاگردی اختیار کی اور ان سے بہت کچھ باطنی علوم حاصل کئے۔ جب اہل بیت میں سے نفس زکیہ اور ابراہیم نے موجودہ حکومت کے خلاف بغاوت کی تو اس میں امام صاحب نے ان کے ساتھ حمایت کی اور کچھ درہم و دینار بھی ان کے پاس بطور ہدیہ بھیجے اور اگرچہ یہ دونوں کامیاب نہ ہو سکے تاہم امام صاحب کی طرفداری کی وجہ سے خلیفہ منصور ان کے مخالف ہو گیا اور اس موقع کی تلاش میں رہا کہ کوئی بہانہ ہاتھ آئے کہ میں انھیں قتل کرنے کا حکم دے دوں۔ آخر عہدہ قضاء کو بہانہ بنا کر بغداد کے جیل خانے میں انھیں شہید کر دیا گیا گویا اس طرح اس نے اپنی عداوت کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ امام موصوف پر اللہ تعالیٰ کے لاکھوں سلام اور کروڑوں رحمتیں نازل ہوں.

ضروری فائدہ

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے قیمتی دور میں اپنی تشکیل کردہ مجلس شوریٰ (جس کی تفصیل اور ارکان شوریٰ کے اسمائے گرامی گزشتہ اوراق میں مذکور ہیں) کی امداد اور حمایت سے پیش آمدہ مسائل اور واقعات کا ایک فقہی مجموعہ مرتب کیا جس میں تقریباً بارہ لاکھ نو ہزار سے کچھ زیادہ مسائل تھے۔ (قلائد عقود العقیان، بحوالہ کتاب الصیانہ، ماخوذ از سیرت النعمان حصہ دوم صفحہ ٢٤٢)

اگرچہ امام صاحب کی زندگی ہی میں فقہ کے تقریباً ابواب مرتب ہو گئے تھے جیسا کہ کتب رجال و تاریخ سے پتہ چلتا ہے گویا اس کا انکار تواتر کا انکار جو قطعاً قرین قیاس اور مؤید عقل نہیں۔ لیکن بے حد افسوس ہے کہ وہ مجموعہ فقہ عرصہ دراز سے ضائع ہو گیا لہٰذا اب دنیا کے کسی کتب خانہ (لائبریری) میں موجود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی سراغ ملتا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے مناقب الشافعی میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

امام رازی نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی پس اس حساب سے چھ سو برس ہوگئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں اور یہ کوئی حیران کن بات اور موجب تعجب نہیں اس لئے کہ دور قدیم اور زمانہ اسلاف کی بے شمار کتابوں کا آج نام ونشان تک دنیا میں موجود نہیں مثلاً امام اوزاعی ابن جریج، ابن عروہ اور حماد بن ابی معمر وغیرہ کی تصنیفات بالکل اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام صاحب کا مجموعہ فقہ زیر ترتیب تھا اور تدوین کے مراحل طے کر رہا تھا بالکل اسی طرح امام صاحب کا مجموعہ فقہ بھی دنیا سے نایاب اور ناپید ہو گیا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام صاحب کے دو لائق اور نامور شاگردوں (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے اپنی اپنی کتابوں میں وہی مسائل بڑی تفصیل اور خوبصورت انداز سے دلائل وشواہد کے ساتھ بیان کئے اور لوگوں کو اصل مأخذ سے بے نیاز کر دیا جیسا کہ متاخرین نحویوں کی تصانیف کے بعد لوگ آئمہ قدیم مثلاً خلیل کسائی، سیبویہ اور اخفش وغیرہ کے بیان کردہ مسائل نحو سے بے نیاز ہو گئے کیونکہ پچھلوں نے نئے لوگوں کی نحوی ضروریات کے حسن وجوہ پوری کر دی لہذا لوگوں کی توجہ بجائے متقدمین، متاخرین کی طرف ہوگئی اور لوگ اپنی ضروریات کے مسائل پا لینے میں کامیاب وکامران ہو گئے پس اس وجہ سے لوگ اس مجموعہ کی طرف زیادہ متوجہ نہ رہے اور وہ اس غفلت اور بے احتیاطی کی بنا پر ضائع اور ناپید ہو گئی۔

لفظ نعمان کی تحقیق

امام ابوحنیفہ کا نام ''نعمان'' ہے اور نعمان اس خون کو کہا جاتا ہے کہ جس سے بدن کا قوام ہو۔ اور بعض نے روح قرار دیا ہے۔ چونکہ آپ کی ذات گرامی سے ''علم فقہ'' اور دینی مسائل کا استحکام ہوا بایں وجہ قدرت کو یہ نام منظور ہوا تا کہ آپ اسم بامسمّٰی ثابت ہوں اور یہی ہوا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نعمان ایک سرخ خوشبودار گھاس ہے۔ اور گل لالہ اور رنگ ارغوان کو بھی کہتے ہیں۔ اور آپ ان سب سے معنوی طور پر مناسبت رکھتے ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ لفظ مذکور ''نعمت'' سے ماخوذ ہے۔ اور کیا شک ہے کہ آپ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی اور عمدہ نعمت تھے۔ اور آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے۔ یہ آپ کی کوئی حقیقی کنیت نہ تھی کیونکہ آپ کی حنیفہ نام کی کوئی صاحبزادی نہ تھی۔ بلکہ یہ ایک اصغر کنیت تھی جس کی مختلف وجوہات منقول ہیں ان میں سے درج ذیل ہیں:

۱) ملت حنیفہ رکھنے والا۔ یعنی سچے دین کی طرف مائل ہونے والے۔

۲) دوات رکھنے والے، کیونکہ اہل عراق کی زبان میں ''حنیفہ'' کے معنی دوات ہیں چوں کہ تحریر کے لئے آپ کے پاس دوات ہوتی تھی بایں وجہ یہ کنیت مشہور ہوئی لہذا بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ کی کسی لڑکی کا نام ''حنیفہ'' تھا۔ کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں اور سوائے حماد کے آپ کی کوئی اولاد ثابت نہیں۔ امام صاحب کے وصال کے وقت صرف حضرت حماد کا کتب تواریخ میں ذکر ملتا ہے۔ لہذا اس وقت وہی بقید حیات تھے۔ اگرچہ آپ کے دور میں اس کنیت والا کوئی نہیں ہوا ہاں البتہ آپ کے بعد متعدد اہل علم کی یہ کنیت ہوئی۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم (الخیرات الحسان)

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

چند شاگردوں کے اسمائے گرامی

امام ابوحنیفہ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار بنایا تھا اسی طرح آپ کا حلقہ درس بھی وسیع تھا کہ خلیفہ کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھی۔ قدرت نے آپ کو درس وتدریس میں اس قدر خوبی اور ملکہ عطا فرمایا تھا کہ مشکل مسئلہ انتہائی آسان اور مختصر الفاظ میں سامعین کو سمجھا دیتے۔ اس طرح لوگوں کی عقدہ کشائی فرماتے۔ ایک دفعہ جو آپ کے حلقۂ درس میں آتا پھر واپس جانے کو اس کا جی

نہ چاہتا۔ آپ کے شاگرد علم کے علاوہ آپ کی سیرت و کردار سے بے حد متاثر ہوئے اس لئے وہ کسی دوسرے کو آپ کے مساوی نہ سمجھتے اور ہر باب میں آپ کی خوبیوں کا اعتراف کرتے۔ چنانچہ بے شمار افراد نے آپ سے علمی استفادہ کیا اور مدتوں تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور اس حاضری کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے۔ امام صاحب کو بھی شاگردوں سے بے حد محبت اور پیار تھا، چنانچہ غریب طلباء کی مالی امداد فرماتے۔ اپنی پوری لگن سے علم پڑھنے کی ترغیب دیتے اور اپنے تلامذہ کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کرتے۔ کسی کے شاگرد کا درجہ کمال تک پہنچنا استاد کے لئے باعثِ فخر ہوتا ہے۔ پس اس لحاظ سے امام صاحب کے برابر کا کوئی دوسرا شخص نہیں۔ آپ کے شاگرد بڑے بڑے آئمہ کے شیخ اور استاد تھے۔

امام شافعی فرمایا کرتے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے۔ یہ وہی امام محمد ہیں جن کی ساری زندگی امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر اپنا الگ حلقہ درس قائم کرتے تو ان کا الگ طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالک اور امام شافعی کی طرح ہزاروں لاکھوں ان کے مقلدین بن جاتے۔ بعض شاگرد برائے نام شاگرد ہوتے ہیں لیکن بعض اپنے اساتذہ کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتے ہیں کہ استاد کے ساتھ ان کا نام نہ آئے تو یہ ممکن نہیں ہوتا۔ امام صاحب کے شاگرد بھی کچھ ایسی ہی خصوصیت رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کے شاگردوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے تاہم بعض اکابر جیسے حافظ ابو المحاسن شافعی نے فرمایا نو سو اٹھارہ ۹۱۸ اشخاص کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقۂ درس سے مستفید ہوئے۔

اور آپ کے بعض شاگرد تو بعض علوم میں خاص مہارت رکھتے تھے مثلاً:۔ قاضی ابو یوسف اور امام زفر قیاس میں، یحییٰ بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مندل حدیث میں، قاسم بن معن لغت و عربیت میں، داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں۔ یہی وجہ ہے کہ وکیع بن الجراح سے چند لوگوں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ نے فلاں مسئلہ میں غلطی کی ہے تو امام وکیع نے یہی جواب دیا کہ جس کے حلقہ درس میں اس قسم کے ماہرین علیم موجود ہوں وہ کیسے غلطی کر سکتا ہے۔ اگر وہ انسانی تقاضے کے مطابق غلطی بھی کرتا تو یہ لوگ اسے غلط رائے سے روک دیتے۔ اور اس کی غلطی کی ضرور نشاندہی کر دیتے۔ اور یہی قرینِ قیاس ہے۔ امام صاحب کے دور میں جو اسلامی علوم اوج کمال پر پہنچے ہوئے تھے وہ یہ علوم تھے:

(۱)......حدیث۔ (۲)......فقہ۔ (۳)......اسماء الرجال۔

اور جو لوگ ان علوم کے ارکان اور بناء و تسلیم کئے جاتے تھے وہ زیادہ تر امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ جو عرصہ دراز تک موصوف کے قدموں میں رہے اور آپ کی علمی شخصیت اور نوازشات کے برملا معترف تھے۔ ان میں چالیس حضرات ایسے ہیں جو تدوین فقہ میں آپ کے شریک کار تھے۔ یہاں یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ امام صاحب کے شاگرد دو قسم کے ہوئے ہیں: (۱) کچھ وہ ہیں کہ جنہوں نے آپ سے علم فقہ حاصل کیا اور فقیہ کہلائے۔ اور وہ اکثر و بیشتر ہیں اور لوگوں میں زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ (۲) لیکن کچھ وہ حضرات بھی ہوئے ہیں جو محدثین کہلاتے ہیں اگر چہ وہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں مگر امام صاحب کی شاگردی میں زیادہ مشہور نہیں اس لئے عام لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ امام صاحب فنِ حدیث سے چنداں آشنا نہیں تھے۔ حالانکہ ایسا کہنا یا سمجھنا ارباب علم کے نزدیک کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے بلند پایہ اہل علم اور آئمہ اجتہاد اور گروہ محدثین نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے جس کی پوری تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

محدثین تلامذہ کا تذکرہ

۱......یحیٰی بن سعید القطان

موصوف کی ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی۔ اور ۱۹۸ھ میں شہر بصرہ میں وفات ہوئی فنِ رجال کے یہی موجد اور لوگوں میں رواج دینے والے ہیں۔ چنانچہ میزان الاعتدال میں علامہ ذھبی نے یہی لکھا ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں: فن رجال میں سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا وہ یحیٰی بن سعید القطان ہیں۔ پھر ان کے شاگردوں مثلاً: یحیٰی ابن معین۔ علین بن مدینی۔ امام احمد بن حنبل۔ عمرو بن علی الفلاس اور ابوحیثم وغیرہ۔ اور ان کے بعد ان کے شاگردوں مثلاً بخاری، مسلم وغیرہ نے یہ کام کیا اور اسے آگے تک بڑھایا اور پھیلایا۔ عصر سے مغرب تک درس حدیث دیتے کہ جس کے لئے باقاعدہ حلقہ درس کا اہتمام ہوتا اور اکثر شاگرد مثلاً امام احمد اور علی بن المدینی کھڑے کھڑے باادب طریقہ سے آپ سے حدیث کی تحقیق اور جستجو کرتے۔ امام احمد فرمایا کرتے ”ما رأیت بعینی مثل یحییٰ بن سعید القطان “یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحیٰی جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ (میزان الاعتدال) اتنا عظیم انسان ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوا کرتے اور ان کی شاگردی پر فخر و ناز کرتے۔ اگر چہ اس وقت تقلید معین کا رواج اور شہرت نہیں ہوئی تھی تاہم زیادہ تر مسائل وہ امام صاحب کی پیروی کرتے تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں: ”قد اخذنا باکثر اقواله “(تہذیب التہذیب) علامہ ابن حجر (ترجمہ امام ابوحنیفہ) ہم نے امام ابوحنیفہ سے اکثر اقوال لئے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں لکھا ہے۔ وکیع بن جراح اور یحیٰی بن سعید دونوں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

2......عبداللہ بن مبارک

موصوف بمقام مرو ۱۱۸ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں بمقام ہیت وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ وہ بہت بڑے محدث اور دنیائے اسلام کے ایک عظیم راہ نما عالم تھے چنانچہ بے شمار نامور محدثین اور ممتاز اہل علم نے ان کی تعریف و توصیف میں قلم اٹھایا۔ چنانچہ امام نووی ”تہذیب الاسماء واللغات“ میں انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”عبداللہ بن مبارک کی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اتفاق کیا گیا ہے۔ پس ان کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور بخشش کی امید کی جاسکتی ہے محدثین حضرات انہیں ”امیر المؤمنین فی الحدیث کے عمدہ لقب سے انھیں یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر کسی شاگرد نے انھیں عالم مشرق کہہ کر پکارا تو امام سفیان ثوری جو بلند پایہ محدث ہیں نے فرمایا: کیا غضب کرتے ہو کہ انہیں عالم مشرق کہتے ہو بلکہ وہ تو مشرق اور مغرب دونوں کے عالم ہیں۔ (تہذیب الاسماء واللغات، امام نووی)

امام احمد نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ علم حدیث کے حاصل کرنے میں ان سے زیادہ کسی نے کوشش نہیں کی۔ موصوف نے جو بیان فرمایا کہ میں چار ہزار مشائخ سے حدیث سیکھی اور ایک ہزار افراد سے روایت کی۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی حوالے سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں گویا وہ فن روایت کے ایک بہت بڑے رکن تھے۔ حدیث اور فقہ میں ان کی متعدد تصنیفات تھیں لیکن آج کسی ایک کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ پس مرور زمانہ کی وجہ سے سب ضائع اور ناپید ہوگئیں اور اکثر ایسا ہوا ہے۔

قبولیت عام

عوام وخواص میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ایک حسن اتفاق سے وہ ”رقہ“ گئے تو اسی زمانہ میں خلیفہ ہارون الرشید بھی وہیں موجود

تھا جب عبداللہ بن مبارک کی آمد کی لوگوں کو اطلاع ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کی زیارت اور علمی استفادہ کے لئے دوڑے کہ اسی کشمکش میں لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں اور بڑی مشکل سے ان کی خدمت میں پہنچے اور ہزاروں عقیدت مند ساتھ ہوئے اور ہر طرف گردوغبار چھا گیا۔ اتفاقاً خلیفہ کی ایک حرم کھڑکی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے محو حیرت ہو کر لوگوں سے دریافت کیا یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے بتایا یہاں خراسان کا ایک عالم عبداللہ بن مبارک آیا ہے (جس کی زیارت کے لئے اس قدر ہجوم ہوا ہے) وہ کہنے لگی درحقیقت سلطنت تو اسی کا نام ہے۔ خلیفہ کی برائے نام حکومت ہے کہ سوائے عباسیوں کے کوئی دوسرا حاضر ہی نہیں ہوسکتا۔ (تاریخ ابن خلکان)

فائدہ

دنیاوی سلاطین اور امراء کی لوگوں پر جو حکومت ہوا کرتی ہے وہ صرف خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے ظاہر پر ہوتی ہے مگر خدا کے محبوب اور لاڈلے بندوں کی فرماں روائی اور عنانِ حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان پر اپنا سب کچھ (تن، من، مال، اولاد اور عزت و آبرو تک) قربان کرنے کے لئے ہمہ اوقات تیار رہتے ہیں چنانچہ ہزاروں واقعات بالخصوص صحابہ کرام کی سنہری زندگیاں اس کی شہادت میں موجود اور تواریخ میں مذکور ہیں لہذا عبداللہ بن بارک کے لئے مذکورہ واقعہ کوئی قابل تعجب نہیں۔ اور نہ محو حیرت ہے بلکہ اس علم نواز دور کے لحاظ سے یہی قرین قیاس اور مقتضائے عقل ہے جیسا کہ آج کے دور میں اہل دنیا کے ساتھ لوگوں کا یہی حال ہے موصوف، امام صاحب کے مشہور اور خصوصی شاگردوں میں سے ہیں انہیں امام صاحب سے بے حد عقیدت اور گہری محبت تھی چنانچہ اس کے ساتھ ایثار اور قربانی کا پرخلوص جذبہ رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے متعدد توصیفی نظمیں اور اشعار حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں تحریر کئے ہیں۔ مخالفوں اور حاسدوں سے آپ کا دفاع کیا اور ہر مجلس میں آپ کی شخصیت کو نا آشنا لوگوں میں آپ کو خراج تحسین پیش کر کے متعارف کرایا۔ اکثر فرمایا کرتے جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب کچھ امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری کی عطائے کرم ہے۔ چنانچہ ان کا مشہور مقولہ ہے "لو لا ان اللہ تعالیٰ انما ثنی بابی حنیفۃ و سفیان کنتُ کسائر الناس"۔ اگر اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری کے طفیل میری دستگیری نہ فرماتا تو میں عام لوگوں کی طرح ایک آدمی ہوتا۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر)

اکثر کتابوں میں ان کے گفتہ اشعار مذکور ہیں چنانچہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں پس ان میں سے بعض ہدیہ قارئین ہیں:

۱- رأیت ابا حنیفۃ حین تولی — و یطیب علمہ بحراً عزیزاً

۲- لقد زان البلاد و من — علیہا امام المسلمین ابو حنیفۃ

۳- فلعنۃ ربنا اعداد رمل — علی من ردّ قول ابی حنیفۃ

اقول ...... المراد بہ من رد قولہ بلا دلیل مع الحسد و العناد و الا ردت قولہ الآئمۃ المجتہدون بالدلائل و الشواھد بحسب ظنھم فکیف ھذا فافھم۔

3...... یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ

موصوف حدیث اور فقہ دونوں میں بڑا کمال رکھتے تھے اور یکتائے روزگار تھے علامہ ذھبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کے طبقہ سب

سے پہلے حفاظ حدیث میں ان کا شمار کیا ہے کیونکہ یہ کتاب اسی موضوع پر لکھی گئی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث اور فقہ دونوں میں ان کی جامعیت کو علامہ ذھبی نے میزان الاعتدال میں ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے: " احد الفقهاء الكبار و المحدثين الثقات " یہ امام صاحب کے خصوصی اور ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور عرصہ دراز تک ان کی خدمت میں رہے حتی کہ علامہ ذھبی نے انہیں اسی نسبت سے ''صاحب ابی حنیفہ'' قرار دیا ہے جو ان کی طویل صحبت پر ایک واضح دلیل ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے سب سے بڑے شرکاء تدوین میں سے تھے۔ گویا اس کام میں شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے ان کی مدت شرکت تیس سال بتائی ہے اگر چہ یہ تحریر صحیح نہیں ہے تاہم اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ موصوف کافی ایام تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ خصوصاً تالیف وتحریر کا شعبہ انہی سے وابستہ تھا پس اس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ اور مغالطہ ہو گیا کہ کوفہ میں تصنیف وتالیف کا کام سب سے پہلے یحییٰ بن زکریا نے شروع کیا۔ پس یہ کوئی مستقل تصنیف وتالیف نہ تھی بلکہ وہی تدوین فقہ کی تحریر کا کام تھا جو اس وقت ان کے حوالے کیا گیا اور وہ حسب ہدایت اسے سرانجام دیتے تھے۔ کچھ مدت تک مدائن میں عہدہ قضاء پر مامور رہے۔ پھر وہیں ۱۹۲ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں ان کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے حساب رحمتیں نازل فرمائے۔ اہل فن سے پوشیدہ نہیں کہ صحاح ستہ میں ان کی روایت سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

4......وکیع بن الجرّاح

بہت بڑے محدث اور علم حدیث کے عظیم رکن تھے چنانچہ اکابرین اور آئمہ مجتہدین کو ان کی شاگردی پر بڑا فخر تھا۔ مروی ہے کہ امام احمد علیہ الرحمۃ ان کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور ان سے روایت کردہ حدیث کو بڑے ادب، پر خلوص اور پیار ومحبت سے بیان فرماتے تھے۔ یحییٰ بن معین جو جرح وتعدیل کے ایک قابل قدر اور ممتاز امام ہیں فرمایا کرتے تھے میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس کو محدث وکیع پر ترجیح دوں۔ (مراد یہ ہے کہ باقی سب ان سے نیچے ہیں ان سے اوپر کوئی نہیں)۔ متعدد آئمہ کرام نے ان کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی اور ان کی شان میں کلمات ثناء ذکر فرمائے ہیں۔

بخاری ومسلم میں ان کی سند سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ اور اس فن میں ان کی رائے مضبوط اور مستحکم تسلیم کی جاتی ہے۔ موصوف امام ابوحنیفہ کے خصوصی شاگرد تھے۔ امام صاحب سے متعدد حدیثیں سنی تھیں اکثر وبیشتر مسائل میں امام اعظم کی پیروی کرتے تھے اور انہیں کے ارشاد کے مطابق فتویٰ دیا کرتے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ذکر کیا ہے: ''كان يُفتى بقول ابى حنيفة و كان قد يسمع منه كما فى عقود الجمان فانظر و هو صريح فى هذا الدعوىٰ و يصدق الذهبى فى التذكرة ''۔ موصوف نے ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

5......یزید بن ہارون

حدیث کے بہت بڑے امام ہوئے ہیں۔ کہ متعدد ناموران کے شاگرد تھے جیسے امام احمد، علی بن المدینی (استاذ بخاری)، یحییٰ بن معین اور ابن ابی شیبہ وغیرہ امام نووی فرماتے ہیں ان کے شاگردوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یحییٰ بن ابی طالب فرماتے ہیں ایک دفعہ میں ان کے حلقہ درس میں شریک ہوا تو حاضرین لوگ یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ اس وقت شرکائے درس کی تعداد کم وبیش ستر ہزار ہے۔ کثرت حدیث میں وہ ضرب المثل تھے وہ خود بیان فرماتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد ہیں۔ چنانچہ بہت بڑے حافظ الحدیث تھے جیسا کہ علی بن المدینی کہا کرتے تھے میں نے ان سے زیادہ کوئی حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔ یہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کے ممتاز اور نامور شاگرد تھے چنانچہ علامہ ذھبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام ابوحنیفہ کے تلامذہ حدیث میں انہیں شمار کیا ہے۔ ایک عرصہ تک امام صاحب کی

خدمت میں رہے پس اس وجہ سے امام صاحب کے اخلاق و عادات اور سیرت و کردار سے بخوبی واقف تھے کیونکہ انہیں پاس رہنے کا کافی موقع ملا تھا یہی وجہ ہے کہ فرماتے تھے کہ امام صاحب سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہ دیکھا۔ (تہذیب الکمال حافظ ذہبی) (تہذیب الاسماء و اللغات، امام نووی) ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ میں وصال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

6......حفص بن غیاث

بڑے نامور اور کثیر الحدیث محدث تھے۔ چنانچہ خطیب نے کثیر الحدیث "محدث" قرار دیا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے انہیں حفاظ الحدیث میں شمار کیا ہے چنانچہ امام احمد اور علی بن المدینی ان سے روایت حدیث کرتے ہیں اور انہیں یہ وصف حاصل تھا کہ جو کچھ روایت کرتے قوت حفظ سے زبانی بیان کرتے کوئی کاغذ یا کتاب پاس نہ رکھتے۔ جو احادیث روایت فرمائیں ان کا شمار تین یا چار ہزار تک ہے۔ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں چنانچہ امام صاحب کے شاگردوں میں بعض حضرات آپ کے نہایت قریبی اور بے حد مخلص تھے کہ جن کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے تم لوگ میرے دل کی تسکین اور میرے غم کا ازالہ کرنے والے ہو۔ "حفص" بھی ان میں شامل ہیں ابتدائی زمانہ دنیاوی معاملات سے آزاد، زہد و تقویٰ اور افلاس و ناداری میں گزارا مگر آخر میں دنیاوی ضرورتوں سے مجبور ہو کر خلیفہ ہارون الرشید کے تقاضے پر عہدہ قضاء قبول کر لیا۔ (اور قاضی ابو یوسف جو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے اہم اور بلند پایہ منصب پر فائز تھے) ان سے بغیر پوچھے حضرت حفص کی تقرری ہو گئی جس پر قاضی صاحب کو رنجش ہوئی اور حسن بن زیاد سے ارشاد فرمایا اگر "حفص" ہم تک پہنچیں تو انہیں تنقیدی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ (یہ ایک انسانی تقاضا ہے کہ جس سے کوئی انسان بحیثیت انسان آزاد نہیں ہو سکتا ہے لہذا یہ معیوب نہیں) مگر جب قاضی صاحب نے ان کے فیصلے دیکھے تو اقرار کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی شامل ہے۔ (میزان الاعتدال، الجواہر المضیہ) موصوف (۱۳) برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں عہدہ قضا پر فائز رہے۔ ۱۱۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۹۶ھ میں وفات ہوئی۔

7......ابو عاصم النبیل

یہ ان کی کنیت ہے نام "ضحاک بن مخلد" ہے۔ ایک مشہور محدث ہیں بخاری و مسلم میں ان کے حوالے سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ ان کی توثیق پر سب لوگوں کا اتفاق ہے۔ (میزان الاعتدال علامہ ذھبی) بے حد پارسا اور صاحب ورع تھے۔ جب سے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے تو پھر کسی کی غیبت نہ کی۔ (قول امام بخاری) امام شعبہ نے کسی وجہ سے یہ قسم کھائی کہ میں روایت حدیث نہیں کرونگا چونکہ بہت بڑے شیخ الحدیث کہ ہزار طلبہ ان کے حلقہ درس سے فیض یاب بایں وجہ لوگ بے حد پریشان ہوئے۔ جب ابو عاصم کو علم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کی میں اپنا غلام آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں لہذا آپ قسم توڑ ڈالئے اور درس حدیث شروع کر دیجئے۔ امام ان کے فرط شوق اور عالی ظرفی پر بڑا تعجب ہوا اور فرمایا "انت نبیلی" یعنی تم بڑے معزز ہو۔ "نبیل" یہی معنی ہیں پس اس وقت سے ان کا یہ لقب لوگوں میں مشہور ہو گیا۔ (الجواہر المضیہ) یہ امام صاحب کے خصوصی شاگرد تھے کہ آپ سے استفادہ حدیث کیا (کتاب مذکور) ایک دفعہ کسی نے پوچھا سفیان ثوری بڑے فقیہ یا ابو حنیفہ؟ فرمایا موازنہ تو ان چیزوں میں کیا جاتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد رکھی جبکہ امام سفیان ثوری صرف فقیہ ہیں۔ (خطیب بغدادی) پس اس سے امام صاحب کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۲۱۲ھ میں نوے ۹۰ برس کی عمر پا کر وفات پائی۔

8......عبدالرزاق بن ھمام

موصوف بہت بڑے نامور محدث تھے۔ چنانچہ علامہ ذھبی نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے ''احد الاعلام الثقات'' چنانچہ بخاری ومسلم ان کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ متعدد آئمہ کرام ان کی شاگردی کا شرف رکھتے ہیں مثلاً امام احمد، ابوسفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن المدینی وغیرہ۔ لوگ بہت دور دراز سے ان کی خدمت میں آ کر استفادۂ حدیث کرتے تھے حدیث میں ان کی ایک مبسوط کتاب تصنیف بنام ''جامع عبدالرزاق'' موجود ہے چنانچہ امام بخاری نے اس سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذھبی نے اس کو علم کا خزانہ قرار دیا ہے۔ موصوف، حدیث میں امام صاحب کے نامور شاگرد تھے بقول مصنف ''عقود الجمان'' زیادہ عرصہ اپنے شیخ کی خدمت میں گزارا۔ یہی وجہ ہے کہ استاد کے اخلاق و عادات کے متعلق ان کے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ کسی کو ''حلیم'' نہیں پایا۔ (انساب سمعانی۔ تاریخ یافعی) ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

9......داؤد الطائی

اللہ تعالیٰ کی ان پر خصوصی نظرِ عنایت اور بے پایاں لطف و کرم تھا کہ اہل علم اور صوفیائے کرام دونوں میں قبولیت عامہ اور شرافت تامہ رکھتے تھے۔ چنانچہ فقہائے کرام خصوصاً فقہائے حنفیان کے تفقہ، اجتہاد اور استخراج مسائل کے بڑے خلوص سے قائل ہیں آئمہ حدیث فرماتے ہیں ''ثقة بلا نزاع'' (میزان الاعتدال ذھبی) یعنی بالاتفاق ایک مستند شخصیت ہیں مراد یہ ہے کہ ان کے معتبر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں گروہ صوفیا انہیں شیخ کامل اور مرشد اکمل قرار دیتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ انہیں حسن قبول سے نوازا تھا۔ گویا در حقیقت وہ ان تمام القاب کے مستحق اور اہل تھے کہ جن سے انہیں نوازا گیا چنانچہ محارب بن دثار جو ایک مشہور و معروف آئمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے اگر داؤد پہلے زمانے میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کا تذکرہ فرماتا۔ آغاز میں حدیث اور فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور اہل علم سے بحث و مناظرہ کا شغل اختیار کیا۔ اتفاقاً ایک دن کسی شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری (گویا اسے حقیر سمجھتے ہوئے یہ بے باکانہ کاروائی کی) وہ اس حرکت پر بول اٹھا ''داؤد'' تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو گئے۔ پس اس بات کا ان پر ایک عجیب اثر ہوا۔ بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ لیکن حصول علم کا شغل جاری رکھا۔ پھر ایک سال کے بعد اپنی تمام کتابیں دریا میں ڈال دیں اور ہر چیز سے بے تعلق ہو گئے۔ امام اکثر مسائل ان سے پوچھتے جاتے اگر کوئی ضروری اور علمی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ فرماتے ''برادر'' میرے اور ضروری کام ہیں۔ موصوف امام صاحب کے مشہور و معروف شاگرد ہیں چنانچہ خطیب بغدادی، ابن خلکان، علامہ ذھبی اور بہت سے دوسرے آئمہ تاریخ نے ان کے حالات میں امام صاحب کی شاگردی کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور تدوین فقہ کے کام بھی شریک رہے۔ بلکہ ایک معزز رکن کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ورضوانہ وبرکاتہ ومغفرتہ الیٰ یوم القیامۃ وبعدہ ابداً۔

نوٹ

مذکورہ اکابرین کے علاوہ بھی بہت سے ایسے نامور اور ممتاز محدثین ہوئے ہیں جو امام صاحب سے شرف شاگردی رکھتے ہیں مثلاً:

(۱)......فضل بن دکین۔ (۲)......حمزہ بن حبیب الزیات۔ (۳)......ابراھیم بن طھمان۔

(۴)......سعید بن ارس۔ (۵)......عمرو بن میمون۔ (۶)......فضل بن موسیٰ وغیرہ۔

لیکن ہم نے صرف ان حضرات کا انتخاب کیا ہے جو مدتوں تک امام صاحب کی صحبت اور مجلس میں رہے۔ اور ان کے خصوصی شاگرد کہلانے کے مستحق ہیں۔

امام صاحب کے فقہائے شاگردوں کا تذکرہ جو تدوین فقہ میں امام صاحب کے معاون تھے

۱......قاضی امام ابو یوسف انصاری

ان کا اسم گرامی یعقوب والد کا نام ابراھیم نسب انصار مدینہ سے ملتا تھا چنانچہ ان کے جدّ اعلیٰ سعد بن جبتہ حضور اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۲ھ میں دار الحکومت بغداد میں وفات پائی۔ امام موسیٰ الکاظم کے مزار ہی کے احاطے میں جنوب کی طرف ایک مسجد بنی ہوئی ہے جو "جامع ابی یوسف" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ایک حصے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا مزار شریف ہے۔ آپ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے والد (ابراھیم) ایک غریب اور نادار آدمی تھے۔ محنت ومزدوری پر وقت بسر کرتے تھے اس کے علاوہ مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ آپ کے بچپن ہی میں ان کا انتقال ہو گیا پس والدہ بیوہ اور یہ یتیم ہو گئے۔ والدہ نے فکر معاش کے خیال سے یتیم بچے کو ایک دھوبی کے سپرد کر دیا تا کہ وہاں محنت ومزدوری کے ذریعے روزی کمائے مگر انہیں ابتدا ہی سے حصول علم کا شوق تھا اس لئے یہ امام صاحب کے حلقۂ درس میں جا کر بیٹھنے لگے جب ان کی والدہ کو پتہ چلا تو اس نے منع کیا اس لئے کہ وہ کئی روز تک وہاں نہ گئے پھر جب کئی ناغوں کے بعد امام صاحب کے حلقۂ درس میں حاضر ہوئے۔ چونکہ بے حد ذہین وفہیم تھے اس لئے امام صاحب کو ان کی غیر حاضری کی تشویش ہوئی آنے پر ان سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ جب انہوں نے سارا ماجرا سنایا تو امام صاحب نے فراغت کے بعد انہیں بلایا اور سو درہم بھری تھیلی ان کے حوالے کر کے ارشاد فرمایا اس سے اپنا کام چلاؤ پھر جب رقم ختم ہو جائے تو مجھے بتاؤ۔ خود فرماتے ہیں کہ شیخ کو بتانے کی کبھی نوبت نہیں پیش آتی بلکہ جب رقم ختم ہونے پر آتی تو شیخ خود بخود اور دے دیتے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں رقم ختم ہونے کا گویا الہام ہو جاتا تھا۔ اس کے باوجود ان کی والدہ کو خیال ہوا کہ یہ سلسلہ کب تک چل سکتا ہے لہذا کوئی مستقل ذریعہ معاش ہونا چاہئے۔ اس لئے امام صاحب سے عرض کرنے لگیں کہ یہ ایک نادار یتیم بچہ ہے میں چاہتی ہوں کہ کوئی کام سیکھ کر کمانے کے لائق ہو جائے لہذا آپ اسے اپنے حلقۂ درس میں شریک ہونے سے روک دیں۔ امام صاحب نے اسے جواب دیا ارے خاتون یہ تو روغن وپستہ میں بنا ہوا فالودہ کھانا سیکھ رہا ہے سیرت نعمان میں علامہ شبلی نے یہی واقعہ امام ابو یوسف کے والد ابراہیم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے بہر حال اصل واقعہ مذکور ہے خواہ دونوں میں سے کسی کی طرف منسوب ہو۔ امام صاحب کا فہم وفراست پر مبنی ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں قاضی ابو یوسف تشریف فرما تھے کہ خلیفہ اندر سے ان کے لئے فالودہ سے بھرا ہوا ایک پیالہ لایا اور بتایا کہ یہ بڑی خاص چیز ہے جو ہمارے لئے بھی کبھی کبھی تیار کی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا امیر المومنین یہ کیا چیز ہے؟ تو کہنے لگے یہ روغن پستہ میں بنا ہوا فالودہ ہے۔ یہ سن کر فرط حیرت سے میں ہنس پڑا۔ خلیفہ نے اس کی وجہ پوچھی؟ تو میں نے اسے سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی محو حیرت ہو گیا اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحم فرمائے وہ اپنی عقل کی آنکھ وہ کچھ دیکھ لیتے تھے جو دوسروں کو سر کی آنکھ سے نظر نہیں آ سکتا۔ (تاریخ بغداد للخطیب جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۵)

قدرتی شوق

غربت اور بے سروسامانی کے باوجود موصوف کو بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے اور علوم وفنون حاصل کرنے کا بے حد ذوق وشوق

تھا کہ گھر والوں سے چوری چھپے بھی ذرا سا وقت ملتا تو وہ ارباب علم کی خدمت میں حاضری دیتے اور ان کے فیوض و برکات سے بھر پورا فائدہ اٹھاتے۔

متعدد شیوخ سے استفادہ

امام ابو یوسف نے متعدد اکابرین اور مشائخ سے اپنی علمی پیاس بجھائی اور خوب سیر ہو کر ان کے علوم وفنون سے بھر پور فائدہ اٹھایا چنانچہ درج ذیل اساتذہ حدیث اعمش، ہشام بن عروہ، سلیمان تیمی، ابو اسحاق شیبانی، عطاء بن سائب اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ محمد بن اسحاق سے سیر اور مغازی پڑھی۔ اور محمد بن ابی لیلیٰ سے مسائل فقہ سیکھے کہا جاتا ہے کہ اولاً تحصیل فقہ کے لئے انہی کی طرف رجوع کیا۔ قاضی صاحب متعدد علوم وفنون صاحب تھے۔ اگر چہ ترتیب فقہ میں زیادہ شہرت یافتہ تھے لیکن دوسرے علوم میں بے نظیر تھے۔ مؤرخ ابن خلکان ہلال بن یحییٰ سے روایت کی قاضی ابو یوسف، تفسیر، مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے۔ فقہ ان کے لئے ایک ادنیٰ سا علم تھا۔ حدیث میں بلند پایہ رکھتے تھے کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں چنانچہ علامہ ذھبی یحییٰ بن معین، امام احمد اور امام مزنی شاگرد امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ حدیث اس فن میں انہیں صاحب رتبہ تسلیم کرتے ہیں حالانکہ محدثین اصحاب رائے کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ جب اولاً مجھے علم حدیث پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو میں امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا تو پھر ان سے حدیث پڑھنے کا آغاز کیا۔ چنانچہ متعدد آئمہ حدیث مثلاً امام احمد، یحییٰ بن معین وغیرہ نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ گویا وہ بہت سے اکابرین کے استاد حدیث ہیں۔ اس سے ان کی عظمت اور بلند پایہ مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جن حضرات نے امام ابوحنیفہ اور ان کے بعض احباب پر تنقید کی اگر چہ یہ نکتہ چینی سطحی حیثیت رکھتی ہے تاہم قاضی ابو یوسف کے خلاف کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ سب نے ان کی تعریف وتوصیف کی۔ اور ان کے محدث ہونے کا اعتراف کیا امام ابو یوسف کے حافظہ اور بصیرت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ جب محدثین کے پاس حاضر ہوتے تو ایک ہی نشست میں پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے۔

امام ابوحنیفہ سے خصوصی نسبت

اگر چہ آپ کے دوسرے اساتذہ بھی تھے مگر جب آپ امام صاحب کے حلقۂ درس میں گئے تو امام صاحب کی قدرتی قابلیت کی وجہ سے دل وجان سے ان کے دلدادہ ہو گئے۔ چنانچہ جب تک امام صاحب زندہ رہے تو ہمیشہ ان کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتے رہے پس علم فقہ میں جو بلند پایہ مقام انہیں حاصل ہوا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ خود امام صاحب ان کی لیاقت کا اعتراف کرتے تھے۔ اور دوسرے اہل علم کو بھی ان کی قابلیت کا اعتراف تھا۔ چنانچہ امام اعمش ایک مشہور ومعروف محدیث تھے انھوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا: جب آپ نے جواب دیا تو اعمش کہنے لگے کہ اس پر کوئی دلیل بھی ہے۔ تو قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث اس پر دلیل ہے جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی۔ امام اعمش کہنے لگے کہ یہ حدیث مدت سے مجھے یاد ہے جبکہ تمہارے والد کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اس کا صحیح مفہوم آج ہی سمجھ میں آیا ہے۔ (تاریخ ابن خلکان)

امام ابوحنیفہ کے سب سے زیادہ قابل قدر شاگرد امام ابو یوسف ہی تھے۔ کہ جنہوں نے شیخ کی خدمت میں رہ کر ان کی علمی فیوضات و برکات کو سمیٹا۔ اور صحیح طور پر اپنے استاد کے جانشین ثابت ہوئے۔

تصنیفات

یہ سب سے پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے فقہ حنفی میں کئی تصنیفات کیں۔ کہا جاتا ہے کہ دوسرے علوم میں بھی ان کی بہت سی تصنیفات ہیں چنانچہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی فہرست بھی نقل کی ہے۔ کتاب الخروج قانون مال گزاری پر ان کی ایک گرانمایہ تصنیف ہے۔ جس میں مختلف اعتبار سے زمین کی قسموں کا بیان ہے۔ اور اس سے متعلقہ دیگر مسائل بھی ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے خراج اور جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے ضروری مسائل دریافت کئے تھے۔ یہ کتاب انہی تحریروں کا ایک مجموعہ ہے اگر چہ اس میں دوسرے مسائل اور مضامین بھی ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اور اس نوع میں بے نظیر کتاب ہے۔

خصوصی وصف

اگر چہ قاضی صاحب میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی تھیں مگر ان کی زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں اور قابل قدر ہے وہ آزادی رائے اور جرأت ہے کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ چنانچہ یہ وصف ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم دستیاب ہے۔ موصوف حق کہنے میں بے حد آزاد اور باجرأت تھے کہ خلیفہ وقت کو بھی برملا حق کہہ دیتے اور نتائج کی کچھ پرواہ نہ کرتے۔ جب تک امام صاحب زندہ رہے تو قاضی صاحب نے کسی دربار سے کوئی تعلق ورابطہ پیدا کرنے کا ارادہ نہ کیا البتہ شیخ کے وصال کے بعد سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں ان کو قاضی مقرر کیا۔ پھر خلیفہ ہادی نے بھی انھیں اسی عہدہ پر بحال رکھا۔ لیکن خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی قابلیت سے واقف ہو کر انہیں اپنی تمام سلطنت کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کر دیا یہ ایک ایسا عظیم عہدہ ہے جو اس وقت تک اسلامی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ ایک آدھ کے بعد زمانہ آئندہ میں بھی کسی کو یہ عہدہ نہیں ملا۔ موصوف نے اس عہدہ میں بہت سے جدید کام سرانجام دیئے۔ جو ان کی تاریخ میں مذکور ہیں موصوف سترہ سال تک منصب قضاء پر فائز رہے اور پامردی اور ہمت سے اس کا تحفظ کیا۔ مخالفوں اور حاسدوں نے راہ اعتدال چھوڑ کر محض اپنے نفس کی تسکین کی خاطر ایک آزاد اور پاکیزہ نفس کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ اسے بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور اس پر بے سروپا الزامات لگا دیئے۔ خوشامدی اور زمانہ ساز تک کہنے سے باز نہ آئے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی الزام تراشی اپنے اندر کوئی وزن اور قوت نہیں رکھتی ارباب دانش پر پوشیدہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الخروج میں قاضی ابو یوسف نے بعض مقامات پر خلیفہ ہارون الرشید کو رعایا کے معاملہ میں عدل وانصاف کرنے اور گاہے گاہے دربار عام لگانے کی سخت ہدایت کی اور بے اعتدالی، غفلت اور بے راہ روی سے شدت سے روکنے کی کوشش کی۔ اور اس باب میں حق گوئی کا صحیح حق ادا کر دیا اور پوری آزادی اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ لہذا قاضی ابو یوسف کے سوا کسی کی یہ جرأت اور ہمت ہو سکتی تھی کہ "ہارون الرشید" جیسے خود مختار، خود پرست اور آزاد منش اور سخت گیر مطلق العنان بادشاہ کو اس طرح کے الفاظ لکھ سکے۔ پس یہ موصوف کی حق گوئی اور خدا پرستی کی صریح علامت اور واضح نشانی ہے اگر خوشامدی، چاپلوس اور مکار دعیار ہوتے تو کبھی اس نوع کا خطاب امیر سے نہ کرتے۔ لہذا ایسے پاک باز اور صاف گو کے متعلق ایسا خیال کرنا قطعاً جائز نہیں بلکہ عقل ودانش سے صریح بغاوت ہے جن لوگوں کو رطب ویابس، صحیح، غیر صحیح سے کچھ سروکار نہیں بلکہ حاطب اللیل کی حیثیت رکھتے ہیں ان سے کیا گلہ وشکوہ بلکہ صد افسوس اور صرف شکایت تو بعض ان اکابرین اور محدثین سے ہے جو مخالفین اور معاندین کے اس پھیلائے ہوئے جال اور دام تزویر میں پھنس کر جوش حمایت سے تحقیق حق نہ کر سکے چنانچہ امام بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک مبسوط کتاب لکھی کہ جس میں درج ذیل صریح جھوٹا بے سروپا واقعہ درج کر دیا کہ امام شافعی جب ہارون الرشید

کے دربار میں گرفتار کر کے لائے گئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے خلیفہ کو امام شافعی کے قتل کرنے کا مشورہ دیا اور کہا اگر بروقت تدارک نہ کیا گیا تو یہ شخص حکومت کو نقصان پہنچائے گا۔ بڑی حیرت ہے کہ باوجود جلالت شان کے بیہقی کو یہ خیال تک نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس واقعہ کے پیش آنے سے بہت پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے پھر کیسے اس موقع پر شریک ہو کر قتل شافعی کی رائے دی۔ اللہ تعالیٰ بیہقی کو معاف فرمائے کہ کتنی جھوٹی داستان ایک بے گناہ شخص کے ذمہ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ خود گروہ محدثین اور اکابرین امت نے برملا اس واقعہ کی تکذیب کی اور اسے جعلی اور وضعی قرار دیا چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے (کہ ان کے بعد کوئی شخص ان جیسا پیدا نہیں ہوا) امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب بنام (توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس) تحریر کی جس میں مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا:

فهي مكذوبة و غالب ما فيها موضوع و بعضها ماموته من روايات ملفقة و اوضح ما فيها من الكذب قوله فيها ان ابا يوسف و محمد بن الحسن حرّضا الرشيد على قتل الشافعي ......الخ

یہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا بیشتر حصہ موضوع ہے اور اس کے بعض حصے دوسری مخلوط روایتوں سے لئے گئے ہیں۔ اور اس میں صریح جھوٹ ہے وہ یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کرنے کی ترغیب دی۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر دیں کہ سچائی کیا ہے اور ظالم و مظلوم کون ہے۔ اور کس کا دامن اس آلائش سے پاک ہے۔

استاد کا رتبہ اور عظمت

ایک دفعہ امام ابو یوسف نے الگ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جب امام صاحب کو اطلاع ہوئی تو ایک شخص کو ایک فقہی مسئلہ در باب اجارہ بتایا اور فرمایا ابھی جا کر ابو یوسف سے اس کا جواب پوچھو۔ پھر وہ جو بھی جواب دیں تو کہہ دینا تمہارا جواب غلط ہے چنانچہ وہ شخص گیا اور قاضی صاحب سے درج ذیل مسئلہ پوچھا ایک شخص نے دھوبی کو میلا کپڑا دیا اور کہا دو درہم اجرت پر دھو ڈالو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد مالک نے کپڑا مانگا تو دھوبی نے انکار کر دیا اور کہا میرے پاس کپڑا نہیں کچھ وقفہ بعد مانگا تو دھوبی نے دھلا ہوا صاف کپڑا اس کے حوالہ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اجرت کا مستحق ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف سے جب سوال ہوا تو پہلے فرمایا ہاں ضرور اجرت کا مستحق ہے سائل نے کہا آپ نے غلط جواب دیا۔ پھر انہوں نے کچھ توقف سے دیا کہ وہ اجرت کا مستحق نہیں۔ سائل نے پھر ٹوکا کہ آپ نے غلط کہا۔ قاضی صاحب خاموش ہو گئے پھر فوراً امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا شاید دھوبی والا مسئلہ پوچھنے آئے ہو۔ عرض کی جی ہاں وہی مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا: جو شخص مفتی بن جائے لوگوں کو فتویٰ دینے بیٹھ جائے اور دین الٰہی کا ھادی بنے جبکہ اس کا رتبہ یہ ہو کہ ایک مسئلہ اجارہ کا بھی معلوم نہ ہو۔ شاگرد رشید نے عرض کی جواب ارشاد فرمائیے فرمایا مسئلہ مذکورہ کی دو صورتیں ہیں اور دونوں کا الگ الگ جواب ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر دھوبی نے غصب کر لینے سے پہلے کپڑا دھویا تو بلاشبہ اجرت مقررہ کا حقدار ہے کیونکہ مالک ثوب کے لئے کپڑا دھویا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ غصب کرنے کے بعد دھویا تو پھر اجرت کا حقدار نہیں کیونکہ دریں صورت اس نے اپنے لئے دھویا ہے (تو پھر اس پر کیسے مستحق اجرت ہو)۔ (الخیرات الحسان مصنفہ علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹)

سبق اور نتیجہ

۱) شاگرد خواہ کتنا عظیم اور بلند پایہ ہو جائے لیکن رتبہ استاد تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی لہٰذا کسی وقت بھی استاد گرامی قدر سے بے نیاز

نہیں ہوسکتا۔

۲) استاد کی حیات میں اپنا الگ سلسلہ درس قائم نہ کرے بلکہ شیخ کی زندگی میں ان سے استفادہ کرنے کو غنیمت سمجھے چنانچہ اسلاف کا یہی شیوہ رہا ہے چنانچہ خود امام صاحب نے قابلیت اور شہرت کے باوجود شیخ حماد کے زمانۂ حیات میں الگ اور مستقل درس و تدریس کا کوئی سلسلہ نہ شروع کیا بلکہ استاد گرامی کے حلقۂ درس میں جا کر شریک ہوتے البتہ ان کے وصال کے بعد مسند تدریس پر تشریف فرما ہوئے۔

۳) اپنے شیخ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے ادب واحترام بے حد ضروری ہے بلکہ سب سے پہلی شرط ہے۔یہی وجہ ہے کہ خود امام صاحب اپنے شیخ حماد کے گھر کی طرف اپنے پیر نہ پھیلاتے تھے چنانچہ مشہور مقولہ ہے (بے ادب بے نصیب، با ادب با نصیب) عارف رومی فرماتے ہیں:

۱۔ از خدا خواہم توفیق ادب   بے ادب محروم ماند از فضل رب

2۔ بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش درہمہ آفاق زد

الغرض شاگرد کے لئے ہر موقع، ہر معاملے میں اپنے استاد کے ادب واحترام کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری اور اس کے حق میں تریاق اور نسخۂ کیمیا ہے۔یہی چیز اس کے لئے باعث ترقی اور زینۂ عروج اور سعادت دارین ہے ورنہ وہ پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔

۴) شاگرد اپنی ''دعوات صالحہ'' میں اپنے استاد کو ہمیشہ یاد رکھے بلکہ انھیں اولین حیثیت سے یاد رکھے۔امام صاحب ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاد گرامی کے لئے دعا مانگتے۔اور اس کو اپنا فریضہ سمجھتے اور دوسرے اہم کاموں سے اسے اہمیت دیتے۔چنانچہ آپ کے سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے۔

۵) زندگی میں حتی الامکان خدمت کرے۔اور بعد میں صالح دعاؤں میں یاد رکھے اور اس کے خاندان کا لحاظ رکھے اور سب کا ادب و احترام بجالانے کی سعی کرے پس اس میں سے کسی سے خفیف توہین آمیز کلمہ کہنے کی کبھی بھولے سے بھی جرأت نہ کرے۔چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کا اپنے استاد زادے کے بے حد ادب واحترام کرنے کا واقعہ مشہور و معروف اور حالات غزالی میں مذکور ہے جو ہم جیسوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔یہی سبق اور تلقین غزالی تھی جس کی طرف حکیم مشرق اشارہ کر گئے۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی   فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کے طفیل ہم سب کو پند و نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔(آمین)

امام اعظم کے مزار پر امام شافعی کی حاضری

انی لاتبرک بابی حنیفة و اجئ الیٰ قبره فی کل یوم یعنی زائراً فاذا عرضت لی حاجته صلیت رکعتین و جئت الیٰ قبره و سألت اللّٰه تعالیٰ الحاجة عنده فما تبعد عنی حتی تقضی (اھ)

تاریخ بغداد للخطیب جلد اول صفحہ ۱۲۳ میں ہے امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے روزانہ ان کی قبر پر جاتا ہوں ہر روز ان کے مزار پر حاضر ہوتا ہوں اور جب کبھی مجھے کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے میں دو رکعتیں پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں

اور وہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری فرما دیتا ہے۔
اور یہ بات تو بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ امام شافعی حضرت امام ابوحنیفہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ تو وہاں اپنے مسلک کے خلاف نماز فجر میں قنوت کو نہیں پڑھا کیونکہ امام ابوحنیفہ اس کے قائل نہیں تھے۔ (اھ) (جہانِ دیدہ) (سفرنامہ از مفتی تقی عثانی جسٹس نقل بعینہٖ صفحہ ۴۴)
قاضی ابو یوسف اس امت کی ان عظیم برگزیدہ شخصیات میں سے ہیں کہ جن سے بے شمار اور لاتعداد لوگوں نے فوائد دینی حاصل کئے اور ان کے عظیم احسانات سے اس امت کی گردن ہمیشہ خم رہے گی خصوصاً احناف کے لئے ان کی قیمتی خدمات یقیناً ناقابل فراموش ہیں۔
ان کا کمال کا کارنامہ یہ ہے کہ فقہ کو نہ صرف فقہی قانون فقہ کو محض نظریاتی حد سے نکال کر زندگی میں عملاً نافذ کر دیا پھر اس طرح اپنے شیخ کی تعلیمات کو دنیا کے ہر گوشے تک پہنچایا اور اس سے لوگوں کو روشناس کرایا کہ آج دنیا کی تین حصے آبادی اسی حنفی فقہ کی پابند ہے اور دنیا کی اکثر سلطنتوں کے مسلمان حکمرانوں نے اس فقہ حنفی کو اپنے ممالک میں نافذ کیا۔

آخری وقت کی درخواست والتجا

آخری وقت قاضی امام ابو یوسف کے پاس جو لوگ موجود تھے ان کا بیان ہے کہ اس وقت موصوف کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔
اے اللہ تعالیٰ! تجھے علم ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ دانستہ طور پر حق کے خلاف نہیں کیا۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جو فیصلہ ہو وہ تیری کتاب اور تیرے رسول ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو میں امام ابوحنیفہ کے توسل سے دعا مانگتا۔ اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ امام ابوحنیفہ تیرے احکام کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور دانستہ حق کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ امام ابو یوسف نے یہی کلمات کہتے کہتے اپنی جان جہان آفرین کے سپرد کر دی اور ہمیشہ کے لئے اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر بارگاہ خداوندی میں پہنچ گئے۔
چنانچہ آپ نے ۱۸۲ھ میں جمعرات کے دن ظہر کے وقت ۵ ربیع الاول کو وفات پائی اور بغداد میں امام موسیٰ کاظم کے احاطہ کے جنوبی حصہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ کیونکہ آپ کافی عرصہ منصب قضا پر فائز رہے اور اس زمانے کے خلفاء بالخصوص خلیفہ ہارون الرشید کے قریب رہے اس لئے آپ بہت بڑے مالدار تھے۔ لیکن دانشمند ہونے کی وجہ سے اپنی دولت کا صحیح استعمال کیا۔ مرتے وقت گھر والوں کو وصیت کی کہ چار لاکھ روپے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ اور بغداد کے غرباء و مساکین پر صَرف کئے جائیں۔

عجیب خواب

بغداد کے مشہور و معروف بزرگ معروف کرخی امام ابو یوسف کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں گیا وہاں ایک محل بن کر تیار ہوا ہے کہ اس کے دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے جواب دیا گیا کہ قاضی امام ابو یوسف کا ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ انھیں یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت ملا۔ جواب ملا کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔ اور خود بھی اسے کرنے کی سعی کرتے تھے لوگوں نے انھیں بہت سی تکلیفیں بھی پہنچائیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم و کرم کا دروازہ کھول دیا۔
(تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۱)

نوٹ: قاضی ابو یوسف کے حالات پر بہت کچھ مزید لکھا جا سکتا ہے لیکن مزید لکھنے کی یہاں پر گنجائش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو باقی ماندہ مضمون ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی ہدیہ ناظرین کیا جائے گا۔ یہاں سرِ دست اسی پر اکتفا کیا جاتی ہے۔

۲......امام محمد بن حسن شیبانی

امام صاحب کے دوسرے مشہور ومعروف اور نامور شاگرد امام محمد بن حسن ہیں۔ یہ فقہ حنفی کے نمبر۲ بازو ہیں۔ان کی اصلی جائے سکونت دمشق کے قریب ایک گاؤں تھا جس کو خرستا کہتے تھے۔ان کے والد گرامی اس کو چھوڑ کر واسط چلے آئے اور پھر وہیں سکونت اختیار کرلی پس امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔

اسلامی علوم کا آغاز

موصوف نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو اتفاقاً کوفہ گئے کوفہ اس وقت علوم وفنون کا ایک بڑا مرکز تھا۔ بڑے بڑے نامور اور ممتاز اہلِ علم یہاں موجود تھے اور باہر سے بھی سینکڑوں، ہزاروں افراد استفادہ علم کے لئے یہاں آتے۔ چنانچہ امام محمد نے بھی بڑے بڑے محدثین اور فقہائے کرام کی صحبت میں رہ کر اسلامی علوم حاصل کئے چنانچہ مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن دینار اور امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔تقریباً دو برس تک امام صاحب کی خدمت میں رہے۔امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے باقی ماندہ علوم حاصل کئے۔ پھر مدینہ منورہ گئے وہاں تین برس تک امام مالک سے علمِ حدیث کا استفادہ کیا۔عہدِ جوانی ہی سے ان کے فضل وکمال اور لیاقت وقابلیت کا چرچا دور تک پھیل گیا۔تقریباً بیس سال کی عمر میں درس وتدریس کی مسند پر فائز ہوئے ہر طرف سے طالبانِ علم نے آکر ان سے استفادہ شروع کیا۔خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی خداداد لیاقت کی وجہ سے انھیں عہدِ قضا سپرد کیا۔خلیفہ کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ نامور اہلِ علم کو اپنے سفر وحضر میں ساتھ رکھتا۔ چنانچہ ۱۸۹ھ میں جب رے گیا تو امام محمد کو بھی ساتھ لے گیا۔ چنانچہ رے کے قریب رنبویہ نامی ایک گاؤں تھا وہاں پہنچ کر امام محمد نے وفات پائی۔اتفاق دیکھئے کہ اسی تاریخ کو عربیت کا مشہور عالم امام کسائی، وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اس کا بھی یہیں انتقال ہوگیا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید کو ان دونوں ناموں کے رخصت ہوجانے سے بے حد صدمہ ہوا اور کہا کہ آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کرآئے۔نامی گرامی شعراء نے اس موقع پر جانگداز مرثیے لکھے۔

امتیازی اوصاف

موصوف میں اگرچہ بہت سے اوصاف تھے۔ان میں ایک وصف آزادی اور حق گوئی تھا جب خلیفہ وقت بھی حق کے خلاف کوئی بات کہتا یا کسی سے کئے ہوئے وعدے کو توڑنا چاہتا تو امام محمد برملا اسے ٹوکتے اور روکتے اور ناحق کام میں اس کا ساتھ نہ دیتے۔

عظیم شخصیت

اکثر ہمعصر لوگوں نے امام محمد کی تعریف وتوصیف کی اور ان کے فضل وکمال کی اور رتبۂ اجتہاد کا اعتراف کیا۔ چنانچہ امام شافعی نے فرمایا کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے۔امام شافعی ہی کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے بارِ شتر کے برابر علم حاصل کیا۔امام احمد سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے باریک مسائل کہاں سے حاصل کئے تو فرمایا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے۔ (تہذیب الاسماء والصفات۔امام نووی)

اگرچہ امام محمد سے بیشمار لوگوں نے علم حاصل کیا اور ان سے استفادہ کرکے پوری دنیا میں دینی خدمات سرانجام دیں۔ان سب کی ایک طویل فہرست ہے کہ اسے یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں البتہ ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہر

زمانے کے تنگ ظرفوں اور کوتاہ بینوں کو ضرور اس سے تعجب ہوتا رہا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام شافعی امام محمد کے شاگرد ہوں چنانچہ حافظ ابن تیمیہ نے بھی اس کا انکار کیا۔ لیکن حق کسی کے دبانے نے نہیں دب سکتا اور نہ کسی کے چھپانے سے چھپ سکتا ہے چنانچہ تاریخ و رجال کی سینکڑوں کتابوں میں امام شافعی کی شاگردی کا ذکر موجد ہے۔ خود امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن مجید کا سب سے بڑا عالم امام محمد کو پایا۔ (سیرتِ نعمان)

چنانچہ حافظ ابن حجر، امام شافعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ محمد بن حسن خلیفہ وقت کے ہاں انتہائی باعزت تھے۔ اس لئے میں ان کے پاس آمد ورفت رکھتا تھا۔ میں نے دل میں یہ سوچا کہ وہ علم فقہ میں بھی عالی رتبہ رکھتے ہیں۔ پس اس وجہ سے میں نے ان کی مجلس اختیار کی اور ان کے درس قلم بند کرنے لگا۔ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو جب امام شافعی پر اپنے مخالفین سے گٹھ جوڑ کا شبہ ہوا تو امام شافعی نے امام محمد کا حوالہ دے کر اس مصیبت سے اپنی جان چھڑائی۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ کے دربار میں امام محمد کی بہت قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ امام محمد کا نام لینے سے ان کی جان بچ گئی۔ یہاں یہ بھی ذھن نشین کر لیجئے کہ ان دونوں بزرگوں میں باہم الفت و محبت اور گہرا جوڑ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی بہت عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر امام محمد خلیفہ کے دربار میں جارہے تھے کہ راہ میں امام شافعی سے ملاقات ہوگئی تو ایک دم اپنی رائے بدل دی۔ دربار میں جانے کے بجائے امام شافعی کے ساتھ گھر آگئے، پھر دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ دونوں کے درمیان بحث و مباحثہ اور مناظرے بھی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض نے اسی بنا پر امام شافعی کا امام محمد کی شاگردی سے انکار کیا ہے لیکن قدیم زمانے میں شاگرد استاد کے درمیان بحث و مباحثہ کوئی معیوب شے نہ تھی۔ اور آج بھی یہ معیوب نہیں۔ چنانچہ امام محمد کی زیادہ تر شہرت علمِ فقہ میں ہے اور اسی فن میں ان کی بکثرت تصنیفات ہیں۔ لیکن وہ دوسرے علوم، تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔

ادب وعربیت میں اگر چہ ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں لیکن فقہ کے بعض مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں جو زیادہ تر جامع کبیر میں موجود ہیں ان مسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ادب عربی میں ان کا کیا مقام تھا۔ چنانچہ مؤرخ ابن خلکان نے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا ہے۔ حدیث میں ان کی کتاب ''مؤطا'' علمی دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ اس کے علاوہ ''کتاب الحج'' امام مالک کے رد میں لکھی ہے اس میں زیادہ تر حدیثیں روایت کی ہیں اور اہلِ مدینہ سے کہا ہے کہ ان کے فلاں فلاں مسائل فلاں فلاں حدیث کے خلاف ہیں۔

امام محمد کی تصانیف

امام موصوف کی بہت زیادہ تصانیف ہیں چنانچہ دورِ حاضر میں پوری فقہ حنفی کا مدار ان ہی کتابوں پر ہے بعض نے نوسو سے زائد امام محمد کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں امام ابو حنیفہ کے پیش کردہ مسائل بطور روایت موجود ہیں۔ ایسی کتابوں کو ''اصل الاصول'' کہا جاتا ہے ان میں سے بعض ہدیہ ناظرین ہیں:

۱۔ مبسوط ...... درحقیقت یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے البتہ امام محمد نے اسی کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔ یہ گویا پہلی تصنیف ہے۔

۲۔ جامع صغیر ...... یہ مبسوط کے بعد کی تصنیف ہوئی اس میں قاضی ابو یوسف کے حوالے سے امام صاحب کے تمام اقوال مذکور ہیں۔ مجموعی مسائل پانچ سو تینتیس ۵۳۳ ہیں۔ ان میں سے ایک سو ستر ۱۷۰ مسائل کے متعلق اختلاف رائے بھی مذکور ہے چنانچہ کتاب

پوچھنے کی زحمت گوارا نہ کی، تو بصورت صواب اسکی نماز ٹھیک ہوگئی ورنہ نہیں۔ اور اگر اس کے پاس کوئی علاقائی آدمی نہ ہو بلکہ اس کی طرح کوئی ناواقف اجنبی آدمی ہو تو اس کی بات پر اعتبار نہ کرے بشرطیکہ اس کی صوابدید کے موافق نہ ہو، کیوں؟ اس لئے کہ وہ بھی اجتہاد کرتا ہے اور کسی ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا ضروری نہیں "لا یجوز لمجتهد تقلیدمجتهد آخر قاعدة معروفة مسلمة عند اهل الاصول" اور اگر نابینا نے کسی علاقائی موجودہ شخص سے پوچھا مگر اس نے کچھ نہ بتایا پھر نابینا آدمی نے سوچ بچار کر کے نماز پڑھ ڈالی، فراغت کے بعد کسی نے بتایا کہ اس نے غیر جہت قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے، تو اس پر اعادۂ نماز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے جستجو میں کوتاہی نہیں کی۔ اور ہر شخص پر تکلیف الاحکام بقدرِ وسعت ہے" الا وسعها لایکلف الله نفسا " ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ...... اگر جہت قبلہ میں شک ہوا پھر تحری کر کے ایک سمت کی طرف منہ کر کے ایک رکعت نماز پڑھ لی پھر شبہ ہوا پھر سوچ کی اور اس طرح ہر رکعت کے بعد کھٹکا ہوتا رہا اور حسب استطاعت جستجو کرتا رہا حتی کہ اس نے چار جہتوں کی طرف منہ کر کے چار رکعت پڑھ ڈالیں تو اس کی نماز جائز ہے، یونہی فتاوی قاضی خان میں مذکور ہے۔

تشریح

چونکہ اشتباہ لگنے کی صورت میں اس کے حل کے لئے سوائے تحری کے اسکی وسعت وقدرت میں اور کچھ نہیں لہذا اپنی طاقت کے مطابق اس نے پوری جستجو کی اور ہر رکعت رائے بدلنے پر ایک جہت کی طرف ادا کی، اور نیا اجتہاد ماقبل حکم کو معنیٰ کے حق میں منسوخ نہیں کرتا لہذا اس کی یہ چار جہتی نماز جائز ہے۔

فائدہ عجیبہ

امام حلبی لکھتے ہیں کہ اگر تیسری یا چوتھی رکعت میں شخص موصوف کی رائے جہت اولی کی طرف منتقل ہو جائے تو ائمہ متاخرین کا نماز کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے چنانچہ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز پوری کر ڈالے جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ نماز از سرِ نو پڑھے چنانچہ خلاصہ میں یہی مذکور ہے۔ والاوّل اوجه

اگر کسی نے جنگل بیابان میں بغیر شک اور بغیر غور وفکر کے نماز شروع کی پھر اس کے بعد اسے شک ہو گیا تو نماز جائز ہے مگر جبکہ یقیناً فساد کا علم ہو جائے تو پھر اعادہ کرے۔ اگر نماز کے فارغ ہونے کے بعد معلوم ہو جائے کہ جہتِ قبلہ میں اسے غلطی لگ گئی ہے یا اسی طرح اس کا غالب گمان ہو تو اس پر اعادۂ صلوٰۃ ہے۔

ترجمہ...... مصنف نے فرمایا کہ فتاوی امالی میں مذکور ہے ہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ اس کا قبلہ کعبہ ہے لیکن اس کی نیت نہ کرے تو نماز جائز ہے۔ فتاوی قاضی خان میں ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ نیت کی اس کا قبلہ مسجد کی محراب ہے تو نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ محراب علامتِ قبلہ ہے خود قبلہ نہیں۔ اگر اس نے قبلے سے اپنا سینہ بغیر کسی مجبوری کے پھیر لیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس نے قبلہ سے صرف اپنا منہ پھیرا تو اس پر لازم ہے کہ اس وقت قبلہ کی طرف منہ کر ڈالے تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔

تشریح...... اگر کوئی شخص قبلہ کا علم رکھتا ہو لیکن نماز شروع کرتے وقت اس کی نیت نہ کرے تو نماز جائز ہوگی اس لئے کہ نیتِ کعبہ نماز کی

شرط نہیں اور اگر نماز شروع کرتے وقت قبلہ کی بجائے محراب مسجد کی نیت کرے تو نماز اس لئے جائز نہ ہوگی کہ محراب صرف جہتِ قبلہ کی علامت ہے خود قبلہ نہیں گویا اس شخص نے نیت کے وقت قبلہ سے اعراض کیا ہے اور ظاہر ہے کہ قبلہ سے اعراض کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ اس کی مثال اس آدمی کی جیسی ہے کہ جس نے رکن یمانی کی طرف رخ کیا تا کہ بیت المقدس کے ارادے سے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی، کیوں؟ اس لئے کہ اگر چہ نیت کعبہ شرط نہیں لیکن یہ تو شرط ہے کہ اعراض عن القبلہ کی نیت نہ ہو۔ تیسرے مسئلہ میں سینہ پھیرنے سے نماز نہ ہوگی البتہ قبلہ سے منہ پھیر ڈالے اور فوراً اسی طرف رخ کر دے اگر چہ شدید کراہیت پیدا ہوگی لیکن نماز ہو جائے گی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے نماز میں التفات یعنی ادھر ادھر دیکھنے سے متعلق سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی چھینا جھپٹی ہے کہ بندے کی نماز سے وہ کچھ لے لیتا ہے اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ارشاد فرمایا: ﴿ایاک والالتفات فی الصلوٰۃ فان الالتفات فی الصلوٰۃ ہلکۃ فان کان لا بد ففی التطوع لافی الفریضۃ﴾ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) (رواہ الترمذی وصححہ) یعنی نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ نماز میں ایسا کرنا باعث ہلاکت ہے اور اگر یہ کرنا ہی ہو تو نوافل میں گنجائش ہے فرائض میں نہیں۔

ترجمہ..... مسئلہ: اگر کسی شخص کو اپنے بے وضو ہونے کا گمان ہو گیا اس وجہ سے اس نے اپنا منہ سمت قبلہ سے پھیر لیا پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ بے وضو نہیں ہوا لیکن یہ علم اسے مسجد سے نکلنے سے پہلے ہوا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اور مسجد سے نکل جانے کے بعد معلوم ہوا تو بلا شبہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح

اس نے قبلہ سے رخ اس لئے پھیرا تا کہ نماز کے لئے جا کر وضو کرے لیکن ابھی یہ مسجد سے باہر نہ نکلا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے قبلہ سے پیٹھ نماز کو چھوڑنے کے لئے نہیں پھیری بلکہ اصلاح کی غرض سے پھیری لیکن اگر مسجد سے باہر نکل جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی یہ باوضو ہے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جگہ کا اختلاف اگر بغیر کسی مجبوری کے ہو تو وہ نماز کو باطل کر دیتا ہے اور مسجد ایک ہی مکان کی طرح ہے لہٰذا جب تک یہ مسجد میں ہوا اس وقت تک اس کا مکان نہیں بدلا اور جب باہر نکل گیا تو اختلاف مکان ہو گیا جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو گئی۔ امام حلبی لکھتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ یہ امام نہ ہو لیکن اگر یہ امام ہو اور بے وضو ہونے کے وہم پر اس نے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا ہو پھر اسے معلوم ہو کہ یہ بے وضو نہیں ہوا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر چہ مسجد سے باہر نہ جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بغیر کسی صورت کے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا جو کہ اس کی امامت نماز کے منافی ہے یونہی اگر اسے یہ گمان ہو کہ اس نے بغیر وضو کے نماز شروع کر دی پھر یہ جائے نماز سے ہٹ جائے پھر اسے معلوم ہو کہ یہ باوضو ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی خواہ مسجد سے باہر نہ گیا ہو۔ اسی طرح تیمم کرنے والے نے چمکتا ریتا دیکھا اور اسے پانی سمجھا اور یہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا پھر معلوم ہوا یہ سیراب ہے۔ اسی طرح موزوں پر مسح کرنے والے کو یہ شبہ لاحق ہوا کہ مدت مسح پوری ہو گئی پھر یہ نماز کی جگہ سے پھر گیا پھر معلوم ہوا کہ ابھی مدت پوری نہیں ہوئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر چہ مسجد سے باہر نہ نکلا ہو کیونکہ ان صورتوں میں اس کا نماز کی جگہ سے پھر جانا ترک نماز کے ارادے سے ہے اور جب اس نے نماز چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تو پھر یہ نماز میں کیسے داخل متصور ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی نے جنگل و بیابان میں جماعت کیساتھ نماز پڑھی تو

جب یہ صفوں سے باہر نہ جائے اس وقت تک یہ مسجد میں ٹھہرنے کے حکم میں ہے لہذا اگر اسے وہاں کی صفوں سے باہر نکلنے سے پہلے باوضو ہونے کا گمان ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر صفوں سے باہر نکل گیا تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ پیچھے کی طرف چلا جائے اور اگر آگے کی طرف رخ کرے تو پھر امام کے سترہ سے تجاوز کا اعتبار ہے بشرطیکہ امام کے لئے سترہ ہو اور اگر سترہ نہ ہو تو پھر اتنا آگے ہو جائے کہ صفوں سے متجاوز شمار ہو، یہ تو اس صورت میں ہے کہ جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو پھر جائے سجدہ سے تجاوز یا عدم تجاوز کا اعتبار ہے۔

فائدہ عجیبہ

امام حلبی نے اس بحث کے آخر میں اسی کی مناسبت سے چند فقہی مسائل اضافہ معلومات کے لئے ذکر کئے ہیں لہذا ہم تکمیل اور افادے کی خاطر انہیں یہاں درج کرتے ہیں۔

☆ پہلا مسئلہ...... شرح طحاوی میں مذکور ہے کہ کعبہ شریف جہاں اب واقع ہے اس جگہ کا نام ہے لہذا فضا اور ہوا کے لحاظ سے عرشِ عظیم تک کعبہ شریف ہے یہ خود ساختہ مصنوعی عمارت کا نام نہیں لہذا عمارت ہو یا نہ ہو وہ کعبہ شمار ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر کعبہ کی دیواریں اگر کسی دوسری جگہ رکھ دی جائیں تو ان کی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ موجودہ عمارت جو کئی مرتبہ اجڑی اور بنی، علامت اور نشان کعبہ ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ...... اگر کوئی شخص کعبہ کے اندر یا کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن اگر اکیلے حطیم کی طرف نماز پڑھے تو نماز نہ ہوگی۔

☆ تیسرا مسئلہ...... اگر کوئی آدمی کشتی میں نماز پڑھے تو قبلہ کی طرف منہ کرے بشرطیکہ قدرت رکھتا ہو اور یہ جائز نہیں کہ جس طرف کشتی کا منہ ہو یہ اسی طرف رخ کرے بلکہ جب کشتی گھومے تو یہ قبلہ رخ ہو جائے تا کہ استقبال قبلہ برقرار رہے۔

☆ چوتھا مسئلہ...... ایک جماعت نے اپنی صوابدید کے مطابق مختلف جہات کی طرف نماز پڑھی، اگر یہ انفرادی حیثیت سے ہو تو سب کی نماز جائز ہوگی اور اگر جماعت سے ہو تو پھر اس کی نماز نہ ہوگی جو اپنے امام کی جہت کے خلاف کھڑا ہو بشرطیکہ اس بات کو جانتا ہو اور باقی لوگوں کی نماز جائز ہے بشرطیکہ انہیں اپنے آپ سے اپنے امام کے پیچھے ہونے کا علم نہ ہو ورنہ ان کی نماز بھی نہ ہوگی اس لئے کہ امام کا مقتدیوں سے آگے ہونا ضروری ہے۔

☆ پانچواں مسئلہ...... کچھ لوگوں نے اپنی سوچ و بچار کے مطابق جماعت سے نماز پڑھی اور ان میں کچھ مسبوق اور لاحق بھی تھے۔ پھر جب امام نے سلام پھیرا تو وہ اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے کھڑے ہوئے جونہی اٹھے تو انہیں معلوم ہوا کہ جس سمت کی طرف امام نے نماز پڑھائی وہ سمت قبلہ نہیں تو اس صورت میں یہ اٹھنے والے کیا کریں؟ فقہی قواعد کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ مسبوق مقتدی اپنی نماز کی اصلاح کر سکتا ہے یعنی وہ بقیہ نماز میں ٹھیک سمت قبلہ کی طرف مڑ جائے کیونکہ بقیہ نماز میں وہ منفرد کی حیثیت رکھتا ہے لیکن لاحق امام کے فارغ ہونے کے باوجود بھی اس کی حیثیت ایک مقتدی کی ہے اور مقتدی پر جب یہ واضح ہو جائے کہ امام کی سمت قبلہ ٹھیک نہیں تو وہ امام کے پیچھے ہوتے ہوئے اپنی نماز کی اصلاح نہیں کر سکتا اس لئے اگر یہ امام کا ساتھ چھوڑ کر گھوم جائے تو اتباع امام کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور اگر یہ نہ گھومے تو جہت قبلہ کے خلاف نماز پڑھنا لازم آئے گا، اور

یہ دونوں کام مفسد نماز ہیں۔

☆ چھٹا مسئلہ......ایک آدمی نے جہت قبلہ کی جستجو میں غور وفکر کیا پھر کسی نے بغیر سوچ اس کی اقتدا کی۔ اگر امام سمتِ قبلہ معلوم کرنے میں برراہِ صواب ہے تو دونوں کی نماز جائز ہے ورنہ صرف امام کی نماز جائز ہوگی۔

☆ ساتواں مسئلہ......کسی نابینا شخص نے غیر قبلہ کی طرف ایک رکعت پڑھی پھر ایک آدمی آیا اس نے اس کو پھیر کر قبلہ کی طرف کر دیا اور خود اس کی اقتدا کرلی تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر اندھے نے نماز شروع کرتے وقت کسی ایسے شخص کو پایا تھا جو جہتِ قبلہ سے واقف تھا تو اس نے اس سے جہت معلوم نہ کی تو اس صورت میں دونوں کی نماز جائز نہیں ورنہ نابینا کی نماز جائز ہوگی لیکن اس کی اقتدا کرنے والے کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس پر تحری یعنی سمتِ قبلہ کی سوچ فرض تھی جس کے ترک کی وجہ سے اس کی نماز نہ ہوئی۔ اس لئے کہ اگر فرض رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

چند کلمات کی تشریح اور وضاحت

۱:	البیاض	سفیدی	۲:	المستطیر	پھیلی ہوئی۔
۳:	الافق	کنارہ الآفاق، جمع	۴:	المستطیل	دراز۔
۵:	یرتفع	بلند ہوجائے الارتفاع مصدر بمعنی بلند ہونا، رفعت: بلندی۔	٦:	یتلاشیء	وہ گم اور لاشیء ہوجائے، تلاشی: گم ہوجانا اور غائب و مستور ہوجانا۔
۷:	لا یباح	وہ مباح نہیں کیا جاتا۔	۸:	مادام	ہمیشہ، دوام، ہمیشگی۔
۹:	قرص الشمس	سورج کی ٹکیہ۔	۱۰:	رمحٌ	نیزہ، تیر، رمحین اس کا تثنیہ، اسکی جمع رماح ہے۔
۱۱:	زوال الشمس	سورج ڈھلنا۔	۱۲:	ظلٌ	سایہ، اسکی جمع ظلال آتی ہے۔
۱۳:	مثلیہ	اس کی دومثال، یہاں مثل بمعنی مانند، برابر اور مساوی کے ہے۔	۱۴:	فئی الزوال	زوال کا سایہ، سایہ اصلی (جو دوپہر کے وقت معمولی سا دکھائی دیتا ہے)
۱۵:	غربت الشمس	سورج ڈوب گیا۔	۱٦:	لم یغرب	وہ غائب نہ ہوا۔
۱۷:	الشفق	سفیدی یا سرخی بنا بر اختلاف ائمہ۔	۱۸:	مامورٌ	حکم دیا گیا۔
۱۹:	تقدیم و تاخیر	آگے اور پیچھے کرنا۔	۲۰:	یستحب	مستحب ہوتا ہے، مستحب ایک شرعی حکم ہے جسے کرنے پر ثواب اور چھوڑنے پر گناہ نہیں یعنی ایک پسندیدہ اور محبوب عمل۔
۲۱:	الاسفار	اجالا کرنا۔	۲۲:	الا زمنۃ	یہ زمان کی جمع ہے بمعنی وقت۔
۲۳	یوم النحر	قربانی کا دن، النحر بمعنی سینہ چونکہ اونٹ کی طویل گردن کی وجہ سے اسے سینے تک ذبح کرتے ہیں پھر یہ لفظ بمعنی ذبح استعمال ہونے لگا۔ قرآن مجید میں آیا ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ یعنی اپنے رب کی خاطر نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ یوم النحر اگرچہ ایام قربانی ہوں مگر یہاں بوجہ قرینہ پہلا دن یعنی عیدالاضحیٰ مراد ہے۔			

۲۴: مزدلفة — ایک جگہ کا نام ہے جہاں حجاج عرفات سے واپس آ کر شب عید گزارتے ہیں اور وہیں کنکریاں اٹھا کر مقام منیٰ میں آ کر جمرات کو مارتے ہیں۔ یہ جگہ منی اور عرفات کے درمیان واقع ہے جہاں ایک پہاڑ المشعر الحرام موجود ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ﴿فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام﴾ اب اس کے دامن میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر ہوگئی جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں، یہاں مزدلفہ میں نماز فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم ہے تا کہ وہاں کے وقوف تو سیع ہو جائے۔

۲۵: الابراد — ٹھنڈا کرنا، البرد: ٹھنڈک۔ ۲۶: تعجیل — جلدی کرنا۔

۲۷: ثلث اللیل — تہائی رات۔ ۲۸: لا یثق من الوثوق — اعتماد اور بھروسہ کرنا۔

۲۹: اوتر — نماز وتر پڑھے۔ ۳۰: غیم — بادل۔

پانچویں شرط (اوقات الصلوٰۃ)

و اما الشرط الخامس فهو الوقت اول وقت الفجر و اذا طلع الفجر الثانی و هو البياض المستطير فی الافق فبطلوع الفجر الكاذب و هو البياض المستطيل لا يخرج وقت العشاء و لا يدخل وقت الفجر و فی المحيط اما الفجر الكاذب هو ان يرتفع البياض فی ناحية واحدة ثم يتلا شئ و اٰخر وقتها قبل طلوع الشمس و اول وقت الظهر زوال الشمس و اٰخر وقتها عند ابی حنيفة رحمة الله عليه اذا صار ظل كل شئ مثليه سوی فئ الزوال و قالا اذا صار ظل كل شئ مثله (و عن ابی حنيفة رحمة الله عليه من رواية اسد بن عمرو اذا صار ظل كل شئ مثله سوی الفئ خرج وقت الظهر و لا يدخل وقت العصر الیٰ المثلين) و اول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر علی القولين و اٰخر وقتها ما لم تغرب الشمس و اول وقت المغرب اذا غربت الشمس و اٰخر وقتها ما لم يغب الشفق هو البياض الذی فی الافق بعد الحمرة عند ابی حنيفة رحمة الله عليه و قالا هو الحمرة و اول وقت العشاء اذا غاب الشفق علی القولين و اٰخره مالم يطلع الفجر الثانی و و قت الوتر ما هو وقت العشاء الا انه مامور بتقديم العشاء عليه حتی لو صلی العشاء بثوب ثم نزعه و صلی الوتر بثوب اٰخر ثم ظهر ان الثوب الذی صلی العشاء به كان نجسا يعيد العشاء دون الوتر عند ابی حنيفة رحمة الله عليه خلافا لهما و يستحب فی الفجر الاسفار بها عندنا فی الازمنة كلها الا يوم النحر بمزدلفة و الابرادُ بالظهر فی الصيف و تقديمها فی الشتاء و تاخير العصر ما لم

تتغير الشمس و تعجيل المغرب و تاخير العشاء الىٰ ما قبل ثلث الليل مستحب و الى ما بعده الىٰ نصف الليل مباح و الى ما بعده الىٰ طلوع الفجر مكروه اذا كان بغير عذر و اما في الوتر ان كان لا يثق بالانتباه اوتر قبل النوم و اذا كان يثق بالانتباه فتاخيره الىٰ اٰخر الليل افضل و اذا كان يوم غيم فالمستحب فى الفجر و الظهر و المغرب تاخيرها يعني عدم التعجيل و في العصر و العشاء تعجيلهما

ترجمہ...... نماز کی پانچویں شرط وقت ہے۔ (لہذا پنجگانہ نمازوں کے کتاب وسنت کے مطابق یہ اوقات ہیں۔)

صبح کا پہلا وقت...... فجرِ ثانی یعنی صبح صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور وہ آسمان کے کناروں پر پھیلی ہوئی سفیدی کا نام ہے اور اس کا ظہور طلوع صبحِ کاذب کے بعد ہوتا ہے اور صبح کاذب ایک دراز سفیدی کا نام ہے (جس کے ڈوب جانے کے بعد صبح صادق طلوع ہوتی ہے) لہذا اس کی آمد سے عشآء کا وقت نہیں نکلتا اور نہ فجر کا وقت داخل ہوتا ہے۔ محیط میں ہے کہ صبح کاذب ایک سمت میں ایک سفیدی بلند ہوتی ہے پھر وہ غائب ہو جاتی ہے اور صبح کا آخری وقت سورج چڑھنے سے پہلے تک ہے۔

تشریح:

اہل علم کا اس وقت میں اختلاف ہے کہ جس میں نماز مباح نہیں ہوتی جب تک سورج نہ چڑھ جائے۔ چنانچہ امام ابوبکر محمد ابن فضل نے فرمایا: جب تک آدمی سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے پر قادر ہو تو یہ طلوع سورج کا وقت ہے اس میں ادائیگی نماز مباح نہیں اور جب اسے دیکھنے سے آنکھیں عاجز آ جائیں تو پھر نماز پڑھنا مباح ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزے طلوع ہو جائے تو نماز مباح ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔ خلاصۃ الفتاوٰی میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ...... دوسری نماز کا وقت...... ظہر کا پہلا وقت سورج ڈھلنے کے بعد ہے اور آخری وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے بشرطیکہ اصلی سایہ کا لحاظ نہ کیا جائے اور صاحبین نے فرمایا: جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے (یعنی اس کے برابر ہو جائے)

تیسری نماز کا وقت...... نمازِ عصر کا پہلا وقت جب ظہر کا وقت بنا بر اختلاف قولین نکل جائے اور عصر کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ ڈوبے۔

چوتھی نماز کا وقت...... مغرب کا پہلا وقت جب سورج ڈوب جائے اور آخری وقت جب تک شفق نہ ڈوبے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق ایک سفیدی ہے جو سرخی کے بعد افق مغرب میں دکھائی دیتی ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ سرخی ہے جو محلِ غروب میں نظر آتی ہے۔

پانچویں نماز کا وقت......نماز عشاء کا پہلا وقت بنا پر اختلاف قولین جب شفق ڈوب جائے اور آخری وقت جب تک صبح ثانی طلوع نہ ہو اور نماز وتر کا وقت وہی ہے جو نماز عشآء کا وقت ہے مگر حکم یہ ہے کہ نماز عشاء کو نماز وتر سے پہلے پڑھا جائے لہذا اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز ایک کپڑے کے ساتھ پڑھی جبکہ نماز وتر دوسرے لباس کے ساتھ ادا کی پھر اسے معلوم ہوا کہ جس کپڑے کے ساتھ اس نے نماز عشآء ادا کی وہ ناپاک تھا تو یہ شخص نماز عشآء کو دوبارہ پڑھے لیکن نماز وتر کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوبارہ نہ پڑھے لیکن ان کے دوشاگردوں کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح:

اس کی امام صاحب کے نزدیک یہ وجہ ہے کہ نماز واجب ہونے کی وجہ سے ایک مستقل نماز سے کسی دوسری نماز مثلاً نماز عشاء وغیرہ کے تابع نہیں تا کہ اس کے اعادہ سے نمازِ وتر کا اعادہ ضروری ہو اور بوجہ مجبوری ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

نماز کے مستحب اوقات:

ہمارے نزدیک صبح کی نماز ہر زمانے میں اجالا کر کے پڑھے مگر قربانی کے دنوں میں مزدلفہ میں نماز فجر اندھیرے میں پڑھے اور گرمیوں میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھے (یعنی اس وقت ادا کرے کہ جب گرمی کسی قدر تھم جائے)۔ البتہ موسم سرما میں نماز ظہر جلدی ادا کرے اور عصر کی نماز میں سورج نہ بدلنے تک دیر کرے اور مغرب کی نماز میں جلدی کرے اور عشآء کی نماز میں رات کے تہائی حصہ سے کچھ پہلے تک دیر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور اس کے بعد نصف رات تک مباح ہے اور اس کے بعد طلوع صبح تک مکروہ ہے جبکہ بغیر مجبوری ہو اور نماز وتر اگر پچھلی رات بیدار ہونے پر اعتبار نہ ہو تو سونے سے پہلے ہی پڑھ لے اور اگر جاگنے پر اعتماد ہو تو آخری رات تک تاخیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جب بادل ہوں تو فجر، ظہر، مغرب سب میں تاخیر مستحب ہے یعنی جلدی نہ کرے اور عصر اور عشآء میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

تشریح

مصنف نے پانچویں شرط وقت کے بیان کے لئے وقف کی ہے۔ وقت کو نیت سے پہلے ذکر کیا حالانکہ نیت ہر نماز کے لئے شرط ہے جبکہ وقت فرائض کے ساتھ مختص ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت کا ارکان نماز کے ساتھ اتصال ہوتا ہے پس اس اتصال کی وجہ سے نیت کو مؤخر کیا گیا۔ ائمہ فقہ کا مؤقف یہ ہے کہ صبح دو ہیں۔ (۱) صبح کاذب اور (۲) صبح صادق۔ صبح کاذب کی تعریف اور شناخت یہ ہے کہ وہ طول کی صورت میں ایک سفیدی اوپر سے پھیلتی ہے لیکن آسمان کے کناروں میں چوڑائی کی صورت میں نہیں ہوتی۔ پھر اس کے بعد اندھیرا ہو جاتا ہے اور صبح صادق اطراف مشرق کے مختلف کناروں میں کپاس کی طرح دکھائی دیتی ہے لہذا صبح کی نماز کا ابتدائی وقت اسی صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے پس صبح کاذب کو وقت کے آغاز میں کوئی دخل نہیں بلکہ وہ رات کا ایک حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے طلوع سے روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: لوگو! بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے اور نہ ہی صبح مستطیل لیکن صبح مستطیر پھیلنے سے کھانے پینے سے رک جاؤ۔ مصنف کی عبارت میں لفظ یتلاشی آیا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا لاشی اور گم ہو جانا۔ اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے اور صبح کا آخری وقت سورج چڑھنے سے کچھ پہلے تک ہے یعنی اس جزء تک

ہے جس کے بعد سورج طلوع ہو جائے۔ یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ ظہر کا ابتدائی وقت زوال شمس ہے یعنی اس جزء تک ہے جس کے بعد سورج ڈھل جائے۔ اس پر بھی ائمہ کا اتفاق ہے۔ ظہر کے آخری وقت میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو جائے تو اس تک ظہر کا وقت رہتا ہے لیکن فئی الزوال اس میں شامل نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ زوال کے وقت ہر شے کا جو اصلی سایہ ہوتا ہے اسے فئی الزوال کہا جاتا ہے وہ گویا اس وقت میں شامل نہیں۔ صاحبین اور باقی تین اماموں کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہی مروی ہے لیکن آپ کا مشہور مذہب وہی پہلا ہے لیکن جو لوگ ایک مثل تک ظہر کا وقت قرار دیتے ہیں ان کا موقف بھی یہ ہے کہ دو مثل تک عصر کا وقت نہیں ہوتا لہٰذا احتیاط یہ ہے جیسا کہ مشائخ رحمھم نے فرمایا کہ نماز ظہر کو ایک مثل کے اندر پڑھے اور نماز عصر کو دو مثل کے بعد پڑھے تاکہ اختلاف سے بچ جائے اور سب کے نزدیک نماز ہو جائے۔ ائمہ کے دلائل اپنی اپنی جگہ کتب روایات اور کتب فقہ میں موجود ہیں، یہاں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ عصر کا پہلا وقت جب ظہر کا وقت نکل جائے یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما دونوں کے مذہب کے مطابق ظہر کا وقت خارج ہو جائے۔ عصر کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہو یعنی اس جزء تک ہے جس کے بعد غروب شمس ہوا اور یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ اور مغرب کا پہلا وقت جب سورج غروب ہو جائے اور آخری وقت جب تک شفق غائب نہ ہو یعنی اس جزء تک ہے جس کے بعد شفق غائب ہو جاتی ہے۔ شفق میں ہمارے تین اماموں کے درمیان اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک شفق اسی سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے بعد مغرب میں نمودار ہوتی ہے اور صاحبین اور باقی تین اماموں کا موقف یہ ہے اور ایک روایت میں امام صاحبؒ کا بھی یہی قول ہے کہ وہ سرخی ہے اور دونوں کے دلائل مبسوط کتابوں میں موجود ہیں۔ بعض مشائخ نے اسد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور یہ صاحبین کے قول کے مطابق ہے۔ کمال ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ مطابقت والی روایت عقل ونقل کے خلاف ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ عشاء کا ابتدائی وقت غروب شفق کے بعد ہے اور آخری وقت فجر ثانی کے طلوع سے پہلے تک ہے۔ اور نماز وتر اور عشاء دونوں کا ایک ہی وقت ہے۔ امام صاحب کا یہی مذہب ہے البتہ صاحبین کے نزدیک نماز وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک نمازی اس بات کا پابند ہے کہ وہ نماز عشاء نماز وتر سے پہلے پڑھے کیونکہ دونوں میں ترتیب ضروری ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے کئی بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے عشاء سے صبح تک ضروری قرار دیا ہے لہٰذا اس روایت کے مطابق اگر وتر عشاء سے پہلے جان بوجھ کر پڑھے جائیں تو صحیح نہ ہوں گے جیسے وقتی اور قضا شدہ نماز کا حکم ہے۔ بشرطیکہ وہ صاحب ترتیب ہو لیکن اگر بلا ارادہ ایسا ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ صحیح ہے۔ اسی کی وضاحت کے لئے الگ الگ دو کپڑوں میں نماز عشاء اور نماز وتر پڑھنے پر نتیجہ مرتب کیا گیا ہے کہ اگر ناپاک کپڑوں میں نماز عشاء پڑھ لی اور پاک کپڑوں میں نماز وتر پڑھی تو بعد میں ان کے ناپاک ہونے کا علم ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز عشاء لوٹائے لیکن نماز وتر نہ لوٹائے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر واجب ہونے کی وجہ سے ایک مستقل نماز ہے، یہ نماز عشاء کے تابع نہیں البتہ دونوں میں قصداً ترتیب ضروری ہے لیکن اگر کسی حادثہ کی وجہ سے ترتیب الٹی ہو جائے تو وتر کا اعادہ نہ ہوگا جبکہ صاحبین رحمھما اللہ کے نزدیک عشاء اور وتر دونوں کا اعادہ ہوگا۔ (مقالمہ بین الائمۃ بصورت سوال وجواب)

ضروری فائدہ

امام حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقت ادائیگی نماز کے لئے شرط ہے اور وجوب نماز کے لئے سبب بھی ہے لہٰذا اگر وقت نہ پایا گیا تو نماز واجب نہ ہوگی چنانچہ برہان الائمہ رحمہ اللہ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا کہ کچھ لوگوں نے یہ سوال کیا کہ زمین کے کچھ حصے میں ایسے قطعے موجود ہیں جہاں عشاء کی نماز کا وقت نہیں آتا تو کیا وہاں ان لوگوں پر نماز عشاء وقت نہ ہونے کے باوجود فرض ہوگی یا نہیں؟ تو برہان الائمہ رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ تم لوگوں پر نماز عشاء فرض نہیں کیونکہ اس کی شرط وقت موجود نہیں ۔ اور اسی کے مطابق امام ظہیر الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے ۔ اور یہی فتوی علاقہ بلغار یہ کے شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ کی خدمت میں اہل بلغار کی طرف سے پیش ہوا ۔ کیونکہ وہاں سال کی سب سے چھوٹی راتوں میں شفق غائب ہونے سے پہلے ہر صبح طلوع ہو جاتی ہے (گویا وہاں نماز عشاء کا وقت نہیں پایا جاتا لہٰذا وہاں کے رہنے والے نماز عشاء کس طرح ادا کریں) شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ وہ لوگ نماز عشاء قضا پڑھیں ۔ پھر یہی سوال خوارزم میں الشیخ الکبیر ، سیف السنۃ البقالی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے عدم وجوب عشاء کا فتویٰ دیا ۔ پھر ان کا یہ جواب جب امام حلوانی رحمہ اللہ تک پہنچا اور انہیں اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک آدمی کے ذریعہ یہ کہلوا بھیجا اور فرمایا کہ جب عام محفل جامع خوارزم میں ہو تو شیخ رحمہ اللہ سے دریافت کیجئے کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو پانچ نمازوں میں سے ایک کو ساقط کردے ، کیا وہ اس کام سے کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ پھر جب جانیوالے نے ان سے پوچھا تو شیخ کبیر رحمہ اللہ سمجھ گئے (کہ میرے فتوی پر اعتراض کیا جا رہا ہے اور مجھ پر شرعی حکم لگایا جا رہا ہے تو شیخ کبیر رحمہ اللہ نے اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا ۔ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت یا دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹے ہوئے ہوں تو بتاؤ اس پر کتنے فرائض وضو ہیں ۔ اس نے جواب دیا اس کے ذمہ تین فرض ہیں (چوتھا فرض ساقط ہے) اس لئے کہ اس کا محل موجود نہیں تو شیخ نے جواب دیا کہ یہی حال پانچویں نماز کا ہے (یعنی اگر چہ وہ فرض ہے لیکن شرط (وقت) نہ ہونیکی وجہ سے نماز ساقط غیر واجب ہے) پھر جب یہ جواب امام حلوانی رحمۃ اللہ تک پہنچا تو اسے مستحسن اور ٹھیک جواب قرار دیا اور اس مسئلہ میں شیخ کبیر رحمۃ اللہ کی موافقت کی یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کے اس جواب سے اختلاف کر کے اس پر اپنی طرف سے ایک عالمانہ اعتراض کیا ہے ۔ جس کی تفصیل شروح منیۃ المصلی میں موجود ہے ۔

مصنف نے فرمایا...... کہ صبح کی نماز اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے

تشریح

یعنی ایسے وقت ادا کرنا کہ اچھی طرح روشنی پھیل جائے اور اندھیرا غائب ہو جائے ۔ دیکھنے والا زمین پر گرنے والی چیز کو بخوبی دیکھ سکے یعنی آسمان کی روشنی زمین پر آجائے تو ائمہ احناف کے نزدیک نماز صبح کے لئے یہ وقت مستحب ہے جبکہ دوسرے تینوں امام اندھیرے میں نماز پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں ۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر﴾ یعنی صبح کی نماز کے لئے اجالا کیا کرو کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ ماہرین نے یہ بھی لکھا کہ اسفار کی حد یہ ہے کہ یہ سنت کے مطابق وقت میں نماز شروع کرے ۔ اگر نماز ادا کرنے کے بعد نماز دوبارہ پڑھنی پڑے تو وضو کر کے ٹھیک پڑھ سکے ۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ اندھیرے میں نماز شروع کرتے

اور اتنی لمبی سورتیں پڑھتے کہ سلام پھیرنے کے وقت بالکل اجالا ہو جاتا۔ صبح کی نماز اجالے میں پڑھنا گرمیوں سردیوں میں برابر ہے ہاں البتہ بڑی عید کے دن مزدلفہ میں اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے (تاکہ وقوف میں توسیع ہو جائے)۔ نماز ظہر کے لئے گرمیوں میں ابراد مستحب ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ زیادہ گرمی جہنم کی بھاپ سے ہے البتہ سردیوں میں تقدیم مستحب ہے اور ہر زمانے میں نماز عصر میں تاخیر مستحب ہے مگر جبکہ بادل کا دن ہو تو اس دن جلدی کرے اور تاخیر اس حد تک کرے بشرطیکہ سورج میں تبدیلی نہ آئے۔ کیونکہ جب اس میں تبدیلی آجائے تو وہ وقت مکروہ شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جبکہ سورج بالکل صاف اور بلند ہوتا۔ تغیر سورج سے مراد اس کی ٹکیہ کا بدل جانا ہے نہ کہ دھوپ کا۔ اس لئے کہ دھوپ میں زوال کے بعد تبدیلی شروع ہو جاتی ہے۔ الکافی میں ذکر ہے کہ جب سورج کی ٹکیہ میں گرمی کم ہو جائے تو اس میں تبدیلی آگئی۔ ہر زمانے میں نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے مگر جب کہ بادل کا دن ہو چنانچہ تعجیل کی دلیل یہ ہے کہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کیساتھ نماز مغرب پڑھتے تھے اور جب فارغ ہوتے تو اتنی روشنی ہوتی کہ تیر مارنے والا تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ لیتا۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کی کہ ستارے نظر آنے لگے تو اس کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ میری امت خیر میں رہے گی اور فطرت کے مطابق ہوگی جبکہ ستارے پھیلنے تک انہوں نے نماز مغرب میں تاخیر نہ کی ہو۔ القنیہ میں ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغرب میں تاخیر مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بعض روایات میں ہے کہ جب تک شفق نہ ڈوبے کراہیت نہیں مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ بغیر عذر کے کراہیت ہے عذر کی مثال جیسے دوران سفر، یا دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہے تو تھوڑی سی تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ مسئلہ کہ طویل قرأت سے تاخیر ہو جائے تو اس میں ائمہ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ عشاء کی نماز میں تہائی رات سے کچھ پہلے تک تاخیر مستحب ہے دیر کر کے پڑھنے کا حکم دیتا تہائی رات کے بعد نصف رات تک عشاء میں تاخیر کرنا مباح ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں انہیں تہائی رات یا نصف رات تک نماز عشاء میں تاخیر کرنا مباح ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی قلت ہو جایا کرتی ہے اور نصف رات سے طلوع فجر تک تاخیر مکروہ ہے بشرطیکہ بغیر کسی عذر کے ہو اگر عذر ہو تو کراہیت نہیں اور نماز وتر میں حکم یہ ہے اور بہتر یہ ہے اگر پچھلی رات جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لئے جائیں اور اگر جاگنے پر اعتماد ہو تو پھر آخر رات نماز وتر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو پچھلی رات نہ اٹھنے کا اندیشہ ہو تو وہ پہلی ہی رات وتر پڑھ ڈالے لیکن جس کو پچھلی رات جاگنے کی امید ہو تو وہ آخر رات نماز وتر پڑھے کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں لہذا اس وقت نماز وتر ادا کرنا گواہوں کی موجودگی میں زیادہ اچھا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ رات کو تمہاری سب سے آخری نماز، نماز وتر ہونی چاہیئے اور اگر بادل کا دن ہو تو صبح، ظہر اور مغرب میں تاخیر بہتر ہے لیکن معمولی تاخیر کرے تاکہ آسمان پر ستارے نہ پھیل جائیں اور وقت ہونے میں شک نہ پڑ جائے۔ محیط میں ہے کہ مغرب میں اتنی تاخیر کرے کہ سورج ڈوبنے کا یقین ہو جائے۔ اور اسی طرح بادل کے دن عصر اور عشاء میں جلدی کرنا مستحب ہے اس سے مراد وہی ہے جس کی تفصیل گزر چکی اور نماز عشاء میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ لوگ کم ہو جائیں۔ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ بادل کے دن ساری نمازوں میں تاخیر کرے کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے کہ کہیں کوئی نماز وقت سے پہلے نہ ہو جائے۔

اوقات مکروہ کا بیان

اما الا وقات التی تکرہ فیها الصلوۃ فخمسة ثلثة منها یکرہ فیها الفرض و التطوع و ذلک عند طلوع الشمس و غروبها الا عصر یومه و وقت الزوال و عن ابی یوسف رحمة الله علیه انه جوز التطوع وقت الزوال یوم الجمعة و لا یصلی فیها صلوۃ جنازۃ و لا یسجد لتلاوۃ و لا لسهو و لو قضی فیها فرضا یعیدها و ان تلا فیهنا اية سجدة فالافضل ان لا یسجد ها فان سجد لها لا یعید ها .و اما الوقتان فانه یکرہ فیهما التطوع و لا یکرہ فیهما الفرض یعنی الفوائت و صلوۃ الجنازۃ و سجدۃ التلاوۃ و هما ما بعد طلوع الفجر الیٰ ان تطلع الشمس الا سنة الفجر و ما بعد صلوۃ العصر الیٰ غروب الشمس و ما بعد غروب الشمس قبل المغرب ایضاً مکروہ لتاخیر المغرب و کذلک یکرہ التطوع اذا خرج الامام للخطبة یوم الجمعة و کذا عند الاقامة فان کان شرع ثم خرج الامام لا یقطعها و کذا قبل صلوۃ العیدین و عند خطبتهما و کذا عند خطبة الکسوف و الاستسقاء

ترجمہ......رہی یہ بات کہ وہ کونسے اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کل پانچ وقت ہیں ان میں سے تین ایسے اوقات ہیں جن میں فرائض ونوافل دونوں مکروہ ہیں۔ ان میں سے پہلا وقت وہ ہے جبکہ سورج طلوع ہو رہا ہو اور دوسرا جب وہ ڈوب رہا ہو لیکن سورج ڈوبتے ہوئے اگر اس دن کی نماز عصر رہ جائے تو اسے پڑھ سکتا ہے اور تیسرا وقت وہ ہے جبکہ سورج ڈھل رہا ہو۔

تشریح

یہاں مصنف ان اوقات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں نماز پڑھنا باعثِ خلل اور موجبِ نقصان ہے یہاں کراہیت سے مراد عدم جواز ہے لہٰذا جو چیز ناجائز ہو وہ مکروہ ہوا کرتی ہے۔ تین وقتوں میں فرائض نوافل مکروہ ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر نماز فرض رہ جائے تو اسے ان اوقات میں پڑھنا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ وہ کامل طریقے سے واجب ہوئی ہے اب ناقص طریقے سے اسے ادا کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو واجبات رہ جائیں مثلاً سجدہ تلاوت، وقت غیر مکروہ میں واجب ہوا تھا اور اسی طرح جنازہ مکروہ وقت سے پہلے ہی آ گیا تھا اور نماز وتر علی وجہ الکامل واجب ہوئی۔ ان ساری چیزوں کو اگر ان اوقات میں ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو ان کی ادا ادائے ناقص ہوگی اور نوافل میں کراہیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انہیں ان اوقات میں پڑھا جائے تو وہ صحیح ہو جائینگے لیکن کراہتِ تحریمی پیدا ہو جائیگی اور ائمہ اصول کا یہ قاعدہ ہے کہ وجوب کامل ہو تو اداء ناقص سے وہ ادا نہ ہوگی ہاں اگر وجوب بھی ناقص ہوا اور ادا بھی ناقص ہو تو

پھر ٹھیک ہے۔ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا البتہ اگر اس دن کی نماز عصر رہ گئی ہو تو یہ سورج غروب ہوتے ہوئے پڑھ سکتا ہے کیونکہ وجوب ناقص سے تو ادا ناقص کام دے سکتی ہے لیکن کسی اور دن کی نماز عصر نہیں پڑھ سکتا۔ جیسا کہ کتب اصول میں ائمہ رحمہم اللہ صول نے ذکر فرمایا ہے۔

ترجمہ......امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مشہور روایت ہے کہ ان کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت آدمی نوافل پڑھ سکتا ہے مگر ہمارے دوسرے ائمہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ دونوں کے دلائل اپنے اپنے محل میں موجود ہیں یہاں انہیں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ان اوقات میں نماز جنازہ بھی نہ پڑھے اور نہ سجدہ تلاوت کرے اور نہ بھول کا سجدہ کرے۔ اگر ان اوقات میں اس نے فرائض پڑھے تو انہیں لوٹائے اور اگر آیت سجدہ پڑھی تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ سجدہ تلاوت نہ کرے اور اگر اس نے سجدہ تلاوت کرلیا تو اسے نہ لوٹائے۔

تشریح

نماز جنازہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر جنازہ ٹھیک وقت میں آیا ہو اور دیر کی وجہ سے مکروہ وقت میں داخل ہو گیا ہو تو پھر اس وقت میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لیکن اگر وہ مکروہ وقت میں آیا ہو تو پھر نماز جنازہ مکروہ وقت میں ادا کی جاسکتی ہے۔ سجدہ تلاوت میں بھی یہی تفصیل ہے۔ اگر وقت مکروہ میں آیتِ سجدہ پڑھ لی تو اس وقت سجدہ نہ کرے اور اگر کرلیا تو پھر اس کا اعادہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا وجوب اور ادا ایک ہی طرح ہیں۔اسی طرح اگر اس نے اوقات مذکورہ میں سے کسی وقت آیت سجدہ پڑھ لی اور سجدہ کرلیا تو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ آئمہ کرام رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جنازے میں تعجیل مطلوب ہے لہذا بغیر کسی خاص مجبوری کے ادا کرنے میں دیر نہ کرے۔

ترجمہ......لیکن دوسرے دو وقت جو ہیں ان میں نوافل مکروہ ہیں لیکن فرائض مکروہ نہیں۔ فرائض سے مراد وہ فرائض ہیں جو قضا ہو گئے ہوں اور اسی طرح نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، ان کی ادائیگی میں بھی کراہت نہیں اور یہ دو وقت صبح صادق چڑھنے کے بعد سورج چڑھنے تک ہیں کہ ان میں آدمی نوافل نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں البتہ فجر کی سنتیں پڑھ سکتا ہے اور دوسرا وقت عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک ہے اور اسی طرح سورج ڈوبنے کے بعد نماز مغرب سے پہلے بھی نوافل مکروہ ہیں تاکہ نمازِ مغرب میں تاخیر نہ ہو۔ اور اسی طرح نوافل مکروہ ہیں جب امام جمعہ کے دن خطبہ پڑھنے کے لئے باہر آئے اور اسی طرح اقامت شروع ہوتے وقت۔ اگر اس نے نوافل شروع کیے پھر امام خطبہ پڑھنے کے لئے باہر نکلا تو انہیں نہ توڑے بلکہ انہیں پورا کرے۔ اور اسی طرح دو عیدوں کی نماز سے پہلے اور ان کے خطبے کے وقت۔ اور نماز کسوف اور استسقاء کے خطبے کے وقت یعنی ان تمام اوقات میں نوافل پڑھے جائیں تو کراہت ہوگی۔

تشریح

اوقات مذکورہ میں فرائض کی طرح واجبات بھی پڑھ سکتا ہے البتہ نذر مانے ہوئے نوافل جو شروع کرنے سے لازم ہوتے ہیں اور طواف کی دو رکعتیں ان کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ واجب لذاتہ نہیں۔ بلکہ واجب لغیرہ ہیں۔ صبح صادق چڑھ جانے کے بعد کوئی

نفلی نماز نہیں پڑھ سکتا البتہ صبح کی سنتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا صلوٰۃ بعد الفجـــــر الا سجـــــدتین"

یعنی رکعتیں، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک نوافل نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد نوافل پڑھنے سے منع فرمایا جب تک کہ سورج اچھی طرح سے طلوع نہ ہو جائے اور عصر کے بعد بھی نوافل پڑھنے سے منع فرمایا جب تک سورج اچھی طرح غروب نہ ہو جائے۔ اور سورج ڈوبنے کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے بھی نوافل مکروہ ہیں اور اس کی وجہ تاخیر مغرب ہے کیونکہ اس میں تعجیل مستحب ہے۔ امام جب جمعہ کے دن خطبہ پڑھنے کے لئے باہر آ کر منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت بھی کوئی نماز نہیں کیونکہ اکابر صحابہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ سے یہی مروی ہے کہ وہ امام کے باہر آ جانے کے بعد صلوٰۃ اور کلام ناپسند کرتے تھے۔ اقامت شروع ہوتے وقت نوافل مکروہ ہیں۔ لیکن امام قاضی خان اور صاحبِ خلاصہ نے اس سے جمعہ کی اقامت مراد لی ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ باقی دنوں میں جب تک امام نماز نہ شروع کرے صرف اقامت پڑھنے پر آدمی نوافل پڑھ سکتا ہے۔ اور جب نماز شروع ہو جائے تو بھی صبح کی سنتیں مسجد کے کسی کنارے میں پڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے دوسری رکعت یا تشہد پا لینے کی امید ہو اور اسی طرح باقی سنتیں بھی پڑھنا مکروہ نہیں بشرطیکہ پہلی رکعت مل جانے کی امید ہو۔ امام سروجی رحمہ اللہ نے تحفہ کے حوالے سے اس کو بیان فرمایا ہے البتہ فقہاء کرام رحمہما اللہ بطور امتیاز یہ لکھتے ہیں کہ تمام سنتیں صفوں میں مخلوط ہو کر نہ پڑھے بلکہ مسجدِ صیفی میں پڑھے۔ اگر امام مسجد شتائی میں اور اس کا الٹ کرے یا ستونوں کے پیچھے پڑے۔ اگر امام کے باہر آنے سے پہلے نوافل شروع کیے پھر امام باہر نکل آیا تو یہ نہ توڑے۔ بلکہ اگر تحیۃ المسجد ہو تو دو رکعتیں پوری پڑھ ڈالے۔ اور اگر سنتِ جمعہ ہوں تو بعض نے یہ کہا ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر ختم کر دے جبکہ بعض نے فرمایا پوری چار پڑھے۔ صاحبِ ہدایہ نے فرمایا یہی صحیح ہے۔ اور حسام الدین شہید نے اسی کو پسند کیا ہے۔ نوادر میں ہے کہ اگر دو رکعتیں پڑھ چکا ہے تو سلام پھیر دے اور اگر تیسری ملا دی تو پھر اس کے ساتھ چوتھی بھی ملائے اور سلام پھیرے البتہ قرأت میں تخفیف کرے۔ قاضی ابع علی نسفی سے حکایت ہے کہ انہوں نے اسی مسئلہ کی طرف رجوع کر لیا تھا جبکہ وہ پہلے مسئلہ پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ امام سرخسی اور بقالی کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ شیخ کمال الدین ابن ھمام نے کو وجیہہ قرار دیا ہے نوادر میں یہ مذکور نہیں کہ جب آدمی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس کا سجدہ نہ کیا ہو تو پھر کیا کرے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بیٹھ کر سلام پھیر دے اور بعض نے فرمایا کہ یہ نماز پوری کر لے پھر جب اس نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا تو یہ کہا گیا کہ اس پر کوئی چیز قضا کرنا لازم نہیں اور بعض نے فرمایا کہ یہ دو رکعتیں قضا کرے۔ امام محمد بن فضل نے کہا کہ یہ چار رکعتیں قضا کرے جس حال میں یہ نماز توڑے کیونکہ یہ ایک ہی نماز ہے۔ اور دو عیدوں سے پہلے یا ان کے خطبے کے بعد عید گاہ میں نوافل مکروہ ہیں زیادہ صحیح قول یہی ہے لیکن اگر فراغت کے بعد گھر آ جائے تو پھر نوافل پڑھنے میں کراہت نہیں۔ نماز کسوف سورج گرہن کے وقت نوافل پڑھے جاتے ہیں اور خسوف چاند گرہن کے وقت اور نماز استسقاء (بارش کی ضرورت) کے وقت نوافل پڑھے جاتے ہیں، ان ساری نمازوں میں خطبات ہیں۔ اسی طرح حج کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس وقت نوافل نہ پڑھے ورنہ اسے سننے میں مغالطہ لگ جائے گا بلکہ تمام خطبات کے وقت پوری خاموشی سے بیٹھ کر انہیں سنے اور ان کے مضامین سے استفادہ کرے۔ ان نمازوں کی پوری تفصیل اپنے موقع اور محل پر آئے گی۔

نفل نماز کے مکروہ اوقات

و لو شرع في التطوع في الاوقاف الثلثة فالافضل ان يقطعها ثم يقضيها و لو لم يقطع فقد اساء و لا شيئ عليه و لو شرع في النافلة في الوقتين ثم افسدها لزمه القضاء و لو افتتح النافلة في وقت مستحب ثم افسد هالا يقضيها بعد العصر قبل الغروب و لو افسد سنة الفجر لا يقضيها بعد ما صلى و قيل يقضيها و لو شرع في اربع ركعات قبل طلوع الفجر فلما صلى ركعتين طلع الفجر ثم قام و صلى ركعتين تنوب عن ركعتي الفجر عند هما و هو احدى الروايتين عن ابي حنيفة رحمه الله عليه و ذكر في الذخيرة و لو صلى ركعتين على ظن انه لم يطلع الفجر و قد تبين انه كان قد طلع الفجر فعند المتأخرين يجزيه عن ركعتي الفجر و لو شك لا تجزيه عن ركعتي الفجر بالاتفاق و اذا طلعت الشمس حتى ارتفعت قدر رمحين او قدر رمح تباح الصلوة و لو طلعت الشمس في خلال الفجر تفسد صلوة الفجر و لو غربت الشمس في خلال العصر لا تفسد

ترجمہ: مسئلہ نمبر۱...... اگر کسی شخص نے تین اوقات مکروہ میں سے کسی وقت نوافل شروع کیے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ انہیں توڑ دے پھر کسی دوسرے ٹھیک وقت میں انہیں قضا کرے اور اگر اس نے انہیں نہ توڑا تو برا کیا (اور گناہگار رہا) لیکن اس پر کچھ لازم نہیں۔

تشریح

مفہوم یہ ہے کہ اگر چہ مکروہ وقت میں اس نے نوافل شروع کر دیئے، تو وقت ناقص غیر صحیح ہونیکی وجہ سے انہیں توڑ دے۔ چونکہ نوافل شروع کرنے سے واجب اور لازم برذمہ ہو جاتے ہیں اس لئے کسی دوسرے صحیح وقت میں انہیں قضا کرے تاکہ کراہیت سے بچ جائے۔
لیکن اگر وقت مکروہ کے باوجود اسنے انہیں نہ توڑا اور دو رکعت پڑھ ڈالیں تو یہ اس فعل پر گناہ گار ہوا۔ اس لئے کہ اس نے نہی وارد عن الشارع کی مخالفت کی مگر اس کے باوجود اس پر اعادہ نماز نہیں کیونکہ وجوب کے مطابق اس نے نماز ادا کی۔ مراد یہ ہے کہ اس پر وجوب ناقص تھا تو ادا بھی ناقص ہوئی تو ﴿اذی کما وجب قاعدۃ مقررۃ عند اہل الاصول﴾ کے مطابق نماز ٹھیک ہوگئی ہے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی شخص نے دو وقتوں میں نوافل شروع کئے پھر انہیں توڑ دیا تو اس پر ان کی قضا کرنا لازم ہے اور اگر کسی مستحب وقت میں نوافل شروع کیے پھر انہیں توڑ دیا تو عصر کے بعد مغرب سے پہلے انہیں قضا نہ کرے اور اگر صبح کی

سنتیں شروع کر کے توڑ دیں تو صبح کی نماز پڑھنے کے بعد انہیں قضا نہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں قضاء کر ڈالے۔

تشریح

یہاں دو وقتوں سے مراد صبح صادق چڑھنے کے بعد سورج چڑھنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج بدل جانے تک۔ مصنف کی عبارت ﴿ ثم افسدھا لزمه القضاء ﴾ کا مفہوم سابقہ عبارت سے کسی حد تک معلوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب اوقات ثلاثہ میں نماز شروع کر کے توڑ دے تو قضا لازم ہے حالانکہ ان اوقات میں دو وقتوں کی بہ نسبت کراہت زیادہ ہے تو پھر دو وقتوں میں نماز شروع کر کے توڑ دینے سے بطریق اولیٰ قضا لازم ہوگی۔ اگر صحیح وقت میں نوافل شروع کر کے توڑ دیئے یا خود ٹوٹ جائیں تو انہیں کسی کامل وقت میں قضا کرے لہٰذا عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے یا طلوع فجر کے بعد سورج چڑھنے سے پہلے قضا نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے قضا ادا کی تو کراہت پیدا ہوگی البتہ وجوب ساقط ہو جائے گا۔ تمام اوقات مکروہہ کا یہی حکم ہے مگر اوقات ثلاثہ کا یہ حکم نہیں کہ اگر ان میں کسی وقت قضاء کرے تو وجوب ساقط نہیں ہوتا تو گویا قضا کرنا نہ کرنے کے برابر ہے اگر صبح کی سنتیں شروع کر کے توڑ دے تو سورج چڑھنے تک ان کی قضا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دو وقتوں میں کسی نماز کا قضا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ محیط میں بعض مشائخ رحمہما اللہ کے حوالے سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر صبح کی سنتیں پڑھے گا تو فرائض کو نہ پا سکے گا تو اس کے لئے تدبیر یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر سنت شروع کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر فرض شروع کر دے تو یہ سنتوں سے نکل کر فرض پڑھنے والا ہو جائے گا تو اس صورت میں یہ سنت کو توڑنے والا نہ ہوگا بلکہ ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف متجاوز ہوگا تو اس تدبیر سے صبح کی نماز کے بعد سورج چڑھنے سے پہلے بھی سنتِ فجر پڑھ سکتا ہے لیکن امام حلبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حیلے میں کوئی فائدہ نہیں کہ نماز فجر کے بعد جو کراہت ہے وہ باقی رہتی ہے ہاں البتہ اتنا فائدہ ہے کہ سورج چڑھنے کے بعد سنتوں کی قضا اس پر لازم ہو جائے گی۔ کبیری میں ہے کہ یہ مسئلہ امام اسماعیل زاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے لیکن امام سرخسی رحمہ اللہ نے اس کی تردید فرمائی چنانچہ سرخسی نے فرمایا کہ اگر نوافل کی اس نے نذر مانی ہو تو ان کو نماز فجر کے بعد نہیں پڑھ سکتا حالانکہ ان کا وجوب صورتِ مذکورہ کے وجوب سے زیادہ قوی ہے چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ دوسری اس میں خرابی یہ ہے کہ فاسد کرنے کی نیت سے عبادت شروع کرنا نصِ قطعی کے خلاف ہے لہٰذا عبادات کے معاملے میں اس قسم کی تدابیر اچھی نہیں۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی شخص نے صبح چڑھنے سے پہلے چار رکعتیں شروع کیں، جب دو رکعتیں پڑھ چکا تو صبح چڑھ گئی پھر اس نے کھڑے ہو کر دو رکعتیں اور پڑھ لیں تو یہ دو رکعتیں صاحبین رحمھما اللہ کے نزدیک صبح کی دو سنتوں کے قائم مقام ہو جائینگی اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی اس بارے میں ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔

تشریح

طلوع فجر کے بعد دو رکعتوں کا صبح کی سنتوں کے قائم مقام رہنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور ان کے خیال میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں اسی طرح آیا ہے اور یہی ظاہر روایت ہے کیونکہ سنت نماز کی مطلق نیت سے ادا ہو جاتی ہیں اور یہی صحیح قول ہے لیکن امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ دو رکعتیں صبح کی سنتوں کے قائم مقام نہیں۔ اس لئے کہ سنت کے لئے سنت کی نیت کرنا ضروری ہے اور بعض کے نزدیک یہ سنت واجب ہے لہٰذا جب تک ان کی نیت نہ ہو یہ ادا نہیں ہو سکتیں۔ لیکن امام کبیری لکھتے ہیں کہ پہلی بات صحیح ہے۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۴...... ذخیرہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز کی دو رکعتیں اس خیال سے پڑھیں کہ ابھی صبح صادق نہیں چڑھی پھر اس پر واضح ہو گیا کہ صبح طلوع ہو گئی ہے (تو اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟) متاخرین رحمھما اللہ کے نزدیک یہ دو رکعات صبح کی دو سنتوں کی جگہ کافی ہو جائینگی لیکن اگر اسے شک ہوا تو پھر یہ بالا تفاق صبح کی دو سنتوں کی طرف سے کافی نہ ہونگی۔

تشریح

آئمہ متاخرین رحمھم اللہ کا یہ فیصلہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ شک کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھتے وقت طلوع فجر میں اسے شک ہو گیا کہ آیا صبح طلوع ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو پھر بالا تفاق یہ دو رکعتیں سنتِ فجر کے قائم مقام نہ ہونگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شک سے کوئی چیز فائدہ بخش نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔

ترجمہ: مسئلہ نمبر۵...... جب سورج چڑھ جائے حتی کہ ایک یا دو نیزے بلند ہو جائے تو نماز پڑھنا مباح ہو جاتا ہے اور اگر نماز فجر کے دوران سورج چڑھ جائے تو صبح کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر عصر پڑھنے کے دوران سورج غروب ہو جائے تو عصر کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح

سورج چڑھنے کے بعد نماز کا مباح ہونا اس دلیل پر مبنی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ایک دو نیزے سورج بلند ہو جاتا تو آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔ سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ متفقہ حدیث ہے۔ امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ سورج کے ایک دو نیزے بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اچھی طرح طلوع ہو جائے تو پھر نماز پڑھی جائے لیکن جب تک وہ طلوع ہو رہا ہے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ماہرین نے فرمایا کہ طلوع آفتاب کا وقت تقریباً بیس منٹ تک ہوتا ہے۔ اور اس میں کیا فلسفہ ہے کہ صبح کی نماز میں سورج چڑھ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ عصر کی نماز میں سورج ڈوب جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ائمہ اصول کے نزدیک اس میں راز اور نکتہ یہ ہے کہ صبح کی نماز میں وجوب کامل ہے سورج چڑھنے سے ادا ناقص ہو جائے گی تو اگر وجوب کامل ہو تو ادا ناقص سے نماز نہیں ہوتی لیکن عصر کی نماز میں وجوب اور ادا دونوں ناقص ہیں لہذا وہ ادا ہو جائے گی۔

چھٹی شرط (نیت)

و الشرط السادس النية المصلي اذا كان متنفلاً يكفيه مطلق نية الصلوة و في التراويح اختلف بعض المشائخ المتقدمين قالوا الاصح انه لا يجوز بمطلق النية و ذكر المتاخرون ان التراويح و سائر السنن تتأدّى بمطلق النية و الاصح انه لا يجوز و الاحتياط في التراويح ان ينوى التراويح او سنة الوقت او قيام الليل و في السنة ان ينوى السنة و لو نوى في الوتر او الجمعة او العيد و في صلوة الجنازة ينوى الصلوة للّٰه

مسئلہ خلق قرآن

موصوف کے عہد میں کچھ لوگ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اس دور کے معتزلہ فرقہ نے اس مسئلہ کی پرزور حمایت کی حتیٰ کہ حکومتِ وقت کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور خلیفہ وقت نے اس میں کچھ شدت اختیار کر لی۔ لیکن امام احمد نے پورے عزم و استقلال اور پامردی سے حق کی صدا بلند کی اور برملا ارشاد فرمایا کہ ''قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفات مخلوق نہیں لہذا اسے مخلوق کہنا اور قدیم ہونے کے بجائے اسے حادث قرار دینا اسلام کی شبہ اور اصل دین میں ایک جدید راستے کا اختراع کرنا ہے۔ جو کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ چنانچہ اس حق گوئی کے پیشِ نظر اربابِ اقتدار کی طرف سے غالبًا ۲۲۰ھ میں آپ کو گرفتار کیا گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر تقریبا ۲۲۰ میل تک آپ کو پا پیادہ سفر کرایا گیا۔ کوڑے لگوائے گئے۔ یہ سب کچھ آپ نے رضائے الٰہی کی خاطر برداشت کیا۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کو ہزار کوڑے مارے گئے۔ کہتے ہیں کہ دورانِ سزا آپ کے دونوں ہاتھ جکڑے ہوئے تھے کہ آپ کا کمر بند کھل گیا۔ ابھی آپ برہنہ نہ ہونے پائے تھے کہ غیب سے دو ہاتھ ظاہر ہوئے اور انھوں نے فوراً آپ کا کمر بند باندھ دیا۔ اہلِ دربار نے جب یہ حال دیکھا تو آپ کو رہا کر دیا۔ مگر اسی تکلیف کے دوران آپ کی وفات ہوئی۔

حیرت انگیز نصیحت

کہتے ہیں کہ جب آپ کو گرفتار کر کے لے جا رہے تھے کہ ایک راستے کے موڑ سے اچانک ایک آدمی امام کے سامنے آ گیا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں بغداد کا مشہور ڈاکو ابوالہیثم ہوں۔ آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ کئی بار میں چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ سخت سے سخت سزا دینے کے باوجود میں نے جرم کا اعتراف نہ کیا۔ میرے سارے جسم پر سخت سزا کے داغ موجود ہیں۔ اس کے باوجود میں نے صبر و استقامت سے کام لیا۔ جب میں نے باطل پر صبر کیا آپ تو یقیناً حق کے حامی ہیں۔ لہذا آپ کو مجھ سے زیادہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ امام فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات میرے دم میں اتر گئی۔ جب مجھے کوڑے لگائے جاتے تو بار بار فرماتے کہ اللہ ابوالہیثم پر رحم فرمائے کہ مجھے صبر و استقامت کا سبق دے گیا۔ تذکرۃ الاولیاء میں یہ واقعہ دربان کے متعلق لکھا ہے۔ اس وقت اس کی وہاں پر ڈیوٹی تھی۔ اس نے امام موصوف سے یہ ناصحانہ کلمات کہے۔

بشر حافی کا اعتراف

امام موصوف کے زمانے میں مشہور پایہ بزرگ بشرِ حافی بقیدِ حیات تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ آپ امام احمد کی امیر سے سفارش کیوں نہیں کرتے کہ وہ انھیں رہا کر دے۔ تو بشر حافی نے جواب دیا: ''کہ جو سخت مصائب امام احمد برداشت کر سکتے ہیں میں انھیں نہیں برداشت کر سکتا۔ ان کا صبر و استقامت تو بلاشبہ انبیائے کرام جیسا ہے۔

استفادہ علم

موصوف نے متعدد اکابرین سے علمی استفادہ کیا ان میں امام شافعی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اور آپ سے بھی بے شمار لوگوں نے روایت حدیث کی اور فقہی مسائل سیکھے۔ ان میں بخاری و مسلم خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ لوگ آپ سے حدیث اور فقہ دونوں کا استفادہ کرتے۔ چنانچہ آپ آئمہ اربعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

زُہد وتقویٰ

آپ بلند پایہ متقی اور پرہیزگار تھے اور دین کے معاملات میں بے حد محتاط تھے۔ آپ کے صاحبزادے سے کسی وجہ کی بنا پر ایک نماز قضا ہوگئی تو اس کے گھر سے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ آپ بغداد شریف میں رہتے ہوئے وہاں کی روٹی نہ کھاتے تھے بلکہ موصل سے منگوا کر کھایا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغداد کو غازیوں کے لئے وقف کیا تھا۔ لہٰذا دوسروں کا اس پر کوئی حق نہیں۔ تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ گھر والوں نے خمیری روٹی آپ کے سامنے پیش کی تو فرمایا کہ گھر میں تو خمیر نہیں تھا۔ پھر یہ روٹی کیسے خمیری ہوگئی۔ تو گھر والوں نے بتایا کہ آپ کے صاحبزادے ابو صالح کے گھر سے خمیر لایا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ قاضی ہونے کے دوران اس سے ایک نماز اصفہان میں رہ گئی تھی۔ لہٰذا اس کے گھر کی روٹی میں نہیں کھا سکتا۔ اگر کوئی سائل آئے تو اسے دے دینا اور کہہ دینا کہ آٹا احمد کے گھر کا ہے اور خمیر صالح کے گھر کا۔ اگر پسند ہو تو لے لو۔ چالیس دن تک کوئی سائل نہ آیا تو وہ روٹی دجلہ میں ڈال دی گئی۔ اس کے بعد آپ نے بقیہ زندگی دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی۔

نامور مشائخ سے ملاقات

موصوف کے زمانے میں بہت سے خدا رسیدہ بزرگ تھے کہ جن سے آپ کو شرف ملاقات نصیب ہوا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ (۱) بشرِ حافی (۲) ذوالنورین (۳) معروف کرخی (۴) سری سقطی وغیرہ۔

آپ کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص شریعت کا مسئلہ آپ سے دریافت کرتا تو اچھی طرح جواب دیتے اور اگر وہ مسئلہ طریقت اور باطن کے متعلق ہوتا تو اس کو بشر حافی کے حوالے کر دیتے اور فرماتے کہ اس بزرگ کی موجودگی میں میرے لئے مناسب نہیں کہ میں باطنی علوم میں دخل دوں۔ چنانچہ کسی نے پوچھا کہ محبت کیا ہے؟ تو فرمایا بشر حافی سے جا کر پوچھو جب تک وہ زندہ ہیں میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔

ایک آدمی نے تین ہزار دینار پیش کئے اور عرض کیا کہ میں ترکہ حلال سے لایا ہوں۔ آپ نے یہ فرما کر واپس کر دیئے کہ مالک مجھے رزق دے رہا ہے۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ جاؤ جا کر کسی اپنی ضرورت کو پورا کرو۔ آپ کے صاحبزادے صالح کہتے ہیں کہ میرے والدِ بزرگوار نے پانچ حج کئے تھے ان میں تین پا پیادہ کئے۔

وفات

موصوف نے ۲۴۱ھ میں ستر سال کی عمر پا کر بروز جمعہ بارہ ربیع الاول کو بغداد میں وفات پائی۔ ابراہیم فرماتے ہیں۔ کہ میں

نے امام کے شب وصال بشر حافی کو خواب میں دیکھا کہ ان کی آستینیں کسی چیز سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا حضور یہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد کی مقدس روح پر جو موتی جواہرات نچھاور کئے تھے یہ میں ان سے لوٹ کر لایا ہوں۔ مشہور ہے کہ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو کئی ہزار غیر مسلم، یہودی، عیسائی اور آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ آپ آخری وقت اشارے سے بات سمجھاتے۔ اور لوگوں کو سمجھاتے کہ میرے دائیں بائیں کچھ لوگ بیٹھے ہیں اور ان میں شیطان بھی شامل ہے اور آہ وزاری کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس! تو مجھ سے بچ کر جا رہا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ جب تک ایک سانس بھی باقی ہے تو خطرہ موجود ہے۔ بعض نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا گزری تو آپ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھے سنہری تاج پہنا کر جنت میں داخل کیا۔

(سیرتِ آئمہ اربعہ، مصنفہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری، ۲۔ تذکرۃ الاولیاء، تاریخ فقہ اسلامی شیخ محمد خضری۔ پروفیسر جامع مصریہ)

نوٹ

اگرچہ اس موضوع پر مزید لکھنے کی بھی گنجائش ہے لیکن بنظرِ اختصار ان ہی کلمات پر اکتفا کی جاتی ہے۔ یہ ہیں آئمہ اربعہ کے مختصر اور چیدہ چیدہ واقعات اللہ تعالیٰ مقبول و منظور فرما کر آخرت کی نجات اور سعادت کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا ربَّ العالمین صلی اللہ علی حبیب خیر خلقه محمد و اله و اصحابه اجمعین الیٰ یوم الدین برحمتک یا ارحم الراحمین

کتب فقہ وفقہاء کرام جن کا صاحب منیۃ المصلی نے تذکرہ فرمایا ہے۔

مصنف کتاب منیۃ المصلی نے اپنی کتاب میں بہت سی کتابوں اور متعدد اہلِ علم کا حوالہ دیا ہے۔ تکمیل شرح کے لئے ہم ان کتابوں اور مصنفین کی بنظرِ اختصار ذیل میں کچھ تفصیل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ تاکہ کتاب مذکور کی تشریح میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

اللہ تعالیٰ سے اس کے پیارے حبیب ﷺ کے توسّل سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں کما حقہ اس مضمون کی تکمیل کی توفیق دے۔ اور اس کو ہمارے لئے زادِ آخرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

۱: ھدایہ ۲: محیط ۳: شرح اسبیجابی ۴: الغنیہ ۵: المُلْتَقطُ ۶: الذخیرہ ۷: فتاویٰ قاضی خان۔

اب ہر ایک کی مختصر تشریح ملاحظہ فرمائیں:-

۱- **ھدایۃ** ...... یہ شیخ الاسلام برہان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ جو تیرہ سال میں مکمل ہوئی۔ اس مدت میں مصنف روزہ رکھتے رہے اور کوشش کرتے کہ اس کی کسی کو اطلاع نہ ہو۔ پس اسی کی برکت سے ان کی یہ کتاب اہلِ علم میں مقبول ہوئی۔ درحقیقت مصنف نے ھدایۃ المبتدی کے نام سے ایک متن تیار کیا تھا بعد میں اس کی یہ شرح لکھی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ کتاب مختصر قدوری اور جامع صغیر تصنیف امام محمد کی شرح ہے کہ مصنف نے دو متن ملا کر ان کی حسبِ استطاعت شرح کی۔ جس کا نام کفایۃ المنتھی رکھا۔ پھر اس کا اختصار کر کے ھدایہ تیار کیا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بے شمار اہلِ علم نے اس کی شروح لکھیں۔ چنانچہ کشف الظنون میں اس کی ساری تفصیل موجود ہے۔

فائدہ : ہدایہ نام کی مختلف علوم وفنون میں متعدد اہلِ علم نے کتابیں لکھیں ہیں تحقیق کے لئے کشف الظنون کی طرف مراجعت کیجئے۔ اور وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ **محیط** ...... اس نام کی متعدد کتابیں علوم وفنون میں کشف الظنون کے حوالے سے دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ علمِ فقہ میں محیط نام کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ ایک محیط برہانی: یہ برہان الدین محمد بن تاج الدین احمد بن الصدر الشہید المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے جو فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔ دوسری محیط سرخسی ہے۔ یہ شمس الآئمہ محمد بن احمد ابن ابی سہل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۳۸ھ کی (۱۰) دس جلدوں میں ہے۔ مصنف نے اس میں تقریباً تمام فقہی مسائل جمع کر دیئے ہیں۔ تفصیل کے لئے کشف الظنون کا مطالعہ کیجئے۔ (یہاں محیط برہانی مراد ہے۔)

۳۔ **شرح اسبیجابی** ...... مصنف کا نام علی بن محمد بن اسماعیل ہے۔ شیخ الاسلام کے نام سے مشہور ہیں۔ سمرقندی اسبیجابی نسبت رکھتے ہیں۔ ''اسبیجاب'' تاشقند اور سیرام کے درمیان ایک شہر ہے۔ جیسا کہ علی بن حسین واعظ کاشغری نے ''الرشحات'' میں ذکر کیا ہے۔ ۴۵۴ھ جمادی الاولیٰ میں پیدا ہوئے۔ اور سمرقند میں سکونت اختیار کی اور طویل عمر پائی اور آخر ۵۳۵ھ میں وہیں (سمرقند)

میں وفات پائی۔ان کے زمانے میں ان کی طرح مذہب حنفی کی کوئی واقفیت نہ رکھتا تھا۔بہت سے لوگوں نے ان سے علمِ فقہ حاصل کیا۔اوران کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے صاحب ھدایہ بھی ان میں شامل ہیں۔(الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ لمولانا عبدالحی لکھنوی صفحہ ۱۲۴)

موصوف نے دو کتابوں کی شرح لکھی۔ایک مختصر طحاوی کی یعنی شرح اسبیجابی مختصر طحاوی کی بلند پایہ شرح ہے جو شیخ الاسلام علی بن محمد اسبیجابی کی تصنیف ہے اور فقہی مسائل میں ایک بنیادی کتاب ہے اور دوسری شرح المبسوط کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اوران کے فیوضات وبرکات سے ہمیں مستفید فرمائے۔آمین۔

۴۔ **الغنیۃ**...... یہ بعض نسخوں میں حرف غین کے ساتھ مذکور ہے۔اس کے مصنف یوسف ابن ابی سعید احمد بجستانی حنفی ہیں۔اور بعض نسخوں میں یہ حرف ''قاف'' کے ساتھ یعنی ''قِنیۃ''۔یہ امام زاھدی کی تصنیف ہے۔

۵۔ **الملتقط**...... یہ احناف کا ایک فتاویٰ ہے جو امام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی المتوفیٰ ۵۵۶ھ کی تصنیف ہے۔فقہی مسائل میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ امام سید ابوشجاع کی بھی تصنیف ہے۔

۶۔ **الذخیرۃ**...... شیخ برہان الدین کی تصنیف ہے۔تفصیل گزر چکی ہے۔

۷۔ **فتاویٰ قاضی خان** ...... یہ امام فخر الدین حسن بن منصوراوزجندی فرغانی المتوفیٰ ۵۹۲ھ کی تصنیف ہے۔اور علمِ فقہ میں بے حد مشہور فتاویٰ ہے۔اہلِ علم اس سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہے اور آج بھی اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصنف موصوف نے ایک شخص کے سامنے اسے املاء کیا تھا۔جس کا نام محمد بن مصطفیٰ تھا۔جو اہل روم میں سے ایک جید عالم تھا اس نے اسے ترتیب دیا ہے۔بہرحال یہ ایک قابلِ قدر اور باوقار فتاویٰ ہے کہ جس سے مصنف منیۃ المصلی نے بھی استفادہ کیا تھا۔

۸۔ **الصدر الشہید** ......موصوف کا نام عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ۔کنیت ابومحمد لقب ''حسام الدین'' صدر الشہید کے لقب سے لوگوں میں مشہور تھے۔آپ فروع واصول میں امام معقول ومنقول میں بڑے آئمہ کرام اور فقہائے اعیان میں شمار ہوتے ہیں۔مذھب اور خلاف میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔اپنے والدِ گرامی برہان الدین کبیر ''عبدالعزیز'' سے علمِ فقہ حاصل کیا۔حصولِ اجتہاد میں پوری کوشش اور محنت کی یہاں تک کہ یگانہ روزگار ہوگئے۔اہلِ فقہ کو درس وتدریس سے نوازا کرتے تھے اور اہلِ علم کے ساتھ بحث ومباحثہ میں غالب رہے۔اوراپنے والدِ گرامی کی زندگی ہی میں فضلاء زمانہ پرخراسان میں فوقیت وبرتری حاصل ہوگئی۔اوراپنے وبیگانے فضل وشرف کے قائل ہوگئے۔پھران کی شہرت ماوراء النہر تک پھیل گئی کہ بادشاہ اور اہلِ دربار تکریم وتعظیم کرنے لگے۔اوران کے اشارے پر چلنے لگے۔چنانچہ وفات تک اس عزت وعظمت سے رہے اور آخر ماہِ صفر ۵۳۶ھ میں شہید ہوگئے۔اور ایک کافر ملعون نے واقعہ قطعون کے بعد انہیں سمرقند میں شہید کردیا تھا۔پھران کی نعش بخاریٰ میں تدفین کے لئے لائی گئی۔پھر یہیں سپردِ خاک کئے گئے۔موصوف کی ولادت ۴۸۳ھ میں ہوئی۔(طبقات الشافعیہ علامہ تقی الدین سبکی شافعی)

اگرچہ بعض لوگوں نے انہیں شافعی سمجھا مگر موصوف خالص حنفی تھے۔صاحب ہدایہ انہیں اپنے شیوخ میں شمار کیا ہے اور فرمایا کہ میں نے ان سے علمِ نظر اور علمِ فقہ حاصل کیا۔موصوف میرا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔اور مجھے اپنے خصوصی طلبہ میں شمار فرماتے۔لیکن میں ان سے روایت کی اجازت نہ حاصل کرسکا۔بہت سے مشائخ نے ان کی تصانیف کے متعلق بتایا کہ فتاویٰ صغریٰ، کبریٰ اور شرح ادب القضاء لامام الخصاف اور شرح جامع صغیر وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے فرمایا میں نے ان

کی شرح جامع صغیر کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ ایک مختصر مگر مفید شرح ہے۔ ملاّ علی القاری نے فرمایا کہ جامع صغیر پر ان کی تین شرحیں ہیں ۔ا۔ مطول ۲۔ متوسط ۳۔ مختصر۔ اور الواقعات اور المنتقٰی بھی ان کی تصنیف ہے۔ وہ مصنف محیط رضوی کے استاد ہیں۔ (اھ)

(الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ لمولانا عبدالحی لکھنوی صفحہ ۱۴۹)

۹- **شمس الائمہ سرخسی**...... موصوف کا نام محمد بن احمد بن ابی سھل السرخسی المتوفی ۴۸۳ھ ہے۔ انہیں شمس الآئمہ کہا جاتا تھا موصوف نے حاکم شہید کی ''الکافی'' کی بڑی تفصیلی شرح لکھی جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے۔ جب یہ اوز جند کے جیل خانہ میں کلمہ حق کہنے کی وجہ سے قید تھے تو اس وقت بغیر کوئی کتاب دیکھے اپنے شاگردوں کو املاء کرائی۔ مبسوط نام کی بہت سی کتابیں ہیں لیکن جب عام طور پر مبسوط کا ذکر کیا جائے تو یہی مبسوط سرخسی مراد ہوتی ہے۔ موصوف ''سرخس'' کے رہنے والے تھے۔ احناف میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔

۱۰- **جامع صغیر**...... اس نام کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جو مختلف اہلِ علم نے تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے ایک جامع صغیر اور جامع کبیر امام قاضیخان صاحب فتاویٰ کی بھی تصنیف ہے۔ چنانچہ مصنف منیۃ المصلی نے آغازِ کتاب میں فتاویٰ قاضیخان کے ذکر کے ساتھ ہی (جامعیہ) بصیغہ تثنیہ فرما کر ان دو کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر صفحہ ۱۴۱ پر: (ذکر فی الجامع الصغیر المنسوب الی قاضی خان) سے صرف ایک کی صراحت فرمادی اور بتادیا کہ یہاں جامع صغیر سے کوئی اور جامع صغیر مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہے جو قاضی خان سے منسوب ہے۔ اور اس لفظ سے یہ اشارہ کردیا کہ لوگوں میں اس طرح مشہور ہے شاید در حقیقت ایسا نہ ہو۔

صاحب فتاویٰ کا نام حسن بن منصور بن محمود ہے اور لوگوں میں امام فخر الدین قاضیخان اوزجندی فرغانی کہ لقب سے مشہور ہوئے۔

فاضل لکھنوی نے ان کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كان اماماً كبيراً و بحراً عميقاً فى المعانى الدقيقة مجتهداً فهامةً اخذ سن ظهير الدين الحسن بن على المرغينانى الخ و له الفتاوىٰ المشهورة المتداولة و الواقعات و الامالى و المحاضر شرح الزيادات و شرح الجامع الصغير

(الظاهر المراد به الجامع الصغير للامام محمد تلميذ الامام الاعظم كما لا يخفىٰ) (و شرح ادب القضاء الخصاف و غير ذالك توفى فى ليلة الاثنين ليلة النصف من رمضان ۵۹۲ھ و اوزجند مدينة بنواحى اصفهان بقرب فرغانة . (۱۵)

(الفوائد البهية فى تراجم الحنفية لمولانا عبد الحى لكهنوى صفحه ۱۲۴)

فائدہ

یہاں مولانا نے موصوف کی تصنیفات میں جامع صغیر وکبیر کا ذکر نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ فاضل لکھنوی انہیں امام مذکور کی تصنیف نہ لکھتے ہوں۔ پس المنسوب کے لفظ کی توثیق وتائید ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں استیعاب مقصود نہ ہو پس ''وغیرہ ذالک'' اجمالاً اشارہ فرمادیا ہو۔ (و اللہ اعلم بحقیقة الحال و ھو یعلم بما فی صدور الرجال) یاد رہے کہ کشف الظنون جلد اول صفحہ ۵۷۰ میں ہے۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جامع صغیر وغیرہ امام قاضی خان کی تصنیف نہیں بلکہ ان کی شرح امام موصوف کی تصنیف ہے اور اس کی وجہ غالباً شرح اور متن کا باہم اختلاط ہے کہ جس کی وجہ سے بعض دفعہ ''متن'' قاضی خان کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۱۱- **امام کرخی**...... عبید اللہ بن الحسین ابو الحسن الکرخی اول موصوف کا اپنا نام ہے۔ دوم والد کا اسمِ گرامی سوم کنیت ہے۔ اور چہارم

نسبت ہے۔ سلسلہ سند ابو سعید البردعی عن اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ عن ابیہ عن جدہ۔ امام ابو حازم کے بعد ریاست حنفیہ ان پر منتہی ہوگئی۔ چنانچہ طبقۂ عالیہ میں شمار ہوئے۔ لوگوں نے انہیں ''مجتہد فی المسائل'' قرار دیا۔

مشہور تلامذہ

۱۔ ابوبکر احمد جصاص رازی	۲۔ فقیہ ابو علی احمد بن محمد شاشی	۳۔ ابو حامد احمد طبری
۴۔ ابو القاسم علی التنوخی	۵۔ ابو عبید اللہ درمغانی	۶۔ ابو الحسن القدوری وغیرہ۔

تصنیفات

۱۔ المختصر ۲۔ جامع صغیر و کبیر کی شرح ہے۔

پیدائش

۲۶۰ھ وفات: شعبان کی پندرہویں شب ۳۴۰ھ۔ قال الفاضل اللکھنوی فی الفوائد البھیۃ نقلاً عن السمعانی ان الکرخی نسبۃً الیٰ کرخ قریۃ بنواحی العراق. اقول قیل محلۃ ببغداد و دفن فیھا معروف الکرخی المشھور من الصوفیۃ حیث قال سعدی الشیرازی فی توصیفه :

''نہ بنی کہ در کرخ تربت بسی است ۔ بجز گور معروف معروف نیست وسکن بغداد الکرخی''

و حدث بھا عن اسماعیل بن اسحاق القاضی . ومحمد بن عبد اللّٰہ الحضرمی . و روی عنه ابو حفص بن شاھین وغیرہ .

و فی طبقات القاری قد تکرر ذکرہ فی الهدایۃ . انتھت الیه ریاسۃ الحنفیۃ بعد ابی خازم و ابی سعید البردعی و انتشرت اصحابه . و اخذ عنه المذکر لان سابقاً .

عادات واخلاق

نماز روزہ کے بہت زیادہ پابند تھے چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے۔ (کان کثیر الصوم والصلوٰۃ) آخر عمر میں موصوف مرض فالج میں مبتلا ہوگئے۔ چند ساتھیوں نے سیف الدولہ کو ان کی امداد کرنے کا خط لکھا تو مطلع ہونے پر بہت روئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: ''اللّٰھم لا تجعل رزقی الا من عودتنی فمات قبل ان تصل الیه صلۃ سیف الدولۃ و ھی عشرۃ آلاف درھم (۱۵) و فی مرأۃ الجنان کان اماماً قانعاً متعففاً عابداً صواماً کبیر القدر (اھ) (الفوائد البہیۃ صفحہ ۱۰۹)

۱۲- **کتب ظاهر روایت**...... کتب فقہ حنفی میں اکثر ظاہر روایت اور نادر روایت کا ذکر آتا ہے پس ان دونوں سے کیا مراد ہے۔ ماہرین قانونِ فقہ نے فرمایا کہ امام محمد بن حسن شیبانی نے تفصیل فقہ کے متعلق سینکڑوں کتابیں تحریر فرمائیں پس ان میں سے چھ کتابیں ''ظاہر الروایۃ'' کہلاتی ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ مبسوط ۲۔ زیادات ۳۔ جامع صغیر ۴۔ جامع کبیر ۵۔ سیر صغیر ۶۔ سیر کبیر (کشف الظنون فتاوی شامی)

قال فاضل اللکھنوی فی احکام البسملۃ منضما .... الهدایۃ انما سمیت بظاھر الروایۃ لانھا رویت

عنہ (عن محمد) بروایات الثقات فھی ثابتۃ منہ اما متواترہ او مشھورۃ کذا قال الشامی .

فائدہ

بعض نے اس تعداد میں کچھ کمی کی ہے پس ''سیر صغیر'' کو کتب ظاہر الروایت میں نہیں شمار کیا پس اس اعتبار سے وہ پانچ ہوئیں۔
(تعالیق الانوار حاشیہ در مختار لعبد المولٰی الدمیاطی دمیاط بلد مشہور بمصر)

اور بعض نے دو کو کم کیا ہے اور وہ سیر صغیر اور سیر کبیر ہے اس لحاظ سے صرف چار ہوئیں۔ (علامہ طحطاوی۔ مؤید زادہ)

و فی نتائج .... بظاھر الروایۃ عند الفقھاء روایتہ الجامعین و الزیادات و المبسوط و المراد بغیر ظاھر الروایۃ عند ھم روایۃ غیرھا و ھذا مع کونہ شائعا فیما مذکور فی مواضع شتّٰی . (۵۱)

و فی الغایۃ المراد بالاصول الجامعان و الزیادات و المبسوط و یعبر عنھما بظاھر الروایۃ . (۵۱)

قال فی مفتاح السعادۃ انھم یعبرون عن المبسوط و الزیادات و الجامعین بروایۃ الاصول و من المبسوط والجامع الصغیر و السیر الکبیر بظاھر الروایۃ و مشھور الروایۃ . (۵۱) قال السید السند الشریف (الجرجانی) فی الاصطلاحات ظاھر المذھب و ظاھر الروایۃ المراد بھما ما فی المبسوط و الجامع الکبیر و الجامع الصغیر و السیر الکبیر . (احکام البسملۃ صفحہ ۶..۵)

جو کتب ظاہر الروایہ میں مذکور نہیں۔ اور ان کے حسب ذیل چند نام ہیں:

۱۔ **رقیات** ...... یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمد نے جب کہ وہ شہر ''رقہ'' میں قاضی تھے تو انہیں جمع کیا پس شہر ''رقہ'' کی ''رقیات'' کہلائے۔ ''رقہ'' قاف پر شد سے یعنی قاف مشدد ہے۔ مدینۃ علی جانب الفارت الموصوف اقام بھا قاضیا ، جمعھا و رواھا عنہ محمد بن سماعۃ .

۲۔ **الکیسانیات** ...... یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمد نے ابو عمرو سلیمان بن شعیب کیسانی کو املاء کرائے تھے۔ (طحطاوی) بعض نے یہ کہا ہے کہ انہیں ''کیسان'' نامی شخص کیلئے جمع کیا تھا۔ (مفتاح السعادۃ) کیسانی۔ کیسان کی طرف نسبت ہے۔

۳۔ **ھارونیات** ...... یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمد نے خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں جمع فرمائے۔ (علامہ طحطاوی) بعض نے یہ لکھا ہے کہ ہارون الرشید نامی شخص کے لئے جمع کئے۔ (مفتاح السعادۃ)

۴۔ **جرجانیات** ...... یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمد نے قیام جرجان کے زمانے میں جمع کئے۔ کذا قال الطحطاوی فی حاشیۃ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح) انما قیل لھا غیر ظاھر الروایۃ لانھا لم ترو عن محمد بروایات ظاھرۃ ثابتۃ صحیحۃ کالکتب الاولٰی (احکام البسملۃ)

فائدہ نفیسہ

کتب الامالی المرویۃ عن ابی یوسف . و الامالی جمع املاء ھو ما یقولہ العالم بما فتح اللہ علیہ من ظھر قلبہ و یکتبہ التلامذۃ و کان ذالک عادۃ السلف . (کذا قال الشامی)

فائدہ ثانیہ

سب سے پہلے امام محمد نے ''المبسوط'' تصنیف کی اور اس کو ''اصل'' قرار دیا۔ (سماہ بالاصل) اور اسے اپنے اصحاب پر املاء فرمایا پس اس کے متعدد نسخے تیار ہو گئے لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور مبسوط ابو سلیمان جوز جانی۔ جوز جان بلخ سے متصل خراسان کا ایک شہر ہے۔ (کذا قال العینی فی شرح الهدایـــــــة)

اہلِ علم کے ایک بڑے گروہ نے مبسوط کی شروح لکھیں۔ مثلاً شمس الاسلام خواہر زادہ شمس الآئمہ حلوائی وغیرہ۔ پس اس میں ان سے ایک سہو اور غلطی سرزد ہوگئی کہ شرح اور متن کا کلام بغیر امتیاز کئے باہم مخلوط ہے جس کی وجہ سے دونوں میں ابہام اور اشتباہ پیدا ہو گیا کہ قاری بوجہ خلط دونوں کو الگ الگ نہیں کر سکتا کہ ان کا تحفظ بحیثیت متن اور شرح کیا جا سکے پس معنوی لحاظ سے یہ ایک خطرناک اور نقصان دہ غلطی ہوگئی کہ آئندہ تدارک مشکل ہو گیا۔

چنانچہ جامع صغیر کے شارحین مثلاً فخر الاسلام علی بزدوی اور صاحب فتاویٰ قاضی خان وغیرہ سے یہی قصور ہوا کہ شرح اور متن باھم ملا دیئے پس یہی وجہ ہے کہ جب کہا جائے کہ قاضی خان نے جامع صغیر میں فرمایا تو مراد یہ ہوتی ہے کہ شرح جامع صغیر میں ارشاد فرمایا۔ اور یہی مغالطہ شیخ الاسلام وغیرہ کے ہاں ہوا کہ خلاصہ میں شیخ الاسلام وغیرہ کا نسخہ واقع ہوا۔ پس اس سے ان کے شروح مراد ہیں۔ کـــمـــا حُقِقَ فی مـــــــوضعــه۔

کہا جاتا ہے کہ امام شافعی نے مبسوط کو عمدہ اور مستحسن تحریر کر کے یاد کر لیا تھا۔ اور جب ایک اہلِ کتاب حکیم نے اس کا مطالعہ کیا تو مسلمان ہو گیا اور کہا: هذا كتاب محمد کم الاصغر فكيف كتاب محمد کم الاكبر۔ (اھ) (کشف الظنون)

درجہ دوم...... بعد ازیں جامع صغیر تصنیف فرمائی لیکن اس کو امام موصوف نے خود ترتیب نہیں دیا بلکہ اس کو ابو عبداللہ الحسن بن احمد زعفرانی فقیہ حنفی نے مرتب کیا۔ (کذا قال قاضی خان فی شرحہ للجامع الصغیر) اور ڈیڑھ ہزار بتیس ۱۵۳۲ مسائل پر یہ مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ (بزدوی) اس میں وہ مسائل جمع گئے جو امام ابو یوسف عن ابی حنیفہ کے واسطے سے ان کے لئے (امام محمد) جمع کئے گئے۔ پس امام یوسف اتنی بڑی شان رکھنے کے باوجود سفر و حضر میں اسے اپنے ساتھ رکھتے۔ اوائل زمانے میں اس کے یاد کرنے کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا چنانچہ جس کو جامع صغیر یاد ہوتی اس کو عہدہ قضا کے لئے منتخب کیا جاتا پس اس کی بھی چند نامور آئمہ نے شروح لکھیں۔

درجہ سوم...... پھر درجہ سوم یعنی تیسرے نمبر پر جامع کبیر تصنیف فرمائی۔ پس اس کے متعلق شیخ اکمل الدین نے فرمایا: هـو مـا سـمّـاه لجلائل مسائل الفقه جامع كبير قد اشتمل على عيون الروايات و متون الدرايات۔ جو کچھ امام ابوحنیفہ نے ان کے لئے روایت فرمایا موصوف نے انہیں جمع کیا۔ ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی صاحب الشام کی عادت تھی کہ جس کو جامع کبیر یاد ہوتی تو اس کو سو دینار دیتے۔ اور جس کو جامع صغیر حفظ ہوتی تو پچاس دینار بطور عطیہ دیتے۔ بے شمار آئمہ کرام نے اس کی شرحیں لکھیں۔

درجہ چہارم...... اس درجہ یعنی چوتھے نمبر پر الزیادات تصنیف فرمائی۔ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ موصوف امام ابو یوسف کے پاس جاتے اور ان کی املاء سے کچھ لکھتے تو اتفاقاً قاضی صاحب نے کہہ دیا کہ امام محمد پر ان مسائل کی تخریج مشکل اور شاق ہوگئی۔ جب امام محمد کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان میں سے ایک مسئلہ پر ایک باب متفرع کیا تو اس کا نام ''الزیادات'' رکھا یعنی زیادۃ علی ما املاء ابو یوسف۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ جب الجامع الکبیر کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو کچھ فروع یاد آئیں کہ جن کا تذکرہ اور بیان ''جامع کبیر'' میں نہ تھا اس ''خلا''

کو پر کرنے کے لئے "الزیادات" تصنیف کی۔ پھر مزید فروعات یاد آئے تو مزید "زیادات الزیادات" لکھ دی تا کہ کمی پوری ہو جائے۔ (کذا قال قاضی خان) اس کی بھی اکثر شرحیں لکھیں۔

درجہ پنجم...... اس نمبر میں "السیر الصغیر" لکھی۔ جب اوزاعی امام اہلِ شام نے اسے پڑھا تو کہا لمن هذا الكتاب فقيل لمحمد العراقي فقال ما لاهل العراق و التصنيف في هذا الباب فانه لا علم لهم بالسير فبلغ ذالك محمداً فصنف بعد ذالك " السير الكبير " فلما نظر فيه الاوزاعي فقال لو لا ما .... من الاحاديث لقلت انه يضع العلم من نفسه . (اھ) کہتے ہیں کہ امام محمد نے فرمایا کہ اس کتاب کو ساٹھ دفتروں میں لکھا جائے پھر خلیفہ کے پاس اٹھا کر لے جائیں۔ یونہی کیا گیا پس خلیفہ اسے دیکھ کر بے حد متعجب ہوا اور اسے اپنے مفاخر ایام میں شمار کیا۔ یاد رہے کہ موصوف کی یہ فقہ میں آخری تصنیف ہے چنانچہ عراق سے واپسی کے بعد پھر یہی لکھی کچھ اور نہیں لکھا پس اسی وجہ سے ابو حفص نے اس کی روایت نہیں کی۔

فائدہ...... پوری کتاب میں قاضی ابو یوسف کا کہیں نام مذکور نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں میں کچھ رنجش ہو گئی تھی۔ اگر کہیں ان سے روایت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو "اخبرنی الثقۃ" فرما کر اس خلا کو پُر کر دیا۔ ھذا اکلہ من کشف الظنون

فائدہ عجیبیہ...... علامہ طحطاوی نے فرمایا۔ امام محمد کی جس تصنیف کے نام میں "صغیر" کا وصف ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں امام سے روایات بواسطہ امام ابو یوسف ہیں۔ اور جس میں "کبیر" کا انضمام ہو تو وہاں روایات امام بلا واسطہ ہونگی۔ (اھ)

(احکام البسملۃ لمقدمۃ الھدایۃ اولین لمولانا عبدالحی لکھنوی)

۱۳- **حضرت امام شافعی**...... امام موصوف کے تفصیلی حالات گزر چکے ہیں۔

۱۴- **ذکر الاسبیجابی فی شرحه** (صفحہ ۴۶) موصوف کا تفصیلی تذکرہ گزر چکا ہے۔

۱۵- **ابو نصر صفار**...... پورا نام اور شجرہ نسب یہ ہے جو الفوائد البہیہ صفحہ ۱۴ میں مذکور ہے۔ احمد بن اسحاق بن شیث ابو نصر الصفاری۔ صفّار صفر سے ماخوذ ہے۔ چونکہ موصوف پیتل کے برتن فروخت کیا کرتے تھے بایں وجہ صفار کہلانے لگے۔ یہ بخاریٰ کے رہنے والے تھے۔ پھر مکہ مکرمہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ طائف میں وفات پائی پھر وہیں دفن کئے گئے۔ مکہ شریف میں ان کا علم پھیلا اور دور تک پہنچا۔ اور خوب اس کی اشاعت ہوئی۔ پس ان کی تصنیفات بکثرت ہیں۔ علمِ فقہ اور ادب میں ان کی طرح بخارا میں کوئی حافظ نہ تھا۔ گویا اپنے زمانے میں علوم و فنون میں بے نظیر اور لا جواب تھے۔

موصوف کا پورا خاندان علم و فضل کے سنگارے سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ چنانچہ ان کے پوتے ابراهیم بن اسماعیل ابو اسحاق الصفار مشہور زمانہ فاضل ہوئے ہیں۔ انساب سمعانی میں ان کا نام پہلے سے برعکس درج ہے یعنی ابو نصر اسحاق بن احمد بن شيث بن نصر بن شيث بن الحكم الاديب الصفّار البخاري من اهل بخاريٰ له بيت في العلم الىٰ الساعة ببخاريٰ ۔(اھ)

خلاصہ کلام

الف: موصوف بہت بڑے فاضل اور ممتاز علماء میں سے ہیں ان کے نام میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے چنانچہ بعض نے احمد بن اسحاق لکھا ہے جب کہ بعض نے اسحاق بن احمد ذکر کیا ہے۔ اور اس کی وجہ اختلاف نقلی ہے۔

ب: ساکن بخاریٰ تھے البتہ مکہ شریف میں اقامت پذیر رہے اور آخر طائف میں وفات پائی اور پھر وہیں دفن ہوئے۔ اکثر خاندان صاحب فضل وشرف تھا۔

ج: اسماعیل بن ابی نصر (ابو ابراھیم) ایک حق گو بزرگ تھے۔ چنانچہ برملا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے تھے کہ جس کی وجہ سے ظالم خاقان نے ۴۶۱ھ میں انہیں شہید کر دیا۔ ابو اسحاق ابراھیم بن اسماعیل الصفار زاہد مشہور تھے اور حماد بن ابراھیم جامع مسجد بخاریٰ کے خطیب تھے۔ اپنے دادا اور ابو علی البیہقی سے روایت کیا کرتے تھے۔ ادب اور اصول میں عارف تھے میں نے ان سے کچھ نہیں سنا البتہ بخاریٰ میں ان سے ملاقات ہوئی۔ (اھ)

ما مرّ كله مذكور فى الفوائد البهية فى تراجم آئمة الحنفية للفاضل اللكهنوى

١٦- شمس الآئمہ حلوائی...... عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح شمس الآئمہ الحلوانی البخاری۔ (ضبط لفظ حلوان) حرف " ح " مفتوح " لام " ساکن . واو مفتوح . اس کے بعد الف ساکن ھے . سب کے آخر میں حرف نون ھے . (ضبط عبد القادر و قال منسوب الىٰ علم الحلواء و فى القاموس الحلو ضد المر (کڑواھٹ) و الحلواء (بالمر و القصر) معروف . و حلوان بالضم بلدة و قريتان (من سواد العراق) و نسب الىٰ الحلاوة شمس الآئمة الحلوانى و يقال بهمزة بدل النون(١٥)و كلا هما بمعنى لا فرق بينهما بتبديل الحرف (الراقم)

فائدہ اولیٰ

و فى انساب السمعانى الحلوانى بفتح الحاء نسبة الىٰ علم الحلواء و بيعه (١٥) قال مولانا عبد الحئ فى الفوائد صفحه ٩٦ كان احمد بن نصر بن صالح و الد الشيخ الاجل شمس الآئمة الحلوانى فقيراً يبيع الحلواء و كان يعطى الفقهاء من الحلواء و يقول ادعوا لابنى فبركة جوده و اعتقاده و شفقته وتضرعه لله تعالىٰ نال ابنه ما نال (١٥) و ايضاً قال هذا صريح فى ان نسبة الحلوانى الىٰ الحلواء و علم كما مرّ انه سواء كان بالنون او بالهمز مفتوح الحاء (لا المفهوم كما توهم البعض) نسبة الىٰ بيع الحلواء فسقط ما قال اخى چلپى فى منهيات ذخيرة ال... الحلوانى بضم الحاء منسوب الىٰ الحلوان اسم بلدة اليها نسب شمس الآئمة الحلوانى الخ . و وجه السقوط ما مرّ اولاً الحاء مفتوح نسبة الىٰ بيع الحلواء و ثانياً نص كل منها (سواء ضبط بالنون او بالهمزة) على فتح الحاء (لا الضم) فالضبط بضم الحاء مع النون خارج عن البين . (١٥) و ايضاً قال كون حلوان بالضم اسم بلد مسلم لكن نسبة شمس الآئمة الحلوانى اليه خصوصاً الىٰ حلوان المذكور فى باب الوظائف غير مسلم و يكفى فى هذا الباب كلام صاحب الانساب . (١٥)

خلاصہ کلام

ا۔ موصوف کا اسم گرامی عبدالعزیز والد گرامی کا نام احمد بن صالح ہے بوجہ غربت حلوا فروش تھے۔ اور سخی اور رحم دل ہونے کی وجہ سے اہلِ علم اور فقہائے کرام کو بطور ہدیہ، عطیہ حلوا دیا کرتے تھے اور ان سے اپنے فرزند کے حق میں اس کی کامیابی کی دعا کراتے تھے۔

احتمالات ہیں۔(و اللّٰہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال و الیہ یرجع اصل المقال)

۳۲- **امالی الفتاویٰ** ......اس نام کی تقریباً ساٹھ سے کچھ زائد کتابیں کشف الظنون جلد اول بحث الف صفحہ ۱۶۵/۱۶۴ پر مذکور ہیں۔ پس ان میں ایک امالی شمس الآئمہ سرخسی اور دوسری امالی امام قاضی خان حسن بن منصور اوز جندی متوفی ۵۹۲ھ کی تصنیف ہے شاید ان دو میں سے کوئی مراد ہے کاش کہ مصنف تعیین اور نشاندھی کر دیتے تو قارئین و ناظرین کے لئے آسانی اور سہولت ہو جاتی اور نقل مکمل ہو جاتی اور یہی علم انسانی کی بے شمار کمزوریوں میں سے ایک ہے۔(و العلم التام عند اللّٰہ تعالیٰ)

۳۳- سمرقند......ایک مشہور زمانہ شہر کا نام ہے۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سمر اور کند۔ ''سمر'' بادشاہ کا نام ہے۔ ''کند'' ترکی زبان میں ''شہر'' کو کہتے ہی۔ پس معنی یہ ہوا سمر بادشاہ کا آباد کردہ شہر۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ''گند'' کاف عجمی یعنی ''گاف'' کے ساتھ ہے اور گند کے معنی اجاڑنے اور ویران کرنے کے ہیں۔ اور سمر بادشاہ نے اسے ویران اور غیر آباد کیا تھا یعنی وہ شہر جس کو سمر نامی بادشاہ نے اجاڑا اور ویران کیا۔ اب تبدیلی کی صورت میں ''سمرقند'' کہتے ہیں۔

صاحب رشیدی لکھتے ہیں ''اصل میں ''شمرکند'' حرف شین اور کاف کے ساتھ مروی ہے۔ شمر بن تعیش بن ابرہ نے ''سغد'' نامی شہر والوں سے جنگ لڑی اور ان کے شہر ''سغد'' کو فتح کر کے اسے ویران کر دیا۔ پھر از سر نو ''شمرکند'' نام کا ایک شہر تعمیر کیا۔ چنانچہ ماوراء النہر کی لغت میں ''کند'' شہر اور قریہ کو کہتے ہیں۔ (غیاث اللغات صفحہ ۴۱۴)

خلاصہ یہ کہ وہ آج ایک شہر یا ب شہر کا نام ہے جو زمانہ قدیم سے آباد چلا آ رہا ہے۔

۳۳- ابو یوسف...... یہ قاضی امام ابو یوسف امام صاحب کے اکابر ناموراور جانشین اجتہاد پر فائز ہونے والے اکابرین میں سے ہیں۔ پوری تفصیل امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف نشاندھی کر دی۔

۳۴- فتاویٰ خاقانیہ...... یہ لفظ فتاویٰ قاضی خان کے لئے بطور اختصار استعمال کئے جاتے ہیں۔ تفصیل گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۳۵- محیط ...... یہ فقہ کی ایک مشہور زمانہ کتاب ہے۔ تفصیل کے لئے پیچھے ملاحظہ فرمائیں۔

۳۶- ابوبکر محمد بن فضل...... حنفی مذہب کے اکابرین اور اہلِ اجتہاد میں ہوئے ہیں تفصیل پیچھے گزر چکی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۷- کتاب محمد......غالباً امام محمد کی کتاب الآثار مراد ہے پیچھے دیکھیں۔

۳۸- خلاصۃ الفتاویٰ......امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری المتوفی ۵۴۲ھ کی علمِ فقہ میں نادر روزگار تصنیف ہے جو اکثر و بیشتر فقہی ضروری مسائل پر شامل ہے۔ مصنف مرحوم نے خود لکھا ہے کہ میں نے پہلے علمِ فقہ میں خزانۃ الواقعات اور کتاب النصاب لکھی تو بعض دوستوں نے اس کی ایسی تخلیص کی درخواست کی جو ضبط کرنے کے قابل ہو تو پھر میں نے ان کے اشتیاق اور ضرورت کے پیشِ نظر خلاصۃ الفتاویٰ کی صورت میں ان کی تخلیص پیش کی۔ کہ اس میں ضروری مسائل خالی از زوائد تحریر کئے پس اس وجہ سے اس کو خلاصۃ الفتاویٰ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مصنف نے یہ اہتمام کیا کہ ہر کتاب سے پہلے اس کے فصول اور اجناس کی فہرست لکھی تا کہ فتویٰ تلاش کرنے والے کے لئے قدرے آسانی ہو جائے۔ محدث زیلعی نے اس کی احادیث کی تخریج کی۔

(کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۷۱۸)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی یہی کچھ لکھا اور اس کی پر زور تائید کی چنانچہ الفوائد لتراجم الحنفیہ صفحہ ۸۴ ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف نے لکھا ہے کہ فتاویٰ مذکور الواقعات اور الخزانۃ کی تخلیص ہے۔ و هو كتاب معتبر عند العلماء معتمد عند الفقهاء (۵۱) اقول الیٰ الاٰن من القديم متداول بين اهلِ العلم و الشرف و مستند ماخذ عند اهل الاسلام يستندون به وقت الضرورة و الحاجة۔

۳۹- ابوحنیفہ وصاحباہ...... اس سے امام اعظم اور ان کے دوشاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد مراد ہیں۔ تفصیل کے لئے آئمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ کے حالات گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ: اگر امام صاحب اور قاضی ابو یوسف کسی مسئلہ پر ایک ساتھ ہوں فقہاء حنفیہ اس کو "شیخین" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر امام صاحب اور امام محمد کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو اسے "طرفین" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر دونوں باہم متفق ہوں تو اسے "صاحبین" سے تعبیر کرتے ہیں كذا قيل۔

۴۰- ابوحنیفہ اور ان کے دوشاگرد...... تفصیل پیچھے گزر چکی وہاں دیکھیں۔

۴۱- ابو یوسف...... اس شخصیت کے حالات وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں دیکھیں بار بار اعادہ اور تفصیل بے سود ہے

۴۲- ذکر ابی حنیفہ وصاحبیہ...... تفصیل سے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

۴۳- ذخیرہ...... ان کا پورا نام ذخیرۃ الفتاویٰ ہے۔ یہ الذخیرۃ البرھانیہ کے نام سے لوگوں میں مشہور تھا۔ یہ امام برھان الدین محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ بخاری کی تصنیف ہے۔ ان کی وفات ۶۱۶ھ میں ہوئی۔ موصوف نے اپنی مشہور کتاب "محیط برہانی" سے اس کا اختصار کیا كلاهما (الذخيرة و المحيط) مقبولان عند العلماء۔ (کشف الظنون صفحہ ۸۲۳) متعدد مسائل وواقعات اور حوادثات کو مصنف نے اپنے ذوق کے مطابق جمع کیا تھا پھر بعض لوگوں کی فرمائش پر انہیں "الذخیرۃ" کئے نام سے موسوم کیا چنانچہ کشف الظنون صفحہ ۸۲۳۔۸۲۴ پر یہی مذکور ہے۔

۴۳- ابو یوسف، محمد بن حسن...... تفصیل کے لئے گزشتہ اوراق کی طرف رجوع کریں۔

۴۴- الشافعی...... ملاحظہ فرمائیں جو موصوف کے حالات میں ہیں۔

۴۵- الاجناس...... اس نام کی چند کتابیں مختلف اہلِ تصنیف کی طرف منسوب ہیں ان میں سے ایک "الاجناس فی الفروع" امام ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی المتوفی ۴۴۶ھ کی تصنیف ہے۔ (الناطف نوع من الحلواء)۔ یعنی "الناطف" ایک قسم کی میٹھی اور شیریں چیز ہے ممکن ہے موصوف کو مرغوب ہو جس کی وجہ سے "الناطفی" کہلائے۔ موصوف نے اسے بلا ترتیب جمع کیا تھا۔ پھر شیخ ابوالحسن علی بن محمد جرجانی حنفی "الکافی" کی ترتیب پر اسے مرتب کیا۔ یہاں غالباً یہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ صاعد بن منصور کرمانی حنفی نے الاجناس کے نام پر ایک کتاب جمع کی۔ نیز امام حسام الدین عمر بن عبدالعزیز شہید نے ۵۳۶ھ میں "اجناس" فقہ کو جمع کیا جس کو "الواقعات" کہا جاتا ہے۔ نیز امام شیخ ابوحفص عمر بن محمد النسفی المتوفی ۵۳۷ھ کی "اجناس الفقہ" کے نام سے ایک کتاب دنیا میں موجود ہے۔

هذا كله مذكور و مسطور فی كشف الظنون صفحه ۱۱ اُنْظُرْ هُنَاكَ

۴۶- ابوحنیفہ...... قد مرّ تفصيله فی احواله فارجع الیٰ الاوراق السابقة۔

۴۷- ظاہر الروایۃ...... اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں تلاش کریں۔

۴۷- فتاویٰ البقالی......وقد مرّ ذکرہ اجمالاً و ابهاماً لا یلیق بشانه فالاٰن اذکرہ تفصیلاً نقلاً عن الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة صفحه ۱۶۱..۱۶۲ لمولانا عبد الحیٔ اللکھنوی علیه لطفه الخفی و الجلی۔

مصنف فتاویٰ کا نام محمد بن ابی القاسم الخوارزمی النحوی المعروف بالبقالی و هو البقال الذی یبیع الاشیاء الیابسة و العجم یزیدون الیاء و هی زیادة العجم لا نسبة کان اماماً فاضلاً، فقیهاً مناظراً خبیراً بالمعانی و البیان اخذ عن جار الله محمود الزمخشری . (اقول قد اشتهر بالاعتزال کان فی الفروع حنفیا کما ذکر فی الکتب) و له مصنفات منها الفتاویٰ و جمع التفاریق و کتاب التفسیر و کتاب التراجم بلسان الاغاصم و غیر ذالک من الکتب المعدودة المحررة فی الفوائد۔

یعنی صاحب فتاویٰ البقالی کا نام محمد بن ابی القاسم تھا۔ یہ خوارزم کے رہنے والے تھے۔ (بقال) سبزی فروش کو کہتے ہیں۔ موصوف خشک اشیاء فروخت کیا کرتے تھے بایں وجہ ''بقالی'' کہلائے۔ اس میں حرف الیاء عجمی اضافہ پائے نسبت نہیں یہ بہت بڑے فاضل ادیب نحوی فقیہ مناظر اور بلاغت عربیہ میں پوری مہارت رکھنے والے۔ اپنے زمانے میں درجہ کمال تک رسائی رکھتے تھے۔ علامہ جار اللہ محمود زمخشری معتزلی کے شاگرد تھے، انہوں نے علوم وفنون میں بہت سی بڑی قیمتی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے ''فتاویٰ بقالی'' کہ جس سے مصنف منیۃ المصلی نے استفادہ اور بطور استشہاد ان کا قول ذکر کیا۔ فاضل لکھنوی اپنے ''الجامع'' میں فرماتے ہیں علامہ سیوطی نے ''البغیۃ فی الادب'' میں فرمایا۔ محمد بن ابی القاسم البقالی الخوارزمی جن کا لقب ''زین المشائخ'' اور کنیت ابوالفضل ہے۔ یاقوت حموی نے کہا وہ ادب میں امام اور عربی زبان میں حجت ہیں علامہ زمخشری کی مسند پر بیٹھ کر درس و تدریس کیا کرتے تھے۔ نظم و نثر میں پوری مہارت اور جامعیت رکھتے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً مفتاح التنزیل، تقویم اللسان فی النحو، الاعجاب فی الاعراب۔ الھدایۃ فی المعانی والبیان وغیرہ وغیرہ۔ ستر۷۰ سال سے کچھ زائد عمر پائی اور آخر ۵۶۲ھ میں وفات پائی۔ موصوف بے شمار خوبیوں کے جامع تھے۔ حسن اعتقاد اور کریم النفس تھے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

۴۸- محمد بن مقاتل......الرازی میں اصحاب محمد بن الحسن۔ قال الذھبی حدث عن وکیع وطبقتہ (اھ) (فوائد بہیہ صفحہ ۲۰۱)

۴۹- ابوحنیفہ مع ذکر صاحبیہ قدمرّ تفصیل الکل فی الاوراق الماضیۃ۔

۵۰- الذخیرۃ...... تفصیل گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۱- الذخیرۃ (البرھانیۃ)...... تفصیل کردی گئی پیچھے ملاحظہ فرمائیں۔

۵۲- امام محمد......امام صاحب کے مشہور تلامذہ میں، ان کے تفصیلی حالات امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں گزر چکے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۳- امام ابوحنیفہ وقاضی ابویوسف...... تفصیل گزر گئی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۴- امام ابوحنیفہ مع ذکر صاحبیہ...... تفصیل گزشتہ اوراق میں ملاحظہ ہو۔

۵۵- محمد ابن شجاع ابوعبداللہ الثلجی البغدادی الحنفی......موصوف بلاواسطہ حسن بن ابی مالک اور حسن بن زیاد تلمیذ امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ علم وعمل اور تقوی وعبادت میں بلند پایہ اور درجہ عالیہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانے میں ''فقیہ العراق'' کے ممتاز لقب سے مشہور تھے۔

کے مصنف تھے۔ بہت سے اکابرین سے حدیث روایت کی مثلاً یحییٰ بن آدم، اسماعیل بن عُلیہ وکیع، ابواسامہ اور محمد بن عمر واقدی وغیرہ۔ اور بہت سے حضرات نے ان سے روایت لی مثلاً یعقوب بن شیبہ اور محمد بن احمد بن یعقوب۔

موصوف مذہب معتزلی کی طرف کچھ مائل تھے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھتے ہیں:

و هو مضعف فی روایة الحدیث عند المحدثین و ان کان فی نفسه من الکاملین و سئل احمد بن حنبل عنه فقال مبتدع صاحب هوی . و بعث المتوکل الیٰ احمد یسأله عن ابن الثلجی و یحییٰ ابن اکثم فی ولایة القضاء فقال اما ابن الثلجی فلا و قال زکریا ابن محمد الساجی فاما محمد بن شجاع کان کذابا احتال فی ابطال حدیث رسول اللّٰه ﷺ نصرة لابی حنفیة .

یعنی اگرچہ موصوف بذاتہ اہلِ کمال میں سے تھے لیکن محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا چنانچہ امام احمد سے ان کے متعلق یعنی محمد بن شجاع کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ بدعتی صاحب ہویٰ ہے۔ خلیفہ متوکل نے امام احمد سے ثلجی اور یحییٰ بن اکثم کے متعلق قاضی بنانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ابن ثلجی کو قاضی نہ بنایا جائے۔

زکریا بن محمد نے فرمایا محمد بن شجاع بڑا جھوٹا تھا اس نے امام ابوحنیفہ کی حمایت کرتے ہوئے حدیث رسول ﷺ کا حیلہ سازی سے ابطال کیا۔ ابوعبداللہ ہروی نے حکایت کی کہ میں نے ثلجی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رمضان شریف ۱۸۱ھ میں پیدا ہوا۔ ۴ ذوالحجہ ۲۶۶ھ میں اس نے نماز عصر پڑھتے ہوئے حالتِ سجدہ میں وفات پائی۔ بعض نے سن وفات ۲۶۷ھ لکھی ہے لیکن دونوں کا حالت سجدہ میں وفات پانے پر اتفاق ہے۔ سیر النبلاء میں موصوف کو ۱۴ ویں طبقہ میں شمار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ وہ فقیہ احد الاعلام بغداد کے رہنے والے حنفی مذہب پر کاربند تھے۔ ابن الثلجی کے نام سے مشہور تھے۔ متعدد اکابرین سے استفادہ کیا خصوصاً حسن بن زیاد صاحب ابوحنیفہ سے علم فقہ حاصل کیا۔ وہ علم کا سمندر عابد تہجد گزار اور تلاوت خوان تھے۔ کتاب المناسک ساٹھ سے زائد حصوں میں تالیف کی۔ ۸۵ سال زندہ رہے آخر ۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ علامہ بدرالدین محمود عینی نے شرح ہدایہ میں ذکر کیا کہ "ثلجی"، ثلج بن عمرو بن مالک کی طرف نسبت ہے یہ برف کی خرید و فروخت کی طرف منسوب ہے۔ (**لیس هو منسوباً الیٰ بیع الثلج (کما یستفاد من الظاهر)**

علامہ ابن جوزی محدث نے ابن عدی کے حوالہ نقل کیا: یضع الحدیث فی التشبیہ وینسبہ الیٰ اہل الحدیث۔ **قال الفاضل اللکھنوی قلت من جملة تصانیفه کتاب الرد علی المشبه فکیف یصح عنه و کان دینا صالحاً عابداً فقیه اهل الرای فی وقته محدث**۔ ملاعلی قاری نے بھی یہی لکھا اور انہیں فقیہ اہل عراق قرار دیا اور علوم وفنون اور علم وعمل میں یکتائے روزگار فرمایا۔ ابوالحسن علی بن صالح اپنے دادا سے نقل جرتے ہیں کہ انہوں نے ثلجی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے اس گھر میں دفن کیا جائے کیونکہ اس کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں میں نے قرآن مجید ختم نہ کیا ہو الغرض موصوف ایک واسطہ سے امام صاحب کے شاگرد اور علم وعمل میں یگانہ روزگار اور صاحب تقویٰ وورع اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

٥٦- امام صاحب اور ان کے دو ساتھی...... گزشتہ صفحات میں تلاش کریں۔

٥٧- امام صاحب مع صاحبین...... گزشتہ صفحات میں تلاش کریں۔

۵۸- عیون الفتاویٰ...... علمِ فقہ کا کوئی معتبر فتاویٰ ہے۔ مگر مصنف کا نام یا اس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔

۵۹- زاد الفقہاء یہ مختصر قدوری کی شرح ہے۔ جو شیخ الاسلام محمد بن احمد اسبیجابی نے لکھی ہے گویا ایک قابل قدر اور مختصر شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔

۶۰- عرفات...... صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے بارہ ۱۲ میل دور ہے۔ نو ذی الحجہ کو حاجی وہاں حج ادا کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ پھر اسی جگہ ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے اکٹھی ظہر کے وقت ادا کی جاتی ہے۔

۶۱- منیٰ...... یہ ایک مشہور مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے فریضہ حج ادا کرنے والوں کے لئے قربان گاہ ہے۔ منیٰ کے معنی ہیں کسی چیز کو بہا دینا۔ کیونکہ وہاں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے اس لئے اسے منیٰ کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ عرفات، عرفان سے ملا ہے۔ جس کا معنی ہے پہچان کیونکہ اس جگہ حضرت آدم اور سیدہ حوا کی پہچان ہوئی یا حضرت جبرائیل نے حضور ﷺ کو حج کے ارکان سکھلائے اس لئے اس جگہ کا نام عرفات قرار پایا۔

۶۲- مزدلفہ...... یہ منیٰ اور عرفات کے درمیان تقریباً سات میل کی مسافت پر ایک مشہور مقام ہے جہاں عید کی رات حاجی گزارتے ہیں۔ پھر وہیں سے کنکر جمع کر کے اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھ کر منیٰ میں جا کر جمرات کو مارتے ہیں۔ اور یہاں بھی مغرب اور عشاء، عشاء کے وقت اکٹھی کر کے ادا کی جاتی ہے۔ (مقدمہ ھدایہ صفحہ ۲۲-۲۳ مولانا عبدالحی لکھنوی)

۶۳- زفر ...... موصوف امام ابوحنیفہ کے نامور اور مشہور شاگردوں میں سے ہیں جو علم وعمل میں جامع اور قیاس کرنے میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کچھ عرصہ بصرہ کے قاضی بھی رہے۔ امام صاحب کے صاحبزادے حماد سے روایت کی ہے کہ قاضی امام ابو یوسف کے بعد امام زفر جیسا کوئی دوسرا نہیں ہوا۔ یہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ شعبان ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

(مقدمہ ھدایہ صفحہ ۱۵ مولانا عبدالحی لکھنوی)

۶۴- نصیر بن یحییٰ...... موصوف احناف کے ایک مشہور امام ہوئے ہیں۔ تفصیل کے لئے گزشتہ اوراق ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف بلخ کے رہنے والے تھے ایک واسطہ سے امام محمد کے شاگرد تھے یعنی ابو سلیمان جوزجانی سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

۶۵- امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگرد...... ان تینوں بزرگوں کے تفصیلی حالات گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۶- امام ابوحنیفہ اور ان کے دو شاگرد ان کی تفصیل گزر چکی۔

۶۷- الملتقط...... یہ بزرگ احناف کے مشہور و معروف امام ہوئے ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے کتاب مذکور علم فقہ کا ایک معتبر فتاویٰ ہے تفسیر، حدیث، اور فقہ کا ایک بڑا سرمایہ ہیں۔ ۵۵۶ھ میں وفات پائی۔ اور یہ بھی کہا گیا انہیں سمرقند میں باندھ کر شہید کیا گیا۔ (الفوائد البہیہ)

۶۸- الذخیرۃ...... تفصیل کے لئے گزشتہ اوراق ملاحظہ فرمائیں۔

۶۹- سلف، خلف اور متقدمین اور متاخرین کا فرق...... امام ابوحنیفہ کے عہد سے لے کر امام محمد تک سلف اور متقدمین کہلاتے ہیں۔ اور شمس الآئمہ حلوانی سے لے کر حافظ الدین بخاری تک خلف اور متاخرین کہلاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے افوائد البہیہ صفحہ ۲۴۱ پر جامع العلوم عبدالنبی احمد نگری کے حوالے سے نقل فرمایا۔

۷۰- فقیہ ابوجعفر ھندوانی...... موصوف علمِ فقہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے اپنے وقت کے شیخ اور امام ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہیں ابوحنیفہ اصغر کہا جاتا تھا۔ ۳۶۲ھ میں شہر بخارا میں وفات پائی۔ امام یافعی یمنی سے یہی منقول ہے۔ (مقدمہ ہدایہ صفحہ ۷)

۷۱- ابو مطیع بلخی...... موصوف کا پورا نام "حکم بن عبداللہ بن مسلمہ بن عبد الرحمٰن القاضی ابو مطیع البلخی ہے۔ امام صاحب کے بلا واسطہ شاگرد ہیں۔ اور فقہ اکبر کے راوی ہیں۔ بہت سے اکابر سے روایت کی اور بہت سے لوگوں نے ان سے روایت لی۔ کچھ مدت بلخ کے قاضی رہے۔ بعض اکابر نے انہیں ضعیف قرار دیا۔ لوگوں نے ان سے حدیث لینا ترک کر دیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ امام احمد نے ان حدیث لینے سے منع کیا۔ ابن جوزی نے انہیں ضعیف لوگوں میں شمار کیا۔ بعض لوگوں نے انہیں مُرجِہ میں شمار کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ جنت دوزخ کے فنا ہونے اور پھر پیدا ہونے کے قائل تھے۔ اسی ۸۰ سال کی عمر میں ۱۹۹ھ میں وفات پائی۔ پوری تفصیل الفوائد البہیہ صفحہ ۶۸ پر دیکھیں۔

۷۲- الصدر الشہید...... موصوف کا نام عمر بن عبد العزیز ہے۔ ابو محمد کنیت ہے۔ حسام الدین اور صدر شہید کے لقب سے مشہور ہیں۔ فروع اور اصول میں بلند پایہ عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔ مذہب اور خلاف میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اپنے والد گرامی برہان الدین کبیر سے علمِ فقہ حاصل کیا اور درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ اپنے والد کی زندگی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اہلِ علم سے مناظرہ کیا۔ اپنے مقابل پر غالب رہے۔ دور دراز تک مشہور ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی شہرت ماوراء النہر تک پہنچی۔ وامیر اور اہلِ دربار نے ان کی تعظیم کی۔ ماہِ صفر ۵۳۶ھ میں بصورت شہادت وفات پائی۔ جب کہ ۴۸۳ھ میں ولادت ہوئی۔ ایک کافر ملعون نے سمرقند میں انہیں شہید کر دیا۔ پھر انہیں بخارا میں لے جا کر سپردِ خاک کیا گیا۔ مولانا عبد الحی صاحب "الفوائد البہیہ" صفحہ ۱۴۷ پر لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی شرح جامع صغیر دیکھی اور اس کا مطالعہ کیا اگر چہ مختصر شرح ہے لیکن فائدہ بخش ہے۔ ملا علی قاری نے ذکر کیا ہے کہ جامع صغیر پر ان کی تین شروح ہیں۔ (۱) مطول (۲) متوسط (۳) مختصر۔ اس کے علاوہ "الواقعات" اور المنتقی بھی ان کی تصنیف ہیں۔

۷۳- الملتقط...... تفصیل گزر چکی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۷۴- الواقعات...... یہ صدر الشہید کی تصنیف ہے۔ تفصیل کے لئے گزشتہ صفحات ملاحظہ فرمائیں۔

۷۵- شمس الآئمہ حلوانی...... مفصل حالات گزر چکے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۷۶- محیط...... اس نام کی دو کتابیں ہیں جو الگ الگ بزرگوں کی تصنیف ہیں۔ چنانچہ گزشتہ اوراق میں تفصیل کر دی گئی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۷۷- فقیہ ابو جعفر...... گزشتہ اوراق میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۷۸- فتاویٰ خانیہ...... اس سے فتاویٰ قاضی خان مراد ہے یہ گویا اس کا مختصر نام ہے۔ مزید تفصیل گزر چکی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۷۹- قاضی ابو یوسف...... امام صاحب کے جانشین شاگرد ہوئے ہیں۔ تفصیل گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمالیں۔

۸۰- امام محمد، امام زفر...... دونوں بزرگوں کے تفصیلی حالاے گزر چلے وہاں دیکھیں۔

۸۱- متقدمین، متاخرین...... دونوں میں جو واضح فرق ہے وہ پچھلے صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۸۲- مُلتَقَط، الفتاویٰ...... فتاویٰ، ملتقط کے متعلق تفصیلات گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور الفتاویٰ کے مصنف نے نشاندہی نہیں کی تاکہ اس کے متعلق کچھ کہا جا سکے اور اسی صفحہ پر محیط کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس کی تفصیل بھی گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "الفتاویٰ" سے مصنف کی باقی کتب فتاویٰ مراد ہوں۔ اگر چہ یہ ایک احتمال ہے لیکن قرین قیاس ہے۔

۸۳- الذخیرۃ، فقہ ابو اللیث...... دونوں پر تفصیلی گفتگو گزشتہ اوراق میں تحریر ہے۔

۸۴- محمد ابن الفضل، ابو حفص بخاری، برھان الدین صاحب ذخیرہ، شرح اسبیجابی گزشتہ اوراق میں ان سب کی تفصیل مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ایکدفعہ ذکر آگیا ہے۔

۸۵- امام فخر الدین...... امام فخر الدین سے صاحب قاضی خان مراد ہے۔ پچھلے صفحات کی طرف رجوع کریں۔

۸۶- محیط...... گزشتہ اوراق میں تفصیل گزر چکی۔

۸۷- ملتقط اور خاقانیہ...... تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ پچھلے صفحات میں کردی گئی۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۸۸- اجناس ناطفی اور الملتقط...... دونوں کی تفصیل کردی گئی۔

۸۹- الذخیرۃ...... گزشتہ صفحات میں تفصیل کردی گئی۔

۹۰- الاجناس...... تفصیل کی ضرورت نہیں۔ پہلے کردی گئی۔

۹۱- الناطفی...... موصوف کی تفصیل گزشتہ اوراق میں دیکھیں۔

۹۲- محمد بن سملۃ، قاضی شہید محسن...... اول بزرگ ابو عبداللہ فقیہ بلخی، بلخ کر رہنے والے تھے۔ ۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور مختلف اکابر سے علم دین حاصل کیا جن میں شداد بن حکیم اور ابو سلیمان جوز جانی سرفہرست ہیں۔ ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔
دوم، موصوف کا پورا نام محسن بن علی بن محمد بن ابی الفہم ابو علی التنوخی القاضی ہے۔ ۳۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۴ھ میں وفات پائی۔ حنفی مذہب کے بڑے فاضل تھے۔ لیکن بے حد تعصب رکھتے تھے۔ امام شافعی کے بارے میں آزاد زبان تھے۔ شعر گو بھی تھے۔ (کذا فی الکامل . طرف الاماثل صفحہ ۲۹۱)

۹۳- اسماعیل زاھدی، محمد ابن مقاتل، الذخیرۃ...... نمبر اول کے متعلق الفوائد البھیۃ صفحہ ۴۶ پر مذکور ہے کہ اسماعیل بن حسن بن علی نام ہے۔ ابو محمد کنیت ہے۔ فقیہ زاھد لقب ہے۔ اپنے زمانے کے فروع واصول میں مشہور امام ہوئے ہیں۔ جن کا سلسلہ اساتذہ چند واسطوں سے ابو حفص کبیر تک پہنچتا ہے۔ ۴۰۲ھ میں وفات پائی۔ نمبر ۲ اور ۳ کی تفصیل گزر چکی، گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

۹۴- شمس الآئمہ حلوانی...... موصوف کے متعلق پوری تفصیل گزر چکی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۹۵- فتاویٰ فضلی...... یہ مستند فتاویٰ ابو عمر عثمان بن ابراھیم اسدی حنفی کے فتووں کا مجموعہ ہے۔ موصوف نے ۵۰۸ھ میں وفات پائی۔

۹۶- الخاقانیہ...... یہ فتاویٰ قاضی خان کا مختصر نام ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

۹۷- عموم بلویٰ...... وہ صورت جس میں وقوع عام ہو جائے۔ اور عموماً بچنا اور پرہیز کرنا مشکل ہو جائے تو ایسی صورت میں حکم میں نرمی کر دی جاتی ہے تا کہ لوگ گناہ سے محفوظ ہو جائیں مثال جیسے قرآن مجید میں آیا: "بانا کنّا فاعلین" اس کی جگہ "غافلین" پڑھ جانا اگرچہ زیادہ احتیاط یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی مگر بعض اہلِ علم نے "عموم بلویٰ" کی بنا پر عدم فساد نماز کا فیصلہ دیا ہے۔ تا کہ نماز فاسد ہونے سے بچ جائے اور عوام حرج میں مبتلا نہ ہوں۔

۹۸- شمس الآئمہ حلوانی......کئی مرتبہ تفصیل کر دی گئی۔ وہاں دیکھیں۔

۹۹- الملتقط......ایک فقہی معتبر فتاویٰ ہے۔ جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں ملاحظہ ہو۔

۱۰۰- چند نام، عبداللہ بن مبارک، ابوحفص کبیر، محمد بن مقاتل مذکورہ تمام بزرگوں کی تفصیل آچکی ہے۔ لہذا گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۱- شیخ حسام الدین ابوسعید نسفی۔

۱۰۲- ابونصر ماتریدی۔

۱۰۳- فتاویٰ قاضی خان......موصوف کے متعلق کئی مرتبہ تفصیل گزر چکی لہذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۴- مختصر قدوری......یہ فقہی مسائل پر مشتمل ایک مشہور و معروف دوسری کتاب ہے۔ جس کے مصنف ''ابوالحسین احمد بن محمد قدوری'' کی نسبت سے مشہور تھے۔ یہ لفظ ''قدر'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ''ہانڈیوں والا''۔ موصوف یا تو ہانڈیاں بناتے تھے یا ان کا کاروبار کرتے تھے۔ جس کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ حنفی مذہب رکھتے تھے اور بغداد میں رہتے تھے۔ ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔ حنفی مذہب میں ان کی کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ اس پر لفظ ''کتاب'' کا اطلاق کیا جاتا تھا۔ وہ ایک مختصر متن ہے۔ جس میں بارہ ہزار فقہی مسائل ہیں۔ ایام وبا یعنی طاعون کے زمانے میں بطورِ برکت لوگ اسے پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں جس کو یہ یاد ہو وہ فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر کسی نیک اور صالح استاذ کے سامنے اسے پڑھا جائے اور وہ ختمِ کتاب کے وقت دعا مانگے تو وہ اس کے مسائل کے برابر درھم و دینار کا مالک ہو جائے گا۔ بہت سے اہلِ علم و فضل نے اسکی شروح لکھیں۔ چنانچہ چالیس سے زائد کی کشف الظنون میں تفصیل مذکور ہے ان میں سے بعض کچھ تفصیل کے ساتھ یہ ہیں:

۱) امام نجم الدین مختار ابن محمود زاھدی حنفی متوفی ۶۵۸ھ میں تین جلدوں میں ایک نفیس شرح لکھی۔

۲) امام ابوبکر ابن علی ''الحدادی'' متوفیٰ ۸۰۰ھ نے تین جلدوں میں ''السراج الوھاج'' کے نام سے شرح لکھی۔ پورا نام یہ ہے'' السراج الوھاج، الموضح لکل طالب محتاج'' مولیٰ برکلی نے اسے کتب متداولہ صیغہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے۔

۳) ''الجوھرۃ النیرۃ'' اسی شرح مذکور کا مصنف نے اختصار کیا ہے۔

۴) ''البحر الزاخر'' یہ سراج وھاج کی تجدید ہے جو فقیہ احمد بن محمد بن اقبال نے کی تاکہ استفادہ آسان ہو جائے۔

۵) ''النوری شرح مختصر قدوری'' محمد بن ابراھیم رازی نے لکھی۔ ۶۱۵ھ میں موصوف کی وفات ہوئی۔

۶) ''ملتمس الاخوان'' ابوالمعالی عبدالرب بن منصور غزنوی متوفیٰ ۵۰۰ھ نے دو جلدوں میں شرح لکھی۔

۷) ایک ناقص غیر تام شرح ابراھیم بن عبدالرزاق بن خلف المعروف بابن المحدث نے لکھی مگر وہ مکمل نہیں۔ موصوف نے ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔

۸) ''الکفایۃ شرح قدوری'' شمس الآئمہ اسماعیل بن حسین البیہقی نے لکھی۔

۹) ''البیان'' محمد بن رسول الموقانی متوفیٰ ۲۶۴ھ نے تحریر کی۔

۱۰) ''التقریر'' محمود بن احمد قونوی متوفیٰ ۷۷۰ھ نے چار جلدوں میں مختصر قدوری کی شرح لکھی۔

۱۱) ''اللباب'' ابوسعد المطہر بزدوی نے دو جلدوں میں شرح لکھی۔ جن کی ۵۹۱ھ میں وفات ہوئی۔

۱۲) ''زاد الفقہاء'' شیخ الاسلام محمد بن احمد اسبیجابی نے یہ شرح لکھی۔

۱۳) ''الینابیع فی معرفۃ الاصول والتفاریع'' بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی، دمشقی الطرابلسی نے یہ شرح لکھی۔

۱۴) ''خلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل'' حسام الدین علی بن احمد مکی رازی نے یہ شرح لکھی۔ ۵۹۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے مگر بڑی فائدہ بخش ہے۔ ابن صبیح احمد بن عثمان ترکمانی نے اس پر تین تعلیق لکھیں۔ پہلی میں مشکلات کا حل دوسری میں چھوٹے ہوئے مسائل کا بیان، تیسری میں احادیث پر تبصرہ۔

۱۵) ''مشکلات القدوری'' احمد بن مظفر رازی شمس الآئمہ کردری نے یہ لکھی۔ ۶۴۲ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

۱۶) ''المجتبیٰ''۔ (۱۷) ''جامع المضمرات والمشکلات'' یہ یوسف بن عمر ابن یوسف صوفی نے لکھی۔ وفات ۸۳۲ھ میں ہوئی۔

۱۸) ''المبہم الضروری'' یہ عبدالرحیم آمدی کی شرح ہے۔

۱۹) ''شرح قاضی'' ابوالعباس احمد بن حسن المعروف بالقاضی کی شرح ہے۔ یہ یمن کے علماء میں سے ہوئے ہیں۔ الینابیع کے نام سے ابوعبداللہ محمد بن رمضان رومی کی شرح بھی ہے۔

۲۰) ''حدق العیون'' دو جلدوں میں قدوری کی شرح ہے۔ اگرچہ مختصر ہے لیکن عجیب باتوں پر مشتمل ہے۔ مصنف کا نام عبداللہ بن حسین بن حسن بن حامد ہے۔ یہ شرح ۶۰۰ھ کی معلوم ہوتی ہے۔ مصنف نے سلطان محمد ابوالفتح کیلئے لکھی۔ امام ظہیر الدین محمد بن عمر نے اس کی تخلیص کی۔ جو ۶۶۸ھ میں فوت ہوئے۔

۲۱) ''جوامع الکلم الشریفۃ علی مذہب الامام ابی حنیفۃ'' یہ امام ظہیر الدین کی شرح کا اختصار ہے۔ جو ابونصر عبدالرحیم بن محمد ابن یوسف الموصلی متوفی ۶۷۰ھ نے اس کا اختصار کیا۔

۲۲) ''شرح ابن وھبان'' ابن الشحنۃ نے شرح المنظومۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

نوٹ

ذکر کردہ شروح کے علاوہ بھی اس کی چھوٹی بڑی شروح ہیں اور بعض تکملے بھی ہیں اور بعض تعلیقات ہیں۔ جو مختلف ممالک کے اہلِ علم نے لکھے ہیں۔ پس اس سے اس کتاب کی شان دار اور شہرہ آفاق مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور یہی کیا کم ہے کہ آج تک یہ اسلامی مدارس میں فقہی نصاب میں پڑھائی جاتی ہے۔ ہدایہ کو جامع صغیر اور قدوری سے مصنف نے مرتب کیا۔ جو بین الاقوامی اسلامی قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۰۵) شرح قدوری: اس سے احمد بن محمد المعروف ''بابی نصر الاقطع کی دو جلدوں میں شرح مراد ہے۔ موصوف نے ۴۷۴ھ میں وفات پائی۔ مختصر قدوری کی جو متعدد شروح ہیں ان میں مصنف موصوف کا ذکر آتا ہے۔ صغیری، ''شرح منیۃ المصلی'' میں بھی اسی وصف کے ساتھ نشاندہی کی گئی۔ چنانچہ موصوف نے بڑی محنت اور لگاؤ سے یہ شرح لکھی۔

چند ضروری فوائد

یہاں چند کارآمد فوائد کتب معتبرہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ناظرین ان سے استفادہ کرسکیں۔

پہلا فائدہ...... عراق اور اس کے مضافات کے رہنے والے اہلِ علم بغیر القاب واوصاف کے اپنا سادہ نام ذکر کرتے تھے۔ البتہ پیشہ یا محلہ یا قبیلہ یا بستی کی طرف نسبت کیا کرتے تھے۔ جیسے جصاص، قدوری، طحاوی، کرخی وغیرہ وغیرہ ان سب میں یہی لحاظ رکھا گیا ہے لیکن خراسان اور ماوراءالنہر کے اہلِ علم اپنے ناموں کے ساتھ بڑے بڑے القاب اور اوصاف ضم کرتے اور لکھتے۔ جیسے شمس الآئمہ، فخر الاسلام۔ صدر الاسلام، صدر الشریعہ وغیرہ اور یہ سب کچھ پچھلے لوگوں میں پایا جاتا تھا۔ ورنہ پہلے زمانے کے لوگ ان تمام باتوں سے پاک صاف تھے۔ چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ مصر وغیرہ اور دوسرے عجمی شہروں میں لوگ اپنی پاکیزگی اور طہارت پر دلالت کرنے والے نام لکھتے تھے۔ جیسے، زکی الدین، محی الدین، علم الدین وغیرہ۔ یہ سب کچھ از قبیل بدعات ہے۔ اگر اہلیت نہیں رکھتا تو پھر بہت ہی برا طریقہ ہے۔ **کما فی الفوائد**

دوسرا فائدہ......بعض ناموں کے ساتھ یائے نسبتی لگی ہوتی ہے۔ تو اس نسبت کی کئی وجوہات ہیں۔ بعض دفعہ یہ نسبت خاندان کے کسی بڑے آدمی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے عقیلی۔ اور بعض دفعہ کسی پیشے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے صبّاغی، رنگنے والا۔ اور بعض دفعہ کسی بستی یا شہر کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے نسفی یا بلخی۔ اس نسبت کو سمجھنا ایک باریک چیز ہے۔ بغیر تجربے اور علم رکھنے کے آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے ''تراجم حنفیہ'' میں فقہاء کے متعلق اس کا کچھ نہ کچھ اہتمام کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ فلاں کی نسبت، فلاں وجہ سے ہے۔

تیسرا فائدہ...... بعض اہلِ علم کے نام کے ساتھ لفظ چلپی کا اضافہ ہوتا ہے چنانچہ چند رومی علماء کے نام کے ساتھ یہ اضافہ موجود ہے۔ جیسے حسن چلپی۔ محی الدین چلپی۔ کاتب چلپی وغیرہ بعض لوگوں کو اس لفظ سے یہ مغالطہ ہوگیا کہ یہ کسی شہر یا بستی کی طرف نسبت ہے۔ حالانکہ یہ رومی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے ''سیدی'' چنانچہ امام سخاوی نے حسن چلپی کے حالات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے، جس طرح ہم اپنے علاقے میں کسی صاحب علم کو مولانا یا سیدنا کہا کرتے ہیں۔ اور بلادِ روم میں لفظ ''باشا'' وغیرہ اہل علم کی تعظیم کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کمال باشا، یعقوب باشا۔ یا فارسی زبان میں کسی بڑے کے لئے لفظ ''آغا'' استعمال ہوتا ہے۔

چوتھا فائدہ......لوگوں میں رواج ہے کہ بعض اہلِ علم کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے پکارتے ہیں۔ اکابر اہلِ علم کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص فتویٰ نویسی اور لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کا بڑی مہارت کے ساتھ فیصلہ کرسکتا ہو اور علم وعمل میں یکتائے روزگار ہو اس کے لئے یہ لقب مناسب ہے۔ چنانچہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں بعض لوگ اس لقب سے مشہور ہوئے۔ جیسے اسبیجابی، صاحب ھدایہ اور عبدالرشید بخاری وغیرہ اس لقب سے نوازے گئے۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ جو شخص علم وعمل میں بلند پایہ رکھتا ہو اور کتاب و سنت کا اتباع کرتا ہو یا درجہ ولایت پر پہنچنے والا ہو تو سلف اسے شیخ الاسلام کہا کرتے تھے۔ بعد میں اس لفظ کا غلط استعمال ہونے لگا اور لوگوں نے بغیر امتیاز کے اس لفظ کو نااہل لوگوں کے لئے استعمال کیا۔ پس تقویٰ اور دیانت کا خون بہایا۔

پانچواں فائدہ...... کتب فقہ میں بہت سے بزرگوں اور آئمہ کرام کے نام تعیین کے بغیر کسی نسبت اور وصف وغیرہ کے ساتھ ذکر کئے

گئے۔ پس دیکھنے والوں کو ان کے اسماء کی تعیین نہ معلوم ہو کر بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ جیسے ''ابن الابیض'' ان کا نام محمد بن یوسف ہے اس باب میں پوری تفصیل الفوائد البہیہ صفحہ ۲۴۳ میں شوق پورا کرنے کے لئے ملاحظہ فرمائیں یہاں گنجائش نہیں ہے۔

صدر اول کا اطلاق صرف قرون ثلاثہ کے لوگوں پر کیا جاتا ہے یعنی اسلاف پر کہ جس سے قرون مشہود لھا بالخیر (حضور پاک ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کا بابرکت دور) مراد ہے پس اس کے علاوہ اس لفظ کا استعمال نہیں ہوتا۔

چھٹا فائدہ...... کتب فقہ میں بعض جگہ عامۃ المشائخ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب اکثر مشائخ ہیں۔ جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ بعض جگہ لفظ ''قالوا'' اور قیل استعمال کیا گیا ہے مشہور یہ ہے کہ یہ دونوں کلمے لفظ خف پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی جس مسئلہ میں یہ آئیں وہ خفیف ہوگا لیکن درحقیقت ایسا نہیں یہ خفف کے لئے موضوع نہیں اور نا انہیں خفف لازم ہے۔ بلکہ '' قالوا '' وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں مشائخ کا اس میں اختلاف ہو۔ جیسا کہ ہدایہ کی شروح میں مذکور ہے۔ اور قیل بعض دفعہ قول کی تعیین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ساتواں فائدہ...... اہل علم میں ایک بزرگ کا ایسا نام ہے جس میں چودہ مرتبہ لفظ محمد ﷺ آیا ہے۔ اور وہ ''ایمن ابوالبرکات بن محمد'' کا نام ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وصف والا نام پوری دنیا میں کسی کا نہیں ہوا۔ کہ موصوف کے چودہ داداؤں میں یہی نام چلا آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ شعر و شاعری میں مبالغہ کرتے پھر آخر عمر میں تائب ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں اقامت پذیر ہو کر اشعار میں حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کرنے لگے اور اسی کام میں عمر بسر کرنے لگے۔ ایک دفعہ مدینہ شریف کو چھوڑنے کا ارادہ کیا تو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تو ارادہ ترک کر دیا اور وہیں مضبوطی سے ٹھہر گئے یہاں تک کہ ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ بعض لوگوں نے ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ''عاشق النبی ﷺ'' کہا کرتے تھے۔

آٹھواں فائدہ...... جب حدیث کی کتابوں میں لفظ حسن مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے حسن بصری مراد ہوتی ہے۔ اور یہی حال تفسیر کا ہے۔ اور جب فقہ میں یہ لفظ بغیر قید ذکر کیا جائے تو اس سے مراد حسن بن زیاد ہیں۔ (غایت البیان حاشیہ ھدایہ علامہ اتقانی)

آئمہ ثلاثہ سے احناف کے تین امام مراد ہیں اگر ہماری فقہ کی کتابوں میں لفظ امام آئے تو اس سے امام ابوحنیفہ مراد ہیں۔ اور اگر تفسیر، اصول اور عقائد میں یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے امام فخر الدین رازی مراد ہیں۔ اور اگر کتب نحو اور بلاغت میں استعمال ہو تو شیخ عبدالقاہر جرجانی مراد ہیں۔

نواں فائدہ...... اکثر کتابوں میں بعض آئمہ کرام اور اہل علم کے اصل نام مذکور نہیں بلکہ کسی وصف اور کنیت سے ذکر کر دئے گئے جو اشتباہ اور خلط کا باعث ہیں حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اپنی کتاب الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ صفحہ ۲۴۳ میں ایک پوری فصل میں تفصیلاً انہیں ذکر فرمایا۔ یہ ہم جیسوں پر حضرت موصوف کا ایک گرانقدر احسان ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں:

۱- ابن الابیض نام محمد بن یوسف ان کے والد کا لقب البدر الابیض ہے یہ اسی نسبت سے ''ابن الابیض'' کہلاتے ہیں۔

۲- ابن الثلجی محمد بن شجاع۔ ۳- ابن رستم ابراھیم بن رستم۔

۴- ابن الربوۃ محمد بن احمد۔ ۵- ابن الزرکشی احمد بن حسن۔

۶- ابن الساعاتی احمد بن علی، مصنف مجمع البحرین، کان ابوہ معروفاً بالساعاتی نُسِبَ اِلَیْہِ

۷- ابن الصائغ محمد بن عبدالرحمٰن۔

۸- ابن طرخان محمد بن جعفر بن طرخان۔

۹- ابن ندیم حلبی عمر بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب کے مصنف پس ان کی اولاد پوتوں اور نواسوں پر اسی لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

۱۰- ابن الفصیح احمد بن علی۔

۱۱- ابن کمال باشا احمد بن سلیمان رومی، مصنف الاصلاح والایضاح۔

۱۲- ابن المبارک عبداللہ بن مبارک۔

۱۳- ابن المدرس حسام الدین القوقاتی۔

۱۴- ابن المعلم اسماعیل بن عثمان۔

۱۵- ابن مقاتل محمد بن مقاتل۔

۱۶- ابن ملک عبداللطیف (اس کے دادا کے والد کو فرشتہ کہا جاتا تھا پس اس وجہ سے یہ اس کی نسبت ہوگئی)

۱۷- ابن میناس محمد بن میناس۔

۱۸- ابن النقیب المفر محمد بن سلیمان۔

۱۹- ابن وھبان عبدالوھاب بن احمد بن وھبان

۲۰- ابن الھمام محمد بن عبدالوحد، مصنف ''فتح القدیر''۔

۲۱- ابوابراھیم الشاشی اسحاق بن ابراھیم۔

۲۲- ابوابراھیم الصفار اسماعیل بن احمد۔

۲۳- ابواحمد القاضی نصر بن احمد بن عباس۔

۲۴- ابواسحاق ابراھیم بن محمد۔

۲۵- ابواسحاق توقدی محمد بن منصور۔

۲۶- ابوبکر بدیع احمد بن محمد۔

۲۷- ابوبکر اسکاف محمد بن احمد۔

۲۸- ابوبکر اعمش محمد بن سعید۔

۲۹- ابوبکر جوزجانی۔ احمد بن اسحاق۔

۳۰- ابوبکر طواویسی احمد بن محمد۔

۳۱- ابوبکر دامغانی احمد بن محمد۔

۳۲- ابوبکر کماری محمد بن فضل۔

۳۳- ابوبکر فضلی محمد بن فضل۔

۳۴- ابوبکر عیاضی محمد بن احمد بن عباس۔

۳۵- ابوبکر رازی احمد بن علی جصاص رازی۔

۳۶- ابوبکر وراق احمد بن علی ترمذی۔

۳۷- ابوبکر بخاری محمد بن اسحاق۔

۳۸- ابوبکر خوارزمی محمد بن موسیٰ۔

۳۹- ابوبکر قدوری محمد بن احمد والد قدوری۔

۴۰- ابوبکر ناصحی محمد بن عبداللہ۔

۴۱- ابوبکر بن طرخان محمد بن جعفر بن طرخان۔

۴۲- ابوبکر قذار بلخی محمد بن احمد۔

۴۳- ابوبکر کلاباذی الفرضی محمد بن ابی بکر۔

۴۴- ابوبکر علاء الدین سمرقندی محمد بن احمد۔

۴۵- ابوثابت بزدوی حسن بن فخر الاسلام علی بزدوی

۴۶- ابوجعفر بغدادی	احمد بن ابی عمران۔	۴۷- ابوجعفر طحاوی	احمد بن محمد بن سلامۃ۔
۴۸- ابوجعفر برکدی	محمد بن احمد۔	۴۹- ابوجعفر فقیہ ھندوانی	محمد بن عبداللہ۔
۵۰- ابوجعفر سمنانی	محمد بن اسعد۔	۵۱- ابوجعفر نسفی	محمد بن سید، ابوجعفر الاستروشنی ھو مذکور بکنیتہ۔
۵۲- ابوحامد بلخی	احمد بن سھل۔	۵۳- ابوحامد سرخکی	احمد بن عبدالرحمن۔
۵۴- ابوحامد فقیہ مروزی	احمد بن حسن۔	۵۵- ابوحامد سمرقندی سمندی	محمد بن عبدالحمید۔
۵۶- ابوالحسن الرستغفنی	علی بن سعید۔	۵۷- ابوالحسن کرخی	عبیداللہ۔
۵۸- ابوالحسن السغدی	علی بن حسین۔	۵۹- ابوالحسن الخطیبی	علی بن عبداللہ۔
۶۰- ابوالحسین القدوری	احمد بن محمد بن احمد۔	۶۰- ابوالحسین الدلال الزعفرانی	محمد بن احمد۔
۶۲- ابوحفص الکبیر	احمد بن جعفر۔	۶۳- ابوحفص الصغیر	محمد بن احمد بن حفص (ذکرہ الذھبی)۔
۶۴- ابوحفص النسفی	عمر بن محمد، ابوحفص السفکردی مذکور بکنیتہ۔	۶۵- ابوخازم القاضی	عبدالحمید۔
۶۶- ابوخلیفہ الخوارزمی	عبدالعزیز بن عبدالسید۔	۶۷- ابوذر المستغفری	محمد بن جعفر مستغفری۔
۶۸- ابوزید الدبوسی	ابوزر بخاری مذکور بکنیتہ۔ عبید اللہ بن عمر۔	۶۹- ابوسعد القیسی	عبدالمجید بن اسماعیل
۷۰- ابوسعید البردعی	احمد بن حسن۔	۷۱- ابوسعید الکماری	اسماعیل بن محمد۔
۷۲- ابوسلیمان الجوزجانی	موسیٰ بن سلیمان۔	۷۳- ابوسھل الرازی	موسیٰ بن نصر، ابوسھل الزجاجی مذکور بکنیتہ۔
۷۴- السید ابوشجاع	محمد بن احمد بن حمزہ۔	۷۵- ابوصالح الناصحی	یحیٰی ابن عبداللہ، مذکور بکنیتہ اسمہ علی بن سعد۔
۷۶- ابوصابر الحلبی	ایوب بن ابی بکر۔	۷۷- ابوطالب البرعی	سعید بن محمد۔
۷۸- ابوطاہر الحفصی	اسحاق بن علی۔	۷۹- ابوطاہر الدباس	محمد بن محمد سفیان۔
۸۰- ابوالعباس البرقی	احمد بن محمد بن عیسیٰ۔	۸۱- ابوالعباس المستغفری	جعفر بن محمد۔
۸۲- ابوالعباس السروجی	احمد بن ابراھیم۔	۸۳- ابوالعباس تقی الدین الشمنی	احمد بن محمد۔

۸۴- ابوالعباس القونوی	احمد بن مسعود۔	۸۵- ابوالعباس الناطفی	احمد بن محمد۔
۸۶- ابوعبداللہ المصری	حسین بن علی۔	۸۷- ابوعبداللہ البلخی	محمد بن سلمۃ۔
۸۸- ابوعبداللہ الثلجی	محمد بن شجاع۔	۸۹- ابوعبداللہ الخراسانی	محمد بن الازہر الحفصی۔
۹۰- ابوعبداللہ الجرجانی	یوسف بن محمد۔	۹۱- ابوعبداللہ القلاسی	محمد بن خزیمہ۔
۹۲- ابوعبداللہ الفقیہ الجرجانی	محمد بن یحییٰ بن مہدی۔	۹۳- ابوعبداللہ الزعفرانی	حسن بن احمد۔
۹۴- ابوعبداللہ التاجر	محمد بن سھل۔	۹۵- ابوعبداللہ الصمیری	حسن بن علی۔
۹۶- ابوعبداللہ الزاھد البخاری	محمد بن عبدالرحمٰن۔	۹۷- ابوالضر البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد، اس کنیت کی وجہ موصوف کی تصانیف کا دقیق اور مشکل ہونا ہے۔
۹۸- ابوعصمۃ المروزی	نوح بن ابی مریم۔	۹۹- ابوعصمۃ البلخی	فصام بن یوسف۔
۱۰۰- ابوالعلاء الصبهانی	صاعد بن محمد۔	۱۰۱- ابوعلی القونوی	علی بن ابراہیم
۱۰۲- ابوالعلاء الاستوائی	صاعد بن محمد۔	۱۰۳- ابوعلی القاضی النسفی	حسین بن خضر۔
۱۰۴- ابوعلی السمرقندی	حسن بن داؤد۔	۱۰۵- ابوعلی الشاشی	احمد بن محمد۔
۱۰۶- ابوعلی الرازی	عبد اللہ بن جعفر، ابو علی الدقاق مذکور بکنیتہ	۱۰۷- ابوعمرو الطبری	احمد بن محمد۔
۱۰۸- ابوعمرو البیکندی	عثمان بن علی۔	۱۰۹- ابوالفرج البغدادی	عبدالرحمٰن بن شجاع۔
۱۱۰- ابوالفتح المطرزی	ناصر بن عبدالسید۔	۱۱۱- ابوالفتح القنطری	محمد بن یوسف۔
۱۱۲- ابوالقاسم الصفار	احمد بن عصمۃ۔	۱۱۳- ابوالقاسم	علی بن محمد۔
۱۱۴- ابوالقاسم الحکیم السمرقندی	اسحاق بن محمد۔	۱۱۵- ابوالقاسم التنوخی	علی بن محمد۔
۱۱۶- ابوالقاسم المزوی	علی بن بندار۔	۱۱۷- ابوالقاسم الخوارزمی	مسعود بن محمد۔
۱۱۸- ابوالقاسم الشہید السمرقندی	ناصر الدین بن یوسف۔	۱۱۹- ابوالقاسم النصرابادی	ابراہیم بن محمد۔
۱۲۰- ابواللیث المجد	احمد بن ابی حفص عمر۔	۱۲۱- ابواللیث الفقیہ السمرقندی	نصر بن محمد۔
۱۲۲- ابواللیث الحافظ	نصر بن محمد۔	۱۲۳- ابومحمد الفقیہ البزدوی	عبدالکریم۔
۱۲۴- ابومحمد	عبدالکریم بن محمد۔	۱۲۵- ابومحمد الخیزاخزی	عبدالرحمٰن بن فضل۔
۱۲۶- ابومحمد الفقیہ الزاھد	اسماعیل بن الحسن۔	۱۲۷- ابومحمد الناصحی	عبداللہ بن الحسین۔

۱۲۸- ابوالحامد اللؤلؤی البخاری محمود بن احمد۔ ۱۲۹- ابومطیع البلخی الحکم بن عبداللہ۔

۱۳۰- ابوالمظفر الکرابیسی النیسابوری اسعد بن محمد۔

۱۳۱- ابو معاذ خالد بن سلیمان البلخی یہ امام صاحب کے بلند پایہ شاگردوں میں سے تھے انہیں امام صاحب نے فتویٰ کے لئے تیار کیا تھا ملاعلی القاری نے یہی ذکر کیا ہے۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی نے آخر النوازل میں ذکر فرمایا کہ ان کا نام خالد بن سلیمان ہے یہ اہلِ بلخ کے امام تھے موصوف ۸۴ سال کی عمر پا کر روزِ جمعہ ۲۰۶ھ محرم کو وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۳۲- ابوالمعالی صدر الآئمہ البزدوی احمد بن ابی الیسر محمد۔ ۱۳۳- ابوالمعالی العامری محمد بن نصر۔

۱۳۴- ابوالمعالی الاسبیجابی محمد بن احمد۔ ۱۳۵- ابوالمعین النسفی میمون بن محمد المکحولی۔

۱۳۶- ابومنصور الماتریدی محمد بن محمد۔ ۱۳۷- ابومنصور الاستوائی احمد بن محمد بن صاعد۔

۱۳۸- ابومنصور السمعانی محمد بن عبدالجبار۔ ۱۳۹- ابوموسیٰ القاضی عیسیٰ بن ابان۔

۱۴۰- ابونصر البلخی محمد بن سلام۔ ۱۴۱- ابونصر الاسبیجابی احمد بن منصور۔

۱۴۲- ابونصر القتابی احمد بن محمد۔ ۱۴۳- ابونصر الریغذمونی احمد بن عبدالرحمٰن۔

۱۴۴- ابونصر الغزنوی سعد بن عبداللہ۔ ۱۴۵- ابوہریرۃ الفقہی عبدالرحمٰن بن علی۔

۱۴۶- ابوالیسر البزدوی محمد بن محمد۔ ۱۴۷- ابویعقوب السیاری یوسف بن منصور۔

۱۴۸- ابویعقوب سراج الدین السکاکی یوسف بن محمد۔ ۱۴۹- ابویوسف القاضی یعقوب بن ابراہیم، الاستاذ الربۃ مولیٰ عبد اللہ بن محمد الحارثی۔

۱۵۰- اخی جبلی یوسف بن جنید، صاحب ذخیرۃ العقبی ۱۵۱- افتخار الدین الکانی جابر بن محمد۔ افتخار الامن بخاری طاہر صاحب الخلاصۃ۔

۱۵۲- الاقطع احمد بن محمد۔ ۱۵۳- الاکمل اکمل الدین البابرتی محمد بن محمد بن محمود، صاحب العنایۃ

۱۵۴- امام زادہ صاحب شرعۃ الاسلام، محمد بن ابی بکر الجوغی۔ ۱۵۵- الامام السغدی عطا بن حمزۃ۔

۱۵۶- الامام النرندوسی یحییٰ بن علی۔ (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام حسین بن یحییٰ تھا)۔ ۱۵۷- البدر الطویل داؤد بن اغلبک۔

۱۵۸-البدر الابیض	یوسف بن حسین۔	۱۵۹-بدر الدین الورسکی	عمر بن عبد الکریم۔ بدر الدین العینی "محمود" شارح کنز وغیرہ۔
۱۶۰-بدر الدین خواہرزادہ	محمد بن محمود۔	۱۶۱- البرہان البلخی	علی بن حسین۔
۱۶۲-البرہان النسفی	محمد بن محمد۔	۱۶۳-برہان السلام رضی الدین السرخسی	محمد بن محمد۔
۱۶۴-برہان الدین الکبیر و برہان الائمۃ	عبد العزیز بن عمر بن مازہ۔ الترکمانی، عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ- ابنہ احمد، اخوہ علی۔	۱۶۵- برہان الدین صاحب المحیط البرہانی	محمود بن احمد۔
۱۶۶- برہان الدین المطرزی	ناصر بن عبد السید، برہان الدین الکبیر۔	۱۶۷-برہان الدین الخریغمنی	احمد بن اسعد۔
۱۶۸-بہاؤ الدین المرغینانی	محمد بن یوسف۔	۱۶۹- تاج الشریعۃ	محمود بن احمد۔
۱۷۰-تاج الدین الصرخدی	محمود بن عابد۔	۱۷۱- تاج الدین القرضی	اسماعیل بن خلیل۔
۱۷۲-جار اللہ، ابنہ عبد اللہ بن علی۔ و اخوہ عبد العزیز زمخشری	محمود بن عمر، الجامع "نوح بن ابی مریم۔ (تجیز زادہ مصطفیٰ)	۱۷۳-الجصاص	احمد بن علی۔
۱۷۴-جلال الدین الخبازی	عمر بن محمد۔	۱۷۵-جلال الدین الریغدمونی	حامد بن احمد بن عبد الرحمٰن۔
۱۷۶-جلال الدین الرازی الانقروی	احمد بن حسن۔	۱۷۷-جلال الدین العیدی	محمد بن احمد۔

۱۷۸ جمال الدین زیلعی — عبد اللہ بن یوسف۔ موصوف نے ھدایہ اور کشاف کی حدیثوں کی تخریج کی۔ یہ زیلعی شارح کنز کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ ان کا نام فخر الدین عثمان بن علی ہے۔ اور برہان الدین الزرنوجی۔ مذکور کذلک۔

۱۷۹-جمال الدین الحصیری	محمود بن احمد۔	۱۸۰- جمال الدین المحبوبی	عبید اللہ بن ابراہیم۔
۱۸۱- جمال الدین الیزدی	المطہر بن الحسین۔	۱۸۲-جمال الدین الاقسرائی	محمد بن محمد بن محمد۔
۱۸۲- جمال الدین ابو الثناء القونوی	محمود بن احمد۔	۱۸۴-جمال الدین الریغدمونی	احمد بن عبد الرحمٰن بن اسحاق۔
۱۸۵-جمال الاسلام الکرابیسی	اسعد بن محمد۔	۱۸۶-الحاکم الشہید	محمد بن محمد۔
۱۸۷-الحاکم الکشنی	حسن بن نصر۔	۱۸۸-الحکیم السمرقندی	اسحاق بن محمد۔

۱۸۹- حافظ الدین الکبیر	محمد بن محمد۔	۱۹۰- حافظ الدین النسفی	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد۔
۱۹۱- حافظ الدین البزازی	محمد بن محمد بن شہاب۔	۱۹۲- حافظ الدین الطاہری	محمد بن محمد بن حسن۔
۱۹۳-الحسام الاخیکثی	محمد بن محمد، مولف المنتخب الحسامی	۱۹۴- الحسام السغناقی	حسن بن علی، صاحب النہایۃ۔
۱۹۵- الحسام الشہید	عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ ۔حسام الدین العلیا بادی اسمہ محمد۔	۱۹۶- حسام الدین الرازی	علی بن احمد۔
۱۹۷- حجۃ الاسلام الکعبی	محمد بن احمد۔	۱۹۸- حمید الدین الضریر	علی بن محمد، حسام زادہ مصطفیٰ۔
۱۹۹- الخصاف	احمد بن عمر بن مصیر۔	۲۰۰- خطیب خوارزم الموفق	احمد بن محمد۔ محی الدین "محمد"۔
۲۰۱- خمیر الوبری	محمد بن ابی بکر۔	۲۰۲- خواھرزادہ	محمد بن حسین۔
۲۰۳-خواجہ زادہ	مصطفیٰ بن یوسف۔	۲۰۴- خواجہ پارسا	محمد بن محمود الحافظی۔
۲۰۵-الخیالی	احمد بن موسیٰ الرومی۔	۲۰۶- رضی الدین الصغانی	حسن بن محمد۔
۲۰۷- رضی الدین القونوی	ابراھیم بن سلیمان۔	۲۰۸- رضی الدین البرھانی	عبد اللہ بن مظفر۔
۲۰۹- رکن الاسلام الواعظ	محمد بن ابی بکر۔	۲۱۰- رکن الاسلام ابوبکر الکرمانی	محمد بن عبد الرشید۔
۲۱۱- رکن الاسلام ابو الفضل الکرمانی	عبد الرحمٰن بن محمد بن امیرویہ	۲۱۲- رکن الاسلام الزاہد الصفار	ابراہیم بن اسماعیل۔
۲۱۳-رکن الدین الکشانی	مسعود بن حسین۔	۲۱۴- رکن الدین العمیدی	محمد بن محمد۔
۲۱۵- رکن الآئمۃ العباغی	عبد الکریم بن محمد۔	۲۱۶- الزین البقالی	محمد بن ابی القاسم۔
۲۱۷- السراج الھندی ، زین الدین ابو الفتح السمرقندی اسمہ عبد الکریم صاحب	عمر بن اسحاق السعد	۲۱۸- الدیری	سعد بن محمد۔
۲۱۹- سعدی چلپی	سعد اللہ بن عیسیٰ۔	۲۲۰- سعد غربوش	طاہر بن اسلام۔

۲۲۱- السعد التفتازانی	مسعود بن عمر۔	۲۲۲- سیف الدین الکرمینی	عبدالرحیم بن احمد۔
۲۲۳-سنان باشا	یوسف بن خضر بیک الرومی۔	۲۲۴- السید الشریف والسید السند الجرجانی	علی بن محمد۔
۲۲۵- سبط ابن الجوزی	یوسف بن فرغلی۔	۲۲۶- شرف الرؤسآء الخوارزمی	محمد بن محمد۔
۲۲۷- شمس الدین الکورانی	اسماعیل (اور کہا گیا ہے کہ احمد) بن اسماعیل۔	۲۲۸- شرف الآئمہ العقیلی	عمر بن محمد۔
۲۲۹- شمس الدین العقیلی	احمد بن محمد۔	۲۳۰- شمس الدین المحبوبی	احمد بن عبیداللہ۔
۲۳۱- شمس الدین الأذرعی	عبداللہ بن محمد۔	۲۳۲- شمس الدین الصناری	محمد بن حمزۃ الرومی۔
۲۳۳-شمس الدین الدیری	محمد بن عبداللہ۔	۲۳۴- صدر الافاضل الخوارزمی	قاسم بن حسین۔
۲۳۵-الصدر السعید تاج الدین	احمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ۔	۲۳۶- الصدر الشہید	عمر بن عبدالعزیز۔
۲۳۷-صدر جہان	محمد بن عبدالعزیز، صدر شہید کے نواسے ہیں۔	۲۳۸- صدر الاسلام	طاہر بن برہان الدین محمود بن صدر السعید۔
۲۳۹-صدر القرآء	یوسف بن محمد۔	۲۴۰- صدر الدین الخلاطی	محمد بن عباد۔
۲۴۱- صدر الاسلام البزدوی	محمد بن محمد۔	۲۴۲- ضیاء الدین	محمد بن حسین۔
۲۴۳-ضیاء السلام البسطامی	عمر بن محمد، الصفار اسحاق ابن شیث ولبنہ اسماعیل ولبنہ ابراہیم و لبنہ حماد۔	۲۴۴- علاء الدین الفارسی	علی بن بلبان، علاء الدین المروزی علی۔
۲۴۵-علاء الدین الحناطی	سدید بن محمد۔	۲۴۶- علاء الدین الکاشانی	ملک العلماء ابو بکر بن مسعود۔
۲۴۷-العلاء المروزی	محمود بن عبیداللہ۔	۲۴۸- علاء الدین الدیناری	عبدالکریم بن یوسف۔
۲۴۹-العلاء الترجمانی	محمد ابن محمود۔	۲۵۰- علاء الدین البخاری	عبدالعزیز بن احمد۔
۲۵۱- العلاء الزاہد	محمد بن عبدالرحمٰن۔	۲۵۲- عماد الدین اللامشی	حسین بن علی۔

۲۵۳-عماد الدین الطرطوسی	علی بن احمد، ولہ فتاوٰی طرطوسیہ۔	۲۵۴- فخر الاسلام البزدوی	علی بن محمد۔
۲۵۵-فخر المشائخ الصمدانی	علی بن عبداللہ۔	۲۵۶- فخر القضاۃ الارسابندی	محمد بن حسین۔
۲۵۷-فخر الدین القزوینی	بدیع بن منصور، فخر الدین الزیلعی عثمان۔	۲۵۸- فخر الدین المایمرغی	محمد بن محمد بن الیاس۔
۲۵۹-الفقیہ الدھستانی	ابراھیم بن محمد۔	۲۶۰- القاضی النسفی	عبدالعزیز بن عثمان۔
۲۶۱- قاضی الحرمین	احمد بن محمد۔	۲۶۲- قاضی خان	حسن بن منصور۔
۲۶۳-قوام الدین الاکاکی، قرہ کمال	کمال الدین اسماعیل قوام الدین الاتقانی امیر کاتب صاحب غایۃ البیان۔	۲۶۴- قوام الدین الصفار	حماد بن ابراھیم۔
۲۶۵-قوام الدین البخاری	احمد بن عبدالرشید۔	۲۶۶- القاضی السدید	محمد بن عبداللہ۔
۲۶۷-الکمال بن الھمام	محمد بن عبدالواحد۔	۲۶۸- مجد الدین الموصلی	عبداللہ بن محمود۔
۲۶۹-مجد الآئمہ السرخسی	محمد بن عبداللہ۔	۲۷۰- مجد الدین الاستروشنی	محمد بن محمود بن حسین۔
۲۷۱- محی الدین القرشی	عبدالقادر بن محمد۔	۲۷۲- محی الدین الکافیجی	محمد بن سلیمان۔
۲۷۳-مفتی الثقلین	عمر بن محمد النسفی۔	۲۷۴- منہاج الشریعۃ	محمد بن محمد بن حسین۔
۲۷۵- المولیٰ خسرو	محمد بن فراموز، دراصل مولیٰ خسرو اضافت کیساتھ ہے مگر مشہور یہی ہے۔	۲۷۶- نجم الدین البارعی	حسین بن محمد۔
۲۷۷-نجم الدین القعقازی	علی بن داؤد۔	۲۷۸- نجم الدین الطرطوسی	ابراھیم بن علی۔
۲۷۹- نجم الدین الاکاشتوانی	عمر بن احمد، نجم الدین "الزاھدی" مختار۔	۲۸۰- نجم الدین الخاصی	یوسف بن احمد۔
۲۸۱- نجم الدین النسفی	عمر بن محمد۔	۲۸۲- نجم العلماء حمید الدین العزیز	علی بن محمد۔
۲۸۳-نظام الدین البارعی	محمد بن حسین بن محمد۔	۲۸۴- نظام الدین وھمام الدین الحصیری	احمد بن محمد۔
۲۸۵-نور الدین الجامی	عبدالرحمٰن بن محمد۔	۲۸۶- نور الدین الخاصری	علی بن محمد۔

۲۸۷-نور الدین الصابونی احمد بن محمد۔ ۲۸۸- المولیٰ یکان محمد بن ادمغان۔

دسواں فائدہ......ظہیر الدین- یہ بہت سے علماء کا لقب ہے کہ جس سے نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ پس جن علماء کا یہ لقب قرار پایا ان کے اصل اسماء یہ ہیں:

۱- علی بن عبد العزیز، الکبیر المرغینانی۔ ۲- حسن بن علی۔

۳- محمد بن احمد صاحب الفتاویٰ الظہیریہ۔ ۴- احمد بن اسماعیل، شارح جامع صغیر۔

۵- احمد بن علی۔ ۶- عبد الرشید۔ اور ان کے علاوہ چند اور بزرگ بھی ہیں جنھیں اس لقب سے نوازا گیا۔

گیارہواں فائدہ......خواہرزادہ: جب یہ لفظ مطلق بولا جائے اور اسکے ساتھ کوئی قید نہ ہو تو اس سے دو امام مراد ہوتے ہیں۔ ایک محمد بن حسین بخاری اور دوسرے محمد بن محمود کردری۔ علامہ کفوی نے خواہرزادہ میں کچھ لفظی اور رسمی بحث کی ہے اور لفظ خواہر کو خواجہ کہ طرح قرار دیا ہے۔

بارہواں فائدہ......لفظ "الشاشی" چند آئمہ کرام کے لئے استعمال کیا گیا۔ جن میں بعض حنفی اور بعض شافعی شامل ہیں۔ مثلاً ابو علی احمد بن محمد بن اسحاق۔ یہ حنفی بزرگ ہوئے ہیں۔ ابو بکر محمد بن اسماعیل المعروف القفال یہ شافعی بزرگ ہوئے ہیں۔ ۳۱۴ھ میں بستی "شاش" میں وفات پائی۔ اور پہلے بزرگ نے ۳۴۴ھ میں وفات پائی۔ اور اسی طرح ابو ابراہیم اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ مولانا عبد الحئی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اصول فقہ میں ہمارے ہاں اصول شاشی ایک مشہور کتاب ہے۔ جو درسِ نظامی کے کورس میں شامل ہے۔ مصنف کشف الظنون نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا نام "الخمسین" ہے کیونکہ تصنیف کے وقت مصنف کی عمر تقریباً پچاس سال تھی۔ تو اپنی عمر کے مطابق اس کا نام رکھا۔ اس کے مصنف نظام الدین الشاشی ہیں۔ محمد بن حسن خوارزمی نے اس کی شرح لکھی۔ جو ۷۸۱ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کے علاوہ کچھ اور بزرگ شافعیوں میں سے "شاشی" کے لقب سے مشہور ہوئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: ابو بکر محمد بن علی القفال الکبیر الشاشی۔ جن کی وفات ۳۶۶ھ میں یا ۳۳۶ھ میں ہوئی۔ دوسرے بزرگ فخر الاسلام محمد بن احمد بن حسین الشاشی۔ جن کی ۵۰۷ھ میں وفات ہوئی۔ کچھ بزرگ "قفال" کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ جیسے عبد اللہ بن احمد قفال مروزی، جو تالے بنانے کا پیشہ کیا کرتے تھے۔

تیرہواں فائدہ: بعض اہل علم صدر الشریعت اور تاج الشریعت کے لقب سے مشہور ہوئے ہیں۔ چنانچہ صدر الشریعت اکبر یا اول کے نام سے احمد بن جمال الدین عبید اللہ المحبوبی اس لقب سے مشہور ہوئے۔ اور یہ تاج الشریعت کے والد ہیں۔ دوسرے عبید اللہ مسعود بن تاج الشریعت ہیں۔ جو شارح "الوقایۃ" ہیں۔

چودہواں فائدہ: بعض آئمہ "نسفی" کہلاتے ہیں۔ چنانچہ "نسف" ماوراء النہر میں ایک شہر ہے اس کی طرف بعض آئمہ منسوب ہیں۔ اور بعض کتابیں بھی منسوب ہیں۔ "عقائد نسفیہ" یہ محمد بن محمد جو برھان حنفی نسفی کے نام سے مشہور ہیں ان کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ ۶۸۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ دوسرے ابو البرکات عبد اللہ ابن احمد بن محمود مصنف "کنز" اور مصنف تفسیر "مدارک" ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بعض بزرگ اس نسبت سے مشہور ہیں۔ پوری تفصیل "فوائد البہیہ" کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

پندرہواں فائدہ: امام الحرمین، یہ دو بزرگوں کا لقب ہے ایک حنفی ہیں دوسرے شافعی۔ حنفی بزرگ کا نام یہ ہے، ابو المظفر یوسف بن ابراہیم بن محمد، قاضی جرجانی، اور دوسرے کا نام ابو المعالی، عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف ضیاء الدین، نیشاپور میں شافعیوں کے بلند پایہ امام ہوئے ہیں۔ ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات ہوئی۔

ترجمۃ المصنف و شراحہ

یعنی مصنف منیۃ المصلی کے حالات اوراس کے شارحین کا بیان

موصوف کا نام محمد بن محمد ہے۔ لقب شیخ سدید الدین ہے۔ (کاشغر) ملک چین کے رہنے والے تھے۔ ۷۰۵ھ میں وفات پائی۔ نماز کے فقہی مسائل پر (۳۰۰) سے زائد صفحات پر مشتمل نہایت شاندار، معتبر اور مستند کتاب لکھی۔ چنانچہ بعد کے زمانے کے اہلِ علم نے بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے اسے دیکھا اوراس سے قابل قدر استفادہ کیا۔ علمائے احناف میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ پچھلے زمانے کے فتاووں میں سے علامہ شامی نے اپنے فتاوے میں متعدد جگہ اس کے مسائل کا ذکر فرمایا اوران مسائل کو بطور شہادت پیش کیا۔ نماز کے متعلقہ مسائل میں سے بعض مسائل مصنف اپنی کتاب میں شامل نہ کر سکے۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کی کیا وجہ تھی۔ اہلِ علم نے اس کوایک مستند کتاب قرار دیتے ہوئے اس کی مختلف انداز میں شروح لکھیں۔ ان میں سے دوزیادہ مشہور ہیں۔ جوایک ہی شارح علامہ ابراھیم بن محمد الحلبی کی لکھی ہوئی ہیں۔ موصوف ''حلب'' کے رہنے والے تھے وہیں اپنے زمانے کے اہلِ علم سے پڑھا پھر مصر مزید علم کے لئے گئے وہاں تفسیر، حدیث، اصول اور فروع حاصل کئے۔ پھر ملکِ روم میں گئے۔ اور وہاں قسطنطنیہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ان میں ایک مبسوط شرح ہے جس کا نام ''حلبی کبیر'' ہے۔ اور دوسری صغیری کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ ابن امیر حاج محمد بن محمد بن احمد حنفی متوفی ۸۷۹ھ نے ایک مبسوط شرح لکھی جو حلبی کی شروح سے کافی بڑی ہے۔ جس کا نام ''حلبۃ المجلی و بغیۃ المھتدی'' ہے۔ اس میں شارح نے حرف ''میم'' سے مشروح یعنی متن اور حرف ''شین'' سے شرح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح شیخ عمر بن سلیمان نے اس کی ایک مخلوط شرح لکھی ۹۷۰ھ میں مکمل ہوئی۔ لیکن وہ حلبی کی شرح سے مختصر ہے اور یحیٰی الصاروخونی نے بھی اس کی شرح لکھی۔ ان کے علاوہ بھی اس کی کئی شروح اور تعلیقات، حواشی وغیرہ لکھے گئے۔ آج تک یہ اسلامی مدارس عربیہ میں فقہی نصاب میں داخل ہونے کی وجہ سے پڑھائی جاتی ہے۔ اسلامی طلباء اور اہلِ علم اس سے نماز کے فقہی مسائل میں بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ خصوصاً ان مسائل میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اوراس کے بیان کردہ مسائل کو معیاری مسائل سمجھ کران سے استفادہ کرتے ہوئے ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس کے متن کا اردو، فارسی اور افغانی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے اوراس کی عربی عبارات پر قابلِ قدر متن ہونے کی وجہ سے اعراب لگائے گئے ہیں۔ ان سب باتوں سے اسکی اہمیت، افادیت اور مرجع توجہ ہونے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگران سب باتوں کی طرف بعد کے اہلِ علم کی توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ان میں شدید اختلاط متعدد اغلاط، حذف وتکرار اور الفاظ کا ردوبدل پیدا ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ عام سمجھ رکھنے والے کے لئے نا قابلِ اعتبار ہو گیا ہے۔ لہذا یہ سب کام ہر اہلِ علم کی توجہ کا محتاج ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانے میں کوئی ایسا قدر اہلِ علم کوئی فرد یا کوئی جماعت پیدا ہو جائے جو اس کمی کو پورا کر دے۔ اور پھر سب لوگوں کے لئے استفادہ علم ہو جائے۔

و ما ذالک علی اللہ بعزیز و ذالک علی اللہ یسیر ہ

نوٹ

راقم الحروف نے بھی اس کی یہی اردو شرح جو آپ کے ہاتھوں میں ہے کچھ عرصہ صرف کر کے بڑی محنت اور کوشش سے لکھی جسکا نام
"انوار التجلی فی حل ما فی منیۃ المصلی"
رکھا، راقم کا نام "ابوالوفاء مفتی محمد سیف الرحمٰن" ہے۔نسبت طریقت قادری سہروردی۔اور نسبت تلمذ برکاتی ہے۔والد گرامی کا نام شیخ الاسلام علامہ زمان حضرت قاضی محمد عبدالسبحان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔اور حضرت قاضی صاحب اعوان شریف کے خلیفہ مجاز تھے۔ (دادا صاحب کا نام) فقیہ زمانہ علامہ محمد مظہر جمیل اور جدّ اعلیٰ کا نام قاضی محمد غوث ہزاروی ہے۔ (موصوف کی ولادت) ہری پور کے مضافات قصبہ کھلبٹ کے ایک نامور قریشی، علوی خاندان میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔والد گرامی نے عقیقہ کے موقع پر نام مذکور تجویز کیا۔مشائخ اور بزرگوں سے دعائیں کروائی گئیں۔

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی اور اپنی نانی صاحبہ سے جو تعلیم یافتہ خاتون تھیں بالکل ابتدائی تعلیم پائی اور خط و کتابت کی طرف رغبت ہوئی۔ پھر اپنی مسجد میں بعض علمی اور دیندار افراد سے قرآن مجید اور فارسی کی چند ابتدائیہ کتابیں پڑھیں۔ پھر عرصہ تین سال تک مدرسہ اسلامیہ زیر اہتمام "انجمن خدام الصوفیہ میں تعلیم پائی اور ۲ سال تک جامع حضرت میاں صاحب شرقپور شریف میں استفادہ کیا۔ پھر ایک سال احسن المدارس راولپنڈی جناب شاہ عارف اللہ صاحب قادری کے زیر اہتمام رہ کر اپنے والد گرامی سے آخری علوم وفنون کی تکمیل کی۔ پھر آخری سال دورہ حدیث کرنے کے لئے دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ میں اپنے والد گرامی سے ۱۹۵۷ء میں دورہ حدیث کیا۔ ۱۹۵۸ء میں جامع رضویہ منظرالاسلام "فیصل آباد" میں محدث اہلسنت حضرت علامہ سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کتب حدیث کا استفادہ کیا۔لیکن اکثر و بیشتر علوم وفنون اپنے والد گرامی سے حاصل کئے اس کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے نامور، ممتاز اور جلیل القدر اساتذہ کرام سے بھی استفادہ کیا۔ان میں مشہور معروف شخصیت جو پاک و ہند کی تقسیم کے بعد ہمارے گاؤں کھلبٹ میں میرے والد گرامی کی خواہش پر تشریف لے آئی جن کا اسم گرامی مولانا عبدالجلیل فاضل ٹونگی مشہور تھا۔ان کی یہاں اقامت کے دوران ان سے بعض کتابوں کا استفادہ کیا۔جس کی وجہ سے برکاتی نسبت حاصل ہوئی اور اپنے بہنوئی مولانا قاضی حبیب الرحمٰن اور برادر مولانا قاضی غلام محمود، ان دونوں سے بھی درس میں استفادہ کیا۔ پھر آخر اپنے سسر فاضل روزگار طریقت کے روحانی پیشوا حضرت قاضی محمد صدر الدین علیہ الرحمۃ سے فقہی کتب اور دیگر مسائل کی توضیح وتشریح میں علمی استفادہ کیا۔

فراغت اور اس کے بعد

موصوف نے فراغت کے بعد مختلف مدارس عربیہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں:

(۱)......اشرف المدارس، اوکاڑہ۔ (۲)......دارالعلوم ربانیہ مجددیہ، ہری پور۔ (۳) جامعہ نعیمیہ لاہور۔

(۴)......دارالعلوم اہلسنت، جہلم۔ (۵)......دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور۔

یعنی ۱۹۵۹ء سے لے کر ۱۹۹۲ء تک یہی درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کا مشغلہ رہا۔ پھر چار سال سے کچھ زائد عرصہ بیرون ملک

برطانیہ (بریڈفورڈ) میں درس وتدریس وتبلیغ اور اشاعت دین کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہاں دینی اجتماعات میں شرکت کی۔ اس ملک میں بس مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے رمضان شریف اور عیدین کے تعین میں ہمیشہ اہل علم وفضل کا اختلاف اور گڑبڑ ہوتی موصوف نے اہل علم کے عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اتفاق واتحاد کی بنیاد دی۔ کتاب وسنت اور اقوال آئمہ کرام کی روشنی میں خود ایک فتویٰ پڑھ کر کہ سنایا۔ جس سے ملک بھر کے اکثر علمائے کرام نے اتفاق کیا اور اس کی تصویب وتحسین فرمائی اور اپنے حلقہ اثر میں اس کی اشاعت فرمائی اور تقریر وتحریر کے ذریعے اس کی تائید کی چنانچہ پورے برطانیہ میں اس کی نشر واشاعت ہوئی۔ پھر تحریر وتقریر کے ذریعہ اسلام کی نشر و اشاعت کی۔ فراغت کے بعد تا حال درس وتدریس کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱- مکمل ترجمہ قرآن مجید اور سورتوں کا تعارف......جو کہ کئی سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۲- انوار السبحان فی علوم القرآن......گیارہ سو صفحات پر مشتمل قرآنی موضوعات پر ایک علمی ذخیرہ ہے۔

۳- انوار الصرف......صرف بہائی کی سوال وجواب میں تقریر ہے۔

۴) معارف الحدیث......احکامی مسائل کے متعلق ارشادات رسول کریم ﷺ۔

۵- انوار الفتاویٰ: فتاویٰ سبحانیہ (اصل نام) الملقب بہ انوار الفتاویٰ ہے۔ مختلف فقہی مسائل پر فتویٰ جات۔ تقریباً چار سو صفحات ہیں۔

۶- شرح ہدایۃ النحو۔
۷- تجلیات شب برأت۔
۸- عقائد اہلسنت ورد اہل بدعت۔
۹- تحقیق العلم (منطقی معلومات کا علمی ذخیرہ)
۱۰- انگوٹھے چومنا۔
۱۱- نیل الشفاء فی جواز النداء۔
۱۲- اقامۃ البرھان علی من انکر دعوۃ الختان۔
۱۳- انوار الایمان فی فضائل رمضان۔
۱۴- فضائل ومسائل کلمہ طیبہ۔
۱۵- دروسِ حدیث۔
۱۶- دروسِ قرآن۔
۱۷- تشریح بیضاوی۔ (المسمیٰ الحاوی)۔
۱۸- فضائل ومسائل جمعہ وعیدین۔
۱۹- سراجی کی مبسوط شرح اردو
۲۰- نور الایضاح کی شرح۔
۲۱- کنز کی کتاب الفرائض کی شرح۔
۲۲- منیۃ المصلی کی مبسوط شرح۔
۲۳- احکام میت۔
۲۴- مشکوٰۃ شریف کے ضروری مقامات کا ترجمہ اور فوائد۔
۲۵- فضائل ومسائل اعتکاف۔

اور ان کے علاوہ بہت سی علمی کتابیں زیر تجویز اور زیر تالیف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کے طفیل کرم فرمایا اور زندگی نے وفا کی اور آپ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب گرامی ﷺ کے طفیل یہ سب علمی کام مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عام مسلمانوں کو مستفید ہونے کی توفیق دے۔ (آمین)

و مـــا توفیقی الا باللہ علیه توکلت و الیـــه انیب حسبی اللہ نعم الوکیل نعم المولٰی و نعم النصیـــر

نوٹ

حضرات گرامی! اور شائقین حضرات! منیۃ المصلی کی یہ مبسوط اور تفصیلی شرح جو "انوار التجلی" کے نام سے موسوم ہے عرصہ دو تین سال کی مدت میں بڑی محنت اور کاوش سے اور سینکڑوں کتابوں کی تلاشِ بسیار سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی نظر عنایت سے اس کی تکمیل کی توفیق دی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس علمی خدمت کو مجھ سے قبول فرمائے اور میرے لئے زادِ قبر اور سفرِ آخرت کا ذریعہ بنائے۔ اور تمام اہلِ دنیا کے تمام اہلِ علم و فضل کو اس سے استفادہ کرنے کی بھرپور توفیق عطا فرمائے۔ اور رہتی دنیا تک اس کا فیضان مسلمانوں میں جاری و ساری فرمائے۔ (آمین)

اور اس علمی کام کی برکت سے میرے والدین کریمین اور جملہ اساتذہ، مشائخ گرامی اور طلباء کرام کو اپنی رحمتوں، برکتوں اور نوازشوں سے بھرپور انداز میں نوازے۔ (نیز) اس میں اگر کوئی خامی، کمزوری اور غلطی، سہو و نسیان کی بنا پر رہ گئی ہو، اور جب اہلِ علم اس سے استفادہ کریں تو خود اصلاح فرمادیں۔ اور حتی الامکان ہمیں بھی آگاہ کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر ناچیز کو آگاہ کیا گیا تو شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اصلاح کردی جائے گی۔ اور آئندہ بے غبار عبارت درج ہوگی۔

و ما علینا الا البلٰغ و صلّی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه و نور عرشه و زینة فرشه سیدنا محمدٍ و علی اٰله و اصحابه الیٰ یوم القیامة و بعد القیامة اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

انا العبد الضعیف تراب اقدام اهل السنة
ابو الوفاء مفتی محمد سیف الرحمن القادری البرکاتی نـزیل خانقاه
نـقشـبـنـدیـه مـجـددیـه صـدریه، خلف الصـــدق علامـــة الـزمان شیخ
الاسـلام حـضـرت قاضی صاحب کهلابٹی المتوطن، مسکناً الحنفی
مشـــربـــاً الـقـــادری، السهـــروردی نسبـتـاً و طـریـقـتـاً
مورخہ ۹؍اکتوبر ۲۰۰۱ء بمطابق ۱۲؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ بروز سہ شنبہ
در کتب خانہ خود جمیع تحریر کردہ شد

بحمد اللہ تعالیٰ

البشیر الکامل

ایک عظیم علمی خدمت

فن نحو کی مشہور کتاب

شرح مائۃ عامل

پر لکھی گئی سرمایہ تدریس فخر المدرسین امام النحو

علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی اردو شرح

البشیر الکامل

پہلی مرتبہ خوبصورت و دیدہ زیب انداز میں جدید تزئین و آرائش کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر کمپیوٹرائزڈ طرز پر قاسم پبلی کیشنز شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جس کی بدولت علماء و طلباء کو پرانے نسخے اور ٹیڑھے خط کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ سیدھی سطروں کے موجودہ نسخے سے بھرپور استفادہ کر سکیں گے۔

ناشر: قاسم پبلی کیشنز اردو بازار، کراچی۔ پاکستان

موبائل: 0300-2196801-0300-2134630

﴿البشیر الکامل﴾

ایک عظیم علمی خدمت

فن نحو کی مشہور کتاب

﴿شرح مائۃ عامل﴾

پر لکھی گئی سرمایہ تدریس فخر المدرسین امام النحو

﴿علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ﴾

کی اردو شرح

﴿البشیر الکامل﴾

پہلی مرتبہ خوبصورت و دیدہ زیب انداز میں جدید تزئین و آرائش کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر کمپیوٹرائزڈ طرز پر قاسم پبلی کیشنز شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جس کی بدولت علماء و طلباء کو پرانے نسخے اور ٹیڑھے خط کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ سیدھی سطروں کے موجودہ نسخے سے بھرپور استفادہ کر سکیں گے۔

ناشر: قاسم پبلی کیشنز اردو بازار، کراچی۔ پاکستان

موبائل: 0300-2196801-0300-2134630


طريقة جديدة لتعليم العربية
شرح مائة عامل